UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222983
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

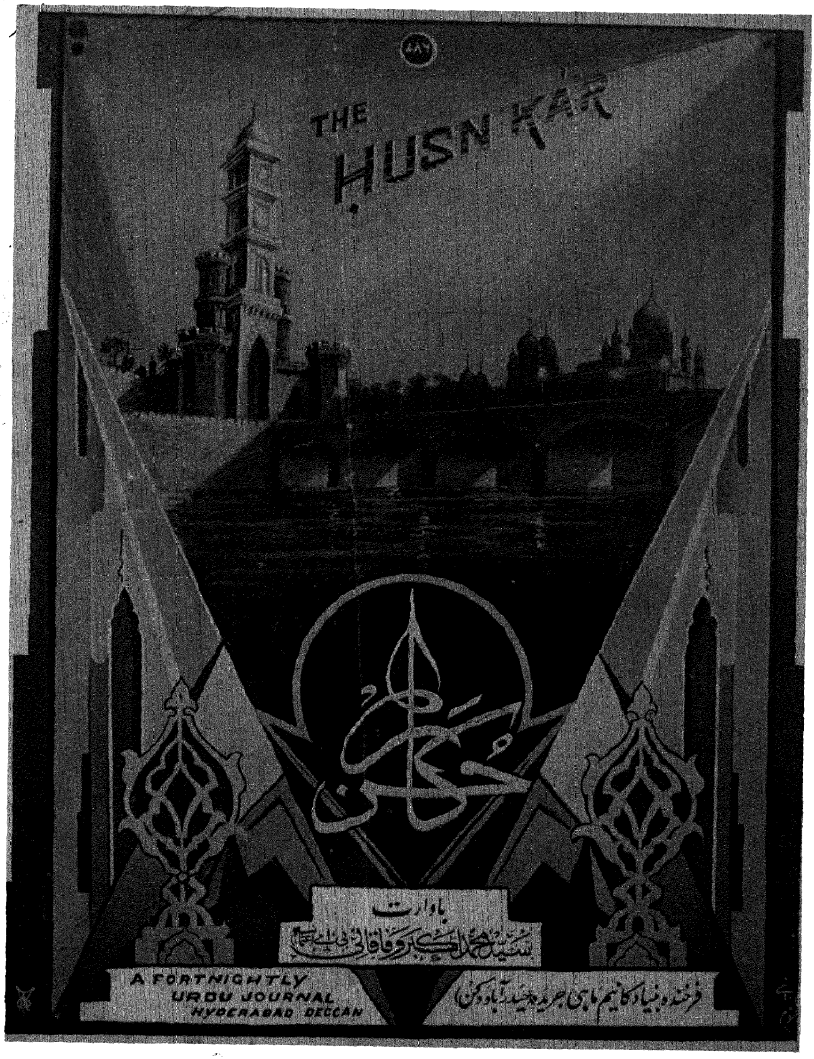
Call No. ۸۹۱۵۴۳۰۵ Accession No. ۹۲۹۰

Author حسن کار

Title رسالۂ حسن کار

This book should be returned on or before the date last marked below.

بخدمت عالیجناب صدارت مآب علیہ السلام
پیش کردہ
اکبر وفا قانی



مضامین خاص ۔ ادبیات اور سیرت ۔ ماناھری ۔ سنہ ۲۰۳۰ع میں

ٹائٹل مطبوعہ مفید پریس

CHEC

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کے لیے سب سے اچھی مؤثر جلد اور اردو سیکھنے والوں کے لیے اعلیٰ کتاب۔

قواعد اردو (مولفہ) عبدالرحمن صاحب رئیس

قیمت (۱۲) (علاوہ کا پتہ)

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگس قریب پٹہ خانہ انگریزی حیدرآباد

آپ کی کتابیں کہاں چھپتی ہیں

ٹائپ انگریزی۔ اردو۔ لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثرت سے فراہم کی گئی ہیں حیدرآباد میں چھپائی کے کام شکایت باقی نہ رہے

متقنی پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کے لیے بہترین تحفہ

اپنے بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لیے بہترین کتاب

سیرت و کردار

(مولفہ)

عبدالرحمن صاحب رئیس

ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ قیمت محی الدین بلڈنگس

نرخ نامہ

حسن کار

چندہ سالانہ - بلدہ - اضلاع

عہ ۸ لے

ششماہی - عہ ۱۲/ے

سہ ماہی - عہ ۸/ے

فی پرچہ ۴/

فہرست مضامین

(۱) ٹالسٹائے کا نظریہ حسن کاری۔ از جناب روشن رائے صاحب (عنایت)
(۲) مشرقی کی بیداری۔ از بنت الشاطی "صاحب بی۔ اے" (عنایت صفحہ ۵)
(۳) شادی یا خانگی ظلم۔ از مسز سرکشتہ صفحہ (۷)
(۴) معلومات ..... صفحہ (۱۲) رسنج اسکار
(۵) ماتا ہری۔ از جناب سید شاہ محمد صاحب ایم اے (عنایت صفحہ ۹)
(۶) تعلیمات .....
(۷) لیڈر ..... (از مدیر صفحہ ۱۲)
(۸) تحریکات ..... صفحہ (۱۳)
(۹) والد مرحوم (نظم) ... از ابو وفا فانی
(۱۰) سنہ ۲۰۰۳ء میں (افسانہ) مترجمہ جناب سید باراس بی۔ اے (آنرس) علیگ
(۱۱) سیرت اور ادبیات۔ مترجمہ جناب سید محمد صاحب ایم اے (عنایت)
(۱۲) نسوانی پیرہن ... (از "حسن کار")

حسن کار

کے

"مضمون نگاروں سے گذارش"

۱۔ براہ کرم مضمون کا غذ کے ایک طرف لکھے جائیں۔

۲۔ مضامین موضوعہ عام فہم اور جامہ ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔

۳۔ افسانہ اور ادب لطیف جدید اصول پر لکھی ہوں۔

۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہیے۔

۵۔ حسن کار ماہ الٰہی کی یکم اور پندرہ کو شایع ہوا کریگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار عبدالقیوم کی

زیر نگرانی میں

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب خانہ کا قدیم رسائل اور اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو۔

کاشانہ باز

یاد رکھیے

کاشانہ باز رکاب گنج حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ٹالسٹائے کا نظریہ حسن کاری

از

"روشن رائے"

"ٹالسٹائے کو اپنی زندگی میں مختلف مشغولوں سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ لیکن حسن کاری سے اسکو ہمیشہ لگاؤ رہا۔ ایک عرصہ دراز تک اس کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد اس نے اپنی مشہور تصنیف "حسن کاری کیا ہے؟" پیش کی۔ وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ ان خیالات کی چوپیں نے اس کتاب میں ظاہر کئے ہیں، تشریح و توضیح میں کامل پندرہ برس گذرے۔ اس کتاب میں اس نے بارہ مضامین لکھے تھے جن کے متعلق خود اس کی بہ رائے ہے یہ مضامین اس کے تمام فلسفیانہ تصانیف میں بہترین ہیں۔

اس کتاب کے لکھنے کے دو برس قبل اس نے ایک اور مقالہ "حسن کاری" تحریر کیا تھا۔ یہ مقالہ دراصل ایک مرحلہ ہے جو ٹالسٹائے کو اسی مسئلہ کی تشریح کی آخری منزل کی طرف لیجاتا ہے۔ اس میں بھی تقریباً وہی خیالات ہیں جو اس نے اپنی مشہور تصنیف میں ظاہر کئے ہیں۔ لیکن اس مقالہ میں بعض مسائل ایسے ہیں جن میں ٹالسٹائے نے بعد کو ترمیم اور اضافہ بھی کیا ہے۔

اس دفعہ ہم حسن کار کے لئے اسی مقالہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

---

(۱)

ہماری زندگی میں بہت سی فضول اور بیکار حتی کہ نقصان رساں چیزیں ہیں۔ ان کا یا تو نہایت احترام کیا جاتا ہے جس کی وہ مستحق نہیں ہیں یا ان کو اہمیت کے اعتبار سے برداشت کر لیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ پھولوں، گھوڑوں اور فطرتی مناظر کے نقشے کھینچنا یا چند اجزائے موسیقی کو بے ڈھب طریقہ سے یکجا کر لینا جس کا ہمارے تعلیم یافتہ خاندانوں میں زیادہ رواج ہے یا کمزور قصے اور لایعنی اشعار لکھنا جو میگزینوں کی تعداد میں اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتے ہیں حسن کارانہ فعلیتیں نہیں ہیں۔ نا شائستہ اور فحش تصویریں کھینچنا جن سے شہوانی ہیجان پیدا ہو یا اسی نوعیت کے گیت، سرود اور افسانے لکھنا ایسی فعلیت نہیں ہے جس کا احترام کیا جائے۔

اس لئے اس ساری پیداوار کو جسے ہم حسن کارانہ کہتے ہیں پیش نظر رکھنے کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اچھا ہوگا اگر ہم پہلے حسن کاری کو ان امور سے علیحدہ کر لیں جن کو اس نام سے موسوم ہونیکا مطلق حق نہیں ہے اس کے بعد حقیقی حسن کاری کو پیش نظر رکھ کر بیکار، غیر ضروری اور بد سے اہم، ضروری اور نیک کو متمائز کریں۔

حسن کاری اور غیر حسن کاری میں ایک خط قائم کرنا اور پھر حسن کاری میں ضروری اور نیک غیر ضروری اور بد کے درمیان حدود معین کرنا ہماری زندگی کا ایک نہایت اہم سوال ہے۔

ہماری زندگی کی بہت سی خطا کاریاں اور غلطیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم ان چیزوں کو حسن کاری کہتے ہیں جو حسن کاری نہیں ہیں۔ ہم ان چیزوں کی قدر کرتے ہیں جو نا قابل قدر ہی نہیں بلکہ لایق ملامت و نفرت ہیں۔ انسانی محنت بہت سی اشیاء کی تیاری میں جو حسن کاری کی پیداوار کے لئے ضروری ہے صرف ہو رہی ہے۔ قطع نظر اس کے انسانوں کی جانیں تک یکطرفہ محنت سے جو حسن کاری کی تربیت و تعلیم حاصل کرنے میں ضائع ہوتی ہے، تباہ ہو رہی ہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں بچے جو موسیقی اور ناچ کی مشق کرتے ہیں اسی یکطرفہ محنت کے عادی بنائے جا رہے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقوں کے بچوں کا جو تکلیف دہ اسباق کی صورت میں حسن کاری کا خراج ادا کرتے ہیں معاملہ تو الگ رہا، عام بچے جو موسیقی اور بیالٹ (اجتماعی ناچ) جیسے پیشوں کے لئے تیار ہوتے ہیں حسن کاری کے نام پر بھینٹ چڑھا دئے جاتے ہیں۔ جب سانحہ یا آتھر پریس کے لڑکوں کو بجانے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، جب دس یا پانچ برس کے لڑکیوں کو دن بھر مسلسل سات یا آٹھ گھنٹوں تک اسی میں مصروف رکھا جاتا ہے جب لڑکیوں کو بیالٹ سیکھنے کے لئے مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حمل کی ابتدائی مہینوں میں کودنے اور پھاندنے کی تعلیم دی جاتی ہے، جب یہ سارے امور حسن کاری کے نام سے کئے جاتے ہیں تو یقیناً سب سے پہلے ہم کو اس کی تعریف کرنی چاہئے کہ آخر حسن کاری کیا ہے؟ اس پہلے کو سمجھ لینے کے بعد ہم کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حسن کاری نوع انسانی کے لئے ایک اہم اور ضروری شئے ہے۔

تو پھر حسن کاری کو جو انسانیت کے لئے ایک ضروری اور قابل قدر شئے ہے۔ بے کار و شاغل، تجارتی پیداوار اور یہاں تک کہ بداخلاقی سے جدا کرنے والا خط کہاں ہے؟ حقیقی حسن کاری کا نچوڑ، اسکی اصلیت اور اہمیت آخر کس چیز میں پوشیدہ ہے؟

(۲)

ایک نظریہ جس کو اس کے مخالفین "رجعانی" کہتے ہیں یہ ہے کہ حقیقی حسن کاری کی اصلیت مضمون کی اہمیت میں ہوتی ہے۔ حسن کاری کو واقعی حسن کاری ہونیکے لئے یہ ضروری ہے کہ اسکا مافیہ (content) ایسا ہو جو انسان کے لئے اہم، ضروری، نیک، اخلاقی اور مصلحت آمیز ہو۔

اس نظریہ کی رو سے ایک حسن کار۔ یعنے وہ شخص جو کچھ مہارت رکھتا ہو، ایک اہم عنوان کو جس میں اس وقت کوئی دلچسپی پوشیدہ ہو منتخب کرکے اور حسن کارانہ صورت (Form) میں ظاہر کرکے حقیقی حسن کاری کا عمل پیش کرتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اگر مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی صداقتیں حسن کارانہ صورت میں جلوہ گر ہوں تو یہ حسن کارانہ پیداوار ہے۔

دوسرا نظریہ جو جمالی یا "حسن کاری محض حسن کاری کے لئے" کہلاتا ہے یہ ہے کہ حقیقی حسن کاری کی اصلیت اس کی صورت (Form) کے حسن میں ہے۔ حسن کاری کے حقیقی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو کچھ پیش کیا جائے وہ حسین اور خوبصورت ہو۔

اس نظریہ کے لحاظ سے حسن کاری کی پیداوار کے لئے یہ ضروری

ہے کہ حسن کار فن سے واقف ہو اور ایک شئے کا ایسا نقشہ کھینچے کہ ایک دل آویز ارتسام پیدا ہو جائے۔ اس اعتبار سے ایک حسین نظر فی منظر پھول ہو یا ایک عریاں شبیہ، اور بیالٹ یہ سب حسن کارانہ اعمال (Realistic) کہلائے ہیں۔

ایک تیسرا نظریہ ہے جس کو حقیقی (Realism) کہتے ہیں اس کے لحاظ سے حسن کار کی اہمیت "حقیقت" (Reality) کے صحیح اور سچے طریقہ سے پیش کرنے میں پوشیدہ ہے حسن کاری کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ زندگی کا ایسا نقشہ کھینچا جائے جیسی خود ہماری زندگی ہے۔

اس نظریہ کی رو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حسن کار جو کچھ دیکھتا ہے یا سنتا ہے یا جانتا ہے وہ اپنے احضار کی قوت کو استعمال کرتا ہے وہ سب حسن کاری نہیں ہو سکتی ہے خواہ اس کا تعلق مضمون کی اہمیت یا صورت کے حسن سے ہو یا نہ ہو۔

یہ ہیں وہ نظریے جن کی بنا پر حسن کارانہ عمل کو پہلے ہم دوسرے یا تیسرے نظریہ کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں قطع نظر اس کے کہ ان تمام نظریوں میں تباین موجود ہے ان میں ایک نظریہ بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے خاص مطالبہ کو پورا کرتا ہو۔ یعنے وہ حد کہاں ہے جو حسن کاری کو بتاتی ہے غیر ضروری اور نقصان رساں پیداوار سے الگ کر دیتی ہے۔

ہر نظریہ کے لحاظ سے حسن کارانہ اعمال متواتر دستی کاریگری کی طرح پیدا کئے جاتے ہیں۔ یہ غیر ضروری بیکار اور نقصان رساں بھی ہو سکتے ہیں۔

پہلے نظریہ یعنے رجحانی کی رو سے اہم مضامین مذہبی اخلاقی معاشرتی یا سیاسی پیش کیا کرتے ہیں جن سے ایک شخص حسن کاری کے اعمال پیش کر سکتا ہے یہ مضامین بلا خلوص (Sincerity) کے دعوے کے طریقہ سے اس طرح بھی پیش کئے جا سکتے ہیں کہ یہ سارے اعمال اہم مضامین سے متعلق ہونے کے باوجود بالکل فضول اور بیکار۔ یہاں تک کہ نقصان رساں "مذمت ہوں۔ ان اعمال کا اعلیٰ مافیہ (اظہار) میں خلوص نہ ہونے کے سبب پست اور ذلیل ہو جاتا ہے۔

تیسرے نظریہ یعنے موجودگی کے لحاظ سے ہر وہ شخص جو کہ متواتر حسن کاری کی اشیاء پیش کر سکتا ہے کبھی یہ شخص کسی نہ کسی چیز میں دلچسپی رکھتا ہے۔ لیکن اگر مصنف کو پست اور بری اشیاء سے دلچسپی ہو تو اوس کا عمل بھی پست حقیر اور برا ہو گا۔

اصلی نکتہ یہ ہے کہ ہر نظریہ کے مطابق حسن کارانہ اعمال ایسے پیش کئے جاتے ہیں جیسے دستی صنائع کی اشیاء تیار ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ تباین اور متخالف نظریے حسن کاری اور غیر حسن کاری کے درمیان حد فاصل کھینچنے میں بڑے ناکام ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ تینوں نظریے حسن کاری کے دائرہ کو اس حد تک پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ساری پست، فضول اور نقصان رساں چیزیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔

(۳)

حسن کاری جو ایک ضروری اہم اور قابل احترام بلکہ قابل فخر اشیاء ہے اس کو نہ ضروری غیر اہم اور نہ قابل احترام بلکہ قابل نفرت اشیاء سے یا ایسی پیداوار سے جس سے برا اثر مترتب ہوتا ہے جدا کرنے والے حدّ کہاں ہیں؟ حقیقی حسن کارانہ فعلیت کس چیز میں پنہاں ہے۔

اس سوال کے جواب دینے کے پہلے ہم کو حسن کارانہ فعلیت کا یقین کر لینا ضروری ہے۔ ایک فعلیت جس کے سمجھنے میں لوگ اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ یہ فعلیت ان ارتسامات اور تصورات کا جن کو ہم نے پچھلی نسلوں سے حاصل کیا ہے منتقل کرنا ہے اس کے سوا ایک اور فعلیت ہے جس میں انسان نئے ارتسامات کو قبول کرتا ہے اور یہی ارتسامات نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہیں۔

ان ارتسامات کے منتقل کرنے کو قدیم زمانہ کے لوگ درس و تدریس کی فعلیت کہتے تھے لیکن کسی نئی چیز کی پیداوار "تخلیق" ہے جو حقیقی حسن کارانہ فعلیت ہے۔

علم کو منتقل کرنے کا معاوضہ جیسے تدریس بجائے خود کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ اس کا انحصار اس اہمیت پر ہے جو لوگ کسی تخلیق شدہ شئے کے ساتھ متعلق کر دیتے ہیں اور اسی شئے کو وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی جائے اس لئے تخلیق کی تعریف سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کس چیز کو منتقل کرنا چاہئے عام طور پر راستا دکا فرض حسن کار نہیں ہوتا حسن کارانہ فعلیت ہمیشہ تخلیق سے منسوب کی جاتی ہے۔

پھر حسن کارانہ تخلیق کیا ہے؟

حسن کارانہ تخلیق ایک ذہنی فعل ہے جو دو حدیے احساسات یا افکار کو ایسی صاف اور واضح شکل پر لاتی ہے کہ وہ احساسات اور افکار دوسروں کے دلوں پر اثر کر جاتے ہیں۔

یہ عمل تخلیق جس سے سارے انسان اپنے اندرونی تجربہ کی بنا پر بخوبی واقف ہیں اس طرح واقع ہوتا ہے۔ ایک شخص کو ایک ایسی شئے کا دھندلا سا احساس ہوتا ہے جو اس کے لئے بالکل نئی ہوتی ہے اس شخص نے اب تک اس شئے کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا ہے یہ نئی شئے اس کو متاثر کرتی ہے اور وہ عام گفتگو میں اپنے دوستوں سے اس شئے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن وہ چھپ کر تا ہے کہ جو چیز اس پر واضح اور عیاں ہے وہ اس کے دوستوں کو نظر بھی نہیں آتی۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے اس کو وہ نہ دیکھتے ہیں اور نہ محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح کی حیثیت، تصادم اور فرق کے اس کو کچھ پتہ چلتا ہے اس لئے وہ اپنے اور اس کی صحت کر کے ہزار طریقوں سے اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے، محسوس کیا ہے اور سمجھا ہے اس کو دوسروں تک بھی پہنچا دے تاکہ دوسرے بھی اس شئے کو اسی طرح دیکھیں، محسوس کریں اور سمجھیں۔ لیکن اب بھی اس کے دوست کچھ نہیں سمجھتے اور کچھ محسوس نہیں کرتے اس کے بعد اس شخص کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں نے جس شئے کو محسوس کیا ہے اور جو شئے میرے تخیل میں آئی ہے اس کا کیا واقعی وجود نہیں ہے، یا میرا یہ احساس کیا ایسی شئے کو دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں جس کا حقیقت میں وجود ہے؟ اس شک کے رفع کرنے کے لئے وہ شخص اپنی مخلصانہ قوت اس امر کے لئے صرف کرتا ہے کہ اس کے معلومات ایسے واضح ہو جائیں کہ نہ خود کو اور نہ دوسروں کو التباس باقی رہے۔ جب یہ تشریح و توضیح مکمل ہو جاتی ہے تو اس کا اپنا التباس باقی رہتا ہے اور نہ دوسروں کو شک کرنے کی گنجائش رہتی ہے بلکہ عوام اب اس کو سمجھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں تشریح و توضیح کی اس کوشش سے ایک شئے جو پہلے اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھندلی نظر آتی تھی اب اپنے لئے اور دوسروں کے لئے نہایت صاف اور واضح ہو گئی۔ یہی کوشش ایک حسن پارہ ہے۔ جہاں سے عام طور پر انسان کی روحانی فعلیت کی نہر جاری ہوتی ہے اسی کو ہم حسن کاری کہتے ہیں۔ جن کارانہ اعمال۔ ہماری نظر میں وقعت پیدا کرتے ہیں، اور ان اشیاء کو دیکھنے پر مجبور کرتے ہیں جن کو ہمیں (کاش پہلے ہم کو ادراک نہ ہوا تھا۔

ایک حسن کاری فعلیت اسی پر مشتمل ہے اور اسی فعلیت۔

( ) (یعنی اثر قبول کرنے والے) کے احساس کا تعلق ہے اس احساس کا حسی نقالی میں، یا ایک طرح کی سب کانشس (نومیت) میں یا اشارۃً (Infection) اسی حقائق میں پایا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حسن کار اپنے مضمون کو حسن میں ڈھالنے سے پہلے شک اور التباس سے واضح کرنے کی کوشش کر کے اپنے حسن کارانہ پیداوار کے ذریعہ معلومات تک منتقل کر دیتا ہے۔ حسن کارانہ عمل اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ ایسا صاف اور واضح ہو جائے کہ دوسروں کے قلوب میں بھی وہی احساس پیدا ہو جس کا تجربہ ایک حسن کار کو اس عمل کی تخلیق کے وقت ہوا تھا۔

جس شئے کا پہلے ادراک نہ ہوا تھا جس شئے کا پہلے احساس نہ ہوا تھا اور جو شئے ابتداء میں سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ احساس کی شدت سے توضیح کے اس مرتبہ پر آ جاتی ہے کہ سب اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہی پیداوار اور حسن کارانہ عمل ہے۔

(اس مصنف کا ایک اور مضمون آئندہ اشاعت میں آئیگا۔)

مشرق کی بیداری

از

بے نظیر

جنگ عظیم نے جہاں دنیا کی معاشی اور اقتصادی حالات کو درہم برہم کیا وہاں اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مشرقی اپنے خواب سے پوری طور پر بیدار ہو گیا۔ یوں تو مشرقی ممالک ایک زمانہ سے یورپ کے سیاسی چالوں سے واقف ہو چکے تھے جو تجارتی اغراض یا کلیسائی تبلیغ جیسے مقدس چیزوں کا دوسرا نام تھا اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ طمع ان کے ملکوں اور ان کے اصول خزانوں کو لوٹا جا رہا ہے لیکن ان کی بے بسی اور احساس کی عدم موجودگی ہمیشہ ان کی آزادی حاصل کرنے میں سدراہ ثابت ہوتی رہی قبل از جنگ مشرق میں صرف جاپان ہی ایک ایسا ملک تھا جو حقیقی معنوں میں آزاد تصور کیا جا سکتا تھا جسکی ترقی دوسرے ملکوں کے لئے ایک زندہ مثال تھی۔

دوسرے یہ کہ مشرق کی یہ بیداری اور اسکا انتشار صرف مغرب کے استبداد یت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ خیال کہ تمدن جدید سے ان کے مذہب اور قدیم روایات کو صدمہ پہنچ رہا ہے انکو اپنے قدیم گھر تغیر پذیر تمدن کو مضبوط پکڑے رہنے پر مجبور کر رہا تھا کیونکہ ماضی کی یہی ایک چیز اُن کے لئے باقی رہ گئی تھی جسے وہ بجا طور پر ناز کر سکتے تھے۔ غرض یہ قدیم اور جدید تمدن کی کشمکش تھی جس نے مشرق کو بیدار کیا۔

ان حالات کے مدنظر روس میں بالشوی حکومت کا قیام مشرقی ملکوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی کیونکہ یہ حکومت شہنشاہیت کی مد مقابل تھی اور اس نے ہمیشہ مشرقی قوموں کو یورپی حکومتوں کے مقابل مدد دینے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اور اب بھی یورپ کو ہمیشہ اوس کی طرف سے خطرہ لگا ہوا ہے جس کے ساتھ ہی وہاں کی حالیہ معاشی اور اقتصادی ترقیاں یورپ کے لئے پریشانیوں کا باعث ہیں۔

چین مشرقی قوموں میں بلحاظ تعداد اور قدامت کے سب سے اہم چینی ہے۔ چین کی نوے فیصدی آبادی زراعت پیشہ اور جاہل ہے۔ وہاں کے خاندان ابوی طریقے پر قائم ہیں پیشوں میں خاصی تنظیم ہے اور اکثر پیشہ وری انجمنیں قائم ہیں۔ تاہم ملک کی عام حالت اچھی نہیں ہے لیکن جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ایک طبقہ نے ملک سے جہالت دور کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۱ء سے چین میں ایک تحریک شروع ہوئی جس نے ایک زبان اور ایک عام ادب کی ضرورت پر بہت زور دیا۔ اس قسم کی نئی تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں ترقی کی لہر دوڑ گئی۔ عورتیں آزادانہ ملکی معاملات میں حصہ لینے لگیں تعلیم کی طرف خاص توجہ کیگئی ملک میں زراعت کو جدید طریقوں پر فروغ دینے کے لئے صنعت و حرفت اور ذرائع نقل و حمل کی توسیع کا خاص انتظام کیا گیا۔ غرض ہر قسم کی تعلیمات سے ملک کی معاشی حالت میں ایک معتدبہ فرق پیدا کر دیا۔

۱۹۱۱ء میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور ایک جمہوریت قائم کیگئی۔ جنگ عظیم نے ۱۹۱۵ء تک چین پر کوئی خاص اثر نہیں کیا لیکن یورپین اقوام کی رشہ دوانیوں سے فائدہ اٹھا کر جاپان نے چین کی طرف توجہ کی اور مئی ۱۹۱۵ء میں چینی حکومت ایک ایسے صلحنامے پر مجبور کی گئی جسکی رو سے جاپان کو چین میں بہت سے حقوق حاصل ہو گئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شانٹنگ کے صوبہ پر جاپان کو تصرف حاصل ہو گیا۔

کانفرنس صلح میں چین نے دو نمائندے بھیجے۔ چین کے بعض لیڈروں کا پریذیڈنٹ ولسن اور ان کے چودہ دفعات پر بہت ایمان تھا۔ چینی یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح چین کا شمار آزاد مملکتوں میں ہو جائے اور ساتھ ہی ان مراعات کا بھی خاتمہ ہو جائے جو دوسری سلطنتوں نے ناجائز طور پر چین میں حاصل کر لیے تھے مگر جاپان کی دست درازیوں سے نجات ملے۔ نتیجہ آخر وہی ہوا جو ہونا تھا یعنی کانفرنس صلح نے جاپان کو شانٹنگ دینے کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ اور فرانس نے اس قبضہ کی تائید میں جاپان سے ایک صلحنامہ پر دستخط کئے اور اس صلحنامہ کو رازمیں رکھکر جاپان نے ایک دوسرا صلحنامہ امریکہ سے کیا جسکی وجہ سے اس کی حالت اور مستحکم ہو گئی۔ ۱۹۱۹ء میں چین میں غیر ملکیوں کے خلاف ایک تحریک شروع ہوئی جس کا تمام ملک نے خیر مقدم کیا۔ عملاً یہ تحریک جاپانیوں کے خلاف تھی۔

۱۹۲۱ء میں جو واشنگٹن کانفرنس ہوئی اسمیں پھر چین کی طرف سے کوشش کی گئی کہ اس کی آزادی تسلیم کی جائے اور غیر ملکیوں کے خاص مراعات کا خاتمہ ہو۔ واشنگٹن کانفرنس کی تحریک کی بنا پر ایک کمیشن مقرر کیا گیا لیکن اس سے بھی چین اپنی تمناؤں میں پوری طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔

۱۹۲۱ء میں سن یٹ سن کا بحیثیت صدر جمہوریہ انتخاب عمل میں آیا لیکن پیکنگ کا فوجی قبضہ چانگ کائی شیک کے ہاتھ میں رہا جسکو ۱۹۲۶ء میں بھگا دیا گیا لیکن بعد میں اسکا قبضہ پھر بحال ہوا۔ خود سن یٹ سن کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا اور ۱۹۲۳ء میں کینٹن سے اسکو بھاگنا پڑا لیکن روسی مشیر کے ساتھ وہ ۱۹۲۳ء میں واپس ہوا۔ ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی بڑھنے لگی اور غیر ملکیوں کے ساتھ برا سلوک کیا جانے لگا۔ قومی پارٹی یا کیومنتانگ پر روس کا بہت اثر ہوا۔

۱۹۲۶ء میں چین کے سب سے زبردست محب قوم یعنے سن یٹ سن کا انتقال ہوا اور چین میں خانہ جنگی اور بدامنی کا بازار گرم ہو گیا۔ ۱۹۲۶ء میں جنوبی چین پر قومی پارٹی یا کیومنتانگ کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ خدا بہ خوب الوطنی میں اتنے آگے تھے کہ غیر ملکیوں سے انہیں مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا۔ ۱۹۲۷ء میں اس پارٹی کی ایک کانفرنس نے اجتماعیت کے خلاف ایک تحریک منظور کی لیکن غیر ملکیوں اور ان کے حقوق کے یہ روادار نہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ہانگ کو پر انہوں نے قبضہ کیا اور نتیجۃً انگریزوں سے متصادم ہو گئے۔

لیکن یہ اچھا ہوا کہ معاملہ بہت آگے نہیں بڑھنے پایا۔ چانگ کائی شیک نے بہت جلد حالات پر قابو حاصل کر لیا اور ۱۹۲۸ء میں ایک نوٹ شائع کیا گیا جس سے چینی قومیت کی مدد کا حکومت کی طرف سے اقرار کیا گیا۔

اپریل ۱۹۲۸ء میں چند مہینوں کی خاموشی کے بعد جنوبی افواج نے پھر شمال کی طرف پیش قدمی کی اور صوبہ شانٹنگ کے فوجی اہمیت والے مقامات پر قبضہ کر لیا اور جاپانی فوج سے متصادم ہو گئے جو جاپانی رعایا کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ جون میں چانگ ٹسون کو قتل کیا گیا اور جنوبی افواج پیکنگ میں داخل ہوئیں اور اس نے اس طرح قومی حکومت کا یہ دعویٰ قائم کیا کہ وہ تمام چین کی نمائندہ ہے۔ بہت بحث و مباحثہ کے بعد کیومنتانگ (قومی جماعت) سے روسی اثرات دور کئے گئے اور چین کو جدید اصولوں پر ترقی دینے کی تحریک پر بہت زور دیا گیا

بقیہ صفحہ (۲)



ہندوستان حکومت برطانیہ کے لیے ہندوستان کا مسئلہ آجکل ایک عقدہ لاینحل بن گیا ہے۔ مغربی تعلیم کی توسیع تعلیم یافتہ بے روزگاری اور ملک کی معاشی مشکلات نے ملک میں ایک عام بیداری پیدا کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں میں ملک کے اور خاص کر حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کی بے حد خواہش پیدا ہو گئی۔ حکومت بھی اس بیداری سے چشم پوشی نہیں کر سکتی تھی لہٰذا ہندوستان میں منٹو مارلی اصلاحات نافذ کئے گئے۔ لیکن اس سے ہندوستانیوں کی پیاس نہ بجھ سکی اور وہ زیادہ حقوق کے لیے لڑنے لگے۔ حکومت کی طرف سے ہمیشہ یہی کہا گیا کہ ہندوستانی ابھی حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کی اہمیت نہیں رکھتے ہیں لیکن اس شور و پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات نافذ ہوئے اور ہندوستانیوں کو پہلے سے کچھ زیادہ حقوق عطا کئے گئے اور وعدہ کیا گیا کہ دس سال کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائیگا اور اس طرح ہندوستان کو خود مختار حکومت حاصل کرنے کے مواقع پیش کئے جائینگے۔ لیکن یہ دس سال کی مدت ہندوستانیوں کو بہت زیادہ معلوم ہوئی کانگریس نے بہت ہی زور پکڑا اور اس کے مختلف تحریکوں سے ملک میں ہیجان بپا ہو گیا۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان کے اکثر قائدین ہند۔ ہندوستان کو دولت برطانیہ کا لاینفک جزو بنا رہنا رکھنا اپنی معراج سمجھتے تھے لیکن اس کے بعد وہ زمانہ آگیا کہ ہندوستان کو کامل آزادی دلانے کی تحریکیں منظر عام پر نمودار ہونے لگیں۔ اس کے بعد کانگریس نے حکومت سے عدم تعاون کرنے کی تحریک منظور کی۔ کونسلوں کو بائیکاٹ کیا گیا اور اس طرح ملک میں بدامنی بڑھ گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو اور مسلمانوں میں کامل اتحاد تھا لیکن یکایک ملک میں ایک ایسی فضا پیدا کی گئی جس سے یہ دونوں فرقوں میں ایسے کے جھگڑے اور مناقشات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے غرض دس سال جوں توں گزر گئے اور ہندوستان کے حالات کے مطالعہ کے لیے سائمن کمیشن مقرر کیا گیا۔ ہندوستان کے بعض طبقوں نے اس کی بھی مخالفت کی اس کمیشن کے متعارف ہندوستانیوں کے لیے تشفی بخش بات نہیں ہوئے اور پھر گول میز کانفرنس شروع کی گئی۔ اسی زمانہ میں جناب گاندھی نے سول نافرمانی کی ایک کامیاب تحریک شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی مشنری میں روڑے اٹک گئے غرض کچھ تو حکومت کی پیش قدمی اور کچھ حالات کے اقتضا سے حکومت اور کانگریس میں عارضی صلح ہوئی اور کانگریس کے نمائندوں کو گول میز میں شریک کیا گیا۔ کانگریس کو اس کانفرنس کے نتائج سے قطعہ یہ اختلاف تھا نتیجہ وہی ہوا اور پھر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی حکومت اس کے زور کو کم کرنے کی مخلصانہ کوشش کر رہی ہے لیکن ابھی اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی دوسری طرف بنگال میں انقلابی تحریک بہت شد و مد سے شروع ہوئی سرکاری عہدہ داروں پر بزدلانہ اور قاتلانہ حملے کئے جانے لگے اور کئی لوگ ناحق قتل کئے گئے انقلابیوں نے بنگال کے عہدہ داروں کی جانوں کو خطرہ میں ڈالدیا ہے۔ حکومت ہر طرح اس کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے سخت قوانین نافذ ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی اس قسم کے واردات پیش آتے ہی رہتے ہیں نہ صرف بنگال میں بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی بعض ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

ہندوستان کے حالات آجکل عجیب روح فرسا ہیں ایک طرف ملک میں عام بدامنی پھیلی ہوئی ہے دوسری طرف تجارت اور زراعت کا حال بد سے بدتر ہے اور کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے حکومت ان سیاسی معاملات کو سلجھانے سر بطرح کوشاں ہے لیکن حالات ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ "ہندوستان کا کامل طور پر مطمئن نہ ہونا کوئی خوش گوار صورت حال پیدا نہیں ہو سکتی خود ملک کا اپنے کا تفاق حقوق دینے میں حکومت کا پس و پیش کرنا اور اس قسم کے دوسری چیزوں نے ہندوستان کو انقلاب کا گھر بنا دیا ہے۔

کہکشان کی دنیا

ہر شخص کہکشان سے اچھی طرح واقف ہے تاروں بھری رات میں ہماری نظر روشنی کے پٹے پر پر زور پڑھتی ہے جو تمام آسمان کے اطراف چھوٹے چھوٹے لاکھوں تاروں کے مجموعہ سے پیدا ہوئی ہے اس کو کہکشان کہتے ہیں۔ دنیا کے کسی حصہ میں ہم ہوں کہکشان ضرور ہو گی یہ کہاں نہیں بلکہ دنیا کے اطراف پٹے کی طرح موجود ہے یہ ٹیڑا ان تاروں کے خاندان کی سرحد ہے جو سورج اور ہماری دنیا سے متعلق ہے جب ہم کسی زبردست باصولی خوربین سے کہکشان کا معائنہ کرینگے تو ہم کو یہ کمر کی طرح دکھائی نہیں دینگے بلکہ کروڑہا تاروں کا مجموعہ نظر آئیگا تم ضرور اسوال کر دگے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ صرف کہکشان میں آسمان کے دیگر حصوں کے مقابلے میں اس قدر کثیر تعداد میں تارے کیوں موجود ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے تم آپنے سامنے ایک گھڑی کو رکھ لو اور یہ فرض کر لو کہ اس میں آسمان کے تمام تارے موجود ہیں اگر اس گھڑی میں اسی مناسبت سے آدمی کو اس کے اندر بھر دیا جائے تو لمبی صورت میں ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس شیشے سر اور پاؤں کے مقابلہ میں اطراف بہت زیادہ تاروں سے نظر آئینگے تو ہماری دنیا کا سورج بھی اس گھڑیال نما تاروں کے خاندان کے درمیان نظر آئیگا اور اس کی سرحد کہکشان ہو گی۔

کہکشان تاروں کے ہزاروں خاندان کا مجموعہ ہے ہماری آنکھ کو صرف چند ہزار کی تعداد میں نظر آئینگے۔ لیکن پوری کہکشان میں کئی ہزار کروڑ تارے موجود ہیں ان میں کا ہر تارہ سورج کی طرح ہے ممکن ہے کہ ہر ایک ہماری دنیا کی خاندان کی طرح ایک علیحدہ خاندان رکھتا ہو یہ تمام تارے ہزاروں میل فی ثانیہ کی رفتار سے مرکزی قوت کے اطراف چکر لگا رہے ہیں خود سورج کے سفر کے لیے فی ثانیہ دو سو میل کے حساب سے صرف ایک چکر کے لیے کئی کروڑ برس درکار ہیں ابتداً یہ خیال کیا جاتا کہ آسمان کے تمام تارے صرف سورج اور زمین کے خاندان سے متعلق ہیں جن کو ہم دنیا اور ماہنما کہتے ہیں لیکن دور جدید کی سائنس نے بیس لاکھ جدید تاروں کے خاندانوں کا پتہ چلایا ہے جس کا ہر خاندان ہماری دنیا کی طرح دنیا و ماہنما رکھتا وہم سے اس قدر دور ہیں کہ ان سے ہم تک روشنی پہنچنے کے لیے ساڑھے آٹھ لاکھ برس کی ضرورت ہے نور یا روشنی کی رفتار فی ثانیہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے ایک گھنٹہ میں (۳۶۰۰) ثانیہ ہوتے ہیں اور ایک سال میں (۳۱۵۳۶۰۰۰) ثانیہ ہوتے ہیں اس سے مختلف تاروں کی دوری کا آپ کو ایک معمولی سا اندازہ ہو جائیگا تاہم وہ روشنی جو تاروں کے قریب ترخاندان سے ہماری خوربین میں آتی ہے اس کے سفر کی ابتدا گویا دنیا میں آدم کے وجود سے پانچ لاکھ برس پہلے سے شروع ہوتی ہے ہماری دنیا کے مانند تاروں کے خاندان ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہیں کہ ایک سے دوسرے کو جو اس سے قریب تر ہے نور یا روشنی پہنچنے کے لیے بیس لاکھ برس درکار ہیں سب سے زیادہ دور لگا تارہ ہم سے اس قدر فاصلہ پر ہے کہ دنیا کی موجودہ سب سے بڑی مونٹ ولسن کی سو انچ والی خوربین کے ذریعہ بھی یہ صرف ہم کو ایک نشانہ دکھائی دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے نکلا ہوا نور گویا وہ کروڑہا سال کی مسافت طے کر چکا ہے یہ صرف ہماری موجودہ حد امکان کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اب جو خوربین تیار ہو رہی ہے وہ سو انچ دس کی خوربین سے دوگنی قوت رکھنے والی ہے اس سے ہمت دانوں کا پتا ہے کہ تاروں کے معلومہ خاندانوں میں ایک کروڑ جدید خاندانوں کے اضافہ کا امکان ہے اس کے بعد ہم کسی دوسری اس سے

شادی یا جنگ عظیم

از

مسٹر برگشتہ

کہتے ہیں حضرت نوح نے اپنے مالک کو جنت سے نکلوا دلوانے میں آدم کی اولاد کو چھوڑ کر یہ جرم جو اب تک نہایت ایمانداری سے اپنے جدِ اعلیٰ کی علمی پر پوری پرخوردار سے عمل کرتی ہے، اور شادی کے تنہائی اور آسودگی کی جنت سے نکل کر اولاد جھوڑ بیکی سی میں مبتلا ہوجانا قریب قریب اسی طرح کا معمولی نتیجہ جنگ عظیم ہے یوں تو شادی کے بعد ہر گھر جیسے تازہ جنگ عظیم سے کچھ کم نہیں ہوتا مگر پہلے ہم لڑی ہوئی جنگ۔ یعنی نسبتاً قریب کی جنگ۔ اور آخر میں شادی کی جنگ عظیم جس کا خاتمہ چوتھی کی آخری رات پر ہوتا ہے پھر باقاعدہ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جس کے درمیان کانفرنس کمیشن اور دوستوں سسرال کی لیگ آف نیشن جاری رہتی ہیں۔ چھیڑ چھاڑ کی کانفرنسیں پھر چھیڑ چھاڑ۔ اس کے بعد ماشاء اللہ سے تمام عمر کی کشمکش جاری ہوجاتی ہے۔

انسانوں میں دو قسم کے یونوفوف ہوتے ہیں ایک وہ جو شادی کرکے پچھتاتا ہے دوسرا وہ جو شادی نہ کرکے ترستا ہے یہ دونوں طبقے ازدواجی زندگی کی آزاد اور قدامت پسند جماعتیں ہیں۔ ہم پہلے ان یونوفوں کو لیتے ہیں جو شادی کے خلاف ہیں ہمیں یہاں پر بعض تازہ گزیٹڈ قسم کے معانی چاہنا پڑیگا جن کے پاس اس لفظ سے بہانے کیلئے دو راز گوشائہ دلیل موجود ہیں لیکن یہ بحث کی عدنک ہی ہیں ورنہ جسقدر کثرت شادی سے مخالفت کرتی ہے ان کے دماغ کو دل سے کوئی تعلق نہیں کہا کا نوکر ہے کہ ہمارے ایک دوست شادی کے سخت ترین مخالف تھے لیکن آج وہ ایک بچہ کی سند رکھتے ہوئے تمام شادی گزیدہ طبقے کو ازدواجی وعظ پلا رہے ہیں شادی نہ کرنے کی سب سے بڑی دلیل معاشی ہے کہ ابھی ہماری آمدنی ایسی نہیں ہے کہ گھر کی ذمہ داری کا بوجھ قبول کرسکیں پوچھ ہوتا ہے صرف ایک تنخواہ کو ہی کافی نہیں ہونا چاہیے ایک ہاتھی کو خریدنے سے کیا فائدہ۔ یہ ویسی اکثر موقعوں پر معقول ہوتی ہے اسلئے کہ صاحبزادے اپنی تنخواہ یا آمدنی کو دوہرا صرف کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں مگر میں کہاتے ہیں ہوٹلوں میں کہاتے ہیں سنا جاتے ہیں، ناٹک میں حاضر نہیں ہوتے۔ گھنٹے نہیں ہیں اور اگر بنگلی صحبت کے جراثیم پیدا ہوگئے تو خیام کی تعلیمات پر عمل شروع کردیتے ہیں پھر تنخواہ کافی ہو تو کیونکر، دوسری دلیل دانائی ہے یعنی یہ کہ جس قسم کی چیز کے طلبگار ہیں سو سائٹی ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتی "زر" دولت اور علم کے ساتھ ہی "مادہ" حسن اور دوست کا ازدواج ہوتا ہے لیکن "مادہ" دلیل رکھنے والے فیران دونوں ہتھیاروں کے میدان جنگ میں اتر کر حقائق کے مقابلہ میں شکست کھاتے ہیں۔ اور شادی کے مخالف ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کو اپنی پہنچ کے باہر انگور کھٹے نظر آنے لگتے ہیں۔ تیسری دلیل نفسی ہے۔ ہمارا شریک حیات ایسا حسین ہو کہ اس کا مقابل کوئی نہ ملے۔ تعلیم یافتہ ہو اور اس قدر دولت لائے کہ ہم کو کمانے سے بے نیاز کردے پھر حسن کی تشریح میں اتنی ریاضی صرف کیجاتی ہے کہ اسقدر ناپ تول کا انسان تو کیا گھوڑا بھی نہیں ممکن مثلاً ایک صاحب "شب دیجور" میں اور ایسی جوڑی کی تلاش میں ہیں جس سے اکبر کے اس شعر کا ثبوت ملجائے۔

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا

اس طبقہ کی حالت پر سوائے رحم کھانے اور دعا کرنے اور کوئی چیز انسانی قدرت میں نہیں ہے۔

شادی کا مخالف ایک اور نوجوان طبقہ ہے جس کا دل تو جوان رہتا ہے لیکن دماغ کالج کی ٹہوس ٹہاس یا نبی نشائی معلومات کی زد سے ضعیف ہوجاتا ہے وہ خود کو نفسی سمجھتا ہے اور چونکہ اس غلط فہمی میں اس کے کم سمجھ دوست اس کی مدد کرتے ہیں اس لئے جہل مرکب کا مجموعہ بن جاتا ہے اور دوسروں کے خیالات کو اسی انداز سے بیان کرتا ہے کہ گویا وہ اس کے دماغ کی ایجاد کے ہوائی جہاز ہیں جب شادی کا تذکرہ شروع ہوا کہ اس نے عگر بٹ کا ایک بڑا کش لیا۔ منہ آسمان کیطرف کرلیا۔ آنکھیں بند کرلیں اور دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں جوڑ کر طوطے کی طرح گلفشانی شروع کردی "ابھی اس قصہ کو تو رہنے دو، شادی جھگوں کا کام ہے اپنی آزادی کو بیچنا کوئی سمجھ دار قبول نہیں کرسکتا پھر دنیا کی آبادی جو پہلے ہی اس قدر زیادہ ہوگئی کہ گیارہ بازاری کی نوبت آگئی ہے میں چند بے روزگاروں کا اضافہ کرنا انسانیت کی خدمت نہیں بلکہ چنگیزی تقلید ہے رہا زندگی گزارنا اس کے لئے اپنی خودی کے دامن کو پاک رکھنا ہی بہتر ہے" ان لوگوں کو ہم نے ایسی بھل گوئی کا عادی پایا ہے ان کے دو وجوہ عام ہیں اور تیسری خاص "اور اپنی جوانی مسرت کے لئے شادی گراں سمجھتے ہیں اور اس لئے آزادرہ کر جوانی کے دسترخوان پر صرف "سن سکو" ہی پر قناعت نہیں کرسکتے ان کی "متنوع پسند طبیعت" "خوان غیما" چاہتی ہے دوسرے لوگ صحبت کے ناکام سپاہی ہیں انہوں نے اپنے دل کو جس زلف میں اسیر کردیا وہ ان کا نہیں ہوسکتا اسلئے شادی ان کے لئے کوئی مسرت نہیں کھٹی شیرا طبقہ جو ہمارے گرم ملک میں بہت کیا ب ہیں اس کا اپ خود اندازہ لگا لیجے

اب ہم شادی پسند جانداروں کی طرف رخ کرتے ہیں ان کے دلائل بہت صاف ہیں حال ہی میں اس قسم کے دو اہل قلم نے شادی کی ضرورت پر دو مضمون لکھے تین۔ ٹٹ بٹ" میں مشہور انگریز ادیب گلبرٹ فرنکیو اپنی تقریر شادی پر مضمون لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ شادی کو شوشگوار زندگی کے لئے ضروری ہے۔

"صرف محبت ہی پر زندگی کا انحصار نہ رکھیے" تمہاری بیوی کی لڑائی جو محبت کی دوامی علامت ہے اس کو نہیں مگر جو سے مردہ نہ ہونے دو" معاملات میں صاف صاف رہو" ان تینوں حقائق کو ذرا واضح کرکے یوں بیان کرسکتے ہیں کہ محبت ہی گھریلو زندگی کی نہیں ہے جو چند ادارات دن ایک دوسرے کی محبت سونگھ کر اپنی زندگی گزارتا ہے وہ بہت جلد اس جنت سے بیزار ہوجاتا ہے ساتھ ہی شادی میں محبت نہیں بلکہ تلخ حقائق ہیں جن کے لئے دونوں کو تیار رہنا چاہیے شادی شدہ مرد اپنے زوم حیات میں ایک اور طاقت کی جو اسے جس کو پورا کرنا ضروری ہے ظاہر ہے کہ یوسہ ہو کوئی کیا نہیں سکتا دوسری بات کو غالب سے۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
کہا ہے محبت میں چشمک ضروری ہے اور جو لوگ جلد اس کے تھپیڑ چپاڑ کو رنج کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں ان کی محبت کی پونجی بہت جلد ختم ہوجاتی ہے

بقیہ صفحہ (۸)

بقیہ شادی یا جنگ عظیم

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۷)

تیسری چیز معاملات میں صاف رہنے کے متعلق ہے ایک ایسی چیز جس کی زندگی دوسرے سے وابستہ ہوگئی ہے اسی وقت دوسرے پر مکمل بھروسہ کرسکتا ہے جب کہ وہ اپنے معاملات میں دوسرے کے مقابل کچھ لپیٹ نہ رکھے غرض اسی قسم کی نصائح مسٹر گلبرٹ فرنگجونے کے ہیں جن کی اصلیت صرف اسی قدر ہے کہ وہ سچ بھی ہیں اور جھوٹ بھی ہیں۔ سچ اسلئے کہ مضمون نگار اپنی زندگی کے دو تجربوں کے بعد لکھا ہے جھوٹ یوں کہ ایک شخص کے تجربہ کو دوسرے کے لئے رہبری نہیں دے سکتی جس طرح انسان مختلف ہیں اسی طرح ان کے تجربے بھی مختلف النوع ہیں۔

"انسرس" والے مضمون میں طول طویل بکواس کے بعد سر ہربرٹ بار کرنے اسی قدر بیان کیا ہے کہ فضول آمدنی کی کمی کا خیال کرکے شادی نہ کرنا حماقت ہے ممکن ہے کہ سر ہربرٹ کا خیال یہ ہو کہ شادی ایک محبت کی دولت ہے اسلئے اس کو بیجا روپیہ دولت کی ضرورت نہیں۔

شادی کرنے کے متعلق ان فائدوں کو نمبر والوں کے خیالات دیکھ کر جب ہم اپنی سوسائٹی کی حالت کا ملاحظہ کرتے ہیں تو عجیب کیفیت نظر آتی ہے نوجوان الگ کھڑے رہے ہیں کہ مقابل میں اسلئے نہیں سونے کے زیور اور موٹر مانگنا چاہئے۔

لڑکی والے مگن ہیں کہ ان کے پاس دولت ہے سب کچھ ہے اسلئے لڑکا اسی طرح خریدا جاسکتا ہے جیسے کہ بیل میں بکرا۔ دونوں طبقے مظلوموں کو زندگی کا جزو بنائے ہوئے ہیں مسلمانوں میں "مہر" ایک خاص چیز ہے اس کو عورت کی آزادی کا سب سے بہتر ثبوت کہنا چاہئے لیکن بجائے اس کے صحیح استعمال کے ایک محض نشان کی نشانی بنا لیا گیا ہے جسقدر زیادہ "مہر" ہوگا اسی قدر عورت میں عزت حاصل ہوگی حال ہی میں ایک چپراسی کی شادی ہوئی جس کے (۲۵) ہزار مہر

ادھر مہر اج کی بولی کیلئے "دس" "ٹوئینٹی" "اینڈ فورٹی ٹائمز" کہکر ختم ہوگئی دہلی والے پچاس ہزار سے شروع کرتے ہیں دہلی والے (۱۲) دس ہزار سے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں میں مہر اپنے آگر معاملہ پٹ جاتا ہے کیا مہر کی بات ہے کہ ہماری زندگی کا سودا اسی طرح طے ہو جاتا ہے جس طرح ہر صبح گھر میں بھاجی ترکاری اور دہی کا بھاؤ طے پاتا ہے۔ پھر کہ جنگ ختم ہوئی کہ دین لین کی شروع۔ پہلے دہلے والے دریافت کرتے ہیں اور طالب و مصدر کا ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے اس کے بعد پس انداز سے دونوں جانب کے تجربہ کار دیکھنے والے ایک ایک بات پر شور مچاتے ہیں اس کو دیکھ کر کوئے بھی اپنی کائیں کائیں بھول جاتے ہیں، پھول پان، مٹھائی کی سلامی اور خدا جانے کتنی مرتبہ میں جہاں خلق کی پوری قوت صرف کیجاتی ہے کار خیر میں شور چوہاروں کی لوٹ، عقد کی دعوت میں کابیوں کی گولہ باری تنقلین کی بوچھاڑ پیچ دیکار یا نکاح کا گانا جس میں جنتی سننے والے ہیں وہ سب ایک ساتھ آپس میں گفتگو بھی کرتے ہیں اور گانے کی داد بھی دیتے ہیں شام کو جلوہ کی رسم جس میں عورتوں کی بے پناہ حکومت رہتی ہے اس کے بعد چوتھی کی دوڑ ادوڑ، اکہ سنجیدہ دماغ کا دیوالہ نکالنے کے لئے کافی ہے

یہ تو ہم نے اس نقشہ سے نقشہ کھینچ کر پیش کیا کہ دونوں فریق میں دہلی والے صاحب حیثیت ہیں اگر کہیں خدانخواستہ دہلی والے غریب اور شریف ہیں تو ان کی زندگی وبال اسی قدر قابل رحم حسقدر ہندوستان کے کسانوں اور انگلستان کے پیرو گار مزدوروں کی ہوتی ہے یہ تسلیم ہے کہ ایسا لڑکا کسی کھوالے نہ غیرت گوارا کرتی ہے کہ اپنے تجربہ گوشہ کو ایک جاہل وحشی کے حوالے کردیں یہ جائے رقت نہ بنائے ہوئے جانیں میں جب لڑکیوں کی تعلیم و شوار نظر آتی تو وہاں ہزاروں لڑکوں کی قسم کھائی تھی کہ جنگ قابل لڑکی نہ ملے ہم شادی نہ کریں گے لیکن ہمارے نوجوانوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک دولت اتنا دلا سکے سرال نہ ملے بوی کی صورت نہیں دیکھیں گے ان حالات کو دیکھکر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دنیا میں صرف بیوقوف کے سوائے کسی کیلئے مسرت نہیں ہے

رضامندی ظاہر کی اگر اس مہر کو ادا کرنا ہو تو اس کو اپنے یہاں کے ناظم صاحب کی تنخواہ متعار یا کم از کم بیس سال تک یعنی پڑ جائے تو یہ سمجھ کر ہر قسمت کو قبول کرلیتا ہے کہ زبانی جمع و خرچ میں کیا حرج ہے اگر ایسا ہی ہے تو شادی کے بعد بیوی اپنی ہے اس سے عاجزی کرکے معاف کرالیں گے دہلن والے یہ سمجھ کر دلہا مہر دے یا نہ دے ہمیں

ہمیں بحث نہیں اس کو ہر حال ہمارے ان کے موافق ہونا ہوں کرنا مفوض ہے ورنہ وہ اسی قدر بیوقوف ہے جس قدر گاندھی کہ راحت کو چھوڑ کر خواہ مخواہ مصیبت مول لے اور یہاں لڑکے کی آواز اور دہلن والے والد صاحب بزرگوار یا کوئی اور ریش موجود ہیں تو پھر اس کی نوبت بھی نہیں آتی اور دہلن والوں نے ہر کتیعلق سلسلہ جنبانی کی

والدِ مرحوم

میں اس علم کو تبرکاً استطلاع کرتا ہوں کہ اپنی پہلی آزاد عملی کوشش میں اپنے والد مرحوم کی یاد سے سعادت حاصل کروں جس نے اپنی جمع و رام کو میرے دل و دماغ کی تربیت کے لئے وقف کردیا تھا۔ اگر میری عمر سے میں نے اپنے طرز عمل کی کوئی خدمت کرلی تو وہ حقیقت میں اس ہستی کی تمنا اور کوشش کا نتیجہ ہوگا جس کی دعائیں میری زندگی کی ہر گھڑی میں نگران و دستگیر رہی ہیں۔

اکبر الہ آبادی

اے میرے خلق کے بانی مرا ارادہ ہے ! | کہ میری زیست جہاں میں ترے وجود سے ہو
تری شکستہ تمنا مرا ارادہ ہے ! | کہ میرا کار نمایاں ترے نمود سے ہو

مرے خیال میں بالیدگی تجھی سے ہے | مرے عمل کی نگہباں تری دعائیں ہیں
میری حیات کی کشتی کا ناخدا تو ہے ! | جہاں کے بحر میں رہبر تری منائیں ہیں

مرے عمل میں جھلک ترے پاک قلب کی ہو | جو کام میرا ہے دنیا میں نام ہے تیرا
جو خوبیاں ہیں میری اہل دہر پر ظاہر | وہ میرے نام سے منسوب کام ہے تیرا

جہاں کی نظروں سے تو دور ہو گیا لیکن | جو قلب میں ہے تجلی وہ تیرے نور سے ہے
میں زندہ ہوں کہ تری زندگی رہے قائم | مرا فروغ ترے پاک دل کے طور سے ہے

ماتا ہری[1]

جنگ عظیم کی کلیوپیاٹرا

از

سید شاہ محمد

ماتا ہری تاریخ میں سب سے زیادہ فسوں ساز، سب سے زیادہ دلفریب اور سب سے زیادہ خطرناک جاسوسہ ہے۔ جنگ عظیم کی نمایاں ہستیوں میں اس کا شمار ہے وہ جاوا سے میں پیدا ہوئی اس کا باپ ڈچ اور ماں جاوی تھی اسطرح وہ دو براعظموں کی دوشیزگی تھی باپ کی دولت پر اس کی ماں نے اسے ایک بڑی خانقاہ میں چھوڑ دیا جہاں اس نے برہمی رقص کی تربیت حاصل کی نوعمر شباب میں اس سینہ کی کسی انگریز افسر سے نظر دوچار ہوئی۔ دونوں کی بہت جلد شادی ہوگئی اب اپنے شوہر کے ساتھ انگلستان جا کر وہیں رہنے لگی لیکن ماتا ہری کی قسمت میں خاموش گھریلو زندگی کے سوا کچھ اور لکھا تھا۔ انگریز امیر سے اس کو دو بچے ہوئے خانہ باغ کے مالی کی اپنی مالکہ سے کچھ رنجش ہوگئی تھی اس نے بدلہ لینے کے لئے مالکہ کے چھوٹے بیٹے کو زہر دیدیا۔ کم از کم ماتا ہری یہی سمجھتی تھی۔ ماتا ہری کا انتقام بھی نہایت خطرناک تھا اس نے فوجی مالی کو گولی سے اڑا دیا اس بیدردی کا اس کے شوہر کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا اور بیوی سے علیحدہ ہوگیا ماتا ہری اپنی بیٹی کے ساتھ انگلستان سے روانہ ہوگئی ہمس ٹرڈم پہنچ کر وہاں ایک خانقاہ میں رہنے لگی لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ وہ ایک پرسکون اور تقدس مآب زندگی بسر کرے چند ماہ بعد اس کی لڑکی کا بھی انتقال ہوگیا اس سے اس کو بہت صدمہ ہوا دنیا میں اس کے لئے دلچسپی کی کوئی چیز باقی نہ رہی آگے چل کر اس نے اپنے دوست چیرو (دنیا کا مشہور ترین نجومی) سے بیان کیا کہ اس کا دل اپنے بچوں کی موت کے ساتھ ہی مرچکا اس کے پاس انسانی محبت اور ہمدردی کی کوئی جگہ نہ رہی اس ٹرڈم کی خانقاہ سے نکل کر وہ پیرس کے تھیٹروں میں پھینچی لیکن وہاں پہلی مرتبہ اس کے رقص اور نغمے پسند نہیں کئے گئے۔

یہیں اس کی ملاقات انگریز میجر اور قیافہ شناس چیرو سے ہوئی جس کا ذکر پہلے سے خالی نہیں رات کا ایک حصہ گذر چکا تھا۔ اور چیرو کسی کلب سے تنہا پیدل واپس ہو رہا تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر ایک خوبصورت عورت پر پڑی جو بغیر کسی لبادہ کے پھٹرتی سے چلی جا رہی تھی۔ ہوا نہایت سرد تھی۔ ایک عورت کو اس حالت میں دیکھ کر چیرو کو رحم آگیا اور اپنی عادتی حوصلہ کو توڑ کر وہ اس سے مخاطب ہوگیا "معاف کیجیے خاتون صاحبہ! عورت نے کسی قدر ترشی سے کہا" آپ اور مجھ سے تخاطب کی جرات؟ مجھے افسوس ہے۔ غالباً آپ کو زیادہ سردی ہو رہی ہے اور چونکہ میں نے ابھی ابھی آوارہ بلبلوں کی امدادی جلسہ میں شرکت کی ہے اس لئے یہ ــــ" ماتا ہری نے اس پر ایک قہقہہ لگایا "تو میں بھی کوئی بلی ہوں؟ غالباً انگریزی ہمدردی یہی ہے"۔

بالآخر چیرو نے اسے اپنے ساتھ چل کر کافی پینے پر مجبور کیا اس طرح ان دونوں کی دوستی شروع ہوئی جو آخر وقت تک قائم رہی۔

جنگ عظیم سے بہت پہلے چیرو نے اس کے ہاتھ کا مطالعہ کیا اور بتایا کہ اس کی ولادت کن ستاروں کے زیر اثر ہوئی اور کس قسم کا ڈرامائی کارنامہ اس سے ہونیوالا تھا نیز اس کی قسمت میں اعلیٰ قسم کی شجاعت اور خوفناک موت لکھی تھی چیرو کو معلوم تھا کہ ماتا ہری کی قسمت کا لکھا کسی طرح نہیں مٹ سکتا لیکن اس نے حق دوستی ادا کرنے کی غرض سے اسے مشورہ دیا کہ کوئی خاموش اور غیر خطرناک پیشہ اختیار کرے لیکن ماتا ہری کی طبیعت میں شجاعت اور بلند ہمتی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس نے اپنی قسمت کے فیصلہ کو فخر کے ساتھ قبول کیا[2] خاتمہ ہر ایک کیلئے ہے عام لوگوں کو جو ایک لمحہ غفلت اور بلا ہنگامہ از کار رفتہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ہے کہ گاؤں کے کھیلوں قبرستان میں ہری صلیب۔ مرجھائے ہوئے ہار اور ایک ماتمی کتبہ کافی ہوتا ہے۔

کیا ایک کامل وجود کی یہی تلافی ہے؟ نہیں چیرو میرے لئے نہیں، میرے لئے جونہ کی بہتی ہوا جیل کے احاطہ میں ایک نامعلوم گوشہ۔ لیکن کیا گور و کفن کا سوال حقیقتاً اتنا اہم ہے؟ ہمیں اپنے طریقہ مرگ کی کیا پروا؟ ہمیں چاہئے کہ اپنی مختصر عمر میں پروانہ صفت بنے زندگی بسر کریں۔ جاسوسی عظیم ترین شغل زندگی ہے یہ گویا شطرنج حیات پر دماغی جنگ و جدل ہے یا اسے ہیجیٹ قرار دیسکتے ہیں اور تمام دنیا کو تماشائی۔ اس میں ایک عورت کو اپنی اداکارانہ قابلیتوں کے اظہار کا پورا موقع ملتا ہے جس کے ذریعہ نسوانیت کے ایک فطری میلان کو پورا کیا جا سکتا ہے اور وہ اپنی خواہش مؤثر۔ دلولہ کامیابی کو معاشرہ کی قید سے آزاد اور کھلا پورا لگتی ہے۔ دنیا والوں کے تعصبات اور گھریلو زندگی کی مہمل ماحول سے بے نیاز! اس طرح وہ اپنے حسن فریبی۔ دل ذروی اور تنوع انگیزی کا شغل جاری رکھ سکتی ہے اس زندگی کے جوئے میں وہ دوسروں کی جان عزیز کو جیتتے ہوئے آخر میں اپنی جان اس بازی میں ہار سکتی ہے کامل جاسوس کو زندگیوں کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ حقیقی جاسوس کے پاس سوائے دل کے سب کچھ ہے" اس پر چیرو نے کہا۔ "دانشمند تم جاسوسی میں بہت کامیاب ہو سکتی ہو کیونکہ تمہارا دل برف کی چٹان ہے"

"ہاں چیرو! میرا دل مرچکا ہے وہ میرے بچوں کے ساتھ دفن ہوگیا۔ تیری محبت ختم ہوگئی اب میرا مقصد حیات صرف جرمنی کی خدمت ہے تم نے خود کہا تھا کہ جرمنی پر ان ستاروں کی حکومت ہے جو خود میرے رہبر تارے ہیں۔ اور وہاں میرا کارنامہ نہایت شاندار ہوگا"

پیرس میں کچھ دنوں رہنے کے بعد ماتا ہری کی ملاقات بعض جرمن لوگوں سے ہوئی انہوں نے اسے جرمنی آنیکی دعوت دی۔ وہاں مقتدر لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اس کی رقاصانہ قابلیت، اس کا حسن، اس کا علمی سحر، اس کے سماتی معلومات جرمنی کی غلت کیلئے آسمانی عطیہ ہیں وہ جرمنی سے محبت رکھتی تھی۔ اس کو پہلے مملکت ہائے غلیظ کے سیاسی مقاصد، سیاسی رازوں، ٹیلغرآف اور بحری اور بری فوجی اصول سے واقف کرایا گیا۔ جاسوسی کی تربیت کے بعد مشرق و مغرب کے اس حسین پیکر نے اپنے حسن کی کرشمہ سازیوں کیلئے تین مرکز مقرر کئے پیرس، روس، انگلستان اور فرانس۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں صنف نازک کی اس خطرناک ہستی نے جرمنی کو ایسی چیزوں سے باخبر رکھا جو مسلم کی۔

---

[1] ماتا ہری کے معنی جاوی زبان میں شمس النہار کے ہیں۔

عظیم الشان فوجی قوت سے حاصل ہونا ناممکن تھا۔ ماتاہری کو خدا نے وہ تمام چیزیں عطا کی تھیں جس سے ایک عورت بہادر سے بہادر مرد پر بھی فتح پا سکتی ہے۔ حسن صورت ذہانت۔ تعلیم و تربیت ان سب کے علاوہ رقص کا کمال اس کے حصہ میں آیا تھا۔ ان فطری خصوصیات کو اس نے اپنے فرض کی بجاآوری میں بدرجہ اتم پورا کیا۔ اور جان جس چیز کی ضرورت تھی نہایت ہی مہارت سے اُس ہتھیار کا استعمال کر کے اس نے اپنی گرفتاری کو ثابت کیا۔ بڑے بڑے فوجی افسر اس کی نگاہوں کی بجلی کے سامنے موم ہو جاتے تھے اور وہ ایمان جسکو قلعہ شکن توپوں کی گرج جنبش نہیں دے سکتی تھی ایک لاچار گرمیں ہاتھ کی مٹھی میں کھلونا بن جاتا تھا۔ اپنی چھوٹی سی فرصت حیات میں ماتاہری نے یہ ثابت کر دیا کہ عورت جاسوسی جیسے خطرناک فن میں بھی خطرناک ترین ہستی ثابت ہو سکتی ہے وہ کچھ دنوں سینٹ پیٹرزبرگ (روس) میں بیگم خان منگن کے نام سے میں الاقوامی اس کے کارکن کے طور پر رہی تھی۔ وہ اس میں کافی ہر دلعزیز تھی وہاں اس کی زندگی نہایت خوش و خرم گزری۔ ماتاہری اپنا بھیس اور لباس نہایت پراسرار طریقہ پر بدل سکتی تھی لباس کے ساتھ ساتھ اون کا رنگ اور چہرہ کی علامتیں بھی بدل جاتی تھیں۔ اس کا گون نہایت ملائم اور حسین تھا اور اس میں ملکہ کی شان تھی۔ جنگ عظیم کے بہت سے سردار اس کی زلفوں کے گرویدہ تھے بعضوں کو ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس غارت ایمان نے بہت سے عجب دلچسپ قائدوں کو گرا دیا گیا لیکن ان میں قابل ذکر غالباً روسی مدبر تھے۔ جنگ عظیم کے دوران میں ماتاہری بہت مشغول اور مصروف تھی پیرو نے اس کو اس دوران میں دو مرتبہ دیکھا۔ پہلی مرتبہ تو لندن میں دوسرے بار ڈبلن میں۔ ان دونوں ملاقاتوں کو چیرو نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے جس کا مختصر بیان یہاں بے محل نہ ہوگا لندن میں ایک روز ایک مشہور اور متمول خاتون نے ٹیلیفون کے ذریعہ دعوت دی چیرو نے اس اعزاز کو قبول کر کے دعوت میں شرکت کی اس محفل میں اس نے انگلستان کے چوٹی کے افراد دیکھے گویا ایک ہی جگہ انگلستان کا دل و دماغ جمع ہو گیا تھا نازک مزاج میزبان نے چیرو کا استقبال کیا لیکن مہمان کی حیرانی کا اندازہ کیجئے جبکہ اس نے اس متمول اور مرجع خلائق نازنین کی شکل میں ماتاہری کو دیکھا وہ نہایت مطمئن نظر آتی تھی اور اس کا طرز عمل نہایت شریفانہ تھا جس بہادری اور شجاعت سے اس کی زندگی بسر ہوئی تھی اس نے اس بہادری اور شجاعت سے موت کا خیر مقدم کیا۔ پہلی کے الجھنان غلب اور تسکین کا یہ عالم تھا کہ سینہ پر گولی چلتے وقت وہ نہایت لاپروائی سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہی تھی اس طرح خنگ عظیم کی ایک نہایت دلچسپ اور عظیم ہستی کا خاتمہ ہوا۔ اخلاقی لحاظ سے ماتاہری کی زندگی ممکن ہے سرے سے غیر دلچسپ ہو لیکن نفسیاتی نقطۂ نظر سے ایک ایسی نازنین کی زندگی جس کے خون میں مشرق کی جذباتی دریائی روانی اور مغرب کی برفانی سمجھ بوجھ کی توت متحرک ہو اور جس کا تجربہ یہ ہو کہ دنیا راست بازوں کا جہنم ہے۔ جس شوہر سے اس کو محبت تھی اس نے اس کو ٹھکرا دیا جس اولاد کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی اس کو موت کے بیداد پنجے نے چھین لیا اور جس مغربی سوسائٹی میں رہتی تھی اس نے اس کو اچھوت سمجھا۔ زندگی کے ایسے تجربے ہر حساس اور طباع دماغ کو تشکی بنا کر رکھ دیتے ہیں تاہم ماتاہری نے بدنامی کے ہی ذریعہ جو شہرت حاصل کی جو اکثر نیک نامی کے ساتھ حاصل نہیں کر سکتے۔



دیکھا دن کی ملاقات اس سے زیادہ دلچسپ ہے کسی کام سے چیرو موٹر میں جا رہا تھا کہ راستہ میں اُسے ایک پیر عورت نے روک دیا جب اس کو پشت سفید مو اور بے دندان خاتون سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے ہمراہی ہوئی آواز میں بھاجت سے کہا کہ اس کا بیٹا کسی گاؤں میں بیمار ہے اور اس کو اسٹیشن پر بروقت پہنچنا ہے۔ چیرو کا دل پگھل گیا اس نے بڑھیا کو اپنی موٹر میں بٹھا کر پہنچا دیا یہ اسٹیشن کے قریب بڑھیا ریل میں سوار ہو گئی گاڑی چلتے وقت ماتاہری نے کھڑکی سے سر نکال کر چیرو کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ریل تک پہنچانے میں اس کی مدد کی

فرانس میں بھی وہ کئی مرتبہ جا چکی تھی لیکن ایک مرتبہ اس کو وہاں پہچان لیا گیا اور اس کو سزا سے موت دی گئی اس نے بہادری اور اطمینان کے ساتھ موت کا مقابلہ کیا۔ اس کے متعلق غلط طور پر مشہور کر دیا گیا کہ موت کے وقت وہ سرخ کوٹ میں ملبوس تھی اور گولی چلاتے وقت اس نے اپنے کپڑے اتار پھینکے تاکہ سپاہیوں کو اپنی عریانی سے متحیر اور دم بخود کر دے عینی مشاہدہ کچھ اور کہتے ہے موت کے وقت اس نے تمام منظر کو دیکھنے سے

۲۰۳۰ء میں

مترجمہ

اُمِ سعید بارہی

یہ افسانہ مصر کے مشہور ادیب، افسانہ نگار عبدالقادر المازنی کی شہرۂ آفاق کتاب "صندوقِ الدنیا" سے لیا گیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سو سال بعد ہماری معاشرہ کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس وقت صنفِ نازک اپنے حقوق کو مردوں سے حاصل کرنے میں، صرف کوشاں ہیں بلکہ مردوں کے دوش بدوش ہر میدانِ عمل میں سبقت لے جا رہی ہیں۔ سو سال بعد عورتیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے بعد بہت سے وہ حقوق جو اس وقت مردوں کی میراث سمجھے جاتے ہیں ان کو بھی عورتیں اپنی ملک بنالیں گی۔ اُس زمانے میں مردوں کی ایسی تحریکیں پیدا ہوں گی جو بقول وہ اپنے کھوئے ہوئے حقوق کو عورتوں سے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں ــــ اس قصہ کے ہیرو بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو مردوں کے حقوق کے علمبردار ہیں لیکن صرف ایک ہی نازک لمحہ نے ان کا کیا حال بنایا اسکا خاکہ کھینچا ہے۔ اس قصہ کی تھا یہ ہمارے ملک کے مشہور مصنف کارمسٹر عبدالقیوم کے موقلم کا نتیجہ ہیں جس میں قصہ کی رعایت سے اس زمانے کی عورتوں کے طبوں کو پیش کیا ہے۔ جس فطرت کی نمایش کے انتہائی مناظر اسی وقت ممکن ہیں جب کہ صنفِ حسین کو اپنی تمناؤں کے اظہار کا پورا پورا موقع ملے گا۔

(ایڈیٹر)

مسٹر س مردوں کے حقوق کا نہایت شدت کے ساتھ مطالبہ کرتا اور اپنے ہم جنس افراد سے زیادہ صبر و استقلال کے ساتھ کوشاں رہتا تھا۔ وہ اکثر سنجیدگی میں ظرافت اور معاملات میں شگفتگی پیدا کرنے سے مردوں میں محبت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور حیرت تو یہ ہے کہ عورتوں میں بھی ناپسند نہیں تھا اپنی صنف کے حقوق کے مطالبہ سے وہ متعدد مرتبہ صنفِ لطیف کی پرسکون زندگی میں خلل انداز ہوا اور ایسے طریقوں سے ان میں ہل چل ڈالدی جو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھے۔ ایک زمانہ سے کام کرتے کرتے اس کی صحت خراب ہوگئی۔ اس زمانہ میں مردوں کے علاج معالجہ میں صرف عورتیں ہی ماہر تھیں اور مردوں میں کوئی ایسا طبیب نہیں پایا جاتا تھا جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ ایسی صورت میں آخر کار اس مشہور لیڈی ڈاکٹر کے ہاں بادلِ ناخواستہ رجوع ہونے کی جرأت کی کیا غضب ہے کہ جس سے اس کی لڑائی تھی اسی صنف کا مسیحا اس کو دہنڈنا پڑا۔ اس ستم ظریفی پر وہ دل میں اپنے آپ پر ہنس رہا تھا اور قسمت کی گردش پر حیرت کر رہا تھا کہ کس طرح وہ کشاں کشاں مشہور تھا۔ وہ ایک پاکیزہ کمرہ میں جو اس زمانہ کے بہترین معمار عورتوں کی دست کاری سے آراستہ تھا، بیٹھا ہوا ڈاکٹر صاحبہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کمرہ کے ایک گوشہ میں ایک عریاں مرد کی مورت رکھی ہوئی تھی۔ اس مورت کی ابھری ہوئی خوبیوں اور اس کی ستادانہ نرمیوں اور نختیوں نے اسے حیرت میں ڈالدیا کیونکہ وہ مورت ایک سخت ٹھوس پتھر میں تراشی گئی تھی۔ وہ اس مورت کے قریب آیا اور اپنے ہاتھ سے اس کے جسم کو چھونے لگا جب اس کی نظر مورت کی "گوشی" (PEDESTAL) پر پڑی تو اس پر یہ کندہ تھا تیار کردہ آذر۔



وہ ایک پاکیزہ کمرے میں ..... ڈاکٹر صاحبہ کا انتظار کر رہا تھا۔

قادرہ ۔ا۔و۔ع۔ل۔ د ہیرے اللہ کیا آوری بھی نازک باتوں میں آگئی ؟" اپنے دل میں اس نے کہا یہ ایک نادر نمونہ تھے پھر کچھ مسکرایا اس وقت اس کے تن بدن میں تسخر اور استعزا کی ایک لہر دوڑ گئی جو اس پورے ماحول کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی شیطان اس کی گردن پر سوار ہوا اس کا چہرہ چمکنے لگا آنکھیں جگمگانے لگیں اس موقع پر وہ اپنے اندر اس بلا کی طاقت محسوس کرنے لگا جو ایک زبردست سحت ہاتھی سے مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہو اور دروازہ کھلا اور ایک نوجوں چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا پھر ایک میٹھی انگلی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھائی دی کہ "آؤ" اس اشارے پر وہ دوسرے کمرہ میں گیا جو پہلے کمرے سے زیادہ بہتر اور زنگارنگ کے خوبصورت ساز و سامان سے مزین تھا یہاں پہنچنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند ہوگیا اس کمرے میں وہ تنہا تھا اس لئے نرنجو تصویروں اور قوس قزح کے رنگوں کو غور سے دیکھنے کی اس کو فرصت ملی اس کو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اس وقت کسی نمائش گاہ میں ہے یا کسی لیڈی ڈاکٹر سے طبی مشورہ کرنے آیا ہے ایک کرسی پر دراز ہو کر تخیلات کے طوفان میں غرق ہوگیا اس کے لبوں پر شرارت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی اب ایک دوسرا دروازہ کھلا جس کو وہ اندر داخل ہونے وقت دیکھ نہ سکا تھا وہ اپنے وجود سے غافل کمرے کا معائنہ کر رہا تھا کہ ایک نازک اندام سیم تن دوشیزہ داخل ہوئی جس کا لباس گلاب کو شرما رہا تھا رخسار دن پر فصل ربیع کی بہار جھلکے لے رہی تھی وہ اپنے استغراق سے اس طرح چونک پڑا جیسے کسی نے اس کو ایک گرم لوہے سے داغ دے دیا خود کو سنبھال کر اپنی جگہ سے اٹھا لڑکی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا دونوں بیٹھ گئے تھوڑی دیر تک وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے نہ وہ شرمندہ ہوتا تھا نہ لڑکی محجوب اس کے لبوں کو حرکت ہوئی جیسے کوئی آدمی کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن لڑکی نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور کہا۔

"تیزی مت کرو وقت بہت کافی ہے"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میری طبیعت میں تیزی نہیں ہے اور نہ مجھ کو اپنی تیزی سے کسی قسم کا خوف ہے لیکن مجھے ڈر ہے تو صرف اس بات کا کہ کہیں آپ بیزار نہ ہو جائیں" اس کے جواب میں وہ مسکرا دی "اس" اس کے تحمل و متانت سے حیران ہو کر کہ کس طرح ہم میں یہ الفاظ نکلتے ہیں؟ اور خدا جانے وہ کیونکر کہا نکا سکتی ہے کیا اس کے لیے روٹی چور کر جڑیوں کی طرح ادی جاتی ہے انہیں خیالات میں غنچہ ایک خوف زدہ ادی کی نگاہوں سے اس کو تک رہا تھا آخرکار اس نازنین نے کہا "پھر تو ؟"

"ایک میں نے تم سے نہیں کہا" مسکراتے ہوئے مسٹر رس نے جواب دیا۔

"لاتم ایک ظریف آدمی معلوم ہوتے ہو"

"معاف فرمائیے مجھے اس وقت لیڈی ڈاکٹر سے ملنے میں جلدی کرنے کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی"

"آپ اس وقت تو لیڈی ڈاکٹر ہی کے ساتھ ہیں" یہ کہہ کر وہ قدرے کاروباری انداز میں جھک گئی۔ مسٹر رس نے چھیڑ کے طور پر یہ سوال کیا "واقعی میں اس کے ساتھ ہوں لیکن نہیں کوئی اور بات کردیں تو بہتر تھا کہ وہ ایک معمر عورت ہوتی جس کا سر سیاہ و سفید کا زر بفت ہوگا"

دوشیزہ ہنس کر خاموش ہوگئی اور مسٹر رس نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا

"اب مجھے آپ کی شہرت کا راز معلوم ہوا" دوشیزہ نے نہایت سنجیدگی سے دریافت کیا "وہ کیا ؟"

"وہ ایک چیز ہے جسے میں محسوس کرتا ہوں مگر اس کو بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے جس مرض کے علاج کے لیے میں آیا تھا اس سے مجھے شفا حاصل ہوگی۔"

یہاں آنے سے پہلے آپ کو کس مرض کی شکایت تھی ؟" لیڈی ڈاکٹر نے پوچھا۔

"شکایت! شکایت! خدایا کیا کہوں! دوشیزہ بن نے کی کوشش کی اور پشانی پر گرہ ڈالی جیسے کوئی اپنے حافظہ پر زور ڈالتا ہے) ہاں اور اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ دیا "اگ ہے دہکتی آگ۔"

ڈاکٹر صاحبہ کے چہرہ پر متانت اور سنجیدگی کے آثار نمایاں ہوئے (جی ہاں) مسٹر رس فرمانے لگے "میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ اب میرے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھئے" نازنین نے تعجب سے اپنی بھوں چڑھائی۔ مسٹر رس اٹھے کہا

"ایسا چہرہ جس پر حسن و جمال مسکرا رہا ہو اس پر سنجیدگی نہیں بھاتی میں کہہ رہا تھا کہ میں یہاں دیکھی بھالی محسوس کر رہا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میں اس میں مبتلا ہو کر خاکستر نہ ہو جاؤں" اس پر ڈاکٹر صاحبہ ہنس پڑیں میں اب ایک ایسے چور کی شکایت کرتا چاہتا ہوں جو ہر رات میری آنکھوں سے میری نیند کو اڑا لیجاتا ہے" نازنین نے بات کاٹ کر کہا "اور پھر آپ کے وہ سو جاتا ہے"

"ہاں آپ بالکل درست فرما رہی ہیں"

"کیا آپ اس کو نہیں جانتے ؟"

"جی ہاں لیکن اپنے حسین مخاطب سے پہلے اس سے ناواقف تھا، یہ شکر اس حسن خوبی کے مجسمہ کا چہرہ سرخ ہوگیا مگر مسٹر رس) نے اپنی گفتگو جاری رکھی

"شب و روز میں ہر طرح اس کی خوشامد کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری اپنی چیز واپس دیدے کاش اس وقت آپ میری خوشامدانہ تقریر کو سنتیں تو آپ کو میری بلاغت و فصاحت نہایت بھی معلوم ہوتی میرے تخیلات مجسم شکل میں میرے سامنے آتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایسے ہی ایک خوبصورت کمرہ میں ہوں۔ محل کے ہی پردے دیکھ رہا ہوں حتیٰ کہ چھت بھی بالکل اسی چھت کے جیسے شوخ رنگ اور درخشاں ہے۔ زمین بھی ایسی زمین کی طرح بلورین ہے جو میری آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے یہ زمین کبھی نارنجی کبھی قرمزی، کبھی آگ کی طرح شعلہ افگن اور کبھی آب دریا کی طرح نیل گوں نظر آتی ہے کبھی ایک فاصلہ سے موسیقی کے دل خراش نغمے سنتا ہوں جو میرے سینہ کو چاک کر دیتے ہیں اور میری ایسی کیفیت ہو جاتی ہے جیسے ایک ہرنی شیر کے پنجہ میں آجائے یہ موسیقی عذاب کی ان لہروں سے مشابہ ہے جو جہنم سے اٹھتی ہے مجھے یہ کمرہ عورتوں اور مردوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے جو ایک دوسرے کے گرد پھر رہے ہیں ہاتھ ڈالے پردوں کے پیچھے گم ہوتے ہیں اور ان کے چہروں سے شباب کی رنگینی سنائی دیتی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح ایک نازنین کی گودی میں پڑا ہوں اور ان سحر آفرینی انسانی نغموں میں سے ایک ہوں میں سچ کہتا ہوں کہ موسیقی کے نغموں میں ان روحوں کی چیخ و پکار سنائی دیتی ہے جو عذاب میں مبتلا ہیں لیکن آہ! جب میں

اس تصویری دنیا کے رنگ و بو اور شور و ہنگامہ میں خود کو کھو دینا چاہتا ہوں تو تلخ حقائق مجھے اس خواب سے بیدار کر دیتے ہیں اور میں اپنے پلنگ کی چھری سے اپنے آپ کو اس طرح لپٹا ہوا پاتا ہوں جیسے طوفانی سمندر میں ایک ملاح اپنے جہاز کے ستون سے لپٹ جاتا ہے" دس بجے گفتگو کرتے وقت نازنین ڈاکٹر کا ہاتھ اس کی کلائی پر تھا اس کی آنکھیں دوشیزہ کی آنکھوں کو اس طرح تک رہی تھیں کہ گویا وہ اپنی نگاہوں میں اس کو بسا لینا چاہتا ہے وہ خاموش ہو گیا مگر نازنین ڈاکٹر اس کا ہاتھ تھامے رہی

اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور صوفہ پر لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوشیزہ اس کے بازو بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ اپنے دوسرے ہاتھ کو اس حسین سرجن ڈاکٹر نے کس کے دھڑکتے ہوئے دل پر رکھا اور اس کو اپنے سینہ سے لگایا۔

مسٹر سن اپنی اضطرابی حالت میں اس سے کچھ کم نہیں تھا۔ اس حالت میں ان دونوں نے چند لمحے گزار سے اس کے بعد مسٹر سن نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کمرہ کا معائنہ کرنے لگا۔

"اب تمہارا مزاج کیسا ہے؟"

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری رگوں سے خون کی ندیاں بہہ جائیں گی!"

"آپ اسی طرح لیٹے رہئے"

اس نے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں مسٹر سن ڈاکٹر کے سینہ پر اپنا سر رکھ دیا پھر یکایک اٹھ اور کہنے لگا "مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو، یہاں سے دور ہو" دوشیزہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر سنبھالا اور کہا۔

"آپ بیمار نہیں ہیں۔ یہ محبت کی آگ ہے"

بیمار کے دونوں ہاتھ دوشیزہ کے گلے کی طرف اٹھے اور بیمار نے کہا ہر چیز محبت نہیں ہوتی ہے مگر اس کے باوجود نازنین ڈاکٹر نے اپنے جسم سے علیحدہ نہیں کیا لیکن اس کو خوب سمجھتی ہوں"

"پھر آپ کیا دوا تجویز فرمائیں گی"

.....

اس نازنین ڈاکٹر نے دوسرے دن اپنے جسم کو مسٹر سن سے کچھ دور رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کو بھوک نہیں ہوتی"

"معلوم نہیں میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ میں تمہاری محبت کا بھوکا ہوں یہ کہکر اس نے دوشیزہ کے سینہ کو نہایت ہی احترام کے ساتھ بوسہ دیا"

"میں آپ کے لئے کچھ منگوا دیتی ہوں۔"

"لیکن آپ مجھے کس لیے چاہتی ہیں میں آپ کو کیا فائدہ پہونچا سکتا ہوں" مسٹر سن نے مایوسانہ لہجے میں کہا نازنین ڈاکٹر نے

"نازنین ڈاکٹر اس کا ہاتھ تھامے رہی"



"تمہارا انتخاب بہترین ہے میری جیسی محبت آپ کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ میں آپ کو تمام عورتوں سے بدظن کر دوں گی"۔ بیمار نے کہا "بدظن تو کر ہی دیا اور معاملہ ختم ہو گیا اب میں سوائے تمہارے کسی کو چاہوں۔؟"

"کیا میں اب تمہاری نہیں ہوں تمہارے سامنے نہیں ہوں؟"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ محبت لافانی ہو جائے جو لفظوں میں ظاہر ہوئی" بیمار کی یہ آہ تھی اکتائی ہوئی آواز میں اس نے جواب دیا "یقیناً۔ یقیناً۔ ایسا ہی ہوگا"

اس کے بعد اس نے ایک بٹن دبایا جس کی آواز پر ایک خادمہ کمرہ میں داخل ہوئی مسٹر سن اور نازنین ڈاکٹر دونوں نے اس کے آنے سے کوئی حرکت نہیں کی خادمہ کو دسترخوان چننے کا حکم دیا گیا۔

"اب کہاں سکونت پذیر ہیں"

حسین ڈاکٹر نے پوچھا مسٹر (سن) نے اپنی قیام گاہ کا پتہ بتایا تو معشوق ڈاکٹر نے کہا

ایک بوسہ کے بعد جواب دیا۔

"آپ کو بوسہ لینے میں کمال حاصل ہے پہلی ہی مرتبہ جب میں نے آپ کو دیکھا اس وقت میں نے آپ کے ابرو سے یہ معلوم کر لیا تھا اور میرا گمان صحیح نکلا۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنے پنجہ میں جکڑ لیں"

"مجھ کو اپنی ملک بنا لیں میں آپ کی ایک زرخرید لونڈی بنی رہوں۔ یہی میں آپ سے چاہتی ہوں۔"

آپ سے دل بھر کر لطف حاصل کر لوں گی جب بیزار ہو جاؤں تو آپ کو علیحدہ کر کے ایک دوسرے آقا کی تلاش کروں۔"

سیرت اور ادبیات

از

سید محمد

یہ مضمون پروفیسر شریف کے ڈھاکہ یونیورسٹی جاپان میں انگریزی ادبیات کے پروفیسر تھے انھوں نے بحیثیت استاد ہی کی حضرت عائشہ صدیقہ کی بلکہ خصوصیں صدی کے اختتام اور بیسوں صدی کے اوائل میں اپنے ذوق ادب تنقید نگاری اور سحر آفرین طرز بیان سے ایک طوفان اگر دیا تھا، کیا تھا جہاں مشرقی میں مغربی ادبیات کی تفسیر کی وہاں مغرب کو مشرق سے روشناس کیا ۱۹۹۶ء سے ۱۹۰۱ء تک یونیورسٹی میں انگریزی ادبیات پر لکچر دیتے رہے آخری طور کے ساتھ رک رک کر آہستہ آہستہ آسان اور سلیس زبان میں لکچر دیتے تھے جنھیں طالب علموں نے لفظ بہ لفظ ان لکچروں کو نقل بند کر لیا تھا طالب علموں کی ان یادداشتوں سے انتخابات مرتب کر کے کتابوں کی صورت میں شائع کئے گئے جن میں یہ لکچر تیرے انتخابات سے یا گیارہ ہے اگر انھیں زندہ ہوتے تو ان لکچروں میں بہت سی تبدیلیاں کرتے کیونکہ ان کا نازک اور باریک ذوق ان لکچروں کی بہت سی چیزوں کا تحمل نہ ہوتا وہ خود اپنی تصنیف کو بار بار دیکھ کر تصحیح کرتے تھے تاکہ کوئی لفظ اجدا اور گراں نہ رہے اس لئے ان لکچروں کے طرز بیان اور ان کی تعبیر کے طرز بیان میں بہت بڑا فرق ہے جو لکچروں کو زحرف طالب علموں کے سامنے دیئے گئے تھے اور اشاعت کا کوئی خاص مقصد پیش نظر نہیں تھا اس لئے طرز بیان نہایت سلیس اختیار کیا گیا ہے لیکن اس سادہ اور سلیس طرز بیان میں ایک بحر استاد کی تفہیمی شان نمایاں ہے۔

ادبیات کی تین بڑی شاخیں شاعری، تمثیل اور افسانہ ہیں۔ میں ان شاخوں کی نسبت ان لوگوں کی زندگی کے تعلق سے بحث کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے ادبیات کی یہ پیداوار پیش کی ہے میرے عنوان کا مطلب بھی یہی ہے اور یہ مضمون ادبیات کے ہر طالب علم کے لیے نہایت اہم ہے ہر شخص جو ادبیات کی ان شاخوں میں کسی ایک کا مطالعہ بننا چاہتا ہے تو اس کو سب سے پہلے اپنے آپ سے کئی بار استفسار کرنا ہوگا اور اس کو ان کا جواب بھی دینے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی اگر وہ ثابت سے ان استفسارات کا جواب نہیں دے سکتا تو اس کو ادبیات کا میدان چھوڑ دینا چاہیے بہلا سوال یہ ہے کہ کیا مجھ میں تخلیقی قوت ہے یعنی کیا میں اس قابل ہوں کہ اپنے تجربہ اور اپنی فکر سے دوسروں کے افکار کی تقلید سے مستغنی ہو کر باشعوری یا غیر شعوری طور پر دوسروں کی رائے سے نہ متاثر ہو کر شاعری، ڈرامہ، یا افسانہ تصنیف کر سکتا ہوں اگر تم اس کا جواب صداقت کے ساتھ اثبات میں نہیں دے سکتے تو تم ممیز نقال کے اور کچھ نہیں بن سکتے اگر تم اس پہلے سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہو تو ایا۔ دوسرا سوال اس کے برابر اہم اگے موجود ہے اور وہ یہ ہے کیا میں اپنی زندگی کو کیا کم از کم اپنی فرصت کے بہترین حصے کو ادبی تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر سکتا ہوں اگر تم اتنا وقت نہیں دے سکتے ہو تو کم از کم تمہیں اتنا یقین ہونا چاہیے کہ تم اپنی زندگی میں روزانہ تھوڑا سا وقت اس خاص مقصد کیلئے ٹھار کہ سکتے ہو اگر تم کو اس کا بھی یقین نہیں ہے تو پھر ادبیات کا راستہ نہایت کشش اور دشوار گزار ہوگا۔

ابھی ایک تیسرا سوال اور باقی ہے۔ اگر تمہیں تخلیقی قوت اور وقت دونوں باتیں حاصل ہیں تو تم کو اس معاملہ کا تصفیہ کرنا ضرور دیکھنے کہ کیا مجھے سوسائٹی میں اور روزمرہ زندگی میں حصہ لینا چاہیئے یا مجھے تنہائی اور عزلت اختیار کرنی چاہیئے اس تیسرے سوال کا جواب تم اپنی خاص ادبی قوت کی نوعیت کے مطابق دے سکتے ہو ادب کی بعض قسمیں تنہائی اور عزلت کی متقاضی ہیں اور اس کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی ادبیات کی دوسری اقسام مصنف کو مجبور کرتی ہیں کہ لوگوں سے بہت بڑی حد تک میل جول پیدا کرے اور ان کے تمام حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرے اور سرگرم زندگی کے ہر ممکن تجربہ سے اپنے آپ کو واقف رکھے خواہ وہ ان میں سے بستہ ہو۔

※ سوالات بالا میں میں نے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اب انھیں ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے شاعری کو سیرت کے تعلق سے دیکھنا چاہیے شاعری ادبیات کی وہ قسم نہیں ہے جو محض زندگی کی چہل پہل میں حصہ لینے پر مجبور کرتی ہے بلکہ اس کے برخلاف شاعری خصوصیت کے ساتھ عزلت اور گوشہ نشینی کی طرف مائل ہے۔ شاعری کے لیے کافی وقت کافی غور و فکر اطمینان کا مام اور ایسے خلوص کی ضرورت ہے جو ایک انسان کی فطرت سے ممکن ہے اصلی شاعر معاشرتی زندگی سے جس قدر کم میل جول رکھتا ہے اسی قدر اس کا فن شعر اعلیٰ ہوگا۔

تمام حوالہ کہ میں اس امر حقیقی کی صداقت مسلم ہے اگر ایک نوجوان نوعمر شاعر لوگوں کی ستائش قبول کر لیتا ہے اور امرا اور مقتدر ہستیاں اس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی شروع کرتی ہیں تو عام طور پر یقین کر لیا جاتا ہے کہ اس شاعر کا فن برباد ہو جائیگا ایک شخص ایک وقت میں مخلص بھی ہو اور اپنے مربیوں اور سرپرستوں کا منظور نظر بھی یہ قطعاً ناممکن ہے فن شعر شاعر کو ایک گوشہ نشیں زاہد کی طرح عزلت گزیں ہونے کا حکم دیتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ شاعر کو دنیا ترک کر دینی چاہیئے یا دنیوی تعلقات سے منہ موڑ لینا چاہیئے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ جو بی بچوں کی فکر سے فارغ البال ہو جائے اس کی بہت سخت ضرورت ہے کہ اس کے لیے خاندان ہو اور اسے علوم ہو کہ خاندان سے کیا مراد ہے کہ وہ ایک اچھا شاعر بن سکے لیکن اس کو یقیناً وہ تمام امور چھوڑ دینے چاہیئے جو عام طور پر معاشرتی تعلقات کے نام سے موسوم کے جاتے ہیں

اس سلسلہ میں ہمیں شاعرانہ زندگی کے متعلق چند غیر معمولی امور پر بھی غور کر لینا چاہیئے یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شاعری محض کسی چیز کو نظم کر دینے کا نام نہیں خواہ اس کے اشعار اور ادبیات طرز وزن و قوافی کے لحاظ سے بے حد صحیح ہوں۔ شاعری سے مراد وہ قوت ہے جو لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو نظم کے ذریعہ ملا دے ایک فارسی شاعر کا قول ہے کہ کوئی بدکردار آدمی کبھی بڑا شاعر نہیں ہوا اس قول میں بہت بڑی صداقت ہے۔

اگرچہ بعض مستثنیٰ شاعر ملتی ہیں بلاشبہ تم نے پڑھا ہوگا کہ بوریب کے بعض شاعر بدکردار تھے لیکن اس قسم کے اقوال کو قطعاً طریقہ سے سمجھنا چاہیے میں سمجھتا ہوں کہ تم فوائد کے لیے لارڈ بائرن کا نام پیش کر دو گے لیکن میں کہوں گا کہ اس کے ساتھ بے انصافی کی گئی اور تم کو سرگزشت نام نہاد ہی یا معاشرتی لغزشوں کو جو اس شاعر کی ذات سے منسوب کی ہیں قبول نہیں کرنا چاہئے اصل واقعات یہ ہیں کہ بائرن کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا گیا اور لوگوں کے طعن و تشنیع

اور استعمال سے دہ بعض الفاظ کا مرکب ہوا۔ علاوہ ازیں باطن کی نظرت کی گہرائیوں میں فیاضی اور ہمدردی نمایاں نظر آتی ہے اور جب وہ اپنی نظرت کی گہرائیوں سے متاثر ہوتا ہے وہ اپنا بہترین شاہکار پیش کرتا ہے۔ میں اور بہت سے شاعروں کے مثالیں دے سکتا ہوں لیکن آپ کو ہر جگہ شاعر کی نیکی اور فیاضی اور علو ہمتی نظر آئیگی خواہ اس کی بہت سی نظمیں سطحی۔ پر سرور ہوگئی ہوں مجھے اس فارسی شاعر کے اس قول کے خلاف کہ کوئی بد کردار آدمی شاعر نہیں ہو سکتا ایک یا دو مثالیں ملتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اطالوی ادب کے دور اول میں چند غیر معمولی طور پر بدسرشت ہستیاں شہود شاعری میں فروغ پا چکی تھیں میں مثال کے لیے طالیس ٹاما کا نام بھی دے سکتا ہوں۔

لیکن جب ہم اس ظالم اور خوں خوار آدمی کی ادبی بیداد اور کی تشفی کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سارا کمال عروض و قوافی پر منحصر ہے اس طرح کے منظومات اس زمانہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا اب ہم یہ جاننے لگے ہیں کہ کسی نظم کا بلحاظ عروض و قافیہ درست ہونا حقیقی اور اصلی شاعری نہیں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس فارسی شاعر کو جس کا اوپر ذکر کیا گیا یہ سرسبز طالیس ٹاما کی عشقیہ نظموں میں کسی قسم کی شاعری نظر آئیگی۔

غالباً فارسی شاعر نے جس شخص کو بدکردار بتایا ہے تو اس کی مراد ایسی برائی سے ہوگی جس کو دنیا کے کل انسان برائی سمجھتے ہیں میں ایک آدمی کو محض اس وجہ سے برا نہیں کہوں گا اگر وہ ہمارے چند رسمی امور کی خلاف ورزی کرتا ہے میں اس شخص کو اسی وقت برا کہوں گا جب کہ وہ دوسروں کے ساتھ بے رحمی سے جس خود غرض اور احسان فراموش ہونے تک ایسا آدمی شاعری نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر کو شاعر پیدا ہونا چاہیے جیسا کہ انگریزی کی مشہور ضرب المثل ہے "شاعر پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں"۔ ایک شخص کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم شاعر بھی نہیں بنا سکتی۔ ہر سال انگلستان میں دو جامعات سے تقریباً چار ہزار طلبار ایک باقاعدہ تعلیم کی ساری ٹکسالی ہوئی پیداوار نکل کر نکلتے ہیں۔ جرمن جامعات اس سے زیادہ اور فرانسیسی جامعات سے آدھی ہی تعداد میں نکلتے ہیں۔

لیکن ان ہزارہا لوگوں میں سے کتنے شاعر ہو سکتے ہیں۔ سارے یورپ کے ممالک میں چھ شاعر بھی نہیں ملتے۔ تعلیم ایک شاعر کے سرمایہ میں اضافہ کرتی ہے اس کو زبان پر قابو حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے اس کے کانوں کو موسیقی کے زیر و بم سے آشنا کرتی ہے اور اس کے دماغ کی تربیت کر کے مناسب اور ذوق کے نکتہ قوانین سے آگاہ کرتی ہے لیکن یہ تعلیم ایک شخص کو شاعر نہیں بنا سکتی میں سمجھتا ہوں کہ آج انگلستان میں تیس ہزار ادمی ایسے ہونگے جو صحیح اوزان اور قوافی کے ساتھ اشعار لکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان میں دو آدمی بھی ایسے نہ ہونگے جو شاعر کہلائے جا سکتے ہیں کیونکہ شاعری میں سیرت اور مزاج کا مسلہ آجاتا ہے۔ ایک شخص کو ایک معین شے کی محبت ہمدردی کی صلاحیت اور طبیعت کی نرمی کے ساتھ پیدا ہونا پڑتا ہے تاکہ ادبیات کے ذریعہ دوسروں کے احساسات کو متاثر کر سکے وہ صفات جو ایک شاعر کے لیے ضروری ہیں ان کا تعلق انسانی فطرت کے ایک نازک پہلو سے ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ شاعر آدھی عورت ہوتا ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض اچھے مگر سخت دل کے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر ادبیات کے نازک خیالات کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ عام قاعدہ ہے کہ ریاضی دان شاعر نہیں ہو سکتے اگرچہ مستثنیات ضرور ہیں۔ مشہور شاعر گوئٹے جو حکمت میں اپنے تعمیری تخیل کے سبب بہت مشہور تھا۔ ریاضیات میں خاص طور پر کمزور تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذہن کی چند قوتیں ایسی ہیں جن کی تربیت اور نشو و نما اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ دوسری قوتوں کو نہ دبا دیا جائے

ہر جگہ شعرا عملی زندگی میں ناکام ثابت ہوتے ہیں وہ اعلےٰ درجہ کے تار ہیں ہو سکتے وہ دوسروں کے احساسات کے مقابلہ میں بے حس ہو کر کوئی کام نہیں کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان کی فطرت میں درد بھرا رہتا ہے اس لیے ان کے کردار میں بجائے عقلی استدلال کے احساسات پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ غلطیاں کر جاتے ہیں۔ یہ شعور در اصل انسانی جذبات کے مجسمہ ہیں۔ اگر ساری دنیا پر سخت اور بندھے ہوئے قوانین ہی کی حکومت ہو تو ایسی دنیا میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائیگا کیونکہ یہ شعرا ہی کی جماعت ہے جس کی وجہ سے انسانی فطرت کے تیسرا IMEULSES زندہ رہتے ہیں

لیکن شاعری نظموں کی مختلف بحروں ہی تک محدود نہیں ہے ایک خوبصورت نثر میں بھی شاعری کی جا سکتی ہے۔ انگریزی ادب کا بہترین حصہ اس طرح کی نثری شاعری میں ملتا ہے کیونکہ اس سے بھی نظم کا جذباتی اثر پیدا ہوتا ہے ادبیات کی کوئی صورت ہو اور جس میں یہ خصوصیت پائی جائے وہ مصنف کے وقت اس کی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے ادبی مصنف کی زندگی تنہائی میں بسر ہونی چاہیے یعنی اپنی زندگی جو اپنے فن کی نذر ہو جائے۔

(بقیہ پانا وہ کانفرنس از صفحہ ۱۳)

برطانیہ کے زیر نگین قوتوں میں تمہارا ایمپائی سدا کر کے موجودہ کساد بازی سے خود کو اور اپنے حلیفوں کو محفوظ رکھا تھا برطانیہ کا اس کانفرنس کی کامیابی پر اطمینان اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مقصد حاصل ہو گیا سوال یہ ہے کہ اس کانفرنس میں ہندوستان کی شرکت نے کیا سیاسی نوعیت پیدا کی کینیڈا، اسٹریلیا اور ایک حد تک جنوبی افریقہ معاشی لحاظ سے اپنی حیثیت رکھتے ہیں اور سیاسی لحاظ سے قلمرو مملکت ہیں۔

ان کا تعلق دولت عامہ برطانیہ سے باہمی مفاد اور دوستی پر قائم ہے ہندوستان کو ابھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے اور نہ معاشی لحاظ سے مقابلتاً کوئی درجہ رکھتا ہے ایسی حالت میں کانفرنس سے

ہوا اس کے اس سے کہ ہندوستان کو کچھ نہیں مل سکتا کہ بجائے وہ عالمی منڈی ہونے کے دولت مآب برطانیہ کی منڈی بن جائے اس حالت کے متعلق ہندوستانی انتہا پسند خیالات مطمئن نظر نہیں آتے جس کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔

(رسید کتب) حسن کارمیں حسب ذیل کتابیں دھول ہوئی ہیں ہم آئندہ کی اشاعت میں تفصیل شائع ہوگی۔ میر عالم اسیر خلف نظام علی خان اور تاریخ دکن مصنفہ جناب سراج الدین صاحب طالب انگریزی میں ایک "رسالہ اور سب مل الائی" مرتبہ مسٹر اے۔ اسے قادر۔

نسوانی پیرہن

ہندوستانی صنف نازک کا لباس

(از حسن کار)*

ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون عنوان بالا پر آیا ہے جس میں قابل مضمون نگار نے اس ہندوستانی لباس کی حسن کارانہ نوعیت پر بحث کی ہے ہم یہاں پر ان خیالات کا موازنہ کر کے اُس مضمون کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ بعض اور چیزوں کو بھی پیش کر رہے ہیں۔

* مضمون نگار

ساڑی تہذیب کے اُس دور کی یادگار ہے جب سوئی کی ایجاد اور سینے کے فن سے انسانی ملبوس بے نیاز تھے ہندوستان اپنی قدیم ترین تہذیب کی چند نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی برقرار رکھتا ہے جس کا سہرا ہماری صنف نازک کے سر ہے عورتیں تہذیبی روایات کی حامل اور ان کی پرورش کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ چوپٹ راج ذہنیت میں لباس تو تبدیل ہو گیا لیکن عورتوں نے اپنے حسین ملبوس کو باوجود وقت جدید کی تقویمی شکن ترغیب کے قائم رکھا ہے اور اب یہ مسلہ طور پر ہندوستان کے نصف بہتر کا لباس ہے

اب ہم اس لباس کے متعلق ٹائمز کے مضمون نگار کے خیالات سے بحث کرتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کے پیش نظر صرف بمبئی ہے اور وہاں کے اسلوب میں سے صرف دو یعنی پارسی اور خوجہ طرز کی ساڑی حالانکہ یاد رہے کہ ضلع ٹھانہ کے رنگ کا انتخاب اور کپڑے کے اختلاف کے لحاظ سے ساڑی بیشمار اسلوب رکھتی ہے پارسی طرز کی ساڑی آج کل تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت زیادہ مرغوب ہے اس کے متعلق مضمون نگار کا خیال یہ ہے کہ یوں تو ایک معمولی دیکھنے والا پارسی وضع کی ساڑی کے تنوع اور رنگا رنگی کو دیکھ کر دنگ ہو جائیگا۔ لیکن اس میں ایک مثال تسلسل ایسی ملیگی جو یہ تجمر خوبی کی بناء پر پیدا کر سکے۔ صرف ایک ادھ مثال ایسی ملتی ہے جہاں پر اس ملبوس کو پہننے والی ہستی اس کو حسن اور خوبی سے تن زیب کئے ہوئے ہو یہ اعتراض حقیقت میں بہت کچھ صداقت رکھتا ہے اس لیے کہ کپڑے کی گراں قیمتی یا اس پر بیش بہا فن کاری یا ہلکے رنگوں کا امتزاج ہی ساڑی کی خوبی نہیں ہے بلکہ اس کی



پارسی ساڑی، جدید طرز



خوجہ ساڑی، سادگی و پرکاری

اصلی خوبی اس کے پہننے میں ہے اور جسم کے اتار چڑھاؤ پر اس کے پُرتموج شکنوں کی ہم آہنگی سے ساڑی کا حسن نمایاں ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ کپڑے کی نفاست رنگ کا انتخاب اس خوبی میں اضافہ کرنے کا موجب ہو۔ مضمون نگار نے ساڑی کو ہندوستان کے بالمقابل تہذیب یونان کی عورتوں کے ملبوس کا ہم چشم قرار دیا ہے اور اس مغربی حسین قوم کے سلیقہ شعاری کے مقابلے میں اس کو برابر کا ٹھہراتا ہے لیکن اگر دونوں کا مقابلہ کیا جائے تو ایک چیز میں ساڑی یونانی ملبوس سے بڑھی ہوئی ہے یعنی یہ نہ صرف حسین ہے بلکہ اخلاقی



ساڑی حسن کارانہ طرز میں



ستر پوشی ہے اس دوسری چیز سے یونانی لباس کو سروکار نہیں ہاں یہ سچ ہے کہ لباس کی خوبصورت شکنوں کی وسعت اور اس کے ذریعہ خطوط کی شاعرانہ تنظیم دونوں طرز لباس میں حسن آفرینی کا کام دیتی ہیں۔ ایک اور سرا اعتراض موجودہ جمپر کے استعمال پر ہے وہ کہتا ہے کہ اس مغرب آور وہ شئی کے امتزاج سے ساڑی کی خوبی ماری جا رہی ہے اور جمپر کی بے باک منشی اور شوخ رنگی ہندوستان کے ملبوس کی ثقاہت اور سنجیدگی پر بار گراں ہے ظاہر ہے کہ ایک ٹھیٹ مشرقی چیز کے ساتھ ایک جدید مغربی چیز کا ملاوٹ ناشائستہ کے ساتھ بار موزیم بجائے کے برابر ہے جس سے بجائے ہم آہنگی کے بے آہنگی پیدا ہوتی ہے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ قدیم انگیا وغیرہ ہی کا استعمال برقرار رکھا جائے جو ساڑی کے ساتھ جوڑ کھا سکتا ہے اور اس کی خوبی کو برباد نہیں ہونے دیتا شوق آرائش کے بہانہ کو بھی مضمون نگار نے وضاحت سے پیش کیا ہے۔ مثلاً قورمہ کا اپنے حد تناسب سے بڑھ جانا گل لالہ کی کثرت اور وزنی اشیاء کا استعمال ان سے بجائے

ساڑی کا کوئی حسن بڑھ جائے گا۔ یہ تکلف پیدا ہو جاتا ہے اور اس اوقات حسن کش ثابت ہوتا ہے۔ بعض عورتوں کا کہنا ہے کہ بجائے ٹلی ہوئی قوروں کے ساڑی کے ساتھ منی ہوئی قورمین مناسب ہیں۔ یہ کسی طرح اپنی گران باری سے شکنوں کی ترتیب میں الجھاؤ پیدا نہیں کرتیں۔ ایک اور سہولت اس میں یہ ہے کہ اس طرح نہ صرف قورمی کی قیمت کی کفایت ہوتی ہے بلکہ تو، ٹاکنے اور نکالنے کی دائمی جھنجھٹ سے نجات مل جاتی ہے اگر قور کی یونی ضرورت ناگزیر ہی سمجھی جائے تو مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کم ترین چوڑائی کی قور استعمال کی جانی چاہیئے تاکہ اس کا بوجھ ساڑی کی حقیقی شکنوں کو متاثر نہ کر سکے۔ ساڑی پر بڑے بڑے گل بوٹے اور نمونوں کا استعمال بھی اجکل بار سیون سے گل کر دست بردار ہا ہے۔ حالانکہ ساڑیوں میں بڑے نمونے یا بوٹے ان کی خوبی کو جہیں لیتے ہیں اور نظر بجائے حسن آفرین ہونے کے بدنما کام خواہ وہ کسی مسالہ کا ہو مضر ثابت ہوتا ہے۔ یہ دقت کاری ہر صورت میں ساڑی کے شکنوں کے منافی بن جاتی ہے اور اپنی سختی سے اس نازک لباس میں کرختگی پیدا کر دیتی ہے آجکل کا جوٹ کا استعمال عام ہو گیا ہے مضمون نگار اس کا بھی مخالف ہے وہ کہتا ہے کہ یہ بھدہ غیر دانشمندانہ تقلید ہے اس سے کوئی تزئین تو پیدا نہیں ہوتی بلکہ خاص طور پر وہ کانٹا جو بلوز کو پشت کی طرف ٹانک دیتا ہے بہت ہی بری شئے ہے اگر اس کو ناگزیر ہی سمجھا جائے تو مناسب یہ ہے کہ اس کو کھلا رکھنے کے بجائے ڈھکا ہوا ہی رہنے دے۔ پارسی ساڑی کے بعد مضمون نگار خوجہ ساڑی کی تعریف کرتا ہے اس کے خیال میں یہ زیادہ حسن اور نزاکت رکھتی ہے اس کی سادگی ہی سجنگار کا ایک سنگار ہے جہاں پردہ نشینوں کی زیادتی ساری کی پرکاری اور تزئینی نمائش کی لالچی کوشش کا ذکر کرکے کہتا ہے کہ اس سے کسی طرح حسن کی خوبی میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ خوجہ اور ہندوانی وضع کی ساڑیوں پر جو یہاں اور انگلیا استعمال ہوتی ہیں وہ مضمون نگار کی نظر میں خاص دلکشی اور جاذبیت رکھتی ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آجکل خوجہ خواتین بھی اپنی پارسی بہنوں کی تقلید میں جبریں کی طرف مائل نظر آتی ہیں جو ایک بیجا روش ہے۔ ساڑی کی درازی بھی اس کی خوبی میں خاص دخل رکھتی ہے اس کا شکنوں کے نیچے تک پہنچنا ضروری ہے اور جو کرتا اس کے ساتھ پہنا جائے وہ بھی درازدامن ہونا چاہیئے تاکہ خطوط برقرار رکھنے میں مدد دے سکے۔

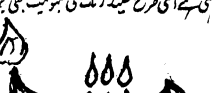
(۴) مضمون کی خوبی کو کرختگی کے گل بوٹوں سے الجھا کر (اردو معلی صفحہ ۲۰)

ایک خط خواتین حیدرآباد کے نام

مخبر زہرہ!۔

ہم نے عفو نسوان اس امید حسن کا میں شروع کیا ہے کہ آپ ہماری سعی میں مدد فرمائینگی ہمارا مطمح نظر تعلیم نسوان کے معاملہ میں مشہور ہے۔ ہماری خوش پوشی اور خوش وضعی کی دھوم ہے۔ اس صفحہ میں ہم صنف نازک کی اس چیز سے بحث کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق بدنی زندگی سے ہے نیز و پیرایش و آرائش۔ خواتین کی ضروریات معاشری اور طرز زندگی کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن میں اعلےٰ دماغوں کی رہبری کی ضرورت ہے۔ دوسری زبانوں میں جرائد کے اس صفحے کو خاص اہمیت حاصل ہے وہاں اس موضوع پر بہترین اہل قلم مل سکتے ہیں لیکن ہماری تہذیب یک جہتی ہے ہم کو یہ سہولت حاصل نہیں ہے کہ ہم آسانی سے ہر صنف کی حالت کا مطالعہ کر سکیں ایسی حالت میں صنف نازک خود ہی اپنی ضروریات کو عمدگی سے ظاہر کر سکتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دلی کی وہ بہنیں جنھیں خوش قسمتی سے اعلےٰ تعلیم و تربیت نصیب ہوئی ہے وہ اس صفحہ کو اپنا سمجھ کر اس میں اپنے مضامین روانہ کریں فی الحال ہم نے ساڑی پر ایک نمونہ کا مضمون اس موقع پر شایع کیا ہے کہ اسی قسم کے مضامین زیور، باغبانی گھر کے انتظام وغیرہ پر حسن کا ئز میں شایع ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ اس کوشش میں ہم کو مایوسی سے سابقہ نہ پڑیگا۔

ایڈیٹر



زندگی

زندگی جوئے روان است و رواں خواہد بود
آنچہ بود است و نباید زیماں خواہد رفت
عشق از لذت دیدار سراپا نظر است
آں زمینے کہ بروگریۂ خونیں زدہ ام
"مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید فشانم دادند"

اقبال

از پیام مشرق

تمام درسی اور علمی کتابین

سید عبدالقادر تاجر کتب چارمینار سے طلب فرمائیے

یہ دوکان قدامت اور نیک نامی کی وجہ سے سب سے زیادہ مقبول ہے آپ بھی اس کو یاد رکھئے

سید عبدالقادر تاجر کتب

فائن ارٹ اسٹوڈیو

بورڈ کی رنگوائی و مصوری، ——— ، اور دوسرا حسن کارانہ کام ہماری دکان

فائن ارٹ اسٹوڈیو روبرو

گرامر اسکول چادر گھاٹ میں ہوتا ہے

معیاری اخبارات، اشتہارات عمدہ رسائل کہاں چھپتے ہین ؟

اعظم اسٹیم پریس میں

کتابین نقشہ جات لٹھو اور دوسری عمدہ چھپائی کا کام کہاں ہوتا ہے ؟

اعظم اسٹیم پریس میں آپ بھی اپنی چھپائی کا کام اعظم اسٹم پریس

چارمینار روانہ فرمائیے

کتابون کے اعلےٰ طباعت کے حامل ہیں

عہد آفرین پریس

کی دھوم ہے

ضرور اپنی کتاب یہاں روانہ فرمائیے

عہد آفرین پریس اسٹیشن روڈ

تار کا پتہ "سنگھوٹی" ٹیلیفون نمبر (۲۴)

جی رگھوناتھ مل نبکر حیدرآباد دکن

کرسپانڈنٹ (ایجنٹ) مرچنٹس تھامس کوک اینڈ سنس تھامس لمیٹڈ برائے حیدرآباد دکن۔ ڈرافٹس بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے علاوہ لندن کو بھی راست ڈرافٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ سیونگ بنک میں کم از کم آٹھ آنہ سے کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ چار فیصدی سود دیا جاتا ہے کرنٹ اکونٹ چالو حساب، سکہ کلدار و سکہ حالی ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فیصدی سود دیا جاتا ہے اور نصف سال کے حسابات میں جمع کیا جاتا ہے قواعد طلب فرمائیے۔

ولیفیر اور منصب خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل رکھے کھاتہ داروں کے حسب مقدار جمع وابھال کئے جاتے ہیں ہر قسم کے بنک کے کاروبار کئے جاتے ہیں۔

مطبع دار التحریر

آپ کے ہر قسم کی کتابت وطباعت کی ذمہ داری لیتا ہے اور خوبی یہ ہے کہ وعدہ کی پابندی اور کتابت وطباعت دیدہ زیب ایک مرتبہ ضرور آرڈر دیکر آزمائیے۔

مینجر مطبع دار التحریر یوسف بازار نیا پل

معاونین سے

آپ کی خدمت میں حسن کار کا پہلا پرچہ اس امید سے روانہ کیا جا رہا ہے۔ کہ آپ اس ہونہار خادم کو خدمت کا موقع دینگے۔ "حسن کار" آپ کی ایک اہم ضرورت پورا کر رہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ کے لیئے دماغی تفریح طلبہ کے لیے ذہنی تربیت اور ملک کی علمی خدمت و علمی بیداری کے راستے پیدا کرنا اس کی کثرت طالبہ اور مقبولیت کے ذریعہ سے حاصل کی جا سکتی ہے جب تک با احساس طبقہ ملک کی مخلص علمی کوشش کی دستگیری کرے اس تمنا کو پورا کرنا ناممکن ہے ہمیں امید ہے کہ اس پرچہ کو دیکھنے کے بعد ہمارے معاونین خریداری کے فارم کو پورا کر کے ہمارے یہاں روانہ فرمائینگے جس کا ہم قبل از قبل شکریہ ادا کرتے ہیں۔

مقبول علی صدیقی

مہتمم رسالہ حسن کار

نرخ نامہ

اشتہارات

ایک سال کیلئے ۔ چھ ماہ کیلئے ۔ تین ماہ کیلئے ۔ ایک ماہ ۔ ایک اساعت

ایک صفحہ کے لیے (۲۵۰) - (۱۴۰) - (۸۰) - (۴۰) - (۲۰)

ایک کالم کیلئے (۱۴۰) (۸۰) (۴۰) (۲۰) (۱۰)

نصف کالم کے لیے (۸۰) (۴۰) (۲۰) (۱۰) (۶)

(تین آنے فی سطر کالم)

حیدرآباد انجینرنگ ہوز

میں

سب کچھ ہے

اعلےٰ اسٹیشنری ۔ خوبصورت فولادی فرنیچر انجینری الات

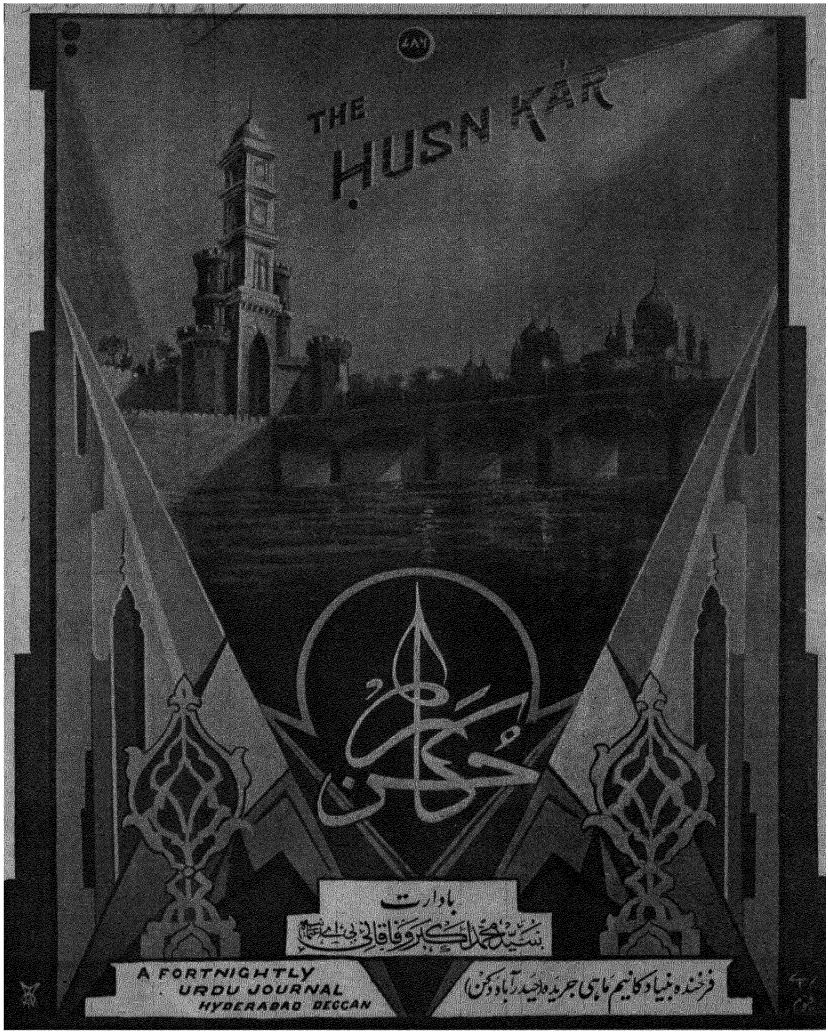
انجینری کے طلبہ کی ضروریات ۔ ڈرائینگ اور پینٹنگ کا مکمل سامان وغیرہ

حیدرآباد انجینرنگ ہوز سانچہ توپ

ہندوستانی جہان گرد

(بقیہ صفحہ سابق)

مسٹر الف ۔ جے ۔ ویرا ۔ جو سمی کے باشندے ہیں ۱۹۲۲ء میں دنیا کے اطراف بذریعہ سیکل گشت لگانے کے لئے نکلے۔ انھوں نے نہایت ہی دشوار گزار اور جوکھوں کا راستہ اختیار کیا تھا۔ آسٹریا کے دارالسلطنت ویانا میں پہنچنے کے بعد انہیں ایک ساتھی مل گیا اور یہ دونوں مل کر افریقہ کے صحرا اعظم کو پانچ ماہ کی مدت میں طے کیے۔ بعد از ان دونوں نے کوہ اندس (جو امریکہ میں واقع ہے) کی بلند ترین چوٹی پر سے جس کی اونچائی سطح سمندر سے بارہ سو سے لے کر ستہ سو فٹ تک کی ہے سیکل کے ذریعہ طے کیا نو نیمت کے اعتبار سے بذریعہ سیکل اس پہاڑ کو طے کرنے کی یہ پہلی مہم تھی اس کے بعد انھوں نے دریائے امیزان کے خطرناک ترین جنگل کو طے کیا۔ اس سفر کے دوران میں نو ماہ تک ان کو بندروں کے سوا دوسرا گوشت نہ مل سکا۔



مضامین خاص - حسن کاری اور ہندوستانی موسیقی - عارضی شوہر - اماں حوا کی ڈائری - نسوانی گفتگو

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کے لیے سب سے اچھی زیر طلبہ اور اردو سیکھنے والوں کے اعلیٰ کتاب

قواعد اردو (مولفہ) عبدالرحمن صاحب رئیس

قیمت (۱۲ر) ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگس قریب

پٹہ خانہ انگریزی حیدرآباد

آپ کی کتابیں کہاں چھپتی ہیں؟

ٹیپ۔ انگریزی۔ اردو۔ لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثرت سے فراہم کی گئی ہیں حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

مفضل پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کے لیے بہترین تحفہ

آپ کے بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لئے بہترین کتاب

سیرت و کردار

مولفہ

عبدالرحمن صاحب رئیس

ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ قیمت ۶ر محی الدین بلڈنگس

نرخنامہ

حسن کار

گورنمنٹ سے سالانہ (۱۵۰۰) سالانہ

چندہ سالانہ۔ بلدہ۔ اضلاع

ششماہی۔ " " ۷ر

سہ ماہی۔ " " ۴ر

فی پرچہ ۲ر

بنبر ٹیلیفون ۲۴ تار کا پتہ گھوڑی

جی رگھوناتھ مل بنکر حیدرآباد دکن

کرسپانڈنٹ (ایجنٹ) ہر قسم تھامس کوک اینڈ سنس لمیٹڈ بنکرز حیدرآباد دکن بحری سفر دنیا کے ہر حصہ میں ہر سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے فارن ایکسچینج فارن ایکسچینج اینڈ ایجنسی۔ واپسی کنشن پر بھی کلکتہ اور مدراس کے علاوہ راست لندن کیلئے بھی ڈرافٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ رقومات دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافٹ رقم بھیجی جاتی ہے اور ماہانہ رقومات قانونی احکامات کے تحت روانہ کیے جاتے ہیں۔

ٹمنامنٹ و پرامیسری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت نامون پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خرچ ان متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے

وظیفہ اور منسب بخزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کر کے کھاتہ داروں کے حسب منشا الصال و جمع کے جاتے ہیں جاری حساب عالی و کھاتہ دار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سلائتین فی صدی سود دیا جاتا ہے۔ سیونگ بنک۔ عالی و کھاتہ دار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور ۲½ فی صدی سالانہ سود دیا جاتا ہے اور روپیہ نکالنے کے ذریعہ قواعد حاصل کے جاتے ہیں اور ڈرافٹ قرضہ دیا جاتا ہے اور جاری حساب میں واجبی شرح سود سے منظورہ ضمانتوں پر ڈرافٹ کے جاتے ہیں ہر قسم کے بنک اور تبادلہ کے کاروبار کیے جاتے ہیں کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔

حسن کار کے

مضمون نگاروں سے گذارشیں

۱۔ براہ کرم مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھے جائیں

۲۔ مضامین مختصر عام فہم اور جاذب ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔

۳۔ افسانہ اور ادب لطیف جدید اصول پر مبنی ہو۔

۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہیئے۔

۵۔ حسن کار ماہ الٰہی کے یکم اور پندرہ کو شایع ہوا کریگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار عبدالقیوم کی سرپرستی میں

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب خانہ کا قدیم رسائل اور اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو۔

کاشانہ باز

(یاد رکھئے)

کاشانہ باز۔ بازار گھانسی حیدرآباد

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حسن کاری اور ہندوستانی موسیقی	از جناب عبدالقیوم خانصاحب باقی بی اے (عثمانیہ)	۴
۲	مملکت	از جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی (سرج اسکالر)	۶
۳	عارضی شوہر	از جناب مرزا منشی بی اے (عثمانیہ)	۷
۴	دنیائے اسلام	از جناب [illegible]	۹
۵	انسانی پرندے		۱۰
۶	شافعی پردوا	از جناب علی احمد صاحب (عثمانیہ)	۱۱
۷	مدرسہ	از مطربرگشتہ	۱۳
۸	لیڈر	—	۱۴
۹	تحریکات (نظم)	جناب باقی بی اے۔ عثمانیہ	۱۵
۱۰	گرٹا گاربو ماتاہری کے روپ میں	از جناب سید شاہ محمد صاحب بی اے بی سی (عثمانیہ)	۱۷
۱۱	امان حوا کی ڈائری	(سرچ اسکالر) از جناب سعید یار اس صاحب۔ بی۔ اے (آنرز علیگ)	۱۹
۱۲	نسوانی گفتگو		۲۰

جلد اول نمبر ۲

سب سے ترقی پذیر سب سے خراج تحسین حاصل کرنے والی۔ پہلے ہی مرتبہ محاسبہ میں منافع کمانے والی

بیمہ کمپنی دی انیڈیل ڈیماکریٹک انشورنس اینڈ مارگیج لون لمیٹیڈ ہے

اس کی پالیسی ہر شخص کے استطاعت اور ضرورت پر پوری اترتی ہے۔

بے انتہا ازدان مختی اور پورسے ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ معاوضہ معقول اس کے علاوہ پراونڈنٹ اور مفت انشورنس دیا جائیگا۔ صرف با اثر اور معزز لوگ درخواست بھیجیں۔

مرزا جاوید بیگ ۶۹۷ ٹوپ کا سایچہ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسن کاری اور ہندوستانی موسیقی

از

عبدالقیوم خان باقی

اہل یونان کی حسن کاری تاریخ عالم میں زرین حرفوں لکھی ہوئی ہے۔ ان کی مجسمہ سازی، فن عمارت اور مرد انی ورزشوں کے کمالات زبان زد خاص وعام ہیں، لیکن ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ اس نادر سرزمین پر بسنے والی باکمال اقوام کے کارنامے مشہور نہ ہوسکے تاریخ میں صحیح طور پر درج بھی نہیں ہیں۔ کوئی تذکرہ ایسا نظر نہیں گزرا جس میں ہندوستان کے قدیم فنون لطیفہ کی مفصل تاریخ مدون ہو اور زندہ دلی کے ساتھ لکھی گئی ہو اور جس میں ہندوستانی اہل کمال کو فنی حیثیت سے زندہ جاوید کر دیا گیا ہو۔

یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کا فن موسیقی علمی اور اصولی دونوں لحاظ سے دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا لیکن کس قدر افسوس ناک امر ہے کہ اس فن کو دن بدن انحطاط ہی ہو رہا ہے، اور عدم توجہ کے باعث نہ اس کا لٹریچر موجود ہے اور نہ اس کو زندہ رکھنے کی کامیاب تدبیریں ہی سوچی جارہی ہیں۔ اس عظیم الشان نقصان پر نظر رکھتے ہوئے جو اس فن کی قدیم خوبیوں کو کھپنا ہے اور ان جدید تغیرات کا لحاظ کرتے ہوئے جو آئے دن اس علم کے صوری اور معنوی محاسن کو مسخ کر رہی ہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد جدید کی چند خاص کوششوں فی الحال کوئی زیادہ امید افزا نہیں ہیں یہ محفل موسیقی والوں کا مذاق جدید آرائت سے اس قدر متغیر ہوگیا ہے کہ وہ موسیقی کی قدیم خصوصیات سے متاثر ہوئے بغیر ہر جدید اصلاح کو اس پر فاضل کرنے سے کسی طرح گریز نہیں کرتے اور محسوس تک نہیں کرتے کہ اس سے آرٹ کے قومی اور فنی محاسن کو کس قدر گزند پہنچ رہا ہے اگر نظر تحقیق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس فن میں علمی اور عملی تصوری اور وجدانی، قسم کی اعلیٰ ترین خوبیاں موجود ہیں۔ انکا تاریخی اور عمیق مطالعہ ہر حساس ناظر کو بڑی بڑی حسن کارانہ موشگافیوں پر آمادہ کر سکتا ہے جن کے آگے جدید اصلاحات کی روشنی قطعاً ماند پڑ جاتی ہے لیکن شوق تحقیق کم اور شوق اکتساب مختلف الاثر ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کا فن کار ہندوستانی موسیقی کی اس کے شایان شان خدمت کرنے سے قاصر ہے۔

ہندوستانی موسیقی کی ابتدائی تاریخ اور اس کے شاعرانہ مناظر

آج سے تین ہزار برس پیشتر کے زمانہ کا تصور کیجئے اور تجسم تصور کے سامنے تاریخ قدیم کا پردہ اٹھائیے۔ معلوم ہوگا کہ سرسبز و شاداب وادیاں ہیں، بلند قامت پھاڑوں کے دامن جھیلوں کا کنارا، بیشمار خود رو پھولوں کا ہجوم۔ قدرت کے ان شاندار مناظر میں کسی سایہ دار مقام پر یوگیوں کے طلسماتی محل۔ ان کے بلند مینار، خوبصورت پیکا نی جیتیں اور منقش ستون کسی جادو بھری بستی کی یاد دلا رہی ہیں۔ ان کی وضع قطع اور ان کی ساخت کچھ اس قسم کی ہے کہ کہیں نظر قدرت کی جلوہ پنہاں عمارت کی مصنوعی دیواروں سے چھپتی نظر نہیں آتیں وسیع ہال کھلے ہوئے عظیم الشان چبوترے بڑے بڑے حوض، ان کے کنارے ہر طرف تکلف فرش، دلچسپی سامان آرائش موجود ہے۔ صدر یہ جہادیوجی آسن جمائے بیٹھے ہیں، ان کے پہلو میں ان کی جیتی جاگتی بیوی پاربتی جی بیٹھی ہوئی بجا رہی ہیں جہادیوجی اپنا ایجاد کیا ہوا بھیروں راگ الاپ رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نرم اور رسیلے سُر تشنج صحیح کی سرحدوں میں گھل مل کر صحیح کی رنگینوں میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔ ادھر راگ ختم ہوا ادھر پاربتی جی نے مسکراتے ہوئے بین کے سُر چھیڑے اور کہا "مہاراج" مجھے راگ کے توکیکھئے دیکھو بتاتی ہوں کہ یہ کیسے راگ کا مالکوس راگ سنئے" اگر تیھر پانی نہ ہو بلائے تو نام نہیں۔ جہادیوجی کے لبوں پر ایک محبت آمیز تبسم پیدا ہوا، سر ہلاتے ہوئے کہا "اچھا سناؤ" پس پھر کیا تھا، رود یوا سے مالکوس کی صدا آرہی تھی، اور درختوں کا پتہ پتہ مسرت سے جھوم رہا تھا۔ اتنے میں حکم ہوا کہ جن اور پریاں حاضر ہوں۔ دیکھتے دیکھتے سارا اکھاڑا سراسر اندر کی سبھا بن گیا۔ ایک جن کو حکم ہوا کہ وہ اپنا طائفہ پیش کرے سب سے پہلے وہ پانچ پریاں پیش ہوئیں جو جہادیوجی کے بھروں راگ کی پیشش کرتی تھیں۔ بھوپالی پری آگے بڑی۔ زرد رنگ ساڑی زیب تن کئے ہوئے صندل کی مالا پڑی ہوئی ہاتھ میں عنبر کی ڈالی، ماتھے پر ستارہ صبح کی طرح جگمگا تا بیکانا پون میں گنگرو۔ اشارہ ہوتے ہی ایک بلند مقام پر جا کھڑی ہوئی اور آسمان کی طرف دیکھ کر ایسے سہانے سُر چھیڑے کہ صبح کے ڈوبتے ہوئے ستارے بھی تھوڑی دیر کے لئے ٹھٹھر گئے، پھر ہیں دیوانہ وار دوڑی چلی آئیں سانپ اپنی اپنی بلوں سے سرکال کر اس کی نغمہ سرائی سے جھومنے لگے، صندل کے درختوں سے سائیں سائیں کی آواز میں آنے لگی۔ جب بھوپالی گا چکی اور سرآفتاب اپنی زرین شعاعوں کو عالم میں پھیلا چکا تو ٹوڈی پری کو حکم ہوا کہ وہ پڑھتے دن کے کچھ سہانے سُر سنائے۔ ٹوڈی پری نے ایک ادا کیا تھا آفتاب کا رنگ کیا، اس کے مقابل کھڑے ہو کر لنکی ایک خیال گانے۔ بیچ بیچ میں کچھ ایسے ٹکڑے سرگاتی تھی گویا اُن کے ساتھ ساتھ دن کی تمازت کو بڑھا رہی ہے۔ ہر تان سے پھر پھر کا اضافہ معلوم ہوتا تھا اور جاگتی دنیا کی زندہ دیاں نظر میں پھرنے لگتی تھیں۔ اسطرح پانچوں پریوں کا طائفہ گا چکا تو کافی دن نکل چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے محفل برخاست ہوئی اور حکم ہوا کہ دوپہر کو سارنگ اور کافی پریوں کا مجرا ہوگا۔

اس تشبیہ سے ایجاد موسیقی کے دو تین نظریوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ فن موسیقی کی ایجاد یوگیوں سے ہوئی۔ سب سے پہلے جہادیوجی نے بھروں راگ اور پاربتی نے مالکوس راگ کے سُر قائم کئے۔ دوسرے جہادیوجی کے دربار میں جو اجڑہ اور پریاں گاتی تھیں انہی کے نام سے راگ اور راگنیاں موسوم ہوئیں جن مرد ہوتا تھا انکا نام راگ قرار پایا، پریاں صف نازکیں سے تھیں، انکے نغمے راگنیاں کہلاتے تھے جہادیوجی کا ایک خاص اسکول "سنت" ہے جو موسیقی کے چار ستونوں میں سے ایک ہے اور شیو مہادیوجی کرم ست" کھلاتا ہے۔ خدا کی قدرت ہے مذہب کی حسن کاری ایک مستقل فن کو پیدا کرتی ہے

اس منظر کا پردہ گر جانے کے بعد ایک دوسرا پردہ اٹھتا ہے۔ میناکار کے رشن جی کیند بلا میل رہے ہیں ہاتھ میں بانسری ہے گلے میں پھولوں کے ہار، سر پر تاج اور کمر میں زرد رنگ کی دھوتی پر موتیوں کا کمر بند۔ اتفاقاً گنیہ دریا میں گر کر بہنے لگتا ہے کرشن جی کود پڑتے ہیں اور گنیہ کا تعاقب کرتے ہیں۔ یکایک پانی میں

سے ایک سات سر کا ناگ نمودار ہوتا اور پھنیے دیوتا کو ڈراتا ہے کرشن جی فوراً ناگ کے ایک سر پر چڑھ جاتے اور اپنی بانسری کے ہوش کرنے والے کرشمے دکھانے لگتے ہیں۔ اسطرح وہ سات سروں پر رقص کرتے اور بانسری کے نغموں سے ناگ کو اپنا مطیع کر لیتے ہیں۔ مذہب کی یہ رنگین حکایت تاریخ کا ایک اہم واقعہ ثابت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کرشن جی کے ان نغموں سے ایک "مت" کی بنا پڑتی ہے جسکو اصطلاح موسیقی میں "کانا تھ مت" کہتے ہیں۔ ناگ کے سروں پر رقص کرنے سے برت یا ناچ کا سلسلہ بھی تاحکم ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ایک بڑے آدمی کی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ قوم کیلئے ایک فن لطیف پیدا کرنا تھا اور آجکل کا سا منفک زمانہ نہ تھا کہ ہر چڑھ آدمی کا بڑے سے بڑا واقعہ دنیا کی نظر میں جو برابر وقعت نہیں رکھتا۔

تنسیر پر دیوتا کو سنان جنگل اور کوہ ہمالہ کی فلک بوس چوٹیوں پر بیٹھا تا ہے۔ گنجان درخت ہر طرف آبشاری آبشار وادیوں سے بہتا ہوا سبزہ زار ہر سمت اوس برس ہی ہے اور آفتاب گویا لقاب زرجامی پہنے ہوئے اپنی سحر افروزیوں میں مصروف ہے۔ شاخ طائران خوشنوا کا ہجوم گوشے گوشے سے ہمہمی کے جھونکے ہر طرف عالم تنہائی اور ایک عالمگیر سکوت۔ اونچی اونچی چوٹیوں پر سادھوؤں کی جھونپڑیاں ہیں۔ اور درختوں کے نیچے خدا کی یاد میں رہنے والے خاموش متفکر اپنے جادو بھرے نغموں میں محو گا رہے ہیں۔ اور ہر کوئی خوش نوا پرندہ بولا اور ایک متفکر سا دھو کی نظریں اٹھ گئیں، وہ لگا غور کرنے کہ اگر یہ چھوٹا پرندہ ایسے رنگین سروں میں خدا کی حمد پڑھنے کا شوق ہے تو پھر میں ایک بیتیا جاگا انسان کیوں اسکی یاد کو کسی طرانے میں نہ بھر دوں۔ یہ رشی کون ہیں؟ بھگت جی ہیں۔ سادھو بھی گیانی ہیں لگنی ہیں اور فن کار بھی ہیں انکے نزدیک بھجن کے سر قائم کرنا کون بڑی بات ہے "خدا" روح اور فطرت اتالیق ہوں اور انسان شاگرد تو پھر خوبنجو پیدا ہو گا وہ ظاہر ہے۔ وہ دیکھو بہارت جی نے گانا شروع کیا اور سنسی میں طائران خوشنا بھی سر و ہنے لگے۔ شاگردوں کا ایک گروہ جا تو ں باتوں میں اسکے اڑا اور ہندوستان بھر میں پھیلا دیا۔ اس مت کو اصطلاح میں "بھرت مت" کہتے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ فن موسیقی میں صرف راگ گانا کوئی شے نہیں۔ جبتک کسی فن میں جذبات نہ ہوں اسوقت تک وہ فن زندہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ موسیقی پر بھارت جی کا احسان ہے کہ انہوں نے اپنے اسکول میں صرف بھجن اور نیز روانی نغموں کو جگہ دی کہ فن لطیف کے ایک شعبے کو اعلیٰ ترین جذبات انسانی سے معمور کر دیا ورنہ ہندو بھی کی گیت سبھا صرف عشق و عشرت کی دلاویز تصویر تھی اور فن موسیقی اس کے محصول کا ایک آلہ۔

اب ہمارا ڈرامہ آسمانی مناظر سے عشق کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ وہ دیکھو پردہ اٹھا۔ انظمت اللہ کیا عالیشان محل ہے کیا پر فضا گلشن ہے۔ اس پر شکوہ قصر کا گوشہ گوشہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میں راون کے عظمت و جلال کی زندہ تصویر ہوں چپہ چپہ پر سنہرا جگ جگ کر رہا ہے لیکن محل عالیشان سنسان ہے۔ باغ کے آخری گوشہ میں سیتا جی منڈیر سے ٹیکا لگائیں۔ اداس بیٹھی ہیں۔ نرگسی آنکھوں سے عشق کے آنسو رواں ہیں، ڈوپٹہ شانے سے ڈھل گیا ہے اور بال پریشان ہیں۔ اتنے میں دیکھتی کیا ہیں کہ پیچھے سے کوئی مطرب خوشنوا ایک بھجن گانا دینے والی ٹھمری سہانے سروں میں گا رہا ہے۔ پلٹ کر دیکھتی ہیں تو ہنومان جی، اپنی دم کی کرسی بنائے بیٹھے گا رہے ہیں۔ "ہا بن تم یہاں کیسے" ہنومان جی نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا "خطرے میں سیتا جی کے دل میں پیاکا پریم"۔ یہ جواب سنا تھا کہ بیتاب ہو گئیں، دوڑ کر ہاتھ تھام لئے اور کہا کہ کچھ سناؤ۔ ہنومان جی نے ہولی کی لے میں شروع کیا۔ تمھارے بھولن کے میں واری کنہیا۔ یا وہے کچھ بھی ہماری"

ہر سُر آنسوؤں کر ٹپک رہا اور ایک آہ بنکل رہا تھا جب گانا ختم ہوا تو سیتا جی کا کلھم ہو گیا رائی تک ہر روز ہنومان جی دو چار چیزیں ایسا طرح سنا جایا کریں۔ یہاں سے فرصت ملی تو بادبہا سفیر مندرا ین بھیجا۔ رام اور لچھمن دونوں بھائی ایک جھونپڑی کے سامنے بیٹھے تیر صاف کر رہے ہیں۔ ہنومان جی نے جھک کر سلام کیا اور اجازت ملتے ہی "برساتی دیس" کی لے میں گائے:۔

"بادل رے۔ اسنڈ گھمنڈ گھن گھور آئی۔
بجلی چمک دوجے ڈرائے"
"نیل اندہیاری کاری بجری چمک وہے۔
سندیا پیر دیس سدھارے۔
کوہو کھی جاولہ وہ مناوہ۔

سوز عشق اور موسیقی کے سوز و گداز نے ان دونوں سورماؤں کے دلوں کو ہلا دیا کود کر کھڑے ہوئے گمان بلند کر کے للکارا۔ "اگر میشور چاہا تو ہم اگلے ہفتے سیتا جی کے محل میں ہوں گے"۔ ہنومان جی نے ہاتھ جوڑ کر تسلیم عرض کیا۔

الغرض یہ داستان ہے عشق کی جس نے ہندوستانی موسیقی میں ہنومان جی کے ذریعہ گھر کیا۔ اس مت کو "شنمت مت" کہتے ہیں اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں اکثر "ہریالی" یعنی "خوشحالی" جیسی چھوٹی چھوٹی چیزیں گائی جاتی ہیں۔ اور ان ٹھمریوں میں عموماً ساونی جذبات کی شاعری ہوتی ہے۔

ان چاروں متوں کی تاریخ ارتقا پر نظر ڈالنے سے واضح ہو گیا کہ ہندوستانی موسیقی کا جنم بھوم کسقدر حسین اور پر لطف رہا ہے۔ اگر اسطرح دیوتاؤں کے ساتھ آسمانوں پر اڑیئے۔ تو ہر ستارے، بادل، آفتاب اور ماہتاب میں موسیقی زندگی اور علم موسیقی کے کمالات مل سروں کا تعلق سات آسمانوں اور سیاروں کی تاثیرات سے بھی ثابت ہو گا۔

(دوسری قسط آئندہ اشاعت میں)

ہندوستان میں صنعت شکر سازی

جس طرح بیرونی مقابلہ میں ہندوستان کی اور تمام صنعتیں تباہ ہو گئیں اسی طرح صنعت شکر سازی بھی بالکل ختم ہوتی جا رہی تھی لیکن گزشتہ چند سال سے اس صنعت کو ترقی دینے کی محکمۂ صنعت و حرفت اور محکمۂ زراعت دونوں کی طرف سے کوشش کی جا رہی ہے۔ صوبہ متحدہ اور صوبہ بہار کی سرزمین شکر کی کاشت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ثابت ہوئی ہے چنانچہ انھیں صوبہ جات میں امید ہے کہ بڑے پیمانہ پر صنعت شکر سازی کو ترقی دی جائے گی۔

حکومت ہند کے محکمۂ صنعت و حرفت کیطرف سے اس صنعت کے متعلق چند اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں جس سے موجودہ حالت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ۱۹۳۰-۳۱ء میں کل رقبۂ زمین جس پر شکر کی کاشت ہوتی تھی ۲۹ لاکھ ۵ ہزار ایکڑ تھا لیکن ۱۹۳۱-۳۲ء میں ۲۹ لاکھ ۹۱ ہزار ہو گیا ہے۔

۲۔ شکر سازی کی فیکٹریوں کی کل تعداد اس وقت ۴۵ ہے۔

۳۔ جدید طریقہ سے مختلف صوبجات میں حسب ذیل مقدار میں شکر تیار کی جاتی ہے:۔

صوبہ	۱۹۳۱-۳۲ء
۱۔ صوبہ متحدہ	۲۰۳۴۸۳۲ من
۲۔ بہار اوڈیسہ	۱۳۱۴۴۱۴ "
۳۔ دیگر صوبجات	۴۷۸۶۹۴ "

(جامعہ)

مملکت

از

پروفیسر عبدالمجید صدیقی

ہم جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے حسن کار کے لئے سلیس زبان میں سیاسیات جیسے اہم اور ٹھوس علمی مضمون پر مسلسل مضامین دینے کا وعدہ کیا ہے اور دیکھیں اس موضوع پر بہت کم مواد ہے اور اسکی ابتدائی چیزوں سے بھی عام طور پر اردو دان طبقہ ناواقف نظر آتا ہے ہمیں امید ہے کہ اس سلسلے سے بہت کچھ فائدہ پہنچیگا۔

(ایڈیٹر)

سلمی طور پر مملکت (کو ہم سیاسی معاشرہ کہ سکتے ہیں جس کے افراد باہم سیاسی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں۔ معاشرہ کا لفظ بہت کچھ تشریح طلب ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانی اجتماع جس کے اراکین خاص اغراض کے لئے آپسمیں ربط وضبط رکھتے ہیں اگرچہ اپنے مختلف اغراض کی بنا پر یہ مختلف معنوں سے پکارے جاتے ہیں لیکن اپنے وسیع معنی کے اعتبار سے یہ سبھی معاشرے ہیں۔ ایک علمی معاشرہ ہوتا ہے جس کے اراکین علمی وادبی نشوونما وترقی کے لئے یکجا مجتمع ہوتے ہیں اور اپنی جد وجہد سے علم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ایک تفریحی معاشرہ ہوتا ہے جس کے افراد باہم مل جل کر تبادلہ خیالات کرتے اور اپنی قوت گویائی بڑھاتے ہیں۔ ایک تفریحی معاشرہ ہوتا ہے جس کا مقصد محض تفریح و لہو لعب ہوتا ہے۔ غرض ہر انجمن اور ہر کلب ایک معاشرہ ہے اور غور سے دیکھا جائے تو یہ سب انسان کے مدنی اور عمرانی جذبے کے مظاہر ہیں۔ چونکہ ارسطو کے قول کے مطابق انسان مدنی حیوان ہے وہ تنہا نہیں رہ سکتا بلکہ اپنے بنی نوع کے ساتھ رہنا اسکو ہوتا ہے۔ اس لئے انسان تمام عمرانی پہلوؤں کے دیکھنے میں جگر کھپاتا ہے۔ انسان کی کوئی جدوجہد خواہ وہ سیاسی ہو یا علمی معاشی ہو یا تفریحی تنہا وجود میں نہیں آسکتی بلکہ اس کیلئے دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہے صرف چند ہستیوں کے سوا جنکی زندگی فوق فطرت ہوتی ہے تمام انسان اجتماعی زندگی کے لئے مجبور ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کے ذہنی وطبعی جوہر بغیر معاشرہ کے چمک نہیں سکتے۔ اس کی تمام خوبیاں معاشرہ ہی میں بے نقاب ہوتی اور درجہ کی کمال کو پہنچتی ہیں۔ اگر علمی جد وجہد کو اسکی صحیح روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت ہویدا ہی بتا دلہ خیالات یا دوسرے الفاظ میں مختلف دماغوں کے باہم انضمام کا نتیجہ ہوتی ہیں جسطرح ایک دیا دوسری دیا سے روشن ہوتا ہے علمی نک ودو بھی دراصل باہمی خوشچینی ہے۔ مشارکت سے ذہن پختہ ہوتے اور صحیح راستہ پر آجاتے ہیں جن کی اکیلے انسان سے توقع نہیں اگر کوئی انسان تنہا کام کرتا ہے تو تنہائی میں ہی اس کے ارگرد معاشری ماحول ہوتا ہے جو کچھ وہ معاشرہ میں سیکھتا ہے اس کو وہ تنہائی میں پھیلاتا ہے تفریح ولہو لعب کو دیکھو وہ بھی معاشرہ کے محتاج ہیں۔ تفریحی جذبات سفر، ہنشینی اور شرکت کے ظاہر مختلف اور نکلتے ہیں۔ اخلاق کے جتنے پہلو ہیں وہ سب اجتماعی زندگی کے مختلف رخ ہیں۔ اخلاق کا وجود اور ترقی صرف معاشرہ پر موقوف ہے کسی تنہا انسان کے متعلق اخلاق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب تک ایک شخص دوسرے کیساتھ ربط وضبط نہ رکھے اس وقت تک اس کے متعلق اخلاق کا تصور ہی نہیں پیدا ہوگا خود وہ شخص ہی اخلاق کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر ہے تہذیب کے لفظ "ادب" اور "اخلاق" بڑی حیثیت پر مبنی ہیں اپنے احساسات کی تکمیل کے لئے سبھی پر فرد بشر کو اپنے ہی نوع کے ساتھ شراکت ضروری ہے۔ کوئی شخص خواہ اپنی مجرد کوششوں سے اپنی تمام فردیات پوری نہیں کرسکتا اگرچہ مشترک سرمایہ حیات میں خود اس کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ عالم ہے تو اپنی دولت علم سے معاشرہ کی خدمت کرتا ہے اگر صالغ ہے تو اپنی مصنوعات سے معاشرہ کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ لیکن وہ خود بھی غذا اور دوسری ضرورتوں کے لئے دوسروں کا محتاج ہے۔ ادبیہ ناگزیر ہے حق یہ ہے کہ علمی تفریحی۔ اخلاقی اور معاشی ارتباط انسان کی مدنی فطرت کے مختلف کیفیتیں ہیں چنانچہ انجمنیں۔ مدرسے۔ جماعات کارخانے اور کلب جو اپنی اختلاف مقاصد کے اعتبار سے مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں یہ سب معاشرے اور معاشرہ کی مختلف شکلیں ہیں جن پر تمدن کا دارومدار ہے اور جس چیز کو ہم تمدن کہتے ہیں وہ انہی باہمی ربط وضبط اور مشارکتوں کا نام ہے۔

جن معاشروں کا اوپر ذکر ہوا مقاصد کے اعتبار سے انکی ظاہر سرشت کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو ان میں ایک ہی روح سارے یعنی انسان کی مدنی فطرت کا تقاضا اور اسطرح سے یہ سب اپنی باطنی حقیقت کے لحاظ سے انسانوں کے اجتماع اور اصطلاحی الفاظ میں معاشرے ہیں مملکت بھی منجملہ ان کے ایک معاشرہ ہے فرق یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا معاشرہ ہے۔ اگرچہ اپنی باطنی حقیقت کے اعتبار سے اسکی حالت بھی وہی ہے جسطرح انجمنوں اور مدرسوں کی ہے یعنی ہر ایک معاشرہ ہے مگر اس کی اور خصوصیتیں بھی ہیں جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں گو وہ دوسرے معاشروں اور مملکت میں بظاہر بہی فرق نظر آتا ہے ایک بہت بڑا معاشرہ بھی انسانوں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ مملکت کے مقاصد اور فرائض کے اعتبار سے یہ دیگر معاشروں سے برتر ہے اگر مملکت معاشرہ ہی ہے تو وہ ایک ایسا منظم معاشرہ ہے جسکا کام افراد مملکت کے ضبط اور تنظیم سے متعلق ہے جب بہت سے انسان ایک جا جمع ہوں اور باہم مل کر رہنے سہنے لگیں اور ان میں خود غرضی بھی تو پھر ایسی منفعتوں میں تصادم ہونا لازمی ہے جب افراد کے منفعتوں یا دوسرے الفاظ میں انکے حقوق کا تعین نہ ہو تو ایسی حالت میں دست درازی ہونا فروزی ہے اس دست درازی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امن وامان مفقود ہوگا۔ یہ دوسرا اجتماع انسانی لوٹ گھسوٹ کا دنگل ہوگا۔ اس کے ماخذ سے ہر انسانی اجتماع کو ایک ایسے انتظام کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو آئین تنظیم پیدا کرے یعنی ہر شخص کے حقوق اور منفعتوں کا تعین کرکے حد بندی کردے یہ مملکت کا اولیں کام اور فرض ہے کہ وہ اپنے افراد کے حقوق کی حد بندی کرکے امن قائم کرتی ہے۔ مملکت اس تنظیم کا نام ہے جو اپنے قوانین کے ذریعہ باشندگان مملکت کو ایک دوسرے سے جائز تعلقات پیدا کرنے پر اس طرح مجبور کرتی ہے کہ ہر شخص ان حقوق سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرے تاکہ اس انتظام سے ہر شخص کی جان ومال محفوظ ہو اور وہ اپنے حقوق اور منفعتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکے ورنہ بغیر اس تنظیم کے کسی کو اطمینان نہ ہوگا۔ یہ تنظیم قانون کے ذریعہ عمل میں آتی ہے قوانین چند احکام ہوتے ہیں جو حقوق اور فرائض کا تعین کرتے ہیں۔ ہر شخص کا حق بتاتے ہیں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی سے منع کرتے ہیں غور سے دیکھا جائے تو یہی احکام حقوق وفرائض کے کارفرما ہوتے ہیں جن کے اشارہ سے ہر شخص اپنی جگہ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن یہ احکام جن کو قوانین کہتے ہیں بغیر اس طاقت کے بیکار ہیں جو انکی پابندی کرائے۔ اسی طاقت کو حکومت کہتے ہیں جس کے حامل اور عامل حاکم کہلاتے ہیں یہ حکام قوانین کی نگہبانی کرتے ہیں اور ہر خلاف ورزی کی سزا دیتے ہیں۔ اسطرح ہر حق کی حفاظت ہوتی ہے اور امن قائم رہتا ہے ایسی تنظیم میں دو قسم کے تعلقات پیدا ہوتے ہیں ایک افراد مملکت کا قانونی تعلق کہ ہر فرد ہر دوسرے کے ساتھ قانونی سلوک کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں قانون سے تجاوز نہیں کرتا دوسرے افراد مملکت کا حکومت کے ساتھ تعلق

ملاحظہ ہو صفحہ

عارضی شوہر

از

"مرزا منش"

"یہ افسانہ ہمارے کرم فرما مسٹر مرزا منش کے ان دوستوں کی ایک"
"کڑی ہے جو انہوں نے اپنے ایک میلانی جدید آبادی دوست کی ڈیڑی کو"
"دیکھ کر پسند فرمائے ہیں جدید آبادی بطور خود چونکہ ہندوستانی کے"
"سیر کرتے رہتے ہیں اور مختلف شہروں میں جا جا کر تاثرات کو قلمبند"
"ان کو روزانہ یہیں جلد کر دیتے ہیں اسی میں سے آپ کے سامنے پیش کرتے"
"ہیں امید ہے کہ ہمارے اس تحفہ کو آپ شوق سے قبول فرمائیں گے"
"مرزا منش"

"ایک شخص بار بار ٹھاہ ہوتی ہے اور ہر بار ہی خوش ہوتا ہے"
"مرزا منش صاحب"

آخر لڑکی کے اور انسانے انشاء اللہ حسن کار میں آتے رہیں گے سوا بابی ہیں

سوئے کشمیر ہوائی گھڑی ہیں ہے نیچے بچھی ہیں ہندوستان کی دنیا ہے اور کشمیر کی
ایک قسم کی ہوتی ہے جو حسین جدید برس۔ اپنے وہ ہیں ہی چار منٹ کی اسٹیشن کی بیاض کر تصور
ہی ہوئی ہے یکایک میری پہلی واقعہ میں لڑنے لگی سامنے ایک شوخ سی زندگی کی
ہیں بھاروں کی بھار معلوم ہوتی تھی دریدہ اول کی سیر فرد گذشتہ ابر کبیر حسن خرام نظر آئی
اس کے پہچو دو نوجوان جو بظاہر ہندوستان نظر آرہے ہیں سامان لے چلے آرہے ہیں لڑکی کی ادا میں
کوئی بات ایسی تھی کہ میری تیز نگاہ بھی مرد میں بگلی سیٹی بجی گاڑی پلاٹ فارم سے
پیچھے جراثاں پھر واں رواں اور آخر میں پرتاں ہو گئی دریدہ اول میں میرا دل ہے
اور نظریں استراف گذین کیوں۔۔۔۔



تھا دیا یوں کون لڑکی ہوگی آس کی نگاہوں
میں اس قدر کشش کیوں تھی جس میں محبت سے
زیادہ شرارت کی چنگاریاں محسوس ہوئی
تھیں دیا تھا اب آنی شناسا کہنا انظر کن
اور آتے کے درمیان اس نئی کی عمر کا حسن،
شفق کی سرخی کا کھلتی سکون پانی کو
صدف رنگ بنا رہا ہے اس خوش منظر پر میری
دھنستہ فطرت کی ساتھ انسانی ظلم کو میں اسی
منظر میں محو تھا کھڑکی سے نگاہ کو گانے لگا تھا میں تھا یہ حسن کشش سے زیادہ ہے
دریدہ اول سے ایک حسین چہرہ میری طرف متوجہ تھا میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا سہ

ای تماشا گاہ عالم روئے تو تو کیا بہر تماشا می روی

مسکراہٹ میں تمکنت کا انداز چہرہ پر ہوا اور کھڑکی کے انداز بانچ گیا اس کی ادا نے
سیر دل میں خیالات کا سیلاب لا دیا جس طرف بھی جس نے حسن کے بازار میں اپنی نظر
گذاری ہو ایک دھڑکی چشم کے اشارے سے آتش زیر پا بنا ہوا ہو سیر دل میں خیالات
کا تلاطم تھا جس کو ٹالنے کیلئے میں نے پھر اخبار اسٹینڈ کا انسانہ شروع کیا لیکن زندگی کی

قسمتوں کے سامنے تحریر نقصہ کیا چیز ہے پیدا کر سکتا ہے؟ ایک اسٹیشن آگیا انجن پانی
لینے لگا میں اتر کر ٹہلنے لگا جب کبھی ٹہلتے ہوئے دریدہ اول سے گذرا تو اس کی گردن جھکی ہوئی
ہاتھ میں میری میز کی کتاب کا پنہ ہی تھا میں نے پوچھا کھول کر دیکھی مضمون دیکھ کر حیرت میں
فرق ہو گیا بھٹی یہ تھی

میرے "اسلام"!

"میں کیلئے بیٹھے بیٹھے تنگ آگئی ہوں کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے اگر آپ
تکلیف نہ سمجھیں تو آپ سے دو باتیں کہا چاہتی ہوں کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی کہا ہے کہ ہوں کہ آپ کے ہمراہ کیا
چاہتی ہوں امید ہے آپ میری اس چھوٹی خواہش کو نظر انداز نہ کریں گے"

"رفیقہ"

"پس سی۔ دیا کہ اسٹیشن پر پہنچ کر آپ کا جواب ڈاک خانہ کی تار کی بھی مجھے دیکھنے ہی آ
جائے تو ذرا چل کے آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ "رفیقہ"

محبت کے مرسل کا اس تیزی سے طے کرنا اعجاز تھا ایک اسٹیشن پر گاہ مل دوسرے
پر تقطہ آیا تیسرے پر دعوت، انسان کی فطرت ہر ایسی غیر معمولی باتیں ہمیشہ متجسس
ہے میں دل میں کھٹکا تحریر، اسکی جال سمجھ نہ آتا تھا لیکن طبیعت دل کی معاملے کو جو ہم
آسمجھے دریدہ اول میں ایک ہمسفر ہو گئیں کہا ختم ہو گئیں کہا ختم ہوا کہ ہم دونوں پرانے دوست تھے
رفیقہ نے اپنی داستان شروع کی اس کی امی تعلیم تربیت
کے ساتھ زراعت سے گذری ہوئی آزاد
پسند کی پتہ چلا تھا یہ کوئی
نئی بات نہیں

میں کتاب دیکھ رہی تھا بظاہر فرق تھا اور دل میں حیران تھا کہ اس آفت جان
کو چار پانچ گھنٹے کا ساتھ ہے اور ایک اجنبی ہے پھر مقتل نے کہا کہ صبح تو ہمارا سفر ختم ہو جائے گا پھر
کہاں گفتگو اور کہاں ہم نہ معلوم آخر کس طرح بھگتے گا میں کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر
رہا ہوں بھر کہ شدت محسوس ہوئی تھی آخر اسٹیشن پر رشتہ دان ہی ہیں کھانے
کی آمد اور جو ڈیرانی سے کوئی حال کہ نیکا بہتر ہے انتظار کرنے لگا۔
اسٹیشن ماسٹر بہ سے کپڑے پہن کر اترتے ہی کو ہاتھ لپوٹنے ایک چٹی سی

ہاتھ میں لئے ہوئے ڈبہ میں گھس آیا کوئی ہوگی ہوگی ہوگ

ہیں کہ ہم پر ہندوستانی ہی کی بدولت غدر کے بعد ان کو مفسدہ دنیا انگریزوں کی نظر میں مخالفانہ غلبا لیکن جب یہ حالات کو انہوں نے صاف صاف پیش کیا تو پھر اپنی ریاست پر بحال ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد رفیقہ کے والد آئے ضیعت پدر کے جانشین ہوئے رفیقہ کی ماں کیسا تھ آئی والد نے ضیعفہ کیا تھا رفیقہ کی والدہ پیدائش کے چند ماہ بعد جو نامعلوم لوگوں کے ہاتھ قتل ہوئی اس کے بعد رفیقہ کے والد نے اس کو ایک وفادار غلام کے حوالہ کر دیا اور ایک جاگیر دیدی۔

رفیقہ کی تعلیم کیلئے ایک معلمہ مقرر ہوئی غرض ایسے بچہ کی جو لڑکی تعلیم کیلئے جیسی بھیجنی چاہیئے جہاں ایک کانونٹ میں اس کی تعلیم و تربیت ہوتی یہاں اس کی ملاقات حیدرآباد کے ایک امیرزادے اشفاق سے ہوئی محبت کی آخری منزل خفیہ نکاح تھی کسی طرح یہ راز کانونٹ اور وہاں سے اسکے رشتہ داروں کو معلوم ہوا چنانچہ رفیقہ کانونٹ سے نکال دی گئی اور جمعہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی جو بمبئی میڈیکل کالج کا طالبعلم تھا اسی عرصہ میں وہ واقعات اپنے ظہور پذیر ہوئے کہ موجودہ سفر درپیش ہوا ایک یہ کہ اشفاق کو اپنے باپ کی تیمارداری کے لئے حیدرآباد جانا پڑا اشفاق کے جانے کے ساتھ انگلستان جا بھاگا اور ادھر رفیقہ کو خبر ملی کہ اس کے سرپرست کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ جاگیر وغیرہ کی حقدار ہو گئی ہے۔ آمدہ کے متعلق معلوم ہوا کہ رفیقہ کے سرپرست کی جگہ اس کے سوتیلے بھائی ہیں جنہوں نے رفیقہ کا قصور معاف کر دیا ہے اب یہ اپنی ننھال میں وہ اپنے بھائی کے پاس جائیگی اور وہیں سوچ رہی تھی کہ اچانک آخری اسٹیج اپنے سکرپٹ کا حل جھلکتے ہوئے کہا "آپ ہی فرمائیے میں کیا کروں سے میرے بھائی نے میرے ساتھ جیسے ستم کو بھی دعوت دی ہو میں ان کو یہ کیونکر کہہ سکتی ہوں کہ وہ شوہر جس کی خاطر میں نے اپنے رشتہ دار اور سب کچھ چھوڑ دیا اب مجھ سے دور اپنے بوڑھے باپ کی خدمت میں مصروف ہو۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو کے موتی چمکنے لگے کچھ دیر ٹھہر کر اس نے میری طرف دیکھا آنسو پینے کی کوشش کی اور پھر یہ جبری مسکراہٹ لاکر اس نے کہا "جب آپ نے مجھ پر میں نے آپکو دیکھا ہو گا مجھ یوں ہی خیال ہوا کہ کیوں میں آپکے اپنا شوہر خیالوں آپ پریشان رہوں میں صرف آپکو اپنی مصیبت اور خیال کی تصویر پیش کر رہی ہوں۔ . . . . ہاں آپ بھی وضع قطع سے حیدرآبادی معلوم ہوتے ہیں آپ کی شکل و صورت بھی اچھی ہے آپکو میرے وطن میں کون نہیں جان سکتا ہے؟ آپکی گفتگو اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے یورپ میں تعلیم پائی ہے پھر ایک ویس زادی کو اس سے زیادہ شریف زادہ کہاں ملیگا؟" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک چرخنی قہقہہ لگایا پھر ایک دم سنجیدہ بن کر میری طرف دیکھنے لگی میں سمجھ چکا تھا کہ اس شخص کو جس نے انگلستان اور یورپ کے دوسرے ممالک کی سیر کی ہو ہندوستان کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا ہو اور جس کو خدا نے اس قدر سرفراز کیا ہو کہ اب سوائے خوش و تنعم کے اور کچھ کام نہ ہو ایک حسین مہ جبیں کی یہ دعوت کہ اس کی عارضی شوہر نجائے کس قدر مضحکہ خیز چیز ہے میں سوچ رہا تھا کہ اس خیال پر ہنسوں کو غصہ کا اظہار کروں اس کی نے یکایک دل ہلا دینے والی آواز میں کہنا شروع کیا اس کا ہاتھ میرے ہاتھ پر تھا دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر وہ میرے سامنے التجا کی تصویر بنی ہوئی تھی



میں لڑکی کو گود میں اٹھا کر آگ سے باہر نکال لایا۔"

"اے شریف آدمی میں اپنی عزت کو تیرے ہاتھ میں دیتی ہوں تو چاہے اس کو قبول کر یا ٹھکرا دے" میری عجیب حالت تھی میں جانتا تھا کہ اس قسم کی حرکت مجھ جیسے پتھر کے آدمی کیلئے ہاتھ سے ہے لیکن ہمدردی کمزوری کیا کروں عورت کے آنسو کی تاب مجھ میں نہیں ہے میں بڑے سے بڑے خطرے میں نہیں پتا لیکن ایک زخم و نازک اشک مجھے بلا دینے کیلئے کافی ہے۔ خدا معلوم کیا بات تھی میری ہم پیشہ طبیعت نے اس سمینہ کی التجا پر جھٹ کہہ دیا "اپنی فرمائش کو قبول کرنی تو ہم ہیں کہا مجھے آپ سے ہمدردی ہے میں آپکو مصیبت میں نہیں دیکھنا چاہتا آپکے شکوہ کو آپنے مجھ پر بھروسہ کیا لیکن کیا بغیر شوہر بنے کے . . . . " یہ سنتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑی ایک انداز سے کہنے لگی "جب آپ مجھ سے اتنی ہمدردی رکھتے ہیں تو کیا میری خاطر آپ اتنا بھی گوارا نہیں کرینگے میں محسوس کرتی ہوں کہ آپکو اس سے بہت تکلیف ہو گی" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی آواز بھی "آواز سے پر ترنم قہقہہ لگایا اور اچانک کر میرے گلے میں باہیں ڈالدیں اور اور میرے مصنوعی شوہر کہنے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔

. . . . . .

اس کے بعد میں نے رخصت طلب کی اس نے مجھے دو بیس، آخری مرتبہ مجبور کیا "آپ کون امراض ہیں" میں نے کہا "جمعہ کے مہتمم اس ڈرامہ کو شروع کرینگے"

باقی صفحہ ۲۵ پر

دنیا اسلام اور مشرق کی بیداری

از: نیلیر

جنگ عظیم کے پہلے اسلامی ممالک میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں تھا جو صحیح معنوں میں آزاد تصور کیا جا سکے۔ ترک جو ایک زمانہ میں اپنی شجاعت، دلیری اور قوت کا دنیا میں سکہ بٹھا چکے تھے مختلف جنگوں میں حصہ لینے کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے۔ اور شروع ہی سے یورپ کے اکثر ممالک کی یہ پالیسی ہی ہے کہ وہ کسی طرح آل عثمان سے یورپ کو خالی کرنا چاہتے تھے اور جب کبھی بھی ضرورت ہوتی متحد ہو کر اس بے چارے کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ ترکی کی اکثر زرخیز موجب یورپین ممالک کی متحدہ کوششوں کی وجہ سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے گئے۔

ترکی ان کی نظروں میں ہمیشہ آزادی کا شکار رہا

اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک کا بھی حال تھا مصر برطانیہ کی سیاسی چالوں میں آکر اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا ایران میں اکثر یورپی ممالک نے حلقہ اثر ( ) قائم کر لئے تھے اور ان ہی کے لیے آپس میں دست و گریبان رہتے تھے۔ عرب کی بھی یہی کیفیت تھی اور افغانستان بھی ان سے بہتر نہیں تھا اس کے علاوہ دنیا کے جتنے بھی مسلمان تھے وہ محکوم تھے۔ ایسے زمانہ میں جنگ عظیم نے اسلامی ممالک کی رہی سہی آزادی بھی سلب کر لی۔ ترکی کو جرمنی کا ساتھ دینے کا یہ صلہ ملا کہ ملک کے حصے بخرے ہو گئے اور یورپ کا بیمار آدمی "ان سفید اقوام" کے ہاتھوں میں مردہ بدست زندہ بنگیا۔

ترکی

صلحنامے سیورس اگست ۱۹۲۰ء کی رو سے ترکی کی حکومت محض نام کے لئے باقی رہ گئی۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ملک یورپین اقوام میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس میں مختلف نامور سے ( ) قائم کئے گئے۔ شام فرانسیسوں کو دیا گیا ( ) اور فلسطین برطانیہ کے حصہ میں آیا۔ آرمینیا کو آزاد مملکت بنایا جانے والا تھا اور تھریس اور سمرنا کے اطراف کے علاقے یونان کا قبضہ ہونے والا تھا اکثر ترکی صوبوں میں برطانیہ فرانس اور اٹلی کے حلقہ ہائے اثر قائم ہونے والے تھے۔ غرض یہ بیمار آدمی مر چکا تھا اور اتحادی قوتیں اس کے جسم کا پوسٹ مارٹم کر کے آپس میں حصوں کو تقسیم کر رہے تھے

لیکن یورپ کی سیاست کی بدقسمتی کہنا چاہیے کہ ترکی کے مردہ جسم میں یکایک تازہ روح پھونک دی اور غازی کمال نے قوم پرستوں کی جماعت کے صدر کی حیثیت سے انگورہ میں ایک نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور اس طرح قسطنطنیہ کے اتحادیوں کے ( ) طرفدار ( ) اور صلحنامے سیورس کی علانیہ مخالفت کی گئی۔ برطانیہ کی مدد سے یونانیوں نے پیش قدمی کی۔ لیکن ستمبر ۱۹۲۲ء میں ان کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ ۱۱ اکتوبر کو آرمسٹس مقرر کی گئی اور لاسین میں ایک کانفرنس صلح منعقد کی گئی۔ گویا ترکی قومیت نے یورپی سیاست اور تدبر کی دھجیاں اڑا دیں۔

اپریل ۱۹۲۰ء میں غازی کمال کی صدارت میں قومی ایوان ( )

عالم وجود میں آئی ۱۹۲۳ء میں اس ایوان نے جمہوریت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور غازی کمال کو صدر منتخب کیا ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کیا گیا۔ اور اسی سال ترکی جمہوریت کا دستور مدون کیا گیا جو اکثر یورپی ممالک کے پارلیمانی جمہوریت کے قائل ہے۔ بحوثی تنظیم اور کلچر میں فرانس کو نمونہ بنایا گیا ملک میں سوئٹزرلینڈ کے دیوانی قانون کو رائج کیا گیا۔

اس کے بعد معاشرتی معاملات میں انقلاب پیدا کیا گیا۔ عورتوں کو آزادی دی گئی اور پردہ سے کو خیرباد کہا گیا، تعدد ازدواج کو ختم کیا گیا۔ ملک میں انگریزی ٹوپی کو رواج دیا گیا۔ سن عیسوی اختیار کیا گیا۔

ایران

جس طرح غازی کمال نے ترکی کو اپنی حریت پسندی اور شجاعت سے محکومیت کے قصر سے آزادی کے بام پر پہنچایا، اس قسم کی مثال ایران میں بھی ملتی ہے ۱۹۰۷ء کے پہلے سے شمالی ایران میں روس کا زور تھا اور جنوب میں برطانیہ کا۔ لیکن جب ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد روسی افواج برخواست ہوئی تو برطانیہ کے اثر میں اور قوت پیدا ہو گئی۔ ۱۹۱۹ء میں ایک صلحنامہ پر دستخط کئے گئے جس کی رو سے فوجی اور سیاسی نقطہ نظر سے ایران برطانیہ کا محکوم ہو گیا لیکن فروری ۱۹۲۱ء میں ایران کی کمزور حکومت ایک فوجی انقلاب کے ذریعہ ختم کی گئی۔

اس انقلاب کا سردار رضا خان تھا غازی کمال کی طرح رضا خان بھی ایک سپاہی تھا جس نے فوج کو اپنے اثر میں کر لیا تھا اور ۱۹۲۱ء میں اس نئی حکومت کا جس کا دارالسلطنہ طہران تھا، دست راست بنا ہوا تھا ۱۹۲۳ء کے آخر زمانہ میں "شاہ" کو ایران چھوڑ کر یورپ جانے پر زور دیا گیا۔ اکثوبر میں عین اس وقت جب انگورہ میں جمہوریت قائم کی گئی تھی رضا خان ایران کا وزیر بن گیا تھا ایران میں بھی ترکی کی طرح جمہوریت قائم ہو جاتی لیکن ملک کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے رضا خان نے اس کو مناسب نہیں سمجھا غرض ۱۹۲۵ء میں ایران کی ایک دستور ساز جماعت نے رضا خان کو "شاہ" بنا دیا۔

۱۹۲۱ء سے ایران میں ترقیوں کا سلسلہ برابر جاری ہے ملک میں ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہے ایک امریکن مشیر مالیات کی مدد سے ایران کی مالیات کو جدید طرز پر لایا گیا ہے اور ملک کے معاشی حالات میں ایک تبدیہ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں ایران اور ترکی میں ایک دوامی دوستانہ تعلقات کا صلحنامہ مرتب ہوا۔

مصر

۱۸۸۲ء سے مصر برطانیہ کے قبضہ میں ہے اور قریب چالیس سال کے جدوجہد کے بعد یعنی ۱۹۲۲ء میں اس کو کہیں آزادی حاصل ہوئی جنگ عظیم کے ہونے تک مصریوں میں اپنی غلامی کا احساس اتنا زیادہ نہ تھا۔ صرف ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ان خیالات سے متاثر تھا۔ لیکن جنگ کے بعد یعنی ۱۹۱۹ء سے مصر میں ایک عام بیداری پیدا ہوئی اور سعد زاغلول پاشا وہ نیتا "لا وفد" پارٹی قائم کی تاکہ پیرس کی کانفرنس صلح میں مصر کے مطالبات پیش کئے جائیں اس پارٹی نے ملک میں بہت جلد قوت حاصل کر لی اور راے عامہ کو جنوا کر کے اس نے برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۹ء میں ملک میں ایک "ہنگامہ" برپا ہو گیا اور ۸ مارچ ۱۹۱۹ء میں سعد زاغلول کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔ لیکن چونکہ بغیر ان کے گفت و شنید ممکن نہ تھی ان کو رہا کیا گیا ۱۹۲۱ء میں ان کا لارڈ ملنر سے لندن میں باہمی تبادلہ خیال ہوا حقیقت یہ ہے کہ سعد زاغلول مصری قومیت کے زبردست علمبردار تھے اور اہل ملک پر ان کا زبردست اثر تھا۔ لیکن اس ملاقات کا کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوا اور دونوں قوموں کے تعلقات میں اور کشیدگی بڑھ گئی دسمبر ۱۹۲۱ء میں پھر زاغلول اور ان کے پانچ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بہرکیف برطانیہ کو بالآخر مصر کی آزادی تسلیم کرنی ہی پڑی لیکن پھر بھی چند چیزیں تصفیہ طلب رہیں

بقیہ صفحہ (۳۴ کالم ۴)

شانتی پروا

مہابھارت کا نظام سیاسیات

۲ نر

علی احمد

مہابھارت کا زمانہ یوں تو منو سے کئی سو سال پیشتر کا ہے مگر اس رزمیہ نظم میں جس جگہ ملکی معاشرت اور سیاسیات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے دیکھنے سے اس بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ منو نے جسکو صحیح و منظم تخیل حکومت کا بانی سمجھا جاتا ہے) یا تو مہابھارت کی روایتوں سے یا بدھ مت کی سوتراز سے وہ تمام مواد جمع کیا ہے جو ملکی سیاسیات اور قانون پر حاوی ہے اور یہ روایت ایک حد تک اعتقادی معلوم ہوتی ہے کہ اس پر الہام ہوا کہ وہ حکومت کرنے اور دنیا میں امن و امان پھیلانے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے فساد اور بدامنی کو دور کرنے و خوشحالی کے پھیلانے کیلئے قانون اور سزا سے کام لیکر حکومت قائم کرے" اگر یہ بات نہیں تو مہابھارت کی تدوین کے وقت جو یقیناً منو کے بہت بعد ہوئی ہے وہ تمام سیاسی تخیلات جو منو کے دماغی ایجاد تھے لفظ بلفظ نقل کر لئے گئے

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک میں جبکہ قومیں نیم وحشیانہ حالت میں بسر کرتی تھیں اس وقت مشرق بعید اور خصوصاً ہند میں ہندو تمدن کا آفتاب اپنی پوری تابناکی کے ساتھ چمکتا رہا تھا۔ اس لئے ہمیں اس بات کے یقین نہ کرنیمیں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مہابھارت کے زمانہ میں ہندوستان کی تہذیب و تنظیم اسد رجہ پر تھی جیسی کہ مہابھارت میں بیان کیگئی ہے اس کو ان لینے کے بعد یہ خیال یک قلم صحیح مانا جا سکتا ہے کہ منو نے اپنے قوانین و ضوابط مہابھارت ہی کے روایتوں سے تیار کیا اور اس پر شدت سے عمل پیرا ہوا۔ اور کہنا چاہیئے کہ وہ اعلیٰ تخیلی طرق حکومت جو مہابھارت میں بیان کیا گیا تھا۔ اب منو یا منو کے بعد ضبط تحریر میں آیا اور اس نے بالکل دستوری صورت اختیار کی۔

منو کے ساتھ تخیل حکومت و قوانین کو منسوب کرنیکی وجہ ایک یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اس قدیمی طرز کو جو مہابھارت میں بیان کیا گیا ہے لوگ ایک بہترین خیالی حکومت سمجھتے ہوں اور منو کے زمانہ تک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس نے اس بات کی کوشش کی ہو کہ دوبارہ منظم و اعلیٰ ترین حکومت دنیا پر جاری و ساری کرے منو ہی ایسا شخص ہے جس نے ہمت کی اور کامیاب رہا۔

یہ روایت کہ منو کو الہام ہوا اور تائید غیبی نے اُسے مجبور کیا کہ وہ امن و امان کی خاطر حکومت کرے منو کی فراست اور عقلمندی کی دلیل ہے۔ فی زمانہ جبکہ دنیا ہر بات کیلئے ثبوت اور عقلی وجہ پر زور دیتی ہے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ کبوتر کو سید۔ یا ناگ کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ منو کا زمانہ کیسے تصور آپ خود کر لیجئے یقیناً دو ہزار سال پیشتر لوگ بہت زیادہ توہم پرست اور کٹر ہوں گے اس لئے زمانہ کی اسپرٹ کو بھانپکر لوگوں کی ذہنیت کا مطالعہ کر کے منو جیسے عقلمند شخص نے اپنا کام بنالیا۔ ویسے اگر منو یا دشاہت کا دعویٰ کرتا . . . . . یا اپنی امریت کا اعلان کرتا تو لوگ اسکو مار ڈالتے یا پاگل سمجھتے۔ چنانچہ منو نے عقلمندی سے کام لیکر ایک چھلکا ایسا چھوڑ دیا کہ دنیا اس کے قدموں پر گرنے لگی۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد جو چیز میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مہابھارت کے زمانہ کا سیاسی تخیل و نظم حکومت ہے۔

مہابھارت کے سیاسی نظام پر ایک نظر ڈالنے سے حیرت ہوتی ہے کہ آج بھی جبکہ بحوالہ تاریخ ۲ ہزار سال مہابھارت کے زمانہ کو ہوتے ہیں (ہندو اعتقاد کے مطابق سے چار ہزار سال کا عرصہ ہوا) مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے) کم و بیش وہی طرز حکومت ہے اگرچہ شکل بدلی ہوئی ہے مگر اسپرٹ اور حکومت کا مقصد وہی ہے جو اس وقت تھا اصول اکثر و بیشتر وہی ہیں جو مہابھارت کے زمانہ میں تھے اگر بنظر غائر دیکھیں تو موجودہ حکومت میں چند ایسی بھی چیزیں ملینگی جو انصاف اور رفاہ عام کے مخالف ہیں۔ جو اس زمانہ میں نہ تھیں۔ چند مکمل جات ایسے بھی ملیں گے جو موجودہ زمانہ کے محکموں سے زیادہ تنظیم اور کارکر دتھے۔

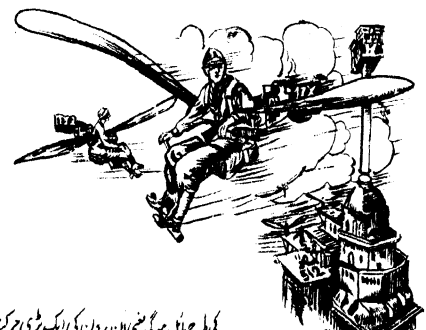
ڈنڈنیتی

مہابھارت کا ایک خاص باب جسکی سرخی، شانتی پروا ہے سیاسی نظریۂ حکومت کے متعلق لکھا گیا ہے حکومت کا آلہ کار جس پر بہت زور دیا گیا ہے، "ڈنڈنیتی" یعنی سزا ہے جسکو امن و امان۔ مذہبی معاشری۔ معاشرتی تنظیم کیلئے ناگزیر سمجھا گیا ہے اس کی وجہ تسمیہ ہندو اعتقاد کے مطابق یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں ہر چیز درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ہر سمت امن و امان کا دور دورہ تھا لوگ دھرم کے سخت پابند اور سچے تھے مگر اس کے بعد کا زمانہ کچھ ایسا آیا کہ لوگ خود غرض جھوٹے اور لامذہب ہو گئے چنانچہ دیوتاؤں کو زمانہ کی اس کایا پلٹ سے سخت رنج ہوا۔ اور سب چھوٹے بڑے دیوتاؤں نے ملکر خالق عالم یعنی بڑے دیوتا وشنو سے التجا کی کہ وہ دنیا کی حالت کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے اور لوگوں کو تباہی و بربادی سے بچائے۔ وشنو دیوتا غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ بغیر تنظیم و حکومت کے ان کا مل جل کر رہنا ناممکن ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان کے لئے ضروری قوانین و حقوق کا تعین کر دیا جائے اور ایک قوی و طاقتور صدر جسکا رعب سب پر حاوی ہو ان قوانین پر عمل کروانے مقرر کر دیا جائے چنانچہ وشنو دیوتا نے اصول حکومت مرتب کئے جسکے بعد سے دنیا میں امن و امان کا جو دور ہوا اس کا باعث صرف ڈنڈنیتی کا ڈر رہا تاریخی نکتہ نظر سے یہ بات ایک بے معنی سی معلوم ہوتی ہے کہ ڈنڈنیتی دھرم پر چلائی۔ ویسے کھیلا نیکا ذریعہ دیوتاؤں نے اس کو کشتریوں کیلئے تجویز کیا ہے یہ بھلا کیوں کی جڑ ہے جہاں اس کا استعمال نہیں وہ ملک جہنم کا نمونہ ہے۔ کوئی شخص فطرتاً نیک و صلح جو بے غرض اس دنیا میں نہیں پیدا ہوا۔ یہ صرف ڈنڈنیتی یا سزا ہے جو امن و امان کا باعث ہے ورنہ زبردست کمزور کو اور مالدار غریب کو ہضم کر جانے میں کوئی دریغ نہیں کریگا۔ صرف یہ سزا کا خوف ہے جو نظام عالم برقرار و کارگذار ہے خوگندھرو دیوتا و دیگر شیاطین

عہ مہابھارت کا تخیل رسمو کے اس تخیل کے مقابل ہے جسپر اس نے معاہدہ معاشری کی بنیاد رکھی۔ رہا اس کو وشنو دیوتا کی طرف تعبید کرنا یا انسانوں کے اپنے اعمال قرار دینا یہ زمانہ کے اختلاف کا نتیجہ ہے فقط

(ایڈیٹر)

فضا میں انسانی پرندے



پروفیسر انٹونیو مگلن فرانس کی وزارت ہوا نیہ کے ٹیکنیکل ڈائرکٹر ہیں اور بذریعہ پرواز کرنے کے لئے تو جہا بیس سال سے اپنے تشابہ پرندوں کی حرکت سے حاصل کرکے بلند کرتے رہتے ہیں ان کا یہ نظریہ عملی شہادت پر منحصر ہے۔

پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ ایک شخص پانچ یا چھ مربع فٹ کی سطح رکھنے والے دو پروں کو لگا کر محض اپنے جسم کی توانائی کے ذریعہ باسانی پرواز کر سکیگا بشرطیکہ وہ اپنے ان مصنوعی پروں کو فی ثانیہ تیرہ سے میں مرتبہ تک حرکت دے سکے۔ اگر اس میں مکانیکی حرکت پیدا کر دیا جائے تو صرف پیر کی حرکت سے وہ معلوبہ حرکت میں جو فی تیزی حاصل کی سکتا ہے مندرجہ بالا سطح والے پروں کا لحاظ کرتے ہوئے ادمی اور اس کی مشین کا کل وزن دو سو میس پونڈ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے دقیقت پروں میں ایسی مطابق ہونی چاہیے کہ نچلی جانب میں ان کو پوری حرکت مل سکے۔ اور اوپری حرکت کے وقت یہ بازو ہلکے سکیں ہوا سے پروں کی قوس کا بنا ہوا ادیہ بنانا میں یہ بچا ہے اس ہوا پر چڑھنے کے لئے پرواز کنندہ کو کسی کافی طاقت میسر آسکیگی کیونکہ اوپری ہوا ایں موجیں بھی ہونگی وہ اپنی طاقت کی مدد کے لئے پرواز کر سکیگا۔

موجودہ پروازی جدوجہد کے بنیں نظر پروفیسر موصوف اپنے اس خیال کو دو تین سال ہی کے اندر عملی صورت میں دیکھنے کا کامل یقین رکھتے ہیں انکے خیال میں ہوا محض انسانی ناقص الہی ہے۔ چنانچہ گلائڈر رکھنے بنانے کے لیے کس سامان کی ضرورت بھی تھوڑی سی لکڑی اور تھوڑا سا کپڑا اور چند کیلے یہ چیزیں انسان کو ہزار دن سال پیشتر سے میسر تھیں۔ لیکن منٹا قابل سے تیل تک وہ اپنی پروازی قوت کو کام میں نہ لا سکا اور یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ اس کی بدولت دور دراز اور بلند ترمقامات تک سفر کر سکتا ہے کیا انسان کا بذریعہ پرواز گلائڈ میں سو میل تک فضا میں پھسلنے کے مقابلہ میں تعجب خیز ہے؟

انسان میں بذریعہ پرانے خط میں پرواز کرنے کے لیے کافی جسمانی قوت انسانی موجود ہے اس کو صرف نصف جسمی قوت درکار ہے اور یہ قوت اس کے دن تمام کی محنت کے مساوی ہے لیکن اس میں ایک چھوٹی سی برقی موٹر کا جو اس کی ٹوپی کے برابر ہو استعمال کرنا اس کو تمام جانفشانیوں سے محفوظ کر دیتا ہے اس سے زیادہ قوت مثلاً ہوگی اور وہ باسانی تیز حرکت کر سکیگا اور اس کو اڑنے میں سہولت بھی ہوگی وہ بھلے پیر دن کی مسلسل حرکت اور جسمانی کاوش کے ازادی کے ساتھ اپنی آپ رہنمائی کر سکیگا۔ ہوائی موجوں کو قبول کریگا اور ساتھ ہی مناظر کو دیکھ کر خوش ہو سکیگا۔ اگر برقی موٹر کافی قوت والی اور بھروسہ کے قابل ہوگی تو وہ خاصی بلندی تک بھی جا سکیگا۔

ہوا پر قبضہ

برقی موٹر سے اندیشہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ احتیاط کے لیے اپنے ساتھ سہارا بھی رکھ سکتا ہے اس کی وجہ سے وہ ہوا میں معلق نہیں رہیگا بلکہ اس کے پر اس کو آگے بڑھانے میں مدد دینگے رفتار کا زیادہ تر انحصار برقی موٹر کی قوت پر دن کی مناسبت اور ہوائی موجوں کی مخالف یا موافق سمت پر موقوف ہوگا اس کو گرنے کا اندیشہ اس وقت پیدا ہوگا جبکہ اس کے پر بن معلوبہ حرکت نہ کر سکیں۔ وہ کئی طریقوں پر فضا میں اپنی رہبری کر سکتا ہے۔

ایسی پروازی موٹر ایک ہلکے سے دھانچے پر مشتمل ہوگی جس میں ایک کرسی اور دو پر بن ہونگے ہر ایک پر شتر اتنی لمبی لمبا ہوگا اور پر بن ادھے پتنگے کی شکل کے ہونگے جو درمیان سے کاٹ کر لیا گیا ہو اور جس کا ولکدار حصہ موٹر سے جوڑا ہوا ہوگا اس ہر کی درمیانی چوڑائی بیس سے تیس انچ تک ہوگی۔

پروں کی حرکت صرف اوپر اور نیچے کی حد تک محدود نہیں ہوگی بلکہ انگریزی حرف الف (A) کی طرح مائل ہوگی یعنی ان پروں کی ایک بڑی حرکت نیچے کی طرف آگے جانب ہوگی اور پھر حرکت کریگے اور پھر بالکل اسی طرح ایک بڑی حرکت پیچھے کی طرف آگے جانب ہوگی ان پروں کو فی ثانیہ تیرہ سے یکبیک میس تک حرکتیں کرنا پڑیگا وزن اور فضا کے حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان پروں کی فی ثانیہ تیرہ سے لے کر میس تک حرکتوں کی ضرورت لاحق ہوگی لیکن ان کی انتہائی حد میس ہے اس قوت پیدا کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی موٹر بالکل کافی ہے۔

اس کا اصول بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کو ایک پہلوان پہاڑی پر چڑھتے وقت اپنی لکڑی کو اچھی طرح چٹان پر سہارا دینے کی ضرورت ہوتی ہے قوت جاذبہ تمہیں نیچے نہیں پھینکتی۔ اسی طرح تم اپنے پروں کی حرکت سے ہوا پر قبضہ کر سکتے ہو تم نہ صرف معلق رہو گے بلکہ آگے کی طرف حرکت بھی کر سکو گے ہمارے حواس کو ہوا پہاڑ کے مقابلے میں کم ٹھوس محسوس ہوتی ہے اگر ہم اپنی آنکھ کے تابع کو نظر انداز کر دیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہوا کے اندر اپنی ٹھوس خصوصیات موجود ہیں اس سے بر نہ ہے خوب واقف ہیں اگر ہمارے حواس بھی مختلف ہوتے تو ہمیں ہوا بھی چٹان کی طرح ٹھوس محسوس ہوتی۔

ایک نئے دور کا آغاز

انسان کا پروں کے ذریعہ پرواز کرنے کا خیال ہزار دن سال قبل کا ہے لیکن اس کے عملی صورت کے اختیار کرنے کا امکان برقی موٹر کی ترقی یافتہ صورت کرہ ہوائی کی ساخت سے متعلق کثیر معلومات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ان تمام کے علاوہ سب سے زیادہ محرک تصویر کشی نے پرندوں کے پروازی اصول کے نظریہ ۴

۴۴ بالکل پرانا اور ناقص استدلال پر مبنی ہے کیونکہ انسان کی بصارت کی رفتار اس قدر ست ہے کہ وہ پرندوں کی پروازی حرکت کو ٹھیک طور پر محسوس نہیں کر سکتا ہے۔

شانتی پروا

مہابھارت کا نظام سیاسیات

از

علی احمد

مہابھارت کا زمانہ یوں تو منو سے کئی سو سال پیشتر کا ہے مگر اس رزمیہ نظم میں جس جگہ ملکی معاشرت اور سیاسیات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے دیکھنے سے اس بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ منو نے جسکو صحیح و منظم تخیل حکومت کا بانی سمجھا جاتا ہے) یا تو مہابھارت کی روایتوں سے یا بدھ مت کی سوتراز سے وہ تمام مواد جمع کیا ہے جو ملکی سیاسیات اور قانون پر حاوی ہے اور یہ روایت ایک حد تک اعتباری معلوم ہوتی ہے کہ اس پر الہام ہوا کہ وہ حکومت کرنے اور دنیا میں امن و امان پھیلانے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے فساد اور بدامنی کو دور کرنے و خوشحالی کے پھیلانے کیلئے قانون اور سزا سے کام لیکر حکومت قائم کرو" اگر یہ بات نہیں تو مہابھارت کی تدوین کے وقت جو یقیناً منو کے بہت بعد ہوئی ہے وہ تمام سیاسی تخیلات جو منو کے دماغی ایجاد تھے لفظ بلفظ نقل کر لئے گئے

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک میں جبکہ قومیں نیم وحشیانہ حالت میں بسر کرتی تھیں اس وقت مشرق بعید اور خصوصاً ہند میں ہندو تمدن کا آفتاب فیض بخش چمکدار رہا تھا۔ اس لئے ہمیں اس بات کے یقین نہ کرنیمیں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مہابھارت کے زمانہ میں ہندوستان کی تہذیب و تنظیم اسدرجہ پر بھی جیسی کہ مہابھارت میں بیان کیگئی ہے اس کو ان لینے کے بعد یہ خیال یک طرفہ صحیح مانا جا سکتا ہے کہ منو نے اپنے قوانین وضوابط مہابھارت ہی کے روایتوں سے تیار کیا اور اس پر شدت سے عمل پیرا ہوا۔ اور کہنا چاہیئے کہ وہ اعلیٰ تخیلی طریق حکومت جو مہابھارت میں بیان کیا گیا تھا۔ اب منو یا منو کے بعد ضبط تحریر میں آیا اور اس نے بالکل دستوری صورت اختیار کی۔

منو کے ساتھ تخیل حکومت و قوانین کو منسوب کرنیکی وجہ ایک یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اسکا قدیمی طرز کو جو مہابھارت میں بیان کیا گیا ہے لوگ ایک بہترین خیالی حکومت سمجھتے ہوں اور منو کے زمانہ تک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس نے اس بات کی کوشش کی ہو کہ دوبارہ منظم و اعلیٰ ترین حکومت دنیا پر جاری و ساری کرے منو ہی ایسا شخص ہے جس نے ہمت کی اور کامیاب رہا۔

یہ روایت کہ منو کو الہام ہوا اور تائید غیبی نے اُسے مجبور کیا کہ وہ امن و امان کی خاطر حکومت کیے منو کی فراست اور عقلمندی کی دلیل ہے۔ فی زمانہ جبکہ دنیا ہر بات کیلئے ثبوت اور عقلی وجہ پر زور دیتی ہے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ کبوتر کو سید۔ یا ناگ کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ منو کا زمانہ کیسے تصور آپ خود کر لیجئے یقیناً دو ہزار سال پیشتر لوگ بہت زیادہ توہم پرست اور کٹر ہوں گے اس لئے زمانہ کی اسپرٹ کو بھانپکر لوگوں کی ذہنیت کا مطالعہ کر کے منو جیسے عقلمند شخص نے اپنا کام بنالیا۔ ویسے اگر منو یا دشاہت کا دعویٰ کرتا . . . . . یا اپنی امریت کا اعلان کرتا تو لوگ اسکو مار ڈالتے یا گل سمجھتے۔ چنانچہ منو نے عقلمندی سے کام لیکر ایک چکلا ایا چھوڑ دیا کہ دنیا اس کے قدموں پر گرنے لگی۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد جو چیز میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مہابھارت کے زمانہ کا سیاسی تخیل و نظم حکومت ہے۔

مہابھارت کے سیاسی نظام پر ایک نظر ڈالنے سے حیرت ہوتی ہے کہ آج بھی جبکہ بحوالہ تاریخ ۲ ہزار سال مہابھارت کے زمانہ کو ہوتے ہیں (ہندو اعتقاد کے لحاظ سے چار ہزار سال کا عرصہ ہوا) مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے) کم و بیش وہی طرز حکومت ہے اگرچہ شکل بدلی ہوئی ہے مگر اسپرٹ اور حکومت کا مقصد وہی ہے جو اس وقت تھا اصول اکثر و بیشتر وہی ہیں جو مہابھارت کے زمانہ میں تھے اگر بنظر غائر دیکھیں تو موجودہ حکومت میں چند ایسی بھی چیزیں ملینگی جو انصاف اور زمانہ عام کے مخالف ہیں۔ جو اس زمانہ میں نہ تھیں چند قدم کہ جاتا ایسے بھی ملیں گے جو موجودہ زمانہ کے تقاضوں سے زیادہ تنظیم اور کار کر تھے۔

ڈنڈ نیتی مہابھارت کا ایک خاص اصول جسکی سرخی، شانتی پروا ہے سیاسی نظریۂ حکومت کے متعلق لکھا گیا ہے حکومت کا آلہ کار جس پر بہت زور دیا گیا ہے، "ڈنڈ نیتی" یعنی سزا ہے جسکو امن و امان۔ مذہبی معاشری۔ معاشرتی تنظیم کیلئے ناگزیر سمجھا گیا ہے اس کی وجہ تسمیہ ہندو اعتقاد کے مطابق یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں ہر چیز درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ہر سمت امن و امان کا دور دورہ تھا لوگ دھرم کے سخت پابند اور سچے تھے مگر اس کے بعد کا زمانہ کچھ ایسا آیا کہ لوگ خود غرض جھوٹے اور لامذہب ہو گئے چنانچہ دیوتاؤں کو زمانہ کی اس کایا پلٹ سے سخت رنج ہوا۔ اور سب چھوٹے بڑے دیوتاؤں نے ملکر خالق عالم یعنی بڑے دیوتا وشنو سے التجا کی کہ وہ دنیا کی حالت کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے اور لوگوں کو تباہی و بربادی سے بچائے۔ وشنو دیوتا غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ بغیر تنظیم و حکومت کے ان کامل مل کر رہنا ناممکن ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ان کے لئے ضروری قوانین و حقوق کا تعین کر دیا جائے اور ایک قوی و طاقتور صدر جسکا رعب سب پر حاوی ہو ان قوانین پر عمل کروانے مقرر کر دیا جائے چنانچہ وشنو دیوتا نے اصول حکومت مرتب کئے جسکے بعد سے دنیا میں امن و امان کا جو دورہ ہوا اس کا باعث صرف ڈنڈ نیتی کا ڈر تھا تاریخی نکتہ نظر سے یہ بات ایک بے معنی سی معلوم ہوتی ہے کہ ڈنڈ نیتی دھرم کہاں سے آئی۔ ویسے کھلا بھی ذرا دیر کو دیوتاؤں نے اس کو کشتریوں کیلئے بھیجا ہے یہ بھلا کون کی جڑ ہے جہاں اس کا استعمال نہیں وہ ملک جہنم کا نمونہ ہے۔ کوئی شخص فطرتاً نیک و صلح جو بے غرض اس دنیا میں نہیں پیدا ہوا۔ یہ صرف ڈنڈ نیتی یا سزا ہے جو امن و امان کا باعث ہے ورنہ زبردست کمزور کو اور مالدار غریب کو ہضم کر جانیمیں کوئی دریغ نہیں کریگا۔ صرف یہ سزا کا خوف ہے جو نظام عالم برقرار و کارگذار ہے خود گندھرو دیوتا و دیگر شیاطین

عہ مہابھارت کا تخیل رسمو کے اس تخیل کے مماثل ہے جسپر اس نے معاہدہ معاشری کی بنیاد رکھی۔ رہا اس کو وشنو دیوتا کی طرف تعبیر کرنا یا انسانوں کے اپنے اعمال قرار دینا یہ زمانہ کے اختلاف کا نتیجہ ہے فقط

(ایڈیٹر)

دفعیہ سزا کے ڈر سے اپنا اپنا فرض انجام دے رہے ہیں اور جس کی وجہ سے تمام رعایا آزادی کے لطف سے بہرہ اندوز ہوتی ہے۔ ڈنڈنیتی ایک منصفانہ عمل ہے یہی چیز آج دنیا پر حکمران ہے یہ ایک غیر معمولی قوت زبردست بادشاہ اور قانون کو برقرار رکھنے والی شے ہے جبکہ سارا عالم محوِ خواب ہوتا ہے تو یہ محافظت کرتی ہے۔

اگر بادشاہ اسکو جائز طور پر استعمال نہ کرے تو زبردست کمزور کو ہڑپ کر جائیگا اور دنیا سے جاہ داد و ملکیت کا خاتمہ ہو جائیگا

ڈنڈنیتی کے تجویز کردہ نہیں سوچ بچار سے کام لیا جاتا تھا جس قسم کا جرم ہوتا اسکی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے سزا یا عدیکجاتی۔ اسکا استعمال دھرمی اصولوں کے تحت ہوتا بغیر سوچے سمجھے ذاتی اغراض اور غصہ کے وقت اسکا استعمال نہیں ہوتا۔ ہندو سماج میں حکومت کی وقعت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ انتظام قائم رکھے اور امن و صلح کی نگہداشت رہے وہ مذہبی و معاشرتی معاملات میں دخل انداز نہیں ہو سکتی البتہ وہ ہر رکن معاشرہ کو اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ معاشرتی و مذہبی رسومات کی پابندی کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو حکومت جبر کر سکتی ہے اور ایسے شخص کو سزا آشہر بدر کر سکتی ہے بادشاہ کا تخیل ابتدا میں وہی تھا جو بادشاہ کے اسمانی اختیارات کے نظریے کا تھا۔ یعنی

خدا نے بادشاہ کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا پر حکومت کرنے روانہ کیا ہے اور اس کے پیچھے خدائی قوت کا رکھ ہے کسی شخص کو اسکی نافرمانی نہ کرنی چاہیے۔ اور حکومت کی خاطر جان کے دینے میں بھی دریغ نہ کرے۔

تلنانتی پر وادیں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے لئے بادشاہ کا انتخاب کرو اور اس کے بعد رعایا کے دوسرے کام اس میں لکھا ہے کہ ایک قوم سب سے پہلے اپنا راجہ منتخب کرنا چاہیے اس کے بعد وہ اپنی شہری اور چاکری کو اکٹھا کر سکتا ہے۔

بادشاہ

بادشاہ وشنو دیوتا کا اوتار ہے اور ڈنڈنیتی وہ ہے جو اسے ساحر و لایزال جو شخص اپنے پتروں کی بھلائی چاہتا ہے وہ راجہ کی پرستش کرے ورنہ پتہ رکھا انجام خراب ہوگا جو شخص راجہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اس کی روح جہنم میں جلائی جائیگی۔ بادشاہ کا غصہ ہر شخص کو فنا کر سکتا ہے اس کی جائداد پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا اس کا مال چرانے سے اتنا ہی ڈرو جتنا کہ موت سے خدا نے بادشاہ میں آٹھ مماثل دیوتاؤں کے خصوصیات عطا کئے۔

اندرا جس طرح تاباں و روشن ہے اسی طرح بادشاہ بھی اپنی شان و بدبہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے جسطرح اندر بارش برسا کر رحمت و خوشحالی بخشتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعایا پر مہربانی و محبت سے امن و امان کے برکات نازل کرتا ہے جسطرح سوریہ (سورج) دیوتا کو کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا اسی طرح بادشاہ کے چہرہ پر کوئی نظر نہیں ٹھہر سکتا مایا جو انصاف کا دیوتا ہے کیطرح بادشاہ بھی اپنے افعال سے انصاف و ترحم کا اظہار کرتا ہے جسطرح دھروں دیوتا گنہگاروں کو قید و پابند میں رکھتا ہے اسی طرح بادشاہ مجرموں کو قید کرتا اور سزا دیتا ہے ورنہ گنہگار اسی قسم کے دیوتاؤں کے صفات سے بادشاہ کو تسبیہ کیا گیا ہے راجہ کے لئے وہ خصوصیات کا حامل ہونا لازمی تھا جنہیں نمونہ خلاف ہونا مایا ریاست و ادبیات ہونا سچائی نیکی اور مذہبی رواداری سے متصف ہونا بھی داخل تھا۔

راجہ کے فرائض

راجہ کے فرائض کا تین برہمن ہی کرتا۔ تنا دی حکومت کا الک گشتی نیا اور مذہبی حکومت کا تین امن و امان قایم کرنا برہمن کی عزت و توضیح کرنا سماجی قوانین میں ہیرا اری قایم کرنا دعایا کی پرورش تنازعات اور جھگڑے خانوں کی نگرانی اور اکاروں کی حفاظت دراہ اکاری کی تعمیر ملک کی مالی حالت درست کرنا نقاد تقسیم کرنا آبپاشی کا انتظام سڑکوں کی تعمیر جو بری ڈکیتی گدا گری کا انسداد بادشاہ کو ماں باپ کی طرح ہونا چاہیے۔ ایسا بادشاہ جو رعایا کی حفاظت نہیں کرتا اسکو ڈاکو ہی ہوئی گشتی کی طرح لکھا ہے بادشاہ کو بالکل خود فتا نہیں ہونا چاہیے

بادشاہ اور اس کے ہوشیار وزیر

عہدہ داران حکومت میں راجہ۔ وزرا۔ سپہ سالار پروہت۔ بادشاہ بطور خود وزیر جنگ ہوتا تھا وزرا سے صلاح و مشورہ لیتا تھا۔ اس کے علاوہ حکومت کے شریک چار برہمن تین گشتری۔ دو ویش ہوا کرتے تھے ان سے بھی کئی معاملات میں صلاح لیا جاتی تھی۔ اس کے علاوہ حکومت کے عہدہ کیلئے طبیعت کی موزونی اور اچھی خصوصیات دیکھی جاتی تھیں دیہاتوں میں علیحدہ پنچایت تھی جن کے عہدہ دار منتخب ہوتے تھے شہری حکومت اسمیں کم داخلت کرتی تھی اسکا صدر گرام پتی (پٹیل) کہلاتا تھا اس کیلئے عوام کی حالت اور احوال سے واقفیت ضروری تھی اسکا فرض ٹیکس وصول کرنا اور پنچایت کے ذریعہ چھوٹے چھوٹے معاملات کا فیصلہ کرنا تھا۔ اسکو فوجداری و دیوانی دونوں قسم کے اختیارات حاصل تھے ہر دیہات پر ایک افسر ہوتا تھا اور اس سے بڑا انکہار رگاؤں پر ہوتا جسکی تنخواہ کے عوض ایک گاؤں جاگیر ہوتی۔ ان سب کا حاکم بالادستر سمجھا جاتا جسکا فرض کرنی حکومت کو اور دیہی اتفاقات قایم رکھنا تھا محاصل کی گرانی بھی اسی کے ذمہ تھی ہر آئی بند کبھی آٹھ ہوتی تھی۔ یہ لوگ شریف الخاندان اور بہادر ہوتے تھے بادشاہ اُن سے وفاداری کی قسم لیتا۔ بیٹے علیحدہ علیحدہ اور شفقت کسی معاملہ میں لئے لینے کے بعد بادشاہ کا اختیار تھا کہ وہ جو چاہے کرے۔

معاشرتی و قومی تنظیم

تجارتی کی ایک جماعت ہوتی تھی جسکا صدر مہاجن کہلاتا تھا یہ جماعت کا مقصد سیاسی حقوق حاصل کرنا تھا لیکن اگرچہ کوئی منظم جماعت نہ کہتے تھے مگر ان کو حقوق حاصل تھے ان کے علاوہ شوروچیڑاں کو کوئی قوم کا حق حاصل تھا غلام کی کوئی جائداد نہ ہوتی تھی اسکو مکمل اپنی ندرت سے اوکرنا پڑتا تھا شہر کے لوگوں سے محصول اسکی صورت میں لیا جاتا تھا۔ اس بات کی نگرانی کی جاتی تھی کہ ایک شخص سود اگر غلہ و اوزان میں کسی قسم کا دھوکا نہ دے تجارتی جماعت کے نافذ کردہ قواعد قوانین میں بادشاہ مداخلت نہیں کر سکتا تھا بعض تاجروں کو ٹیکس معاف تھا محاصل پیداوار کا ۱/۶ حصہ لیا جاتا تھا جسکو لوگوں کی حفاظت و امن عامہ میں خرچ کیا جاتا محکمہ کی آمدنی جرمانے اور مال واردانی کی ضبطی پر تھی تھا سالی میں ٹیکس معاف کر دیا جاتا فوج میں آرمائی سپاہی رکھے جاتے جنگ کے وقت آرمی ہوتے وہ بھی ملازم رکھے جاتے تھے جو اکثر زیادہ فوج میں ہوتے تھے تلواروں میں تیر انگن اور پتھر پھینکنے والے لوگ ہوتے تھے رتھ ہانکنے والے کی تنخواہ ایک ہزار سکہ ہوتی جو لڑنے کا تھا جنگ میں کام آنے والے مسلمانوں کے لئے بیمہ کا بادشاہ وظائف مقرر کرتا تھا لڑائی میں فرار ہونا سخت گناہ تھا شخص پکڑا ہوا ہے کے غلام ایکسال کی مدت تک رہتی شکست کھانیوالا سنیس گھانس کی پتی لے لیتا جسکے معنی ہار ماننے کے ہیں۔ مہابھارت میں کہیں کہیں ذات آشنین کا ذکر آیا ہے جس کی وجہ سے لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ

مدرسہ

از

مسٹر ہرگشتہ

کل مدرسۂ تحمانیہ کے ایک لڑکے سے ہم نے پوچھا جو لکھی کس کو کہتے ہیں؟ اس نے تو رارا اس کی تعریف کی کہنے لگا کہ "اگر یہ آتشِ فشاں پہاڑ پھٹ جائے تو زمین ہلنے لگتی ہے بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں لوگ اس کو زلزلہ کہتے ہیں ہمیں سخت حیرت ہوئی کہ اس قدر چھوٹا لڑکا اتنے اچھے معلومات پھر لوگ یہ کس طرح کہتے ہیں کہ آجکل کی تعلیم کچھ اور قدیم زمانہ کی تعلیم کچھ ہوتی ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے اس کی تعلیمی فضا میں جو تغیر آیا وہ اپنی ترقی کی سرعت میں گذشتہ ایک صدی کے مقابلہ میں ایک صرف قرن معلوم ہوتا ہے۔

جب کبھی ہم اپنے بچپن کی تعلیم کو یاد کرتے ہیں تو اب بھی نیند میں چونک پڑتے ہیں ابھی ہم مکتب میں بیٹھنے ہی پائے تھے کہ سب سے پہلی آفت نازل ہوئی ہمارا مدرسہ محلہ کی مسجد تھی جہاں نہ ہی تعلیم کے لئے ہم داخل کئے گئے تھے مولوی صاحب نے کہا کہ استخارہ کرکے ڈھیلا سکاؤ ہم نے ان کے حکم کی پیروی میں ایک ڈھیلا کو دھو کر رکھ دیا ظاہر ہے کہ وہ جلد سوکھ نہیں سکتا تھا ہمیں دیر ہوئی مولوی صاحب خود تشریف لائے ڈھیلا سکھانے کی اس معصوم کوشش پر بہت خفا ہوئے۔ درختے سے جو بہ پٹایا۔ گھر میں قرآن شریف پڑھائی جاتی تھی ہم کو ایک ایک لفظ تقریباً ایک گھنٹہ دھرانے کا حکم دیا جاتا تھا ہم تنگ آکر کھیل کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اس پر پٹتے تھے۔ اس مقدس کتاب کو طوطے کی طرح پڑھنے کے لئے ہمیں ایک محلہ کے مدرسہ میں روانہ کیا گیا وہاں بھی ہر قدم پر زدوکوب شاید اسی قسم کی تعلیم تھی کہ۔ ہمارا ایمان یہ ہے:۔

جانتا ہوں ثواب طاعت زہد

پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔

یہ مذہبی تعلیم رہی جب انگریزی پڑھنے کے لئے مدرسہ بھیجے گئے تو ہم کو پہلی جماعت میں اس کتاب سے سابقہ پڑا۔ جواب پانچویں جماعت میں ہوگی ہم روز خوب پٹتے تھے اور روز بھول کر استاد کی بیداری کی مشق بنتے تھے جغرافیہ ہمیں دوسری جماعت میں "پراکٹر پاگرافی" دی گئی ایک تو میرزبان دوسرا نیا مضمون کبھی سمجھ بھی نہ سکے لیکن تعریفیں سب زبانی یاد کرلیں

اس زمانہ میں ہر مدرسہ کا ایک نصاب نہیں ہوتا تھا ہم چار گھاٹ میں چوتھی جماعت کے طالبعلم تھے اور "اورینٹ ریڈر" پڑھتے تھے لیکن والد کے تبادلہ کی وجہ جب ضلع میں پہنچے تو وہاں "رائل ریڈر" سے سابقہ پڑا جو انگلستان کے مدارس کے لئے لکھی گئی تھی اس تبدیلی کی وجہ سے ہم کو دو کلاس پیچھے جانا پڑا۔ اس طرح پر تبادلہ دو سال ہمیں پیچھے ہٹاتا رہتا تھا اب غور کرتے ہیں تو کبھی ہم کو ہنسی آتی ہے اور کبھی غصہ، گھر میں، مدرسہ کے اندر، بزم احباب میں ہر جگہ ہم سے یہی کہا جاتا تھا کہ کھیل بری چیز ہے اور صرف پڑھنے ہی سے ہم انسان بن سکتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کھیلتے تو تھے لیکن اس سے ورزش حاصل کرنا ہمارا مدعا نہیں ہوتا تھا۔

اس سلسلہ میں چند عجیب وغریب باتوں کی بھی یاد آگئی اگر وہ زندہ ہیں تو خدا ان کو اور زندہ رکھے اور اگر مرگئے ہیں تو خدا انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں ڈالدے کسی زمانہ میں قدیم فیشن نہ میں ایک "حضرت" تھے ان میں کوئی عیب نہیں تھا ان کی تعلیم کی دہوم تھی اسلئے ہم بھی دہی بھیج دیئے گئے ان کی طرف اس قدر شہرت تھی کہ وہ صبح ناشتہ سے پہلے چین کی بیاہ ہری کی ایک گولی چڑھا لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ تمام دن آسمان پر رہتے اور زمین کیلئے شاخ پر میوہ کی طرح جھکے رہتے دوپہر کو وہ اطالکہ ہوجاتے ان کے بہت سے عمدہ اشعار تو یاد نہیں رہے البتہ ان کا ایک شعر یاد ہے ؎

مارو ئے گاہنے کا دم

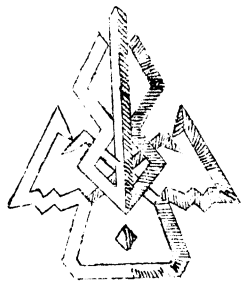
چلہ ئے مسیحی مسلم!

ہم اس شعر کو اب بھی اپنے استاد کی یاد میں کبھی کبھی دہرا دیا کرتے ہیں۔ دوسرے ایک فارسی کے استاد ہمارے گھر پر پڑھانے آیا کرتے تھے دیوان خانے میں ہمارے اور ہمارے برادر بزرگ کے علاوہ محلہ کے اور چند لڑکے "آمدن" اور "کردیا" پڑھنے آیا کرتے تھے اور "آمدن" میں سے چند گردان رٹتے دئے جاتے تھے۔ دوسرے روز سبق سننے کے لئے ہر ایک سے کہا جاتا تو سب میں پھٹی ہم ہی ٹھیرتے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے برادر بزرگ کتاب کھول کر مولوی صاحب کے پشت کی طرف محراب میں رکھدیتے اور دوسرے تمام محنتی معصوم بھائی صاحب کے اس کو دیکھ کر اس انداز میں سناتے تھے گویا انہیں اچھی طرح یاد ہے اور حافظہ پر بار ڈال کر ایک ایک چیز سنا رہے ہیں اور مولوی صاحب اس دوران میں خوش ہوتے رہتے جب بیدار ہوتے تو "شاباش" "شاباش" کی آواز ناک کی راہ سے نکال کر پھر غائب ہوجاتے جب ہماری باری آتی تو ہم ضرورت سے زیادہ ایمانداری سے اپنی محنت کا نتیجہ پاتے کرتے درمیان میں اگر بھول جاتے تو اپنی حماقت سے کھلی ہوئی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہماری آواز رکنے سے جو بند کر مولوی صاحب کے تشغل میں فرق آتا اس لئے بگڑ کر ہم کو اپنی بید سے ہماری محنت کا صلہ دل کھول کر دیتے۔

اب جب ہم نے آمدن اور کردیا کا ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو یہاں اپنی فارسی تعلیم کے ایک عجیب تجربہ کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا مشہور مثل ہے پڑھے فارسی بیچے تیل" لیکن ہمارے حق میں یہ مثل یوں بدل گئی "پڑھے فارسی مارے استاد" ہم نے جتنے استادوں سے فارسی پڑھی سب

کرما یا عیش جہاں ما

کہتے ہوئے اللہ میاں کے پاس چل بسے "مفتی" کا جملہ سوجھا کہ استادوں کی شامت آئی پہلے استاد ایک ہی مہینے میں مرگئے دوسرے استاد ابھی دو روز پڑھانے پائے تھے کہ انتقال مکان کرکے دوسرے شہر کی راہ لی تیسرے استاد اور سخت جان نکلے انہوں نے امسال ان کی تعلیم دی اس کے بعد مزنکی فرصت لی کالج میں فارسی لی اور دکن کے مشہور استاد کو دوسری دنیا میں روانہ کردیا البتہ ایک استاد ایسے انہیں اچھا رکھ گئے وہ شاید آٹھ تھا کہ ہم نے ان کے پاس شوق سے تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اس لالچ میں کلاس چلے جاتے تھے کہ جب ہمارے پاس وہ کاپی یا کتاب مانگنے دیکھتے تو ایک اچھی کاپی ایک عمدہ جلد کی دیوان حافظ یا کوئی قیمتی پنسل عنایت فرماتے جس کو بغیر شکریہ کے ہم اپنی ملک بنالیتے ان کا عنایت کردہ ایک دیوان حافظ اب تک ہماری الماری کی زینت ہے



دو جدید اردو ڈرامے

جلد (۱) ۱۵ امرداد ۱۳۴۲ف م ۲۹ نومبر ۱۹۳۶ء نمبر (۲)

اردو ادب اگر کسی شعبہ میں سب سے کمزور ہے تو وہ ڈرامہ ہی ہے اس کے وجوہات سے تو یہاں بحث نہیں البتہ موجودہ حالت پر مختصراً نظر ڈالنا ضروری ہے اردو ڈرامہ زیادہ تر ہیجوں کے پارسیوں کی ناروا کوشش سے جدید زندگی میں داخل اور ایک خاص طرز میں جلوہ گر ہوا جس میں سوائے ڈرامائی خوبیوں کے تمام چیزیں شامل کرلی گئیں گانا انگریزی طرز نیچیں اردو یا ہندی بے معنی الفاظ کا مجموعہ ڈرامہ قافیوں اور متوازن جملوں کا گورکھ دھندہ غرض ہر ایسی بات جس میں کچھ کاریگری گئی جس سے آخری درجہ کی پست ذہنیت کو خوش کرکے روپیہ حاصل کیا جاسکے۔

اس روش سے جس قدر تجدد اور تعلیم یافتہ طبقہ تھا تنگ آگیا اور اردو کے بہی خواہوں کو اس فن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ اس جذبہ کا اثر ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو بھی اس میدان میں دیکھتے ہیں جو اردو ادب کی فضا ذرا مختلف ہیں لیکن ڈرامہ سے سوائے اصلاحی جذبہ کے انکا کوئی تعلق نہیں تو مرزا ہادی رسوا کا لیلیٰ مجنوں عبدالحکیم شرر کا شہید وفا اور عبدالماجد دریا آبادی کا زود پشیماں اسی قسم کے ادبی کارنامے ہیں۔ رسوا نے قدیم طرز میں منظوم قصہ لکھا جس کو ڈرامہ کی تیج پر تقسیم کیا لیکن اندر سبھا کی اوپرائی خصوصیات سے وہ محروم رہا شہید وفا ایک تاریخی قصہ کی زبردست بے قافیہ شاعری ہے جو ڈرامہ کے نام سے مثنوی کی وضع رکھتی ہے البتہ زود پشیماں میں بہت سی ایسی جھلکیاں موجود ہیں جس کو حقیقی ڈرامے کے قریب کہہ سکتے ہیں سب سے پہلے اس ڈرامہ نے قافیہ کی بندش سے دامن کو پاک کیا اور سوداؔ فلسفیانہ مباحث کے باقی تمام حصہ میں ڈرامہ کی روح موجود ہے خصوصاً آخری حصہ بہت دلچسپ ہے۔

اس کے بعد دوسری اور زیادہ ماہرانہ کوشش لاہور کے نوجوان اہل قلم نے کی محمد عمر نور الٰہی نے سب سے پہلے اس شعبہ میں اپنی توام تصانیف کی دھوم مچادی اور دوسرے ہمت نوجوان ان کے ساتھ ہوگئے جس کا آخری قابل ذکر کارنامہ انارکلی ہے۔ ادب میں ابھی باوجود پوری کوششوں کے آغا حشر کے جراثیم باقی ہیں شاید ابھی تک یہ خیال دلوں کو اپنی طرف لبھاتے ہوئے ہے کہ ایک اداکار اسی وقت اپنی قابلیت کو اسٹیج پر اچھی طرح پیش کرسکتا ہے جب کہ اس کو غیر فطری زبان اور بے معنی قوافی سے سابقہ پڑے دوسری نصیحت وہاں کی تاریخ کو تمثیل میں پیش کرنے کی کوشش ہے البتہ پطرس ان سب سے الگ ہے اس ظریف مضمون نگار نے صرف ایک دو نمونے اپنی اس خاص قابلیت کے ظاہر کئے جس کو دیکھ کر یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ انگریزی کا استاد اور اردو کا سب میں بڑا ظریف ڈرامہ کیطرف متوجہ ہوجائے تو یقیناً اردو اچھے ڈراموں کو اپنے خزانے میں جمع کرنے کے قابل ہوجائیگی۔

حیدرآباد اردو کے ہر شعبہ کیطرح ڈرامہ کیطرف بھی متوجہ ہوا ہے اس کی تمام عملی کوشش کی حقیقی مدت صرف گذشتہ پانچ سال ہے اس عرصہ میں اس نے نہ صرف اردو ادب کے بعض قابل قدر کتابیں پیش کیں بلکہ اب ڈرامہ کی بھی عادت کی طرف متوجہ ہوا ہے ابتدا میں کالج کی چار دیواری یہاں کی ڈرامائی جوہر کی جولانگاہ رہی اور انگریزی نقالی کو چھوڑ کر اردو کیطرف رخ کیا پہلے پہل پرانے ڈراموں کی شوقیہ طریقہ سے اردو میں پیش کرتے رہے اس کے بعد پہلے "توبتہ النصوح" کا ایک منظر ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا پھر اورنگ آباد میں "منشاعرہ" اور دیگر مولیر کے ظریف ڈرامے نمودار ہوئے چند سال پیشتر پہلی آزاد کوشش "پردے" کے نام سے شائع ہوئی جس کی تمثیل، ممکن سمجھ کر چھوڑ دیگئی اس سلسلہ کی آخری کڑی فضل الرحمن کا ڈرامہ "ظاہر" جس کو اس ڈرامہ نے دو اہم چیزوں کا اضافہ کیا ایک یہ کہ اس کو بہ نہایت کردیا کہ بغیر ٹاٹ اور موسیقی کے محض ڈرامہ اپنی خوبیوں کیساتھ اردو میں آسکتا ہے دوسرے یہ کہ حیدرآباد کی مہذب پبلک حسن کاری کے ہر ایسے عمدہ کارنامہ کو لبیک کہنے کیلئے تیار ہے۔

بہرحال عام حالات کو دیکھ کر یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اب اردو ڈرامہ کی ترقی کے دن آگئے ہیں حسن کاری کی ترقی کے لئے سب سے پہلی چیز فضا ہے کم از کم ڈرامہ کی حد تک پیدا ہوگئی ہے حیدرآباد اس کیلئے سب کچھ مہیا کرسکتا ہے یہاں ایسے دماغ موجود ہیں جو اس فن کی سلیقہ کے ساتھ خدمت کرسکتے ہیں ڈرامہ نویس، اداکار موزیں، مناظر کے بہترین حسن کار اور ایک تعلیم یافتہ ہمدرد دیکھنے والی پبلک اس کے بعد بھی اگر یہ شعبہ ادب ترقی نہ کیا تو اس میں سوائے خود کام کرنے والوں کی کاہلی کے اور کوئی امر مانع نہیں ہے۔

تحریکات

وفاقیہ اور حیدرآباد

نمائندگان گول میز کانفرنس

سابق استقبال لندن میں کیا گیا اور نومبر سے اس کی ابتدا ہوئی لیکن اس کا خاص کام کرسمس کی آمد تک ختم ہو جائے گا۔ توقع کیجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں نواب سر چیدر نواز جنگ بہادر نمائندے حیدرآباد نے اخباروں کو جو بیان دیا ہے اس سے حیدرآباد کے تعلق آئندہ وفاقیہ ہند کس قسم کے ہوں گے اس کا پتہ چلتا ہے ہندوستان کا وفاقیہ اس لئے تمام دنیا کے وفاقیوں سے الگ ہے کہ اس کے تمام اجزاء ایک سے نہیں ہوں گے تمام ہندوستانی مملکتیں خود اختیاری ہوگی اور اس کے ساتھ تمام ریاستیں بھی اس کے اجزاء ہوں گے اس مسئلہ کے حل پر ریاستوں کا ایک اہم باب کھل جائیگا مگر نمائندے حیدرآباد نے اس خصوص میں اپنی ریاست کی پالیسی کے متعلق جو اہم باتیں کہی ہیں جس سے بہت سے معاملات حل ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ ہماری ریاست کی شرکت وفاقیہ ہند میں ہندوستان کی آئندہ خوشحالی کے لئے ہے جس کیلئے ہم نے اس کو یہ اپنا رفیق قبول ہی دوسرے یہ کہ ہماری ریاست وفاقیہ میں کبھی اس حالت میں رہنما کو راہ نہیں کریگی کہ تمام صوبہ جات کو حکومت خود اختیاری کی نعمت حاصل ہو اور ریاست وفاقیہ کی ماتحت بن جائے اس کے ساتھ ساتھ ریاست ایسے امور میں جس کا تعلق عام ہے اپنا دخل بھی رکھیگی تیسرے ریلوے ڈیفنس اور اسٹیٹ لینس چاہتی ہے کہ وفاقیہ کے مالیہ میں مضبوطی رہیگی آخر میں سر اکبر حیدری نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ ہو بہ شمار خلاف

ایک نازنین سے

از

محمد عبد القیوم خاں باقی

بحرِ بے پایاں میں دریا ہو اور
میرے سینے میں نہاں اسرارِ عشق
آسماں پر انجمِ شب زندہ دار
قلب میرا شعلہ بیدارِ عشق
آسماں اور بحر میں نقشِ مہات
جلوۂ برقِ بقا ہے میرا دل
انجمِ تاباں ہیں نورِ کائنات
جوہرِ ارض و سما ہے میرا دل
آ مری آنکھوں میں اے جلوہ نشیں
میرے عرش و لامکاں میں عشق ہے
آ مرے سینے میں اے زیبِ جبیں
قلبِ بحر آسماں میں عشق ہے

سرسلی امام کی وفات

ہفتہ گذشتہ

سرسلی امام کی وفات سے ہندوستان کا ایک اور خدمتگار اٹھ گیا۔ ایک زبردست پیرسٹر۔ اعلیٰ درجہ کے مدبر اور قوم پرست رہنما ملک کی حیثیت سے موصوف نے جو خدمات انجام دیں وہ محتاجِ بیان نہیں موجودہ قحط الرجال میں یہ ہندوستان کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس کے مایہ ناز سپوت ایک ایک کرکے چلتے بنیں۔ حیدرآباد کو مرحوم سے اپنے قیام لندن کے صدر عظم اور مقدمہ ارکے پیروکار ہونے کی حیثیت سے خاص دلچسپی تھی کوئی جلسہ ایسا نہیں ہے جس میں کسی نہ کسی

آل انڈیا معین الدولہ کرکٹ ٹورنمنٹ

حیدرآباد کی ہاکی کو بھولے اور شاذ ہی کوئی کرکٹ کو یاد کرتا ہوگا۔ کہ یہ خصوصی نواب معین الدولہ بہادر کا ممنون ہونا چاہئے کہ نواب صاحب کی فیاضانہ سرپرستی کی بدولت ہر سال حیدرآباد میں ایک کرکٹ کا ٹورنامنٹ منعقد ہوتا ہے جس میں اول الذکر ایک سرگرم ہیرونی کھلاڑیوں کے کھیل سے اپنے تجربہ اور مشق میں وسعت دیتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حیدرآباد نواب صاحب کی فیاضی سے خاصہ فائدہ اٹھا رہا ہے ٹورنمنٹ کے انعقاد سے پبلک میں جو عام دلچسپی پھیل جاتی ہے اوس سے ہمارے نوجوانوں پر بہت اچھا اثر مرتب ہوتا ہے اور ان کی توجہ جسمانی تربیت کی طرف خود بخود منعطف ہونے لگتی ہے۔

اب کی مرتبہ ٹورنمنٹ بہ نسبت گذشتہ دو سالوں کے زیادہ بڑے پیمانہ پر منعقد ہوگا باہر کی کم و بیش پانچ ٹیمیں شریک ہوں گی جو ہندوستان کے نمائندہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہیں حیدرآباد کی دو ٹیمیں شریک ہوں گی جن میں سے ایک ٹیم میں منتخب کھلاڑی ہیں اور دوسری میں متفرق کھیل ۲۰ نومبر سے شروع ہوں گے توقع ہے کہ ٹورنمنٹ کے کل کیپل بیچ پر ہوں گے۔

حوالہ سے مرحوم کا ذکر نہ آتا ہو اور اون کے یہاں سے قبل از وقت چلے جانے کا افسوس نہ ہوتا ہو۔ یہاں مرحوم کی ملازمت کا زمانہ بیحد قلیل رہا۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں مرحوم نے جو اصلاحات کیں وہ اب ہی اپنی افادیت اور اہمت کے اعتبار سے یاد گار ہیں اگر شبیت ایزدی اون کو حیدرآباد کے مقابلہ میں کل ہند کی خدمت کے لئے یہاں سے نکال نہ لے جاتی تو یقیناً وہ اور بہت سے مفید کام انجام دیتے

اتحاد کانفرنس

اتحاد کانفرنس کی کامیابی کی توقع سے ملک میں مسرت و اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ درمیان میں ایک وقت ایسا نازک آیا تھا کہ کانفرنس کی ناکامی یقینی ہو گئی تھی اور شرکاء کانفرنس منتشر ہونے لگے تھے جو امور اس ناکامی کے باعث بن رہے تھے وہ پنجاب اور سندھ کے مسئلے ہیں۔ خصوصاً سندھ کا مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا لیکن خوش قسمتی سے اس کے متعلق مفاہمت ہو گئی ہے جس کے اہم شرائط درج ذیل ہیں

(۱) سندھ کو بھی دوسرے صوبہ جات کی طرح سوراج حاصل ہے۔

(۲) صوبہ وزارت جس میں ایک ہندو وزیر بھی شامل رہے گا مقننہ کے پاس ذمہ دار اور جواب دہ ہو گی۔

(۳) ہندوؤں کے لئے (۳۵) فیصد نشستوں کے تحفظ کے ساتھ مخلوط حلقہ ہائے انتخاب قائم کئے جائیں۔ یہ تحفظ ضرورت ہو تو آبادی کی آساس پر قائم رہے اور دس سال تک جاری رہے جس کے بعد اس کو اختیاری بنا دیا جائے۔

(۴) پبلک خدمات کی بھرتی جزا قابلیت اور جزا فرقہ واری عدم مساوات پر مبنی۔

(۵) مالی حساب کے سوال پر ایک مشترکہ کمیٹی بہایت احتیاط کے ساتھ غور کر کے رپورٹ پیش کرے۔

پنجاب کے مسئلہ پر بھی زیر غور ہے مختصر اس کے تصفیہ کی توقع ہے۔

تیسری گول میز کانفرنس

تیسری گول میز کانفرنس کا ہندوستانی وفد لندن پہنچ چکا ہے۔ اور غالباً دو چار روز میں کانفرنس کے اجلاس شروع ہو جائیں گے۔ حال میں حزب المخالف کے لیڈر مسٹر چرچل نے سری کے اس اعلان سے کہ وہ اور اون کی جماعت کانفرنس کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کرنا چاہتی برطانوی سیاسی حلقوں میں کچھ ہل چل مچ گئی تھی لیکن مخالفہ اس بیان سے کہ یہ اشتراک عمل صرف ایک نوبت تک متوی رہے گا۔ یہ ہل چل کوئی رنگ نہ لائی۔ حزب المخالف کا یہ اعتراض ہے کہ کانفرنس جمہور کا مطالبہ مرتب ہوئی ہے۔ وہ ہندوستانی وفد کو وزیر اعظم کی معیت یا ایسی آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ اور اس طرح کانفرنس آزادانہ بحث و تمحیص کی تمہید ہوتی ہے۔ حزب المخالف کا یہ اعتراض بجا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ برطانوی حکومت موجودہ نوبت پر اس میں کسی قسم کی ترمیم کرے گی۔ اس کی بہت کم کیا قطعاً توقع نہیں۔ ہمارے منتخبہ ہندوستانی وفد کو اب اسی فرد کارروائی سے کسی نہ کسی طرح مطلب برآری کرنی ہو گی جو امور تصفیہ طلب ہیں وہ سب دستوری ہیں اور ان کی اساس وزیر اعظم کا فرقہ وارانہ تصفیہ ہے۔ اگر الہ آباد کی انتخاب کانفرنس میں ہندو اور مسلمانوں کے مابین کوئی قطعی رائے نامہ طے پا جاتے اور وہ اس تصفیہ کی جگہ لے لیتے تو غنیمت ورنہ کانفرنس کی کامیابی اور ہمارے وفد کی کارگزاری معلوم!

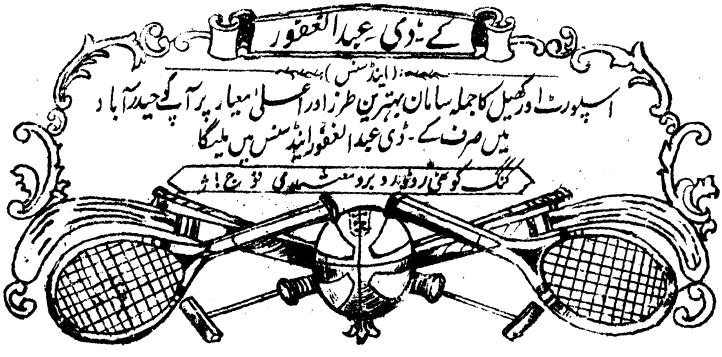
موجودہ کانفرنس گذشتہ گول میز کانفرنس کا ضمیمہ ہے اس میں ایک خوبی ضرور ہے یہ کانفرنس مختصر فہرست مدیروں کی رکھتی ہے اور ایسے اہم معاملات انجمن مشورہ کرنے والوں کی زیادتی ہمیشہ لاتناہی بحثوں کی نذر کر دہ جاتی ہے کسی تصفیہ پر ہم رائے ہونا اس کے بس سے باہر ہو جاتا ہے اب تک ہندوستان کے آئندہ دستور کے متعلق جو کچھ ہوا ہے وہ مواد کا فراہم کرنا اور طرز کار کی طرح ڈالنے سے آگے نہیں ہے اگر اس کانفرنس میں بھر گذشتہ کی طرح نئے پیدا ہو جائیں یا پیدا کر دی جائیں۔ تو ہم اس کو آخری کانفرنس نہیں کہہ سکتے۔

وہ راستہ گئے شراب چھلتا ہے
وہ پچھلی پہر کا دور چلتا ہے
معشوق نوخیز وہ رہ رہ کر
آنکھوں کا ہتیلیوں سے مسلنا ہے

(جوش)

برائے فروخت

ایک اوکلینڈ موٹر فروخت کی جاتی ہے نہایت اچھی اور چالو حالت میں ہے۔ استفسار بذریعہ مہتمم محکمہ کار



گریٹا گاربو ماتا ہری کے روپ میں

از

سید شاہ محمد

جس چیز پر اچھی یا بری تنقید ہوتی ہے کی طومار ہوتی ہے وہ ضرور اہمیت رکھتی ہے۔ حالیہ گویا فلموں میں سب سے زیادہ زیر بحث ڈرامہ ماتا ہری کا ہے جس کو مشہور امریکن سینما کمپنی میٹرو گولڈون میئر نے تیار کیا۔ اس ڈرامہ کے نمودار ہونے سے پیشتر ہی اس کی تیاری کی ہر منزل پر اخبار والوں کو دلچسپی رہی ہے۔ سب سے پہلی اور سب سے اہم مسئلہ صنف نازک کی اس جنتی کا روپ تھا۔ جس نے مردوں کی دنیا کو علیحدہ علیحدہ میں محو رقص توان کی علیم الشان طاقت کا اظہار کیا ماتا ہری سوائے جیسنے والے دل کے ہر چیز کی مالک تھی اس کا حسن جہاں سوز تھا اور بقول کسے وہ ہاتھی ہر دو ستے ظالمانہ حسن اور دلربایانہ ظلم کا اظہار کرتی تھی لیکن اس جاسوسی کی دنیا میں جنم لینے کے لیے ایک پُر محبت دل ممتاز دینے کی نوبت درپیش ہوئی۔ سنی پردہ کے آسمان پر جتنے حسین ستارے موجود ہیں۔ ان سب میں گریٹا گاربو اپنی درخشانی اور ضوفگنی کی وجہ سے ملکہ بنی ہوئی ہے۔ جب اس خاص علم کے لیے نگاہ انتخاب مختلف ستاروں پر سے گزر کر جس میں پولا نیگری بھی شامل ہے۔ گریٹا گاربو پر پڑی تو ہر طرف سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوئے لیکن اصل ماتا ہری اور گریٹا گاربو میں اتنا ہی فرق تھا جتنا شکیسپیر کے اوتھیلو میں اور ایمل جانکس کے اوتھیلو کے روپ میں کہنے کو جاسوسی کے ڈراموں میں گاربو اپنا جواب بھی رکھتی تھی۔ سوسن لینوکس اینا کرسٹی اور کیتھرین لیڈی کے کارناموں میں اس کو داد تحسین حاصل ہو چکی تھی۔ لیکن ایک گرم ملک دلی نشر فی ماتا ہری کی زندگی کو برفانی مغرب کی اس پیکر ادا کاری کے ہاتھ میں دینا بہت بڑی جرأت تھی۔ پھر ماتا ہری کے جسمانی گداز یوں اور پرکشش نشیب و فراز کا مقابلہ اس نادری نمائندہ اندام مشت استخوان سینہ کو دنیا ایک اور سوال تھا۔ تیسری مشکل زبان کی تھی۔ گریٹا گاربو اتنی ہی انگریزی جانتی تھی جتنی ماتا ہری کو نارڈی زبان آتی تھی۔ تاہم گاربو نے اس عجیب و غریب ہستی کے ادب میں جو کمال ادا کاری کا دکھایا ہے۔ وہ مشہور نظم چیرد کی اس پیش گوئی کو پورا کرتا ہے۔

کہ ماتا ہری کے ڈرامہ میں "گریٹا گاربو اپنے انتہائے کمال کو پہونچ جائیگی" لیکن اس ڈرامہ کے متعلق تنقید جس قدر جلد آہنگی سے داد دیتی ہے اسی قدر ترشی اور درشت لہجہ میں اس کی عیب چینی کرتی ہے۔ شاید ہر کمال کے لیے تعریف و مذمت لازمی ہے۔ اب ہم ڈرامہ کے قصے کو بیان پر مختصر اس پیش کر رہے ہیں۔ کہ اصل ماتا ہری اور سینما کی ماتا ہری کی زندگی کا فرق ظاہر ہو اور حقیقت و شاعری کے تفاوت کا اندازہ ہو۔

ڈرامہ کی ماتا ہری تاریخ میں سب سے زیادہ فسون ساز سب سے زیادہ سحر آفرین اور سب سے زیادہ خطرناک جاسوسہ ہے تاہم اپنے ظالمانہ حسن اور دلربایانہ طلسم کیف تھا اس میں نسوانی روح اور نسوانی جذبہ محبت موجود تھے۔ جب ایک خوشرو اور معصوم نوجوان افسر سے ماتا ہری کو اپنے فرائض کے دوران میں سابقہ پڑا تو جو کچھ پیش آیا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

تنہائی پسند پراسرار اور دنیا سے گریز پا یہی الفاظ تھے جو پیرس میں ماتا ہری کی یاد کیا جاتا تھا۔ یہ مشہور رقاصہ گرمی اور دی میں اس نئے سحر آفرینوں کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ پیرس میں صرف دو آدمی اس سے حقیقتاً کچھ واقف تھے۔ ایک تو وہ بائے ( ) تھا جو فرانسیسی خفیہ خبری میں مشاق تھا۔ دوسرے اینڈ ریانی ( ) جو بولیس ڈویژن کا مالک تھا۔ اور ماتا ہری کی جاسوسانہ چالبازیوں پر اس کا خفیہ تبصرہ رہتا تھا۔ دو بائے ان دونوں کی حرکات و سکنات کا غور اور انہیں اس سے محظوظ ہوتا تھا اور منتظر تھا کہ وہ سی شہادت پیدا کرنے کی گھات میں لگا ہوا تھا جو ان خطرناک طائروں کو قفس میں ڈالنے کے لئے کافی ہو سکے۔

اس شمع محفل کی آمد اور پروانہ نثار ہونے کے لیے ایکسیلنسی وزارت کی محفل میں نمودار ہوا۔ یہ فرانس کے روسی سفارت خانہ کا ایک خوبرو خوش کلام نوجوان فوجی افسر تھا۔ بیولیس جو لطف ہر ذاتی طبیعت کی زندہ دلی کا مرکز اور حقیقت میں جوے بازی کا کلب تھا ان دونوں کی شناسائی کا مقام بنا۔ ماتا ہری کے تیز نگاہ کے آپ ہٹنے نوجوان روز ناتی کے دین و ایمان کو خرید لیا۔ اور اس سکست کے اعتراف میں اس نے اپنے کافرادا دلبر کو ایک انگوٹھی پیش کی "یہ آپ کی (یہ آپ کی انتہائی مناسب ہے۔ ماتا ہری نے اس تحفہ کو قبول کرتے ہوئے کہا۔ اور اس صلہ میں نوجوان افسر کو اپنی لطیف ترین مسکراہٹ سے سرفراز کیا۔ کیونکہ وہ اس بات کو وہ اس نوخیز عاشق کی معصومانہ محبت سے دلچسپی رکھتی تھی۔ اور در پردہ یہ خیال کہ وہ کسی سفارت خانہ کے اس دست باز وسے کے ذریعہ اس کے سیاسی کاروبار میں مدد ملیگی۔

اس شام ماتا ہری کے اس نئے عاشق نے اپنے مہیاد کو اس کے آشیانہ تک پہنچایا۔ نوجوان جذبات شعار دلمعشوق کے ساتھ تنہائی اور محبت کی بیخودی نے وہ سب کچھ کہلا دیا جس سے محبت کے افسانے تیار ہوتے ہیں۔ محبت کا اظہار ہوا اور نوجوان نے اپنی ضمیر کی آواز اس طرح پیش کی کہ اس ایک شناسا حسن نے اس کو ہمیشہ کے لیے اپنے دامن سے وابستہ کر دیا اب کسی اور کا پروا نہ تھا اس کے لیے ناممکن تھا۔ ماتا ہری جس کے سامنے مردوں کے دل آویزش کے اس کو اس محبت میں صداقت کی جھلک نظر آئی تھی اور پہلی مرتبہ اس کے دل میں اس اظہار محبت سے مسرت کی جھلک نمایاں ہوئی اس دلچسپ ملاقات کی آخری منزل پر ختم ہوئی ماتا ہری نے کہا "مجھے اس کا گمان ہی نہ تھا کہ میں کسی کو اس قسم کی مسارت تک پہنچنے دوں گی"۔

دوسری شب ماتا ہری جنرل شوبن کے ہاں بھی پر وہی سعادت مانہ کا منظر تھا۔ اس شب نوازش میں نظام حسن کی آزمائش تھی لیکن حقیقت میں وہ اپنے پیشہ کی بجا آوری کے لیے اس قسم کی خلوتیں جائز سمجھتی تھی۔ اس افسر اعلیٰ ماتا ہری میں حسن کی اہمیت کو دیکھ رہا تھا اس نے پر جوش انداز میں کہا "تمہارا رویہ کو دلیس آنا مبارک ہو" جاسوسہ نے اپنے ادا کارانہ انداز کو شروع کیا۔ کمر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "آپ کا دل مجھے ..... ہی سے لرزہ براندام کر رہا ہے" نوجوان افسر نے کہا "تو پھر ہم ایک ..... ہیں" شوبن نے کہا "غالباً یہ وہی انداز ہے۔ شاید دوسرا کمرہ تمہیں پسند آئے"۔ دوسرے کمرہ میں پہنچے۔ حلوت کی بے تکلفی شروع ہونے پائی تھی کہ اچانک دروازہ پر زور زور سے دستک ہوئی۔ شوبن نے کہا "یہ میرا اردلی ہے۔ اس کو اس وقت آنے کی ہدایت نہیں کی گئی تھی۔ ضرور کوئی ضروری بات ہے" اردلی نے کہا "جنرل کمانڈر انچیف نے آپ کو فوراً بلایا ہے"۔ شوبن نے کہا "میں ابھی آتا ہوں"۔ اردلی چلا گیا

چند خطوط کو لے کر نمودار ہوا۔ اور اپنے افسر اعلیٰ کو اپنی محبوبہ کے بھلو میں دیکھا۔ ایک نظر اس حالت کو بھانپنے کے لیے کافی تھی۔ روزناف نے مسکرا کر کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں مخل ہوں"۔ ماتاہری پر اس نے ایک نظر ڈالی جس میں بیوفائی کا الزام نمایاں تھا اور کہا "آپ نے حکم دیا تھا کہ جہازوں کی فہرست کیساتھ میں شام یہاں حاضر رہوں"۔ ٹوبن نے جو اس دخل در معقول پر پہلے ہی سے غضبناک تھا "اچھا تم واپس جاؤ! اور اس پیام کو تم رازی کی زبان سے خود ترجمہ کر لو"۔ روزناف کا کمرے سے جانا ہی تھا کہ ماتاہری کو اس نوجوان کے پیچھے جانے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ بعض راز معلوم کر سکے۔ جنرل ٹوبن سے بچھا بچھڑا نے کے لیے اس نے ایک جملہ تراش لیا۔ اس نے میز پر الجزیرس کا مجسمہ دیکھا۔ ایک چیخ کیساتھ اس نے کہا "مور ——— یہ جہاز ہوں میں نہیں کر سکتی۔ یہ بدقسمتی کی علامت ہے۔ کیا تمہیں اس کا علم نہیں؟"۔ "لیکن میں اسے نکالے دیتا ہوں"۔ اسے ٹھوکر سے گرا دوں گا"۔

"اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ یہاں رہ چکا ہے اور یہی کافی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نہیں ٹھہر سکتی"۔ ایک بار جانے کا ارادہ کرنے پر کون ہے جو ماتاہری کو روک سکے۔ بجلی کی طرح وہ سفارت خانہ کے باہر نکلی۔ راستہ میں اپنے ساتھی انڈریانی کو لینے کچھ ٹھہری اور سیدھا روزناف کے مکان پر پہنچی۔ انڈریانی اشارہ کا منتظر پیچھے کھڑا رہا۔ روزناف کے دل کو صاف کر اس کی ایک ادا کا کام تھا۔ اس نے اپنے گال اس کی طرف بڑھا دیا، اور کہا ایلکس مجھے امید ہے کہ مجھے معاف کر دو گے؟" کون اس آتشین رخسار سے خفا ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی تشنگی کو بوسوں سے بجھایا۔ "میں تمہیں دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر رکھتا ہوں۔ تم مقدس چیز ہو۔ میں تمہاری پرستش کرتا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"پیارے! اب ——" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن نوجوان کے بے پناہ بوسوں نے اس کی زبان بند کر دی۔ بالآخر اس نے کہا "چراغ گل کر دو!" اس حکم کی تعمیل میں کمرہ کا ہر چراغ تاریکی میں گم ہو گیا۔ البتہ مریم کے بت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ نازینن نے اس کو بھی بجھا دینے کا حکم دیا "انھیں۔ میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ مریم کے چراغ کو ہمیشہ روشن رکھوں گا۔ میں یہ نہیں کر سکتی!"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ میں سب پر مقدم ہوں ..." ہاں بجا ہے ماتا جو کچھ تم کہو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میں تمہارے لیے جان دے سکتا ہوں لیکن ماتاہری ...."

"چراغ گل کر دو تاکہ میں جانوں کہ تم مجھے ہر چیز سے عزیز رکھتے ہو"۔ نوجوان کا ہاتھ آگے بڑھا "مقدس ماں مجھے معاف کرنا" کی آواز آئی چراغ گل ہو گیا۔

دوسرے کمرہ میں انڈریانی دبے پاؤں داخل ہوا۔ فلاش لائیٹ کی روشنی میں اہم کاغذات غائب تھے۔ طلوع صبح کے بعد ایلکس نے دیکھا کہ اس کا معشوق بھلو میں نہیں میز پر اس کی نسبت ان الفاظ میں لکھی رکھی ہے "اب صبح ہو چکی ہے میں اپنے حواس میں ایکی ہوں میں تم سے پھر نہیں ملونگی۔ میری محبت کے لیے دولت ضروری ہے۔

انڈریانی نے جہازوں کی فہرست تو لے لی لیکن راز کی زبان کو نہ سمجھ سکا وہ بہت جھنجلایا اور بغیر شوہن یا روزناف کے اسکا حل ناممکن تھا۔ جاسوسوں کا سردار بیحد غصہ میں تھا۔ اس غصہ کا وبال ایک معصوم اور نوجوان جاسوسہ کارلاٹا پر پڑا۔ اس پر فریب دہی کا الزام لگایا گیا جس کی سزا موت تھی۔

حسین جاسوسہ انڈریانی کے کمرہ سے نیچے اتری اور اُسے گولی سے اڑا دیا گیا۔

ہیولین (ہوٹل) میں ایک میز پر دل شکستہ روزناف بیٹھا تھا اور قریب کی میز پر ماتاہری اپنی خوش فعلیوں میں مصروف تھی۔ نوجوان کو غصہ آگیا۔ اس نے ماتاہری کو برا بھلا کہنا شروع کیا جس سے ایک فرانسیسی نوجوان مشتعل ہو گیا دونوں دست گریبان ہونے والے ہی تھے کہ انڈریانی نے بیچ بچاؤ کر کے ایلکس کو اپنے دفتر میں بلا لیا۔

جب نوجوان افسر اپنی ناکامی اور شکست دلی کا قصہ اسکو سنا چکا تو اس نے کہا "نہیں میاں۔ ماتا نے تمہیں بطور خود نہیں چھوڑا۔ اپنی بیمار بہن کی امداد کے لیے اسے روپیوں کی سخت ضرورت تھی"۔ روزناف اس انکشاف سے شرمندہ ہونے لگا اور اپنے معشوق کے ساتھ بدگمانی پر پشیمان ہوا۔ روپیوں کو اسکی ضرورت تھی۔ محبت میں ایمان کیا چیز ہے؟ اس نے اپنے سیاسی راز کو دولت کے معاوضہ میں بیچنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن ابھی یہ معاملہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ کارلاٹا کے قتل پر جو ہیجان پیدا ہو گیا تھا اس کی بنا پر انڈریانی کو اپنے عہدہ سے معزول کیا گیا اور ماتاہری نے اس کا جائزہ لیا۔ اب روزناف کے مقابلہ خود اس کا معشوق تھا ——— "تمہیں معلوم نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو" ماتا نے کہا "تم ذلیل ترین انسان بننے والے ہو ... مادر وطن کے باغی: یہاں سے چلے جاؤ اور ان لوگوں کو جو تم سے محبت کرتے اور تم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اپنا منہ نہ دکھاؤ۔ جاؤ کہ تم پھر اپنی کھوئی ہوئی انسانیت کو پا سکو۔ چلے جاؤ"۔ ایلکس بھاگ نکلا۔ کچھ دن کے بعد انڈریانی اپنے عہدہ پر واپس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ روزناف غائب ہے۔ تجربہ کار جاسوس نے اس واقعہ کا پتہ جلا لیا ماتاہری نے انڈریانی کو یقین دلایا کہ وہ اپنے پیشہ کے سامنے کسی کو عزیز نہیں رکھتی۔ اس کو کسی سے عشق نہیں اور اس نے کوئی کام اپنے منصب کے خلاف نہیں کیا۔ اس نے کہا "میں اس سے محبت نہیں رکھتی اور نہ میں کبھی اس سے ملونگی" روزناف سفارت خانہ سے نکلکر اپنی وطن کی خدمت کے لیے معمولی سپاہی بنگیا تاکہ اپنی جان دیکر اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ ماتا جو قلعی انکار کے روزناف سے ملی اور خدا حافظ کہتے وقت اس کو یقین آگیا کہ اس کا سخت دل اس نوجوان کی محبت میں پگھلکر آنسو بنگیا ہے۔ جنگ پر جانے وقت سپاہی سے نازینن نے کہا "ایسا ہو کہ تمہیں یا مجھ پر کوئی حادثہ ہو جائے اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم پہلے انسان ہو جس نے میرے دل کو لیا۔ کاش میری زندگی بدلجاتی ——— تم ہی وہ ہو جس کی محبت میرے دل میں ہے"۔ عاشق و معشوق نے اپنی آخری مفارقت میں بہت دیر صرف کی کچھ دنوں بعد انڈریانی نے ماتا کے پاس حکم دیا کہ "پیرس میں تمہاری ضرورت نہیں ہالینڈ چلی جاؤ"۔ اس کے بعد یکایک اس نے کہا "ہاں تو میں یہ کہنا بھول گیا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزناف جنگ میں مارا گیا؟ میں نے کہیں اس کا نام دیکھا"۔

"خدا رحم کرے! کیا تمہیں یقین ہے؟"

"شاید وہ زخمی ہو گیا"۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ زخمی ہو گیا"۔

"وہ کہاں ہو گا؟ میں اس سے ملونگی"۔

"تب تم اس سے محبت کرتی ہے؟"

"ہاں مجھے اس سے ملنا ضروری ہے"

جنت میں
اماں حوا کا روزنامچہ
باوا آدم کے روزنامچہ کا جواب

مترجمہ

سعید بارانس

نوٹ:۔ مشہور امریکی ظریف مارک ٹوئن نے ایک تخیلی مضمون باوا آدم کے روزنامچہ کے عنوان سے شایع کیا تھا۔ مصری ادیب عبد القادر المازنی نے اس کے جواب میں اماں حوا کا شب ناموچہ پیش کیا ہے مازنی کی خصوصیات میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ مصنف نازک کے ان کیفیات اور نفسیاتی رجحانات کو پیش کرنے پر ہمیشہ آمادہ معلوم ہوتا ہے جن کی وجہ سے مصنف نازک باوجود اپنی رعنائی مضمون کے مصنف زبردست پر حاوی ہے۔ اس مضمون میں بھی اس کی اس ستم ظریفی کی جھلک نمایاں ہے اس کا خیال ہے کہ وہ اماں الجنتون میں پڑنا ہر چیز کی ٹوہ لگانا ہر ایک چیز کو دوسری چیز سے میتر کرنا اور نئے تجربات کی خواہش میں رہنا عورت کی فطرت میں داخل ہے۔

ان سب چیزوں نے مگر اماں حوا کے ساتھ باوا آدم کو بھی جنت بدر کرا دیا۔ اس قصے میں جنت کا ایک نیا تخیل پیش کیا گیا ہے۔ یعنی موت سے ارستگاری اور اخلاقی شعور کا استعداد رفتہ رفتہ ان کہ صرف معصومیت ہی باقی رہے حقیقی جنت ہے۔ ورنہ جنت کی کیفیت مازنی کے پاس ایک ایسے سندربن کی سی ہے جس میں رام اور سیتا کے ساتھ درند چرند اور سب کچھ بستے ہیں۔

مترجم

شنبہ ۔ آدم نے مجھے ڈائری بلند کرنے کی ترغیب دی۔ وہ اس پر مصر تھے لیکن میری مصروفیتوں نے مجھے اتنی فرصت نہ دی اور ان کی حالت تو یہ ہے کہ جنت کی وسعتوں میں وہ لطف اندازی کرتے پھرتے ہیں۔ اور میں ان کے پیچھے رہتی ہوں۔ تاہم ہر صبح وہ روزگذشتہ کی یادداشت کے متعلق مجھ سے دریافت کرتے ہیں اور نصیحت آمیز لہجہ میں تاکید کرتے ہیں کہ ہر واقعہ اسی وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ وہ فراموشی ہونے سے پہلے علامات کے شکنجہ میں آجائے۔ لیکن کیا کروں جب میں کام شروع کرنے بیٹھ جاتی ہوں وہ جانے کہاں تشریف لیجاتے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ میری قلم کو بھی اڑائے جاتے ہیں۔ اب تنگ آکر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کو جب وہ سو جائیں میں اپنا روزنامچہ شروع کردوں۔

(یکشنبہ کے احوال درج نہیں ہیں۔ شاید اماں حوا کی مصروفیتوں نے اس کا موقع نہیں دیا)

دوشنبہ آدم ایک معمہ ہے جس کا مفہوم میری سمجھ سے باہر ہے۔ ان کو خود اس کی خبر نہ تھی کہ ان کا نام آدم ہے وہ تو اس کو ایک مہمل سی چیز سمجھتے ہیں کہ کسی شے کا کوئی نام رکھا جائے۔ ایک دن جب میں نے ان سے کہا کہ میرا نام حوا ہے تو فرمانے لگے "ہو گا مجھے کیا!" کیا یہ تعجب خیز بات نہیں ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ جب میں نے ان سے التجا کی کہ مجھے میرے نام سے بلایا کریں جو میرے کانوں کو اونچی ہش ہش والی آواز سے زیادہ میٹھی معلوم ہوتی ہے تو انھوں نے مجھے سمجھایا کہ ہش ہش سے ان کا مقصد دور جاو کہنا ہے نزدیک بلانا نہیں کیونکہ وہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہوتی جہاں جو میں گھنٹے سایہ کی طرح کوئی ساتھ ہو۔ اور یہ صحیح ہے کہ میں ان کے ساتھ رہتی ہوں وجوہات کی بنا پر انھوں نے میرا نام بلا ضرورت ایجاد کرنا بے سود سمجھا۔ جب میں نے یہ محبت پیش کی کہ جنت میں کسی ایک شے کا ایک نام ہے جس سے ایک چیز سے دوسری چیز پہچانی جاتی ہے تو آدم کو بدگمانی ہونے لگی کہ ان بے شمار نامون کی موجودگی میں بھی ہوں ان کے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ان لایعنی چیزوں کے لیے اپنے دماغ کو نامون کا انبار خانہ کیوں بنایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ان کی نظروں میں مہمل ہے کہ ہر شے کا جو نام رکھا گیا ہے وہ اس پر منطبق نہیں ہو سکتا اور نہ کسی طرح موزونیت رکھتا ہے اس کی دلیل میں انھوں نے کہا کہ یہ نام اس وقت ہر جانور کے لیے ٹھیک ہوتے جب کہ وہ اپنے نام پر جواب دیں۔ کوئی جانور ایسا نہیں نظر آتا جس کو پکارنے پر اتنی تہذیب آئی ہو کہ جواب دے سکے۔ انھوں نے مجھ سے صاف کہدیا کہ اگر تم اپنے دماغ کو ان نامون کی ایجاد سے پیشتر کر لینا چاہتی تو تمہاری مرضی تم کو ایسے فعل پر اختیار ہے۔ لیکن میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مہمل کام میں مجھے اپنا شریک نہ سمجھو۔

یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے آدم سے اس قسم کی گفتگو سنی اس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی کہ انھوں مجھے اپنی ذات سے الگ سمجھا۔ میری آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے۔ لیکن میری اس حالت پر حضرت آدم کی کچھ عجیب کیفیت ہوگئی۔ وہ حیرت سے مجھے تکنے لگے۔ قریب آکر اپنے ہاتھوں میں میرا چہرہ پکڑ لیا اور میری آنکھوں کو دہشت اور پریشانی سے گھورنے لگے بلکہ اپنی موٹی ناری توانا انگلی میری آنکھوں میں چبھونے کی کوشش کی۔ اس حرکت سے میری رنج پر غصہ کا غلبہ آگیا اور نہ تھمنے والے آنسوں کے درمیان ہچکیاں لیتے ہوئے کہا کہ اب کو اپنی زبان سے دل آزاری کرنا کافی معلوم ہوا کہ آپ میری آنکھ بھی پھوڑنے کے درپے ہیں۔ آدم نے کہا کہ "میں تمہاری گفتگو سمجھانے سے قاصر ہوں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارے چہرہ کے ان دو سوراخوں سے پانی کس طرح جاری ہوا" یہ پہلے نمونانی اشک تھے جو دل کے پہلے سے آنکھوں سے جاری ہوئے۔

میں ان سے ہزار ہو کر وہاں سے اٹھ گئی۔ اس وقت میری تکلیف کی تو انتہا نہ تھی۔ کیا غضب ہے کہ میری اس حالت کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ اگر مجھے منا لینگے ان کا بہت دیر انتظار کیا کہ شاید وہ واپس آجائیں اور معافی چاہیں۔ انتظار سے تنگ آکر ناچار میں خود ان کی تلاش میں نکلی اور بہت تلاش کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ وہ ایک بلی کو پکڑے ہوئے ایک عجیب و غریب حرکت میں مبتلا ہیں۔ بار بار اس کی آنکھوں کو دبا رہے ہیں جیسے اس سے کوئی چیز نکالنا چاہتے ہیں۔ بیچاری بلی ان کی مضبوط گرفت سے تل ملا رہی ہے۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے بلی کو ان کے پنجوں سے چھڑا لیا۔ پوچھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ انھوں نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ میری طرف آپنا چہرہ اٹھا کر جس پر دہشت اور خستگی کے آثار نمایاں تھے مجھ سے کہا "ہاں۔ کیا میرے پیچھے ہی پھونچی" میں نے دوبارہ ان سے وہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا وہ یہ تحقیق کرنا چاہتے

تھے کہ ان چمکدار سوراخوں کو جن کا نام تم نے آنکھ رکھا ہے کیا ہو جاتا کہ اس سے پانی بہنے لگا۔ آخر وہ گمان سے آیا یہ سن کر مجھے یقین ہوا کہ وہ میری آنکھوں کو چوڑ کے در پے نہیں تھے بلکہ آنسوؤں کی حقیقت کی ٹوہ لگا رہے تھے۔ میں نے ان کی اس معصوم حرکت کو معاف کر دیا اور ان سے میری محبت اور بڑھ گئی۔

سہ شنبہ جب کبھی میں چشمہ پر جاتی ہوں کہ اس کے پرسکون پانی میں اپنی شکل دیکھوں تو آدم مجھ پر ہنستے ہیں۔ ان قہقہوں کی گونج اس پر بڑھ جاتی ہے جب میں سطح آب پر اپنی موہنی صورت دیکھتے ہوئے محویت کے عالم میں چشمہ میں گر پڑتی ہوں۔ کاش وہ بھی اپنی رعنائی کو صاف و شفاف پانی کے آئینہ میں دیکھتے کہ ان کو میری ہنسی اڑانے پر شرم آتی۔ ایک دن کا واقعہ مجھے ہمیشہ یاد رہیگا جبکہ پہلی بار مجھے اپنی رعنائی کا علم ہوا میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے سو رہی تھی، حیران تھی کہ میں کون ہوں؟ کہاں ہوں؟ کس چیز نے مجھے یہاں پہنچا دیا ہے؟ اور یہ سب کچھ کس طرح واقع ہوا۔ میرے قریب ہی ایک غار تھا جس میں سے ایک ہزر نکل کر چشمہ میں گر رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور چشمہ کے قریب پہونچی اور ہر یا دل کے سبز فرش پر لیٹ کر پانی میں گھورنے لگی۔ پانی کے اندر ایک تصویر جھانکتی ہوئے نظر آئی جو مجھ کو غور سے دیکھ رہی تھی جھک کر پیچھے ہٹی تو وہ بھی میری طرح پیچھے ہٹی ڈرتے ڈرتے میں نے پھر اس پر نظر ڈالی تو وہ مجھ کو اپنی خوبصورت آنکھوں سے کہنے لگی جس میں محبت و الفت کی جھلک نظر آرہی تھی۔ اس وقت غدا جانے کہاں سے ایک سریلی آواز سنائی دی کہ جو کچھ تم دیکھ رہی ہو وہ تمہاری ہی تصویر ہے آدم پون دیکھنے کو ایک قوی اور تنو مند انسان ہے مگر پانی کے اندر ان کی تصویر نہایت دلطیف اور منحنی نظر آتی ہے۔

(معلوم ہوتا ہے کہ حوا شبہ کا روز حضرت حوا نے اپنی شکل کے مطالعہ میں صرف کیا اس لیے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے)

پنجشنبہ ہر روز آدم میں ایک نئی حقیقت دیکھتی ہوں۔ میں بعض وقت ان کو محنت ملامت کرتی ہوں اور بعض وقت ان کی شکایت دل ہی دل میں دہراتی ہوں جب کبھی وہ میری قریب سے بھاگ جاتے ہیں اور درختوں کی آڑ میں پناہ لیتے ہیں تو میں ان پر خفا ہو جاتی ہوں۔ ایک دفعہ میں نے ان سے تنگ آکر کہا جب میں تمہارے ساتھ ہوتی ہوں تو سب کچھ بھول جاتی ہوں یہاں تک کہ جنت اور اس کی تمام دلفریبیاں میرے لیے ہیچ ہو جاتی ہیں۔ نسیم سحر کا بڑا دیوں کی شور و غل کو (اپنے ساتھ لاتا) باران رحمت کے موسے زمین کا سبز پوش ہو جانا، رات کی تاریکی میں تاروں کی جگمگاہٹ چاند کی میٹھی میٹھی روشنی، یہاں تک کہ زمین و آسمان کی ہر دل پذیر چیز مجھے پسند نہیں آتی جب تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔ مجھے تعجب ہے تم مجھ پر سختی کرنا اور مجھ سے بھاگے بھاگے رہنا کس طرح پسند کرتے ہو۔ جبکہ میں تمہارے جسم کا ایک جز ہوں۔ یہ سنکر آدم نے اپنی آنکھیں حیرت سے کھولدیں اور دریافت کیا "تم میرا ایک جز ہو؟ اس سے تمہارا مطلب؟"

"جی ہاں۔ میں تمہارے جسم کا ایک حصہ ہوں۔ کیا میں تمہارے بائیں پہلو کی ایک پسلی سے پیدا نہیں کی گئی؟"

"آدم چونک پڑے" میری پسلی سے؟ یہ کس نے کہا؟"

(یہ واقعہ ہے یہ حقیقت ہے)

اس پر آدم نے کوئی جواب نہیں دیا نہایت احتیاط سے اپنی پسلی کی ہڈیوں کو ٹٹولنا شروع کیا کچھ دیر کے بعد مجھے گھور کر کہا "تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ میں نے گن کر دیکھ لیا کہ میری پسلی کی ہڈیاں دونوں طرف برابر ہے۔ ان میں کمی نہیں ہے۔ یقین نہ آئے تو تم بھی دیکھ لو"

جمعہ آدم نے مجھ سے کہا کہ اس جگہ کو جہاں میں اب رہتی ہوں (جنت عدن) کہتے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ یہاں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو انھوں اور کان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ لیکن میں ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی الزام مجھ پر لگایا کہ میں ایک ایسی مخلوق ہوں جو اپنی آنکھ اور اپنے کان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور میرے وجود نے انکی جنت کو بے لطف بنا دیا۔ خوب! اس موقع کو غنیمت جانکر میں نے آدم کو بھجا یا کہ میں "مونث" صنف ہوں اس لیے مجھے "مذکر" نہیں کے خالب کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ سنکر آدم نے سر ہلا دیا اور لاپروائی کے انداز میں کہا لہذا ہوگا مجھے کیا مجھے تمہارے مونث اور مذکر سے سروکار نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم جب خوش رہتی ہو تی تمہاری خوشی میں اضافہ کرنے کی کوشش کروں۔ تاکہ اس طرح تمہاری تیز زبان کے اعتراضی نشتر دن سے محفوظ رہ سکوں"

شنبہ آج میرا ارادہ کچھ لکھنے کا نہ تھا لیکن آدم کے خط کا ایک ٹکڑا مل گیا جس میں یہ عبارت لکھی ہے "اس لیے کہ تمہارے وجود سے پہلے جس نے میری راحت کو فنا سے بدل دیا، ہفتہ کے تمام دن جمعہ کھلاتے تھے" اس کے اگلے کی عبارت اس قسم کی خوبیات سے بھری ہوئی ہے .....

(معلوم ہوتا ہے کہ حوا نے آدم کی اس عبارت پر مرمت کے ساتھ اپنا حاشیہ چڑھایا، مگر میرے سامنے یہ عبارت ہے لیکن میں اس کو یہاں لکھنے کی اجازت نہ کروں گا۔ میں چودھویں صدی کا ہوں اس لیے اپنے مرشد باوا آدم سے زیادہ دور اندیش ہوں۔ اور ان کی عزت و احترام کا سکہ میرے دل پر ثبت ہے۔ میں کیونکر بیچاری حوا جوار کی تحریر کو لکھ دوں؟)

یکشنبہ اور جناب آدم کو بھی ڈائری لکھنے کا خبط چڑھا یا۔ ان کے دن رات لکھنے کے مجھے پریشان کر دیا۔ میں حیران ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح ڈائری لکھنے سے ان کا دل بہل جاتا ہے اور وقت کٹنے میں آسانی ہو جاتی ہے کیا یہ واقعہ ہے؟ کیا میں ان کی ہمراز نہیں ہوں؟ کیا مجھ سے اس کا دل بہل نہیں سکتا؟

سہ شنبہ آج اندھی بھلی گنگو رگھٹا اٹھ آئی بارش پہلے رم جھم۔ اس کے بعد موسلا دھار برسنے لگی۔ آدم اپنے جو ہر سے باہر نہیں نکلے دل گھبرایا تو میں چشمہ کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ بارش نے میری گت بنا دی مجھے واپس ہونا پڑا۔ واپسی میں ایک کتے کے چھوٹے بچے پر مجھے رحم آیا جو راستے میں پڑا بارش میں بھیگ رہا تھا۔ میں نے اس سے اٹھا لیا۔ ابھی اندر داخل ہونے نہیں پائی تھی کہ آدم نے اپنی گرج دار آواز سے شور مچانا شروع کیا۔ "برسات میں باہر جانا اور واپسی میں کیچڑ سے گندے پیر لاکر میری جھونپڑی کو غلیظ کرنا کیا حماقت ہے" اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا "یہ تمہارے ساتھ کیا چیز ہے"۔ میں نے ڈرتے ہوئے کہا۔ یہ ایک کتے کا بچہ ہے۔ غریب بارش میں بھیگ رہا تھا مجھے رحم آیا، اندر اٹھا لائی۔ آدم جھلا گئے، کہنے لگے "میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان چھوٹے جانوروں سے تجھے کیا محبت ہے" ان کو اپنے سینہ سے لگائے پھرتی ہے۔

(اس مضمون کی دوسری قسط آئندہ آئیگی)

نسوانی جامہ زیبی اور ہندوستان

از رحمٰن کار

گزشتہ اشاعت میں ہم نے ہندوستانی عورتوں کے پیرہن کے صرف ایک جزو یعنی ساڑی پر بحث کی تھی اور ارادہ تھا کہ اسکی بازیدیا فاسہ آرائشی کے متعلق قلم اٹھائیں لیکن دو وجوہ سے ہمیں اس موضوع کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوئی ایک یہ کہ جتنے مغربی نقاد ہندوستانی پیرہن پر بحث کرتے ہیں وہ ہماری روایات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے نسوانی پیرہن کو مغرب کی عریاں پسند تہذیب سے طاویہ میں بھی تردید ضروری ہے دوسرا یہ کہ گزشتہ مضمون میں ہم نے جس احتصار سے کام لیا ہے وہ اس مضمون کی وسعت کے ساتھ ناانصافی ہے جسطرح ہندوستانی حسن کاری کے ہر شعبے کے دو رخ ہو جاتے ہیں ایک قدیم آریائی تہذیب تمدن کا نتیجہ دوسرا سنہا سلامی یا دگار اسی طرح نسوانی ملبوس میں بھی دو وضع ہیں ساڑی جیسے کہ ہمنے



پہلے کہا قدیم ترین نسوانی ملبوس ہے جو اب بھی





قدامت کے لگاتار جما کیطرح آبدار ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور دلکش ہیں مگر اس سلسلہ میں مختصر پیش کرنا خارج از بحث نہ ہوگا۔

اگلی دفعہ ہم نے پارسی خوجہ ساڑی ہی پر بحث کی تھی اب ہم دوسرے طرز کے ساڑیوں کے متعلق بحث کرینگے۔ سب سے پہلے خوجہ کے بدگھڑاتی طرز کی ساڑی آتی ہے جو خوجہ ساڑی کا دوسرا نام ہے لیکن بگھڑاتی ساڑی زیادہ قدامت رکھتی ہے اور اس وضع سے بنی جاتی ہے کہ اس میں سادگی کے حسن کی جگہ غلط اور زاویوں کی وجہ سے ایک بےتکی طرحداری پیدا ہو جاتی ہے۔ بنگالی ساڑی ان دونوں سے صرف ان معنوں میں ہٹی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ملک کی مرطوب آب ہوا کے تناسب سے زیادہ وزنی لیکن گداز ہوتی ہے اسکے دامن اور بالائی حصہ نہایت ہی حسن پیدا کرنے والا تموس ہوتا ہے البتہ شکنیں فاصلہ سے پڑتی ہیں جو ملبوس کے مناسبت سے ناموزوں نہیں معلوم ہوتے۔

مرہٹہ ساڑی ایک جفاکش اور محنت مند قوم کی نشانی ہے اس ملبوس پورے جسم کیساتھ وابستہ رہتا ہے لیکن ایک خاص وضع اس میں اسطرح پیدا کیگئی ہے کہ جس سے یہ ملبوس زیادہ کام کرنے والی ہستیوں کیلئے سہولت پیدا کر دیتا ہے اسکے دامن کا رخ دوسری ساڑیوں کے جیسا ہوتا ہے لیکن پشت کیطرف دھوتی کیطرح دو قطع پیدا کر دیتا ہے جس سے دونوں پیر کو حرکت کرنے میں آسانی ہوتی ہے ساڑی پہننے

یہ طرز کہا جاتا ہے کہ ہر مرہٹہ قوم میں اسوقت سے پیدا ہوا جبکہ ان کی خوبصورت جوان عورتوں کو بھی کارزار حیات میں برابر کا حصہ لینا پڑتا تھا امن کے وقت کھیت پر اور دوسری حالتوں میں خیمہ و خرگاہ صف نارک کا مرکز بنتے تھے باوجود اسکے کہ ستر پوشی کے پورے سامان یہ طرز نہیں اتنا تھا لیکن خوبی اور حسن میں اسکا ایک خاص درجہ ہے ضرورت کیساتھ خوش پوشی کو اس طرح سے سمجھا کہ زیبائی ایک حسن ہے۔

اب ہم دوسرے قسم کے ملبوس پر نظر ڈالتے ہیں یہ سب سے پہلے ہم اس ملبوس بحث کرینگے جو ساڑی سے پیدا ہو کر ایک نئی وضع بن گیا ہے جسطرح یہ کہا جاتا ہے کہ سازمیں دنگ و قطع بن کر طبلے کی شکل میں ظہور پذیر ہوا اسی طرح ساڑی کے دو ٹکڑے ہو کر رجعت لباس جلوگر ہوا ہے نیچے کا حصہ لہنگے کی شکل اختیار کر لیا اور اوپر کا دامن اوڑھنی بن گیا ہے چولی یا انگیا میں سوائے بعض عریاں نمائشی کے کوئی فرق نہیں آیا۔ نیچے کے حصہ کی شکنیں جو ساڑی پہ پیدا ہوتی تھیں انکی کیفیت کو پیدا کرنے کیلئے لہنگے کا گھیر بہت بڑا گیا اوپر کا دامن اوڑھنی کی شکل میں سمٹا رہ گیا اور علاوہ سر پلو کے گھونگھٹ

کا بھی جنم ہوا۔ اجنتا کے اس لباس میں ہندوستان کے اس زرین عہد کی روایات تازہ ہیں جبکہ صنف نازک کی معاشرہ میں برابر کا حصہ تھا اور یہ نازک اندام حسینائیں بزم کی رونق اور رزم کی ہمت بنی ہوتی تھیں۔ پنجابی بلوس حقیقت میں اپنے وضع کے لحاظ سے معرو ترک (قدیم) اور ایران کے سلجوقی کھولا ہے۔ پنجابی پائجامہ ترکی قائم اور مصری خاتون سے مشابہ ہے اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ہندوستان میں یہ لازمہ وسطہ کی یادگار ہے جب شمال سے وسطی ملک کے ایک دوسری تہذیب کا رابطہ قائم ہوا تھا۔ زرق برق اتنا ہے کہ پنجابی پائجامہ پائنچے کے پاس زاویہ کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے گول دائرے میں خشک ہوتے ہیں۔ پنجابی کرتا بھی اسطرح اپنے ہم جنس ایران مصر وغیرہ میں رکھتا ہے۔ البتہ پنجابی اور مغربی ہندوستانی کی تصویر ہے صدری یا صدریہ بھی اسی تہذیب کی یادگار معلوم ہوتا ہے۔

یہاں سے اتر کر گنگا اور جمنا کی وادی میں آئیے تو یہاں دہلی اور لکھنؤ کی ابھری ہوئی شان موجود ہے اور پنجاب کا پائجامہ یہاں بیٹ کر جسم سے بیوست نظر آتا ہے کرتا، انگیا کھا وغیرہ اور مقامی یہاں کی خاص چیز ہے چونکہ مختلف قوطن پذیر طبقوں نے اس دوآبہ کی تہذیب کو سنوارا ہے اس لئے وہاں کی کوئی خاص طرز اب موجود نہیں ہے وہاں ہندوستانی مسلمانی بلوس کے اکثر طرز نقل ہو گئے ہیں تاہم جو قدیم لوگ اپنے لباس کی وضعداری سلیقہ اور خوش پوشی اب تک اس مرد مم خیز خطہ کی آخری نشانیاں ہیں۔

اب ہم حیدرآباد کی طرف آتے ہیں۔ حیدرآباد تمام دکن کا دل ہے اور اس ایک شہر میں ہندوستانی قدیم و جدید ہر چیز سمٹ کر بکھر ہو گئی ہے اس لئے ہم صرف شہر حیدرآباد ہی کو موجودہ مسلمان کے لئے پیش نظر رکھیں گے اس شہر کی ہر چیز اس کی آبادی کیطرح اندرون و بیرون رکھتی ہے۔ اندرون شہر اپنی قدیم تہذیب و تمدن کا مہذب ہے۔ بیرون ہر جدید اور آور وہ طرز کی قبولیت کی سلاحیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم کو دونوں طرز کے متعلق علیحدہ علیحدہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلے اندرون کو لیجئے یہاں پر ملبہ دربار کی بہت سی چیزیں نظر آتی ہیں قدیم کرتنی (یعنی ایسا کرتہ جسکی دونوں آستین نہوں اور بگلے کے نیچے پورے چاند کا حلقہ رکھتا ہو) کا رواج ابتک موجود ہے۔ اس چیز کی ایجاد کا سہرا عام طور پر جہانگیر کی نازکخیال دختر زیب النساء کے سر رکھا جاتا ہے ساتھ ہی وہ لباس جو عموماً حیدرآبادی اُن بیاہی لڑکیوں کا سمجھا جاتا تھا کرتہ پائجامہ اور کھڑا دوپٹہ جو معصوم لڑکیوں کا لباس اور انکی چونچلوں کا مکمل سوباف ایک ایسا حسن تھا جو اب دن بدن برقی لیمپ کے سامنے دیا کیطرح مانند پڑتا جارہا ہے تاہم یہ صاف طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اندرون اپنی وضع داری پر قائم ہے (بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲)



کھڑا دوپٹہ اور درازدامن کرتہ

حیدرآبادی خواتین کی خوش ذوقی ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔

اس لئے

بمبئی۔ آرٹسٹک ناولٹی امپوریم نے لاجواب زیور اور حسین تمین جواہرات کے ساتھ حیدرآباد میں موجود ہے

حسین فن کاری میں حسن ذوق کی کشش موجود ہے

اس کو دیکھنے کے بعد آپ کی خوش ذوقی آپ کو خریدنے پر مائل کریگی

تشریف لائیے! اور حقیقی جواہرات کے زیور سونے چاندی کے حسن کارانہ گہنے بلورین۔ لاہان اور نادر تحفوں کے عجیب و غریب مخزن کو ملاحظہ کیجئے۔

آرٹسٹک ناولٹی امپوریم روبرو گرامر اسکول چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

"لیکن تمہیں احکام مل چکے ہیں۔ اس نے کسی قدر سختی سے یاد دلایا۔ "احکام؟ میں تمہارے احکام کی کیا پروا کرتی ہوں؟ میں تمہارے وہ میرے ماتحتی کی طرح نہیں ہوں۔ میں ماتاہری ہوں۔ میں خود اپنی مالک ہوں۔ میں استعفیٰ دیتی ہوں!" وہ کمرہ سے بھاگ گئی۔ جاسوس نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا "ناداں اسے معلوم نہیں کہ ہمارے پیشہ سے استعفیٰ دینے کا ایک ہی طریقہ یعنی موت ہے"

ماتاہری نے روزناف کو ایک فوجی اسپتال میں پایا۔ وہ بارود کے ٹوٹے اندھا ہو چکا تھا۔ ہمدردی اور محبت کے جوش میں اس نے اس کے ساتھ رہنے کی قسم کھائی۔ میں تمہاری ہوں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی تم جلد اچھے ہو جاؤ۔ ہم شادی کرینگے۔ تم میرے دل ہو میں تمہاری آنکھیں بنی۔ ہوں گی۔" اس کے سوا اسے کسی چیز کا خیال نہ تھا وہ اپنا پیشہ اور فرائض بھول گئی۔ آہ محبت میں انسان کس قدر نادان ہو جاتا ہے!

جونہی وہ اسپتال سے نکلی کہ ایک آدمی لگے بڑھا" میڈیم میں تمہارے لیے خلسانہ لایا ہوں" ماتاہری کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ کچھ دیر تک وہ زبان نہیں ہلا سکی اس کے بعد اطمینان سے کہا "بہت خوب۔ دو بائے بائیسکل بہت دنوں سے اس موقع کا انتظار تھا" آخر وقت تک ماتاہری کو محض انگلیس کا خیال تھا۔ حکم موت پاکر اس نے لکھا کہ وہ بیمار ہے ایک سینیٹوریم میں آبزرویشن کی منتظر ہے موت سے کچھ دیر پہلے اس کے وکیل نے روزناف کو آخری ملاقات کے لیے بلا لیا۔ اندھا عاشق یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی معشوق سے سینی ٹوریم میں ملاقات کر رہا ہے۔

محبت جسے دل ملے۔ نا بینا عاشق نے سوال کیا "اگر آپریشن کامیاب ہو تو وہ تمہیں کتنے دنوں تک یہاں رکھینگے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ غالباً زیادہ دیر نہیں ہم سوئزرلینڈ کو جلد شادی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر مجھ پر کچھ حادثہ ہو جائے تو تم کو اپنا کام کرنا چاہئے"

"بیشک میری پیاری لیکن کچھ نہیں ہو گا تم کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے" "اور جب جنگ ختم ہو جائے تو تم ویانا جاؤ۔ وہاں ماہرین علاج چشم موجود ہیں۔"

فوجی افسروں نے مداخلت کی۔ وہ اس سے بھاگے آئے تھے تحت کے حکم کو پورا کرنا تھا۔ عمر بھر میں پہلی مرتبہ اس نے چاہنا چاہا ان جذبات کا اظہار کرنا چاہا جنہیں کسی کی خاطر چھپا رکھے تھے۔

اس نے روزناف کی بے نور آنکھوں پر نظر ڈالی اور کہا "پیارے وہ مجھے بھولنے آئے ہیں" روزناف نے کہا "ڈرو نہیں میں آپریشن کے ختم ہونے تک یہیں رہونگا"

"تمہیں تم کو یہاں نہیں ٹھیرنا چاہیے مائنٹو ریکرن (وکیل) تمہیں اسپتال لے جائینگے اور تمہیں بتائینگے کہ میں کیسی ہوں"

"پیاری کیا تم خوفزدہ ہو گیں؟"

"نہیں میری زندگی۔ خدا حافظ ہمیشہ یاد رکھو کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں"

"ہمنے سے کام لو۔ آنکھ بند رکھو اور ایک لمبی سانس لو پھر تمہیں کچھ احساس نہیں ہو گا" "میں ہی کروں گی" اس نے اس کا بوسہ لیا اور دروازہ کی طرف چلی گئی۔ "میں تیار ہوں" اس نے کہا۔ "ایک لمبی سانس اور پھر مجھے کچھ احساس نہیں ہو گا" اس نے اپنے عاشق کے الفاظ دہرائے۔

اس طرح ایک عظیم جاسوس کے کارنامہ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نیز ایک عظیم محبت کا قصہ بھی۔

ماتاہری کی موت اس کی زندگی کی طرح ہی پراسرار ہوئی۔ خاموش مطمئن اور بے احساس اس نے دنیا کو اپنے صحیح جذبات سے آگاہ ہونے نہیں دیا اور محبت کو جو اس کے دل میں موجزن اور جنبان تھی نفرت کے پردہ میں چھپائے رکھا۔

بقیہ صفحہ (مشرق کی بیداری)

یعنی مصر میں برطانیہ کے ذریعہ نقل و حمل کی حفاظت، مصر میں کسی بیرونی ملک کے دباؤ یا مداخلت کی مخالفت، غیر ملکوں اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اور سوڈان پر بائیس چیزیں برطانیہ نے اپنے ہاتھ میں رکھ لیے تھے جن کا تصفیہ آیندہ حکومت برطانیہ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔

مصر کی آزادی اس طرح ناممکن رہی اور مصری اس کو پسند نہیں کرتے تھے ملک میں بدامنی بڑھنے لگی انقلابی تحریکات شروع ہوئی اور انگریزوں پر قاتلانہ حملے کیے جانے لگے مصر میں برطانیہ نے مارشل لا جاری کیا ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر باہم گفت و شنید شروع ہوئی اور ملک میں ایک عارضی صلح قایم کی گئی۔ نئے دستور کے مطابق جب زاغلول وزیر اعظم منتخب ہوئے تو انہوں نے پھر برطانیہ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق گفتگو شروع کی رامسے مکڈونلڈ نے ان کو لندن آنے کی دعوت دی باہمی گفتگو کا نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں یعنی ۱۹ نومبر ۱۹۲۴ء کو سر لی اسٹیک کا قتل ہوا اور حکومت برطانیہ نے مصر کو ایک قسم کا الٹی میٹم دیدیا۔ مصر سے ایک بڑا تاوان وصول کیا گیا اس کے بعد بھی ان پانچ چیزوں کے متعلق کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

سعد زاغلول کے انتقال سے ملک کا ایک زبردست محب قوم اٹھ گیا۔ لیکن اس نے ملک میں جو قومیت کی روح پھونک دی تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ مصر دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہونے لگا۔ زراعت، صنعت، حرفت، تعلیم وغیرہ میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

ہندوستان سے ملا ہوا رہنے کی وجہ سے افغانستان حکومت ہند کی شروع ہی سے یہ پالیسی رہی ہے کہ کسی طرح افغانستان کو اپنے تسلط میں رکھا جائے تاکہ روس کو ہندوستان پر کسی قسم کے اقدام کا موقع نہ ملے لیکن کچھ تو وہاں کے جغرافیائی حالات اور کچھ وہاں کے باشندوں کی آزاد و منتقل طبیعت کی وجہ سے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ افغانستان سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئی وہ اس طرح ناکام رہیں اور حکومت ہند کو ہمیشہ افغانستان سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی لیکن پھر بھی حکومت ہند کا کچھ تھوڑا سا اثر افغانستان پر ضرور تھا جو ۱۹۱۹ء میں ختم ہوا۔

جنگ عظیم کے اختتام کے بعد ہی امیر امان اللہ خان نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ گو اس حملہ میں افغانستان کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو کہ حکومت ہند کا رہا سہا اثر زایل ہو گیا اور افغانستان دنیا کی آزاد مملکتوں کی صف میں آ گیا۔ جس کے بعد ہی ملک میں ترقیوں کا ایک سیلاب شروع ہوا جو امان اللہ خان کے افغانستان کے تخت سے دست بردار ہونے پر ختم ہوا۔

امیر امان اللہ خان کے پیش نظر ترکی اور غازی کمال کی مثال تھی اور وہ ملک کے معاشرتی اور معاشی حالات میں فوری انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ملک میں تعلیم صنعت و حرفت اور اس قسم کی تمام چیزوں کی ترقی دیگی اور ان پر پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو فوج کم کر دینی پڑی اور سپاہیوں کی تنخواہیں بقایا میں پڑ گیں۔ اس کے ساتھ ہی پورپین سیاحت میں ملکہ ثریا

(بقیہ شاہی پردہ)

بادوت ہندوستان میں کئی ہزار سال پیشتر ایجاد کی جا چکی تھی اگر یہ بات غلط بھی ہو تو اس کی اصلیت یوں ہے کہ جہاں کہیں ایسے ہتھیاروں کا ذکر آیا ہے وہاں وہ بہ زور رطلسم وجادو چلائے گئے ہیں اس لیے یہ خیال کہ وہ بارود سے چلائے جاتے تھے غلط ہے۔

پایہ تخت کی حفاظت نظیوط فصیلوں اور خندقوں سے کی جاتی تھی سڑکیں عمدہ تھیں اور راستوں پر چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ بیرون بلدہ بازارات اور دکانیں ہوتیں بیرون بلدہ میں رعایا کے لیے پارکس بھی بنائے جاتے تھے جاسوسی کا محکمہ بہت عمدہ پیمانہ کا تھا اس کو بادشاہ کی آنکھ کہتے تھے یہ عوام کے کاروبار خیالات اور راے سے بادشاہ کو باخبر رکھتا تھا۔ ساہوکار اور سیاسی بھی اس کام پر مقرر کئے جاتے تھے۔

انصاف بادشاہ کا ایسا فرض سمجھا گیا

اس کے عمل میں لانے کے لیے سخت سے سخت سزا کا بھی استعمال جائز سمجھا گیا تھا۔ برہمن پر ہر دنیاوی سزا سے مستثنیٰ تھا کیونکہ وہ دوسرے جنم میں بہت سخت سزا کا مستوجب سمجھا جاتا تھا بادشاہ کو انصاف کے مقابلہ میں رعایت و مروت سے کام نہیں لینا چاہیے تمام سزا جرمانہ تھی۔

بادشاہ کی روحانی بلندی کا ذریعہ صرف انصاف ہے

ایسے بادشاہ کی سلطنت جو منصف مزاج اور رعایا پرور رہے ایک پھیلے ہوئے درخت کے مانند سرسبز وشاداب ہوتی ہے۔ انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد بادشاہ کو نیا فیہ چہرہ۔ مہرہ اور علامات ظاہری سے ملزم کو پہچاننے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس میں اس کو اسی قدر چالاک اور ہوشیار ہونا چاہیے جتنا ایک شکی شکاری اپنے شکار کو پالینے میں ہوتا ہے۔

جھوٹی گواہی

لازمی چیز تھی گواہی ہو تو تم کھلی جاتی تھی وہی گواہی لی جاتی جس میں خاندان کے بزرگ یا معزز لوگ ہوں کے جھوٹی گواہی عذاب الیم کا باعث سمجھی جاتی جو نہ صرف گواہ بلکہ اس کے تمام خاندان پر نازل ہوتا تھا جھوٹ ثابت ہونے کے بعد چور کو جو سزا دی جاتی وہ اس کو بھی دی جاتی تھی فیصلے کیلئے بادشاہ اگر چاہتا تو ایک کمیٹی قائم کرتا تھا۔

جیں راستوں پر بسائے جاتے تھے تاکہ عوام پر اس کا اثر ہو الا لوگ عبرت حاصل کریں حکومت کے قیام کے لیے سزا پر تمامی سے عمل کرنا ضروری تھا۔ بادشاہ کے دشمن کو فوراً قتل کر دیا جاتا تھا صرف اسی کو نہیں بلکہ دینے والا تک اور اسی طرح برہمن عورت اور بچہ کے قتل کی سزا سے موت بھی خاص حالات میں زنا کی بھی سزا میں تجویز کی جاتی تھی چور و قاتل کو پناہ دینے والا انہی سزا کا مستوجب ہوتا جو چور کو دی جاتی تھی۔ یہاں تک ہم نے مختصراً انہا ہارت کے نظام حکومت کو پیش کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ حقیقت مسیح سے کئی صدی پہلے ہندوستان میں حکمت کا کیا تخیل تھا آخر میں ہم جہاہارت کے چند دلچسپ سیاسی اقوال نقل کرتے ہیں۔

چند سیاسی اقوال

(1) حکمرانی کی ابتدا اتحاد سے ہوتی ہے اور انتہائی ہنر اے جسمانی ہے"

(2) جس راجہ کا بیدگرو اور دیوان خوشامد کرنے وہ بہت جلد اپنی تندرستی دھرم دمال و مال کھو بیٹھتا ہے"

(3) کسی وزیر کو مالدار نہیں بنانا چاہیے کیونکہ دولت طبیعت کو بدلدیتی ہے"

(4) جو شخص ایسے خادم کو قتل نہ کرے جو دولت میں اس کے برابر ہو دانشمند دل کا مضبوط ہو اور وہی سلطنت متبر قابض ہو وہ خود ہی قتل ہو جائیگا"

(5) بادشاہ نائب قلوب رشوت دہانی اور پھوٹ سے دشمن پر قبضہ پا سکتا ہے"

(6) انسان دشمن پر ہتھیار سے اتنی فتح حاصل نہیں کر سکتا جتنا کہ حیلہ سازی سے کر سکتا ہے"

(7) ناتوان دشمن کو اس سے پہلے قتل کرنا چاہیے کہ وہ توانا ہو جائے"

(8) چھوٹی مگر منظم باقاعدہ فوج بڑی بے قاعدہ فوج سے اچھی ہے"

(9) لڑائی کے دوران میں بادشاہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی سوکھی لکڑی سمجھے"

(بقیہ مشرق اور اسلام)

کی علانیہ مخربی تہذیب کی سرپرستی نے جاہل افغانوں کو بادشاہ سے منحرف کر دیا۔ اور پھر ملک میں مخربی لباس اور تمدن کو فروغ دینے کی جو جبریہ کوشش کی گئیں ان سے لوگوں میں اور بد دلی بڑھ گئی اور جب یہ چیز بن بغاوت کی صورت اختیار کر لیں تو امان اللہ خان اس سے مقابلہ نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر سقہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ افغانستان کا ستارہ اقبال پر تھا کہ اس کو نادر خان جیسا شخص ملگیا جس نے بروقت ملک کو تباہی سے بچا لیا غازی نادر خان کا بھی مطمح نظر وہی ہے جو امان اللہ خان کا تھا لیکن ان میں وہ جلد بازی نہیں ہے۔ زمانہ کا تجربہ، باشندوں کے حالات سے وقفیت، ملک کی معاشی اور مالی حالت پر نظر۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جن کا خیال رکھکر غازی نادر خان ایک خاموش طریقہ سے ملک میں بیداری پیدا کر رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ افغانستان بھی متمدن ممالک کے صف اولین میں آجائے۔

جزیرۃ العرب

خبگ عظیم تک جزیرۃ العرب کے زیر نگین تھے لیکن جنگ سے فایدہ اٹھا کر عربوں نے برطانیہ سے ملکر ترکوں سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے ترکوں کے وہ اتحادیوں کے محکوم ہو گئے۔ اور شریف حسین برطانیہ کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن گیا عربوں کے جذبہ آزادی کو ٹھیس لگنا کوئی معمولی بات نہیں تھی وہ کسی کی محکومیت کو گوارہ نہیں کر سکتے تھے لہذا سلطان ابن سعود کی سرکردگی میں عرب آزاد ہو گئے۔ اور شریف حسین کی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

عراق، دمشق، فلسطین بھی اس وقت آزادی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ آخر میں ایک دو جملے وسط ایشیا کے متعلق بھی کہنا ضروری ہے۔ بخارا خیوا وغیرہ کی آزادی چھوٹی چھوٹی جمہوری مملکتیں روس کے زیر بہ درش پیدا ہو گئی ہیں لیکن چونکہ سوویٹ روس کے حالات ابھی تک تسلی و یقین کے درمیان ہیں۔ اس لیے ہم ان کے متعلق فی الحال یہی کہہ سکتے ہیں کہ وسط ایشیائی مشرقی بھی بیداری میں شریک ہے۔

حسن کار مندرجہ ذیل مقامات پر ملسکتا ہے

۱ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ چادر گھاٹ
۲ خائن ارٹ اسٹوڈیو روبرو گرامر اسکول
۳ محمد صالح اینڈ کمپنی انجمن اخبارات چھتہ بازار
۴ جمیل اینڈ کمپنی نیو ایجنٹ سکندرآباد

بقیہ عارضی شوہر از صفحہ (۸)

رات کے دو بجے تھے میں ایک سٹیشن پر اتر کر اپنی دوسری بوگی میں سوار ہو گیا۔ صبح عنبر کی بوچھیر ہوا کے جھونکے مجھے ہوش میں لائے تو میں نے دیکھا کہ میں ایک چھوٹے سے سٹیشن پر کھڑا ہوں۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک طرف ایک بورڈ پر لکھا تھا "ڈاک بنگلہ"۔ میں نے سوچا کہ یہ بنگلہ کسی ڈاک بابو کا ہوگا۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور بنگلے کی طرف چل پڑا۔ بنگلے کے برآمدے میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "بابا! یہاں کوئی ہوٹل ہے؟" اس نے کہا "نہیں بابو! یہاں کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ ہاں اگر تم کو کھانا کھانا ہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں کھانا کھلا دوں گا"۔ میں نے کہا "بابا! میں تمہارا کھانا کھا کر کیا کروں گا۔ میں تو ایک ہوٹل کا متلاشی ہوں"۔ بوڑھا بولا "

دعوت حسن سے ساتھ پڑتا اور وہ اپنا دامن بچالیتا تو میں ضرور ڈرتی زیادہ تر نواب صاحب کے رشتہ دار ہی تھے ان کی بیگم بھی ان کے ساتھ تھی جو نہایت سادہ لباس میں ایک حسین اور نازک اندام نازنین معلوم ہو رہی تھی بعض معزز خواتین بھی تھیں جو سر سے پیر تک زیور میں لدی ہوئی تھیں کھانے کی میز پر میں نے دیکھا کہ رفیقہ کے دونوں ساتھی بھی موجود ہیں اور ان کے ساتھ اور چار اجنبی ہیں جن کو میں دوپہر کی دعوت میں دیکھ نہ تھا دل میں خیال کیا کہ شاید یہ رفیقہ کے مہمان ہیں غرض ڈنر نہایت شاندار طریقہ پر شروع اور تقریروں پر ختم ہوا۔ ڈنر کے بعد انگریزی وضع میں شراب لائی گئی سوائے عورتوں کے سب لوگوں نے جام صحت نوش کیا تین رفیقہ نے جسارت کی کہ سب کے ساتھ خود بھی شراب ہی کا جام بجائے پانی کے چڑھا لیا۔ مجھے سخت کوفت ہوئی سب کی نگاہیں رفیقہ پر تھیں میں نے شراب نہیں پی۔ باوجود گلستان میں رہنے کے مجھ کو اس لذت ہی ابھی میں رفیقہ کی اس حرکت پر سوچ ہی رہا تھا کہ چند لوگ اندر آئے اور "آگ لگ گئی" "آگ لگ گئی" کا شور ہوا۔ اس آواز کے ساتھ ہی ایک قیامت برپا ہوگئی کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا مرد بھاگے جا رہے تھے عورتوں نے اپنی چیخوں سے دنیا سر پر اٹھالی۔ میں نے اپنا کوٹ اتار کر پھینک دیا اور ایک ایک کر کے عورتوں کو کمرے کے باہر نکالنا شروع کیا رفیقہ سب سے پہلے کمرے سے بھاگ کر نکل چکی تھی لیکن اور عورتیں اندر تھیں جن میں سے بعض بیہوش تھیں جب آخر عورت کو میں نے کمرے کے باہر کر دیا تو مجھے قریب کے کمرے سے ایک دردناک آواز سنائی دی "مدد! را مجھے نکالو میں اس کمرہ میں بند ہوں"۔ میں نے قریب جا کر اس کمرے کو کھولنے کی کوشش کی متقفل پایا۔ اپنی پوری قوت سے دھکا دیا دروازہ ٹوٹ کر گر پڑا کمرے میں ایک رشک حور نازنین چوطرف آگ تھی میں اندر گھس گیا۔ لڑکی بیہوش ہوگئی اس کو گود میں اٹھا کر کمرے کے باہر لایا ابھی میں اس نازک اندام بوجھ کو نیچے اتارا بھی نہ تھا کہ میرے سر پر ایک زبردست چوٹ لگی جیسے کسی نے ہتھوڑی سے میرے سر پر ضرب لگائی ہو میں اس کے بعد غائب تھا۔ . . . . . .

آنکھ کھلی تو خود کو پولس کی حراست میں پایا حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے پولس سے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا آخر مجھے نواب صاحب کے پاس لیگئے میں ان سے اس کا سبب پوچھا تو وہ پولس پڑے صورت سے شریف معلوم ہوتے ہو لیکن کرتوت شیطان کے سے ہیں۔ اُف بدمعاشوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی میں وقت پر نہ پہنچتا تو خدا جانے کیا کچھ ہو جاتا کمبخت . . . . . اجی تم اشفاق ہو نا! ہاں اور تمہاری بیوی میری بہن رفیقہ کیوں ہے نا . . . . .

. . . . تم ناٹک کیوں نہیں گئے وہاں تمہاری ضرورت تھی بدمعاشوں تمہارے لئے ٹھیک نہیں"۔ تو ایسا جب غصہ میں رکن کک بڑبڑا رہے تھے میں ان کی باتوں سے مشتعل ہو گیا میں نے کہا "آپ کو دھوکا ہوا ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔ کیا میں نے آپ کی چوری کی؟ کیا آگ۔ یہ لوگوں کو بچانا آپ کے نزدیک غارتگری ہے میں جیسا آپ کی دعوت میں آیا ہوں آپ کے ملک میں اپنی کیا پردیسی کی یہی قدر ہوتی ہے؟" نواب صاحب نے ڈانٹ کر کہا! خاموش رہو گستاخی نہ کرو۔ تمہارے ملک میں ایسے پردیسی کو کیا یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے" میں نے جواب دیا "ایسے پردیسی کیا معنی تمہارے ملک میں ہماری یہ گت بنتی تو ہم پر دیسیوں کے ساتھ بھائیوں سے بڑھ کر پیش آتے ہیں غائبانہ آپ سے آپ واقف نہیں ہیں" نواب صاحب نے تمسخر سے کہا "میں جانتا ہوں لیکن تم جیسے بدمعاشوں کے ساتھ کون اچھا سلوک کر سکتا ہے تم ایک بدمعاشوں کی ٹولی کے سرگروہ ہو تمہاری رفیقہ تمہاری ہم راز ہے تم نے اصلی رفیقہ کو قید میں رکھا کہ میرے خاندان کے مشہور جواہر غائب کر لیں وہ تو خدا کا معلوم نہ تھا ورنہ وار تو پھر کیا تھا میں تمہاری داد دیتا ہوں البتہ ایک بات میں کسر رہگئی اگر تم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر لوگوں کی جان بچانے میں مصروف نہ ہوتے تو تمہارا کام بن جاتا لیکن تم نے ایسا کیا شاید یہ سمجھ کر اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں خود کو سزا دیکھو تم جناب بھاگنا پھوٹ گیا اصلی رفیقہ نے تمام حال کہہ دیا ہوگا کہ کس طرح اس کے مدرسہ کی ساتھی شکیلہ نے اس کی دھوکا دیکر تم لوگوں کے ہاتھ میں پھنسا دیا اور کس طرح شکیلہ اس سے تمام حال معلوم کر کے رفیقہ کا روپ بھر کر اس کے جواہر تھے آگ کے بہانے سے کیوں کر بیگمات کے زیورات لے اڑے گئے لیکن ہنسا پھانسہ اب کی دفعہ ٹھیک نہیں پڑا آپ سب گنہگار ہیں خیر اسی میں ہے کہ آنکھ کا راستہ چھوڑ دو . . . . ."

اب میں سب سمجھا آپ کا سلام ہو کہ ایک پردہ میری نظروں سے ہٹایا گیا۔ اُف ری چال مجھ جیسا اگلستان پلٹ تجربہ کار اور ایسی حماقت اب کچھ کہنا فضول تھا باقی حالات مختصراً یہ ہیں کہ عدالت میں مقدمہ چلا میں بے قصور آباد ہے اپنے متعلق تمام ثبوت فراہم کئے تعجب تو یہ ہے کہ خود شکیلہ نے میری مصومیت کی شہادت دی اس طرح میں بری ہوا۔ واپسی کے وقت اسٹیشن پر اصلی رفیقہ یعنی نظروں سے احسان مندی اور شرمندگی کی ادا سے کھڑی تھی اس کے ساتھ اس کا شوہر اصلی اشفاق موجود تھا جو جیسا آپ سے بتایا گیا تھا۔ واقعہ کذب نکلا اب اشفاق اور ہم دوست ہیں اگر آپ سے ہو سکے تو میں اپنی ڈیوری میں اس ناگوار واقعہ کو لکھ رہا ہوں تو وہ بہت بگڑ جائیگا مگر میں کیا کروں مجھے ڈیری لکھنے کا مرض ہے جب اپنی جائداد کہاں اس میں لکھتا ہوں تو حماقتوں کو کیوں چھپاؤں معلوم ہے آپ کے سوا کوئی میرے سوائے کوئی دیکھیگا نہیں پھر اس تلخ تجربہ کے بعد اپنی زندگی کے معمولات میں چند جملوں کا اضافہ کر دیا۔

"کبھی اسٹیشن پر کسی نازنین کے حسن کو مت دیکھو"۔

"عارضی شوہر بننا ہرگز ہرگز قبول نہ کرو"۔

"اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عورت کے آنسو سے پگھلنے کی عادت کو دل سے نکال دو"۔ لیکن اس آخری ارادہ پر مجھے یقین نہیں۔ ختم

بقیہ نسوانی گفتگو از صفحہ (۲)

ہے۔ وہاں بھی بیرون کے بعد سب سے پسند اجزا جو اتیم "آرائش بلدہ" کے مکانات کے ساتھ گھسے چلے آرہے ہیں۔

بیرون کے لباس میں ساڑی کی بھی وضع موجود ہے جس میں پارسی ماڑی کو سے زیادہ مقبولیت ہے دن بدن شوخ رنگی کی جگہ متین اور ہلکے رنگ لے رہے ہیں۔ اس ملبوس کے رہنما زیادہ تر پارسی کے رشادوں پر چلتے ہیں گویا ناٹک کی طرح اس لباس کی قسمت بھی پارسیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے تو یہ وضع کے لباس میں صرف ایک ہی طرز کہیں کہیں مقبول نظر آتی ہوا نیا ہوا کا لباس ہو کھڑے دوپٹہ کا حسن اب بھی کشش رکھتا ہوا اور اپنی دلکشی کو بھی سی عام پسند بنا ہوا ہی یہاں پر ایک اور طرز کا ذکر آئندہ عمل نہ ہوگا وہ مدارس نسوان کا فیشن ہوا اس طرح میں سادگی اور متین دونوں موجود ہیں خوش وضع پارچہ کا پاجامہ سفید ململیں کرتا اور اس پر ایک رنگ کا صدریہ جو پہنا جانے کے رنگ سے تناسب رکھتا ہو ایک ایسی وضع ہے جو ہر لڑکی ہوئی شکرم کا نازک بدن پر دیکھ کر دل کھول کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی حیدرآباد میں صنف نازک کی قوت بکار زندہ ہے

بقیہ مملکت از صفحہ (۶)

اور حکام کا تعلق ہونا اگر ان دونوں تعلقات کو سیاسی تعلق کہا جائے تو یہ تقسیم سیاستی تقسیم ہے اس طرح مملکت کا معائنہ دیگر معائنوں سے زیادہ اہم ہے جس کے افراد سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے ہیں وہ ان کی حرکت کے پیچھے قانون یا قانونی چیز جو ہوتا ہے کوئی فرد مملکت سے اپنے کو علیحدہ اور قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ دیگر معائنے عارضی اور غیر مستقل ہوتے ہیں انجمنیں آج بنتی ہیں کل ٹوٹ جاتی ہیں کیونکہ ان کی شرکت ضمناً اور رفعت سے ہوتی ہے کوئی ان کو مجبور نہیں کر سکتا برخلاف اس کے مملکت کا معائنہ دائمی اور مستقل ہوتا ہے کبھی نہیں ٹوٹتا۔

تمام درسی اور علمی کتابیں

سید عبدالقادر تاجر کتب چارمینار سے طلب فرمائیے۔
یہ دوکان قدامت اور نیک نامی کی وجہ سے سب سے
زیادہ مقبول ہے آپ بھی اس کو یاد رکھئے۔

سید عبدالقادر تاجر کتب

نرخنامہ

اشتہارات

ایک سال کے لیے ۔ چھ ماہ کے لیے ۔ تین ماہ کے لیے ۔ ایک ماہ کے لیے ۔ ایک اشاعت

ایک عمود کے لیے				
ایک کالم کے لیے				
نصف کالم کے لیے				

گورنمنٹ سے فی سطر کالم (۸ر)

معیاری اخبارات، اشتہارات عمدہ رسایل کہاں چھپتے ہیں ؟

اعظم اسٹیم پریس

میں

کتابین نقشہ جات لتھو اور دوسری عمدہ چھپائی کا کام کھاص ہوتا ہے
اعظم اسٹیم پریس میں آپ بھی اپنی چھپائی کا کام اعظم اسٹیم پریس
چارمینار روانہ فرمائیے۔

فائن آرٹ اسٹوڈیو

بورڈ کی رنگوائی، مصوری، اور دوسرا حسن کارانہ کام ہماری دوکان
فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو

گرامر اسکول چادر گھاٹ میں ہوتا ہے

کتابوں کے اعلیٰ طباعت کے معاملہ میں

عہد آفرین پریس

کی دھوم ہے ضرور اپنی کتاب یہاں روانہ فرمائیے ۔

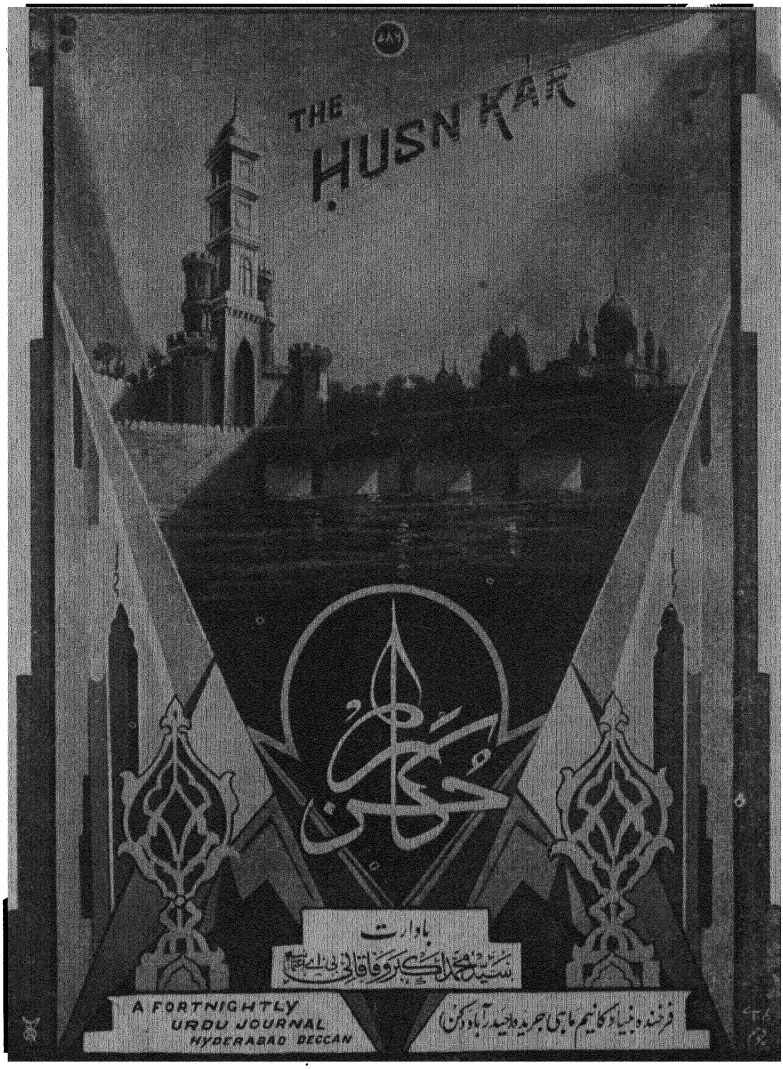
آپ کو اعلےٰ اسٹیشنری کا سامان بھی یہیں مل جائیگا۔

عہد آفرین پریس
اسٹیشن روڈ

مطبع دارالتحریر

آپ کے ہر قسم کی کتابت وطباعت کی ذمہ داری لیتا ہے
اور خوبی یہ ہے کہ وعدہ کی پابندی اور کتابت وطباعت دیدہ زیب
ایک مرتبہ ضرور آرڈر دیکر آزمائیے۔

مینیجر مطبع دارالتحریر یوسف بازار نیپال



مضامین خاص ۔ نواب سر حیدر نواز جنگ کی معرکتہ الآرا تقریر ۔ تاج محل ۔ دانتے ۔ تلوار ۔ پرمیشر کی تلاش ۔

تصاویر :۔ (۱) نواز جنگ (۲) نواب معین الدولہ بہادر (۳) مسٹر سید محمد ہادی

نیشنل پریس مطبوعہ حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کے لیے
سب سے اچھی رہبر طلبہ اور اردو سیکھنے والوں
کی اعلیٰ کتاب قواعد اردو (مولفہ عبدالرحمن چغتائی)
قیمت ۱۲ ملنے کا پتہ
مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگس قریب پلیہ فاطمہ
انجمن نرسری حیدرآباد۔

آپ کی کتابیں کہاں چھپتی ہیں؟

ٹیپ۔ انگریزی۔ اردو۔ لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف
کثرت سے فراہم کی گئی ہیں حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہیں ہے

مفضل پریس اسٹیشن حیدرآباد دکن

بچوں کے لیے بہترین تحفہ
آپ کے بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لیے
بہترین کتاب

سیرت و کردار

مولفہ
عبدالرحمن صاحب رئیس
ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ قیمت ۱ محی الدین بلڈنگس

نرخنامہ

حسن کار

گورنمنٹ سے منظور شدہ
چندہ سالانہ بلدہ ۔ اضلاع
ششماہی علی الترتیب ۸ھ ۱۲ھ
سہ ماہی علی الترتیب ۴ھ ۶ھ ۸ھ
فی پرچہ ۴ھ

حسن کار کی بلدہ میں ایجنسیاں

۱ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ چادر گھاٹ
۲ فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو گرامر اسکول
۳ محمد صالح ایجنٹ اخبارات چتہ بازار
۴ جیسل اینڈ کمپنی نیوز ایجنٹ سکندرآباد
۵ امداد اینڈ کمپنی نامپلی
۶ علیم الدین صاحب تاجر کتب روبرو مالگذاری
۷ رجب علی صاحب تاجر روبرو صلح سرائے نامپلی
۸ دکن بک اینڈ اسٹیشنری مارٹ عابد بلڈنگ
۹ نعیم الدین صاحب تاجر چارمینار

حسن کار کے

مضمون نگاروں سے گزارش

۱۔ براہ کرم مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھے جائیں
۲۔ مضامین مختصر، مفہم اور جاذب ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔
۳۔ افسانہ اور ادب لطیف جدید اصول پر مبنی ہو۔
۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آجانا چاہیئے۔
۵۔ حسن کار ماہ الٰہی کے یکم اور پندرہ کو شائع ہوا کریگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار عبدالقوم کی رہبری میں

قیوم آرٹ ورکس چتہ بازار

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب خانہ کا قدیم رسائل اور
اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو۔

کاشانہ باز

(یاد رکھئے)
کاشانہ باز۔ بازار گھاٹ نئی حیدرآباد

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	جدید حیدرآباد	از نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر و ترجمہ مبتاً سید احمد حسین صاحب بی۔اے (خانیہ)	۴
۲	واقعے	از جناب عبدالقیوم خان صاحب باقی بی۔اے (خانیہ) رسرچ اسکالر	۶
۳	آگرہ اور تاج	مترجمہ جناب سید شاہ محمد صاحب بی۔ایس۔سی (خانیہ) رسرچ اسکالر	۷
۴	تلوار	از کنور اعجاز علی تبسم	۹
۵	معلومات	.....	۱۰
۶	پریمچند کی فلاسفی	از مسٹر "کیلاش" بی۔اے (خانیہ)	۱۱
۷	خوان یغما	از مسٹر برگشتہ	۱۳
۸	مقالہ افتتاحیہ	.....	۱۴
۹	حالت الیوم	.....	۱۵
۱۰	آبشار (نظم)	از جناب بدر شکیب صاحب بی۔اے (خانیہ)	۱۵
۱۱	شرب عربانی	از مسٹر ناظر عالم تبسم ہزاروی (خانیہ)	۱۷
۱۲	فکاہت	از جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی	۱۹
۱۳	ہاں حوالہ کی ڈائری	از جناب سید باراس علیگ	۲۴
۱۴	ادبیات اور سیرت	مترجمہ جناب سید محمد صاحب بی۔اے (خانیہ)	۲۱
۱۵	"بیتیں لفظ"	صفحہ (۴)	

غالب

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی معرکتہ الآرا انگریزی کتاب جس کی دھوم مچی ہوئی تھی اب اردو لباس میں مشہور انشاپرداز مسٹر سید معین الدین قریشی ایم۔اے کے ذریعہ آگئی ہے۔ خواہشمند جلد آرڈر روانہ کریں۔ مانگ زیادہ نہ کم ہیں۔

ملنے کا پتہ

مکان ڈاکٹر سید عبداللطیف۔ کوچہ چراغ علی چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

قیمت عہ ۸/

فوٹوگرافی بہترین کام

آپ کو اگر عمدہ اور خوبصورت فوٹوگرافی کی ضرورت ہے تو مسٹر ابراہیم علی فوٹوگرافر کا نام یاد رکھئے۔ بتوسط مہتمم حسن کار

سینما کے عالی سلائڈ اگر آپ کو عمدہ سلائڈ کم دام اور عالی کام کے درکار ہوں تو مسٹر ابراہیم علی فوٹوگرافر سے کام لیجئے۔ علمی مضامین کے سلائڈ بھی قلیل فانوس کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ بتوسط مہتمم حسن کار

سب سے ترقی پذیر سب سے خراج تحسین حاصل کرنے والی پہلے ہی مرتبہ محاسبہ میں منافع کمانے والی

بیمہ کمپنی دی ایڈیل ڈیمارکیٹک انشورنس انڈسٹریل لمیٹڈ

اس کی پالیسی ہر شخص کے استطاعت اور ضرورت پر پوری اترتی ہے۔ بے انتہا ارزان!

پورے ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ معاوضہ معقول اس کے علاوہ پراویڈنٹ اور وقت انشورنس دیا جائیگا صرف باثر اور معزز لوگ درخواست بھیجیں۔

مرزا جاوید بیگ ع ۶۹۷ توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن

دانتے

از عبدالقیوم خان باقی

ادبیات کی شاندار دنیا میں دانتے سے زیادہ رفیع المرتبت ہستی شاید ہی کسی اور کی ہو۔ اس طویل القامت شخص ادمی سے جس کا لباس ہلکے رنگ کا اور ٹوپی سرخ چہرہ والا وہ جس کی ناک لانبی تھی ہم اس طرح آشنا ہیں جس طرح خود شیکسپیر سے۔ ہم کو شیکسپیر کی سوانح حیات سے بہت کم واقفیت ہے اور وہ سوانح حیات ایسی ہے جس میں کوئی رومانی رنگ نہیں لیکن دانتے کی زندگی مفصل موجود ہے۔ اس زندگی میں ہم دانتے کو دنیا کی سخت اور دلچسپ ترین عشقیہ کہانی کے ایک ہیرو کی حیثیت سے دیکھتے ہیں

دانتے ۱۲۶۵ء میں بہ مقام فلورنس پیدا ہوا۔ ۹ سال کی عمر میں اسنے بیٹرس کے آئینہ رخسار کا مشاہدہ کیا جو اس وقت تقریباً اس کی ہم عمر تھی۔ ان دونوں کمسن عاشقوں کے مابین کوئی گفتگو نہیں ہوئی لیکن شاعر کہتا ہے کہ "اس دن سے عشق اسکی روح پر مسلط ہو چکا تھا" بیٹرس بہتہ اس کے "دل کا نور بن کر رہی" اور کئی سال بعد اسنے بالتفصیل لکھا کہ اس کی زندگی کے اس عجیب و غریب دن بیٹرس کے نازنین جسم پر ایک نہایت خوشنما رنگ (ہلکا گلابی) کا لباس تہا اور وہ اس کی شوخ کمسنی کی مناسبت سے نہایت صفائی کے ساتھ پہنا گیا تھا۔ نو سال گزر گئے اور نو سال کے بعد شاعر کی بیٹرس سے دوبارہ ملاقات ہوئی وہ بعینہٖ طوس پرت تن کئے ہوئے اپنی دو سہیلوں کے ساتھ فلورنس کی ایک شاہراہ پر سے گزر رہی تھی۔ اس وقت بھی کسی نے گفتگو نہیں کی لیکن "اس نے سرد مہری نظر سے مجھے دیکھا جو ایک حیرت زدہ انسان کی طرح دل تھامے ہوئے کہڑا تہا۔ اسنے اپنی ناقابل بیان توضیع کے ساتھ اس بار عصمت انداز سے مجھے سلام کیا گویا مجسمہ حرمت و تقدس کی ایک دیوی بڑی انکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اس ملاقات کے بعد دانتے صرف ایک مرتبہ پھر اس کے دیدار سے مشرف ہو سکا۔ آہ کتنا غم انگیز اور کتنا حسرت ناک واقعہ ہے کہ مملکت اطالیہ کا سب سے بڑا دل عشق کے جادو سے دہڑک رہا ہے اور بیٹرس کو اس کی مطلق خبر نہیں! یہی وہ بند بہ تہا جو ادبیات کے اعلیٰ ترین شاہکار میں ظاہر ہوا اور لافانی زندگی کی ابدی دولت حاصل کی۔

بیٹرس کی شادی ہو گئی اور ۲۵ سال کی عمر میں اسنے انتقال کیا۔ اس واقعے کے بعد دانتے لکھتا ہے "کہ جب میری روح کی واحد مسرت (یعنی بیٹرس) اس طرح فنا ہو گئی تو مجھ پر غم کے وہ آرے چلے کہ دنیا کی کوئی راحت مجھکو آرام نہ پہنچا سکتی تھی"، اس کے چند عشقی کی پہلی کہانی اسکی پہلی مشہور اطالوی کتاب لاویتانوا میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب چند نظموں مجموعہ بھی ہے اور چند فلسفیانہ مباحث کا ایک گدستہ کا بھی انہی پاکیزہ نظموں میں ایک جگہ دانتے نے اپنی محبوبہ کی عجائب انگیز موت کی وجہ بیان کی ہے۔ اور رانڈل ٹی نے اس کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"اس دار فانی سے ایک ایسی شاندار ہستی کا کوچ ہوا۔ کہ وارائے ازل نے بھی اسکو دیکھکر حیرت کا اظہار کیا۔ یہ سائنگ کے اس کے دل میں اس حسین رطافت کو اپنے ہی پاس رکھ لینے کی ایک لطیف خواہش پیدا ہوئی اور اسنے خیال کیا کہ یہ بدانجام ناکام دنیا طرحدار حسن کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔"

لاویتانوا کے بعد سوا سے چند نظموں کے دانتے نے اپنی زبان میں کچھ نہیں لکھا۔ بیاٹرک کہ اس نے ڈیوائن کامیڈی پر قلم اٹھایا۔ اس اثناء میں وہ اسکی تصانیف لاطینی زبان میں لکھی گئیں ان سے ہم کو بحث نہیں ہے۔ اس کی زندگی کا شاندار کارنامہ خون جگر کا وہ تحفہ ہے جو ایک تصنیف کی شکل میں اسنے اپنی محبوبہ کی نذر کیا دانتے نے (ڈیوائن کامیڈی) بیٹرس مرحومہ کی یاد میں لکھی۔ ویتانوا کے آخری باب میں وہ بیان کرتا ہے۔ "اگر اس خدائے ذوالجلال کی مرضی ہو جس کے ہاتھ میں ساری دنیا کی جان ہے کہ میں چند دنوں اور بقید حیات رہوں تو میں امید کرتا ہوں کہ میں اس نازنین کے متعلق ابھی کچھ اور لکھونگا۔ اور وہ چیز لکھونگا جو ایک عورت کے متعلق اس سے پیشتر کبھی نہیں لکھی گئی تھی"۔ اس کے بعد اس رب جلیل سے جو حسن داد کا مالک دختار ہے میری دعا ہے کہ میری روح میری محبوبہ کی آسمانی شان دیکھنے کے لیے پرواز کرے اور بیٹرس کے شربت دیدار سے مشرف ہو"

بیٹرس کی وفات کے دو سال بعد دانتے نے ایک شریف الخاندان لڑکی سے شادی کی۔ وہ وفا شعار اور مضبوط کردار کی عورت تھی لیکن جس چیز نے ان دونوں کی زندگی کو تباہ و برباد کیا وہ اس لڑکی کی بدمزاجی تھی۔ زن و شوہر کے باہمی رکھ رکھاؤ اس کی منحوس اور حریصانہ زندگی کے قطعاً غیر معذور تھی یہ کہا جاتا ہے کہ (الفونسو) کے چھٹے باب میں اس نے لکھا ہے کہ:

"مجھے جو اس قہر برادی میں ڈالا ہے
وہ درحقیقت میری بیوی نے ڈالا ہے جو
ایک بدمزاج اور اس سے بھی زیادہ وحشیانہ
طبیعت رکھتی تھی"

یہ درحقیقت اس کی بیوی گیما ہی کی طرف اشارہ ہے جس وقت تک اس کی زندگی کے ماحول کا مطالعہ نہ کیا جائے اسوقت تک دانتے کو سمجھنا کسی قدر دشوار ہے۔ زمانہ وسطےٰ اور نشاۃ جدیدہ کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ولادت ازمنہ وسطےٰ کے سنہری ایام میں ہوئی اور آخر۔ بکن سینٹ تھامس ایکوری ناس، اور سینٹ لوئی اس کے ہم عصروں میں تھے۔ گیاٹو (جو اسوقت کا مستند مصور تہا) اس کا ساتھی اور دوست تہا۔ دانتے کو نشاۃ جدیدہ کا جو محرک اول قرار دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسنے سب سے پہلی مرتبہ اپنی زبان میں خانہ فرسائی کی۔ لیکن ازمنہ وسطےٰ کی شریعت پرستی میں جو چیز سب سے زیادہ ہتھم بالشان اور نادر تھی وہ (ڈیوائن کامیڈی) میں آئینہ کی طرح جھلکتی ہے اس میں اس عہد کی عالی حوصلگی علم کلام، اور فلسفہ کا نہایت پاکیزہ مظاہرہ کیا گیا ہے۔

اس پاکیزہ نظم کا منشا اور مضمون شہر یونانی نظم (الیڈ) سے بہت زیادہ اعلیٰ الرفع ہے۔ تخیل کی رفعت و پاکیزگی، اس کے اشخاص کا مختلف النوع اور واضح کردار ادبیات میں اپنا جواب نہیں رکھتا ہے۔ ذہنی لطافت اور تصور کے کمالات انگریزی زبان کے تراجم میں بخوبی واضح ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ قدرتاً نظم کی حسن ادا غائب ہو جاتی ہے۔ جس طرح شیکسپیر انگریزی مورخین اور متقدمین میں اپنا جواب نہیں رکھتا اس طرح دانتے اطالیہ کی ادبیات میں لاثانی ہے۔ لیکن اس کی عظمت صرف اطالیہ تک محدود نہیں وہ یورپ کی ملک ہے اور اس کی ذات اور اسکی تصانیف ازمنہ وسطےٰ کے تاج اور معراج کمال ہیں۔

بدقسمتی سے دانتے کے ایام جوانی میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ شہر فلورنٹین کی وہ سیاسی پارٹیاں جو گیبن

آگرہ اور تاج

از

سید شاہ محمد

دنیا کا کوئی اسٹیشن اپنے مسافروں کے سامنے آگرہ سے زیادہ شاندار مناظر نہیں پیش کر سکتا۔ گاڑی سے اتر کر جب مسافر کھلی فضا میں پہنچتا ہے اس کی نظریں ہر دو جانب دلفریب مناظر سے دوچار ہوتی ہیں۔ سیدھ طرف کو عالیشان جامع مسجد کے مینار اور گنبد یں واقع ہیں۔ اس کو شاہجہان نے ۱۶۴۴ء میں اپنی پیاری بیٹی جہاں آرا کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ یہ سنگ سرخ کی عظیم الشان عمارت ہے

اس کی گنبدیں ایک کرمچی نمونہ کی ہے اور سفید سنگ مرمر کی مختلف پرتوں پر مشتمل ہیں۔ جس سے ایک عجیب اور نہایت دلکش اثر پیدا ہو گیا ہے۔ بائیں جانب جلو اکبری کے سرخ برج اور دیوار یں کجری چٹانوں کی طرح ایستادہ ہیں یہ آپ کے عظیم

دمہ دار ( ) دروازہ اور کنگورہ دار دیواروں کے ذریعہ اسٹیشن کی طرف رخ کئے ہوئے ہے جس کے نیچے دور تک پُر لطف انداز میں رواں ہے اور آگے چل کر گنگا سے متصل ہو کر زرخیز دوآب پیدا کرتی ہے جو ہندوستان کا خوبصورت ترین قطعہ ہے۔

ان بلند اور فیح الشان دیواروں کے اندر عہد مغلیہ کی بہترین یادگاریں خوابیدہ ہیں۔ یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ اکبر کے شہر کی ہر چیز اپنے بانی عظمت کی یاد دلاتی ہے اس کی بے تعصبی اور حسن کارانہ ذوق نے ہندوستان میں ایک نئی تعمیر کاری کی بنیاد ڈالی۔ اکبر کو ہندوستان سے محبت تھی۔ بابر اور ہمایوں کے دل ہمیشہ وسط ایشیا میں رہے لیکن ایرانی لڑکی حمیدہ بانو کا فرزند جس کی ولادت دریائے سندھ پر بمقام امرکوٹ ہوئی اور جس نے چودہ برس کی عمر سے حکومت شروع کی اپنی ذاتی سلطنت ہند کے علاوہ کسی اور ملک سے آشنا نہ تھا اسنے اپنی پوری توجہ اور کوشش اسی دہن میں صرف کر دی کہ ہندوستان کے فاتح اور مفتوح کو ایک قوم میں داہتہ کیا جائے یہ دلچسپ واقعہ ہے کہ ہندو اُسے اپنے ہی قوم کا فرد سمجھتے تھے جنے دوسرے جنم میں یہ روپ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ایکدن جمنا اور گنگا کے سنگم پر اسنے ایک رُشی کی رکابی۔ صراحی اور ہرن کا چمڑا کھود کر نکالا۔ جن کے متعلق عوام کا خیال تھا کہ اگلے جنم میں شہنشاہ ان چیزوں کا مالک تھا۔ اسنے ہندو رانیوں سے شادی کی باوجود نوشت و خواند سے نابلد ہونے کے اس نے ہندو ادب کی بہت افزائی اور سرپرستی کی اور ہندو مصوروں کو باعزت خدمات پر مامور کیا۔ اس نے ہندو حسن کاروں اور معماروں کو ملازم رکھنے اجازت دی کہ پرانے روایتی ایرانی اور عثمانیہ نمونوں میں ترمیم اور اضافہ کریں۔ اس طرح ہندوستان میں تعمیر کاری کی اس طرز کی بنیاد ڈالی گئی جس کو قومی طرز کہا جا سکتا ہے۔ اس میں خاتمین کے نمونوں کی اُپجی طاقت کیساتھ دقیق اور تفصیل وار یزیبائش کے پرانے ہندو مثالی لطیف کماں کو ملا دیا گیا۔ اور اس طرح جو طرز پیدا ہوئی اس کے نمونے ابھی تک خوبصورت خانگی عمارتوں یا شہروں کے گلی کوچوں میں دور افتادہ مندروں کی صورتوں ملتے ہیں۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی تعمیر کاری کتنا باکمال اور زندہ فن ہے۔ اکبر کے مذہبی زاویۂ نظر کی وسعت ہر قسم کے خیالات سے اس کی فیاضانہ دلچسپی اپنی ہندوستانی رعایا سے اس کی محبت۔ اپنے ہم قوم مغلوں کی خشکمینی اور تعصب سے اس کی نفرت۔ اس کا کرم۔ اس کی بلند اشت۔ اس کی شجاعت اور رحمدلی یہ تمام باتیں اگرہ کو مقدس زیارتگاہ بناتی ہیں۔

ہمارے اولین مقاصد تاج محل کی سیر اور اکبر اعظم کے مقبرہ کی زیارت تھے شہنشاہ کا مقبرہ سکندرہ میں قطعہ کے دروازہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے قریب سرخ پتھر کی بلند بالا کمانداردیوڑی ہے جو نہایت مضبوط اور شاندار ہے اور عربی عبارت سے آراستہ ہے جو قرآن شریف کے اس سورے سے منتخب ہے جسمیں سلطنت کے متعلق احکام ہیں دونوں جانب کی سفید مرمری منارین توڑی ہوئی ہیں اور نقش شدہ فرش بھی کیفدر شکستہ ہو گیا ہے یہاں سے ایک عظیم وسیع لیکن اجڑے ہوئے باغ میں سے گزر نا پڑتا ہے جو شہنشاہ کے مقبرہ کو پہنچاتا ہے یہ ایک عظیم الشان سرخ پتھر دالی مسجد نما عمارت ہے۔ مختلف رنگ والے سنگ مرمر سے اس کی پچی کاری کی گئی ہے درمیان میں ایک شاندار مرکزی دروازہ ہے۔ جس کے ہر دو جانب پانچ چھوٹی گنبدیں ہیں۔ مرغول میں بڑے بڑے پھول اور عربی حروف کندہ ہیں۔ جنکے بائیں شوخ رنگ کے گئے ہیں داخلے کے کمرہ میں ابتداً محرابوں پر نیلے اور سنہری بیل بوٹے اور جام دانی ( ) کا کام کیا گیا ہے اس کی دلکشی کا اندازہ اس چھوٹے ٹکڑے سے ہو سکتا ہے جسے حال میں نمونتاً اسطرح تیار کرایا گیا۔

اس عظیم المرتبت پیش کرے ( ) سے گزر کر ہم ایک کرسی پر پہنچتے ہیں جو دہان بالا جانیوالی چار دن کرسیوں میں سب سے بلند اور اونچی ہے یہاں ایک بالائی مربع آسمان گیری ( ) کے مرکزی جس کے اطراف نہایت دلفریب مرمر کا جالدار کام بنا ہوا ہے شہنشاہ کی آفتاب گیری ( ) استادہ ہے اس کے ایک جانب وہ الفاظ ہیں جس نے اس کو کورنش کیا جاتا ہا ـــــ لا الٰہ الا اکبر" اور دوسری جانب وہ الفاظ جنمیں وہ اپنے خوشامدی درباریوں سے جواباً کہتا ـــ لا جل جلالہ" روضہ ( ) کے قریب ایک گرد دوایک مری مقبرہ ہے جسکے اندر ایک خانہ چاہ ہیں کہ وہ نور رکھا جاتا ہے اس مرکزی درگاہ کے اطراف قاعدہ وار پہ بہ سی گنبدیں ہیں جہاں شہنشاہی خاندان کے دیگر ارکین کی اس کی آخری آرام گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ انمیں قابل ذکر اورنگ زیب کی بیٹی ہے۔

لیکن اکبر کی مقبرہ آستانہ کی حقیقی آرامگاہ کی زیارت کے لیے اس شوکت اور بلند قبہ سے نیچے اترنا ضروری ہے اور ان خوبصورت سفید غلام گردشوں ( ) سے گزر کر جو عہد ماضی میں مہمانوں کی رہنمائی سے معمور تھے ہم ایک تاریک محراب اور کمرہ میں پہنچتے ہیں جس کی شکل مخروطی ہے اور ایک بڑے ترتیبی تہ خانہ پر مشتمل ہے۔ اس کی ظاہری حالت تو پتہ نہیں دیتی کہ یہ کسی شہنشاہ کی خواب گاہ ہے۔ البتہ چھت میں ایک مربع سوراخ ہے اس کے ذریعہ جو روشنی پہنچتی ہے اس میں بھی چھت کے سیمیں جواہرات جگمگ کرتے ہیں اور سنہری اور نیلی کرنیں خارج کرتے ہیں۔ فرش کے بیچ میں ایک سفید سنگ کا مزار ( ) ہے اس کی اعلیٰ آب و تاب (شفافیت) کمرہ میں داخل ہونے والی مدہم روشنی کو منعکس کرتی ہے اس سادہ سنگ مرمر پر کوئی کتبہ نہیں۔ اس کے سرہانے پر ملدان نظر آتا ہے جو مشعل بردار کے سنگ مزار پر منقوش کرتے تھے۔ اس سادہ پتھر کے نیچے اکبر اعظم کی ہڈیاں خوب راحت میں ہیں۔ شہنشاہی عہد میں سال میں صرف ایک مرتبہ دھوپ کو داخل ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اب یہ مقام ہمیشہ زائرین کے لیے کھلا رہتا ہے۔ یہاں کے متعین شدہ خادم نے قبر کے قبلہ رخ پر پھولوں کی چادر رکھی اور

گفتگو کے وقت سرگوشی کرتا تھا گویا کہ طاقتور اکبر اب بھی سن سکتا اور عدم لحاظ آداب پر عتاب کر سکتا ہے۔

قلعہ کی سرخ دیواروں کے اندر عظیم الشان مغلیہ عمارتوں کا پورا شہر ہے۔ بلند ہر زنگی ترتیب تعمیر گویا زمانہ نمونوں کی بہتات کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ان کے سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مغل خیمہ گاہ کا آدمی تھا اور شہر کی فصیلوں کے اندر اپنے صحرائی عادات زندگی کی نقل کرتا تھا۔ چنانچہ فتحپور سیکری اور آگرہ میں ایک عمارت کے ساتھ دوسری عمارت ایک تنگ فضا میں اسطرح گتھی ہوئی ہے گویا کوئی باضابطہ لشکر گاہ کا مجسمہ ہے علاوہ ازیں شہر کی عام داغ بیل بھی لشکر گاہ سی ہے۔ دیوان عام میں جھتیس ستونوں کی تین قطاریں ہیں اور جہاں تخت شاہی کے مقام پر نشان کندہ ہے دیوان خاص جو تفصیل کام اور دقت و نقش نگاری کا اعجاز ہے جہانگیر محل اور خوبصورت مسجدیں نگینہ اور موتی۔ یہ تمام خیموں اور خیمہ کی ستونوں اور تناؤں کی طرف اشارہ کرتی ہیں یہ عمارتیں فی الحقیقت کشادہ کمرے ہیں جس کا ایک رخ دریا کی طرف خیمہ کی مانند داتح ہے اور پشت پر بوشیدہ کمرے یا تہ خانہ ہیں جیسا کہ تورانی خیمہ گاہ میں حرم کا حصہ مقرر ہوتا تھا۔ لیکن یہ بات تامل یا دداشت ہے کہ تیمور کے بہتر سے بہتر اور شاندار ریشمی خیمے میں اور آگرہ۔ دہلی یا تجھور سیکری کی کسی خوبصورت اور معمولی عمارت میں اس سے زیادہ فرق ہے جو ادنے مغل سپاہی اور اکبر کی ذہنیت اور طبائع میں ہو سکتا ہے محض دیوان خاص کی مرمریں کی نیں اور ان کی اندرونی نگینہ کاری کسی شہر کی چار دنگ عالم میں شہرت کے لیے کافی تھے لیکن یہ قلعہ اکبری کے بے شمار جواہر پاروں میں سے ایک ہے دیوان عام کے لطیف اور خوبصورت ستونوں سے جنہاں کی کندہ نہر کی طرف بالا غانہ پر پہنچتے ہی یہاں سے تاج محل کی سفید برفیلی گنبدیں دکھائی دیتے ہیں کیف منظر پیش کرتی ہیں اس بالاخانہ کے اکٹھارہ قریب سنگ سیاہ کا ایک بڑا تکڑا ہے جس پر اکبر کا تخت رکھا جاتا تھا جہاں سے وہ نچلے دربار میں جمع شدہ عوام کے ہجوم کی داد رسی کرتا۔ پتھر درمیان سے پھٹ گیا ہے اس پر سرخ دھبے ہیں جو غالباً کیفیت رفرف آکسائیڈ کی موجودگی کا باعث ہے لیکن خادم کا بیان ہے کہ جب جاٹ غاصب یہاں متمکن ہوا تو شہنشاہ کی جلوہ گاہ پر ایک چھٹ پڑی اور غاصب کے ظلم و جبر سے اس پر خون کے دھبے پڑ گئے قریب میں موچی بھوان سے جو مرمری کٹک ( ) اور قینوں ( ) کا چوصلی منظم ہے اس کا مرکزی حوض ایک مرتبہ پانی سے بھرا گیا اور اس میں سونے چاندی کی مچھلیاں چھوڑی گیں یہاں ایک کھلی برج ہے جس میں ساٹن نما سفید نشستیں اور جالدار دریچے ہیں جنکے ذریعہ بیگمات حرم محو نظارہ ہا کرتیں تھیں۔

یہاں سے مرمری غلام گردش اور چکدار سیڑھیوں پر سے گزرتا ہوا تہ خانہ نما بوشیدہ زنانی خلوتیں ( ) اور حمام ہیں جو سخت ترین گرمیوں میں بھی نہایت سرد ہوتے ہیں اس کے بعد "بتی دروازہ" سے گزر کر جنھیں اکبر نے چتوڑ سے غنیمت میں حاصل کیا تھا خوش نصیب زائر ایک چھوٹی عمارت نشیں ( ) مسجد میں پہنچتا ہے یہ عہد ماضی میں خوبصورت مغل شہزادیوں اور نازنینان حرم کی روزانہ عبادت کے لیے مختص تھی۔ اسکو "نگینہ" کہا جاتا ہے۔ یہ سر سے پیر تک سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔

اس کی نزاکت اور لطافت اس قابل ہے کہ خوبصورت سے خوبصورت پر عظمت سے پر عظمت عابد دن کے لیے اس کی جبہ سائی باعث افتخار ہے۔ نگینہ فی الحقیقت چھوٹا ہوتی ہے اس سے متصل بڑا موتی .... یہی شہر آفاق موتی مسجد ہے۔ یہ عمارت شاہجہان کے دوسرے مکمل کارنامہ تاج محل کی طرح حقیقی خوبصورت نہیں معلوم ہوتی ہے نقش و نگار سے آراستہ جو بی دروازہ سے ہم ایک اسلامی معبد میں پہونچتے ہی اگر حس کا راس کی شبیہ اتارنا چاہے تو اسنے صرف دو رنگوں سے کام لینا پڑیگا.... اسقف نیلگوں کا رنگ اور اطراف کے سنگ جراحت (الاباسٹر) کا سفید سیمیں رنگ۔ تمام عمارت نیلم اور نیچ پر مشتمل معلوم ہوتی ہے اس عبادت گاہ میں اپنی اصلی اور بے مثلی حسن سطح اور مادہ کے کوئی نقش و نگار نہیں۔ سفید دو پہیے گنبد مقدس مسجد کے اوپر ہیں جہاں سفید سیٹر یجون کے ذریعہ پہونچ سکتے ہیں۔ وسط میں ایک مرمری حوض ہے جس کے اندر ( ) چھتہ والی اٹھا دن سفید ستونیں ہیں۔ یہ خیال بالکل درست نہیں کہ موتی مسجد کسی قسم کے گنبد سے آراستہ تھیں۔

قرآن شریف کی آیتیں بھی دروازہ پر منقوش ہیں اور سفید دیوار و نیز سیاہ سنگ مرمر کی عربی حروف میں کتابیں بنائی گئیں ہیں سنگ مرمر میں بھی مختلف رنگوں گلابی۔ بنفشی۔ نیلگوں۔ کی جھلکیں موجود ہیں سنگ مرمر پر آبشار اور پھول وغیرہ کی نفیس تصویریں بنی ہوئی ہیں یا مرغول اور عربی عبارتیں منقوش ہیں یہ زیبائش سطح کی آب و تاب اور جلا کو کسیطرح بدنما نہیں کرتی اور مسجد کی بے نظیر خوبی پر اثر نہیں پڑتا جسطرح کہ بیحد ار زنگین لبوں کی سرخی تبسم اتے خوں کی جھلکیں کسی خوبصورت سفید لڑکی کے حسن میں کسیطرح کی توہین کرتے ہیں ۱۸۵۷ء میں اس خدائی خلوتگاہ ( ) کو یورپی پناہ گیروں نے اسپتال کے طور پر استعمال کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہر قسم کے مریض اور زخمی کا سب سے زیادہ وحشت خیز جنون اور کلفت اس پرسکون لطیف اور مقدس امن میں راحت اور آسایش میں تبدیل ہو جائیگا۔ محلات سے معمور قلعہ کے جنوب مشرقی جانب بادلی اور دیگر زمیں دوز کمرے ہیں جہاں شہنشاہ اور بیگمات آرام لیتے تھے جبکہ موسم گرما کی شدت بادشاہ کو معاملات مملکت سے اور بیگمات کو عبادت اور نفیس اشیاء کے لین دین سے تھکا دیتی کہا جاتا ہے کہ صبح کے وقت شاہی جماعت جس کے ہمرہ نوکر سیوون اور باجون کیساتھ موجود رہتے پھول پھلیون ( ) کیطرف چکر لگاتی اس قسم کے بہت سے پھول پھلیاں قلعہ کے اس رخ پر واقع ہیں) بادلی پر جمع کر اس کے اطراف والے کمروں میں مختلف نقشوں پر بیٹھ جاتے اور گرمی کے ادعات کو ایرانی شعراء کے طریقوں پر گزار دیتے تھے!"

تلوار

قدیم اسلحہ اور انکی فن کاری

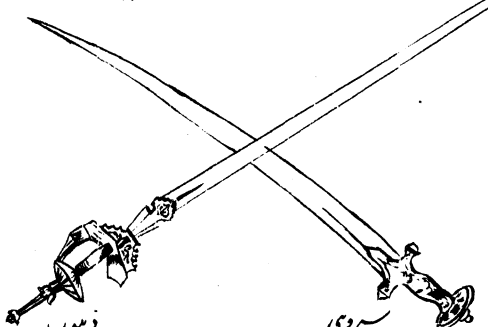
از

کپتان اعجاز علی شہرت

انسان اپنے حریف کے مقابلہ میں دو طرح کے ہتھیار استعمال کرتا ہے نزدیک کی زد کے اور دور کی زد کے دور کی زد کے ہتھیار تیر و کمان۔ توپ۔ گنجمال۔ شتر نال جدالی بندوقیں۔ گنج نال وہ ہماری قسم کی بندوقیں ہیں جو تپائیوں پر چڑھا کے ہاتھوں پر بار کی جاتی تھیں اور شتر نال اونٹوں پر جدالین قلعہ کے دیواروں پر چڑھی رہتی تھیں۔ نزدیک کی زد کے حربوں میں نیزہ۔ سانگ۔ تلوار۔ گرز۔ تبر۔ برچھی۔ دست بدست لڑائیوں میں اور دست و گریبان ہو جانے پر چھوٹے ہتھیار کام میں آتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم تلواروں کا بیان شروع کرتے ہیں۔ جس کے نسبت یہ انیس فرماتے ہیں ؎

شاہوں کی آبرو ہے رئیسوں کی شان ہے
اشراف کا بناؤ سپاہی کی جان ہے

تلواریں وضع ساخت کے اعتبار سے دو قسم کی ہوتی ہیں۔ سیدھی اور خم دار خم دار کی تین شکلیں ہیں۔ پرخم۔ خوش خم۔ راست خم۔ سیدھی تلواریں جو زیادہ لانبی اور خاص قسم میں ہوتی ہیں ان کو دوہو کہتے ہیں۔ اکثر شاہان سلف کے تصویروں میں بجائے عصا کے یہی دوہو ہاتھ میں ہے دکن میں رستم کا زیادہ رواج تھا۔ سیدھی تلوار زیادہ تر ترائی یا ہول کے کام کے ہوتے ہیں۔ کاٹ ذاشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ تلوار ہے بڑی بھر دسہ کی نسالی ہندمیں مثل مشہور ہے "باندھے سیکیلا پھرے کیلا" سیکیلا سیدھی کو کہتے ہیں۔ سیدھی تلوار جو معمولی طول سے چھوٹی ہوتی ہے اس کو گٹکی کہتے ہیں کتنی ہاتھوں میں بہت مقبول تھی۔ مثل ہے بانکے کے چار بانکے ہیں کتنی و تھی۔ کھنڈ۔ خراسانی۔ کبھی بھی تلوار قبضی ہوئی پیچوان کی پکڑی۔ کھنڈ قدیم اونچی ایڑ لوں کے جوتے یہ پرانے سپاہیوں کی وضع تھی تلواریں ساخت میں چار قسم کی ہیں۔ کچ لوہیا۔ کیچری۔ کچایا۔ اور چاپا لوہے سے اصل اور فولاد کی کچ لوہیا کچے لوہے کی ہوتی ہے لوہا اتنا خام ہوتا ہے کہ جھکانے سے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور چھوڑ دینے سے اپنی اصلی حالت پر نہیں آجاتیں رویلے ان کو بہت باندھتے ہیں لڑتے لڑتے ٹیڑی ہو جاتی ہیں تو پاؤں کے نیچے دبا کے سیدھی کر لیتے ہیں اور پھر لڑنے لگتے ہیں۔ کچیری کا لوہا سخت ہوتا ہے تلوار خوش رنگ نہیں ہوتی کاٹ میں اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ لیکن ذرا ٹیڑی پڑی اور ٹوٹی۔ ہندوستان کے قدیم کھانڈے تراوہ کی تلواریں اور پھرے سیلابے کچرے کے ہوتے ہیں سیلابون کے دھے میں جوہر کیلرح یا تو ہلکے ہلکے نقوش ہوتے ہیں یا جال سا نظر آتا ہے اس کو بری کچوڑی کہتے ہیں سرمے جس کو دکن میں صراحی کہتے ہیں۔ خاص راجپوتانہ کی ایجاد ہے۔ کتابی بات تو نہیں ہے۔ زبانی سنی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے فولادی تلواروں کے مقابلے میں راجپوتوں کے کھانڈے بہت کم کاٹتے تھے راجاؤں نے کاری گردن کو سمجھ کر کے ان سے ایسی تلواریں بنانے کی خواہش کی جس کی کاٹ اس کے جواب کی ہو سب نے تلواریں بنا بنا کر پیش کیں



ذوہو پ

سروہی

لیکن کوئی اس طلب کی نکلی کوہ آبو کے نیچے سروہی نام ایک مقام ہے وہاں کے کاری گردن نے جو تلوار بنائی اس نے اتنی بہ کام دیا راجہ نے وہ گاؤں اس کو دیدیا اور تلوار کا نام اوسی گاؤں کے نام پر سروہی پڑ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ سروہی کاٹ میں لاجواب ہے مگر ثابت قدم نہیں سیدھی گری تو خود زرہ کو کھا جاتی ہیں۔ ذرا ٹیڑی پڑی اور ٹوٹی اس تلوار کا جوہر حصہ قبضہ میں رہتا ہے فولاد کا ہوتا ہے اور تقریباً چار یا پانچ انچ پر کچوڑی کا پھل اس میں جوڑا جاتا ہے اس کو مالا کہتے ہیں سروہی اکثر اسی مقام پر سے ٹوٹتی ہے مثل مشہور ہے "یا سر نہیں یا سروہی" یہ سروہی باندھنے والے دو باندھتے ہیں۔ ایک کمر میں اور دوسری فاش زیب میں یہاں کے لوگوں کے زبانی ایک حکایت سنی گئی ہے کہ ایک صاحب سروہی باندھتے ہوئے حضرت غالب شہید رح کے زیارت کو پہاڑوں میں سے جا رہے تھے راہ میں ڈاکوں نے ان کو گھیر لیا یہ مقابلہ کو کھڑے ہو گئے۔ دو چار کو مارا بعض وقت پر سروہی ٹوٹ گئی یہ خوشخبری ہو گئے راتوں میں یہ اکثر نکلتے ہیں اور بآواز بلند پکارتے ہیں "سپاہی نہ باندھے مرا ہی سروہی" قدوقامت کے اعتبار سے سروہی چار قسم کی ہوتی ہے۔

پیاشاہی۔ مانک شاہی۔ تاماٹا۔ گویا۔

گویا کو خانصاحبی بھی کہتے ہیں یہ سب میں اچھی اور خوش وضع ہوتی ہے راجپوت کا قومی ہتیار سروہی ہے اصیل تلوار اصیل تلواروں کی ساخت میں لوہا جھانا جاتا ہے یعنے اوس کی کثافت دور کی جاتی ہے اول تو خود لوہا اپنی ذات کا اچھا ہوتا ہے یہ اس کو گرم کر کے گھن سے مارتے ہیں میل دور ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی جاور بنا کے اوس پر مشعل کی جاتی ہے۔ اور جہاں جہاں لوہا اچھا نظر آتا ہے دہان سے ٹکڑے کاٹ لیے جاتے ہیں اور ان کو جمع کر کے اسی طرح چلایا جاتا ہے اور پھر اس کی جاور میں سے ٹکڑے چن لیے جاتے ہیں اور پھر اوپر نیچے ہی عمل کیا جاتا ہے یہاں تک کہ لوہا نہایت پاک اور عمدہ عمل آتا ہے اس سے جو تلوار بنتی ہے اصیل کہلاتی ہے اور لوہے کی اصلیت اور خوبی کے اعتبار سے کم قیمت اور بیش قیمت ہوا کرتی ہے۔ لوہے کو چھاننے سے ایک قسم کے جوہر سے نمایاں ہو جاتی ہیں جنکو اصطلاح میں خمیر کہتے ہیں۔ یہ خمیر دو تین طرح سے ظاہر ہوتا ہے آڑا خمیر اور کھڑا خمیر تلواروں کے طول میں نیچے سے اوپر ہوتا ہے اور آڑا خمیر عرض میں خمیر کی یکسانیت اور اور کثرت رنگ کی سفیدی لوہے کی عمدگی ہے۔ اصلی تلوار کا لوہا اتنا نرم اور ایسا پاکیزہ ہوتا ہے کہ تلوار دو جانب کستی ہے یعنے جھٹکا تے جاؤ مچھکتے جائیگی اور چھوڑ دو تو اپنی اصلی حالت پر آجائیگی اگر لوہے میں کچھ عیب ہوا تو "رہ جاتی ہے" یعنی خم ہو جاتی ہے جیسے لوہیا کی طرح آسانی سے خم یا ل نہیں نکلتا احتیاط کے ساتھ بل نکالا جاتا ہے دھوپ میں گرم کیجاتی ہے پھر اوپر کپڑا رکھ کے آہستہ آہستہ گھن سے پیٹتے ہیں اصیل میں چار صفتیں ہونی چاہیے (۱) سفید رنگ (۲) عمدہ اور یکساں جنبر (۳) بقول استادون کے آنگ کی نرم (۴) دھار کی سختی یہ چاروں صفتیں لوہے کی عمدگی پر منحصر ہے یہ تلواریں کسی زمانہ میں تولوں کے حساب سے فروخت ہوتی تھیں تلواروں کو وزن کر کے فی تولہ سو۔ سو دو سو روپیہ دے گئے ہیں تلوار نہایت ثابت قدم ہوتی ہے۔ وغا میں دیتی۔ لیکن فولاد کے زدہ پر بکتر کو بہت کم کاٹتی ہے۔ اصل سیدھی بھی ہوتی ہے

(بقیہ صفحہ (۲۲) کالم (۳)

سمندر کی اندرونی دنیا

نیویارک کی پبلک کو ڈاکٹر ولیم بیبی نے اپنے سمندری مشاہدات کو بذریعہ نشر صوت نصف میل سمندر کے اندر سے پیش کر کے مبہوت کر دیا۔ ڈاکٹر موصوف ایک محفوظ کرہ میں بیٹھکر جس میں اس کرہ کے موجد مسٹر اوٹس بارٹن بھی تھے۔ جزیرہ برمودا کے مقام نان سچ کے قریب جہاز فریڈم سے سمندر کے اندر بذریعہ سہارا ڈور اترے۔ یہ کرہ فولاد کا بنایا گیا تھا۔ جو زبردست دباؤ کو سنبھال سکتا تھا۔ اس میں چالیس گیلن آکسیجن سمانے کی گنجایش رکھی گئی تھی۔

دو گھنٹہ کی مسافت!

انھوں نے سمندر کی تہہ میں دو گھنٹے گزارے اور نیویارک کے دائرلیس اسٹیشن نے سب سے پہلے ان کی آواز سنی جبکہ وہ سمندر میں صرف پندرہ سو فیٹ گئے تھے یہاں سے وہ بائیس سو فٹ اندر جانے تک برابر اپنے مشاہدات کو بیان کرتے رہے۔ یہاں انکے بیان کے مطابق اب وہ ایسی دنیا میں تھے جو انسانی دنیا سے بالکل نرالی تھی۔ محفوظ کرہ کے روزن میں سے دیکھکر ڈاکٹر بیبی نے اندر اترتے وقت جو مفصل بیان کیا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"اب بالکل تاریکی ہے ایسی جیسی کہ قبر میں"

"اب دو تین فٹ کے فاصلہ پر چند جگمگاتی مچھلیاں نظر آرہی ہیں ان کو ان کی اپنی چمکیلی روشنی کی بدولت بخوبی دیکھ رہا ہوں اب تو میرے اطراف ان مچھلیوں کی تعداد بڑھتی ہے اور ان کے چمکدار بازوؤں سے روشنی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ راست محفوظ کرہ کی جانب اپنا رخ پھیرے ہیں۔ ان کے رنگ دروپ بالکل نرالے ہیں اور اب یہاں پر روشنی بھی خاصی ہے۔ ان مچھلیوں کے رنگ بھی یہاں ہلکے نیلے کے بجائے گہرے ہیں اور یہ نمایاں بھی نہیں دکھائی دیتے"

"اب ہزار فیٹ کے فاصلے پر پہنچ کر یہاں کیا۔

ہر شے منور ہے ان اندرونی مخلوق کی ذاتی چمک سے تمام ماحول پر نور ہے"

دو سو فٹ کے فاصلہ پر ڈاکٹر موصوف نے محفوظ کرہ کو روک کر اندرونی عجیب و غریب مخلوق اور متحرک شاہکاروں کی جس کو انسانی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا تھا نظارہ کیا۔ "تک نہیں دیکھی"

چھ فٹ کی ہوگی جو اپنے ساتھ ساتھ چمکدار روشنی لیجاتی تھی یہاں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی خاصی درسگاہیں ہیں.....

اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک خاموش تھے ..... نہ معلوم یہ میری نظر کے آگے کیا ہے میں نے اس کے مشابہ کوئی چیز

ان حیرت انگیز چیزوں کی تشخیص جو سمندر کی تہہ میں معلوم کی گئیں ہیں تصویروں کے دھندلے اور مشاہدہ کرنے تک رہنگی۔ انتہائی تہہ میں پہنچنے پر (نصف میل) محفوظ کرہ پر پانچ ٹن کا دباؤ ظاہر ہوا اور اندرونی تپش ۵۰ فٹ تھی اور سمندر میں صرف اترنے کی حد تک۔ چالیس گیلن آکسیجن صرف ہوئی۔ ڈاکٹر بیبی اس سے قبل ۱۹۳۴ء میں نصف میل تک سمندر کی تہہ میں اتر چکے ہیں۔



سمندر میں تاروں بھری رات کا سماں

"اب سمندر بالکل ایک ایسی تاریک شب کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جس کی تاریکی میں تارے نمایاں ہوتے ہوں بڑی بڑی بھی چھوٹی مچھلی جو قریب تک آئی وہ تقریباً

پولیس والوں کو وردی میں سگریٹ پینے کی ممانعت

لندن کی صفائی پولیس کے قانون تنظیم میں یہ چیز داخل ہے کہ پولیس والا جب پہرے پر ہو تو سگریٹ وغیرہ نہ پیئے۔ لیکن خاص شہر لندن کی پولیس کے احکام اس سے زیادہ سخت ہیں اس کے لحاظ سے پولیس والا خواہ پہرہ پر ہو یا نہ ہو جسم پر اگر وردی ہو تو نہ وہ سگریٹ پی سکتا ہے نہ تمباکو چبا سکتا ہے اور نہ وہ کسی عام تفریح مقام کی سیر کر سکتا ہے حتی کہ وہ مٹھائی بھی نہیں کھا سکتا۔

یہ ضبط و تنظیم محض اس لیے ہے کہ حکومت کے وقار کے مدنظر پولیس والوں میں یہ تخیل پیدا کیا جائے کہ وہ حکومت کے نہ صرف ایک نمائندہ بلکہ اس کے نمایندے ہیں جس کا مقصد رعایا کی فلاح ہے ان کا اولین فرض حکومت کے وقار کو قایم رکھنا ہے۔ یہ اس وقت تک مکمل طور پر نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کا ہر جزو اسی تخیل کو اپنا مطمح نظر نہ بنالے۔

جو اک تیر تیرا خطا ہو گیا
مزاج اور رہی صید کا ہو گیا
بہار آئی غنچے کھلے سیکڑوں
الٰہی میرے دل کو کیا ہو گیا
خدا جانے کیا ہیں وجود و عدم
میں پیدا ہوا کہ فنا ہو گیا
سرے راہ بیٹھا ہے روتا ہوا
یہ کیا حال تیرا وفا ہو گیا

(وفا اورنگ آبادی)

انشا

پرمیشر کی تلاش

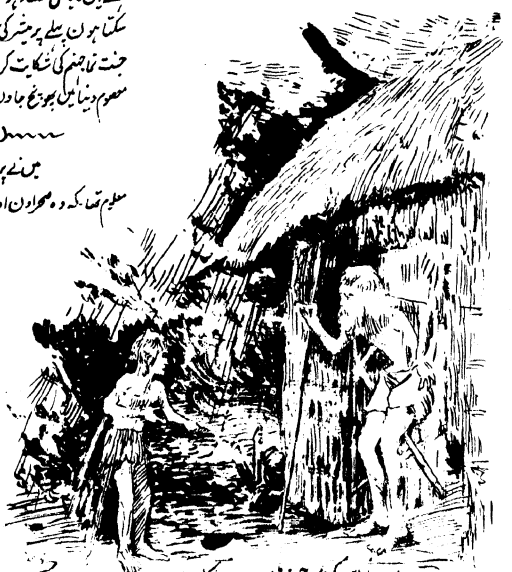
"کیلاش"

دنیا پاپی ہے۔ یہاں کا ہر انسان خود غرض بے وفا۔ ظالم اور حریص ہے۔

یہ تھا میرا اپنا تجربہ اور مشاہدہ جو زندگی کی بہت سی گرم و سرد منزلیں طے کرنے کے بعد میں نے حاصل کیا تھا۔ ابتدائی زمانہ کے حالات مجھے یاد نہیں۔ لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ ماں باپ کی شفقت میں بھی اکثر مجھے ظلم و تعدی کی جھلک نظر آتی۔ بچپن کے کھیلنے والوں پر میں نے کبھی اعتبار نہ کیا ان کو جب موقع ملتا میرے کھلونے چھین لے جاتے۔ میرے کہنے پینے کی چیزوں میں حصہ دار بن جاتے۔ ان حرکتوں سے مجھے کبھی ان سے دلی محبت نہ ہوئی۔ اس زمانہ کے ناخوشگوار واقعات۔ ان پنڈت جی کا واقعہ ہی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ جو مجھے تعلیم دینے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگ۔ داڑھی کی بجائے دودھ کو بے ذائقہ دیکھ کر کبھی سنی مجھے سجھائے جن جن زندگی کے دن گذارتے گئے میں انسانی فطرت کی اصلیت سے واقف ہوتا گیا۔

جوانی میں میرا حلقہ احباب بہت وسیع تھا ظاہر ان میں سے ہر ایک انتہائی صادق دوست تھا۔ میں نے ہر ایک کو خود آزمایا لیکن کوئی محب صادق نہ نکلا۔ ہر ایک پر احسان تھا میں ہر ایک کے بڑے وقت کام آیا تھا۔ صرف مصنوعی آرائش نے ان کی خود غرضی کو عیاں کر دیا۔ غیروں پر مجھے اعتماد تھا۔ انہیں میں اپنا ہمدرد سمجھتا تھا۔ ان سے ہمیشہ اچھا سلوک کرتا۔ لیکن ان کی جری عداوت نے مجھے آوارہ وطن کیا ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں میں پھنسایا۔ میں نے کیا اپنوں سے دکھ ملا۔ غیروں سے شاید مکمل نصیب ہو۔ لیکن وہ اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ ایک تجربہ اور باقی رہا تھا۔ اور وہ عوام کی زبان میں مشرق تھا میں نہیں بتا سکتا کہ زندگی کا یہ پارٹ میں نے صرف تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے ادا کیا۔ یا فطری رجحان کی بنا پر بہر نوع میں نے وہ سب کچھ کیا جو محبت کے دیوانے کو کرنا چاہیے لیکن اس کا جواب مجھے بے وفائی سے ملا اور میں اس نتیجہ پر پہونچ گیا۔ کہ وفا اور محبت کے شیریں الفاظ صرف دل بہلانے کے لیے ہیں۔

ان میں کوئی حقیقت اور صداقت نہیں۔ ان تمام تجربات اور مشاہدات نے مجھے کسی کا انفرادی دشمن نہ بنایا۔ اور نہ میں کسی کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ جہاں دوستی کا وجود نہ ہو وہاں دشمن کا لفظ غیر ہے اس لیے مجھے کسی سے نفرت



میں نے اس کو ایسی جھونپڑی سے دھکا دیا۔

یا عداوت نہ ہوئی بلکہ میں اس نتیجہ پر پہونچ گیا کہ دنیا نے وفا۔ محبت۔ ہمدردی۔ خلوص اور صداقت کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ یہ الفاظ انسان کو دھوکہ دینے والے اور گمراہ کرنے والے ہیں۔ انسانی فطرت اس سے مختلف ہے۔ اس کا خمیر برائیوں سے ہوا ہے اور وہ برائی کرنے پر مجبور ہے۔ اگر کوئی کسی سے ہمدردی بھی کرتا ہے۔ تو صرف اس خیال سے کہ اگر وہ کسی مصیبت میں پھنس جائے تو دوسرے بھی اس سے ہمدردی کریں۔ اگر وہ کسی کو روتا دیکھ کر اظہار افسوس کرتا ہے۔ تو صرف اس ڈر سے کہ کہیں اس کو بھی رونا نہ پڑے اس طرح وہ دوسروں کو مصیبتوں میں پھنسا ہوا دیکھ کر۔ پریشانی کا اظہار مصیبت زدہ کی خامیوں کی بنا پر نہیں بلکہ مصیبتوں کی سبب سے کرتا ہے۔ اس راز کے معلوم ہوتے ہی مجھے انسانیت سے نفرت ہونے لگی مجھے دنیا کی ہر شے بری معلوم ہونے لگی چند دنوں کے بعد میرے سے ناممکن ہو گیا کہ میں اس پاپ کی بستی میں زندگی کا ایک لمحہ بھی بسر کروں۔ میری روح ایک ایسی دنیا ایک ایسی بستی کی جویا ہوئی۔ جہاں۔ چین ہو اطمینان ہو۔ سکون ہو۔ جہاں کے ذرہ ذرہ میں محبت ہو۔ ہمدردی ہو۔ صداقت ہو وفا ہو۔ غرض وہ سبھی طور پر اس جنم سے جسے لوگ دنیا کہتے ہیں۔ بالکل متضاد ہو۔ میں نے کہا اس دنیا میں ہو سکتا ہوں پہلے پرمیشر کی تلاش کروں۔ اس سے اس جنت نما جہنم کی شکایت کروں۔ پھر اس کے ساتھ معصوم دنیا میں ہو سکتا جاؤں۔

(۲)

میں نے پرمیشر کی تلاش شروع کی۔ مجھے معلوم تھا۔ کہ وہ صحراؤں اور جنگلوں میں اکثر مل جاتا ہے میں نے جنگل کی راہ لی۔ اس گنہگار دنیا کا لباس میں نے اتار دیا۔ گیروے کپڑے پہنے۔ لمبی جٹا سر پر باندھ لی۔ اس کے بعد میں ایک گھنے جنگل میں پہونچا۔ وہاں ایک جھونپڑی بنائی اور پرمیشر کی گیان میں مصروف ہو گیا انتہائی غور سے فطرت کا مطالعہ کرتا۔ ایک ایک درخت اور درخت کی ایک ایک پتی کو گھنٹوں دیکھتا۔ دن دن بھر دریاؤں اور چشموں کے کنارے بیٹھتا۔ نصل بہار میں پھولوں کی پرستش کرتا۔ موسم خزاں میں ان کا سوگ مناتا پھاڑوں کے سامنے سجدے کرتا۔ اونچے اونچے درختوں کے سایہ کو جو ہتا۔ جب بادل امنڈ امنڈ کر آتے اور بجلیاں چمکتی۔ تو میں خود آپ سر بسجود ہو جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ پرمیشر اس چیزوں میں ہے اس کی پرستش پرمیشر کی پرستش ہے۔ میں ان کو پوجتا ہوں۔ پرمیشر خوش ہوتا ہوگا۔ میں دن اس چیزوں میں پرمیشر کو ڈھونڈوں گا اور پھر

ساتھ اس معصوم دنیا میں پھر بھیج جاؤں گا جس کا میں جویا ہوں۔ راتوں کو میں کسی صاف چٹان پر لیٹ کر چاند تاروں کی دنیا میں گم ہو جاتا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ دنیا پریمیشوری کے نور سے نورانی ہوئی ہے۔ میں اس دنیا کے تکمل میں ایسا کھو جاتا کہ رات رات بھر چٹانوں پر پڑا رہتا۔ پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے پریمیشر کی دنیا کو چھونے کی کوشش کرتا۔ غرض میں اس دھن میں لگتا تھا۔ کوئی غم نہ تھا۔ کوئی فکر نہ تھی۔ تمام برائیوں اور گناہوں سے دور ہو چکا تھا۔ اب اگر کوئی فکر تھی تو وہ پریمیشر کے تناش تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ ایک دن مل جائیگا۔ اور اس کی دنیا میں۔ میں پھر بھیج جاؤنگا۔

(۳)

نہ جانے زندگی کی کتنی سترلین میں نے دن ہی طے کر دیں۔ اور مجھے اس منحوس دنیا کا خیال بھی نہ آیا۔ جس میں خون خوار درندوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک دن خوب بارش ہوئی۔ آندھی جیسی طوفان آیا۔ میں اسی چھونپڑی میں بیٹھا ہوا اپنے پریمیشر کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ دور سے مجھے ایک انسان دکھائی دیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی اس پاپی نستہ کا نقشہ میری انکھوں کے سامنے پھر گیا۔ میرا ذہن انسانیت کی تمام برائیاں ایک ایک کر کے گنانے لگا۔ مجھے کراہیت ہوئی۔ اور میں نے اٹھ کر اپنی چھونپڑی کا دروازہ بند کر لیا۔ یہ انسان بارش اور آندھی سے بچنے کے لیے اسی طرف آتا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ میں نے پہچان کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس نے طوفان ہوا کی تیزی۔ بارش کی سختی کی شکایت کی۔ میں نے کہا یہ ہوا۔ یہ بارش۔ یہ طوفان اتنا خطرناک نہیں جتنا تو اور تیری نظرت ہے۔ جا میں تجھے ہرگز پناہ نہ دونگا۔ تو اپنے وجود سے اس دنیا کو کیوں گندہ کر رہا ہے۔ اس کے بعد اکثر ایسے اتفاق ہوئے۔ کہ اندھیری راتوں میں کسی نے میرے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ میں سمجھ گیا۔ کہ وہی خطرناک



پرماتما دور سے دیکھ اٹھا

انسان ہے جو رات کی تاریکی سے ڈر کر یہاں پناہ چاہتا ہے لیکن میں خوب جانتا تھا۔ کہ ان راتوں کی تاریکی سے کہیں زیادہ تاریک خود اس کے گناہ میں۔ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ گھنٹوں انہوں نے دروازہ کھولنے کے لیے خوشامدیں کیں مگر میں ایسی جھوٹی خوشامدیں۔ ایسی پر فریب التجائیں دنیا میں بہت سن چکا تھا۔ ان کی اصلیت سے میں خوب واقف تھا۔ میں نے حقارت سے ان کو ٹھکرا دیا۔ ایک رات میں ندی کے کنارے سے واپس آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک لڑکا ملا۔ اس نے کہا وہ چرواہے کا لڑکا ہے روزانہ اس جنگل میں بکریاں چرانے آتا ہے۔ اور مجھے خوب پہچانتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ خود غرض انسان کا خود غرض لڑکا کسی مدد کا طالب ہے۔ مجھے افلاطون سے دھوکا دیتا ہے۔ میں نے کوئی توجہ نہ کی۔ اور جھونپڑی کی راہ لی۔ لیکن وہ میرے پیچھے ہو گیا۔ اور میں جھونپڑی کے پاس جب پہونچا۔ تو یہ بھی آ پہونچا۔ کہنے لگا۔ اندھیری رات کی وجہ سے گھر کا راستہ بھول گیا ہوں۔ وہ رو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ بھی اسی انسان کا لڑکا ہے۔ جس کے ہر افسوں کا قلعہ دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے گڑا ہے۔ میرا دل جھوٹے موتیوں کو خوب پہچانتا تھا۔ دنیا میں بارہا ان کو سچے سمجھ کر دھوکا کھا چکا تھا۔ اس لیے میں نے اس لڑکے کو دھتکار دیا۔ لیکن وہ اپنے حکم سے نہ ہلا۔ میں ہاتھ پکڑ کر اپنی چھونپڑی سے دور اسے چھوڑ دیا۔ تاکہ مصنوعی رونے کی آواز میرے کانوں تک نہ آئے۔ نہ جانے ایسے کتنے واقعات پیش آئے۔ اون کو یاد رکھنے کی میں نے کبھی کوشش نہ کی۔ کیونکہ ان کی اہمیت میری نظروں میں کچھ نہ تھی۔

(۴)

میرا شوق دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اور میں انتہائی بیقراری سے پریمیشر کا انتظار کر رہا تھا۔ اس اثنا میں میری انکھوں کی روشنی بھی کم ہو چکی تھی۔ میری جسمانی طاقت میں بھی کمی ہو گئی تھی۔ لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہ تھی مجھے امید تھی کہ پریمیشر کے نور سے میری انکھیں پھر روشن ہو جائینگی۔ میری کھوئی ہوئی طاقت مجھے پھر مل جائیگی۔ اور وہ اپنے ساتھ مجھے اس دنیا میں لے جائیگا جس کا میں جویا ہوں۔ اسی امید پر میں جی رہا تھا۔ ایک رات طوفان آیا۔ میں زندگی میں بہت طوفان دیکھ چکا تھا۔ لیکن ایسا خطرناک طوفان میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ بارش شروع ہوئی۔ بڑے بڑے درختوں نے اکھڑ اکھڑ کر گرنا شروع کیا۔ بھادوں سے پتھر لڑھکنے لگے۔ دریا میں طغیانی آئی۔ چاروں طرف

(بقیہ صفحہ ۲۲) کالم (۱)

خوانِ یغما

از

(مسٹر برگشتہ)

غزل ٹکس

یوں تو ہم کو عام طور سے غزل بازوں کے متعلق کوئی اچھا خیال نہیں رہا اور رہیگا بھی کیونکہ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاعری کی صرف ایک یا مال روش کے سوائے شعرا کو کوئی چیز سوجھتی ہی نہیں لیکن ہمارے دماغ میں "غزل گو" حضرات کے لیے ایک مکمل اسلحہ کا فرض اس وقت تیار ہوگئی جب ہم کو ایک دوست کی شادی میں دو تہ مہمل اشعار کو بالجبر سننا پڑا۔ پہلی مرتبہ بیضہ عورت کا خلاصہ تھی تو دوسری بار عورت کا "قاموس" دونوں بار ہم نے ایسے غزلوں کی سماعت سے اپنے دماغ کو منتشر الفاظ کا انبار خانہ بنالیا جن کو ہر روز شرکوں پر سنتے سنتے گھن آگئی ہے۔ اس پر لطف یہ کہ ہمارے ایک کرم دوست جا چکے تھے دھوپ چھاؤں بنے ہوئے تھے وہ ایسے پر کیف منزل میں تھے کہ ان کے پاس ہر شعر حیرت انگیز تھا لیکن ہم

ع بیچارے نکتہ بادِ بہاری راہ لگ اپنی

کا مجسمہ۔ اسی وقت ہم نے عہد کر لیا تھا کہ ابھی بار اخبار میں ہم ایک تجویز پیش کریں گے جو یقیناً سمجھدار کی آواز کی طرح پر اثر ہو کر رہیگی کہ آئندہ سے جتنے غزل گو شعراء ہیں ان پر کم از کم فی غزل اتنا ہی ٹکس ہماری صفائی لگائے جتنا غریب سیگلوں پر لگایا جاتا ہے کیونکہ سیگلیں اس قدر سمع خراشی نہیں کرتیں جتنا غزل گو ہر خوشی کی محفل میں کرتے ہیں۔

ہندی کی چندی

ٹائمز آف انڈیا نے اپنے صفحۂ اداریات میں ریاست حیدرآباد کی مجلس علمی کے علمی کارنامے پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ ایک موٹی تازی کتاب ہے جس میں اس مجلس نے بڑے دعوے "ہندوستانی قومی" زبان کو رائج کرنے کے لیے اصطلاحات وضع کیے ہیں۔ اس تبصرہ میں بعض باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ مجلس علمی نے "ہندوستانی قومی" زبان کو رواج دینے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے لیے ایسی زبان پیش کی ہے جو ہیٹ ہندی ہے۔ کیا ہندوستان کی قومی زبان ہیٹ ہندی ہے؟ مجلس علمی نے تمام غیر زبان کے الفاظ کا کال کر خالص قومی زبان کے الفاظ اس کی بجائے رکھ دیئے ہیں جو دراصل قدیم سانسکرت زبان کے خستہ الفاظ ہیں جن کو خود ہندی جاننے والے نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خالص قومی زبان کے یہی الفاظ ہیں؟ فارسی یا اردو کے ایسے لفظ جو ہندی، بنگالی، گجراتی یا مرہٹی کے جزو زبان بن گئے ہیں انکو بھی اس مجلس نے درد کی کہی کی طرح الگ کر دیا ہے کیا قومی زبان رائج کرنے کے دعویداروں کی یہی ذہنیت ہونی چاہیے؟ ان چیزوں کے بیان کرنے کے بعد ٹائمز کے نقاد نے تاریخ کا ایک واقعہ پیش کیا ہے کہ سیواجی نے بھی اپنے زمانے میں مرہٹی کو خالص بنانے کی ایک کوشش اسی طرح کی تھی اور تمام فارسی اور عربی الفاظ نکالدیئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مرنے کے چند سال بعد ہی ایک کی جگہ دس الفاظ بغیر کاوٹ کے گھس آئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر بڑودہ کی اس قومی سعی کا وہی حشر ہو جو سیواجی کی کوشش کا ہوا تو یقیناً وہ ہندوستان میں نا آشنا ایک قومی زبان کے بالواسطہ موجد ہونگے ورنہ ایسی "تنگ دلی" کی ادبی کوشش بقول ٹائمز سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتی کہ "مہنگائی" کے چودہ مطالبات میں ایک اور نقطہ اس کے طلب میں بڑھ جائے گا۔ کیا موجودہ ہندوستان کے یہاں کچھ کم اختلافات ہیں جو بڑودہ کے علماء اس میں اپنی قومی خدمت کے ذریعہ اضافے کے درپے ہیں؟

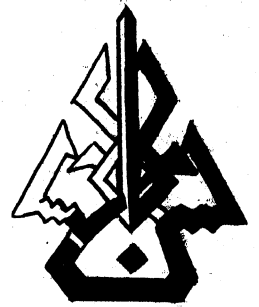
نیک ایلہ

اپریل کمپنی کا یہ بولتا فلم موتی محل اگر واقعی کوئی ایلہ پن ہے تو اس کا نام۔ یہ ڈرامہ آغا حشر نے امریکی ڈرامہ "سلور کنگ" سے ماخوذ کیا ہے اس کو اپریل کمپنی کے تصویری تمثیل نگار نے "ہر نتو" اور "پدھارو" کے الفاظ کے ذریعہ اپنا بنالیا ہے۔ اصل ڈرامہ میں بھی بہت تبدیلیاں کی ہیں جن میں سے بعض تو سینما کی ضروریات کی وجہ سے ہیں اور بعض تو حسن کارانہ اضافہ ہیں۔ شخصوں کے نام بدل گئے ہیں، بعض شخصیتیں نئے بھی ہیں۔ مثلاً سا ہوکار کا اس کا لڑکا جو جنوبی آفریقہ کے کاروبار کے لیے جاکر ہیرو کیا ہوا تھا ایک حادثہ کا شکار ہوتا ہے۔ یہ ڈرامہ اردو بولتے فلم کے اچھے ڈراموں میں سے ہے۔ اب تک دو فلم حیدرآباد میں اچھے دکھائے گئے "جلتی چٹان" اور "ہمراہ" یہ تیسرا ہے اس کے جملہ اداکاروں نے نہایت سلیقہ سے اپنا کام کیا ہے۔ ہیرو کا کام بعض مقامات پر بہت اچھا رہا۔ البتہ ہیروئن بعض لطیف جذبات کے اظہار میں اس قدر کامیاب نہ رہ سکی جس قدر توقع کی جا رہی تھی بیدا حمد حیدرآبادی نے شروع سے آخر تک بہت عمدگی سے اپنے کیرکٹر کو پیش کیا۔ اس اداکار نے ناٹک کی تمام لعنتوں سے الگ ہو کر اپنا کام کیا۔ یہ بات اس لیے حیرت انگیز ہے کہ اس کی عمر تمام ناٹک میں بسر ہوئی ہے۔ "غلام محمد" کی اداکاری میں ابھی تیسرے درجہ کی گونج پائی جاتی ہے۔ بوڑھا تو کبھی اچھا رہا۔ چھوٹی لڑکی کا کام جس بچی سے لیا گیا۔ شاید اس میں اداکاری کے وہ فطری جراثیم نہیں ہیں جو گملا دیوی کے لڑکے میں موجود ہیں۔ فوٹوگرافی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ آواز، گو مدن کی طرح صاف نہیں ہے۔ لیکن امپریل کے دوسرے کھیلوں سے بہت اعلیٰ ہے۔ مدن پر اس کو ایک حیثیت سے فوقیت حاصل ہے کہ امپریل بڑون مکان مناظر کی آوازیں بھی نہایت کامیاب رہا جس کا وجود مدن کے پاس نہیں ہے دوسرے اس کے سٹنگ میں اسٹیج سے بہت کم فائدہ اٹھایا گیا۔ قید خانہ کی سٹنگ بہت اچھی تھی۔ "مسٹر ہادی" کا کیا کہنا وہ تو شیطان کے بھی باپ ہیں۔ انکے گانوں نے اس فلم کو موسیقی سے الامال کر دیا۔

ہادی کی جے

"معین الدولہ کرکٹ ٹورنمنٹ"

میں ہم نے حیدرآباد کی منتخب ٹیم کو کھیلتے دیکھا، ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہی کہ اب خدا کے فضل سے ہمارا ملک کھیل کے میدان میں بجائے "چوتھی" کے "اک قومی" بن کر آیا ہے، کاش ہر معاملہ میں ہم اسی طرح یک رنگ نظر آتے۔ ہادی کا کھیل دیکھکر ہم بہت خوش ہوئے۔ کرکٹ کے کرتب کو وہی جانیں جو اس فن شریف کے ماہر ہیں، ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک قومی دل کی مختصر سی ہستی میدان میں متحرک ہے اور اپنے ہاتھ میں "ٹیس رکٹ" ہاکی اسٹک" اور "کرکٹ بیاٹ" رکھتی ہے اور ہر چیز کو اپنے موقع سے استعمال کر رہی ہے۔ پیر اسی انداز سے دوڑنے کام آرہے ہیں جس انداز میں ایک فٹ بال کھلاڑی گول کے قریب کھلاڑی غرض اس ایک کھلاڑی میں تمام مغربی میدانی کھیل موجود تھے، کیوں نہ جب ہی تو اس نے اتنے وکٹ بنائے کہ اب ہوس باقی نہ رہی۔



جلد (۱)	یکم بہمن ۱۳۴۲ف م ۲ڈسمبر ۱۹۳۲ء	نمبر (۳)

حیدرآبادی صحافت کا بے بدل نقصان

پنڈت کشن راؤ آنجہانی کی وفات

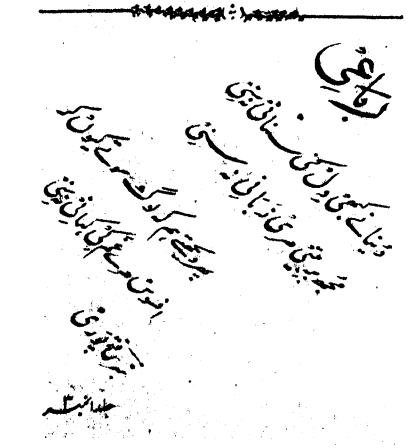
خوش نصیب ہے وہ ہستی جس کی زندگی خدمت وطن میں صرف ہوئی ہو اور قابل رشک ہے وہ موت جس کا مرنا وطن کے لئے سانحہ ہو۔ مسٹر کشن راؤ آنجہانی ایک پست قامت بلند حوصلہ بزرگ تھے جن کا وجود اپنی گوناگون خوبیوں کی وجہ سے نونہال خدمت گزاران وطن کے لئے ایک ڈھارس تھی۔ مشیر دکن کے بانی کی وفات سے جو نقصان حیدرآباد کی صحافت کو پہونچا۔ اس کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو حیدرآباد میں رہکر صحافتی دقتوں سے سابقہ پڑا ہو۔ یہہ دیکھکر کہ آج سے پچاس سال پہلے کی پُرجمود فضا میں ایک کامیاب اخبار نویس موجود تھا۔ اور اس تمام دور اس میں مسلسل حوادث زمانہ سے مقابلہ کرتے ہوئے اب تک اپنے سعی حیات کو جاری رکھ چکا ہے حیدرآباد کی صحافت کا ہر فرد آنجہانی کو اپنے لئے بہترین عملی مثال سمجھتا رہا ہے۔ مسٹر کشن راؤ نے حیدرآباد میں صحافتی خدمت جو حقیقی معنوں میں خدمت وطن ہے۔ اس وقت شروع کی تھی جب کہ اس مثلیہ راج دہانی میں عام طور "اخبار" ایک اجنبی لفظ تھا۔ اس نصف صدی میں اخبار مشیر دکن نے گراں بہا خدمات، وطن کو بیدار کرنے اور اس کو سیاسی زندگی سے واقف کرنے کی صورت میں پیش کیں۔

مشیر دکن حقیقت میں ملک کی اس وجاہت کی یادگار ہے۔ جب کہ وطن کی خدمت میں اعتقادی اختلاف کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ قدیم حیدرآباد جو ہندو مسلم یک رنگی اور مثلیہ تہذیب کا جو صحیح معنوں میں ہندو مسلم تہذیب تھی آئینہ تھا۔ مشیر دکن اسی تہذیب کا نمایندہ رہا ہے اور اس خاکسار داں اور کارگزار جوان ہمت بزرگ مدیر اسی تہذیب کا نمونہ پیہم ایسی خصوصیت ہے جس کو موجودہ خودکام سیاسی فضا میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔

مسٹر کشن راؤ آنجہانی اس جہاں سے رخصت ہوگئے لیکن اُن کا عملی کارنامہ اب تک موجود ہے۔ وہ لوگ مرنے سے فنا نہیں ہوتے جن کا عمل زندہ رہتا ہے۔ ملک کی خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے کارگزار اور تجربہ کار افراد کے عمل کو زندہ اور پائندہ اپنی آغوش سے بنا رہے اور جو خوبیاں اس عملی طور پر اس ہستی نے اپنے بعد چھوڑی ہیں اُن کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کرے۔

مشیر دکن حیدرآباد کا اس وقت قدیم ترین صحیفہ ہے اور وضعداری کے لحاظ سے وہ باوجود مغرب زدہ ملکوں مزاجی کی فضا کے متاثر نہ ہوسکا۔ ہمیں امید ہے کہ آنجہانی کے جانشین اس اخبار کی وضعداری کو برقرار رکھیں گے اور زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے اس کو اپنے بانی کے نقش قدم کے ساتھ ساتھ اصلاح ترقی دیں گے کہ اس کی افادیت بھی اس کی قدامت کیطرح اُجاگر ہوجائے۔

آخر میں ہم اپنے اس گہرے رنج کا اظہار کریں گے جو ہر محب وطن کو اپنے اہل وطن بزرگ اور باعمل ہستی کی وفات پر ہونا قدرتی ہے۔ اور دعا کریں گے کہ ہر اہل وطن کے عمل میں ایسی خوبی پیدا ہو کہ اس کی موت کے بعد ملک ایک اچھے آدمی کی کمی محسوس کرے۔





امیر الامرا نواب معین الدولہ بہادر باقی آل انڈیا
گولڈ کپ ٹورنمنٹ۔



نواب سرحیدر نواز جنگ ہم درجہ جنہوں نے مملکت حیدرآباد
پر رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک عالمانہ مضمون سنایا ہم
جسکا ترجمہ رسالہ میں شائع ہوا ہے۔



مسٹر سید محمد ہادی۔ بی اے آکسن معتمد آل انڈیا
معین الدولہ گولڈ کپ ٹورنمنٹ جنہوں نے سال حال فری لانس
(اے) کے مقابلہ میں سٹ کلف کا رکارڈ توڑ کر بغیر آوٹ
ہوئے ۲۳۳ دوڑیں بنائیں۔

صدر کلیہ کی واپسی

مولوی عبدالرحمن خان صاحب صدر کلیہ اپنی جگہ پر دوبارہ واپسی نے حیدرآباد کے علمی حلقوں میں ایک مسرت کی لہر دوڑادی ابسیہاں پر کی ان وجوہات کی گنجایش نہیں جن کی بنا پر کچھ دن کے لیے ایک قابل ہستی کو اپنی حقیقی خدمت سے علیحدہ رہنا پڑا۔ مولوی عبدالرحمن خان صاحب کلیہ جامعہ عثمانیہ کے صدر کی حیثیت سے تمام ملک میں شہرت رکھتے ہیں طلبہ میں اپ کی پدرانہ نواز شوں کی وجہ سے اپ مقبول ہیں اور سالہا سال کی گراں بہا خدمات نے اپ کو بہ حیثیت محب وطن اور کارگزار عہدیدار مقتدر بنادیا ہے اور صدر کلیہ کی جگہ اپ کا وجود ناگزیر ہوگیا ہے ہم صدر کلیہ کی واپسی پر کلیہ جامعہ عثمانیہ کو مبارک باد دیتے ہیں اور اپنے آقا شہریار دکن کے سیاس گزار ہیں کہ انھوں نے ملک کے سب سے بڑے اور اہم علمی ادارے پر اہل ملک کے ایک تجربہ کار اور کاردان فرد کو برقرار رکھکر رعایا پر وری فرمائی۔

خانگی مدارس اور حیدرآباد

ہماری تعلیمی زندگی کا سب میں تاریک پہلو خانگی مدارس ہیں۔ بیدار ملک میں تعلیم بہت بڑی حد تک خانگی اداروں ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اس کے برخلاف ہمارے ملک میں تعلیم جس تقریبی کام کا سہرا خانگی مداوس کے سر ہے تمام ملک میں شاید گنتی کے ایسے مدرسے ملینگے جن پر مدرسہ کا اخلاق ہو سکتا ہے۔ باقی اکثر تو ایسے ہیں جو اسکے بانی مدرسہ کی جاگیر بنے ہوئے ہیں۔ اگر اہل ملک ان میں قومی خصوصیت پیدا بھی کرنی چاہتے ہیں تو ذاتی اغراض بیچ میں حائل ہوکر اس کو آگے بڑھنے نہیں دیتے مثال کے طور پر ملک پیٹ کے بلند و بالا مدرسہ ہی کو لیجیے ایک زمانے کے جہود و مزاج کے بعد اخبارون کی چیخ پکار کے باعث وہان کے خدایان تعلیم اس کو قومی بنانے پر آمادہ ہوئے تھے لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ امادگی دراصل وقت طلبی اور گریز کی چال تھی چنانچہ اس مدرسہ کی ایک خود ساختہ کمیٹی نے ایک مطبوعہ رسالہ شایع کیا ہے جس میں معتمد صاحب کے تعاید نشر میں بیان کیے ہیں جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں کہ اس میں قومی خصوصیات پیدا کرنے کا جو عہد پبلک کے سامنے معتمد صاحب نے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کا بہانہ پیدا ہو اس سلسلہ میں ایک کارگزار مدرسہ کا ذکر ناگزیر ہے از انصاف ہوگا انوار العلوم ناپسلی ایک مدت سے جمہوری اصول پر چل رہا ہے اب تک اس مدرسہ کی روش ایسی رہی ہے جسکے ہم اطمینان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ چلو ملک میں ایک اور مثال ایسی بھی ہے جہان خانگی مدرسہ بانی یا معتمد کی جاگیر نہیں۔

الہ آباد کارضی نامہ

ملک کے باحساس لیڈروں نے پھر ایک بار الہ آباد میں کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے تمام فرقے آپس میں تصفیہ کرکے متحد ہو جائیں اور اس طرح ایک آواز ہوکر اپنا سیاسی مطالبہ پیش کریں بڑی جد و جہد اور کوشش کے بعد جس میں امید و بیم کے سخت گھڑیاں گزرمیں یہ کانفرنس اپنے بحثوں میں کامیاب رہی۔ اس کوشش میں پنڈت مالویہ جی اور مولانا شوکت علی قابل ستایش ہیں انھوں نے ایک ناممکن کام کو اپنی سچی محبت اور محنت کے ذریعہ پورا کرکے دکھایا۔ لیکن ہندوستان کی قسمت میں اتحاد کب ہے؟ ادھر ایک قدم اتحاد کی طرف تمام فرقے بڑھنے بھی نہ پائے تھے کہ ادھر کئی قدم پیچھے ہٹنے کی تیاری شروع ہوگئی۔ چنانچہ ادھر الہ آباد کانفرنس نے اپنی کامیابی کا اعلان کیا کہ ادھر ہندوستان کی قسمتوں کے مالک لندن میں برطانوی قدامت پرست جماعت نے شور مچانا شروع کیا کہ جو کچھ الہ آباد میں ہوا ہے اس کو تمام ملک کی آواز نہیں سمجھ سکتے اس اجتماع تو کیل کے درجہ پر پہنچانے کے لیے دہلی کے خطاب یافتہ یوان میں آواز بازگشت کی صدا آئی اور وہان کے سرفراز مسلمانون نے الہ آباد کانفرنس کو ناقابل قبول قرار دیا۔

(باقی صفحہ آخری)

آبشار

از بدر شکیب

بزم ہستی میں میری زیست سراپا سیماب — قوتین برق کی رگ رگ میں ہیں میری بیتاب
سازِ عشرت ہی ہوں اور غم کا ہوں مضراب — دیکھنے والے پہ موقوف ہے میرا رتبہ و تاب
اشک کی طرح رواں سلسلہ گوہر ہوں
اپنے سینہ میں دبائے ہوئے اک محشر ہوں

سوئے پستی جو بلندی سے گزرتے ہے میرا — ایک بجلی ہے کہ سیال جگر ہے میرا
شفق صبح کی رنگینی میں گھر ہے میرا — نالۂ دل بھی عجب زود اثر ہے میرا
چیر کر کوہ کے دل کو میں نکل آیا ہوں
کوئی فرہاد ہوں پتھر کا جگر لایا ہوں

میری اُفتادگی ہے باعث تسکین جہاں — شورشوں میں ہے میری ایک ترنم پنہاں
ہر ادا سے میری رنگینیٔ فطرت ہے عیاں — جوش ہوں کوئی سراپا کہ ہوں نطق نیروں
حق کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہوں میں
ہے زبوں حال پہ آنکھوں میں سماتا ہوں نہیں

S.A.S.

تنقید تبصرہ

غالب

مصنفہ ڈاکٹر سید عبداللطیف پروفیسر انگریزی جامعہ عثمانیہ۔ مترجمہ سید حسین الدین صاحب قریشی ایم۔ اے (عثمانیہ) قیمت عہدہ ملنے کا پتہ مکان ڈاکٹر سید عبداللطیف کوچہ چراغ محلہ حیدر آباد (دکن)

جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر انگریزی جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) کی شخصیت روشناس کرنے سے بالا ہے۔ آپ کی انگریزی نگارش مانی ہوئی ہے اور تمام ہندوستان میں اپنی ابتدائی صحافتی خدمت کی وجہ آپ ایک درجہ رہین یورپ سے واپسی کے بعد آپنے اپنی مادری زبان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے اس سلسلہ کی سب میں پہلی کتاب "غالب" کے نام سے انگریزی میں شائع ہوئی پہلے اس کتاب کے چند ابواب "مجلہ عثمانیہ" اور "ہندوستان ریویو" وغیرہ میں شائع ہوئے اور چوطرف سے اعتراضات اور اتہامات کی باتیں شروع ہوگئی۔ غالب حالی اور عبدالرحمن بجنوری کی طرح عقیدت کیش اور مبالغہ نویس بزرگوں کی وجہ سے موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ کے دماغ میں ایک خلاف بوس دو ابوالہول" بنا ہوا ہے۔ جس کی عظمتی اس کی شوکت کو مسلم بنا کر اس کو سمجھ اور عقل سے بالاتر بنا چکی ہے ایسی شخصیت کے متعلق ایک غلط بھی تمام خیالات کے خلاف لکھنا بڑی جرات اور ادبی خلوص کا کام ہے۔ لوگ غالب کے کہے ہوئے کو آسمانی وحی سمجھنے لگے تھے اس غلط ذہنیت کو دور کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے یہ کوشش کی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ غالب غدر کے زمانے کا شاعر ہے اس نے اردو میں شعر کی صرف ایک صنف یعنے غزل ہی کی خدمت کی ابھی اردو شاعر کو بہت کچھ کرنا باقی ہے اور اس کے پاس فردوسی اور چوسر کی طرح بڑے بڑے تخلیقی کی گنجایش باقی ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنے دیباچہ میں ان اعتراضات کا ذکر کیا ہے جو ان پر ہوئے ہیں اور ان کی صفائی بھی پیش کی ہے مدت سے اہل ذوق کا تقاضہ تھا کہ اس کا ترجمہ اردو میں ہو اب ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو مولوی سید معین الدین صاحب قریشی ایم۔ اے (عثمانیہ) سابق مدیر مجلہ عثمانیہ کے ذریعہ پورا کیا جناب قریشی اردو میں ایک خاص اسلوب کے مالک ہیں اور یہ انہی کا کام تھا کہ وہ اس کتاب کو موجودہ "حسین پیکر" بنائیں۔ ترجمہ کی داد اہل ذوق ہی دے سکتے ہیں یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کتاب نے غالب کے ساتھ بعض مقامات پر ناانصافی کی تو اس سے کوئی صاحب سمجھ انکار نہیں کرسکتا کہ اس کتاب نے ایک بڑی خدمت یہ کی ہے کہ اس نے اردو نقادوں کو تحریر میں احتیاط اور اصول تنقید کی پابندی کی طرف مایل کردیا صرف یہ خوبی کیا کم ہے اردو ترجمہ اپنی ادبی خوبیوں اور معنوی خصوصیات کی وجہ سے اس قابل ہے کہ ہر صاحب ذوق کے کتب خانہ کی زینت بنے۔

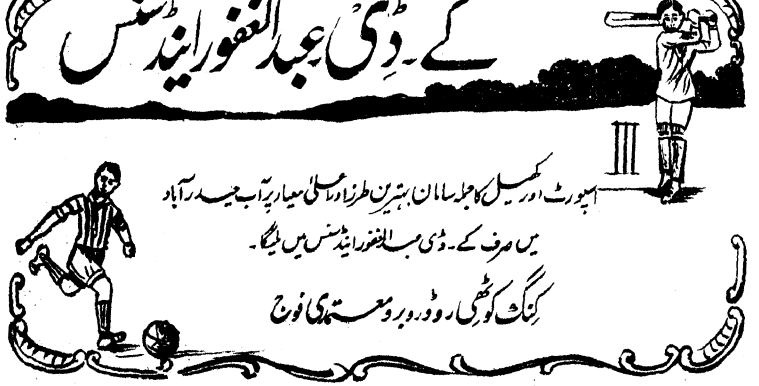
نظام علیخان حصہ اول مولفہ محمد سراج الدین صاحب طالب قیمت عہدہ ملنے کا پتہ سید جلال الدین تاجر کتب چتہ بازار حیدر آباد دکن۔

اس زمانے میں ایسے نوجوان بہت کم ملتے ہیں جو دفتروں کی مشغولیوں میں دب جانے کے بعد اپنی علمی شغف کو جاری رکھیں مولوی سراج الدین صاحب طالب قابل صد افرین ہیں کہ افغوں نے دفتری زندگی میں بس جانے کے باوجود اپنے شوق علم کو زندہ رکھا چنانچہ انھوں نے اس کا عملی ثبوت اپنی سلسلہ وار تاریخی پیدا وار میں دیا ہے نظام علی خان خاندان آصفی کے دوسرے تاجدار کی سوانح حیات ہے اس کو مصنف نے تفصیل کے ساتھ لکھنے کی کوشش کی ہے جس کا پہلا حصہ شایع ہوا ہے کتاب بہ حیثیت مجموعی اچھی ہے بعض بہت سا تاریخی مواد یکجا کیا گیا ہے کتاب کی چھپائی نہایت عمدہ ہے اور علاوہ مولفہ اور اعلیحضرت کی متعدد تصاویر کے چار اور تصویروں سے زینت ہے

میر عالم اس کے بعد دو اور کتابیں مولوی سراج الدین صاحب طالب ہی کی مولفہ ہیں اور نذکورہ صدر بتہ سے مل سکتی ہیں۔ میر عالم میں طالب صاحب آصفی دور کے ایک شہسوار وزیر اعظم کی سوانح زندگی پیش کی ہے۔

سوانح نگاری اس زمانہ میں ایک خاص فن بن گیا ہے اور بعض جماعتوں میں اسکو الگ مضمون کی حیثیت دی گئی ہے ایک کامیاب سوانح نویس کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل امر سمجھا جاتا ہے طالب صاحب نے میر عالم کی شخصیت کو نمایاں کرتے ہوئے بعض نازک مقامات پر اپنے حد درج کو بچانے کی پوری کوشش کی ہے دکن کے مشاہیر کے متعلق اس کی تاریخ کی طرح ست کم مواد ہے اس قسم کی کوشش ہر حیثیت سے قابل بہت افزائی ہے املائی نہایت عمدہ اس میں بارہ تصاویر ہیں اور ایک نقشہ ہے قیمت تین روپیہ

شیر جنگ یہ کتاب تاریخی لحاظ سے میر عالم کے پہلے آتی ہے یہ بھی دکن کے ایک دیوان کی سوانح ہے اور آصف جاہ اول کے زمانے میں گذرے ہیں شیر جنگ نواب سالار جنگ بہادر کے جد اعلے ہیں (بقیہ برصفحہ ۲۶)



مشربِ عریانی

مغربی تہذیب کے کرشمے

— از ناظر عالم —

"مشربِ عریانی یورپ میں ان دنوں عام ہو رہا ہے۔ اس کے متعلق اخبارات میں اکثر مضامین آتے رہتے ہیں، بعض مضامین خود ہمارے معزز ہمعصر اخبار اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں جن میں سے بعض تو سیاح کی داستانیں ہیں، اور بعض سیر و تفریح کے لیے لکھے گئے ہیں۔ یہ مضمون ایک ایسے مضمون نگار کے قلم سے ہے جو اسکی تاریخ کے ساتھ ساتھ اُن عقائد سے بھی واقف ہے جن کو اس تحریک کے ماننے والے اپنی دلیل راہ بنائے ہوئے ہیں۔ مترجم صاحب کے ہم ممنون و شکر گزار ہیں کہ مغربی تہذیب کے اس گرشمے کو سلیس زبان میں اردو کا جامہ پہنایا ہے۔" (ایڈیٹر)

لیڈی ڈرائمنڈ نے لندن کے رسالہ "اسپیکٹیٹر" میں قطراز ہے کہ عریانی کے حامیوں کی تحریک دنیا میں سرعت کیساتھ پھیل رہی ہے۔ اس تحریک کی ابتدا جرمنی میں ۱۹۰۰ء سے پہلے ہوئی اور اُس وقت حامیانِ تحریک کیساتھ حکومت نے بہت سختی سے تعرض کیا، مگر اب جرمنی میں ہر دو صنف کے برہنہ اشخاص کی تعداد ساٹھ ہزار سے تجاوز کر گئی ہے برہنہ لوگ بلا کسی حجاب کے دریا میں غسل کرتے ہیں۔ ورزش کے دوران میں اُن کے جسم پر لباس کا ایک تار بھی نہیں ہوتا اور وہ معاشرتی جلسوں کے موقعوں پر آدم و حوا کے لباس میں نظر آتے ہیں۔ فرانس، انگلستان، سوئٹزرلینڈ، آسٹریلیا، پولستان، روس اور اسکنڈینیوین ممالک میں بھی برہنگی کا رواج روز افزوں ہے۔

ہندوستان کے قدیم مندروں میں مجسمے تراشے گئے ہیں، اُن کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقوام لباس کی ضرورت محسوس کیے بغیر تہذیب کے مشکل مرحلے طے کر سکتے ہیں۔ ان مجسموں میں دو عورتیں شامل ہیں جو مہاتما بدھ کے مواعظ سنا کرتی تھیں۔ مہاتما بدھ کی ماں اور اس کی بیوی کا آدھا تن برہنہ رہنا ثابت ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلامی

فتوح سے پہلے عریانی ناشائستگی کی علامت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اُس زمانے کے لوگوں کے نزدیک عریانی فلاں حیا تھی۔ آج بھی بہت سے بزرگان اہل ہنود پیدائشی لباس میں رہتے ہیں، اور برہنگی ولی ہونیکی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ ہر سال کے بعد الہ آباد میں دنیا کا سب سے بڑا مہی اگھ کا تہوار منایا جاتا ہے، اس میں ۳ لاکھ سے زیادہ پجاری تمام اکناف ہند خصوصاً ہمالیہ کے دامن سے آیا کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کے جسم پر لنگوٹی تک نہیں ہوتی، لیکن اُن کی بڑی عزت کیجاتی ہے جس زمین پر قدم رکھتے ہیں وہاں کی مٹی تک متبرک سمجھی جاتی ہے جسے وہ بنظر تقدس اٹھا کر اپنی پیشانی پر ملتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہندوؤں میں بعض فرقے ایسے ہیں جن کے نزدیک مندروں میں قدم رکھنے سے پہلے اور کھانا کھانے وقت برہنہ ہو جانا واجب ہے۔ نیز بعض مذہب کے دیوتا ہمیشہ برہنہ متبلائے جاتے ہیں۔

دُوبر نامی روسی فرقے کے حالات کا انکشاف پہلی مرتبہ ۱۸ صدی میں ہوا، اس فرقے کے لوگوں نے ۳۰ سال قبل کینیڈا کو ہجرت کی تھی، وہ ابھی تک کپڑے پہننے کے مخالف ہیں اور حکومت کے لیے موجب پریشانی بنے ہوئے ہیں۔ عریانی کی موجودہ تحریک کچھ مذہبی عقیدت اور کچھ اصول صحت پر مبنی ہے۔ اس تحریک کے بین الاقوامی مؤیدین کا یہ نظریہ ہے، کہ عریانی خیالات کی پاکیزگی نظام کی بلندی اور تندرستی و خوشحالی کا ذریعہ ہے۔ یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ محض تن پوشی پاکیزگی خیالات کی ضامن ہے کیونکہ بہت سے وحشی قبیلے جو عاری تا برہنہ رہتے ہیں اس وقت تک باعصمت رہے ہیں جب تک کہ اُن کا دامن اُن سیہ کاریوں سے آلودہ نہیں ہوا جو موجودہ تہذیب کے لوازمات سے ہیں یہ برہنگی یوں بھی یونان اور روما میں سنہ عیسوی کے آغاز کے بعد تک ناشائستہ نہیں سمجھی جاتی تھی۔ پادری کرسٹم کا قول ہے کہ رومی خواتین تھیٹروں میں عوام کے سامنے برہنہ حالت میں آتے ہوئے نہیں جھجکتی تھیں۔ اہل یونان و روما کی خدمت کا اہم جز جسمانی حسن سے لطف اندوز ہونا تھا، اس کے برعکس عیسائی پادری جسم کو پوشیدہ رکھتے تھے اور ان کیلئے عفیفہ، تھا کہ جسم ڈھانپنا پاکیزگی اور نیکی کی علامت ہے" برہنگی بجائے خود شائستہ ہے اور نہ غیر شائستہ۔ شائستگی ایک اضافی چیز ہے، جو رسم و رواج کی پابند ہے۔ ایک زمانہ اور ملک میں جو بات مہذب سمجھی جاتی ہے، وہی بات دوسرے عہد اور ملک میں ناشائستہ مانی جاتی ہے مصر میں برہنگی کوئی بری چیز نہیں سمجھی جاتی تھی، وہاں کی متمول خواتین باریک جالی اس خیال سے نہیں پہنتی تھیں کہ اپنے جسم کو مردوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھیں، بلکہ اس غرض سے اُس میں ملبوس رہتی تھیں کہ اپنی جلد کو مچھروں اور مکھیوں سے محفوظ رکھیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ آج بہت سی ہندوستانی عورتیں سر سے پاؤں تک کپڑوں سے ڈھکے ہوتی رہتی ہیں، جس کو انگلے روحانی پیشوا بہت پسند کرتے ہیں، مگر یہ پیشوا خود اُن خواتین کی طرح ملبوس نہیں ہوتے۔

برہنگی سے حیا کرنا تعلیم کا نتیجہ ہے، فطرت کا مقتضا نہیں۔ لباس کا پہننا برہنگی سے شرمانے کا باعث نہیں ہے، بلکہ خود لباس کے استعمال نے حیا کا احساس پیدا کیا ہے، سپید اقوام کو بہ نسبت سیاہ مسلم والی قوموں کے لباس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ لباس پہنا جائے، کیونکہ لباس کے عوض میں جسم کو گوشمالیا رنگا جاتا ہے۔ جاپان کے لوگ اگرچہ بہت لباس پہننے کے عادی ہیں لیکن عریانی کا کوئی خیال نہیں کرتے، وہاں لباس احساس شرمندگی کے سبب سے نہیں پہنا جاتا ہے، کیونکہ جاپانی بعض طبقات کے باشندے جاڑوں میں کپڑے پہنتے ہیں، اور گرمیوں میں برہنہ رہتے ہیں۔ مشرقی میں ہی کہ بیگم کی بعثت سے پہلے عورتیں برقعہ پہننے کی عادی نہیں تھیں متقط کے شاہی حرم کی خواتین انگلستان بدنداس رہ چکیں جب انھوں نے کاؤنٹس پالین ناسٹس کو بالکل عریاں دیکھا۔ اس محل سرا میں ماں تک نے اپنی بیٹی کو بارہ سال کی عمر کے بعد برقعہ کے بغیر نہیں دیکھا۔ اس کے برخلاف شفاف لباس کا فیشن کا ایسا تھا کہ تمام جسم اندر سے نظر آتا تھا۔

کاسٹن نیمبر، کہتا ہے کہ دریائے فرات کے ساحل پر بصرہ کے حمام میں اور قسطنطنیہ کے حماموں میں نہاتی ہوئی عورتوں کے سامنے جب کبھی مرد آ گئے ہیں تو اُن عورتوں نے صرف اپنے چہرے چھپا لیے، علی ہذا مصر میں کئی دفعہ عورتیں مردوں کے سامنے برہنہ رہتی ہیں بلکہ اُن کے چہروں پر برقعے رہتے ہیں۔ برٹو بیڈو فرقے کے لوگ قطعاً برہنہ رہتے ہیں تاہم انگلی زبان میں ایک لفظ ترجمہ کیلئے موجود ہے بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ

کی طرف میرے دل و دماغ متوجہ ہو رہے تھے۔ میں نے رخت کو دیکھا حسین میوہ سے لدا ہوا ایک بار دار شجر کھڑا ہے اس کی خوشبو سونگھنے سے میری بھوک دوبالا ہو گئی۔ میں نے جھپکتے ہوئے ایک پھل توڑا اور ڈرتے ڈرتے اس کو ختم کیا۔ زبان کی لذت نے میرے ہاتھوں کو تیز کر دیا۔ پھر دوسرا پھل میرے ہاتھ میں تھا اور اس طرح نہ معلوم کتنے۔ اب میں نے اپنے میں ایک تغیر محسوس کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں جسم پر کوئی ملبوس نہیں رکھتی۔ مجھے اس خیال سے شرم آنے لگی کہ میں آدم سے اس حالت میں ملوں؟ دل میں سوچنے لگی کہ کیا میں اپنی اس حرکت سے آدم کو باخبر کروں اور ان کو بھی اپنا شریک بنالوں یا اس راز کو چھپا کر اپنے اس ذہنی تغیر سے ترقی کر کے ان کے برابر ہو جاؤں یا ان سے بڑھ جاؤں؟ یہی بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن جس خدا نے مجھے دیکھ لیا ہے کہ میں نے اس کے حکم کے خلاف ورزی کی حکم پورا ہو گا۔ موت میری قسمت میں لکھ دی گئی اب اس سے چھٹکارا ناممکن ہے۔ میں مرجاؤنگی اور خدا دندعالم ایک اور حوا آدم کے لیے پیدا کر دیگا جو آدم کے ساتھ نہایت عیش و آرام کی زندگی بسر کریگی گیا میری جگہ آدم کے ساتھ کوئی اور رہیگا؟ نہیں ہرگز نہیں! میں آدم سے محبت رکھتی ہوں۔ اور ان کے ساتھ موت کی تمام مزلین طے کرنے آمادہ ہوں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ میں اُن کے میز ہوں ناممکن ہے۔ اب میں نے اپنی جھوٹی بڑائی کا رخ کیا۔ آدم کا دہان پتہ نہ تھا۔ تمام جنت جہان ڈالی۔ وہ کہیں نہیں ملے خدا معلوم ان درندوں کو کیا ہوا ہے کہ اپنی عادت کے خلاف آپس میں لڑ مر رہے ہیں۔ میں ان کو دیکھ کر وحشت میں چھپ گئی۔ کمبخت یہ ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں غضب خدا کا یہ میرا حکم پہلے کی طرح نہیں مانتے اور لڑائی سے باز نہیں آتے۔ کیا جنت میں بدنظمی پیدا ہو گئی؟ ان درمان اُڑ گیا؟ یہاں کے سکون میں خلل ہو گیا؟ کیا میں جنت سے نکل کر ارض کے حدود میں داخل ہو گئی؟ - اب وہ میری اطاعت میں پہلے سے نہیں رہے۔ جنت میں بدنظمی پیدا ہوئی، ان و آمان اڑ گیا۔ کاروبار میں خلل واقع ہو گیا اس لیے میں جنت سے نکل کر کرۂ ارضی کے حدود میں داخل ہو گئی۔

چہارشنبہ چاروں کی طویل مدت کے بعد آدم سے ملاقات ہوئی ان کے پاؤں کے قریب اس درخت کی ایک ٹہنی لگی ہوئی تھی جس میں چند لذیز پھل تھے۔ میری طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور ان پتوں کے متعلق حیرت سے دریافت کیا جس سے میں ستر پوشی کا کام لے رہی تھی میں نے جواب دیا کہ اس پھل کو کھانے کے بعد تمہیں اس کی وجہ معلوم ہو جائیگی۔ آدم نے میرے جسم سے یہ پتے کھینچ ڈالے میں بہت شرمندہ ہوئی۔ پھر آدم نے کہا مجھے معلوم ہوا کہ تم نے یہ میوہ کھایا ہے اس لیے جانوروں میں ایک شور برپا ہو گیا وہ مجھے کھا جانے پر آمادہ ہو گئے اس لیے میں ایک گدھے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا راستہ میں ایک شیر نے گدھے پر حملہ کیا اور اس کو ہضم کر گیا۔ میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا۔ اب جنت میں ہمارا قیام ناممکن ہے جب یہ بات ہے تو اس پھل کا کھانا یا نہ کھانا دونوں برابر ہے۔ لاؤ تمہارے پاس کیا چیز ہے میں بھوکا ہوں۔

یہ کہکر آدم نے سیب سے منہ بھر لیا اور مزا لیکر کھانا شروع کیا کھاتے ہوئے کہا خدا کی قسم یہ کتنی اچھی چیز ہے یہ نعمت ہمیں بہت دیر کے بعد نصیب ہوئی پھر اپنی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت بھی ننگے ہیں اس کے لیے وہ شرمندہ ہوئے اور ان پتوں سے خود کو ڈھکنا شروع کیا میں کو میرے جسم سے زوال معلوم ہوتا تھا۔ پھر میری طرف دیکھ کر آنکھیں نیچے کر لیں اور کہا اس طرح بغیر لباس کے کھڑے رہنے سے تمہارا کیا مطلب حاد کچھ پہن کر میرے سامنے آدمی نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

پنجشنبہ آدم نے اظہار کیا کہ ان کا سلوک حقیقت میں میرے ساتھ اچھا نہیں تھا اور کہا کہ اس جنت میں انسان کوئی کام اچھا نہیں کر سکتا۔ ان کو اس بات کا خوف تھا کہ شاید میں ان کا ساتھ نہ دوں گی اور وحشت اور تنہائی گھیرے گی۔ وہ میرے نزدیک آئے مجھے بوسہ دیا۔ جنت ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ لیکن آدم میرے ہاتھ آئے یہی جنت تو ہی ہے.....!

(بقیہ از صفحہ (۱۷) مشرب عمریانی)

پستے ہیں۔ بعض اقوام قبائل کی عورتیں اپنے جسم کے نیچے ایک لنگوٹی باندھتی ہیں اور بغیر اس لنگوٹی کے وہ ناشائستہ خیال کی جاتی ہیں مگر جسم کے سامنے کچھ حصہ پہننا عصمت اور جوانہ برہنگی کی دلیل۔ مشرقی دنیا والے تو اپنا سارا جسم ڈھکے رہنے ہی کو عصمت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ آفریقہ کا نیشن حیا عصمت کے نصب العین کو پورا کرنے کے لیے لمبی ریشمی ٹوپی اور پاؤں میں سلیپر پہنکر اپنے آپ کو مہذب خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس ٹونگ اسٹن کی اس ہدایت پر عمل کیا ہے کہ مغربی عورت کے سامنے لباس پہننا چاہیے ڈوج کا ایک عالم دین اراکس کا قول ہے کہ فرشتہ برہنگی سے نفرت کرتا ہے اس کے مقلدین نے اپنے جسم کو کبھی نہیں دیکھا۔ جب وہ نہاتے تو انکے جسم پر سر سے پاؤں تک ایک لباس ہوتا۔

سویڈن برگ دوسرا پیشوائے مذہب اراکس کے برخلاف کہتا ہے کہ فرشتہ بہشت کے اندر عریاں ہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں اور معصومیت برہنگی کے ساتھ ملزوم ہے پارسا اور معصوم لوگوں کے نزدیک باعصمت برہنگی باعث عار نہیں۔ مکاجوہ تحریک عریانی کے علمبردار یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمارا لباس بڑی حد تک ہماری بداخلاقیوں کا سبب ہے۔ اور چونکہ ہم عموماً برہنہ جسم کو نہیں دیکھتے اس لیے غیر متوقعہ عریاں منظر یا اس کا تصور ہمارے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے۔

(بقیہ شتمل کرتا ہے)

برہنگی کے متقدمین کی پہلی بین الاقوامی نقرس میں کانگرشتہ سال برلن میں انعقاد ہوا تھا کہ برجرمن ریشاخ کے دو نسوانی اراکین نے تقریر بین کی تھیں اور برہنگی کے مقاصد کی دل سے تائید کی تھی برلن کانفرنس میں (۱۰۰) سے زیادہ ڈیلیگیٹ مختلف ممالک سے آئے تھے وہ آدمی ناعاقبت اندیش ہے جو اس تحریک کی نسبت پیش گوئی کرے اور وہ آدمی بہت فراست ہوگا جو مذہب برہنگی کے مستقبل کا اندازہ لگائے ..... اس کو بہت سے اداروں کی تائید حاصل ہے جیسے فزیکل کلچر کلیس۔ فرینڈس آف نیچر یوتھ موومنٹ وغیرہ برہنگی کے مفید نتائج آیا ایسے مفید ہونگے جیسے کہ حالیہ تہذیب کا دعوی ہے دیکھنا باقی رہ جاتا ہے۔

پہیما جب تڑپتا ہے گھٹا اس پی کہاں کہکر
ہماری روح سوز عشق میں اس طرح جلتی ہے
تلاش تربت عاشق میں جیسے نازنیں کوئی
لگا کی ڈھونڈ پھرتی ہے پتنگے پاؤں جلتی ہے

جوش ملیح آبادی

مملکت کے عناصر

پروفیسر عبدالمجید صدیقی

مملکت کا امتیازی وصف ہم دیکھ آئے ہیں کہ سیاسی تنظیم اس کی بنیاد ہے اس کے ارکین باہم سیاسی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں لیکن جن اجزاء سے یہ مرکب ہوتا ہے اس کی تشریح بھی ضروری ہے جس طرح انسان بدن اخلاط وعناصر سے مرکب ہے اسی طرح مملکت کا جسم بھی کئی عناصر سے مرکب ہے اور یہ اس طرح مرکب ہے کہ ان کے بغیر مملکت کا وجود ممکن نہیں جس طرح اخلاط وعناصر کی قلت وکثرت انسان کی صحت مختل کر دیتی ہے اور آخر انسان بیمار ہو کر مر جاتا ہے اسی طرح عناصر مملکت کی کمی اور فقدان سے جسم مملکت کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور بالآخر مملکت کی شان باقی نہیں رہتی۔

مملکت کا ایک عنصر علاقہ اور سرزمین ہے بغیر کسی معین علاقہ اور سرزمین کے مملکت کا وجود ممکن نہیں ہے مملکت کے لفظ کے ساتھ فوری سرزمین کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ مثلاً مملکت فرانس کہتے ہی اس سرزمین کا خیال اور مملکت جرمنی کے ساتھ اس ملک کا تصور ذہن میں آجاتا ہے جہاں یہ مملکتیں واقع ہیں کسی سیال اور ہوائی آبادی کو خواہ وہ کتنی ہی منظم کیوں نہ ہو مملکت نہیں کہا جائیگا کیونکہ انکا کوئی ٹھکانا اور ایسی معین سرزمین نہیں جہاں ان کی حکومت واقع ہو۔ دنیا میں بہت سی خانہ بدوش آبادیاں پائی جاتی ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتی رہتی ہیں۔ اور اگرچہ ان میں تنظیم بھی پائی جاتی ہے لیکن کسی سرزمین سے وابستہ نہیں ہوتیں اور ان کی کوئی خاص حکومت قائم نہیں ہے جنوبی یورپ میں جپسیوں بے گھر پھرتے گروہ گھومتے رہتے ہیں اور یہ ایک حد تک منظم ہوتے ہیں اور ان کی خاص معاشرت ہوتی ہے۔ لیکن یہ مملکت نہیں کہلائے جاسکتے۔ یہود کی بھی ایک بہت بڑی آبادی ہے اس کے منتشر اجزاء دنیا کے اکثر حصوں میں پائے جاتے ہیں اور اپنی خاص تنظیم اور روایات میں منسلک ہیں لیکن ان کی کوئی سرزمین نہ ہونے سے مملکت کی نوعیت میں نہیں آئے اسلام سے پہلے عرب کے قبائل بھی خانہ بدوشی کے عالم میں تھے اور اسی وجہ سے ان میں کبھی مملکت کی شان نہیں پیدا ہوئی لیکن جب یہ اسلام کی وجہ سے آپس میں مضبوط ہو گئے اور حکومت کے تحت ایک سرزمین سے وابستہ ہو گئے تو ان میں مملکت کی شان پیدا ہو گئی۔

علاقہ کا کوئی خاص تعین ممکن نہیں کہ اس کی وسعت کتنی ہونی چاہیے وسعت ارض کے اختلاف سے دنیا میں چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی مملکتیں ہیں ایک طرف روس کی بہت بڑی مملکت پائی جاتی ہے جس کا رقبہ اسی لاکھ مربع میل سے زیادہ ہے تو دوسری طرف مانیکو کی بہت چھوٹی مملکت موجود ہے جس کا رقبہ صرف آٹھ مربع میل ہے مملکت فرانس کا رقبہ اور جرمنی کا ہے اور رقبہ کے اعتبار سے مملکتوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے لیکن اس فرق سے ان کے مملکت ہونے میں فرق نہیں آتا اور مملکت ہونے کا دارومدار معین وسعت پر ہوتا تو دنیا کی مملکتوں میں سے کوئی بھی مملکت نہیں ہوتی بلکہ صرف چند ہوتیں اور ان کو کچھ اور نام دینا پڑتا۔ قدمائے سیاسیات چھوٹی مملکت کو معیاری مملکت سمجھتے ہیں اور ان کا استدلال یہ تھا کہ بڑی مملکتوں پر نظم ونسق کی طنابیں اچھی طرح چست نہیں رہ سکتیں بلکہ ایک سیاسی انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ مملکت جس قدر چھوٹی ہوتی ہے اسی قدر نظم ونسق اچھا ہوتا ہے۔ لیکن زمانہ حال کے ذرائع آمد ورفت یعنی ریل تار برقی طیارہ ان کی ترقی سے یہ استدلال بے سروپا نظر آتا ہے ان ذرائع آمد ورفت کی ترقی دنیا کی مسافتوں کو اس قدر قریب تر کر رہی ہے کہ اب بڑی سے بڑی مملکت پر حکومت کرنا کچھ مشکل نہیں اس وقت دنیا میں مملکت برطانیہ سب سے بڑی مملکت ہے جس کی نوآبادیاں ومقبوضات میں اور ہر قسم کے اقلیم دنیا میں پائے جاتے ہیں لیکن ذرائع آمد ورفت کی ترقی سے نامہ وپیام کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور نظم ونسق میں کبھی خلل نہیں پڑتا۔ دوسرے مقامی اداروں کے ارتقاء سے ہر مملکت میں تقسیم اختیارات اور فرائض کا ایک ایسا زبردست جال پھیلا دیا جا رہا ہے کہ اس انتظام سے مرکزی حکومت کو بہت کم کام کرنا پڑتا ہے یہ زمانہ حال کی بہت اچھی اختراع ہے جس میں اختیارات اور فرائض حکومت کی تقسیم اور تحویل عمل میں آتی ہے اور نوعیت کے لحاظ سے یہ مختلف کام مختلف اعضاء کے سپرد کر دئے جاتے ہیں جو کام مقامی نوعیت کے ہوتے ہیں وہ مقامی اداروں کو دئے جاتے ہیں اور مرکزی نوعیت کے ہوں تو وہ مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہتے ہیں اس کے علاوہ بڑی مملکتیں وفاقیت کا ایک ایسا جدید گر اختیار کر رہی ہیں کہ اس میں تقسیم اختیارات کی پیچیدگیاں آسانی سے حل ہو جاتی ہیں اس میں وفاقی اجزا لوحی ریاستیں اپنے مقامی اور ریاستی معاملات کو طے کر لیتی ہیں۔ اور وفاقی حکومت مرکزی حکومت ان فرائض کو انجام کرتی ہے جو تمام مملکت کے لیے مشترک ہوتے ہیں لہٰذا اس انتظام سے نظم ونسق میں کبھی شکست ہونے نہیں پاتی چنانچہ ایک طرف ذرائع آمد ورفت اور دوسری طرف وفاقی ادارات کی ترقی سے اسوقت بڑی سے بڑی مملکت جیسے امریکہ اور سلطنت برطانیہ کا حال اپنے اطمینان بخش اور خوشگوار نظم ونسق میں ایسا ہی ہے جیسے یونان کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا تھا موجودہ حالت میں مملکت کا چھوٹا ہونا تو بڑی حد تک نقصان کا باعث ہے رقبہ کے محدود ہونے کیساتھ آبادی کی قلت اور ذرائع آمدنی اور معاش بھی محدود ہوتے ہیں اس لیے اس مملکت کا اپنی آپ مدافعت کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور بڑی مملکتوں کے مقابلے میں اُن کی تباہی خلاف توقع نہیں ہے چنانچہ خشک عظیم میں بلجیم کا یہی حال ہوا مدافعت کا ایک بہت بڑا سوال ہے اور اسی پر مملکتوں کی بقا کا انحصار ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ چھوٹی مملکتیں اپنے بادن پر کھڑی ہو سکتی ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی دماغی اور معاشی نشو ونما ترقی بھی ممکن ہے جو کہ چھوٹی مملکت کے ذرائع محدود ہوتے ہیں اس لیے اس کی دماغی ومعاشی ترقی بھی اسی وسعت سے نہیں ہو سکتی کہ وہ بڑی مملکتوں کا ساتھ دے سکیں یہی وجہ ہے کہ چھوٹی مملکتیں اپنی خود مختاری کھو کر بڑی مملکتوں کے سایہ عاطفت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاستیں وفاقیت سے پہلے اپنی انفرادیت علیحدہ رکھتی تھیں ان کو دوسروں سے کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن اپنی مدافعت اور ترقی کا لحاظ کرتے ہوئے سب ریاستوں نے وفاق کو اختیار کر لیا اور ایک مملکت بن گئی۔

لیکن مملکت کی وسعت ہمیشہ مدافعت اور ترقی کا صحیح معیار نہیں ہے ہر بڑی مملکت کے متعلق جو رقبہ میں بہت وسیع ہو یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ مستحکم اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگی۔

روس گو رقبہ میں بہت بڑی مملکت ہے لیکن ترقی کے راستہ میں سب سے پیچھے ہے اور پرانی زاری حکومت کے دوران میں تو بہت پیچھے ہی سلطنت متحدہ انگلستان چند جزائر پر مشتمل ہے لیکن اپنی طاقت اور ترقی میں بہت آگے ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی مملکت کا دارومدار صرف وسعت رقبہ پر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ چند اور عامل ایسے ہیں جو مملکتی اور قومی ترقی کے براہ راست ذمہ دار ہیں جغرافیہ اور جغرافی موقعہ محل ایک بہت بڑا عامل ہے جو ہمیشہ قومی اور ملکی ترقی یا انحطاط کا پیمانہ بردار ہوتا ہے اکثر و بیشتر مملکتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت قدرتی حدود سے ہوتی ہے کہیں دریا حد فاصل ہے اور کہیں پہاڑ جو نہ صرف ایک مملکت کی ہر طرف سے حدبندی کر دیتے ہیں بلکہ ایک مملکت کو دوسری مملکت سے جدا کرتے ہیں۔ جزائر برطانیہ چاروں طرف سمندر سے محیط ہے فرانس اور جرمنی کے درمیان دریائے رہین حائل ہے اور اسپین اور فرانس کے بیچ میں کوہ پرنیز حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ کے سر بفلک پہاڑ کھڑے ہیں جو اس کو وسط ایشیا سے جدا کرتے ہیں قوموں کی عادتوں اور خاص رنگ و روپ اور خاص خط و خال اسی جغرافی وحدت سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہر قوم اپنے کو دوسری قوموں سے جدا سمجھتی ہے۔ گو تعلیم ایک ہی ہے اور ایک ہی سلسلہ میں ہے لیکن قدرتی حدود فاصل کی وجہ سے جرمنوں اور فرانسیسیوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے اگر یہ حدود فاصل نہ ہوتے تو دنیا میں مختلف قومیں نہیں پیدا ہوتیں۔ معاشرت اور تمدن جداگانہ نہ ہوتیں۔ سیاست کا رنگ ہر جگہ یکساں ہوتا یہی انفرادیت ہے جو قوموں کی ترقی کا اصل محرک ہے انگریز ہوں یا فرانسیسی ان کی ترقی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ ایک علیحدہ قوم ہے اور مسابقت پر مجبور ہوتی ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی برتری اور حد و دنیا کی تمام کشاکش و دست میں ساری ہے اگر یہ قومی اور ملکی علیحدگی نہ ہوتی تو کوئی زندگی نہ ہوتی اور ملک ایک عالمگیر جمود ہوتا۔

جغرافی حدود کے ساتھ جغرافی موقعہ و محل بھی قوموں کی ترقی کا بڑا معاون ہے جو ممالک سمندر سے متصل ہیں ان کو اپنی زیست کے لیے سمندر سے کشاکش کرنا پڑتا ہے اور اس کشاکش میں یہ نہ صرف مظبوط و چفاکش ہو گئے بلکہ دور دراز اقطاع میں نکل گئے اور وہاں اپنی بستیاں بسالیں اگر یورپ کی ترقی اور پھیلاؤ صرف اسی وجہ سے ہے کہ ان کو سمندر چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور ان کو اپنی زندگی کے لیے سمندر کے ساتھ مزاحمت کرنی پڑی اور اسی وجہ سے یہ دنیا کے سب سے بڑے جہازران اور ملک التجار بنے برخلاف اس کے جرمن ایسے جہازران نہیں نہ اتنے ہشیار کیونکہ انکو سمندر سے اتنا تعلق نہیں ہے روس کا جغرافی محل ایسا واقع ہوا ہے کہ یہ قوم ترقی کے راستہ میں بہت پیچھے رہی سمندر سے ان کا تعلق نہیں اور ملک اس قدر جوڑا ہے کہ ذرائع معاش کے لیے زیادہ جد و جہد کی ضرورت نہیں ہوتی سوئستان کا موقعہ اس قدر انوکھا واقع ہوا ہے کہ یہ قوم ہمیشہ خاموش اور ساکت رہی ایک تو سمندر سے بہت دور دوسرے اپنے شاداب و سرسبزی کی وجہ سے اس قدر خود کفیل ہے کہ اس قوم کو کشاکش زیست کے لیے بہت ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت نہیں ہوئی اس لیے اس میں کبھی ترقی اور زیادہ اتصال مد نہیں دیکھا گیا۔ سلطنت روما کی داغ بیل بھی ایسی جگہ پڑی تھی جو اس کی ترقی کے لیے بہت مورد معاون ثابت ہوئی۔ سمندر سے قریب ہونے کی وجہ سے اُن کی جہازرانی بہت بڑی اور تجارت کو غیر معمولی فروغ ہوا اور اسی وجہ سے رومی قوم دنیا کی مالک بن گئی تھی قدیم سلطنتوں میں مصری سلطنت دریائے نیل کی وجہ سے اسیریائی سلطنت دریائے فرات کی وجہ سے بہت اتصال مند ہوئی ہیں۔

جغرافیہ اور اس کے محل وقوع کے ساتھ ملک کی آب ہوا بھی ایک بڑا عامل ہے جو ایک طرف ملک کے ذرائع معاش و ترقی پیدا کرتا ہے اور قوم کا مزاج خاص وضع سے ڈھالتا ہے انتہائی سردی اور گرمی ترقی کے لیے بہت مضر ثابت ہوئے ہیں تاریخ سے ثابت ہے کہ معتدل آب ہوا قومی ترقی کے لیے بہت خوشگوار ثابت ہوئیں ایشیا کی بڑی بڑی مملکتیں زیادہ تر منطقہ معتدلہ میں قائم ہوئی اگرچہ منطقہ حارہ کے ممالک اپنی قوت پیداوار کے لحاظ سے بہت زرخیز ہوتے ہیں اور ان کی قوت نمو اس قدر عظیم الشان ہوتی ہے کہ ایسی دوسری سلطنتوں کو نصیب نہیں اس لحاظ سے یہاں ہر طرح کے ذرائع معاش حاصل ہیں نباتات اور معدنیات کی بہتات ہوتی ہے اور یہ ترقی کے لیے بہت مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ گرم آب و ہوا باشندوں کے قویٰ کو مضمحل کر دیتی ہے اور ان میں دوراندیشی نہیں ہوتی جو سرد ممالک کے باشندوں میں ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گرم ممالک اپنی گوناگوں پیداوار کے لحاظ سے سب سے زیادہ زرخیز ہوتے ہیں اور ان کی زمین سونا اگلتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ترقی کے راستہ میں بہت پیچھے ہوتے ہیں کیونکہ ذرائع معاش کی نفسہ ترقی کے کفیل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان سے استفادہ کرنے والے مستعد اور چالاک نہوں اگرچہ سرد ممالک میں قوت پیداوار صفر ہوتی ہے اور جب سخت سردی کا موسم آتا ہے سب نباتی اشیاء برف باری کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں اور معمولی اشیاء خوردنی کے لیے گرم ممالک کا محتاج ہونا پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سرد موسم کا یہ اثر ہے کہ یہ ممالک ترقی میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس کے دو اسباب ہیں ایک تو سردی ادھی کو بہت مستعد رکھتی ہے سردی میں آدمی کسی طرح پیر پھیلا کر نہیں سو سکتا بلکہ مجبوراً اس کو اپنی صحت کے لیے دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے اور وہ اس کے لیے مجبور ہے دوسرے ذرائع معاش کے حصول کے لیے خاصی جد و جہد کی ضرورت ہوتی ہے جہاں قوت پیداوار محدود ہو وہاں ظاہر ہے کہ اسباب خورد و نوش مہیا کرنے کے لیے انسان کو قدرت کے ساتھ خاص کشمکش اور غرق یہ نیز کرنی ضروری ہے گرم کپڑے اور رات کے لیے آگ کی ضرورت کچھ نہ کچھ کام کرنے پر آدمی کو مجبور کرتی ہے ہندوستان جیسی سرزمین میں کوئی شخص اپنی ماجتہاج کے لیے اتنا پریشان نہیں ہوتا جتنا انگلستان میں ہوتا ہے یہاں آسانی سے پیٹ بھر کھانا مل جاتا ہے اور آسمان کے نیچے سونے میں اکثر اوقات نہیں۔ لیکن انگلستان کے باشندوں سے پوچھو کہ آسمان کے نیچے سونا ان کے لیے کیا معنی رکھتا ہے۔

ادبیات اور سیرت

از

سید محمد

اب ہم افسانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مگر اس کی وہ قسم ہماری بحث سے خارج رہیگی جو نثری شاعری کے نام سے موسوم ہے آج کل افسانہ کی نسبت یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آزمنیات ہونا چاہیے۔ جو شخص اپنا وقت بلکہ اپنی زندگی اس کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہے اس کو کیا کیا کرنا چاہیے؟

اگرچہ یورپ میں افسانہ نویسی کے برائے نام مستند دبستان ہیں۔ مثلاً قدیم، رومانوی، حقیقی، فطرتی، نفسیاتی سائنسی وغیرہ مگر ہیں ان سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ہم سیدھے سادے طریقہ پر افسانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ داخلی اور خارجی افسانہ یا تو ان چیزوں کی تصویر ہوتا ہے جو ہمارے تخیل میں آئی ہیں یا ان چیزوں کی جو الی الحقیقت مشاہدے میں آئی ہیں کیا ہم ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ حسن کارانہ نقطۂ نظر سے یہ کہنا ممکن ہے کیونکہ عوام الناس کی رائے عام کے برخلاف افسانہ اور ڈرامے کی سب سے اعلیٰ کلاسیں داخلی ہیں نہ کہ خارجی۔ میں آپ کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ شیکسپیر نے اپنے حیرت انگیز ڈراموں کے واقعات کا نہ مشاہدہ کیا نہ تجربہ مجھے دہرایا دلانے کی بھی جہاں ضرورت ہیں کہ یونانی ڈراما نویسوں نے عزیزوں کے اس واقعات کو کبھی نہیں دیکھا جن کو وہ اسٹیج پر پیش کرکے ہمارے دلوں کو متاثر کر دیتے ہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ ذہن انکھوں سے زیادہ دیکھتا ہے مگر یہ ذہن ایک غیر معمولی انسان کا ہوتا ہے۔ خاص حسن کارانہ نقطۂ نظر سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ادبیات کا ایک طریقہ، دوسرے طریقوں سے لازماً بہتر ہے کیونکہ اتفاق سے بہترین ادبی کارنامہ اول الذکر طریقہ پر عالم وجود میں آیا ہے، اس کا امکان ہے کہ آئندہ کسی زمانے میں خارجی طریقہ بھی انتہائی منتہیانہ بالشان ہو جائے مگر انفرادی نقطۂ نظر سے نوجوان مصنف اور نوجوان متعلم کے نقطۂ نظر سے اصول ترجیح ناگزیر ہے اس کے لیے یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ اس کی ادبی قوت کس جانب بڑھ رہی ہے۔ اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ مشاہدے کی بہ نسبت تخیل سے بہتر کام لے سکتا ہے تو پھر اسے یہ ہمہ وجود رومانی ادیب کی طرح قابل ہونا چاہیے لیکن اگر اس سے یقین کے ساتھ اس کا احساس ہے کہ وہ اپنے حواس کے استعمال اور اپنے مشاہدہ کے ذریعہ ہر کام انجام دے سکتا ہے تو پھر اس کو اپنی فطرت کے مطابق حقیقت نگاری کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ ادبیات کے ساتھ اس کی زندگی کا تعلق اس راہ عمل کے بموجب قرار پائیگا جو وہ بالآخر اختیار کریگا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں افسانہ اور ڈرامہ وجدان تخیل کا کارنامہ ہیں مثلاً ہنری جیمز نے شیکسپیر کی طرح ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں کیا جو اس نے اپنی ناول میں بیان کی ہیں اس کے باوصف اس کے ناول مس برائنی کے ناولوں سے کہیں زیادہ اعلیٰ واضح ثابت ہوئے جس نے صرف اپنے مشاہدات کی تاثیر کو تخیل کیا تھا۔ اگر آپ کو اصلی واقعات کا علم نہ ہو تو آپ یہی سمجھینگے کہ ہنیبال کے سرپرائز سے زیادہ حقیقت نگار تھا بلند پایہ تخیلی کارنامہ حقیقت سے بھی زیادہ حقیقی ہوتا ہے اور خارجی مطالعے سے زیادہ خارجی نظر آتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو متنبہ کر دیا ہے اس طرح کی حقیقت نگاری کے درجے کو وجدان کے ذریعہ صرف وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو غیر معمولی ذہانت رکھتا ہو بعض ایسے لوگ اونچے درجہ کے بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے ان میں سے بعض کو تو اپنے حلقۂ احباب میں دیکھا ہوگا۔ طلبہ کے ہر اجتماع میں ہمیشہ چند ایسی عامی شخصیتیں ہوتی ہیں جن پر دوسرے تمام طلبہ ضرورت کے وقت اپنا بوجھ ڈالا کرتے ہیں۔ فرض کر کہ ایک ہزار طالب علم کسی مشکل میں پھنس گئے ہیں یا کسی چیز کے متعلق دریافت میں فوراً انہی میں سے، رہنما، رہبر اور مشیر نکل آتے ہیں۔ اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ خاص طور پر مقبول اور زبردست شخص ہوں بشکل اور پریشانی کے وقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ اچھا دماغ ہے نہ کہ مضبوط بازو آپ خود دیکھو سمجھ گئے ہونگے کہ اب میں جو طالب علم سب سے اچھا دماغ رکھتا ہے یہ ضروری نہیں کہ سب سے اچھا پڑھنے والا ہی ہو مشکلات میں فضیلت علمی کی ضرورت نہیں بلکہ ذہانت ابھی سمجھ چاہیے اور اچھا دماغ سے بھی چیز مراد ہے۔ اس قسم کے لوگ بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔ غور کرو جب کبھی وہ اپنی اور نے لوگوں سے ملتے ہیں تو کس طرح سے پیش آتے ہیں ان کی طبیعت پرسکون رہتی ہے کسی طرح کی تشویش محسوس نہیں کرتے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ غیر معمولی اشخاص سے ملاقات کے موقع پر غیر معمولی واقعات پیش آنے پر کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے۔ یہ ذہانت کسطرح کی قوت ہے۔ یہ ایک قسم کا قوی وجدان ہے اور انسان کی ان اعلیٰ صفات میں سے ہے جس سے انسان پیدائش کے ساتھ متصف ہوتا ہے اگر کسی شخص کو یہ نعمت بہت زیادہ مقدار میں ملی ہے اور اسکے ساتھ ہی وہ ادبیات کا دلدادہ بھی ہے تو بہت بڑا ڈراما نویس یا بہت بڑا ناول نویس بن سکتا ہے۔ اس میں داخلی کارفرما قوت موجود ہوتی ہے اس کو تخیلی اشخاص پیدا کرنے اور ان سے تسلسل یا ڈرامہ میں اپنا اپنا کام انجام دلانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ خاص خاص حالات میں اکثر لوگ جو باتیں سوچتے اور سمجھتے ہیں شخص اپنی پیدائش ہی سے ان سے آشنا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس راہ میں اعلیٰ درجہ کے جوہر خوکم نظر آتے ہیں میں جس چیز کو اپنے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں یہ وہ ہے کہ داخلی اور تخیلی تصنیف کے لیے آپ کا اپنے اندر اس طرح کے وجدان کو خاطر خواہ طور پر محسوس کرنا از بس ضروری ہے تاوقتیکہ یہ قوت آپ کے اندر موجود نہ ہو آپ کے لیے یہ راہ بہت کٹھن ہوگی۔

ڈرامانویسی کی قوت جو حقیقت میں تخلیقی قوت ہے اعلیٰ درجہ کی اور خاطر خواہ مقدار میں بہت ہی کم افراد میں ہوتی ہے اگر ابتدا کہیں نظر آتی ہو تو بہت کم درجہ کی اس کا امکان ہے کہ بعض ایسے دماغوں میں جو اس کی پرورش اور نگہداشت نہیں کرتے میں مختلف طریقوں پر یہ قوت پائی جاتی ہے وہ ظاہر ہے کہ ادبیات سے زیادہ مادی نفع پہنچانے والی چیزوں میں اس کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ سیاسی کاروباری، ادبی جینگ۔ یا سیاسی لیڈر نہیں پسند کرتے ہیں اور فطرت انسانی کے متعلق ان کی معلومات اور انسانی اغراض و مقاصد کا وجدان ایسی چیزیں ہیں جو ادبیات کے علاوہ دوسرے شعبوں میں اتنی ہی بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ کارآمد ہو سکتی ہیں اس طرح کی سیرت جذباتی شاعر کی سیرت سے بالکل جداگانہ ہے یہ اس سے بہت زیادہ مگر ناگوں اور بہت زیادہ طاقتور ہے اس طرح کے اشخاص کے ادبی زندگی بسر کرنے کے لیے قواعد و ضوابط کا پیش کرنا سراسر فضول ہے انہیں نہ مشیر کی ضرورت ہے نہ مشورے کی۔ وہ اپنی مرضی کے موافق بہت کچھ کر جاتے ہیں اور مشکلات کبھی ان کے حوصلے پست نہیں کر سکتیں یہ امر غور کے قابل ہے کہ وہ معاشرتی زندگی اور سماج میں سرگرمانہ حصہ لیتے ہیں۔ ان کے لیے سوسائٹی اور سماج ایک ڈرامے سے زیادہ دلچسپ چیز نہیں ہوسائٹی ایسے لوگوں کے لیے باعث الہام ہوتی ہے اور ان کو اس کی گرفت اور خوف نہیں ہوتا یہ ایسے ہیرا کہ ہیں جو موجوں کے تھپیڑوں سے واقف ہوتے ہیں میں بہتا ہوں کہ آپ میں ہر شخص تیرنا جانتا ہے لیکن دریا کی طوفان خیز موجوں کا مقابلہ کرنے والے ہیراکہ بہت کم ہوتے ہیں۔ امریکہ اور دوسرے ممالک ایسے ہیراکوں کو بڑی بڑی خوشخواہیں دیتی ہیں کیونکہ ان کا کام لوگوں کی جان بچانا ہوتا ہے معاشرتی زندگی کے دریا میں جہاں معمولی لوگ ڈوب کر گم ہو جاتے ہیں وہاں ایسا شخص بھی ہوتا ہے جس کی سیرت کا میں نے ابھی تذکرہ کیا ہے اس کو موجوں کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

(بقیہ صفحہ (۲۲) کالم (۲)

خوفناک آواز میں آئی مگر گرج اور چمک نے اس منظر کو اور خوفناک بنا دیا میری جھونپڑی اس طوفان کا کیا مقابلہ کرتی ہوا کا ایک جھونکا اسے اپنے ساتھ اڑا لے گیا میں ایک پتھر سے چپک کر بیٹھ گیا میرا دل دو اچار بیکار ہو چکا تھا اور ہر طرف سے موت کی بھیانک شکل مجھے نظر آ رہی تھی۔ جب کبھی ہوا کا تھپڑا رکتا تو مجھے یہ سوچنے کا موقع مل جاتا کہ کیا یہ مقام بھی اتنا خطرناک ہے۔ جہاں پرمیشر کی تلاش کی جاتی ہے۔ جس میں خوفناک انسانوں کی بستی ہے۔ پرمیشر یہاں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جس مقام پر وہ ہو۔ ایسا طوفان نہیں آ سکتا۔ میں غلطی سے یہاں آ گیا۔ اس کی دنیا کا راستہ دوسرا ہے۔ میں نے چیخ چیخ کر پرمیشر کو پکارنا شروع کیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اس خوفناک مصیبت سے بچا لیگا۔

کسی نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں اچھل پڑا اور بیتاب ہو کر پوچھا۔ پرمیشر آ گیا۔ مجھے اس خطرناک بادل سے جلدی لے چل۔ ہاتھ نے اشارے سے چلنے کو کہا۔ میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں ہم اس طوفان سے باہر نکل آئے میں سردی سے کانپ رہا تھا۔ پرمیشر کے ہاتھ بھی برف کی طرح سرد تھے۔

میں نے پوچھا "پرمیشر تیری دنیا ابھی کتنی دور ہے؟"

معصوم آواز میں جواب ملا "نزدیک ہے"

تھوڑی دور اور چلنا ہوگا" دھندلی

دھندلی روشنی مجھے نظر آنے لگی۔ اور کچھ سریلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ اب پرمیشر کی بستی آ گئی۔

میں نے پرمیشر کا ہاتھ زور سے دبا کر کہا کہ پرمیشر اب مجھے اس خوفناک دنیا میں واپس نہ کرنا۔ میں اب تیری بستی میں رہوں گا۔

پرمیشر نے پھر اس معصوم۔ آواز میں جواب دیا ہیں تم یہیں ہو رہو! اس کے بعد ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کیلئے مجھے ایک گرم جگہ اس نے بتا دیا۔ اور کہا "بابا یہ گاؤں کی خانقاہ ہے تم آرام سے بیٹھو میں تمہارے لیے گودڑی لاتا ہوں"۔ میں حیرت سے بول اٹھا۔ ہائیں گاؤں کیا خانقاہ کیسی۔ کیا یہ بھی انسانوں کی بستی ہے۔ پرمیشر تو بھی مجھ سے مذاق کرتا ہے۔

جواب ملا "نہیں بابا مذاق نہیں کرتا۔ یہ گاؤں ہے۔"

میں نے کہا کیا تو پرمیشر نہیں۔

پھر اس معصوم آواز نے جواب دیا۔ بابا میرا نام پرمیشر ہے۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ لیکن میں تم کو پہچانتا ہوں۔

تمہارے جنگل میں میں بکریاں چرانے آتا تھا۔ اس گاؤں میں میرا امکان ہے۔ جب طوفان آیا تو میں گھر سے چھپ کر تمہارے پاس آیا۔ تاکہ تم کو وہاں سے لے آؤں"۔

میں یہ آواز سنی اور شرم سے گردن نیچی کر دی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکا کون ہے۔

ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ میری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"دنیا پاگل نہیں یہ سارا پاپ اپنے سر کا ہے پرمیشر جنگل میں نہیں۔ انسانوں میں ہے۔

بقیہ ادبیات اور سیرت

انگریزی ادبیات کی تاریخ سے معلوم ہوگا کہ اس طبقہ کے لوگ اپنا کام کرنے کے لیے کسی طرح وقت نکال لیتے ہیں اور یہ سوسائٹی کے "رسوم قیود" کے سرگشتہ ہونا نہیں۔ جیسے مثال کے طور پر وکٹورین ادبیات کی تاریخ دیکھو۔ اس دور میں صرف چار اشخاص ایسے تھے جنہیں سے صرف ایک مجھے رابرٹ براؤننگ کو بخشی ملک تھی۔ سن ارائی اور سوسن برن تنہائی اور مرتبہ کی زندگی بسر کی۔ برخلاف اس کے براؤننگ ہمیشہ سوسائٹی میں حصہ لیتا تھا انسانی فطرت کا مشاہدہ کرتا اور معاشرتی تجربہ سے لطف اٹھاتا تھا۔ یا نثر نگاری مضمون کے حالات پر غور کرو اعلیٰ درجہ کے رومانی ناول نویس عزلت نشین لوگ تھے اور تمثیلی ناول نویس معاشرتی لوگ تھے۔ مثلاً تھیکرے ایک سماجی آدمی تھا۔ یا حال ہی کی مثال لیجئے۔ میری ڈیٹیہ جو انگریزی میں سب سے اعلیٰ نفسیاتی ناول نویس ہے یہ بھی سماجی شخص تھا میری ڈیٹیہ نے رسائی کے اعلیٰ طبقہ میں اپنے عجیب و غریب ناولوں کا مواد پایا۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس سے وقت ضایع ہوگا ایک عام قاعدہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تخلیقی ادیبوں کے لیے تنہائی اور گوشہ عافیت مفید نہیں ہو سکتی۔

بقیہ تلوار

اور خوشی خم اور راست خم۔ تین قسمیں یا مختلف ساخت اصلی کی ہیں۔ (۱) جنوب (۲) مغرب (۳) طلب۔ جنوب سیدھی اور خوشی خم ہوتی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اسپین کی ساخت ہیں جو یورپ کے جنوب میں واقع ہے (مدراس میں شک کرنے کی جگہ بھی نہیں ہے د) مشہور ہے جنوبوں کے اکثر نشانات اور علامتیں ایسی کچھ خیالیاں اور کچھ ٹیڑھی ہوتی ہیں جن سے اون کی ساخت کا پتہ چلتا ہے انگریزی حروف ۷-۵-۵ وغیرہ تلواروں میں موجود ہیں یہ تلوار اکثر یا تو مرہٹوں یا پرتگالیوں کے ہاتھ ہندستان میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے جنوب اس لئے بھی پسند کی جاتی ہے کہ جتنا کاٹا جاتا ہے اتنی ہی دھار کاری ہوتی جاتی ہے اس میں وہ نایاں بنی ہوتی ہیں جن کو ناب کہتے ہیں اور یہ خاص شناخت ہے۔

مغرب اس کو دشتی بھی کہتے ہیں۔ راست خم ہوتی ہے۔ پھل میں جنوب کی طرح ناب نہیں ہوتی رنگ میں جنوب سے بہتر ہوتی ہے اور خمیر بہت اچھا اور زیادہ ہوتا ہے۔ سیدھی مغرب میں بے نقطہ ایک دھوپ دیکھی ہے۔ جو خدا جانے کہاں سے آئی ہے ورنہ مغرب سیدھے ہوتی ہی نہیں۔ طلب۔ جنوب اور مغرب دونوں سے طول و عرض میں نکلتی ہوتی ہے۔ سیدھے حلب کو تخنہ کہتے ہیں۔ آئینہ کی طرح جسم صاف ہوتا ہے۔ خمیر ہوتا نہیں کسی ایک آب میں طوس ہوتا ہے۔ خوش خم نہیں دیکھی گئی۔ راست خم یا سیدھے دو ہی وضع خم تلواروں کی ہوتی ہیں۔ اب تو ہندوستان میں نہیں ملتی راست خم تلواروں کا چلانا بہ نسبت سیدھی اور خمدار کے آسان ہے اس لئے کہ دونوں کے خوبیاں کا مجموعہ ہے۔

غضب ہے آدمی کا ہر طرح مجبور ہو جانا
زمیں کا سخت ہونا آسماں کا دور ہو جانا
امید وصل کو اب آرزو جھولے جھلاتی ہے
قریب آنا دلِ مایوس کے پھر دور ہو جانا
شکیبؔ اپنی آنکھوں نے یہ سب کچھ دیر دیکھا ہیں
نقاب ان کا الٹنا رات کا کافور ہو جانا

(شاد عظیم آبادی)

جس میں سے ایک بادیان کی اور دوسری ایجین شہزادے کی تھی۔ شہر ونیا میں رہ کر اٹلی کی حکومت کا عہدیدار رہتا طرفدار تھی۔ ان دو فوجیں، خوب جنگ برپا ہوئی۔ دانتے نے دونوں فریق کی حمایت کی اور آخر میں بادشاہ کی جانبداری کی اس کا انجام یہ ہوا کہ بادیون کی فتح ہونے کے بعد انھوں نے اس کو ۱۳۰۱ء میں شہر بدر کر دیا۔ وہ اپنی وفات یعنی ۱۳۲۱ء تک جلاوطنی ہی کی حالت میں جنگل جنگل بھٹکتا شہر شہر ٹھوکریں کھاتا ہوا وہ پیرس اور بعض دوسرے شہروں کے مطابق وہ شہر اسکور ڈیچھا اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ اسی رنج و محن کے ساتھ اطالیہ کے مختلف شہروں میں گزارا تھا اور اپنا شہرۂ آفاق ڈراما وہ ان کی یادگار شاہد اسی شہر دورونا اور راونا میں تصنیف کیا تھا۔

(ڈیوائن کامیڈی) میں حلاجیا علیٰ اور ماخوق

الفطرت واقعات کا ایک جال بچھا ہوا ہے لیکن اس جال میں اکثر جگہ شاعر کی سوانح حیات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں اس کے خدبہ عشق کا پتہ چلتا ہے اور کہیں اس سیاسی ہنگاموں اور سازشوں کے حوالے ملتے ہیں جس میں اس کی زندگی محصور ہو گئی تھی۔

(ڈیوائن کامیڈی) دوزخ جنت

اور تجلیات کی ایک مکمل تشریح ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے اس کو حیات بعد الموت کا ایک روحانی خواب کہہ سکتے ہیں تمثیلی لحاظ سے اس میں روحانی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انسان کی فطری تشنگی اور ضرورت کا پتہ چلتا ہے۔

ہمارے شاعر کے ہمراہ (دوزخ کے حلقوں) میں داخل ہونے کے قبل دو امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اولاً یہ ہے کہ نظم (دراتفرنو) ایک خاص لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ مہم بلند سیر و سیاحت کی کہانی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس میں (رابن سن کروسو کی ورس ٹراولس) وغیرہ کی طرح حقیقی، صاف، اور چشم دید واقعات کا تفصیلی ذکر ہے جس سے اس کی زندگی ابدی اور لازوال ہو گئی ہے ہمارے مفہوم کو زیادہ واضح کرنے کے لیے ہم ان واقعات میں سے جن کا ناظر کو ہمراہ سامنا ہوتا ہے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ مثال لیکن نے بھی اس موقع پر پیش کی تھی جس وقت اس کو یہ دکھانا تھا کہ کسٹرف اسلی ترین قوت کے ذریعہ غیر وہمی اشیاء کو واقفیت کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ دانتے کا ایک تخیل دیو جیسا ان گفتگو کرنے سے قبل تیر سے اپنی داڑھی صاف کیا کرتا تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ خیال کسی انسان کے دل میں کبھی نہیں پیدا ہوا۔ لیکن یہی زندہ اور حقیقی دیو دانتے کے دماغ میں گشت لگاتا اور شاعر اس کو اپنی انجمن سمجھتا تھا۔

ظاہر ہے علاقے میں یہ مثالیں معدوم ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ نظم (انفرنو) کے شاندار مناظر تصویروں کی طرح نمایاں اور صاف ہیں اور چشم باطن میں عظیم الشان اور پرشکوہ مناظر کا ایک ایسا سلسلہ قائم کرتے ہیں جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

دوزخ کی حیثیت تیرگی ایک وسیع غار کی سی ہے جس میں سرے سے لیکر تہ تک درجہ بدرجہ سیڑھیاں ہیں اور نیچے اترتے ہوئے ان کی وسعت کم ہوتی جاتی ہے۔ اس عمیق اور تنگ مقام میں وہ گناہگار جھونکے جاتے ہیں جو سب سے زیادہ سیاہ کار ہیں۔

قصہ یہ ہے کہ دانتے ایک گھنے جنگل میں راستہ بھٹک جاتا ہے اور اس کی طاقات (ورجل) سے ہوتی ہے جو اس کو دوزخ کی مکمل سیر کرانے کا وعدہ کرتا ہے وہ ورجل کے ساتھ دوزخ کے دروازے پر آتا ہے جس کی پیشانی پر حسب ذیل کتبہ یا الفاظ کندہ ہیں۔ جو لوگ یہاں داخل ہوں وہ ساری امیدوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ یہ دونوں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے اندر ایک تاریک میدان نظر آتا ہے جو دوزخ کا ایک حلقہ ہے۔ یہاں خود غرض اور کاہل الوجود انسان قید کیے جاتے ہیں جن کو لڈے اور ڈاکو۔ ان کا تعاقب ہیں۔ ان کو رات دن ایک چکر لگاتے ہوئے جھنڈے کے اطراف گردش کرنا پڑتا ہے۔

اس میدان سے نکلنے کے بعد وہ دریائے اکران کے قریب جو غم کا دریا ہے پہنچتے ہیں۔ دریا بے چراغ پر عبور کرنے والوں کا ایک سیلاب بہا جا رہا ہے اور خونخوار مضیف جھکی پتلیاں آگ کے بھنور کی طرح گردش کرتی ہیں۔ ان کو دریا پار اتار رہا ہے۔ دانتے خوف اور دہشت سے مدہوش سا ہو جاتا ہے اور جب گرج کی ایک مہیب آواز سے چونک اٹھتا ہے تو اپنے آپ کو دوسرے کنارے پر پاتا ہے۔ اس کے بعد دونوں (لمبو) یعنی دوزخ کے طبقہ اول میں داخل ہوتے ہیں۔ اس مقام پر اس کو وہ ملحد اور مشرک عذاب مبتلا نظر آتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی زندگی شرافت سے گزاری تھی۔ لیکن اصطباغ حاصل نہیں کیا تھا جو مسرا، ہومر، رتیس اور اوویڈ اپنے ہم نواح کی حیثیت سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

دوزخ کے دوسرے طبقے میں داخل ہونے کے بعد دانتے دروازے کے قریب (منتاس) کو بیٹھا ہوا پاتا ہے جو دوزخیوں کے نامہ اعمال کا متحن ہے اس کا جسم ایک زبردست کتے کی طرح ہے اور سر انسان کا ہے۔ یہاں وہ سیاہ کار عاشقوں کو عذاب میں مبتلا پاتا ہے جو ایک زبردست ہوائی طوفان میں بگلوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔ "اب یہاں سے حسرتناک آہ و زاریاں سنائی دیتی ہیں۔ اب میں ایسے مقام پر پہنچتا ہوں جہاں سینکڑوں دردناک آوازیں میرے پردۂ گوش کو چاک کرتی ہیں۔ اس کے بعد میں اسی جگہ دار دھوا جہاں ایک دھیمی روشنی تھی دہاں دھوئیں کی طرح پر درد نالے اسطرح سیاہ سایں سایں کر رہے تھے جس طرح طوفان خیز ہوا دن میں سمندر گرجتا ہے دوزخ کا سیلاب خیز ہوائی طوفان انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ ادھون کو بھٹکا رہا ہے یہ روحیں چکر کھاتی اور نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں جب وہ اس سیلاب بلا کے مقابل ہوئیں۔ اس وقت ان کا شور و غوغا آہ و زاریاں کرانا، اور درد و چیخیں جو بے اختیار آسمان کی بیزوالی طاقت کی یاد میں نکل رہی تھیں صاف سنائی دیتی ہیں اسی مقام پر شاعر سمیرامس اور کلوپترا کو دیکھتا ہے" وہاں میں نے ملکہ کو دیکھا جس کے لئے، ملک میں اس قدر ہنگامہ برپا ہوئے تھے۔ اسی جگہ ہیلون اکلیس نظر آیا جو آخر وقت تک عشق کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ میں نے پیرس اور ٹرسٹن کی اور دوح کا مشاہدہ کیا ان کے علاوہ میرے رہبر نے ہزار دن ایسی روحیں دکھائیں اور ان کے نام گنوائے جن کا دل عشق نے چور چور کر کے بالآخر ان کی جان لے لی تھی۔"

قطع نظر اس کے ہمارے شاعر نے فرانسیسا اور اس کے عاشق پاولو کی بے نظیر کہانی لکھی ہے جس کو اس کے قلم نے غیر فانی کر دیا ہے یہ کہانی اس نے خود فرانسیسی کی زبانی سنی تھی جب اس نے یہ کہا کہ وہ اور اس کا عاشق جو شوہر یعنی کا سرتاج تھا۔ عشق کی بدولت قتل کر دیے گئے تھے تو دانتے رحم و افسوس سے تقریباً بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ اپنے آپ کو تیسرے طبقے میں پاتا ہے جہاں حریص اور بلانوش روحیں ایک دلدل میں پھنسی ہوئی نظر آتی ہیں اس پر بارش اوس اور گندے پانی کی موسلا دھار بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور دہاں سربرس نامی ایک دیو ہیکل کتا بھونکتا اور غراتا اور ان کے جسموں کو پھاڑتا رہتا ہے۔ چوتھے طبقے کی سرحد پر دانتے دولت کے دیوتا پلوٹس کو دیکھتا ہے جو بیٹھا ہوا بخیل اور مصرفوں کی ارواح کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ روحیں بڑے بڑے بھاری دن کو لڑھکانے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش کرنے میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھیے تو اسٹکس میں جو ایک مہیب دلدل ہے سنگدل اور ہٹیلے اشخاص پانی کے سانپوں کی طرح کرب و اضطراب میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

(باقی آئندہ ۱۰ شاعت میں)

اماں حوا کا روزنامچہ

از سعید بارا س

پہلا شنبہ

آدم نے مجھے نہایت حقارت آمیز نظر سے دیکھا۔ میں ان نظروں کی تلخی کو زندگی بھر نہیں بھول سکتی میں انجیر وں کے درخت کے قریب جا کر انجیروں کو پتھر سے جھڑا رہی تھی۔ آدم آیا اور مجھے اس انداز سے گھورنے لگے نظروں میں انتہا درجہ کی حقارت عیاں تھی۔ میں اُن کی صدا سے اسقدر متاثر ہوئی کہ جہاں کھڑی تھی وہیں پہ دست تھی گویائی نے مجھے زمین پر کیلوں سے جڑ دیا ہے۔ آدم نے منہ بنا کر کہا "کیا تمہارا بھی طرح پھیکا جاتا ہے؟" اس کے بعد آدم میرے قریب آئے اور مجھے بتانے کے لیے ایک پتھر زمین سے اٹھایا اور میرے ہی انداز میں جسم میں کئی جگہ سے لچکتے بل کھاتے ہوئے اپنے ہاتھ کو اٹھا کر صرف کلائی کے بل پھینکا جو ان کے پیروں کے قریب گر گیا۔ مجھے خوب ستانے کے بعد وہ تن کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اپنی مضبوط پنجہ میں ایک پتھر اٹھا کر ایک بائی مردانہ ادا سے پتھر پھینکا جو سن سے کئی کر کئی انجیروں کو چھوڑتا ہوا دور جا پڑا۔

پنجشنبہ آدم کہتے ہیں کہ انھوں نے پتھر سے انجیر چھوا نا سیکھا (جیسے وہ پتھر پھینکنے کے بغیر گرتے ہیں) بڑی غلطی کی اور بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اس تعلیم نے مجھے پھل دار درختوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ اب ان کی خیر نہیں اس لیے کہ میں پھل کھانے میں حد سے گزر گئی ہوں ان کا یہ بھی خیال ہے کہ میری اسطرح میوہ خوری یا تو جنت کے پہلوؤں کو ختم کر دیگی یا تو حط نازل کر دیگی لفظ "انحطّ" کو وہ زور دے کر ادا کر رہے تھے۔ بہرحال انکو میری اس میوہ خوری سے اچھے نتیجہ کی امید نہیں ہے۔

شنبہ آج کا دن گزر گیا۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قابل ذکر ہو ہاں ایک بات یہ ضرور ہوئی کہ میں آج ان درختوں پر چڑھی ہی بھی جو حرام قرار دئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ دیکھکر مجھے نہایت سختی کے ساتھ درختوں سے اتار دیا اور ان کے قریب جانے سے منع کیا۔

یکشنبہ ۔ میں نیند سے بیدار ہوئی۔ آدم موجود نہیں تھے۔ ان کو دھونڈھتے باہر نکلی۔ مگر خدا جانے وہ کہاں چھپے تھے۔ مجھے مل نہ سکے۔ یہ چوتھی مرتبہ ہے کہ وہ مجھ سے اس طرح بھاگے جاتے ہیں۔ میں جھونپڑی کو واپس آئی تکان کی وجہ سے مجبوراً اس بستر پر لیٹ گئی جو میں نے آدم کے لیے جو انجیروں کے پتوں سے تیار کیا تھا آدم کے نہ آنے سے انتظار کی گھڑیاں میں نے تکلیف میں گذار دیں صبر کیا اور کیا کرتی۔

دوشنبہ آدم اسی طرح بھاگے بھاگے رہتے ہیں میرے پاؤں ان کی تلاش میں شل ہو گئے ہیں۔ میری پریشانی بڑھ رہی ہے۔ اتنی جدائی کی کبھی مجھے عادت نہیں نہ ان کو کیا وہ راستہ بھٹک تو نہیں گئے ان کے چال وچلن میں تغیر پیدا ہو گیا ہے ان کا جنت سے نکل جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

دوشنبہ پورے ایک ہفتہ کی تلاش کے بعد میں نے آدم کو شمال کے آخری حصہ میں پایا۔ آدم نے وہاں اپنے لیے ایک الگ جھونپڑی بنائی ہے کیا غضب ہے۔ خدا کے حکم سے اگر آزر و پیمبری رہبری نہ کرتا تو میرا وہاں تک پہونچنا ناممکن تھا۔ خیر صبر کے سوا کیا کر سکتی ہوں۔

سہ شنبہ میں جانتی تھی کہ آزر وہاں بھی گفتگو کرتا ہے میرے اللہ وہ کس قدر حسین ہے اور اس کی زبان کتنی میٹھی ہے۔ اس کو سینہ میں چھپا لینے کو دل چاہتا ہے۔ جب اس کی پر آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے کہ "رے دنیا میں نغمہ بر پا کرنے والی، دونوں جہان کی حسین ترین مخلوق! اے مادر نوع انسانی، تو میرے دل خوشی سے اچھلنے لگتا ہے مگر آدم اس لیے ڈرتے ہیں اور مجھکو بھی اس لیے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے ملتا یا بات کرنا بدبختی کی رسیں اور مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ لطف یہ کہ جب میں دوسرے جانوروں سے گفتگو کرتی ہوں تو وہ خفا ہونے کے بجائے خوش ہوتے۔

چہار شنبہ آج آدم آپنا سر نیچے کئے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے ہوئے کچھ بڑبڑاتے چلے جا رہے تھے۔ یہ ان کے عادت کے خلاف بات تھی۔ میں نے اس سے قبل ان کو کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے میں ایک درخت کی اڑ میں چپ چاپ کھڑی ان کو تک رہی تھی۔ جب میرے قریب ہو چکے تو وہ اپنے آپ سے یوں مخاطب تھے "مجھے موت سے کیوں ڈرنا چاہیے؟ اگر میں اس درخت کا پھل کھالوں اور دنیا میں موت نازل کی جائے تو ڈر اور خوف کس بات کا۔ کم از کم بچوں کے لیے موت ایک پسندیدہ چیز ہے" یہ بعض لوگ کون ہے اور موت کیا چیز ہے میں اُن سے دریافت کرونگی۔

پنجشنبہ آزر نے مجھ سے کہا کہ نہ وہ گفتگو پر قادر تھا اور نہ اس کو معقل دیگی تھی۔ لیکن ایک مرتبہ ایک درخت کے قریب اس کا گزر ہوا جس کی خوشبو اس کو بہت دلکش معلوم ہوئی۔ وہ اس درخت پر چڑھ گیا بہت سے اور جانور اس درخت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اس کی طرف اپنی گردنیں اونچی کر رہے تھے۔ لیکن پھل تک ان کی پہنچ ناممکن تھی آزر ہا اوپر پہنچ گیا اور چونکہ بہت بھوکا تھا اس لیے سن مانے پھل کھالئے ان پھلوں کا کھانا ہی تھا کہ اس کی دنیا ہی بدل گئی اس کی زبان گفتگو پر قادر ہو گئی۔ اس کی صورت تو برقرار رہی لیکن اس کے دماغ میں سوچنے اور سوچکر نتیجہ نکالنے کی قوت آگئی۔ جس کے ساتھ ہی زمین اور آسمان کی ہر چیز کو دیکھ کر "یہ کیا ہے" اور "یہ کیوں" کے سوالات اس کے دماغ میں آنے لگے۔ یہ کہتے ہوئے آزر نے مجھے دیکھا اور کہا کہ دنیا میں حسن اور جمال اور جتنی نیکیاں ہیں وہ سب میرے معصوم چہرے میں یک جا ہیں اس کے اس جملہ نے مجھے مسرت کے آسمان پر پہونچا دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میرا فنا ہونا ناممکن ہے اور میری انکھوں کا جادو اس کو محو رکھے ہوئے ہے۔ اور اس کو میری طرف کھینچ رہا ہے۔ میں نے اس درخت کے متعلق جس کی آتی تعریف سنی تھی اور دریافت کیا وہ مجھے ایسے درخت کے سامنے لے گیا جو ہم پر حرام تھا۔ میں نے اس سے کہا "یہ درخت تو میں جانتی ہوں۔ اس کا پھل ہم پر حرام ہے" اس کو سخت حیرت ہوئی۔ اس نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے کہ جنت کا ہر میوہ تم پر حرام ہو۔ میں نے کہا سوائے اس میوہ کے درخت کے تمام میوے ہمارے لیے حلال ہیں۔ اگر ہم اس میوہ کو کھالیں تو ہمارے قسمت میں موت لکھی جائیگی۔ اس پر آزر نے درخت کی تعریف میں اپنی شیریں کلامی شروع کی اور درخت کی تعریف کے پل باندھ دئے۔ رفتہ رفتہ مجھ پر اس کی باتوں کا جادو چلنے لگا۔ میں رہ رہ کر دیدہ نگاہ سے درخت کو گھورنے لگی جس کو دیکھتے ہی میری گرویدگی بڑھ گئی۔ آزر کے دی تیسری کلامی میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ساتھ ساتھ درخت

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۸)

انتظار عمل کر رہے تھے۔ یہ زمانہ جو صدیوں کی خانہ بدگشی کا ہے
بیرے خیال میں تاریخ کا یہ حصہ کہ انکم اس بات کو صاف طور پر ثابت
کر رہا ہے کہ ہندوستان پوری طرح پر کبھی کسی ایک ہی نسل یا ایک ہی عقائد
کے زیر حکمرانی زیادہ دیر تک نہیں رہ سکا۔ یہ ایک دھبہ اس کی ہے کہ یہ ہندوستان
میں وفاقی اصول ہی میں ایک ایسی سکت پاتا ہوں جو ہم کو بہ نسبت
کسی اور ولی حکومت کے دھبے کے پیش نظر تمام ہندوستان کو ایک
سلسلہ میں منسلک کرتا ہو) زیادہ امن اور اطمینان دیکھتا ہے۔

خلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی عام ابتری پھیل گئی۔
مرہٹے حیدرآباد کی شمال اور مغرب کی جانب سے خوف کھانے لگے اور
فرانسیسی جنوب میں اقتدار کی خاطر خت نبرد آزمائی میں مبتلا ہو گئے
سرنگاپٹم سے پہلے حیدر پھر ٹیپو نے انگریزی افواج کی کوششوں کو
بیکار کر کے رکھا۔ یہ کہنا فی الحال کافی ہے کہ نظام نے ابتدا میں
اپنے تعلقات فرانس کے قابل نمائندے دیوبلے اور ریمو کے ذریعہ فرانس
کے ساتھ قائم رکھا اس کے بعد آصفی خاندان نے ہمارا بالواسطہ اتحاد انگریزوں
سے جوڑا اور افواج آصفی انگریز سا کر کے ساتھ پہلے سرنگاپٹم کی فتح میں
اسکے بعد دوسری جنگ بائے مرہٹہ میں دوش بدوش رہے۔ اس کے
بعد غدر میں اور پھر جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے دوران میں نظام نے
اپنی وفاداری کا بوراثبوت دیا اور فرمایا۔

سلاطین حیدرآباد

تاریخ حیدرآباد میں آصفی خاندان کے مؤسس سات بادشاہ ہیں۔ موجودہ
فرمانروا دکن کے والد محترم جن کی مدت
حکومت تقریباً ۴۰ سال ہوا ہے۔ کی شہرت تمام ہندوستان میں بانی دریائی
کرکٹ فٹبال اور دوڑ کے لئے زیادہ ہے۔ ان کی شخصیت بل
ہندو مسلم دل پرثبت اور ان کی رعایا کے لئے عزیز ترین تھی ہندوؤں
نے انہیں اپنے دیوتاؤں کا اوتار مانکر پوجا تصور کیا۔ لیکن ان کا تعلق
قدیم تہذیب سے رہا اور وہ پرانی تہذیب میں مقدر رنگے ہوئے تھے
جدید خیالات کے زیادہ دلکش نہ تھے۔ میں نازک سے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ
گزشتہ (۱۹) سال میں جب سے کہ اعلیٰ حضرت موجودہ شہزادہ دکن
سنہ ۱۹۱۹ء میں سریر آرائے سلطنت ہوئے غیر معمولی ترقی ہوئی۔
یہاں پر میں اپنے آقا کا سپاس گزار ہوں کہ حضور پرنور نے اس دوران
میں سرپرستی کی تجویز کا ساتھ دیا اور ان عہدہ داروں کا دل بڑھایا جن
کے ہاتھ میں اپنے آقا کے حکم سے یہ ترقی کے تجاویز دئے گئے تھے۔
فوت شدہ اعلیٰ حضرت سے زیادہ سخت محنت شاقہ نہیں اٹھائی اور ہز
اعلیٰحضرت الحال اس دوران میں ہر اس تحریک اور اقدام کی مدد فرمائی
کے لئے آمادہ رہے جس سے اس اصول کی ترقی مقصود تھی جس میں انکی
عزیز دلچسپی تھی ہے اور روز بروز بڑھتی ہی رہتی ہے۔

میں یہاں پر آپ کو خشک اعداد و شمار سے تکلیف دینا
نہیں چاہتا لیکن یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضور کی تحت نشینی کے وقت جو
مصارف تھے ان کو موجودہ مصارف سے مقابل کر کے بتاؤں کی کیا حقیقت
اس اتمام میں کیا کام ہوا۔ اس وقت عام تعلیم پر صرف سولہ لاکھ روپے
صرف ہوتے تھے اور اب ایک کروڑ پندرہ لاکھ صرف ہوتے ہیں تکمیل تعلیم
کے لئے ۵۰ لاکھ تھے اب تیس لاکھ ہیں۔ زراعت پر چوراسی ہزار صرف ہوتے
تھے اب دس لاکھ صرف ہو رہے ہیں۔ محکمہ آبرسانی کے لئے ۲۳ لاکھ
پچیس ہزار تھے اور اب اٹھاون لاکھ پچہتر (۵۷) ہزار ہیں یہ تمام اخراجات
چند بڑے بڑے مدات کے علاوہ ہیں جن کا بیان کرنا دشوار ہوگا۔ اور ہر محکمہ
کی ترقی بتانے کیلئے اعداد و شمار کے ٹھوس تختہ پیش کر سکتا ہوں جو دوسرے
شعبوں میں ہوئی ہیں لیکن میں موجودہ خانہ ہی کو کافی سمجھتا ہوں
اور مجھے امید ہے کہ یہ میرے خیال کو واضح کر دیں گے۔

تعلیمات

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان مختلف
محکمہ جات میں کیا کام عمل رہا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور
یہاں مجھے اس حقیقت کو اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت
معلوم ہوتی ہے کہ کسی ریاستیں اپنی روایات اور آزادی کی وجہ
سے یہ موقعہ رکھتی ہیں کہ وہ بعض شعبوں میں تجربات چل سکیں جو
جس کو برطانوی حکومت ہندانہ مرکزیت کی وجہ سے اگر ناممکن
نہیں تو مشکل ہی سے سرانجام دے سکتی ہے۔

تعلیمات کا ہی شعبہ ہے جس میں حیدرآباد نے حال ہی سے
دلچسپ مثال جدت یا برطانوی طرز تعلیم سے ہٹی ہوئی طرز کا عمل
میں قائم کی ہے۔ تعلیم ابتدائی کی نشر و اشاعت میں جہاں تک مؤثر
اجازت دیتا ہے کوشش کیجاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم دارالسلطنت
ملکی یا مقامی زبان میں دیجاتی ہے ہماری ریاست میں چار زبانیں
اردو۔ مرہٹی۔ تلنگی۔ کنڑی رائج ہیں۔ اور جب طلبا اکیلے ایک صف
ابتدائی تعلیم سے ثانوی تعلیم اور ثانوی سے اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک ریاست
کھلا ہوا ہے جو دارالسلطنت یونیورسٹی سے ملحق ہوتا ہے اور برطانوی ہند کی طرح
پر قائم ہے تو دوسری طرف حیدرآباد نے جامعہ عثمانیہ کے ذریعہ ایک ریاست
علم و دانش کے لئے کھول دیا ہے جہاں پر کل تعلیم اردو زبان میں دیجاتی
ہے اور انگریزی زبان اور لاطینی زبان کی طرح مقرر ہے۔ یہ جامعہ
بہت سے بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں
کہ اس خیال کی تائید کے متعلق ذرا تفصیل سے بحث کروں جو ہمارے
آپ کو معلوم ہے برطانیہ ہند کے تمام عامی تعلیم کا ذریعہ زبان انگریزی
ہے یہاں تک کہ لڑکوں کو انکے وطن کی تاریخ بھی انگریزی ہی میں
پڑھائی جاتی ہے۔

ذریعہ زبان

میں اس وقت آپ سے دریافت کرنا چاہتا
ہوں کہ اگر آپ کی اولاد کی تعلیم کیلئے انکی اپنی زبان کے بجائے
زبان کے جوان سے قریب کا تعلق رکھتی ہے مثلاً لاطینی فرانسیسی
یا جرمنی کے بالکل غیر زبان میں جیسے عربی اور چینی ہے دیجائے تو آپ
کیا کہینگے؟ یہی وہ سوال ہے جس کے حل پر آج ہندوستانی طلباء
کی شدت کا انحصار ہے اگر یہ طریقہ تعلیم آپ کے طلباء میں رائج کیا جائے
تو آپ کیا نہ پائیں گے ذہین اور خوش قسمت دماغ طلباء کی
ہر جگہ ہوتی ہے جس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکتی اور ان کے
ترقی کی حائل نہیں ہو سکتی لیکن ایک متوسط ذہانت کا طالب علم کا
کیا حال ہوگا؟ یہ صرف وہ ہے اپنے لفاظ کے امتحان میں ناکام ہوگا
بلکہ اس کا تمام زاویہ نگاہ منقلب ہو کر اس کی ذہانی ہمیشہ کیلئے
اور تعلیم اس کے توائے ذہنی و اخلاقی کو اوجاگر کرنیکی بجائے ضائع
برآمد کرے گی۔

آپ انگلستان میں ہر کہ بہ کم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنے لاکھ
طلباء ہندوستان کا ہر سال میٹرک کا امتحان دیجاتے ہوئے رہ جاتے
ہیں ناکام طلباء کی فیصد تعداد تشویشناک حد تک پہنچ گئی ہے
آپ نے یہاں پر سٹر شانتی سروپ کے جیسے جادو بیان مقرروں کی تقریر
سنی جس سے شاید آپ کا یہ خیال ہوگا کہ انگریزی زبان میں
ہندوستانی آسانی سے درک حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں
بلکہ اس کے بجائے ہزاروں ایسے ہندوستانی نکلیں گے جن کی انگریزی
آپ کے مقابلہ معائنہ کا لطف دشمن ہے میرے لئے یہ ہر ذاتی
نہیں بلکہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کو آپ سنکر لطف اندوز نہیں ہو سکتے
علاوہ ازیں ایسے طلباء بھی ہوتے ہیں جن کی افتاد طبیعت کسی خاص
شعبہ علم کیلئے بہترین صلاحیت رکھتی ہے لیکن کسی زبان کا سیکھنا
اور کی خداداد قابلیت سے باہر ہے ایک ہونہار لے اعلیٰ یا ضمنی
کیلئے بہ ناممکن ہو سکتا ہے کہ وہ زبان کی دقتوں پر حاوی ہو۔ اگر
ایسی صورت ہے تو اوس کی ترقی کی کوئی راہ کھلی ہوئی نہیں ہے
بحیثیت یہ ہی واں انکی زندگی ختم ہو گئی اور رشتہ یاروں کے ساتھ ہی
ہندوستان کے ذہانی بیش بہا دولت کو ناقابل تلافی نقصان ہو گیا۔
میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی صاحب فہم اس امر سے انکار کر سکتا ہے کہ
ہندوستانی طلباء کو ہندوستانی زبان میں تعلیم دینے کے اصول کی
حد تک ہم ٹھیک راستہ پر ہیں اور میں اس سلسلہ میں چند ایسے ممتاز
ہستیوں کا نام بتا سکتا ہوں جن کو جانے اس اصول سے پوری
ہدردی ہے۔ اون میں سے صرف ایک مسز سروجنی نائیڈو ہیں جن کا پیغام
ونگا جن کی یہ تمنا تھی کہ بنگالی زبان کو مکتبہ یونیورسٹی میں حیثیت
لجانے چاہیے اور وہ زبان کو حیدرآباد میں حاصل ہے۔ اسی طرح اون
تمام دلائل سے دو چار ہونا پڑا جنکا بیان لارڈ میکالے کے "منسوب"
(اس کو میں "منسوب" کے لفظ سے تعبیر کر سکتا ہوں) منٹ میں آیا
ہے ہم سے کہا گیا کہ اس زبان میں نصابی کتب مفید میں اسلئے
موجود نہیں ہے جو جدید مضامین سے بحث کرتا ہو اور زبان میں ملکت
نہیں ہے جس سے موجودہ خیال کا اظہار ہو سکے اس کا جواب ہم

(بقیہ تبصرہ از صفحہ ۱۰)

ان کے زمانے میں جو سیاسی حالات رہے اور آصف جاہ اول کے بعد تخت کے لئے جو کشمکش اسکے متعلق ہوئی اس کتاب میں مواد آیا ہے اور جنگ بہمنی کا جانگیر کے اسناد وغیرہ کے کل

موجود ہیں چھپائی عمدہ عمدہ تصاویر۔ قیمت مجلد ۴ روپیہ

تاریخ دکن کی دلچسپ حکایات پہلا حصہ۔

اس کتاب کو تالیف کرکے مصنف نے ایک اہم خدمت کی ہماری موجودہ تعلیم کا سب میں بڑا عیب یہی ہے کہ ہم دنیا بھر کی تاریخ سے باخبر رہتے ہیں اور اپنے ملک سے بے خبر اس چھوٹی کتاب میں بچوں کے لئے طالب صاحب حکایات کے پیرائے میں نہایت سلیس طریقہ پر علاء الدین خلجی سے لے کر بہمنی سلطنت اور اس کے بعد چار دین اسلامی سلطنت کا ذکر کیا ہے بچوں کو اس زمانہ سے تاریخ پڑھنے میں بہت سی وہ دقت کم ہو جاتی ہے جو ہوس حقایق اور شیریں کے درد کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کو مدارس میں داخل کر لیا جائے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۴ ہر

(بقیہ حمایت الاسلام)

حال ہی میں حمایت اسلام کمیٹی نے اس تصفیہ شدہ کانفرنس کو منظم بنا دیا۔ اس طرح ایک محب ملی کوشش کا انتظام ہوا۔ لیکن الہ آباد کانفرنس اپنی انا دیت میں ناکام رہی

سبھی جانتی تھی کہ کامیابی کی راہ میں ایک منزل ہے جس سے ہم اور اتحاد و ٹرکانیکے منازل حاصل کر سکتے ہیں ہندوستان کے فرقوں میں مسقدر شدید اختلافات پیدا کر دے گئے ہیں ان کو دور کرنے کے لیے اسی قدر دقتوں کو طے کرنا ہے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ الہ آباد کانفرنس نے کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ اگر ہمارے قومی زعیم مخلص اور نیک ارادے سے ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ان کا کسی نتیجہ پر متفق ہونا ناممکن نہیں ہے

علیم الشان رعایت

رسالہ **جہانگیر** لاہور

کے تین خاص نمبر

"نظام نمبر" "جوبلی نمبر" "دیوالی نمبر" کے ساتھ مفت میں تسلیم ہوگا اگر ہمارے خاص بندوبست سے ان نمبروں کے علاوہ ہر ماہ کا پرچہ بھی آپکی خدمت میں پہونچتا رہے گا۔ نظام نمبر کے لیے جلد آبادی حضرات اصحاب کے لیے بہترین موقع ہے فی نمبر عہ کلدار نصف نقد باقی ادھار دیدے۔

سید غیر حسین قیس حیدرآبادی جایٹ ایڈیٹر جہانگیر مقیم ہنگامہ

موتی محل ٹاکیز

زیرٹنسی مارکٹ

میں

چون چون کا مربہ

آرہا ہے اس میں مدن کمپنی کے تمام کمالات دیکھا ہیں ڈھائی اور تین برس کے بچے کا گانا۔ تین سالہ لڑکے کا طبلہ بجانا۔ مختار بیگم اور نثار کا گانا۔ تعلیم یافتہ بیوی میں پینشن کویر اور ماسٹر جون نے طرفہ زیبارٹ کیا ہے۔ ستار کا آرکسٹرا (لڑکون کا) ستار کا آرکسٹرا (لڑکیون کا) بل رنگ سولو۔ وایولن سولو۔ تمام سین نئے ہیں کسی ڈرامے سے نہیں لئے گئے غرض یہ مدن کمپنی کا بہترین ریویو ہے۔ صحیح معنوں میں تفریحی جنت نگاہ فردوس گوش ہے ضرور تشریف لایئے۔

منیجر موتی محل ٹاکیز

حیدرآبادی خواتین کی خوش ذوقی ہندوستان بھر میں مشہور ہے

اس لیئے

بمبئی۔ آرٹسٹک ناولٹی ایمپوریم اپنے لاجواب زیور اور حسین ترین جواہرات کے ساتھ حیدرآباد میں موجود ہے

حسین فن کاری میں حسن ذوق کی کشش موجود ہے

اس کو دیکھنے کے بعد آپ کی خوش ذوقی آپ کو خریدنے پر مائل کریگی

تشریف لایئے!

اور حقیقی جواہرات کے زیور سونے چاندی کے حسن کارانہ گہنے بلوریں سامان اور نادر تحفوں کے عجیب و غریب مخزن کو ملاحظہ کیجئے۔

آرٹسٹک ناولٹی ایمپوریم روبرو گرامر اسکول چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

نمبر ٹیلیفون ۲۴ تار کا پتہ گمہوری

جی آر گھونات مل نبکر حیدرآباد دکن

کر سپانڈنٹ (ایجنٹ) مسرس تھامس کوک اینڈ سنس لمیٹڈ شکرز برائے حیدرآباد دکن

بحری سفر۔ دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے۔

فارن اینڈ کلینڈ بلز۔ واجبی کمیشن پر بمبئی کلکتہ اور مدراس کے علاوہ واسٹ لندن کے لیے بھی ڈرافٹ جاری کئے جاتے ہیں۔

رقومات۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافٹ رقم بھیجی جاتی ہے اور ماہانہ رقومات قانونی احکامات کے تحت روانہ کیے جاتے ہیں۔

ضمانتی و پرامیسری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت نامون و پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزانہ متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔

وظیفہ اور منصب۔ خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے کھاتہ داروں کے حسب فہشار ایصال وجمع کیے جاتے ہیں چالو حساب عالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فی صدی سود دیا جاتا ہے۔

سیونگ بنک۔ عالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (۲½) فی صدی سالانہ سود دیا جاتا ہے اور درخواست کے ذریعہ قواعد حاصل کیے جا سکتے ہیں اور ڈرافٹ قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود سے منظور و ضمانتیں پر ڈرافٹ کیے جاتے ہیں ہر قسم کے ٹیک اور تبادلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔

جنوری ۱۹۳۳ء کا نگار

(جناب نیاز کے قلم سے)

کم از کم دس جزو کی ضخامت پر شایع ہوگا اور وقف ہوگا صرف تشہیر ایات، تاریخ الفتحا رکے لیے یعنی اس میں عہد قائم سے لے کر اسوقت تک کی تمام شی بنار تحقیق نفسیاتی و علمی نقطہ نظر سے نہایت بسیط بحث کی جائے گی اردو میں بالکل پہلی چیز ہوگا اور ہزارون ایسی دلچسپ معلومات کا حامل ہوگا جو اس وقت تک نہ اپ نے سنی نہ دیکھیں مفصل فہرست عنوانات کی نگار ماہ نومبر دسمبر میں شایع ہو چکی ہے۔ سالانہ چندہ نگار پانچ روپیہ جنوری ۱۹۳۳ء کا پرچہ علیحدہ پیر میں ملے گا۔

منیجر نگار لکھنؤ

فائن آرٹ اسٹوڈیو

بورڈ کی رنگوائی، مصوری، اور دوسرا حسن کارانہ کام ہماری دوکاں فائن ارٹ اسٹوڈیو روبرو۔

گرامر اسکول چادر گھاٹ میں ہوتا ہے

کتابون کے اعلیٰ طباعت کے سامان میں

عہد آفرین پریس

کی دھوم ہے ضرور اپنی کتاب یہان روانہ فرمایئے۔ اپ کو اعلےٰ اشیشنری کا سامان بھی مل جائیگا۔

عہد آفرین پریس
اسٹیشن روڈ

مطبع دار التحریر

اپ کے ہر قسم کی کتابت و طباعت کی ذمہ داری لیتا ہے اور خوبی یہ ہے کہ وعدہ کی پابندی اور کتابت و طباعت دیدہ زیب ایک مرتبہ ضرور آرڈر دیکر آزمایئے۔

منیجر مطبع دار التحریر یوسف بازار نیا پل


THE
HUSN KAR
حسن کار
A FORTNIGHTLY
URDU JOURNAL
HYDERABAD DECCAN

مضامین خاص -

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کے لیے سب سے اچھی رہبر طلبہ اور اردو سیکھنے والوں کی اصلی کتاب قواعد اردو (مولفہ عبدالرحمن صاحب پریس)

قیمت (۴) ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ نزد بسٹ پٹنہ خانہ انگریزی حیدرآباد

آپ کی کتابیں کھان چھپتی ہیں؟

ٹیپ۔ انگریزی۔ اردو۔ تلگو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں حاصل کرنے سے فراہم کی گئی ہیں حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

مقفن پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کے لیے بہترین تحفہ

آپ کے بچوں کی ذہنی واخلاقی لیے بہترین کتاب۔

سیرت و کردار

مولفہ عبدالرحمن صاحب پریس قیمت ۶ر

ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ

نرخنامہ

حسن کار

گورنمنٹ سے رجسٹرڈ سالانہ

چندہ سالانہ	بلدہ	اضلاع
	۲ر	۲ر
ششماہی	۱۱ر	۱۲ر
سہ ماہی	۶ر	۶ر

فی پرچہ ۴ر

حسن کار کی بلدہ میں ایجنسیاں

۱ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ چادرگھاٹ
۲ فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو گورنمنٹ اسکول
۳ محمد صالح ایجنٹ خبارات چھتہ بازار آباد
۴ عبدالجبار ایجنٹ اخبارات دربار نمبر (۱۴۰) پارکین سکندرآباد
۵ امداد اینڈ کمپنی ناپسلی
۶ علیم الدین صاحب اخبر روبرو مانگلداری
۷ رجب علی صاحب تاجر روبرو مسلح سرائے ناپسلی
۸ دکن بک اینڈ اسٹیشنری مارٹ عابد بلڈنگ
۹ نسیم الدین صاحب تاجر چارمینار
۱۰ حاجی صاحب روبرو ہسپٹل سینما معظم جاہی روڈ

حسن کار کے

مضمون نگاروں سے گزارش

(۱) براہ کرم مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھے جائیں
(۲) مضامین مختصر عام فہم اور جاذب ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔
(۳) افسانہ اور ڈرامہ لطیف جدید اصول پر مبنی ہو۔
(۴) مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہیے
(۵) حسن کار ماہ الٰہی کی یکم اور پندرہ کو شایع ہوا کریگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار عبدالقیوم کی رہبری میں

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار

قدیم کتب کا

خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور قدیم رسایل و اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو۔

کاشانہ باز

...(یاد رکھیے)...

کاشانہ باز بازار گھانسی حیدرآباد

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	مسجد ایک تاریخی جن کا رائد	مسلار	
۲	مشرق کا قادر اعظم	از اکبر وفا فانی مدیر	
۳	بھوت کا فوٹو	از جناب سید بارا س بی اے آنرز علیگ	۵
۴	تاج محل	از جناب پروفیسر سید عبدالرحمن صاحب	۷
۵	رکس اکرام سلام دا آموز	از جناب سید شاہ محمد صاحب ایم بس بی رسرچ اسکالر	۹
۶	لیڈر	از جناب سید نور الدین صاحب بی۔ اے (عثمانیہ)	۱۱
۷	حدیث الیوم	.....	۱۳
۸	روحا (نظم)	.....	۱۴
۹	تلاش سکون	از جناب علامہ مرزا ہادی رسوا مرحوم	۱۴
۱۰	تلوار	از مسٹر برگشتہ	۱۷
۱۱	تملکت	از جناب کپتان اعجاز علی شہرت	۱۸
۱۲	نسوانی گفتگو	از جناب پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی	۱۹
۱۳	دانتے	.....	۲۰
		از جناب محمد عبدالقیوم خانصاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) رسرچ اسکالر	۲۱

غالب

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی سرکتہ آلارا انگریزی کتاب جس کی دھوم مچی ہوئی تھی اب اردو لباس میں مشہور انشاپرداز مسٹر سید معین الدین قریشی ایم۔ اے کے ذریعہ آگئی ہے خواہشمند جلد آرڈر روانہ کریں مانگ زیادہ نسخہ کم ہیں۔

ملنے کا پتہ

مکان ڈاکٹر سید عبداللطیف۔ کوچہ چراغ علی جادر گھاٹ حیدرآباد دکن قیمت عہ۸ر

فوٹوگرافی بہترین کام

آپ کو عمدہ اور خوبصورت فوٹو گرافی کی ضرورت ہے تو مسٹر ابراہیم علی فوٹو گرافر کا نام یاد رکھیے۔ بتوسط مہتمم حسن کار

سینما کے اعلیٰ سلائڈ

اگر آپ کو عمدہ سلائڈ کم دام اور اعلیٰ کام کے درکار ہو تو مسٹر ابراہیم علی فوٹو گرافر سے کام لیجئے۔ اعلیٰ مضامین کے سلائڈ بھی طلسمی فانوس کے لیے تیار کئے جاتے ہیں۔

مہتمم حسن کار

سب سے ترقی پذیر رسب سے خراج تحسین حاصل کرنے والی پہلے ہی مرتبہ محاسبہ میں مناخ کمانے والی

بیمہ کمپنی دی ایڈیل ڈیما کریٹک انشورنش ایڈ مارگیج لون لمیٹڈ ہے

اس کی پالیسی ہر شخص کے استطاعت اور ضرورت پر پوری اترتی ہے بے انتہا ازران

پورے ایجنٹوں کی ضرورت ہے معاوضہ معقول اس کے علاوہ پریذیڈنٹ اور مفت انشورنس دیا جائیگا عرف باشراد معزز درخواست بھیجیں

مرزا جاوید بیگ نمبر ۶۹۷ توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن

مطبوعہ مطبع ہیشہ [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسجد

(۱)

ایک تاریخی حسن کارانہ مطالعہ

یہ مضمون ایک لکچر کا خلاصہ ہے جو بزم تاریخ کلیہ عثمانیہ کے ایک جلسہ میں دیا گیا تھا اور ناظم صاحب بزم تاریخ کی اجازت سے "مجلہ عثمانیہ" میں شائع ہو رہا ہے۔ اساتذہ کے لئے اس اہم مضمون کو ہم شائع کر رہے ہیں۔

از۔ سید محمد اکبر رفاقانی مدیر

اسلام اور حسن کاری بظاہر متضاد چیزیں معلوم ہوتی ہیں لیکن تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام حسن کاری کا مخالف نہیں بلکہ حسن کاری اس کی مرکز کے گرد جمع ہو جاتے ہیں سنگ تراشی (ARCHITECTURE) سنگ کاری (PAINTING) جڑاؤ کاری یا پچی کاری (MOSAIC) اور دیگر معنوی حرفی کام رفتہ رفتہ فن تعمیر کی آرایش و زیبائش کی خاطر بروئے کار لائے گئے ہیں۔ عمومی اسلامی حسن کاری میں بزرگوں اور بادشاہوں کی شبیہ کشی (PORTRAITURE) یا اشخاص کی تصویری تعبیر کے بجائے اور توحیدی تجرید کے ذریعے بے پایاں اسلامی تخیل داخل ہو گئی ہے۔ آذری کو کسی صورت اس ابن آذر کے پیروؤں کے بنائے ہوئے تخیلی فن میں جگہ نہ مل سکی۔ جلا خدا پرستی اور صنم گری دونوں کس طرح ایکا ہو سکتے تھے!

مسلم حسن کاری پر ایک سرسری نظر ڈالنے کیلئے ہی اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے اس کے ہر شعبہ کی وسعت ایک ضخیم کتاب کے اوراق چاہتی ہے۔ یہاں پر ہم مسلم حسن کاری کے صرف ایک جزو سے بحث کر سکتے ہیں جس طرح مسجد اسلامی سیاسیات، معاشیات اور تمدن کے ہر شعبہ کا مرکز رہی ہے اسی طرح حسن کاری بھی جو تمدن کا نچوڑ ہوتی ہے۔ اپنا جنم بھوم مسجد ہی میں پاتی ہے۔ اسلام کی روح خدائے واحد کی پرستش ہے تو اس کا تالب اسکی پرستش گاہ۔ مسلمانوں کی اس روحانی محبت کا نتیجہ حسن کا انہوں نے خدائے حسین و جمیل کے عبادت گاہ کو بنانے میں صرف کیا ان کی بے عوض اور پاکیزہ محبت کی سچی

اس کے پیش نظر ہم مسجد کی ابتداء، ارتقاء اور عروج کے منازل کو بیان کریں۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دنیائے فن تعمیر کے مختلف اداروں کو جو قبل اسلام موجود تھے مختصراً لکھدیں۔ متمدن دنیا کے رہبر عام طور پر دجلہ اور فرات کے اطراف بسنے والے انسان مانے جاتے ہیں جنھوں نے اکثر شعبہ ہائے زندگی میں اپنے بعد آنیوالوں کی رہبری کی۔ فن تعمیر میں کلدانیوں اور سریانیوں کی عمارتیں بہت مشہور ہیں اور بابل کا مندر اور معلق باغ اب تک قدماء کے عجائبات عالم میں گنے جاتے ہیں۔ سادگی بلندی اور وسعت ان کی تعمیر کا اصلی گر ہے۔ مصر کے اہرام اب تک اپنی حال سے اپنے بانیوں کی اولوالعزمی، ثابت قدمی اور فن تعمیر کے قصیدے سنا رہے ہیں۔ ایران کے آثار و ضادید وہاں کے اہل فن تعمیر کی شہادت گری کر رہے ہیں جو دراصل دجلہ اور فرات کے تمدن کی ایک جھلک ہے۔ یونان مغرب کا نہاں استاد اور مصر کا شاگرد فن تعمیر کے بہت سے نمونے چھوڑ جاتا ہے۔ اکروپلیس اور ڈلفائی کے مندر درحقیقت میں موجودہ فن تعمیر کے رہبر ہیں۔ رومہ انفرادیت پسند یونان کا اجتماعیت پرست مقلد ہے جس کی تعمیر میں تہذیبیت کا شکوہ اور عالمی حکومت کی شان مضمر ہے۔ اب ان تمام تمدنوں کی مختلف کڑیوں کو ملایا جائے تو ہمارے سامنے ایک سلسلہ نظر آئیگا۔ ایک قدیم تمدن کا اثر دوسرے میں اور دوسرے تمدن کا اثر اپنے آنیوالے تمدن میں صاف جھلک پڑتا ہے۔ وہی بابل کے زقورہ کا شکوہ اور مصری اہرام کے مورث اعلیٰ ہیں اور وہی اہرام کا مثیل مکندریہ کے یونانی رہنما مینار (LIGHT HOUSE) جو طلبوس کی یاد گار ہے) میں روپوشس ہے اور یونانیوں کی تعمیر کا اثر رومانی قبض گاہوں دیولوں اور فتح کمانوں میں نظر آتا ہے۔ غرض ایک چراغ سے دوسرا چراغ برابر روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم اس ارتقائی سیاکو مسلم فن تعمیر کی جانچ میں برتتے ہیں تو وہ پورا نہیں اترتا۔ ریویرا اور اسی قبیل کے ایک رفیہ محققوں نے اپنا سارا زور اس کوشش میں صرف کر دیا کہ اسلامی تخلیق حسن کو یونانیوں یا رومانیوں کے حسن کا مقلد قرار دیں۔ لیکن باوجود پوری کد و کاوش اور جہان بھر کے سوئے جزئیات کے کوئی بھی مثل اور تجسیم میں اسکو مکمل ثابت نہیں کر سکا۔ لین پول نے اپنی کتاب قصر مسلم حسن کا تاج (ART OF SARACENS IN EGYPT) میں اس بات کی توجیہ یوں کی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے فن تعمیر کی ابتداء ہمیں دوسروں سے سیکھ کر اس میں ایسی جدتیں کیں کہ آخر کار وہ غیر اسلامی عناصر اور اثرات سے بالکل الگ ہو گیا۔ "کسی حسن کاری کا اثر جزئیات کی یکسانیت یا بعض اجزاء کی تقلید کی وجہ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک تمدن کا اثر دوسرے تمدن پر اسی وقت کہا جاتا ہے جبکہ حسن کاری کے اساسی تخیل تجسیم میں مشابہت اور مبنی پائی جائے اور جب اس اصول سے مسلمانوں کے فن تعمیر پر غور کرتے ہیں تو اسکو کسی کا مقلد نہیں پاتے بغیر کسی طرفداری

بقیہ مسجد صفحہ (۲۵)

مشرق کا قائدِ اعظم

سید جمال الدین افغانی

از

علامہ امیر شکیب ارسلان

مترجمہ

سعید بارائچ

یہ مضمون علامہ امیر شکیب ارسلان کے ان حواشی سے لیا گیا ہے جو اسٹیڈارڈ کی ترجمہ شدہ کتاب حاضر العالم الاسلامی میں موجود ہے اور اس میں اس زبردست شخصیت کی زندگی اور کارناموں کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق مشرقِ بعید اور عالم عربی سے ہے اردو میں اس قائدِ اعظم کی سوانح عمری مشہور ادیب قاضی عبدالغفار لکھ رہے ہیں اس عرصہ تک سید جمال الدین افغانی کے متعلق اردو میں جو بھی مضمون آجائے وہ یقیناً مسلمانوں کے ایک بڑے محسن کو پہچاننے میں مدد دیگا

مدیر

اسلامی فیلسوف، رہنمائے علم بردارانِ حریت جو مشرق کے تاریک آسمان پر درخشاں ہوا اور جس نے مشرق کو بیدار اور برسرِ ترقی کیا، جس کی صداقت کی آواز سے مشرق و مغرب میں ہل چل مچی۔ وہ کون تھا؟

وسطی افغانستان کی سرزمین کا ایک سید جو بعد میں جمال الدین افغانی کے نام سے مشہور ہوا مشہور فرانسیسی فیلسوف ارنسٹ رینان نے اس شخصیت کی حقیقت سے واقف ہو کر کہا تھا "اس شخص سے گفتگو کرتے وقت ابن سینا، ابن رشد یا مشرق کی کوئی اور زبردست ترین ہستی متشکل ہو کر میرے روبرو ہوں کے سامنے آجاتی ہے"

محسن کار

ان کی شہرت، ان کی خداداد فطری قوتوں کا چرچا مصر و شام اور تمام ممالک عرب میں کچھ اُس زور و شور کے ساتھ گشت لگا چکا ہے کہ آج ان کے حالاتِ زندگی ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہیں۔ اس لیے ان کی طرزِ زندگی پر تبصرہ یا ان کے مشہور کارناموں پر روشنی ڈالنا تحصیلِ حاصل سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم یہاں پر صرف ان واقعات کو قلمبند کرینگے جو ابتک کسی نے پیش نہیں کیے۔



علامہ سید جمال الدین افغانی

سید جمال الدین افغانی سے متعلق دو چیزیں ایسی ہیں جن میں لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) کیا واقعی وہ افغانی تھے اور افغانستان میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ وہ ایرانی تھے اور ہمدان ان کی جائے پیدائش تھی؟ (۲) کیا وہ فیلسوف الہیات تھے یا صرف مسلم یا بے فیض مادیات کے فیلسوف؟

سوال نمبر ایک کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ جو لوگ سید جمال الدین سے شخصی طور پر واقف ہیں وہ خود سید صاحب کی زبانی سن چکے ہیں کہ وہ افغانی کزئی کے مشہور سادات حسینی سے آپ کا سلسلہ سید صفدر آپ کے والد تھے اسد آباد میں جو کنر ایک آبادی ہے ۱۲۵۴ھ ۱۸۳۸ء میں وہ پیدا سید صاحب مرحوم کے سب سے بڑے اور مشہور شاگرد الاستاد الامام شیخ محمد عبدہ مفتی اعظم مصر نے بھی اپنے استاد کی کتاب الرد رسالت الدہریین کے دیباچہ میں بھی لکھا ہے۔ جنگِ عظیم سے چند ہی ماہ قبل، مدینہ منورہ میں افغانستان کے ایک رئیس سید حسینی صاحب سے جو سادات کنڑ سے تھے ملاقات ہوئی دریافت سے معلوم ہوا کہ سید جمال الدین افغانی ان ہی کے قبیلہ کے ایک فرد تھے دولت افغانیہ کے تمام حکام اور سفیروں سے بھی جن کی سفارتیں یورپ میں قائم ہو چکی تھیں اور جس سے قسمت نے ہمیں ملا دیا تھا بھی سنا پس ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تمام واقعات کی بنا پر جو ہم نے اپنے کانوں سے سنے دیکھی اور خاکسار کس طرح منسوب کیے جا سکتے ہیں سید جمال الدین افغانی علوی اور حسینی ہیں انگاشتہ اظہرِ من الشمس ہے افغانستان میں ان کی بود و باش ایک کھلی حقیقت ہے پھر کس طرح یہ ہمدان کے باشندہ ہو سکتے ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شیخ محمد عبدہ نے اس غلط فہمی اور بدگمانی کو مستند و مرتبہ دوستوں کی کوشش کی بنا پر آپنے عارف افندی ابو تراب کی مدد سے رسالہ "نیچرلسٹ" کا ترجمہ زبان عربی میں کیا جس میں

سید جمال الدین نے اہل الحاد کا رد کرتے ہوئے

حقیقت وحی کو منطقی دلائل اور عقلی فلسفہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جو براہین محمدیہ کی توضیح و تشریح پر ختم ہوتی ہے یہ سب کچھ اس قدرت اور کمال مہارت سے لکھا گیا کہ شاید ہی فلسفہ کا کوئی ماہر اس کام کو اس حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے مگر بعض لوگوں نے اور خاص طور پر نیم ملا دین نے اس رسالہ کے دضع کرنے والوں کو ملحد اور منکران خدا کا خطاب دیا۔ ان کے جاہلانہ اعتراضات میں یہ چیز بھی داخل تھی جس کو منطق نے اپنی کسوٹی بنائی وہ زندیق بن گیا" جاہلوں نے اس قسم کے کمزور اصول وجہادی اور تعصب دینے والے الفاظ سے عوام الناس کے خیالات کو منتشر کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ہمیشہ اپنے عقاید کو علمی حقائق کے مخالف ہتھیلوں پر قائم رکھا اس طرح وہ اسلام کے حق میں ایک بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ان کے کارستانیوں کے آثار مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی پستی میں ظاہر ہونے لگے جس کا ہم اب عینی مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب ایک رہنما یا مصلح قوم حکمت و فلسفہ اور بلند پایہ علوم کو اپنا شعار بناتا اور لوگوں کو اپنے عقاید پر غور و فکر کرنے اور تقلید کی زنجیروں کو توڑنے کی تلقین کرتا اور بے حسی اور جمود کے نقائص کو بیان کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کو "زندیق" کا خطاب دیا جاتا ہے اور ضعیف ایمان کی اس پر تہمت لگائی جاتی ہے عالم بے حسی اور جمود میں زندگی بسر کرنے والوں کا یہ ایک عام شیوہ ہو جاتا ہے اور اس قسم کی ہر چیز کو وہ جلد سو پنجے سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ بسبقت ہے فطرت وہ دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال اور ہم عقیدہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سے شیخ محمد عبدہ نے "رسالہ الدھریین" کے دیباچہ میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنے استاد سید جمال الدین افغانی کے حالات درج کئے ہیں اس کی عبارت تقریباً یہ ہے ان کے صحیح حالات زندگی کے متعلق مختلف لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں۔ اس چیز نے ہم کو ان کے سوانح حیات پر روشنی ڈالنے کی طرف مائل کیا۔ جمال الدین افغانی کی ہستی ایک روحانی قوت ہے جو ہر شخص کے ذہن میں اس کی اپنی ذہنیت کے مطابق جلوہ گر ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ وہ ایک حقیقت کلی تھے جو ہر شخص کے ظرف عقل کے مطابق نمودار ہوئے ہیں۔ وہ ایک پاک باطن بزرگ تھے اور لوگ ان کی مخالفت میں کامیاب نہ ہو سکے اس کے بعد صاحب الفاظ میں ان کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

دوسرے سوانح نویسوں کے مقابلہ میں وہ سید صاحب سے زیادہ واقف کار تھے۔ وہ ان کے حالات سے خوب مطلع تھے کیونکہ موصوف کو سید صاحب سے خوب اختلاط تھا ایک زمانہ تک ان کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے استاد کے حسب نسب جائے پیدائش تعلیم و تربیت سفر اور مشرب مذہب و سیاست کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ لکھتے ہیں سید جمال الدین افغانی حنفی اور امام اعظم کے مقلد تھے اور صوفیائے کرام کی طرف ان کا میلان تھا۔ سیاسی دنیا میں ان کا نصب العین یہ تھا کہ وہ ایک اسلامی سلطنت کو یورپ کی زبردست سلطنتوں کی صف میں دیکھنا چاہتے تھے ان کی خداداد ذہنی اور علمی قابلیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں آخر میں اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ابنائے کرام کے بعد انکی ذکاوت اللہ کی ایک خاص دین تھی اس کے بعد ان کے عبرت انگیز اوصاف، زبردست اخلاق، ان کی عالی حوصلگی اور موت سے نہ ڈرنے دالی بہادری مال و دولت اور بے نیازی کو بیان کرتے ہوئے اپنے دیباچہ کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں وہ بنابت ہی علیم اوی تھے۔ لیکن اگر کوئی ان کی عزت و وقار یا دین پر حملہ آور ہوتا تو ان کا حلم آناً فاناً جلال سے بدل جاتا ان کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنا شروع ہوتے ان کی حالت ایک خونخوار شیر کی سی ہو جاتی تھی جب نام الدین شاہ مجم نے ان کی توہین و تحقیر کی تو ان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس مخاصمت کا جو سبب نتیجہ نکلتا ہے وہ اس مضمون کے آخری حصہ میں بیان کیا جائیگا۔ عہد حاضر کے تمام ارباب بصیرت اس امر پر متفق ہیں کہ سید جمال الدین افغانی کی آمد سے مصر میں ذہنی انقلاب پیدا ہوا جس کی روشنی تمام ممالک عرب اور مشرق ادنی میں پھیلنے لگی اور اب تک وہ برابر پھیلتی جا رہی ہے۔ اس ذہنی انقلاب سے مقصد یہ تھا کہ مشرق کو ان تمام علوم و فنون سے روشناس کیا جائے جس کی بدولت مغرب کو مشرق پر اقتدار حاصل ہے مغرب کے اس اقتدار کا قلع قمع کیا جائے اور پھر ایک دفعہ مشرق کو اپنی اصلی ترقی یافتہ حالت پر واپس لایا جائے۔

سید جمال الدین نے جامعہ ازہر میں کسی سے تحصیل نہیں کی گھر پر انکا اپنا ایک خاص حلقہ تھا جو ملک کے چند اہم لوگوں پر مشتمل تھا۔ جو لوگ ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوئے ان میں شیخ محمد عبدہ شیخ عبدالکریم سلمان، ابراہیم افندی اللقانی، سعد زغلول پاشا (جن کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ وہ سید صاحب کے قیام مصر کے آخری دور میں مستفید ہوئے تھے) ملک میں کثرت حاصل کی ملک شام کے اہل علم و ادب کی بھی ایک جماعت جو مصر میں متوطن ہو چکی تھی سید صاحب کے ساتھ رہتی تھی ان میں ادیب اسحاق سلیم النقاش اور سعید البستانی قابل ذکر ہیں۔ ان تمام شاگردوں نے اپنے استاد کے خیالات کو تحریر اور تقریر کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں پھیلانا شروع کیا تحریر و تقریر کا اسلوب اتنا صاف پاکیزہ اور بلند پایا تھا کہ لوگ محو حیرت ہو جاتے تھے صدیوں سے مصر والوں کے نہ ایسی تحریریں پڑھتے ہیں آئیں اور نہ ایسی تقریری سننے کا انہیں موقع ملا ان شگفتہ اور نفیس خیالات نے ان کی ذہنی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور قوم کے مردہ جسم میں ایک روح سی پھونک دی اسی سے ان کے علم و فضل کا پتہ چلتا ہے اس انقلاب سے بہت سی ہمتوں کو قوت پہونچی، بہت سے ارادے تازہ ہوئے اور پوشیدہ قوتیں اور کارآمد دماغ عالم وجود میں آئے۔ شیخ محمد عبدہ نے اس انقلاب کے متعلق تقریباً یہ تحریر فرمایا ہے۔ آنکھوں کو روشنی اور دماغ کو جلا دینگی۔ وہم پرست دماغوں کا خاتمہ ہوا صحیح اور تندرست دماغوں نے ان کی جگہ لے لی" دوسری جگہ فرماتے ہیں" مصر میں جمال الدین کے آنے سے پہلے مضمون نگاری کا اتنا چرچا نہیں تھا جتنا کہ اب ہے اہل قلم میں صرف عبداللہ یا شاہ نکری اور خیری پاشا وغیرہ مشہور تھے بعض مضمون نگار ایسے بھی تھے جن کی طرز تحریر میں کچھ خامیاں پائی جاتی تھیں اور بعض کچھ خصوصیات کے حامل تھے باقی اور لوگ اپنی خانگی مراسلت میں سجع اور قافیہ بندی

افسانہ

بھوت کا فوٹو

از
پروفیسر سید عبدالرحمٰن

مجھے کامل یقین تھا کہ کیقباد کی شادی پر دیس سے ہونے والی ہے لیکن جب میں نے یہ خبر سنی کہ شرمناک و خوش نصیب شخص ہے جس کی بیاہ حسین پردیس بننے والی ہے تو میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی اور تعجب کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس واقعہ کی اطلاع مجھے خود کیقباد سے ملی۔

اس تقریب کی خوشی میں ایک قدیم دوست ہونے کی حیثیت سے دوسرے دن میں نے خسرو کو چند خاص احباب کے ساتھ جن میں کیقباد بھی شریک تھا شب کے کھانے پر مدعو کیا۔ میز پر کپتان حامد نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جنید آج کل تلعہ میں ایک عجیب بھوت نمودار ہوا ہے تلعہ کے کھنڈروں وغیرہ کو دیکھنے جو لوگ جاتے ہیں ان میں سے اگر کسی کے پاس ایک کالا بھوت بڑا ہوا نظر آئے تو کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر تو ن سے زیادہ وہ شخص زندہ نہیں رہتا بڑی مشکل سے کوئی سپاہی شام کے وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ دینے رضامند ہوتا ہے۔ ایک کی بجائے اکٹھا چار چار پہرہ دار تعین کئے جاتے ہیں لیکن پہریدار تک سب بالکل سہمے ہوئے جاتے ہیں"

کیقباد نے پالی کی گلاس تہ سے رکھتے ہوئے دریافت کیا۔ "حامد" کیا کسی نے تم سے یہ بھی بیان کیا کہ اس بھوت کی شکل کیسی ہوتی ہے"

"حامد" کہا جاتا ہے کہ یہ بھوت ایک سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے ہیبتی کی شکل کا نظر آتا ہے۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ ہے دانت باہر نکلے ہوئے ہیں۔ جس خاص شخص کو یہ انسان سے بتاتا ہے کہا جاتا ہے کہ بس اس کی موت قریب ہوتی ہے"۔

خسرو نے ایک قہقہہ لگا کر کہا "جنید کل تعطیل ہے چلو ہم بھی قلعہ کی سیر کر آئیں۔ یہیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون اس دنیا میں صرف دو مہینوں کا مہمان ہے"۔ کھانے پر ہم اس سیاہ پوش بھوت کے حسن کار



کیقباد نے کہا "ہا۔ یہ کیا ہوا"

مستقل ہنستے رہے۔ آخر یہ طے ہوا کہ دوسرا دن ہم قلعہ کے کھنڈرات میں گزاریں۔

(۲)

دوسرے دن علی الصباح ہم موٹروں میں قلعہ پہنچے۔ کیقباد کو فوٹو لینے کا بہت شوق تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا "آج یقیناً کیقباد کا بھوت کہیں نظر آجائے تو میں ضرور اس کا فوٹو لوں گا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد کچھ لوگ توپ (تاش) کھیلنے میں مشغول ہو گئے اور کچھ گرامو فون کا لطف اٹھانے میں۔ خسرو نے مجھ سے اور کیقباد سے کہا "چلو کھنڈروں میں گھومیں۔ شاید بہت نظر آجائے" آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا۔ کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ہم تاریخی کے قلعہ میں داخل ہوئے۔ کیقباد نے کمال (کیمرہ) خالکر کہا "یہ منظر کتنا خوشنما ہے میں اس کا فوٹو لوں گا"۔

خسرو دوسری طرف کسی چیز کو غور سے دیکھنے میں مشغول تھا نے کیقباد کے الفاظ نہیں سنے۔ میں نے دیکھا کہ بیلٹ سے کمال کو نکالتے ہوئے کیقباد کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا "جنید وہاں کوئی چیز تمہیں نظر آرہی ہے"

میں نہیں۔ کیا تم کو کوئی چیز وہاں نظر نہیں آرہی ہے"

کیقباد۔ میں نے ۔۔۔۔ کچھ نہیں۔ توبہ صرف نظر کا دھوکا تھا لیکن اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا ہے۔ میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھ کر کہا "کیقباد کیا لا بھوت تو تمہیں نظر نہیں آیا"۔

کیقباد "جنید۔ آئندہ سے تم ان چیزوں کے متعلق مجھ سے مذاق نہ کیا کرو"۔

کیقباد بھوت وغیرہ کے قصوں پر ہم میں سب سے زیادہ ہنسا کرتا تھا۔ اس شخص سے یہ الفاظ سنکر مجھے انتہا حیرت ہوئی۔ تقریباً پانچ بجے ہم اپنے مکانوں کو واپس ہوئے۔

دو دن کے بعد میں اپنے مکان کے برآمدہ میں بیٹھا ہوا ایک سگار کا لطف اٹھا رہا تھا میں نے دیکھا کہ کیقباد جلدی جلدی سیری طرف آرہا ہے۔ تب مجھے اس وجہ سے ہوا کہ یہ کیقباد کے معمول فیت کا وقت نہ تھا۔ اور وہ بہت کم کسی سے ملا کرتا تھا۔

برآمدہ میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ کیقباد کہنا شروع کیا۔

جنید مجھے معاف کرنا میں جانتا ہوں تمہیں دفتر جانا ہے۔ لیکن دو منٹ سے زیادہ میں تمہارا وقت نہیں لوں گا ایک خاص اور عجیب قریب امر میں تم سے مشورہ کرنا ہے تمہیں یاد ہوگا کہ دو روز قبل ہم قلعہ گئے تھے۔ اور اس دن میں نے تاریخی کے محل کی فوٹو لی تھی"۔

میں "ہاں"۔ کیقباد کی اس وقت کی تعجب انگیز گھبراہٹ مجھے یکایک خیال آیا۔

کیقباد "اور تمہیں غالباً یہ بھی یاد ہوگا کہ تم نے مجھے وہاں

سمالا بھوت تو نظر نہیں آیا۔"

میں نے کہا "مجھے بھی ایسی طرح یاد ہے اس دن تم بے حد ڈرے کی گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔"

کیقباد خموش۔ مجھے اس دن بھوت دکھائی دیا تھا۔"

میں نے ایک قہقہہ لگا کر کہا "کیقباد!"

کیقباد نے جواب دیا۔ خموش۔ میں ان باتوں کو وہم پرستی سمجھا کرتا تھا اور اسدن جو مجھے بھوت دکھائی دیا اس کو بھی نظر کا دھوکا تصور کرتا رہا تھا لیکن ۔۔۔۔ یہ دیکھو" یہ کیا ہے۔ کیقباد نے جیب سے ایک فوٹو نکالی اور میرے ہاتھ میں دیکر کہا "مکالمہ تو نظری دھوکے کی فوٹو نہیں لے سکتا۔"

جوں ہی میری نظر فوٹو پر پڑی میرے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ عقب میں تا رامتی کا محل تھا ایک سیڑھی کے جانب خسرو بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے قریب سیاہ لبادہ اوڑھے ایک مجسمی تھا جو خسرو کے جانب اشارہ کر رہا تھا۔ اس مجسمی کا چہرہ صاف طور پر نظر نہیں آتا تھا فوٹو کو دیکھنے سے میرے دل میں ایک عجیب وحشت سی ہونے لگی۔ میرا حلق خشک ہونے لگا۔ اور آواز ڈوبتی سی محسوس ہوئی کچھ دیر کے بعد میں نے یہ دریافت کیا کیقباد فوٹو کے پلیٹ میں تو کوئی دھبا نہیں ہے۔

کیقباد۔ اسدن میں نے خواص بھوت کو اسی مقام پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔"

میں لیکن وہاں مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی میں بھی تو بالکل قریب میں تھا"

کیقباد۔ اب خدا کو معلوم یہ کیا اسرار ہے

میں۔ یہ ناممکن ہے۔ ایسی باتیں آج تک کبھی ہوئی ہیں

کیقباد۔ بالکل ٹھیک ایجاد میں بھی روحوں کے کبھی تصویر کے متعلق قصے آیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ۔۔۔۔۔

میں۔ اس فوٹو کا پلیٹ تم لائے ہو"

کیقباد "نہیں۔ دو روز کا عذر چھانے کے بعد مجھے معتمد رخصت ہوئی میں نے پلیٹ توڑ دی۔ اب یہ بتاؤ کہ اس پلیٹ نگہ کی خسرو کی اطلاع کہاں پائی جاتی ہیں عوام کے خیال کے مطابق جن شخص کی طرف کا لابھوت اشارہ کرتا ہے وہ بالکل دو ہفتہ زندہ رہتا ہے۔

میں نے کہا "سب کچھ اس ہے لیکن میری رائے میں خسرو کو اس قدر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

کیقباد "میں بھی اس امر میں متفق ہوں۔ میں اب جاتا ہوں تم اس فوٹو کو صاف کر ڈالو اور نہ خسرو دیکھ پائیگا تو خدا معلوم وہ کیا خیال کر لیگا یہ کہکر کیقباد مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ اور میں اس فوٹو کو گھورتا ہوا اتنی دیر بیٹھا رہا

دفتر کو دیکھتے دیر میں پہنچا۔

(۳)

اوپر کے واقعات کے ٹھیک دس دن بعد خسرو بیرام کے نقاب میں گرگر ڈوب مرا اس کی موت یوں ہی حسرت ناک تھی کہ آئندہ ہفتہ میں بیرون سے اس کی شادی ہونے والی تھی لیکن سیرول پر فوٹو والے معاملہ سے اسکی موت کا خاص تعلق تھا۔

(۴)

پولیس کی تحقیقات میں کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ حادثہ کے دن صبح کے



"کیقباد نے محو حیرت کی"

خسرو اور کیقباد دونوں بیرام کے نقاب جیبی کے دھوکا کو گئے تھے، دس بجے کیقباد کی خسروی کام کی دھبے واپس چلا آیا۔ اسکا بیان تھا کہ تالاب سے نہ نکلے پر اپنے خسرو کو بیٹھے ہوئے چھوڑا تھا بڑی رات تک خسرو محل میں واپس نہیں ہوا اسکی تلاش کی گئی اسکی موٹر سائیکل تالاب کے پاس ہو جاتی لیکن اس کی لاش دوسرے دن تالاب سے برآمد ہوئی۔ دوستی کی وجہ سے کیقباد کو خسرو کی موت کا بڑا رنج تھا۔

میری پولیس سپرنٹنڈنٹ مقصود سے بڑی ملاقات تھی حادثہ کے دوسرے دن کو مقصود میرے مکان پر بیٹھے آیا خسرو کی موت کا تذکرہ ہو رہا تھا میں نے کہا تک میں بھوتوں کے وجود کو ایک بڑھیا کی وہم پرستی سے زیادہ نہیں وقعت دیتا تھا لیکن اب میرے پاس ثبوت موجود ہے کہ بھوتوں کے وجود کی بھی اصلیت ہے۔ مقصود نے پوچھا کیا ثبوت۔

میں نے کیقباد کا کھینچا ہوا تارہ متی کے محل کا فوٹو مقصود کے ہاتھ میں دیدیا۔ دیکھو یہ کیا ہے۔

مقصود۔ پانچ منٹ تک غور سے اس فوٹو کو دیکھتا رہا۔ اسکی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ سوچ میں ہے اسنے مجھ سے رخصت کی اس فوٹو کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہے اسکی بیان کردوں۔ کل اتفاق سے کے بعد اسنے کہا "جنید کیا یہ فوٹو تمکو یہ دیدو گے۔"

میں نے فوٹو اس کے حوالہ کر دی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ چلا گیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک دن دفتر خفیہ پولیس سے ٹیلیفون کے ذریعہ مجھے حکم ملا کہ ٹھیک ۹ بجے میں سرجان صدر ناظم پولیس سے ان کے دفتر میں لوں۔ میں ٹھیک وقت پر وہاں پہنچا۔ سرجان نے فوراً مجھے اندر بلا لیا اور کہنے لگے۔ مسٹر جمشید بھوت کا فوٹو جو اب نے سپرنٹنڈنٹ مقصود کو دیا تھا ایک بڑی پیچیدہ شے ہے کیا آپ کے پاس اس کے اور بھی کاپیاں ہیں" نہیں کیقباد نے صرف ایک ہی کاپی مجھے دکھائی تھی"

سرجان نے پوچھا۔ کیا آپ نے اس کا پلیٹ دیکھا تھا؟

میں۔ جی نہیں۔ دو فوٹو لینے کے بعد کیقباد مجھ سے کہتا تھا کہ اسنے پلیٹ توڑ دی سرجان "دوسرا فوٹو کہاں ہے۔"

میں "غالباً کیقباد کے پاس ہوگا۔"

سرجان۔ مسٹر جمشید اب اس معاملہ میں میری مدد کریں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ یہ ایسا عجیب فوٹو ہے کہ میں اس کی ایک کاپی رائل سائنٹیفک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کو بھجوانا چاہتا ہوں۔ آپ آج مسٹر کیقباد سے ملکر وہ دوسرا فوٹو ان سے حاصل کر لیں۔ مگر ٹھہریئے۔ کیا مسٹر کیقباد کو یہ معلوم ہے کہ آپ نے ایک کاپی مقصود کو دی تھی۔ میں نہیں۔ کیقباد نے مجھے تاکید کی تھی کہ اس کو تلف کر دوں۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ بیچارہ خسرو اس کو دیکھ پائے گا تو اس کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ میں اس کو میز میں بند کر رکھا تھا۔

سرجان بالکل ٹھیک ہے۔ آپ ابھی اپنے دوست سے ملیئے اور یہ کہہ کر کہ پھلا فوٹو تلف ہو چکا ہے وہ دوسری کاپی مانگ لیجئے مگر اس کا خیال رکھئے گا گفتگو میں میرا یا پولیس کا کہیں بھی نام آنے نہ پائے۔ سرجان کے یہ الفاظ سنکر مجھے بڑا تعجب ہوا میری سمجھ میں نہیں آیا ..... میں سرجان سے رخصت ہو کر کیقباد کے مکان پر پہنچی۔ کیقباد کا چہرہ اترا ہوا تھا

تاج محل

(۲)

از

سید شاہ محمد

یہ مضمون اور اس کے بعد کا مضمون آگرہ اور تاج سراڈون ازلنڈے مشہور انگریز واصفوں کا ترجمہ ہے جو اس عنوان سے دیا گیا ہے۔ مدیر

اگر کوئی شخص قدیم مغل دربار کی شان و شوکت کا اندازہ کرنا چاہیے تو اسے موسیو برنیر کی تحریر سے ایک اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس فرانسیسی نے شاہ جہان کے عہد میں آگرہ کی سیر کی۔ اور اپنے دوست کو خط میں لکھتا ہے "بادشاہ ایوان خاص کے سرے پر اپنے تخت پر جلوہ فرما تھا۔ وہ نہایت عظیم الشان لباس میں ملبوس تھا۔ اس کا انگرکھا سفید ساٹن کا تھا جس پر نفیس زردوزی کے ذریعہ ہیرے اور ریشمی پھول اور اُبھری علامتیں بنائی گئی تھیں۔ اس کا عمامہ سنہری کپڑے کا تھا۔ اس پر بگلے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ پر ندے کے قد موتیر نہایت قیمتی اور غیر معمولی ہیرے جڑے تھے انہی میں ایک بے مثل پکھراج تھا جو ایک چھوٹے سورج کی طرح منور تھا بادشاہ کے گلے میں بڑی موتیوں کا ایک ہار آویزان تھا ٹھیک اس طرح جس طرح یہاں کے اکثر بت پرست اپنی بڑی زنار گلے میں لٹکاتے ہیں۔ شاہی تخت چھ بلند پایوں پر ایستادہ تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ تمامتر سونے کے بنے ہوئے ہیں اور اس پر لعل۔ زمرد اور ہیروں کا جڑاؤ ہے۔ ٹھیک طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ ان بیش بہا جواہر کی تعداد اور قیمت کیا ہے ان کے قریب جانے اور گننے کی مطلق اجازت نہیں نیز ان کی آب و تاب کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ میں صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس قسم کے بڑے بڑے ہیرے کثیر تعداد میں ہیں اور تخت شاہی کی قیمت چار کروڑ روپیہ کہی جاتی ہے میں نے نبل ازین بتایا تھا کہ ایک روپیہ تقریباً نصف کراؤن کے مساوی ہوتا ہے یہاں کے حساب سے ایک لاکھ سونہرار کا اور ایک کروڑ سولاکھ کا ہوتا ہے۔

اس طرح تخت کی قیمت چالیس ملین روپیے ہوئی جو فرنسیسی لیویر ( ) میں ساٹھ ملین کے برابر ہوتے ہیں تخت پر دو طاؤس ایستادہ ہیں جو قیمتی جواہر اور موتیوں پر مشتمل ہیں تخت شاہی کے نیچے تمام امرا شاندار لباس میں موجود ہوتے ہیں یہ ایک بلند مقام پر پیچھے میں جس پر سنہری اور ریشمی غلاف پچھا رہتا ہے۔ اس کے اوپر ایک بڑا سنہری چتر یا منڈپ بنا ہوا ہے دربار ستون بھی سنہری نقش والے پردوں سے ڈھکے ہیں دربار کا فرش سنہری اور ریشمی گلکاری کئے ہوئے ساٹن پر مشتمل ہے فرش پر ریشمی قالینوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا دربار کے بیرونی حصہ میں ایک نفیس خیمہ لگا ہوا ہے جو ایوان خاص کے برابر وسیع ہے یہ ایک بڑی آری کمان کے ذریعہ محیط ہے اور چاندی کی چادر سے ڈھکا ہوا ہے یہ تین ستونوں پر ایستادہ ہے جو ہمارے کے ستونوں کے برابر بلند اور موٹے ہیں یہ سب چاندی کے پتروں سے ڈھکے ہوئے ہیں خیمہ کا بیرونی رنگ سرخ ہے اور اندر شوخ رنگوں میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ سینکڑوں مختلف انداز کی بگل کے پھول اس فطری خوبی سے اتارے گئے تھے کہ دیکھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ ایک دیوار گیری کا پارچہ ہے اس طرح ایوان خاص کے وسیع دالان کی تزئین کی گئی تھی۔ یہاں امرا ایک دوسرے سے زیادہ شوخ اور شاندار لباس میں ایستادہ تھے دربار میں جدھر نظر ڈالیے بجز سونے اور سونے کے کچھ نظر نہیں آتا۔"

لیکن ابھی تک آگرہ کے انجوبہ اور دُرِ دنیا کے تاج کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا ..... تاج محل دونے نظیر مقبرہ جسے ارجمند بانو بیگم کی خوبصورت اور نازک اندام تن خاکی کے آخری آرام گاہ کے لیے اس کے شوہر اور عاشق شہنشاہ شاہجہان نے تعمیر کروایا تھا۔ فی الحقیقت اس شہ کار کا نقشہ کھینچنا نہایت مشکل ہے جس کا نقشہ کئی مرتبہ کھینچا جا چکا ہے علاوہ ازیں تاج کا طلسم بیان سے باہر ہے بیچ پوچھئے تو ہمارے قدیم آگرہ کے ابتدائی اوقات اس مرمریں لطیف مرثیہ پر غور و فکر میں صرف ہوئے جتنے اپنی لطافت سے اس حسین نازنین کو بقائے دوام عطا کیا جس کی یاد گار میں اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ تاتاری شہزادوں اور شہزادیوں کی عادت تھی کہ اپنے زمانہ حیات میں کسی خوبصورت قطعہ زمین کا انتخاب کر لیتے اس کو دیواروں سے محیط کر لیتے اس میں قسم قسم کے درخت اور رنگ برنگ کے پھول اگاتے وہاں ایک بارہ دری بنا لی جاتی جہاں بانی اپنے زمانہ حیات میں عیش و نشاط میں مصروف ہوتا۔ اس کے انتقال کے بعد یہی ایک تربت بن جاتی اور پھر کبھی نغمہ و طرب سے معمور نہیں ہوتی سلطان اعظم انہی تاتاری خانوں کی ایک مغرور شاخ تھے اور ان کا بھی یہی وتیرہ تھا غالباً آصف خان کی خوبصورت بیٹی اور شاہجہان کی سلطانہ کو زندگی میں یہ باغ پسند تھا اور مرنے کے بعد اس احاطہ میں دفن کی گئی۔ شہنشاہ نے اپنے عہد کے بہترین حسن کاروں اور صناعوں کو حکم دیا کہ ملک کے لیے ایسا ارمغان بنایا جائے جو اس کی موری اور ممنون خوبیوں کی حاصل ہو سکے۔

دنیا میں کسی ملک کو ایسا مزار نصیب نہیں ہوا ہر شخص تاج محل کے متعلق سینکڑوں مرتبہ پڑھ چکا ہوگا۔ اور وہ جانتا ہے کہ ہم کیا کچھ کہنگے پہلے سرخ پتھر کا دروازہ ملتا ہے جس کو قرآن شریف کی آیتوں سے تزئین کی گئی ہے اس کے بعد ایک یم کنبد ( ) ہے جو چونوں اور مرغول سے آراستہ ہے۔ بالآخر سبز باغ ہے۔ مرمریں فرش کے ہر دو جانب مقبرہ کے درختوں کی قطار ہے۔ یہ گویا اس جگہ کی عظمت اور تقدیس کو حفاظت کے لیے نگہبانوں کے طور پر ایستادہ ہیں۔ اس منظر ( ) کے آخری سرے پر فوارہ اور سنگ مرمر کے چبوترہ سے پرے چار شاندار سفید۔ برج نظر آتے ہیں۔ انھیں کے مابین ایک لطیف اور سڈول گنبد نظر آئیگا جو اپنی چوڑائی (احاطہ) سے زیادہ بلند ہے یہ نہایت استوار اور شاندار ہے مزا یہ ہے تناسب اعضا اور سفید روغنی چمک کیوجہ سے نرم اور نازک معلوم ہوتا ہے تاج محل کی ستایش کے لیے تیار ہو کر کہیں اس کی ان کمزوریوں سے بے خبر نہ رہنا چاہیے جو اس کے طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ مثلاً اس کے خاکہ کی سختی ( ) اور اس کے غیر شکستہ لیا سالم ( ) پیش ( ) اور بازو و نیز سایہ کا عدم وجود اور اندرونی پچی کاری ( ) جس کی وجہ یہ عمارت تعمیر کاری کی نہیں بلکہ پچی کاری کی نصرت ( ) معلوم ہوتی ہے تاج محل کو دیکھ کر اس ضرب المثل کی تصدیق ہوتی ہے جو سنگلوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بجات کی طرح خاکہ اتارتے اور نگینہ کاروں ( ) کی طرح تکمیل کرتے" تاج محل کے متعلق

بقیہ صفحہ (۱۰) پر

اسی وقت صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے جبکہ ہم خیر جانبداری اور سلیم بصیرت سے اس واقعہ سے غیر متاثر رہنا چاہتے کہ بیس ہزار مزدور بائیس سال تک اس کی تعمیر میں مصروف رہے۔ اس میں خزانہ شاہی کے دو ملین پونڈ خرچ ہوئے اس کی خاطر کرۂ ارض کے ہر گوشہ سے قیمتی نگینے اور جواہرات منگوائے گئے۔ گنبد میں داخل ہونے سے پہلے ایک شاندار دروازے ( ) سے گزرنا پڑتا ہے جو بذات خود عظیم سے عظیم شہزادی کی یادگار کے لیے کافی ہے۔ اب تاج کا سفید گنبد نظر کے سامنے آتا ہے اور اپنے حسن کی نمائش کرتا اور یکے بعد دیگرے اپنی دلکشیوں کو پیش کرتا ہے اور جیسے تم آگے فرش شدہ راستہ ( ) پر آگے بڑھتے جاتے ہو دل اندر سے اس شے کی تنقید و تنقیص سے انکار کرتا ہے جو آنکھ کو مسحور کرتی اور قلب کو احترام پر مجبور کرتی ہے۔ واقعی اس شاہی محبت کی کیا کچھ قدر کی نہ جائے جو خود کو اس طرح سنگ مرمر کی حقیقت میں مجسم کر سکے پیمیں۔ ناریل انار کے درختوں کے سایہ کو جو دنیں دھوپ یا نکل مدھم اور لطیف ہو جاتی ہے۔ گرم ہوا کلاب اور یاسمین کی خوشبو سے سرد اور عنبر بیز ہو جاتی ہے۔ چاندنی رات میں سایہ دار راستہ نظارہ کو پُراسرار طریقہ پر گنبد کی پرلطف اور باشوکت درخشانی کیطرف لیجاتا ہے جب تم پہلی کرسی ( ) پر پہنچتے ہو اور سفید پرنیلے اعجوبہ کا پورا جلال پیش نظر ہو جاتا ہے تو تم کس طرح اس کی تفصیلات پر تبصرہ نہیں کر سکتے جس طرح کہ خوبصورت چہرہ فوراً کسی کے سامنے ظاہر ہو تو اس کی تشریح اس کے لیے نہایت دشوار ہے ستائش۔ مسرت اور حیرت ایک دوسرے میں گم ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خیال دلمیں جاگزیں ہو جاتا ہے کہ محبت انسانی نے کبھی اس سے بڑھ کر زیادہ دل سوزی۔ زبان سرگرمی اور زیادہ کامیابی کیساتھ فراموشی مرگ کے خلاف جد وجہد نہیں کی۔ داخلہ کے دروازہ سے لے کر جہاں کندہ مہلکہ "مہمان خدا باغ جنت میں داخل ہونگے" ملکہ کے سنگ مزار تک جس پر شائستہ انکسار سے لکھا ہے کہ ممتاز محل جہاں دفن ہے اور "صرف اللہ طاقتور ہے ان سب پر" باعظمت و پر جلال اداسی چھائی ہوئی ہے۔

باغ مقبرہ سے باغ کی زینت بڑھتا ہے جس طرح مقبرہ سے باغ کی زینت ہے یہ ایشیائی پودوں کا باغ نہ مرغزار ہے کیلے کے چوڑے علم بانس کے درختوں پر گنبد سا نمایاں ہیں اور نیچے سبزہ کے بیچ میں سفید فرش ( ) چلتا ہے لیکن اگر تاج محل ویران محراب میں بھی بلند ہوتا تو یہ حسین عمارت اس ویرانہ کو حسن سے معمور کر دیتی اور اُسے ویرانی موت کا حسین اور لطیف پیکر بنا دیتی اور اس کا ثبوت بن جاتی کہ محبت موت سے بھی طاقتور ہے۔ سرا سر سفید روضہ کے چاروں طرف پھرتے ہوئے توقف کرکے پہلے عظیم الشان مناظر سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں، جہاں جمنا خاص انداز سے رقصاں ہے۔ تاج محل کا ڈیل ڈول دیکھنے والوں کو محو حیرت کرتا ہے اس کی کرسی ہر طرف ایکموگز وسیع ہے۔ اس کی سنہری چوٹی آسمان کی طرف دو سو چوالیس فٹ بلند ہے دور سے یہ حسین اور ہوائی گنبد ( ) اتنی اوپر اٹھا۔ گول سحاب کی طرح نظر آتا ہے اس کے پاس پہونچئے اور قلب کو اس کے انتہائی اور نازک مزاحمت حسن سے معمور کرنے کے بعد ہم ملکہ ارجمند بانو کی مزار پر باادب و احترام پہنچتے ہیں۔ قبر کی اندرونی دیواروں پر رقیق سایہ اور مدھم جھلکیں عجیب لطف پیدا کرتی ہیں ان پر نفیس نگینہ کاری کی زیبائش ہے۔ جس طرح بیرونی دیواریں شریفانہ سادگی سے سنوریں اندرونی دیواریں سراپا آراستگی و نمائش ہیں اس ایوان مرگ کی شفاف سطح اور مزار کے اطراف کے مرمری ستونوں اور جالیوں پر ہر قسم کی نازک اور لطیف تزئین کی گئی ہے پھول۔ پتے۔ پھل۔ مرغول۔ کندہ عبارتیں سب کچھ یہاں موجود ہیں۔ ہر قسم کے جواہرات ..... سنگ۔ راشب سنگ سلیمانی۔ لاجورد۔ مونگے۔ موتی۔ زمرد۔ فیروزہ اس کی تزئین میں صرف ہوئے علاوہ ازیں آستانہ مرگ ایسے ارادے سے معمور ہے جو اپنے تئیں کی طرح نازک اور لطیف ہیں۔ وہ رخصت آوازوں کے تحمل نہیں لیکن اگر صنف نازک کی نرم آواز میں گیت گائی جائے تو وہ فوراً اس موسیقی کو لے لینگی۔ اور اس سے مختلف قسم کے راگ اور راگنیاں پیدا کرینگی۔ یہ آوازیں عجیب اندازہ سے کم اور زیادہ ہوتی ہیں گویا کہ اسرافیل نے فجر کی آواز تمام فرشتوں میں سب سے زیادہ لطیف اور شیریں ہے" اپنے بہترین آسمانی ترانہ سازوں کو ارجمند بانو کے آستانہ مرگ کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہے انہیں خوبصورت اوٹ اور نقش بھرے جالیوں کے اندر ممتاز محل کی حقیقی خوابگاہ ہے دائری قطعہ کے مرکز میں اس کا مقبرہ ہے جس پر ایک چھوٹی سفید سنگ مرمر کے تکیے کا نشان ہے۔ اس کے آغوش میں شاہجہان کا مزار ہے جس کا محراب کسی قدر بلند تر ہے کیونکہ وہ شوہر اور شہنشاہ تھا۔ لیکن اس میں ملکہ کے مزار کی سی خوبی اور لطافت نہیں اُسی شہنشاہ نے اپنی بے نظیر بیوی کو زندہ جاوید کر دیا۔ لیکن ان سب کا در دناک سبق مقبرہ پر کندہ نظم میں درج ہے اس میں تو "بلا تمائیت" شاہ شاہان ظل اللہ جس کا در بار جنت کا سایہ ہے" کے القاب اور خطابات کا اعادہ کیا گیا اس کے بعد یہ حدیث درج ہے ..... "عیسیٰ ؑ نے فرمایا۔ دنیا پل کے مانند ہے اتم اس پر سے گزرو۔ اس پر تعمیر نہ کرو دنیا صرف ایک ساعت کی ہے۔ اس کے ثانیوں کو عبادت میں صرف کرو۔ باقی انکھ سے اوجھل ہے"

جہازی بیمہ کمپنی اور دھوکے باز

جہازوں کو بیمہ کرنے والوں کے خطرات حال میں ایک کتاب کے ذریعہ ظاہر ہوئے ہیں۔ لائڈ کمپنی کے نقصانات کا اس میں اندراج ہے صرف ۱۸۹۲ء میں الابونائی جہاز غائب ہو گئے ان کے ساتھ لائڈ کمپنی کی خاصی رقم بھی ڈوب گئی۔ بیمہ کمپنی کو طرح طرح سے دھوکے دئے جاتے ہیں۔ جہاز پہنچنے کے وقت اچھے خاصے رہتے ہیں لیکن خدا معلوم کیوں سمندر میں جانے کے بعد ان میں روگ پیدا پیدا ہو جاتا ہے اور جہاز غرق ہو جاتے ہیں۔ البتہ ملاح بچ جاتے ہیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ اکثر معاملات میں دھوکا اور فریب دیا گیا ہے۔ ایک مشہور مقدمہ ترکی جہاز عبدالرحمٰن کی غرقابی کا ہے جو (۷۵) ہزار پونڈ پر بیمہ کیا گیا تھا اور سونے کے صندوق بند بھیجا گیا تھا۔ راستہ میں وہ غرق ہو گیا اور ملاح بچالئے گئے بعد میں اس جہاز کا ایک صندوق لبنان کے ایک گاڑی بان کے ہاتھ لگا اور سونے کے بجائے لوہے سے بھرا پایا ملاحوں کے متعلق یہ بات تحقیق تھی کہ تمام پیرون کے بدمعاش اور دنیا کے بہترین پیراکوں میں سے تھے اسی تحقیق کے بعد بیمہ کرنے والوں نے بغیر مطالبہ پالیسی بیچ دی۔

رگس انگرام

مسلم شہرہ آفاق آدا آموز اور ادا کار

(از سید نور الدین)

دنیا کو یہ سنگر جیت ہوگی کہ ایک مسلم آدا آمیز جس کا عقیدہ یہ ہے کہ مغرب اور مشرق کا آئندہ مذہب اسلام ہے۔ ہالی وڈ کے ان زبردست ہستیوں میں سے ہے جس نے آسمان سینما میں رامن نیوپر والیس ٹری کے مہیب درخشاں اختروں کو پیدا کیا۔ مشرقی ڈراموں کے لیے رگس انگرام کا نام اس طرح ضروری سمجھا جاتا ہے جس طرح مشرقی کتابوں کے لوح کی زینت کے لیے بسم اللہ لازمی ہے۔ رگس انگرام آئرستان کے ایک پادری کا بیٹا ہے جو ۱۸۹۲ء میں بمقام ڈبلن پیدا ہوا، اور اس نے اپنے کالج کی بہترین زندگی کو چھوڑ کر اپنی فطرت کے تقاضے کا جواب دیا اور عریوں میں جا بسا، اس کا جسم خاکی مغربی ہے اور روح مشرقی۔ اس قدیم اور جدید کے مرکب نے اپنے ضمیر کی آواز کو لبیک کہتے ہوئے مذہب اسلام قبول کیا اور نہ صرف یہ بلکہ وہ قلب اور روح کے ساتھ عرب اور اس کے مذہب میں ڈوب گیا۔ طرز معاشرت عربوں کی اختیار کرلی، وہ کبھی ڈاڑھی رکھتا ہے، عربی وضع کا لباس پہنتا ہے، اور عربی نہج پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ بحر روم کی جھلستی ہوئی دھوپ نے اس کو عربوں کا گندمی رنگ عطا کر دیا ہے، وہ گھوڑے پر اس شہسوارانہ انداز سے بیٹھتا ہے جس طرح عرب بیٹھتے ہیں عربوں کی محبت اور اسلام کے عشق نے اس کو عربوں کا مغربی الٰہی بنا دیا ہے، وہ اس کو اپنا جز سمجھتے ہیں۔ گذشتہ دس سال سے اس کی معاشرت عربی ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ عربی لاؤ لشکر رہتا ہے جن میں سے ایک وہ باؤنا ہے جس نے مشہور فلم گارڈن آف اللہ" میں باؤنے کا کام کیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کرلی تھی۔ اسلام کی محبت نے اس کو قرآن شریف کا ماہر بنا دیا ہے وہ آیات کریمہ کو بیساختہ اپنی گفتگو میں لاتا ہے۔ اپنی زندگی کے سب سے شاندار کارنامہ کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ اس کو مسلمان بنانے والی ہستی سابق سلطان ترکی خلیفہ عبدالمجید ہے جو تمام مسلمانوں کے خلیفہ مانے جاتے تھے۔

اس عجیب و غریب شخصیت میں گوناگوں جبلی قوتیں موجود ہیں۔ وہ بہترین آدا آموز ہے، مردم شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور فرصت کے وقت وہ ایک آذر۔ ایک حسن کار بن جاتا ہے۔ اب اس کے نئے فلم "بارود" میں اس نے اپنی آدا کاری کی قابلیت کا بھی ثبوت دیدیا ہے۔ اس طرح یہ عجیب و غریب کمالات کا شخص باوجود "ہالی وڈ" اور دنیائے سینما کے بتکدے میں ہونے کے موحد اور نہتا مسلم ادا آموز ہے۔

اس کا موجودہ مقام رہائش "نائس" ہے، (یہ وہی مقام ہے جہاں ہمارے شہزادگان والا شان کی شادی ہوئی تھی)؛ یہ مقام اپنی پر فضا آب و ہوا کی وجہ سے اہل یورپ کی تفریح گاہ ہے) یہاں پر اس کا ذاتی قصر ہے جس میں آذری آبی رنگ کاری کے وہ نمونے ہیں جو اس کے شاعرانہ دماغ کا نتیجہ ہیں ساتھ ہی وہ نوادرات بھی ہیں جن کو اس جہاں گرد سیاح نے مختلف مقامات سے جمع کیے ہیں: صرف فرانسیسی شکار تصاویر اپنی قیمت میں ایک انمول خزانہ ہیں، وہ اس خوبصورت شہر کے حسین مکان میں پرجمال اشیاء کے درمیان رہکر لکھتا، تصویر بناتا یا بحر فکر میں غرق ہو جاتا ہے۔ اسکی ہم راز حسین نازنین "الس ٹیری" ہے جو اپنے الگ محل میں رہتی ہے۔ ان دونوں کی جدائی بھی لوگوں میں چہ میگوئیاں پیدا کرتی ہے لیکن اس کا ان دونوں کے محبت اور خلوص پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہاں پر ہم اس کے ان کارناموں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اس نے خاموش فلم کی مقبولیت کے زمانہ میں آدا کیے تھے۔ ہر شخص جس نے "آئرستانی جنگجو" ..... "فردوس برس" ..... "چار سوار" ..... وغیرہ فلموں کو دیکھا ہے، وہ اس بات کا شاہد ہو سکتا ہے کہ اس آدا آموز کی قوت کا آفرینی کس بلا کی ہے، یہی وہ شخصیت ہے جس نے رومن نویرو کو پیدا کیا۔ یہاں ان حالات کو ذرا تفصیل سے لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ رومن نویرو اگر کو سے آنیکے بعد معمولی اور ادنیٰ خدمات کے ذریعہ خود کو اور اپنے تیرہ بھائی بہنوں اور ماں باپ کے قبیلے کی پرورش کرتا تھا، اس کی حالت بہت خستہ ہوگئی تھی، اور وہ مفلس اور تباہی کے کنارے پر تھا۔ اسی زمانہ میں عمر خیام کا ڈرامہ بننا شروع ہوا، اور اس میں رامن نو ایک معمولی پارٹ ملا۔ "رگس" کی دور بین نگاہوں نے اس نوجوان اسپینی نسل کے مکزی کائی میں وہ تمام خوبیاں دیکھیں جو ایک شریف زادے کے کردار میں ہونی چاہیے اسلیے بغیر کسی تعارف کے اس نے رومن نوا مرو کو بلا کر "پرنسز آف زنڈا" میں کونٹ روپرٹ آف ہنزو کا ایک اہم پارٹ دیا اور یہیں سے اس مفلس نوجوان کی زندگی فارغ البالی اور شہرت دوام سے بدل گئی۔

اس کا دوسرا کارنامہ خود اپنی شریکۂ زندگی الس ٹیری کو گمنامی سے نکال بام شہرت پر پہنچا نیکا ہے، یہ حسین اور نازک اندام لڑکی کسی زمانہ میں "لاس کی اسٹوڈیو" میں فلم کمپنی یا ترا دادکار کی حیثیت سے معمولی مشاہرے پر اپنی زندگی کے دن کاٹتی تھی۔ اور اسکو بمشکل ضروریات زندگی کے لیے اپنی محنت کا صلہ ملتا تھا۔ "رگس انگرام" نے اس لعل کو گدڑی سے نکالکر سینما کے تاج میں لگا دیا اور "پارٹس آف ڈسٹنی" میں اس کو ایک نمایاں پارٹ دیا، یہیں سے ان دونوں کے عشق کی داستان شروع ہوئی جو رشتۂ دوام پر ختم ہوئی۔

"رگس انگرام" کے عجیب و غریب رجحانات میں ایک اس کا شوق ریاضت جسمانی ہے۔ بعروں کی سیر و شہسواری اور ریگ بیاباں کی خاک نوردی نے اس کے رگ پٹھوں میں فولادی قوت پیدا کر دی ہے۔ آجکل وہ کھلاڑی کی مشق مشہور نوجوان اسپینی چاپین ٹامی کو لاکے زیر ہدایت حاصل کر رہا ہے اور اپنے ورزشی اوقات کے بعد جب وہ نائلس کے خوبصورت ساحل پر مشق خرام رہتا ہے تو بے شمار حسین دیکھنے والوں کے دلوں کو اپنے حسن و جوانی سے پامال کر دیتا ہے۔

"رگس انگرام" نے سب سے پہلے اپنے آوارگی کے کرتب اپنے بوتے فلم "بارود" میں دکھائے ہیں۔ یہ فلم اس قدر اس کے لیے کشش رکھتا تھا کہ اس نے اپنی شاعرانہ دلچسپیاں جو اس کو "ولا بنا ہوا" محل مقام سینٹ مورس میں حاصل تھیں چھوڑ کر لندن محض اس کے دیکھنے کے لیے گیا تھا، اس کے اس کارنامہ کو دیکھکر ہائی وڈ کی مشہور فلم ساز کمپنی "مسرو گولڈون میرس" کے آوارہ آموز کارلس برون نے اس کو ایک زبردست مشاہرے کا ایجاب کیا ہے تاکہ وہ ہائی وڈ میں آکر اس مشہور آوارہ آموز کے تحت فلم اختری کا حق ادا کرے۔ اس فلم کو بنانے میں رگس نے وہی ایجادی قوت کا اظہار کیا ہے جو اس کے متعلق مشہور ہے۔ چنانچہ اس کی اس قوت کا اعتراف ایک فلم نقاد مسٹر پاول ہالٹ Powell Hutt نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ "یہ بے جگر اسٹانی نوجوان وہ ہے جس نے سینما کی دنیا کو ایک محدود دائرے سے نکالکر ایک نئی اور وسیع دنیا میں پہنچا دیا۔" بارود کی فلم بنانے کے لیے اس نے مختلف الاقوام لوگوں کا انتخاب کیا، جن میں کوئی، روسی، امریکائی، عربی، اور انگریزی اقوام کے لوگ شامل ہیں اور زائد آداکاروں میں اس نے ہزاروں کی تعداد میں عربی شہسوار، اور فرانسیسی سپاہیوں کے خدمات حاصل کیں۔ اس کی شوق تکمیل بعض وقت حد سے گذر جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر جب کہ اس کو گھوڑے کے طویل سفر کا مظاہرہ کرنا تھا، اس نے تمام لباس کو گھوڑے کے بال اور گرد سے آلودہ کر لیا تھا، تاکہ مراکشی شہسواری کا صحیح نقشہ کھنچ سکے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ حقیقی فلم ساز کہاں تک فطرت کی عکاسی کرتے ہیں، اس ڈرامہ میں بھی ایک اور مہ پارہ کی رگس نے اپنی قوت انتخاب کے ذریعہ میدان عمل میں لایا۔ یہ مہ جبیں رو سٹاگر رشیہ کو باکی رہنے والی ہے۔ ڈرامہ کو جس وقت فرانس میں بنایا جا رہا تھا تو رگس کی مذہبی برادری نے سلطان کو اس کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور اس نے اپنے قلعوں اور تمام عمارتوں کو اس کی تیاری کے لیے وقف کر دیا۔ ساتھ ہی ہر قسم کی مدد پہنچائی۔ یہ چیز سوائے رگس کے کسی تثلیث پرست کو نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔

یہاں پر ایک امر نہایت ہی دلچسپ ہے۔ ایبنک اس ٹری کے ہزاروں میں کس نے اداآموزی کی خدمت انجام دی؟ اس کو غیر متحرک سے چیتی جاگتی تصویر بنا دی۔ لیکن اس کے پہلے ڈرامہ میں اس کی اداآموزی کا فرض اس حسین و جمیل اداکارہ یعنی مس الس کو ہلا، جس کے متعلق رگس کا خیال ہے کہ اسکی طبیعت کو سمجھنے کے لیے دنیا میں الس سے بہتر کوئی شخصیت نہیں مل سکتی۔ گو مس الس کے حالات کے متعلق رگس نے بعض دلچسپ حکایات بیان کیے ہیں اور کہتا ہے "کہ لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ ایبنک کو مس الس میں ایسے قابلے موجود ہیں جن کو از منہ وسطیٰ کی یادگار کہہ سکتے ہیں اور ان میں ایسے قصیدہ خانے موجود ہیں جہاں لوگوں کو کال کوٹھریوں میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے "چیلان" کے قیدی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہاں ایسے غلام اب تک موجود ہیں جو اپنی غلامی پر ہزار آزادیوں کو قربان کرنے تیار ہیں۔ اس لیے کہ وہاں آزاد ہونا صرف زبان سے ایک لفظ نکلنے کی بات ہے، ادھر فرانسیسی ہیرو، کو انھوں نے اپنی غلامی کی اطلاع دی ادھر آزادی حاصل کر لی۔

اس طرح ایک فرزند تثلیث کا مسلم بیٹا اپنی زندگی کے دن "اللہ جمیل و یحب الجمال" کی روشنی میں گذار رہا ہے۔ اور اپنی زندگی اسطرح شروع کرتا ہے کہ ٹرینیٹی کالج کی علمی فضا سے بھاگ کر پہلے امریکہ کی ریل کے دفتر کا منشی بنتا ہے، پھر مشہور جامعہ ایل کا طالبعلم اس کے بعد دوران جنگ میں ہوائی فوج میں داخل ہوتا ہے، اور آخر کار اداآموز آداکار یعنی مکمل حسن کار بن جاتا ہے وہ تقدیر کا مشرقی انداز سے قائل ہے، جس کو وہ مکتوب کے لفظ سے ادا کرتا ہے، اور اپنی محنت جس کو وہ تدبیر سے تعبیر کرتا ہے۔ میں خدا کی اعانت جس کو وہ تقدیر سمجھتا ہے دیکھتا ہے۔ یہ ہے اس واحد مسلم کی زندگی کا ایک سرسری خاکہ، جو ہالی وڈ کی آنکھ کا تارہ ہے۔

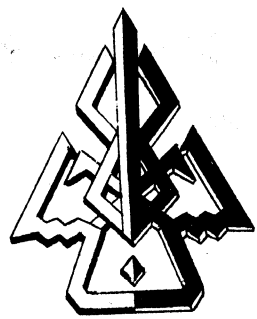
(یہ مضمون کرنیل کاسٹا اور پال ہالٹ کے مضامین سے ماخوذ ہے)

ناظرین سے چند ضروری باتیں

"حسن کار" کا یہ چوتھا نمبر آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جن حضرات کو اس کی خریداری منظور نہیں ہے، وہ براہ کرم ہمیں اطلاع کر دیں۔ ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ وہ اسکے خریدار ہیں۔

اس نمبر میں ہم نے جدید حیدرآباد کے مضمون کو اس لیے نہیں دیا کہ اس کے متعلق تصاویر تیار نہیں ہو سکے۔ بعض مضامین طویل آنیکی وجہ سے اب کی بار ہم نے اور سلسلوں کو بھی روکدیا ہے، جو آئندہ آجائیں گے۔

"ڈانٹے" کے مضمون کے متعلق ہم یہ لکھنا بھول گئے کہ یہ مضمون "جون ڈرنک واٹر" کی مشہور کتاب "اوٹ لائن آف لٹریچر" سے ماخوذ ہے۔



جلد (۱) | ۱۵ر بہمن ۱۳۴۲ف ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۲ء | نمبر (۴)

بولتی متحرک تصویر اور اردو زبان

دنیا میں شاید ہی کوئی صنعت ایسی ہوگی جو اپنی ترقی کی سرعت میں "بولتے سینما" کا مقابلہ کر سکے۔ ابھی اس کی ایجاد کا تنقیدی دور گزرا بھی نہ تھا کہ تمام دنیا میں عام ہو گئی اور ہر ملک اپنی ضرورت کے مدنظر اس سے فائدہ اٹھانے لگا۔ ہندوستان میں تو صنعت سینما اپنی ابتدائی حالت میں تھی اس کے خاموش کارنامہ بھی بہت کچھ اصلاح کے محتاج تھے کہ بولتا سینما شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے امپیریل اور پھر مدن تھیٹر نے متحرک تصاویر کو متکلم بنانے میں حصہ لیا ان کے بعد بیشمار کمپنیاں قایم ہونے لگیں۔

حیدر آباد میں سب سے پہلے "روشن آرا" دکھایا گیا اس کی کامیابی اور مقبولیت سے صاف پتہ چل گیا کہ یہ صنعت حیرت انگیز ترقی کا مستقبل رکھتی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ بیشمار ڈرامے سکین پر دے کی زینت بن گئے۔

ہندوستان میں اس صنعت کا ذریعہ زبان ایک نہایت اہم مسئلہ ہے صنعت ساز جماعت کے نقطہ نظر سے وہ زبان اختیار کی جا سکتی ہے جو تمام ہندوستان میں سمجھی جا سکے۔ چنانچہ ابتک جس قدر ڈرامے آئے ہیں ان میں بعض کو چھوڑ کر اکثر اردو میں ہیں اور پسند کو خواہ مخواہ ہندی الفاظ کی بہرمار سے ہندی بنا لیا گیا۔ لیکن ایک رجحان ہندی پرستی کا شروع سے موجود ہے جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صنعت ساز کمپنی بھی بھائی ذہنیت رکھ کر یہ سمجھنے لگی ہے کہ تمام ہندوستان کی زبان صرف اس زبان کا نام ہے وہ آبِ گنگا و جمن کی بولی ہے اور ان کی نظر میں وہ زبان جو سیکڑوں برس سے ہندو مسلم متحد کوششوں سے تیار ہو کر تمام ہندوستان میں عام ہوئی اب اس قابل ہو گئی ہے کہ اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیں لیکن جس ڈرامہ کو دیکھئے اس میں اچھے خاصے مکالمے کو ہندی بلکہ ٹھیٹ سنسکرت۔ الفاظ سے بھر کر اردو دانوں تو کیا ہندی دانوں کے لیے بھی ناقابل فہم بنا دیا جاتا ہے اور اس لفظی شور و پکار کا نام ڈرامہ رکھ دیا گیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وجہ کے پیچھے بہت کچھ صداقت موجود ہے متعصب اور فرقہ پرست طبقات کا وجود ملت سے اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ اردو کو ہندوستان سے خارج کر کے اس کی جگہ ہندی کو رواج دیں چنانچہ ان کی عملی کوششوں نے اس مقامی زبان کو انتہائی جنوب تک پہنچا دیا اور ہر جگہ ہندی دان لوگ پیدا ہونے لگے۔ تاہم یہ تمام سامی سیاسی رجحان رکھتے ہیں اور اس کی تبدیلی کے ساتھ یہ بھی بدل جائینگے۔ صنعت اور اس کی ترقی صرف سیاسی ہوا کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس کے پاس کاروباری وجہ ہونی چاہیے جس کی بنا پر وہ اپنا طرز عمل اختیار کرے اس نقطۂ نظر سے "ہندی پرستی" کی دوسری وجہ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ایک ڈرامہ ہندی میں آتا ہے ہندو کردار ہوتے ہیں کوئی دار نہیں ٹھلتی لیکن جیسے ہی ایک ڈرامہ اردو میں آیا اور اس کے کردار اسلامی نام کے ہوئے تو تمام فضا شور و پکار سے گونج جاتی ہے اس کی ابتدائی وجہ بمبئی کی فلم سازوں کا تعصب ہے اور انتہائی وجہ ہندوستان کی فرقہ پرست فضا کا بے پناہ نقطۂ نظر ایسے ڈرامے جس میں کوئی وجہ شور مچانے کی نہیں ہوتی وہ بھی چوطرف سے اعتراضات کا شکار ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر احتساب کی قینچی ان پر چل جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب فلم ساز سرے سے اردو ڈرامے اسلامی کردار کے ذریعہ بنائے گھبراتے ہیں اگر اسلامی کردار پیش کرنا بھی ہے تو وہ بھی مشرق بعید یا عربی کردار ہوتے ہیں۔

اردو کو بولتے فلم کے ذریعہ عام کرنے کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ یہ زبان تمام ہندوستان کی پیدا دار ہے اور اس میں وہ قوت موجود ہے جس سے ہندوستان کی قومی زبان بنائی جا سکتی ہے۔ موجودہ متعصب فضا کے دور ہو جانے کے بعد یہ راز تمام ہندوستان کے سمجھ میں آجائیگا اس وقت اردو کے

بقیہ از صفحہ ۱۴

حدیث الیوم

جشن یوم کلیہ

اس سال جشن یوم کلیہ نہایت اہتمام سے منایا گیا وقت نامہ میں کوئی ندرت نہ تھی گزشتہ کی طرح اب بھی شام ڈنر اور ڈرامہ ہوا البتہ سائنس کی نمایش کی دلچسپیاں اس سال نہ تھیں مشاعرہ میں جائے اداب نواز صدر اعلم مہاراجہ سر یمین السلطنت بہادر میر مشاعرہ تھے غزل سنانے والوں میں بشیر قدا دشمالی ہند کے شعرا اور اساتذہ کی تھی کالج کے طلبہ برائے نام تھے ایک ایسا مشاعرہ جو علمی ادارہ کا نمائندہ ہو اس کیلئے زیادہ تر دہن کے لوگ ہونا مناسب تھا تاہم قدیم طرز کے مشاعروں کے رنگ کے لحاظ سے یہ صحبت کامیاب رہی۔

دوسرے روز ڈنر ہوا جس میں اکثر قدیم طلبا شریک تھے مہمانوں میں نواب اکبر یار خنگ بہادر کے علاوہ ڈاکٹر مالہ شیلڈر کے بھی مدعو تھے ڈنر کے بعد ہی ڈرامہ شروع ہوا۔ ڈرامہ خاص اہتمام کے ساتھ کیا گیا تھا الفانوی شاعر گوئٹے کے مشہور ڈرامہ فاوسٹ کو ڈاکٹر عابد حسین نے نہایت ہی قابلیت سے اُردو میں منتقل کیا ہے اس سے ماخوذ کر کے طلبہ کلیہ نے ڈرامہ پیش کیا تھا لباس اور مناظر کی تیاری میں جدید اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا [illegible] نے اپنا اپنا کام کیا جن میں سب سے اچھی اداکاری مرزا شکور بیگ نے میفسٹوفلیس یعنی شیطان کے کردار میں کی اس ڈرامہ کی رونق یوں بھی دوبالا ہو گئی تھی کہ اس میں خاندان آصفیہ کی دو جلیل القدر ہستیاں زینت دہ محفل تھیں حضرت والاشان ولی عہد بہادر اور ان کے برادر

(دور محمد گی سے ختم ہوا۔

عثمانیہ کالج گلبرگہ کا شاندار جلسہ

جامعہ عثمانیہ کے ملحقہ اداروں میں کلیہ جامعہ عثمانیہ گلبرگہ سب سے نوعمر مرکز علم ہے اس نے اپنی کم سنی ہی سے اپنے شاندار مستقبل کا پتہ دیا۔

اس کے ابتدائی جلسے اس حقیقت کے شاہد ہیں ہمارے سامنے ان کے جلسے تقسیم انعامات کی روئداد ہے۔ رسالہ حسن کار تفصیل روئداد کا متحمل نہیں ہو سکتا ورنہ اس کو یہاں جگہ دیجاتی تاہم اس کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی ترقی کی رفتار برابر اپنے قابل صدر لایق اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے اس سال اس انٹرمیڈیٹ کالج کے طلبہ جامعی امتحان میں شریک ہوں گے ہمیں امید ہے کہ اس ادارہ کے طلبہ اپنی اساتذہ کی دو سالہ لگاتار محنت کا حق ادا کرینگے اور اس ہونہار ادارہ کا نام روشن کرینگے۔

اہل رُوما

از مرزا محمد ہادی رسوا مرحوم

یہ نظم "انی ید" کے ایک بند کا ترجمہ ہے جس کو سولا نے رومہ کے قالب میں مشہور شہنشاہی سے ڈھالا اور شرجید احمد الانصاری نے اپنے ترجمہ تاریخ روما کی تمہید میں نقل کیا۔

مثل مشہور ہے دنیا میں ہر کارے دہر مرے
یونہیں قومیں بھی عالم میں گواہ بے ہتالی ہیں

کسی نے اپنی صنعت سے برنجی پتلیاں ڈھالیں
بناوٹ کس قدر نازک ادائیں کیا نرالی ہیں

کسی نے سنگ مرمر کی بنائیں مورتیں ایسی
کہ ہر اک بات سے بخشوں میں سو باتیں نکالی ہیں

کسی نے محکموں میں اس لیاقت سے کمالت کی
کہ ہر رائیں اسماں کی جیسے اکی دیکھی بھالی ہیں

کسی نے علم ہیئت میں ترقی اس قدر کی ہے
کہ ہر رائیں اسماں کی جیسے اکی دیکھی بھالی ہیں

مگر اے اہل روما تم جہاں میں کارفرما ہو
تمہارا بول بالا ہے تمہارے عزم عالی ہیں

یہ عدل و داد دنیا میں تمہارے دم قدم سے ہے
جہاں میں امن و راحت کی بنائیں تم نے ڈالی ہیں

مچلنا سرکشوں کا سر تمرد کو مٹا دینا
بہت آبادیاں اب مفسدوں کے شر خالی ہیں

تمہارے زور نے زور آوروں کا زور توڑا ہے
تمہارے ہاتھ نے گرتی ہوئی قوموں کو سنبھالی ہیں

(بقیہ لیڈر از صفحہ)

طرف دارون کا یہ فرض ہے کہ فلم کی مقبولیت اور ثروت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

مظلم حضرت والاشان مظلم جاہ بہادر نے اپنی تشریف آوری سے طلبار کے حوصلوں کو دوبالا کر دیا تھا۔

یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اس کی محفلوں میں ایسے واجب تعظیم آقا زادے دلچسپی لے رہے ہیں

جشن یوم کلیہ اس سال بھی حسب سابق نہایت سلیقہ

مسالہ لگایا، پھر غوطہ میں چلے گئے۔ تنگ آکر وہاں سے
ہم اٹھکر باغ میں پہنچے، کہ یہاں کچھ سوجھیں، بھوک
لگ رہی تھی، ہم ایک بینچ پر بیٹھکر مراقبہ کرنے
لگے۔ "جناب آپ یہاں سے تشریف لیجائیے
۔۔۔ جگ کا زمانہ ہے" ہم چونک پڑے وہاں
سے اٹھکر کٹے پر آئے۔ نیچے چند نازنین جھولا جھول
رہی تھیں، اوپر چند طلباء، شوفر اور راستہ
چلنے والے اُن کا تماشہ کر رہے تھے۔ ہم
آہستہ آہستہ اپنی دعوت کے خیال سے کمرے کی
طرف چلے، وہاں پہنچے تو پھر آوازوں کا سلسلہ
جاری تھا، اور شاید معاملات انتہا کو پہنچ چکے
تھے۔ "فاطمہ بی شوفر سے کہو کہ موٹر یہاں لائے
ہم یہاں نہیں ٹھہر سکتے، ان کی وجہ سے ہر جگہ
جہنم ہے" پھر آوازیں تھوڑی دیر کے بعد
ایک زنانہ موٹر اور اس کے پیچھے ایک مردانہ موٹر
ہمارے سامنے سے گذر گئی اور جاتے ہوئے
ہماری دعوت کی امیدیں بھی لے گئیں۔ ہم پھر
لکھنے بیٹھے، اب دماغ سے زیادہ پیٹ قلابازیاں
کھا رہا تھا، دل میں آرہا تھا کہ اب بجائے ڈرامہ
لکھنے کے اپنی حالت کا مرثیہ لکھنے لگیں۔

یا دایام عشرت فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دن آسمانی

زیر لب گنگنانے لگے۔ کچھ دیر سر میز پر رکھکر
سونے کی کوشش کی۔ موٹر کی آواز آئی، ہم خوشی سے
اُچھل پڑے کہ چلو ہمارے دوست آگئے، اب
ان کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔ باہر آکر
دیکھا کہ ایک چھوٹی موٹر میں چند نفر لدے ہوئے
ہیں اور طبلہ، ستار، ہارمونیم، اور خدا جانے
کیا کیا ان کے ساتھ ہے، یہ قول بیابانی اندر
داخل ہوتے ہی ہمارا پرسکون کمرہ قیامت کے
نمونے سے بدل گیا۔ سب گا رہے ہیں سب
ٹھمکے لگا رہے ہیں، ہم کو کوئی نہیں پوچھتا
"مسٹر برگشتہ" تم یہاں کہاں؟" اب اپنی ہیچ
مدانی کا پتہ چلا۔ اسی طرح ایک دو گھنٹے اور
گذارنا تھا، ہم پھر لکھنے بیٹھ گئے۔ پھر سونے کی
کوشش کی ہار کر پھر قلم لیکر لکھنے لگے۔ ڈرامہ
لکھا۔ ۔ ۔ ۔ ایک ایکٹ لکھا جا چکا دوسرا
ایکٹ۔ ۔ ۔ دفعتہً۔ پھر سو گئے۔ قہقہے کی
آواز سے چونک پڑے، بھوک شدت کی محسوس
ہوئی، پھر سو گئے "اٹھو مسٹر برگشتہ غریب
لکھتے لکھتے سو گئے"۔ ہم اٹھے تو دیکھا کہ ہمارے
دوست موجود ہیں، ہم بغیر جواب دینے کے
اُن کے موٹر میں لد گئے، اور گھر واپس آگئے۔ اب
ارادہ ہے کہ آئندہ سے رات کو لکھیں گے اور اگر
رات کو ہمسایہ کی گدھے طہار ہو گئی تو صبح کو
لکھیں گے اور اگر صبح بھی۔

الٰہی حق تعالیٰ کریا ہے
شبِ رات کو لکھیں گے، مگر ہر گز کسی دوست کی
موٹر میں سکون کی تلاش کے لیے باہر نہ جائینگے۔

موتی محل ٹاکیز زیر مانسی مارکٹ
میں
مدن کا اعجاز
شکنتلا
آرہا ہے
جسمیں مس کجن نے لاجواب کام کیا ہے
۳۶ گانے لاجواب تصویر کشی اور دلکش مناظر
یہ ڈرامہ مدن کمپنی کے کمالات کا مرقع ہے
اس کے ساتھ اور بھی دلکشیاں ہیں مدن
کا کھیل صرف موتی محل کی طرح فرحت بخش
فضا میں دیکھنا چاہیئے۔
المشتہر
مینجر سینما



تلوار

(۲)

از

پکس اعجاز مسلی شہرت

فولادی تلواریں۔ فولاد کی بنے ہوئیں زیادہ تر عباسیاں ہوتی ہیں۔ یہ شاہ عباس صفوی شاہ ایران سے منسوب ہیں خراسانی اور اصفہانی دو قسم کی ہیں خراسانی کا فولاد سخت ہوتا ہے اور تلوار پر خم ہوتی ہے۔ اصفہانی کا فولاد اس سے کم سخت ہوتا ہے اور تلوار خوش خم ہوتی ہے دونوں کاٹ میں بے مثل ہیں فولاد کے زرہوں کو صاف کاٹ جاتی ہیں۔ لیکن ٹوٹنے میں سرد ہی سے بھی زیادہ۔ بے قرینہ گری اور ٹوٹی فولاد کے دو پارچے ملا کر ادوں سے جو تلواریں بنائی جاتی ہیں وہ کم ٹوٹتی ہیں اس لیے کہ دو قسم کا فولاد ہوتا ہے۔ دونوں پرت ایک طرح پر ایک دوسرے کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہ تلواریں دو پیکر کہلاتی ہیں اصفہانی تلواریں اس عیب کو ایک حد تک دور کرنے کے لیے "نصف آب" بنائی جاتی ہیں۔ یعنے تلوار کو دھار کی طرف تو آب دی جاتی ہے۔ اور پشت کی جانب نصف حصہ کو آب نہیں دی جاتی اس طرح پر نصف حصہ جو کاٹ کا کام دیتا ہے وہ تو سخت ہوتا ہے اور نصف حصہ جو پشت کی جانب ہوتا ہے وہ مقابلتاً نرم ہوتا ہے بے قرینہ چلانے سے تلواریں دانت تو گر جاتے ہیں لیکن پشت نرم رہنے سے ٹوٹتی نہیں

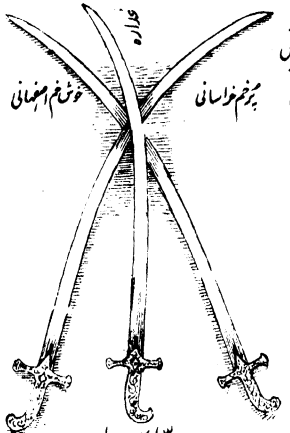
طلب علے اصفہانی کے ہاتھ کی عباسیاں بہت مقبول ہیں ہر تلوار پر اوس کا نام سنہری خوشنما حروف میں ایک خوشنما حلقے کے اندر کندہ رہتا ہے "عمل طلب علے" کہیں اصفہانی بھی لکھدیتا ہے فولادی تلواروں میں جو کسی قدر چوڑی اور لانبی ہوتی ہیں اون کو غدارہ اور قدارہ کہتے ہیں۔ ان سب میں فولاد کے جوہر نہایت خوشنما ہوتے ہیں اصفہانی جوہر ذرا موٹے اور خراسانی باریک ہوتے ہیں جوہروں میں یکسانیت اور کثرت تلوار کی قدر بڑھاتی ہے جوہر نمایاں کئے جاتے ہیں صیقل بنا کے صاف کرنے کے بعد پانی میں ہیر کسیس میں کر کے لیمو کی ترشی کے ساتھ لگا کے دھوپ میں تلوار کو رکھدیا جاتا ہے۔ چند مرتبہ یہی عمل کرنے سے جتنے جوہر اصلی ہوتے ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

بہت کم اور باریک جوہروں کو پشتہ کہتے ہیں ہیرا کیس

"پشتہ وہ کہ غرور کام بند ہو جس سے"

ایک قسم کے جوہر اور بھی ہوتے ہیں اون کو چمن جوہر کہتے ہیں یا جوہر کی چمن بندی یہ جوہر تلوار کے پس میں طول کے جانب ہوتے ہیں۔

ذرا بڑھ کے عرض میں آڑے ہو جاتے ہیں پھر طول کی طرف نمایاں ہوتے ہیں ہر عرض میں آڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ



عبّاسیان

چندان قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے۔ ایرانی ان تلواروں کو ہندوستان میں لائے۔ اور ایرانی الاصل شاہوں کے دربار دن میں ان کی قدر بڑھی۔ شاہان اودھ کے زمانے میں شمال میں اور ہمینہ کے زمانے میں جنوب میں ان کی کثرت ہو گئی۔ لکھنؤ میں ان کو ولایتی کہتے ہیں اور لفظ ولایتی سے مقصود بھی تلواریں ہیں۔ ان کا چلانا فدائی شکل کام ہے۔ بازو قوت دار ہو۔ ہاتھ صاف ہو تو کاٹ کا لطف ہے شاہ عباس صفوی کی ایک حکایت مشہور ہے کہ اوس نے میدان جنگ میں ایک سپاہی کو دیکھا کہ ایک توپ کو کاٹ دیا۔ اس کو بلا کے اوس کی تلوار لے لی اور اس کو اجازت دیدی کہ شاہی سلاح خانہ میں سے اوس کے عوض میں جو تلوار چاہے پسند کر لے۔ اوس نے یون ہی ایک تلوار اوٹھائی۔ شاہ عباس نے اوس کی تلوار کو ایک توپ پر آزمایا۔ شاہ کے ہاتھ میں قبضہ رہ گیا تلوار ٹوٹ کے دور جا گری۔ بہت خفا ہوا۔ اس سے کہا تو نے وفا کی وہ تلوار نہیں دی اوس نے عباسی کھینچکے توپ پر مکاری تو صاف کاٹ گئی کہنے لگا

"من شاہ را شمشیر دادم دست خود کہ نداد م"

سچ تو یہ ہے تلوار کے لیے ہاتھ چاہیے۔ استاد مرحوم ایک پرانے زمانے کے بزرگوار تھے وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

تو اب نام زدہے کسی کا لقب نہیں
تلوار داد حق ہے کسی کا کسب نہیں

زمانہ ماضی کے کاریگروں کی شناخت اور معلومات کیسی ہوگی کہ یہ بہترین لوہا انتخاب کرتے تھے اور کیا نسبتیں اون کے پاس ہوں گے کہ لوہے کو اس طرح جھانتے تھے جس اصل سیدھی تلواروں کی یہ خوبی ہے کہ پنکھے کی طرح کر سے جاتی تھیں اور جب چھوڑا پھر سیدھے ہمارے علے میں ایک قدیم بزرگوار کے پاس بزرگون کی یادگار ایک تلوار اس قسم کی ہے بے احتیاطی سے بڑی بڑی زنگ آلودہ ہو گئی ہے مگر باوجود روزانہ سلام کرنے کے وہ بندہ خدا اوس کی ہوا بھی نہیں دیتا۔

ایک مغرب تلوار کی صفت

عالیجناب نواب حسام الملک خانخانان بہادر دام اقبالہ کی شمشیر خاصہ مغرب ہے۔ نواب صاحب کو بہت عزیز ہے فرماتے تھے۔ "جب میں نواب مختار الملک اول مرحوم کے ساتھ ولایت گیا ہوں تو یہ میرے ساتھ تھی۔ ولایت میں جہاں اور مقامات کو دیکھا وہاں ولکنس کے شمشیر سازی کے کارخانہ میں گئے۔ یہ تلوار میرے ہاتھ میں تھی کارخانے کے میجر نے یہ تلوار میرے ہاتھ سے لے لی دیر تک غور سے دیکھا کیا۔ پھر ایک چھوٹی شیشی لایا جس میں سفید عرق تھا ایک قطرہ تلوار پر ڈالدیا تھوڑی دیر میں قطرے کا رنگ گلابی ہو گیا۔ اوس نے مجھسے کہا آپ اس تلوار کو بھیجتے ہیں میں نے کہا ہم لوگ اپنی تلوار نہیں بھیجا کرتے اس نے کہا میں آپ کو بیانگزار پونڈ دیتا ہوں میں نے پھر بھی انکار کیا اوس نے کہا میں قسم بھی دونگا اور اخبار میں بھی آپ کا نام شایع کرا دونگا کہ آپ نے تلوار مجھ کو عنایت کی میں نے اس سے پوچھا آپ کو اس قدر اصرار کیوں ہے اوس نے کہا اوس کا لوہا بے مثل ہے میں اگر من بھر لوہا گلا کے اوس میں اس کو ڈال دونگا اور یہ گل کر اوس میں شامل ہو جائیگی تو اس لوہے سے جو تلوار بنے گی اوس میں یہی صفت ہوگی جو اس میں ہے۔ نواب صاحب ایم ایم

بقیہ صفحہ (۲۳)

تلاشِ سکون

از

مسٹر برگشتہ

ایک مدت سے ہمارے مہربان کہتے آرہے ہیں کہ مسٹر برگشتہ تم بھی "فل بوٹ" "اور عورت ذات" کی طرح کوئی شارٹ شو یا مرد مانس" مستقل باتصویر کتاب شائع کرو۔ سستے سستے انسان کو مخاطب ہونا نظری ہے ہم سمجھنے لگے کہ ہم بھی ایک کتاب کے باپ بن سکتے ہیں چنانچہ ایک رات پنسل سلے اور کاغذ کو کاٹ کر اس کی درمیان بنا مصنف بنے کے لیے بیٹھ گئے اب سوال یہ تھا کہ لکھیں تو کیا لکھیں۔ دل میں آیا چلو ایک ڈرامہ ہی لکھ ڈالیں جس کا ایک ایکٹ رات ہی کو ختم کر دیں باقی صبح کو دیکھا جائیگا۔ چنانچہ ابھی ہم ڈرامے کا نام سوچ رہے تھے کہ دماغ منتشر ہو گیا قریب کے مکان سے ہارمنیم کی آواز آنے لگی اور ایک صاحب گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے۔

روم جھوم بادو را۔ آ۔ آ۔ آ۔۔۔۔ آ

دھوبی کے باربردار اور اصحاب کہف کے ساتھی کی قوم سے تو ہم شناسائی تھے ہی یہ اور ایک نئی قوم نکلی بس کم ہوئے وحشت نواز کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کوشش کی کہ آواز سے بے اعتنائی برت کر اپنا کام کریں لیکن آواز ہے کہ دماغ کے پردوں کو چیر کر نکل جا رہی ہے اور جلتے ہوئے ہمارے ڈرامے کے بھی پرزے اڑا رہی ہے ہم نے کہا اچھا رات کو تم گاؤ ہم صبح کو لکھینگے ہم اس وقت کمینگے جب تم دفتر کی غلامی میں مصروف رہتے ہو اس وقت تم ہمارا کیا بگاڑ دگے چنانچہ صبح کو بہت جلد ٹھیک دس بجے اٹھ کر ہم دیوان خانے میں آکر بیٹھ گئے۔ ابھی پنسل بھی ہاتھ میں لینے نہ پائے تھے کہ ایک کریہہ اور دل پھاڑ آواز

"الٰہی حق تعالیٰ کبریا ہے"

کی آنے لگی اسکی تالا کہ وہ سری آواز "جام لیتے جام کیا کہو پیتے کیا کہو پیا" اس کے ساتھ ہی سامنے کے مکان سے ایک چوڑ ایک رنج و رجن لڑکیوں کا کورس شروع ہوا آدھے کہو پیے والے" آجا جام والے" ادھر آ،

تینوں ایک ساتھ نہایت باریک آواز سے جس کا سر ہارمنیم کے پردوں میں ملتا محال ہے شور مچا رہی تھیں ابھی اس وحشت سے دم لینے بھی نہ پائے تھے کہ ہمارے ایک دوست جنہوں نے آنجکل ہی اپنی بکائی کو چھوڑ کر دوئی سے رشتہ جوڑ لیا ہے ہمارے دیوان خانے میں موجود ہوئے ان کی صورت دیکھتے ہی اپنی مصروفیت ظاہر کرنے کے لیے ہم اپنے کاغذ پر اس طرح جھک گئے کہ اس کی سنجیدگی میں بہت سے تصوف کے رموز ہیں دیکھا بھالی دئے رہے ہیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہمارے درست ایسے جل میں تھوڑا ہی آجاتے آتے ہی انھوں نے اس زور سے ہمارے شانوں پر دہنا قوی ہیکل ہاتھ رکھا کہ ہمارا دماغ عرش کے تارے دیکھنے لگا اور زور سے ہنسنے کے بعد فرمانے لگے" واہ مسٹر برگشتہ واہ جب دیکھو مکان سے غائب آج بڑی مدت کے بعد جو ملے تو مکھتے ہوئے (جھوٹ کی بھی کوئی حد ہے کل ہی مولانا سے راستہ میں ملاقات ہوئی اور چائے خانے میں ملیج چار گھنٹے کی ذکات اس ملاقات کی نذر ہوئی۔ اب فرماتے ہیں کہ مدت کے بعد آج ملے ہیں خیر) ہاں یہ ٹھیک نہیں رات دن کے لکھنے سے تم سیدھے پاگل خانے کی ہوا کھاؤ گے اچھا بہت لکھ چکے چلو اب کسی چار خانے میں چار پین اور دہاں چلکر گپیں لگائیں۔ چنانچہ بغیر کسی ارادے کے ہم اسی طرح ان کے ساتھ ہو گئے جس طرح ملزم پولیس والے کے ساتھ عدالت کو جاتا ہے چار خانہ میں لڑکی گپ شروع ہوئی انھوں نے اپنے نئے کھلونے یعنی تبلیغ ایک بیوی صاحبہ کا ذکر چھیڑا اور ہم کو ہماری یکتائی کو سلوا تین سنانا شروع کیا۔ ہم سے رہا نہیں گیا ہم نے کہا بھائی اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم سے کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا ہم لکھنے بیٹھے ضرور ہیں اور لکھنے محال ہو جاتا ہے بھر شروع سے آخر تک اپنی مصیبت کی اندر ہناک داستان انہیں سنا دی جس کا ان پر کچھ اثر ضرور ہوا انھوں نے کہا "اچھا تم کو ایک ترکیب بتاتے ہیں ہم اپنی موٹر میں تم کو گھنٹہ بھی پیٹ لیں گے کل صبح چھوڑ دیتے ہیں تین روز کی چھٹی ہے دہاں بیٹھ کر اپنا ڈرامہ جو کچھ بھی شہ کار لکھنا ہے اس کو الیفنان سے لکھ لینا اور شام کو ہم آکر لے جائینگے" کہ تم کیا کر رہے ہو" ہماری سمجھ میں آگیا کہ یہ سب سے بہتر مشورہ ہے چنانچہ دوسرے روز صبح ہم ان کی قدیم فورڈ کار میں سوار تھے جس کو دیکھ کر ہم کو اپنے "آقا" کا یہ مصرع یاد آیا۔

"نہ لنگر اس کا باقی ہے نہ اس کا بادبان باقی"

تاہم اس جھٹکا نما موٹر میں ہم اس امید بھرے دل سے روانہ ہوئے جس طرح گول میز کے نمائندے لندن کو جاتے ہیں قلعہ کے منظر کو دیکھ کر ہم قدیم حیدر آباد پر کچھ کہنے لگے کہ موٹر سائین کر کے ختم ہو گئی ہمارے دوست بہت پریشان ہوئے موٹر کا ٹوٹا ہوا بولٹ اٹھا کر ادھر کا جسم ادھر ڈالدیا کچھ دیر کے غولے کے بعد فرمانے لگے پٹرول ہو گیا اب کیا کرنا چاہیے ہماری رائے ہوئی کہ کوئی صاحب لنگر حوض جائیں وہاں سے ایک دوست کی سیکل لی جائے اور شہر جاکر پٹرول لایا جائے چنانچہ شوفر کو اس کار خیر کے لیے روانہ کیا۔ گیا اور ہم دونوں سگرٹ بازی میں مصروف ہوئے ہمارے دوست نے برسبیل تذکرہ پوچھا" آپ کسی چیز پر ڈرامہ لکھنے والے ہیں" ہم پہلے تو شٹ پٹائے پھر کہنے لگے ہم ایک اہم مضمون کو شروع کرنے والے ہیں دیکھیے تو سہی وہ ہم کیا لکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ ہر روزگاری پر ہم ایک زبردست چیز پیش کرینگے پہلا سین ایک گاؤن ہو گا جہاں پر ہمارے ہیرو کو پیٹرک کی کامیابی کے صلہ میں ملبوس کے ساتھ دیکھا جائیگا۔ دوسرے میں بورڈنگ ہو گا جہاں انکی دوسرے لڑکے گت بنائینگے۔ تیسرا سین کالج کے کمرے کا ہو گا جہاں پر فیسر اور طلبہ اس نووارد کی قابلیت کا اعتراف کرینگے اس طرح پہلا ایکٹ ختم ہو گا۔ دوسرے ایکٹ میں ..... بہرحال ایسا ہی ہو گا"۔

ہمارے دوست جو اس گفتگو کے درمیان سگریٹ کے ساتھ شغل فرمانے میں مصروف تھے کہنے لگے "واہ کس قدر زبردست تھیم ہے مسٹر برگشتہ تمہارا یہ ڈرامہ اداد لٹریچر کی جان ہو گا اور اس خاص مصنف تحریر میں ایک ہی راہ پیدا کر یگا ان کی تعریف سے ہم پھول گئے ہم نے اس کے جواب میں ان سے ایک غزل سنانے کی فرمایش کی جس کو کچھ ٹال مٹول کے بعد انھوں

سنایا ہے ۔۔۔ تو چکیں غمخوار سے غمخواریاں
اسکو کہتے ہیں غریب آزاریاں

ہم نے دل کھول کر داد دی، کہا کہ آپ کے کلام میں غالب کی بذلہ سنجی، میر کا درد، آتش کی گرمی، ذوق کا شکوہ، اور حالی کی سادگی یکساں طور پر دست و گریباں ہیں۔"

ہماری تعریف سے ہمارے دوست بھی پھول گئے۔ شوخ آنکھیں اور بھی گڈمڈی پیٹ پہنچ گئے۔

مسافر خانہ میں ہم سے پہلے بہت سے سکون تلاش یا تفریح پسند لوگ آچکے تھے، ہم نے ایک بیرونی کمرہ اپنے لیے مقرر کرلیا، اس میں ایک چھوٹی سی مسند اور کرسی بھی تھی، اپنے کاغذات اور رکن بوں گا بنڈل وہاں رکھدیا، یہی ہماری کائنات تھی۔ اسکے بعد کچھ دیر گفتگو ہوئی، ہم نے اپنے دوست کو رخصت کیا، جلسوں نے جاتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ شام کو پھر واپس آکر ہمارے کام کی رفتار دیکھیں گے۔

اب ہم اطمینان سے اپنے کام کے لیے بیٹھ گئے راستے میں ہمارے دوست نے عقیل ایک ایکٹ کا خاکہ ہمارے دماغ میں آگیا تھا، اس کو ہم نے جلدی سے نوٹ کرلیا۔ ڈرامہ تین ایکٹ کا ہونا چاہیے باقی دو ایکٹ میں کیا ہو؟ سوچنے لگے پنسل دانتوں میں تھی سر چھت کی طرف، آنکھ کچھ بند کچھ کھلی ہوئی۔ ابھی ہمارے دماغ میں کچھ الفاظ سگریٹ کے دھوئیں کی طرح مشکل سے ہی رہے تھے کہ بازو کے کمرے میں ایک شور برپا ہوگیا۔ "دیکھو بھائی جان تم سوچ سمجھ کر کھیلو، اب کے پچیس پوائنٹ ہوچکے ہیں۔" "واہ یا شاباش واہ بیوقوفی تو خود کرو اور ہمارا نام دو کیا کہکر، خاموش تم چل رہے ہو اور مجھ سے ہشیار رہنے کو کہتے ہو۔" "دیکھو بھائی بیوقوف کہنا ٹھیک نہیں میں جب سے آپ کے الفاظ سن رہا ہوں، کھیل میں آپ کو اپنا خیال نہیں رہتا۔" "جی تم بیوقوف ہو ورنہ کل بروپیہ دیکر آٹھ آنے کی پرسٹری دیکھا جی سے تم کس طرح لاتے یقین نہ آئے تو اپنے بھائی سے پوچھ لو۔" "دیکھو بھی ذرا سی بات پر اس قدر بناتا نہیں کرتے۔" "گویا واہ ریہ سنزان کو بھی اپنے چھوٹے بھائی کی بچ سوجھی، جیسے یہ بڑے عقلمند ہیں۔" میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ تم اس قسم کی تفریح میں جھگڑا مت کرو۔" "جھگڑا میں کر رہی ہوں یا تم۔" ۔۔۔۔

اس کے بعد باقاعدہ بحث شروع ہوگیا اور خانگی معاملات میں میاں نے بیوی کی اور بیوی نے میاں کی بیوقوفیوں کے کارنامے بیان کرنا شروع کردیے ہم نے خیال کیا کہ کسی کے خانگی معاملات میں نادانستہ بھی دخل دینا شرافت کے خلاف ہے، اٹھکر کمرہ سے دور ایک آم کے درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اب آواز یں ذرا بلند ہو کر آپ سے تم، تم سے تو کی نوبت آگئی۔ یہاں سے آگے بڑھکر ہم سرکاری گسٹ ہوز کی طرف چہل قدمی کرنے لگے۔ سامنے سے ایک موٹر تیزی سے گذری، اور ہم گرد آلود ہو گیے۔ کوئی آدھا گھنٹہ اسٹیرج گھومنے کے بعد پھر اپنے ڈرامے کا خیال آیا۔ ہم اپنے پرسکون کمرہ کو واپس آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ، ہمارے کمرہ میں ایک صاحب معہ سامان کے موجود، اچھے خاصے موٹے آدمی، عمر بھی خاصی، اور اس انداز سے ہم کو گھور رہے ہیں کہ گویا ہم ان کے خواب گاہ میں بغیر اجازت آئے ہیں۔ ہم نے اندر جاکر ان سے دریافت کیا کہ ان کا شان نزول کیا ہے۔ فرمانے لگے، یہ کمرہ مسافر خانہ کا ہے کسی کی جاگیر نہیں۔ ہم اس کو خالی پاکر اندر آگیے اور بس۔ ہم نے ان کو اپنی پہلی آمد کا یقین دلایا، ثبوت میں کاغذات اور کتب پیش کیے۔ انھوں نے کہا "اب آگیے ہیں تو ٹھہریئگے، ہم آپ کے آرام میں خلل نہیں ڈالینگے، ہم مچھلی کے شکار کو یہاں سے جانے والے ہیں۔" چنانچہ اب ایک کمرے میں دو ہوگیے اور ریل کے مسافروں کی طرح ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست بھی بن گیے۔ انھوں نے ہمارے تمام حالات سے واقفیت حاصل کی، بڑی ہمدردی ظاہر کی، ہم سے کہا، تم لکھنا شروع کرو میں خارج نہیں ہونگا۔" اجازت پاکر ہم لکھنے بیٹھ گیے، ابھی ایک جملہ بھی لکھنے نہ پائے تھے کہ انھوں نے دریافت کیا۔ "آپ کو مچھلی کے شکار سے دلچسپی ہے؟" ہم نے کہا نہیں۔ "پھر کام میں مصروف ہو گئے۔" انھوں نے کہا، مچھلی کا شکار بڑی عمدہ چیز ہے۔ آپ کبھی اس سے لطف اندوز ہو کر تو دیکھیے؟ ہم نے کہا "ہوں" پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیے۔ آخر تنگ کر ہمارے ہم کمرہ نے شکار کی لکڑیاں بنھالیں، اور جاتے ہوئے کہنے لگے "دیکھیے جب کام کر کے آپ تھک جائیں تو تالاب پر میرے پاس آجائیے، وہاں بہت مزہ آئیگا، مایہ کہتے ہوئے وہ چلا گیے۔" اب سکون ہوا، ہم پھر اپنے بھاگے ہوئے خیالات کو یکجا کرنے لگے۔ اچھا دوسرا ایکٹ دفعتہً کا سین دو حصہ ایک طرف اجلاس، افسر میز پر پاؤں لگائے بیٹھا کتاب دیکھ رہا ہے، دوسری طرف ہمارا ہیرو ہاتھ میں درخواست لیے کھڑا ہے۔ چپراسی روک رہا ہے کہ سرکار زنانہ کے کام میں مصروف ہیں۔ ۔۔۔۔ "دیکھو جی تم کھیل میں دھوکہ بازی نکرو، ابھی تم نے یہ رنگ نہیں ہے کہا تھا اور ہمارا پتا کاٹ لیا، اب یہ رنگ کیسے نکلا۔" "ہم دھوکے باز نہیں ہیں، تم خواہ مخواہ الزام دیتی ہو۔" پھر چلنے لگی، یہاں تک کہ گولہ باری شروع ہوگئی، شاید پتے پھینک دیے گیے۔ نہیں۔ شاید پانداں کو کسی نے لات رسید کی، پھر چوطرف سے آوازیں آنے لگیں۔ سب کہہ رہے ہیں کو ئی کسی کی نہیں سنتا۔ پھر سکون۔ "خاطمہ بی خاطمہ بی ذرا ادھر آنا دیکھو، باہر اور کوئی آکر ٹھیرے ہیں۔ بیچارے ان کو کہدینا کہ وہ ہمارے یہاں دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں اب ہیں معلوم ہوا، کہ دوپہر ہوگئی ہے اور ہمارے ساتھ توشہ نہیں ہے کھائینگے کیا؟ اور بغیر کھانے کے ڈرامہ کیسے لکھا جائے۔ اتنے میں ماما جی دروازہ پر "میاں بیگم صاحبہ بولیں ہیں، کہ ہمارے یہاں آپ خاصہ تناول کیجیے۔" "ہم نے بغیر کسی حجاب کے دعوت قبول کرلی، کہا "اچھا" شکریہ کہدو، ہم ایک گھنٹہ کے بعد آئینگے۔" "اب وہ مایوس پریشان ہوگی تھا اس لیے مچھلی والے دوست کے پاس چلے گئے پھر پہنچکر ہم نے دیکھا کہ، ایک صاحب تالاب کے کنارے اپنے دونوں گھٹنوں میں منڈی ڈالے ہوئے پانی کو تک رہے ہیں، قریب پہنچکر ہم نے دریافت کیا، کہ "کچھ مچھلیاں پکڑیں۔" کہنے لگے "جی نہیں۔" ابھی تو ابتدا ہے۔" دو گھنٹے میں جس چیز کی ابتدا ہو اسکی انتہا کا کیا کہنا۔ ہم بھی قریب بیٹھ گیے اور ان کی طرح گھٹنوں میں سر ڈالکر پانی کو تکنے لگے۔" بہت دیر کے بعد بھڑی پانی سے نکالی، اکثر

(بقیہ طاخطہ ہو صفحہ ۱۵ کالم ۱، جلد ۱ نمبر ۱)

مملکت کے عناصر

۲

آبادی

مملکت کا دوسرا عنصر آبادی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ عنصر بھی مملکت کے لیے اسی درجہ ضروری ہے جیسے علاقہ۔ سچ پوچھیے تو مملکت خود آبادی ہے۔ بغیر آبادی کے مملکت کا تصور ذہن میں نہیں آسکتا۔ قطب شمالی اور قطب جنوب کے وہ برف پوش خطے جہاں آبادی نہیں ہے، مملکت نہیں ہوسکتے۔ اگرچہ سرزمین موجود ہے لیکن ساکنان ارض کے نہ ہونے سے جو مملکت کے اصل حامل ہوتے ہیں مملکت کا لفظ صادق نہیں آتا۔ ورنہ ہر غیر آباد و ویران خطۂ ارض مملکت ہو جاتا۔ مملکت کے لیے ایک بڑی آبادی کی ضرورت ہے۔ ایک شخص یا ایک خاندان مملکت کے لیے کافی نہیں ہے۔ راجنسن کروسو اپنے جزیرہ کا تنہا مالک تھا، اور وہ محسوس کرتا تھا کہ وہاں اُس کا کوئی حریف نہیں ہے، لیکن نہ وہ بادشاہ تھا نہ اُس کا جزیرہ مملکت۔ وہ خود ہی حاکم تھا اور خود ہی محکوم۔ وہ اپنے آپ پر حکومت کرتا تھا، یا چند پالتو جانور اس کے تابع احکام تھے۔ مملکت کے لیے ایک بڑی آبادی کی ضرورت ہے جن میں سیاسی تعلقات ہوں۔ لیکن اس آبادی کا کوئی تعین ممکن نہیں کہ مملکت کے لیے کتنی آبادی ہونی چاہیے۔ زمانۂ حال کی مملکتوں کا شمار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت چھوٹی مملکت ملتی ہے جس کی آبادی صرف (۵۰) لاکھ ہے، تو دوسری اتنی بڑی ہے کہ جس کی آبادی (۳۰) کروڑ ہے۔ اگرچہ قدیم یونانی مفکرین جن۔ سامنے یونان کی شہری مملکتیں ہوتی ہیں بڑی آبادی کی مملکتوں کو نامناسب سمجھتے تھے، بلکہ ایسے ممالک ان کے نزدیک مملکت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک بہترین مملکت وہ ہوتی تھی جو آج کل ایک ضلع کے برابر ہوتی ہے۔ یہ بات یونانی مفکرین پر ہو تو ہو، نہیں ہے بلکہ صدیوں کے بعد فرانسیسی مفکر روسو بھی اس خیال کا حامی پیدا ہوا۔ چنانچہ اس کا خیال تھا کہ مملکت کی آبادی (۱۰،۸) ہزار سے زیادہ نہ ہونی چاہیے۔ ان مفکرین کا استدلال یہ تھا کہ جس مملکت کے افراد میں زیادہ سے زیادہ ربط و ضبط ہوگا، اس سے ایک دوسرے کے حالات، ضروریات، وجوہات سمجھنے میں مدد ملے گی، اور ان ذرائع سے افراد و مملکت کی شرکت امور مملکت میں زیادہ کارکرد اور مفید مطلب ہوگی۔ ورنہ جتنی آبادی بڑی ہوگی اُسی قدر اس کے افراد ایک دوسرے سے بے تعلق و بے خبر ہوں گے اور یہ بے تعلقی اور لاعلمی بھی حکومت کی مخالفی ہے۔ اس طریقہ سے چھوٹی مملکت جس کی آبادی مختصر ہو بہترین مملکت ہے۔ لیکن واقعیت اور مقامی حکومت کی ترقیوں سے جو زمانۂ حال کی پیداوار ہے، یہ استدلال بے سر و پا ٹھیرتا ہے۔ واقعیت اور مقامی حکومت ایسے ذرائع ہیں کہ باوجود کثیر آبادیوں کے افراد مملکت کی سیاسی امور میں شرکت نہ صرف ممکن، بلکہ اسی طرح اطمینان بخش ہوتی ہے جس طرح ازمنۂ وسطیٰ اور روسو کے تصور میں ایسی مملکت کے لیے آبادی کا تعلق ایک بے معنی بات ہو جاتی ہے۔

اگرچہ تعداد آبادی کا تعین ممکن نہیں، لیکن ان سیاسی آبادیوں کے مختلف خطہ و خال پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ ہر مملکت کی آبادی ایک سیاسی آبادی ہوتی ہے، جس کے افراد سیاسی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں یہ سب ایسے خاص قوانین مملکت کے پابند ہوتے ہیں، اور سب کی ایک ہی غرض و غایت۔ یعنی ایک ہی سیاسی بہبود حاصل ہوتا ہے یہی انفرادیت ہے جو ایک آبادی مملکت کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے چنانچہ اپنے خاص قوانین اور خاص مدعائے سیاسی کی وجہ سے مملکت برطانیہ کی آبادی مملکت فرانس سے جداگانہ ہے۔ مملکت جرمنی کی آبادی مملکت روس کی آبادی سے الگ ہے۔ انگریز نگی طرز حکومت قوانین اور مدعائے سیاسی فرانسیسیوں سے جداگانہ ہے۔ اسی طریقہ سے آبادیوں کے یہ حلقے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کو اصطلاح میں "قوم" یا "نیشن" کہتے ہیں مثلاً برطانوی قوم۔ اور امریکائی قوم وغیرہ۔ لیکن ان قوموں میں بعض اجزا ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی نسلی خصوصیات میں دوسروں سے لگا نہیں کھاتے مملکت برطانیہ کی پوری آبادی کو دیکھا جائے تو اس میں بیشمار اجزا ایسے نظر آتے ہیں جو اپنی نسلی خصوصیات میں ایک دوسرے سے بالکل مغائر ہیں۔ خود جزائر برطانیہ میں اسکاچستانی، ویلزی باشندگان تین اجزا ایسے ہیں۔ جو انگریزوں سے اکثر خصوصیات میں متبائن ہیں۔ ہندوستانیوں کا جو انگلستان سے چھ ہزار میل کے فاصلہ پر بستے ہوں انگریزوں سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے، خود اسکاچستانیوں سے مقابلہ کر لیا جائے تو زبان، معاشرت، عادات و اطوار و سیاسی رجحانات کے اعتبار سے انگریزوں سے بہت مختلف ہیں۔ پھر ہندوستانی، عرب افریقی وغیرہ جو مختلف اور غیر نسلیں ہیں مملکت برطانیہ میں شامل ہیں ان کا ذکر ہی فضول ہے اور انگریزوں سے ان کو اصلاً مناسبت نہیں ہوسکتی۔

فرانس کی آبادی میں خود فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری نسل کے اس قدر اجزا شامل ہیں کہ ان کی [illegible] معلوم ہوتی ہے مثلاً مراکو و الجیریا کے "بربر" اور انڈوچینا کے چینی وغیرہ کی یہ مختلف نسلیں ہیں جن کو قوم سے جدا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ عرف عام میں غلطی سے ان اجزا کو بھی قوم کہہ دیتے ہیں، اور یہ غلطی قلت اصطلاح سے پیدا ہوتی ہے، اور یہ قلت ہر زبان میں پائی جاتی ہے کہ ان مختلف معنوں کے ظاہر کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن صراحت کے ساتھ ان اجزا کو نسل کہنا چاہیے جن کو انگریزی میں ریس کہا جاتا ہے اگرچہ یہ اصطلاح بھی ایسی ذاتی نہیں ہے کہ اس سے یہ مفہوم ظاہر ہو سکے، تاہم مملکت کی پوری آبادی یعنی قوم سے جدا کرنے کے لیے ان سے ایک حد تک کام لیا جا سکتا ہے۔

اوپر کی بحث سے واضح ہوا کہ، قوم و نسل میں کیا فرق ہے۔ قوم مملکت کی پوری آبادی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں کئی ایک نسلیں شامل ہوں۔ چنانچہ برطانوی قوم میں متعدد نسلیں شامل ہیں جو اپنے واحد مدعائے سیاسی کے ساتھ انگلستان کی پارلیمنٹ کے تابع ہیں۔ دوسرے پولستانی اور ایرانی قومیں ایک نسلی قومیں ہیں۔ چنانچہ ان مملکتوں میں سوائے ایک نسل کے دوسری نسل نہیں پائی جاتی۔ اسی طریقہ سے یہ بات واضح ہوتی کہ قوم مملکت کا دوسرا نام ہے۔ خواہ اس میں کتنی ہی نسلیں شامل ہوں ایک مملکت کی آبادی ایک قوم ہوگی لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ اس قومیت کی بنیاد کیا ہے۔ وہ کونسے رشتے ہیں جو مختلف نسلوں کی شیرازہ بندی کرکے ان کو ایک قوم کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ ایک قوم یا مملکت کا مختلف نسلوں پر مشتمل ہونا اہل غور و فکر کے لیے بہت ہی دلچسپ منظر ہے۔ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو نسلیں زبان، معاشرت، عادات و اطوار و طریقہ تشکیل میں ایک دوسرے سے بالکل متبائن ہیں، وہ کس طرح ایک قومی رشتہ میں منسلک ہو جاتی ہیں۔ ہر زمانہ میں ایسی مملکتیں قایم ہوئی ہیں جو مختلف نسلوں پر پھیلا تھیں۔ چنانچہ زمانۂ قدیم کی سلطنت روم اور قرون وسطیٰ کی سلطنت اسلامی اس واقعہ کی بین مثالیں ہیں۔ اور زمانۂ حال میں سلطنت برطانیہ، فرانس وغیرہ ہیں، ان محرکات کا پتہ لگانا بہت دلچسپ ہے جن مختلف نسلوں کو ایک قوم کی صورت میں آپس میں مربوط کر دیتے ہیں ایک نسل کے افراد کا آپس میں مربوط ہونا تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، کیونکہ یہاں واحد زبان، معاشرت

بقیہ مملکت صفحہ (۲۴)

نسوانی گفتگو



بچے کیوں روتے ہیں

ہمیشہ رونے والے بچے، ماں باپ کے لیے آفت بنجاتے ہیں، اس لیے ماں باپ کو چاہیے کہ بچوں کو رونیکی عادت نہونے دیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رونیکی وجہ فوراً معلوم کرکے اُس کی اصلاح کریں۔

بچہ بلاوجہ نہیں روتا، جب اُسکو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہی روتا ہے۔ لیکن بعض بے سمجھ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ بچکی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے مجھے ایک بچہ کا حال معلوم ہے جو ہمیشہ سہ پہر کو سوکر اٹھنے کے بعد رویا کرتا تھا اور اُس کی ماں اور دائیہ کہا کرتی تھیں کہ بچہ روتی صورت ہے۔ چند روز کے بعد جب بچہ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ اُس کے دماغ پر ایک پھوڑا ہوگیا تھا جسکی طرف ماں کی بےاعتنائی کے باعث کسی نے توجہ نہیں کی۔

بچے اکثر اوقات پیاس کی وجہ سے روتے ہیں خصوصاً دانت نکلتے وقت۔ بچوں کے موسوڑے گرم ہوکر پیاس بہت لگتی ہے، اسلیے اس زمانہ میں بچہ کو بار بار پانی یا کوئی کا رس پلانا چاہیے۔

بچے بھوک کی وجہ سے بھی روتے ہیں، لیکن اس کی نوبت کبھی نہیں آنے دینی چاہیے۔ اگر بچے کے دودھ کے اوقات مقرر ہوں اور دودھ دینے میں اُن اوقات کی پابندی کی جائے تو بے وقت بچے کو بھوک نہیں ہوگی۔ بعض اوقات بچہ دودھ کی مقررہ مقدار پینے پر آمادہ نہیں ہوتا اور روتا ہے، ایسی صورت میں جبر نہیں کرنا چاہیے۔

بعض اوقات نیند سے روتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر دیکھنا چاہیے کہ اُس کو سانس لینے کے لیے کافی ہوا مل رہی ہے یا نہیں۔ سردی لے محیال سے دروازے اور دریچے سب نہیں بند کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کمرہ گرم بھی رہے اور ہوادار بھی۔

بعض بچے خوف سے روتے ہیں، اُن کو کبھی نہ ڈرایا جائے۔ اگر وہ کوئی غلطی کریں تو نظر انداز کر دیا جائے۔ اُن کو نرمی کے ساتھ سمجھایا جائے کہ ایسا نہ کریں۔ اگر وہ اچھا کام کریں تو اُس کی تعریف کی جائے اور اچھے کام کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔ کیونکہ بچے مار پیٹ اور دھمکیوں سے زیادہ تعریف اور ملامت سے متاثر ہوتے ہیں۔

انگریز عورت اور ورزش جسمانی

سنہ ۱۹۳۲ء کی انگریز عورت ورزش جسمانی اور تن درستی کے شوق میں انگریز مرد سے کچھ کم نہیں ہے اور بعض مقامات پر تو اس کی تعداد مردوں سے دوچند ہوگئی ہے۔ شہر لندن کے قلب میں ایک ورزش اکھاڑا "سنٹ برڈی الیسٹیوٹ" قایم ہے جو محلہ "گیٹ برکن" میں واقع ہے، اس میں (۱۸۰) عورتیں اپنے دفاتر کی شغل سے فارغ ہوکر ہفتہ میں تین مرتبہ ورزشی تربیت کے لیے جاتی ہیں۔ یہ یہاں مردوں کی جماعتیں صرف ہفتہ میں دو بار ہوتی ہیں جن میں (۸۰) سے زیادہ مرد حصہ نہیں لیتے۔ رمبنا لڈ بروک" اکھاڑے کے منیجر کا خیال ہے کہ ورزش جسمانی کے اکھاڑوں میں مردوں کی کمی تعداد کی یہ وجہ نہیں ہے کہ مردوں کو اس کا شوق نہیں یا وہ کاہل ہیں، بلکہ اُن کے مشاغل حیات عورتوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور ان کو دیر وقت کے دفتری فرائض سے چھٹکارا بہت کم ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے جسم کی حفاظت کے لیے بہت کم وقت پاتے ہیں۔ عورتوں کو ان کے مقابل میں بہت سی سہولتیں حاصل ہیں۔ تاہم یہ امر قابل تعریف ہے کہ مسٹ فانک نے اپنے سہگار یں وقت صرف کرنے کے۔ بجائے اپنے جسمانی حسن کو بڑھانیکی طرف اپنی توجہ کرلی ہے۔

ترکی خاتون

وہ دن اب خواب وخیال ہوگیے جبکہ ترکی خاتون حرم کی زینت تھی، اور اُس کی زندگی ایوان خانہ باغ اور عشرت محل کے سوائے اور کچھ نہ تھی۔ لیکن اب ترکی خاتون کا نقاب اُٹھ گیا اور پولیس، قانون عدالت میں یہ نازونعم کی پلی حسین پیکر میں نظر آنے لگیں اور شہر کے گنجان چوراہوں پر جہاں آمد و رفت اور موٹر اور دوڑتی سواریوں کی رفتار کی وجہ سے قیامت ہوتی ہے وہاں ایک ترکی خاتون حرم کی پرسکون آب وہوا سے نکلکر پولیس کے لباس میں محوے انتظام ہے۔ قانونی موشگافیوں میں برسرا جلاس نوجوانین وکلا مردوں کے مقابلہ میں عدالتوں کی کرسیوں پر یہ شیریں کلام نازنین نوشیروانی کر رہی ہیں۔ غرض ترکی خاتون نے زمانہ کی ایک کروٹ سے وہ سب کچھ حاصل کرلیا جس کو اُنکی مغربی بہنیں قرنوں کی کوشش میں حاصل نہ کرسکیں۔

وہ لڑکیاں جو کل تک سوائے اپنے شوہر یا قریبی رشتہ داروں کے کسی کو اپنی شکل دکھانے کی روادار نہ تھیں، اب کالجوں میں تمام لڑکوں کے دوش بدوش تحصیل علم میں مصروف ہیں اور ہر پیشہ یا خدمت جس کے لیے اب تک مرد تربیت حاصل کرتے ہوئے آئے ہیں اس میں عورتیں بھی شریک ہوگئی ہیں۔

یہ وہ جدید ترکی ہے جس کی بنا مصطفےٰ کمال کے آہنی ارادہ سے ہوئی اور اب اُس کا فولادی پنجہ اُس کو ترقی راہ پر لگا رہا ہے۔ عورتیں اب نہایت آزادی سے ہوٹلوں، رقص خانوں اور سینما گھروں میں محوخرام نظر آتی ہیں۔ شادی بیاہ کے معاملوں میں اپنی مرضی کے مختار ہیں۔

موجودہ حرم کی بیبیاں اپنے شوہروں اور آیندہ

بقیہ نسوانی گفتگو صفحہ (۲۴)

دانتے

(۲)

از

عبدالقیوم خان باقی

تشنہ اور غیر مسلسل چٹانوں کے ایک
ہیبت سلسلے سے گزرنے کے بعد یہ سیاح ساتویں طبقے
میں داخل ہوتے ہیں۔ اس میں عذاب کے فرشتے خونخوار
دیو کی ایک فوج لئے ہوئے گشت لگا رہے ہیں اور
چیران ان کا سرگروہ بنا ہوا اپنے گھوڑے اِدھر اُدھر
دوڑاتا اور گنہگاروں کو اپنے تیروں سے مجروح کرتا
ہوا نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں اسی طبقے میں وہ خونخوار
انسانوں کا ایک تاریک میدان دیکھتے ہیں ان خودکشوں
کی روحیں خشک درختوں کی طرح کھردری ہو کر جھلس
گئی ہیں۔ اور ان کی ڈالیوں پر زہریلے ثمر لگے ہوئے ہیں
جن کو ہارپیش نامی کئی مردار خوار گیدڑ نوچ کر کھا رہے ہیں
عجیب بات ہے کہ ان گیدڑوں کا چہرہ عورتوں کا ہے اس
صحرا کے دوسرے وحشت ناک حصوں میں کئی اور وحشیں
مبتلائے عذاب ہیں جن کو دوزخ کے شکاری کتے نوچ
رہے ہیں اس جنگل سے نکلنے کے بعد ایک ریگستان نظر
آتا ہے جس کی کنکریاں آگ کی چنگاریاں ہیں اور اس
پر ہلکی آگ کی دوامی بارش ہو رہی ہے۔ یہ ریگستان ظالموں
کے لیے مخصوص ہے

اس دریائے آتشیں کے کنارے کنارے
نکل جانے کے بعد وہ دریائے خونین کی چادر کے پاس
پہنچتے ہیں۔ یہ چادر بڑی بلندی سے ایک خلیج میں گرتی ہے
وِرجل نے دانتے کی گمنید نیچے پھینک دی۔ اس اشارے
پر انھوں نے دیکھا کہ ایک ہیبت اور دیو ہیکل شکل تاریک
ہوا میں سے نکلتی اور پانی کو کاٹتی ہوئی ان کی طرف آ رہی
ہے یہ دیو گریان ہے۔

"انطیئس" کی طرح ظالم اور خونخوار دیو ہے
جس کی ہر حرکت ایک مہلک سانپ کے ڈسنے کے برابر ہے
"یہ دیو پہاڑوں سے گزرتا قلعہ کی دیواروں
کو توڑتا
اور مضبوط سے مضبوط نیزوں کے

درمیان سے گزر جاتا ہے! یہ اپنی کثافت سے ساری
دنیا کو آلودہ کرتا ہے یہ وہ الفاظ ہیں جو میرے ہمسر
نے مجھ سے کہے۔

اس نے اس کو قریب بلایا اور حکم دیا کہ وہ چادر کے دامن
میں پہنچ جائے۔

اس کے سنتے ہی وہ کریہہ المنظر دیو مجسم کر و فریب بنکر
آموجود ہوا۔

اور اس کا سر اور بالائی حصہ خشکی پر نمودار ہو سکا۔
اسنے اپنا بقیہ جسم پانی کے اندر ہی چھپا رکھا۔
اس کا چہرہ تو کسی نیک آدمی کی طرح خوش وضع تھا۔
اور رحم اور مہر بانی کے جملہ آثار نمایاں تھے۔ لیکن
اس کا بقیہ جسم اژدہے کا تھا۔ دو زبردست پنجے
اس کی بغل میں لگے ہوئے تھے پشت اور سینے پر دونوں
طرف گول سیاہ ملقے پڑے ہوئے تھے۔ رنگ
اس قدر مختلف تھے کہ

ترک اور تاتاریوں کو بھی شاید اپنے جسم رنگنے
کے لیے میسر نہ آتے ہوں۔

جسطرح ایک کشتی نصف پانی اور نصف کنارے
پر رہتی ہے

یا جسطرح جرمن وحشیوں کے سکونتی مقام پر
گوہچہ اپنے شکار کی تلاش میں دبی بیٹھی رہتی ہے۔
اس طرح چٹانوں کے کنارے وہ بدکار دشمن دبا
ہوا تھا۔

وہ خلا کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی دم کا آخری
زہریلا حصہ بچھو کی ڈنک کی طرف اوپر کی طرف اٹھا
ہوا تھا۔"

اس دیو کی پشت پر سے نیچے اتر کر
شاعر آٹھویں طبقے میں داخل ہوتے ہیں۔ اس میں دو
خلیج ہیں اور اس میں مختلف قسم کے مکر و فریب کرنے والے
گناہگاروں کو سزائیں ملتی ہیں۔ پہلے تو ایچ آکر نے والے
ہیں گناہگار ہیں انکو سینگ والے دیو اپنے سروں
سے ٹکر مارتے ہیں۔ دوسرے میں خوشامدی ہیں جو
غلاظت میں دفن رہتے ہیں۔ اس کے بعد ایمان
فروشوں کا طبقہ ہے جن کے سر تنگ سوراخوں میں
دفن اور پاؤں اوپر کی طرف اٹھے ہوئے شعلوں کی طرح
جلتے رہتے ہیں۔ آخر میں چور لٹے سفیروں کے گروہ
ہیں جن کی گردنیں مڑ ڈر کر پشت کی طرف پلٹا دی
گئی ہیں۔

اس مقام سے آگے گھومتے ہوئے ڈانٹے کو ایک
غار ملتا ہے جس میں ڈاکوؤں کی روحیں سہمی اور غوطہ لگاتی ہیں
ان پر سیاہ پروں والے دیو چمٹے لیے ہوئے اُن کی حفاظت
کرتے ہیں۔

الفرنوں میں یہ مناظر سب سے زیادہ وحشی
ہیں ان میں زیادہ تر سیت قد اور بونے رہتے ہیں۔
اور جسطرح مچھلیاں پانی میں اچھلتی اور ملاحوں کو
اپنی کنارا نشین دکھاتی ہیں۔ اس طرح تراب نرب کر
روحیں دلدل سے بلند ہوتی اور ایک چشم زدن کے لیے
عذاب سے اپنی جانیں بچاتی ہیں۔

جس طرح مینڈک کسی گندلے چشمے کے
کنارے اپنے پاؤں اور پشت کو چھپا کر صرف سر باہر
نکالے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔
اس طرح گناہگاروں کی روحیں بھی اس کے کنارے
سسکتی ہیں۔
لیکن جون ہی ان کی نظر بونے بار بار بکا پر پڑی
وہ سب پانی کے اندر چلی گئیں۔

ہائے کیا کہوں۔ اسی اثنار میں میں نے دیکھا
کہ ایک روح پانی کے باہر اس طرح باقی رہ گئی جسطرح
ایک مینڈک رہتا ہے۔
اس کو ایک بونے نے پکڑا جو سب سے قریب تھا اور
سر کے بال پکڑ کر چشمے کے باہر کھینچ لایا اس وقت مجھے
وہ روح ایک مجروح کیکڑا نظر آ رہی تھی۔"

اس تشبیہ میں جو اہلیت کار نگ دیا گیا
ہے وہ قابل غور ہے۔ ایک مجروح کیکڑے سے ایک مجبور
مبتلائے عذاب روح کو تشبیہ دینا انتہائی ظلم کی تصویر
کھینچ دینا ہے اس اثنار میں خود دو شکاری دیوؤں کے
درمیان ایک شکار کے لیے جنگ چھڑ جاتی ہے۔ یہ دونوں
گدھوں کی طرح لڑتے ہوئے ڈانٹے میں گرتے ہیں اور ان
کے ساتھ بونے ان کو اپنے چمٹوں سے کھینچ باہر نکالتے ہیں
اُس وقت ان کے جسم پر تمام ڈانٹے چھٹ جاتا اور وہ
سر سے پاؤں تک غلاظت میں بھرے ہوتے ہیں۔

یہاں سے شاعر دوسرے غار کی طرف
بڑھتے ہیں جہاں غنڈے اور بدمعاشوں پر عذاب
ہوتا ہے۔ ان کو لوہے کی زنجالوں میں پھانس
کر نیچے پھینکا جاتا ہے۔ جو چور ہیں وہ انتہائی کرب کے

بقیہ از صفحہ (۲۲) جلد نمبر ۲

ساتھ لوٹتے، سانپوں کی شکل میں تبدیل ہوتے اور پھر اپنی صورت پر آجاتے ہیں بری رائے دینے والے تاریک فضا میں جگنوؤں کی طرح سر سے پاؤں تک جلتے اور اڑتے پھرتے ہیں۔ غدار اور جھوٹ ڈالنے والوں کو زخموں سے چور چور کیا جاتا ہے۔ اس میں اس غدار کو سر کے بال پکڑ کر دانتے سے باتیں کرنے کے لیے بلند کیا گیا تھا جسنے ہنری دوم کے خلاف بغاوت کی تھی۔

اب ہمارے سیاح دوزخ کے نویں طبقے میں پہونچتے ہیں۔ یہاں ان کو سینگ کی ایک بلند اور کرخت آواز سنائی دیتی ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ آخری غار کے قریب تین قوی ہیکل دیو کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک دیو انٹیس روحوں کو پکڑ کر ایک دوزخی سمندر میں پھینکتا ہے جہاں وہ بلوریں مکھیوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ کبھی ان میں سے دو روحوں کو پکڑ کر ایک سوراخ میں منجمد کر دیا جاتا ہے اور ان میں سے ایک روح دوسرے کی کھوپری کو ایک کتے کی طرح چباتی ہے۔ اس اثنار میں وہ اپنے دانت بھی دکھاتی جاتی ہے تاکہ ناظر کو اس کا مشغلہ نظر آتا رہے۔ یہ روح یوجو مینو کی ہے جس کو اس کے دولڑکوں نے "تحط کے مینار" میں دفن کر دیا تھا۔ دونوں لڑکوں کی موت کا ذکر باپ کی زبانی بیان کیا گیا ہے اور یہ کہانی دنیا کی دردناک ترین کہانیوں میں ہے۔

بالآخر ہم نے دوزخ کے آخری طبقے میں پہنچتے ہیں۔ جس کا نام دانتے نے جیوڈکا رکھا ہے اور یہ جوڈاس سے منسوب ہے جسنے حضرت عیسٰے کو دھوکا دیا تھا۔ یہاں غداب کے فرشتوں کے صدر الصدور حضرت شیطان کی دوای حکومت رہتی ہے جو نہایت شان کے ساتھ کھڑا ہوا اپنے دانتوں سے تین گنہگاروں کو چبا کر کھا رہا ہے اور اپنے زبردست چمڑے کے پردن سے ایسی ہوا دے رہا ہے جو تمام سمندر کے پانی کو منجمد کر دیتی ہے۔ اس کے مقابل سے گنہگاروں کا قافلہ ایک طویل اور بلند راستے سے گزرتا ہے۔

"اس خفیہ راستے سے میں اور میرا رہبر اندر داخل ہوے اور معلوم ہوا کہ ہم اب فردوس برین میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہم نے بلا توقف و آرام اپنا راستہ طے کیا۔ میرا رہبر آگے آگے اور میں اس کے پیچھے تھا۔ یہانتک کہ ہماری نظر کے سامنے غار کے مدور سوراخ سے آسمان کی خوشنما روشنیاں جھلکتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ یہاں سے گزرنے کے بعد ہم نے دوبارہ ستاروں کو جگمگاتے دیکھا۔"

تاریکی اور غداب کے ہولناک مناظر کو چھوڑ کر یہ آسمانی مسافر کو نجات کے دامن میں اس مقام پر پہنچتے ہیں۔ جہاں تارے خاموشی کے ساتھ جھلمل جھلمل کر رہے ہیں

ازمنہ وسطےٰ کے دوسرے مفکرین کے برخلاف دانتے نے نجات کو ایک کھلے ہوئے مقام پر تصور کیا پہاڑوں کے سر فلک دیواروں کے اطراف ساتھ طبقے یا حلقے ہیں۔ یہ گویا ازمنہ وسطےٰ کے کلیسا ان کے سات گناہ کبیرہ کے مقابل ہیں۔ سب کے آخری طبقے میں روحوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ جو تھے طبقے میں کا ہل کا علاج ہوتا ہے جو روح اور جسم دونوں کا گناہ مشترک ہے

سب سے بالائی تین طبقوں میں صرف عالم اجسام کی کثافتیں دور ہوتی ہیں۔ ہر طبقے کے ابتدائی مقام پر ایک ایسی نیکی بتائی گئی ہے جو اس قسم کے گناہ کا ضد ہے۔ ہر طبقے کے آخری سرحد پر اس نیکی کا فرشتہ پہرا دیتا ہے۔ جب دانتے اپنے ہمرکاب ان ساتوں طبقوں سے گزر جاتا ہے تو وہ دینی بہشت میں پہنچتے ہیں۔ یہاں ان کو ایک شاندار جلوس نظر آتا ہے جو گویا کلیسا کی نمایندگی کرتا ہے۔ آخر میں ایک رتھ نظر آتی ہے جس میں سو دو سو فرشتے نغمہ و سرود میں مشغول گلکشانی کرتے ہوے چلے آتے ہیں انہی کے درمیان اس کی معشوقہ بیترس سفید سرخ اور سبز رنگ کے ملبوس میں نظر آتی ہے اس کے سر پر درخت زیتون کے پتوں کا ایک سہرا ہوتا ہے جو عقلمندی اور امن و راحت کی علامت ہے اور اس کے خوبصورت چہرے پر برف کی طرح ایک سفید زرباجی نقاب پڑی رہتی ہے اس کے بعد وہ جلد غائب ہو کر اپنے مکین مقام کی طرف واپس آجاتا ہے جو دوزخ میں ہے۔

یہاں سے ناظر فردوس برین میں داخل ہوتا ہے جو دانتے کی کتاب دی ڈیوان کا میڈی کا سب سے زیادہ شاندار باب ہے۔ یہاں بیترس اس کی رہنمائی کرتی ہے اور یہ دونوں نوبہشتوں سے گزرتے ہیں۔ یہ حقیقی ہمارے کرہ ارض کے اطراف نوعلیم الشان مخلوقوں کی طرح گردش کرتی ہیں ان سے نکلنے کے بعد وہ آخر اور غیر متحرک جنت میں پہنچتے ہیں جو مقام امپیرین میں واقع ہے نیچے کی ساتھ جنتوں کے نام چاند اور سورج اور سیاروں کے نام سے موسوم ہیں اور ان چودہ جنت کا نام ثابت سیاروں کا نام ہے۔ ان سب کے اوپر نویں بہشت یعنی وہ بلوریں بہشت ہے جو جملہ بقیہ جنتوں کی روزانہ گردشوں کو قائم رکھتی اور ان کی تنظیم کرتی ہے۔ یہیں سے فطرت کی پیدائش ہوتی ہے اور وقت اور حرکت کے ابتدائی سرچشمے اس میں موجود رہتے ہیں اور دنیا کے حکومت کا اول ترین مرکز یہی مقام ہے جس کی طرف دانتے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ کرتا ہے۔

"یہ وہ لباس ہے جس کی شاہانہ تہکنوں میں کائنات لپٹی ہوئی ہے۔ یہ جنت خدا تعالیٰ کی ذات سے جگمگاتی اور حرارت جذب کرتی ہے۔ اس سے بھی ارفع ایک اور مقام ہے جس کا بیان دانتے کے تخیل کی اعلیٰ ترین مثال ہے یہ عشق الٰہی کا ایک لافنا اور غیر متحرک سمندر ہے جس میں اللہ تعالیٰ ذات اقدس کی دیدار سے فرشتوں اور پیغمبروں کو مشرف فرماتا ہے۔

قدیم تنقید نگاروں نے دانتے کے علم کلام اس کے متصوفانہ اکتشافات، اس کی تمثیلات وغیرہ کے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ازمنہ وسطےٰ کے نقاد درحل کو ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک زبردست جادوگر کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس کی ظلمتوں سے فال لے جاسکتے ہیں اس طرح شریعت پرست عیسائی جان نہیں کی کتاب دی پلگرمس پر وگرس میں کرسچین متعلق یہ سوال اٹھاتے تھے کہ آیا وہ ایک سچے عیسائی مذہب کا پیرو رہے بھی یا نہیں۔ ایک بزرگ کا خیال ہے کہ بیترس کلیسا کی قائم مقام ہے دوسرا کہتا ہے کہ وہ عشق الٰہی کا مظہر بنائی گئی ہے۔ پرفلسفہ شاعری کو پسند کرنے والا ناظر اپنے کانوں پر ہاتھ دھرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت اس قسم کی خرافات کو دفن کر دینا چاہیے۔ اگر ایسا ہو تو اس وقت دانتے کی عظیم الشان شاعری کا حقیقی لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔ اسی وقت معلوم ہوتا ہے کہ غم و مسرت کی یہ غیر فانی کہانی انسانی تصانیف میں بے نظیر اور اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔

بقیہ تلوار از صفحہ ۷

فرماتے تھے میں نے کہا اب تو ہرگز میں نہ دوں گا۔ تلوار دن کے ساتھ کے ذکر میں اور ایک بات سن لیجئے۔

بجلی کے لوہے کی تلوار

مشہور ہے کہ بجلی گر کے انبار پر گرتی ہے تو اس میں لوہا جھڑ جاتی ہے یا لوہے کی شکل میں ہو جاتی ہے ہم نے سنا تھا کہ اس لوہے کے ٹکڑے کو اور لوہے میں شریک کر کے تلوار بناتے ہیں۔ اور یہ کاٹ میں ایسی ہوتی ہے کہ ذرا سے اشارے پر فولاد کو کاٹ جاتی ہے اس قسم کی تلواریں ضرور ہوتی ہوں گی اور موجودہ بھی ہونگی مگر شناخت کس کو ہے۔ ممکن ہے ہمارے ہاتھ بھی پڑ گئی ہو اور ناواقفیت سے چلی بھی گئی ہو۔ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے سنہ ۱۶۲۳ء میں ایک شہاب ثاقب گرا تھا اور اس کے لوہے سے جہانگیر خان نے اپنے تلوار کا پھل بنوایا تھا تو زک جہانگیری اس وقت ہمارے پاس موجود تو نہیں ہے جس کی عبارت نقل کر دی جائے لیکن مضمون یہ ہے کہ جہانگیر شہنشاہ ہند کو یہ معلوم ہوا کہ ایک مقام پر گوہر کے انبار میں بجلی گری ہے۔ جستجو کی گئی تو اس میں سے تین کا ایک ٹکڑا ملا اور اس سے ایک تلوار اور ایک خنجر تیار ہوا بادشاہ کو تلوار کے قبضہ اور خنجر کے دستہ کے واسطے الخ ہاتھی دانت کی ضرورت پڑی (یہ راقم کو یاد نہیں کہ اس قسم کے دانت والا ہاتھی شکار کیا گیا یا دانت مل گیا) بہر حال الخ دانت ملا اور اس سے قبضہ تیار کر کے پیش کیے گئے (تاریخ کو معلوم ہو کہ یہ دونوں ہتھیار کیا ہوئے اور کہاں گئے)۔

لوہے کی مہ گی اور وصف اور اوس کے شرف کے بیان میں یہ چند سطریں بے محل نہ ہوں گی شہاب ثاقب کے طرح آسمان سے ایک اور چیز بھی گرتی ہے ان کو احجار سماوی (آسمانی پتھر) کہتے ہیں ( ) کے ذکر میں سیسل ڈاکیج ام۔ اے۔ ال۔ ال ڈی۔ ڈی سی ایل۔ اپنے کتاب موسومہ استرا فی آف ٹوڈے صفحہ (۲۷۷) میں لکھتا ہے یہ اجرام بالعموم پتھر کے مرکبات ہیں جس کے ساتھ لوہا نکل اور اکثر وہ عناصر بھی شامل ہیں جو روئے زمین پر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بعض انواع ایسے بھی شہاب ہوتے ہیں جو خاص طرز ہیں ..... اکثر خاکستری مٹائل گرین لینڈ۔ میکسیکو کے زمین میں ان احجار سماوی کا لوہا موجود ہے اکثر کی مقدار اتنی بڑی ہے ان کے حاصل کرنے کے تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئی ہیں اس قسم کے پارچوں کے متعلق یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ قریب دو ہزار کے باشندوں کے یہ کئی کئی سال تک انھوں نے بکار آمد لوہا فراہم کیا ہے (ترجمہ صفحہ ۲۷۷) کیا قدرت نے اس لوہے سے سر زمین ایشیا کو محروم کیا ہوگا؟

کلام ربانی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لوہا آسمان سے اوترا ہے۔ پارہ (۲۷) سورہ حدید (لوہا) رکوع

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

اس سے کیا ہی لوہا مراد ہے۔ بہر حال لوہے کا شرف تمام معادن و فلزات پر ظاہر ہے کسی کے نام کا کوئی سورہ نہیں ہے اگر ہے تو سورہ حدید ہے ہم اس نعمت آسمانی کی کہاں تک قدر کرتے ہیں اور اس سے کیا نفع اٹھاتے ہیں آپنے دل سے جواب طلب کرنا چاہیے۔

بقیہ جمال الدین افغانی صفحہ (۶)

سے کام لیتے یا معمولی ادبی کتابیں تالیف کرتے تھے۔

سید جمال الدین افغانی نے سیاسی دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا وہ دنیائے ادب کے انقلاب سے کسی طرح کم نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ادب اور سیاست لازم و ملزوم چیزیں ہیں اس لیے کہ جہاں علم ادب کا چرچا ہوتا ہے وہاں آزادی کے لیے آواز ضرور بلند ہوتے لگتی ہیں۔ سید ان سیاست میں جمال الدین کا پہلا کارنامہ اس انقلاب میں ظاہر ہوتا ہے جو خدیو اسماعیل پاشا کے آخری عہد میں برپا ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدیو اسماعیل پاشا کو مصر کے تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس انقلاب میں سب سے بڑا حصہ جمال الدین افغانی کا تھا۔ اسماعیل پاشا کے بعد جب توفیق پاشا نے مصر کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو سید جمال الدین کی سیاسی کوششوں کا شکر یہ ادا کیا اس کے بعد ہی سید صاحب کے خلاف جال بچھا دیے گئے کسی نے خدیو توفیق پاشا سے جا کر یہ شکایت کر دی کہ سید صاحب موجودہ انقلاب سے ہرگز راضی نہیں ہیں وہ اس پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے۔ ان کی خواہش ہے کہ ایک دوسرا انقلاب کہ ذریعہ سے جمہوری حکومت قائم کی جائے بہت سے جاہل اور خوشامد پسند لوگوں نے اس پر دبیر کیکنڈہ کا حال بیان کیا اس کے بعد ہی سید جمال الدین کو ملک بدر ہونے کا حکم صادر ہوا اور سویس میں ان کو پہونچا دیا گیا۔ سید صاحب نے سویس سے ہندوستان کا رخ کیا اور مصر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا ان کی عدم موجودگی میں عرابی پاشا کی بغاوت رونما ہوئی اور انگریزوں نے مصر پر اپنا قبضہ جمالیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصر میں وطن پرستی کا جو جذبہ پیدا ہوا تھا وہ سید صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھا عرابی پاشا کی بغاوت کی بنیاد بھی ان ہی کے تیار کردہ وطن پرستوں کی سرکردگی میں تھی۔

(بقیہ آیندہ اشاعت میں آئیگا)

بڑودہ میں کتب خانوں کا نظام

مسٹر بوس موہن دت ایک مشہور کتب خانہ دار کے زیر صدارت بڑودہ کی کتب خانہ کی تحریک اپنی ہمہ گیری کے لحاظ سے عوام کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر اثر پذیر ہو گئی ہے۔ مرکزی کتب خانہ جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کتب ہیں عنقریب ہندوستان میں تیسرے درجہ پر ہے یہ صرف شہر بڑودہ کی خدمت کرتا ہے جس کی آبادی صرف ایک لاکھ ہے کتب خانہ میں سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار کتب کی داد و ستد ہوتی ہے اس سے عوام کی تعلیمی اوسط کا اندازہ ناظرین خود ہی کر لیں۔ اور ساتھ ہی یہ ارعام و جبری تعلیم کی کامیابی کا درخشاں ثبوت ہے جس کا بڑودہ میں تین سال سے رواج ہے اس کے علاوہ صوبہ کی کتب خانہ کا محکمہ ہے جو دور دراز حصوں میں متحرک چلتا پھرتا صوبہ کی کتب خانہ میں پندرہ اور تیس کتابوں کے صندوق ہوتے ہیں جو خواہشمند کی درخواست پر مفت روانہ کیے جاتے ہیں حمل و نقل کا محصول بھی محکمہ برداشت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اضلاع کے کتب خانے ہیں سرکاری امداد سے (۴۵) قصبوں اور (۸۰۰) سے زیادہ قصبوں میں مفت کتب خانے قائم ہیں ان سب کا مجموعی ذخیرہ تقریباً (۶) لاکھ کتب کا ہے شہر بڑودہ کی آبادی میں کوئی دو لاکھ کتب کی اوسطاً داد و ستد ہوتی ہے بچوں اور عورتوں کے کتب خانے علیحدہ ہیں کوئی عورت ریاست کے کسی حصہ میں منتخب کتب اپنے گھر میں مفت منگا سکتی ہے۔ یہ انتظام ہر ایک شخص کیلئے اور اس کی بیوی بچوں کے لیے ہے بی بی ہیں اس کے علاوہ کتب خانہ کا ایک اور محکمہ ہے جس کی عوام کو خبر تک نہیں۔ اس کی صدر نشیں ڈاکٹر بنوبش بیٹا چاریہ ہیں اس کا کام ہے کہ سنسکرت کتب تنقیدی مقابلہ کے ساتھ اور ابی عام کی دوسری پرچیوں کے کتابیں شائع کرے۔ یہ ہے

عادات واطوار کی جاذبیت ظاہر ہے لیکن جہاں زمین آسمان کے اختلافات ہوں، وہاں مشترک محرک کا ڈھونڈنا مشکل ہے۔ زمانۂ قدیم و زمانۂ وسطیٰ کے محرکات جو مختلف نسلوں کو مربوط کرتے تھے، کچھ تو بڑی شخصیتوں کا زور تھا، اور کچھ مذہبی جذبہ تھا۔ بڑے سپہ سالار و فرمانروا اپنی شخصی اثر سے محکوم آبادیوں کو مرعوب کرتے تھے، اور یہ رعب ایسا چھایا ہوا ہوتا تھا کہ محکوم اس پنجہ سے نکلنا تو کجا خیال بھی نہیں کرتے تھے۔ سلطنت اسلامی جس میں عرب، ایرانی رومی اور بربر وغیرہ جیسی نسلیں شامل تھیں، صرف جذبۂ مذہبی سے قایم تھی۔ ایک عرب کو ترک یا ایرانی سے جو رشتہ تھا وہ مذہبی تھا، اور یہ مختلف نسلیں خلیفۂ وقت کی اس وجہ سے متابعت کرتی تھیں، کہ وہ اسلام کا نمایندہ اور حرمین کا خادم ہوتا تھا، ورنہ سوائے اس کے ان مختلف نسلوں میں کوئی چیز بھی یکساں نہیں تھی۔ گزرا زمانہ حال میں جو بڑی بڑی ملکتیں موجود ہیں اور جو مختلف نسلوں پر مشتمل ہیں ان میں یہ محرکات نہیں پائے جاتے اور اس وجہ سے یہ سمجھنے میں دقت ہوتی ہے، کہ ایک اسکاجستانی کو ایک انگریز سے کیا تعلق ہے اور اسکاجستانی نسل پارلیمنٹ انگلستان کی کیوں تابع ہے؟ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان نسلوں کا جو کسی قوم کے اجزاء ترکیبی ہیں بحالت موجودہ ایک ہی مدعائے سیاسی ہے یعنی ایک ہی سیاسی غرض ہونے سے وہ آپس میں اتحاد عمل کرتی ہیں۔ اس اتحاد عمل کی شرح کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ تو تاریخ و روایت شامل ہوتی ہے کہ مدور زمانہ اتحاد عمل کا عادی بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اسکاجستانی عرصہ سے انگلستان سے اتحاد عمل کرتے آتے ہیں۔ اگر پچھلی تاریخ چھوڑ دی جائے تو کم از کم ۱۷۰۷ء سے یہ دونوں ممالک آپس میں متحد ہوئے اور اس واقعہ کے بعد سے آج تک دو سو سال سے زیادہ گذر چکے ہیں، اور دو سو سال کی تاریخ عادت پیدا کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ کچھ معاشی اور رفاہی اغراض ہوتے ہیں جو اتحاد عمل کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ اگر بھیجی نسلیں الگ الگ رہنے کی کوشش کریں تو نہ ان کی معاشی ترقی ہو سکتی ہے نہ رفاہی انتظام جب تک انگلستان اور اسکاجستان علیحدہ رہے اسوقت اسکاجستان کا نقصان پہنچا اور کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ اتحاد کے بعد سے نہ صرف معاشی ترقی ہوئی بلکہ اسکاجستانیوں کے تمدن میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ سوستانی قوم میں فرانسیسی اطالوی اور جرمن تین نسلیں پائی جاتی ہیں۔ اول تو سوستانی قوم خود مختصر ہے اور پھر اگر یہ تین اجزاء اتحاد عمل نہ کریں تو اس سے نسل کو نقصان پہنچیگا۔ معاشی اور تمدنی ترقی تو کجا خود ان کی بقا خطرہ میں پڑ جائیگی۔

— —

(بقیہ نسوانی گفتگو صفحہ ۵)

آئینوالی نسلوں کو اپنی طرز روش سے متاثر کر رہی ہیں۔ تاہم جدید ترکی خاتون ابھی جفاکش ترک کسان پر اپنا اثر نہ ڈال سکیں۔ شاید اسکی یہ وجہ کہ ؎

نئی تعلیم کو پاکر قبول حضرت اکبر
میاں سجدے سے نکلے اور دم سے بیویاں نکلیں

کا تخیل اُن کے دماغ میں ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عورتیں جس انداز سے اس وقت اُن کی فرمانبردار ہیں وہ اس جدید دور ترقی میں اُن کے ہاتھ سے نکل جائیگی لیکن ترکی خاتون برابر ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے حال ہی میں مغرب کے مقابل میں انھوں نے ایک بڑی کامیابی حاصل کی، اور کرمین بانم حوسنہ ۱۹۳۲ء کے لیے ترکی "سلطانۂ جمال" منتخب ہوئی تھی وہ بین الاقوامی مقابلۂ جمال میں تمام دنیا کی سرتاج حسیناں مان لی گئی اور اس کی واپسی پر اُس کا جو خیر مقدم کیا گیا اُس کی شان و شکوہ میں جس قدر استہتام کیا گیا تھا، اُس کا مقصد بجائے فتح حسن کے یہ تھا کہ ترکی نے تمام حافظور اقوام کے مقابلہ میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا، اور ترقی یافتہ اقوام میں جگہ پائی (ماخوذ از ٹائمز آف لندن)

(بقیہ بھوت کا فوٹو صفحہ ۸)

اس کی صورت ہے واقع ہو رہا تھا کہ شب میں سویا نہیں۔

میں نے پوچھا "کیقباد، کہو مزاج کیسا ہے؟"

"جمشید کل مجھے قلعہ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ بہتیں تعجب ہوگا کہ پھر میں نے کل اس بھوت کو دیکھا ایکدفعہ وہ ہاتھ سے میری جانب اشارہ کر رہا تھا"

میں نے کہا یہ تمہارا وہم ہے کیقباد ایسی فضول باتوں کا خیال بھی نہ کرو"

کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے پوچھا "کیقباد وہ تازہ متی کے محل والا بھوت کا فوٹو تمہارے پاس ہے؟"

"ہاں"

میں نے کہا "یہ واقعہ اتنا عجیب ہے کہ اس فوٹو کو میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ پہلا فوٹو میں نے تلف کر دیا اگر تمہیں کوئی عذر نہ ہو تو یہ دوسرا مجھے دیدو"

کیقباد نے کوٹ کے جیب میں سے فوٹو نکال کر میرے سامنے دیا، اور کہنے لگا "لیجیا اس بھوت نے میری زندگی تلخ کر دی ہے"

میں جب گھر پہنچا تو مقصود پہلے ہی سے وہاں میرا منتظر تھا، اس نے مجھ سے فوٹو لیا اور فوراً مجھ سے رخصت ہو گیا دوسرے دن مجھے یہ سنکر بڑا ہی رنج ہوا کہ کیقباد نے شب میں خودکشی کر لی۔

ایک ہفتہ کے بعد نوبجے

میں حسب معمول برآمدہ میں بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا کہ مقصود آپہنچا۔ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد اسنے جیب سے دو فوٹو نکالے، یہ وہی تارہ متی کے محل کے بھوت والے فوٹو تھے۔

میں نے پوچھا "مقصود، اس فوٹو کے اسرار اب تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔"

مقصود نے کہا، یہ صرف تمہارا خیال ہی خیال ہے یہ فوٹو کسی بھوت کے نہیں ہیں۔ پلیٹ پر بعد میں مصنوعی طور پر بھوت کی شکل بنا کر یہ فوٹو چھاپ لئے گئے ہیں۔ خسرو کو کیقباد نے تالاب کے نیچے سے وہ نکیل کر مار ڈالا تھا، وجہ غالباً پروین کی رقابت ہوگی۔ خسرو کی لاش جب پانی میں برآمد ہوئی تو اس کے مٹھی میں ایک کوٹ کا بٹن تھا جو بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ کیقباد کے کوٹ کا بٹن تھا، فوٹو صرف جعلی تھے ان سے مقصد صرف یہ تھا کہ خسرو کی موت کو فوق الفانسی سبب قرار دیا جائے۔ جب اصلی راز فاش ہوا تو کیقباد نے خودکشی کر لی۔

میں مقصود کیقباد کو جو بھوت نظر آیا تھا۔

"مقصود اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کیقباد نے جھوٹ کہا ہو۔ یا اس کے حواس میں پریشانی کی وجہ سے اتنا خلل ہو گیا تھا کہ اس کو دہلی ہوئی صورتیں نظر آتی ہوں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خسرو کا قاتل کیقباد تھا"

ہر شخص اگر غور اور کرے تو اس کی وجہ ظاہر ہو جائیگی۔ کسی قوم کے کارناموں میں یکساں اثرات اسوقت پائے جاتے ہیں جبکہ وہ کسی اپنے پیشرو قوم کے اعتقادات اور خیالات میں مماثلت رکھتی ہو اور جب یہ بات نہیں ہے تو یکجائیت عمل کا موجود ہونا ناممکن ہے۔ جتنے تمدن اسلام کے پیشتر گزرے ہیں سب میں اپنے سے کمتر شے کے آگے سر جھکا کر اپنے سے بزرگ اور بالا ہستی کی پرستش کا طریقہ عام رہا ہے اور اسلام نہ صرف اس طریقہ کا پیرو نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تلعا اپنے اعتقاد کے مخالف سمجھتا ہے۔ اس خیال سے جس قدر ہم آگے بڑھیں فرق زیادہ سے زیادہ نظر آئیگا یہی وجہ ہے کہ اسلام فن تعمیر کا سوائے جزئیات کے باقی اپنا مکمل صورت میں فن تعمیر سے بالکل الگ اور الگ تھلگ ہے۔

اب ہم اس زمانے کی طرف رجوع ہوتے ہیں جب کہ اسلام ظہور پذیر ہوا۔ اسلام کو سر اٹھاتے ہی دو زبردست تمدنوں سے سابقہ پڑا۔ جو اس وقت اسلام تہذیب ایران اور روم بہادی ہوتا گیا انکے اثرات اور ان کی صحبت کا اثر ہم معلوم طور پر سیدھے سادے مسلمانوں میں پیدا ہوگئی لیکن یہ کہنا کہ حسن کاری میں ان عناصر کا نتیجہ ہے۔ ایک ایسا خیال ہوگا جو کہنے والے کی تمدنی معلومات کی کوتاہی ظاہر کریگا۔ ایک محکوم قوم کسی مقتدر اور حاکم قوم پر مدت کی مدتک اثر پذیر ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی غلامانہ فوجیت کو اپنے آزاد آقاؤں کے دماغوں پر حاوی کردے۔ مسلم حسن کاری اپنے عروض وجود میں آنے کی مدتک غیر مسلم محنت اور مہارت کی ممنون ہے۔ لیکن اپنے اساسی خصوصیات کے لحاظ سے وہ سوائے اپنے مذہب کے کسی کی منت پذیر نہیں۔

مسجد فی الحقیقت جیسا ہم حقیقی معنوں میں اسی وقت کہہ سکتے ہیں کہ خدائے سرکار دو عالم پر وحی نازل کی اور لوگوں کو اسی اللہ کی پرستش سے بہتا کر اپنے طرف بلانے کا حکم فرمایا۔ آپ کی رحلت کے بعد مکہ کی زندگی اس قدر پر آشوب ہوگئی تھی کہ کوئی تعمیری کام ناممکن تھا۔ تاہم چالیس مسلم نے اس حقیقی مذہب کو اسقدر تقویت بخشی کہ مسلمان خدائے واحد کے سوا کسی پہلے گھر میں اپنی عبادت علی الاعلان ادا کرسکے۔

ہجرت کے دوسرے سال حضور انور نے مسجد النبی کی بنیاد ڈالی یہ نہایت سادی سیدھی تعمیر تھی۔ کچی دیواروں پر کھجور کی ٹہنیوں کا چھت اور کھجور کے تنوں کے ستون قائم کئے گئے تھے۔ قبلہ ابتدا میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ جو ۱۷ ماہ کے بعد خانۂ کعبہ کی طرف بدل دیا گیا۔ اب میں پہلی مسجد کے متعلق جو کچھ تاریخ بہت پہلے سے ہوئے نظر آتے ہیں کچھ زیادہ وثوق سے یہ خیال عام طور پر پھیلا دیا گیا تھا کہ خانۂ کعبہ دنیا میں سب سے پہلی مسجد ہے خیال یہ ہے کہ جو ان میں اب تک قائم ہے اس قصب کا بنا ہوا ہے جو ان دنوں کے مروجہ تھا۔ اور اسی کی پیروی میں تمام عمارات کی ساخت ہوتی ہے۔ محراب اور صدر ایوان دیوار کے محترم اور اہم حصے ہیں۔ ستون اور صحن مسجد یہ چیزیں ابتدائی مسجد کے لازمی اجزاء ہیں بعد میں چلکر جب ستون اپنے خوش وضعی اور زکاوت کے ساتھ ساتھ مسجد کے لئے ایک خاص مذہب کے ذریعہ سے ظاہر ہوا تاہم ہم آسانی کے لئے اپنی پہلی تقسیم کو بحال رکھ کر اس نئی تقسیم پر بحث کریں گے۔

عربی طرز حسن کاری میں جو مسجد اس وقت اپنے قدیم خدوخال میں ایک مدت تک دکھائی دیتی ہے وہ جامع عمرو ابن عاص ہے اسکی اصلی حالت پر اگر ہم نظر کریں تو اس کا زیادہ تر حصہ وہ قدیم ستونی اور رومانی عمارات سے مستعار لیا گیا ہے۔ جب یہ ستون (ستون، اور سرستون (CAPITAL) اپنی بلندی میں چھت کے ہمارے پہنچکے تو انہیں کمانوں کا اضافہ کیا گیا جن کو منبوط بنانے کے لئے مرستون کے اوپر پہاڑ شہتیروں کا بند ھن دیا گیا۔ غرض یہ تعمیر مسجد کا ابتدائی نمونہ ہے۔ اس خاص طرز کاری کی دو خاصیتیں ہیں۔ ایک وہ ہم اسوی دار الخلافہ دمشق میں پرورش پاتی ہے۔ دوسرا وہ جو قریب کے فن تعمیر میں نظر آتی ہے۔ اس کے ابتدائی نمونے ایک طرف جامع دمشق دوسری طرف جامع قرطبہ میں۔ ان کا مفصل ذکر آئندہ مناسب موقع پر آئیگا۔ اس کا قدیم طرز کا دوسرا اور نہایت کامیاب کے مصری عالموں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس میں خاندان ابن طولون بہت مشہور ہے۔ اس کے بعد فاطمیین اور صلاح الدین اور اس کے جانشین کے دور میں سب سے آخری مصری نمونہ قاہرہ کی عمارتوں کے کارناموں میں داخل ہے۔ ترکان آل عثمانی کی طرز تعمیر اپنی نوعیت میں بالکل انتخابات کا نمونہ ہے۔ جس کو عربی اور مصری طرز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مصری حسن کاری میں بعد یا دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن دشتی تاریوں کے طوفان نے سوائے گنبد زبدہ اور مسجد سامرہ کے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ اس کے بعد ورثہ پرستی کی بدولت کے طور پر مسجد اصفہان نظر آتی ہے۔ یہ حسن کاری کی دوسری شاخ ہندوستان میں ملتی ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ طرز تعمیر جو بابر اور اس کی اولاد سے پہلے ہندوستان میں فروغ پا چکی تھی۔ جو ایک کی مسجد قوۃ الاسلام سے شروع ہو کر جامع جونپور پر ختم ہوتی ہے۔ دوسرے وہ یعنی دور مغلیہ کی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ جامع مسجد دہلی ہے۔

اس سرسری تاریخی خاکہ کے بعد مسجد کی اندرونی چیزوں کے متعلق یہاں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے مسجد نبوی سب میں پہلی مسجد ہے۔ جس کے نمونہ پر تمام مساجد عالم تعمیر ہوئی ہیں۔ اندرونی حیثیت سے مسجد نبوی کی ہر چیز پر اور ہر حسن کاری کی ایک خاص خصوصیت ہوگئی اس کے درشیے میں ایک مذہبی شئے محراب، دیوار کعبہ وغیرہ دوسرے تعمیری شئے چھت، ستون، کمانیں اور تقے وغیرہ وہ اور کعبہ وہ دیوار ہے جس کا رخ مکہ کی طرف ہو یہ دیوار ہر ملک میں اپنا رخ جغرافی حیثیت سے قائم کرتی ہے۔ اور اسی کی پیروی میں تمام عمارات کی ساخت ہوتی ہے۔ محراب اور صدر ایوان دیوار کے محترم اور اہم حصے ہیں۔ ستون اور صحن مسجد یہ چیزیں ابتدائی مسجد کے لازمی اجزاء ہیں بعد

سب میں پہلی مسجد مسجد النبی ہے لیکن اس معاملہ کے متعلق اپنے عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا ہے۔ خود ابو ہریرہ مسلم حسن کاری کا مستند زبردست ماہر مانا جاتا ہے۔ اس غلطی سے بچنا کہ بجا دیوں کو کیا نظر آتا۔ ایک تو تعصب کی پٹی اس کے آنکھوں پر ہے۔ دوسری طرف گمراہ کن رہنماؤں نے جن کی مدد سے وہ دیکھتا ہے اسکو حقیقت سے بہت دور کر دیا۔ ہماری نظریں صرف ایک سپیرس ہی ایلیا یا مانا ہے جو مسلم حسن کاری کے صحیح نصب العین کے متعلق نہایت بے تعصبی سے اپنے خیالات ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال اسلام کی سب میں پہلی عبادت گاہ مدینہ سے شروع ہوتی ہے ہم کہیاں تاریخ اسلام کے مختلف دور کی اوراق گردانی کی فرصت نہیں صرف اپنی ضرورت کے موافق بعض اہم چیزوں پر نقد ڈالنا ضروری ہے۔ مدینہ کی سب کے بعد تعمیر مساجد کا سلسلہ دو طرح پر قائم ہوا۔ ایک مفتوح شہروں میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر دوسرے نو تعمیر شہروں میں مساجد کی بنا۔ دوسری صورت ہی مساجد کے ارتقاء میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ایران کی طرف مسلم نو تعمیر شہر کوفہ بصرہ اور خراسان ہیں۔ اور مصر کی طرف فسطاط (قدیم قاہرہ) اور قیروان۔

مسلمانوں نے جہاں کہیں عمارات تعمیر کیں وہاں ضروریات تعمیر اور عبادت جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے مفتوح قوموں سے حاصل کی اس لئے ہم اسلامی قیروں ان مفتوح قوموں کے حساب سے تقسیم کرینگے۔ ایک طرف ایرانی تمدن دوسری طرف رومانی تمدن مسلمانوں کے زیر اثر آیا لیکن خواہ مخواہ کر تمدن کا اثر جو ہو کر بالواسطہ تھا۔ اسلئے اس کو رومانی تمدن کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ سہولت کے لحاظ سے یہاں ایرانی سنت کو ایرانی کہیں گے۔ اور باقی سنت کو عربی جو لوگ تاریخ اسلام کا مطالعہ سیاسی نقطۂ نظر سے کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ وہ ممالک جن پر علاوہ خلافت راشدہ کے بنو امیہ کی بھی حکومت رہی ہے۔ اور بنو عباس کے زیادہ عرصہ تک زیر حکمیں نہیں رہے بیشتر عربی رجحانات اور عقیدات کے حامل ہیں۔ اور وہ ممالک جو اسلم خراسانی کی بنائی ہوئی خلافت عباسیہ کے زیر نظر رہے ہیں۔ ان کا میلان زیادہ تر عجمیت یا ایرانیت کی طرف ہے۔ اس لحاظ سے ہماری موجودہ تقسیم مسلم حسن کاری کی علمی تقسیم کہلائی جا سکتی ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مسلم حسن کاری کے دونوں شعبے ایک دوسرے سے بالکل غیر متاثر ہیں علاوہ ازیں اس سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکالا جا سکتا کہ مسلم حسن کاری کے صرف یہی دو پہلو ہیں۔ اسلام مالی مذہب ہے۔ اور جو مذہب عالمی ہو اس میں لازمی طور پر اس قدر لچک اور میلان ہونا چاہیئے کہ وہ ہر ملک کی آب و ہوا اور وہاں کے لوگوں کے مزاج اور احوال کے مطابق ڈھل سکے یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں گئے وہاں اپنے مذہب کی اصلیت قائم رکھ کر باقی تمام حالات کے لحاظ سے بہت دلیں دیا بھیں اختیار کر لیا۔ ان صفحوں میں مسلم حسن کاری کے اتنے ہی نام ہو سکتے ہیں جتنے ممالک میں

۱؎ سپیرس ایلیا ۲؎ مسلم حسن کاری کے متعلق ہمیں یہاں خیالات ہوا ان عاص نے اپنا خیال سلسلے بالا تحت بہ ارشاد نہیں کیا تاکہ اسیں ایک کوتر کے جوڑے نے بیٹا تھا۔ میں بنایا ہوا تھا۔ نتیجہ فوراً کے وقت واپس لوٹتے ہوئے حضرت عمرو نے یہاں پر ایک شہر یا یہاں کا نام ہی خیمہ رکھ دیا۔ فسطاط پڑ گیا۔

بقیہ صفحہ (۲۶)

چھت کی بلندی کو سنبھالنے لگتے قابل نہیں رہا تو کمانوں کا اضافہ کیا گیا۔

کمانوں میں جو جدتیں مسلمانوں نے پیدا کیں اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ عرب اپنے دلوں کی ہر چیز کو فن کے معیار پر تقدیس نظر رکھتے تھے۔ کھجور کے نازک و خفاف تنوں کا خیال ستون کی ساخت اور ترقی میں ہمیشہ مدد دیتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ رومائی اور دوسرے ہماری بھرکم ستونوں کو عرب بعد اور بدقسمتی سمجھتے تھے۔ اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ نازک ستونوں کی خواہش نے کمانوں کی ضرورت پیدا کر دی۔ اور کمانوں میں بھی بجائے رومائی گاتھک یا کسی اور موجودہ کمانوں کی تقلید کرنے کے انھوں نے ایک نئے طرز کی داغ بیل ڈالی جو خوبصورتی اور نزاکت کی وجہ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ ابتدا میں ایک خاص ضرورت کی بنا پر مسجد کے جزو بنگئے۔ اسلام نے "بجائے ناقوس یا جرس کے انسانی آواز کو اللہ کی طرف بلانیکا ذریعہ قرار دیا۔ یہ چیز فطرت انسانی کے عین مطابق تھی"۔ اس اصول ان نے نہ صرف اسلامی منار کو فن تعمیر میں داخل کیا۔ بلکہ اس کے ذریعہ موسیقی بھی یا الواسطہ مسلم فن کاری میں راہ پا گئی۔ مؤذن کا مینار ترقی کرتے کرتے مسجد کی زینت کے کام آنے لگا۔ اور بعد میں بالکل فروعیات سے نکل کر ضروریات میں داخل ہو گیا۔ یعنی مسجد کا ایک لازمی جزو ہے اور سوائے بعض مستثنیات کے جس میں جامع گلبرگہ بھی داخل ہے یہ اور مشین رہے کہ یہاں صحن کے عوض مسجد کے اطراف ایک بڑا احاطہ چھوڑ دیا گیا جو ایک بڑی حد تک صحن کی قائم مقامی کرتا ہے۔

یہ ہر مسجد میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی سنت نبوی کی پیروی ہے صحن کے دونوں جانب دو دالان (اکثر عربی مساجد میں نظر آتے ہیں جو کہ تعلق مسجد کی اصلی عمارت سے ہوتا ہے۔ ان میں ایک طرف غسل خانے اور طہارت خانے بناتے ہیں۔ دوسری طرف مسافروں کے کمرے اور قرآن خوانی کا مکتب ہوتا ہے۔ ایرانی طرز میں یہ دونوں دالان ایک تفصیل کی شکل میں مسجد کے اصلی عمارت سے الگ بنائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی مساجد میں یہ چیز عام ہے صحن کے بیچ میں حوض ہوتا ہے تاکہ نمازیوں کو وضو اور غسل کے لئے پانی دستیاب ہو سکے۔ مسجد کا دروازہ بھی تعمیر کا ایک بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسکی قیمت میں مسلمانوں نے بڑی دلدہی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بعد میں تو مسجد کا کوئی لازمی جزو نہیں۔ لیکن شروع عہد اسلامی میں اس کو بھی مسجد کے ضروریات میں داخل کر لیا۔ قبلہ نما میں مقبروں کی جہت کا کام دیتا تھا۔ بعد میں بنو امیہ کے الوالعزم خلیفہ ولید کے ہاتھوں یہ مسجد کی جہت کا لازمی عنصر بن گیا۔

اوپر ہم بتلا آئے ہیں کہ مسلم فن کاری اپنی تکمیل اور تجسیم میں کسی قدیم تمدن کی مقلد نہیں۔ یہاں پر ہم یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہر مسجد فن تعمیر کی ایک خاص صورت کے ساتھ اپنی نوعیت کا ایک مکمل اضافہ ہے مسجد کے متعلق جہاں تک مبصرین نے غور کیا وہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ایک نیٹ اسلامی یادگار ہے۔ اور اسکی ابتدا مسجد نبوی کی بنائی ہوئی مسجد سے ہوئی ہے آگے چل کر ہم ہر مناسب موقع پر یہ بتلانے کی کوشش کریں گے کہ مسجد اپنی ہر انفرادی چیز میں بھی سنت نبوی کی پیروی کرتی ہے۔

یوں تو دنیا کی ہر قوم فن تعمیر میں اپنے خصوصیات کے لحاظ سے یکساں نظر آتی ہے۔ تاہم ہر ملک اور ہر قوم میں تعمیر اپنے ذاتی خصوصیات میں ایک دوسرے سے الگ ہے خاص طور پر خصوصیات جو روایات، اعتقادات اور آب و ہوا کا اثر ہوتی ہیں یہی کیفیت اپنے عام مفہوم میں مسلم فن کی بھی ہے۔ اسکا فن تعمیر بھی اپنے بعض خصوصیات میں دوسرے فنون سے ممتاز ہے اور جو چیز بھی انہوں نے اس خصوص میں کمایا وہ ہوا جوش اور دانشمندی کا نتیجہ ہے جو اس غایت قوم نے مسجد کے سامنے میں ظاہر کیا۔ وہ چیزیں جو اس طرح اس کی خاص ہو گئیں۔ ان میں سے بعض تو مسلمانوں کی جدت اور ساخت کا نتیجہ ہیں اور بعض انہوں نے دوسروں سے مستعار لیکر اپنا لیا۔ یہاں پر چند اجزائے مسجد کی تفصیل دیجاتا ہوگی۔

محراب

مسلمانوں کو فائے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنیکا حکم ہے۔ ہر مسجد کی سب میں اہم دیوار وہ ہوتی ہے جو قبلہ رُخ ہو اس دیوار کا درمیانی حصہ امام کے لئے ہوتا ہے۔ اور چونکہ امام عبادت کا رہبر ہے۔ اس لئے اس کو ایک امتیازی جگہ ملنی چاہیئے۔ اسی خیال سے دیوار قبلہ کے درمیانی حصہ میں ایک محراب بنائی جاتی ہے اسکی تعمیر میں مسلمانوں نے بہت محنت صرف کی ہے۔ محراب کی وجہ سے دیوار قبلہ کا درمیانی حصہ مسجد کی دیوار سے کچھ آگے نکلا ہوا ہوتا ہے یوں تو عام طور پر ضرورت کے لحاظ سے محراب ہر مسجد میں ایک ہی ہوتا ہے لیکن بعض مساجد میں ان کی تعداد تین تک پہنچ گئی ہے۔ جیسے کہ آجکل مسجد الحنبی میں ہے یہ شاید مسجد میں آب و ہوا پیدا کرنے کے لئے بنایا گیا ہو زیادہ محرابوں کا رواج سب سے پہلے حضرت معاویہ کی مسجد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے خلیفہ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا۔ جو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں پیدا ہو گیا تھا۔ اسلئے حضرت معاویہ نے امام کے درمیانی محراب کے علاوہ ایک اور محراب سیدھے جانب بنا لیا تھا۔ اسی کے بالمقابل تعاول کی خاطر ایک اور محراب بنائی گئی ہے۔ اسطرح ممکن ہے کہ تین محرابوں کا رواج بعض مسجدوں میں پڑ گیا ہو۔ محراب کے بنانے میں جس قدر وہ بیش عربی طرز میں تعمیر صرف ہوئی ہے۔ اسقدر اہتمام کبھی طرز تعمیر میں نہیں پایا جاتا۔ جامع قرطبہ اور مسجد ابن طولون کے محراب فن کاری کے شہکار ہیں یہاں پر محراب کی ظاہری وضع و قطع سے ہم زیادہ تفصیلی بحث نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اس کا مفصل بیان کمانوں کے سلسلہ میں آجائیگا۔ یہاں قدر اسقدر کہدینا کافی ہے کہ محراب اپنی شکل و صورت میں بیشتر کمانوں کے طرز کے پابند ہوتے ہیں۔ محراب کی تزئین اور تانیثیں بھی ایک خاص چیز ہے۔ جس کا ذکر تزئینی کام کے تحت مفصل ہوگا۔

ممبر

اس کے بعد مسجد کی باری آتی ہے۔ مسجد النبی میں ایک کھجور کے تنہ کو کاٹ کر ایک اونچا مقام بنایا گیا تھا جس کو بعد میں چھلکر فن کر دیا گیا۔ خلافت راشدین کے زیارت کرتے ہیں۔ ممبر کی یہی ابتدا ہے جو آگے چلکر مسجد کی ایک مستقل چیز بن گئی۔ ممبر کا رواج یوں تو ہمیشہ اور دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے جن کے وجود سے مسلم ممبر نے اپنی آمائیش اور تزئین میں بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے لیکن اپنی نوعیت اور شکل و صورت میں اس کو اپنے پیشروؤں سے کوئی نسبت نہیں ہر مشہور مسجد کا ممبر ایک خاص قسم کا ہوتا ہے۔ اور مواد و فن کاری کے لحاظ سے اس میں بہت کچھ اختلافات ہوتے ہیں۔ پتھر کے ممبر سے لیکر لکڑی کے ممبر تک موجود ہیں تاہم اپنی بناوٹ کے موافق ممبروں کے بنانے میں بڑی مہارت اور محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اور بعض بعض شرقی مساجد میں تو جس کو دیکھکر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مسجد قائد بے (قاہرہ) کا چوبی ممبر۔ مسجد سلطان حسین (قاہرہ) کا مرمریں ممبر۔ فن آفرینی اور جدت طرازی کے جو نمونے ایسے لاجواب ہیں کہ ان پر ان کے بنانے والی قوم فخر و ناز کر سکتی ہے۔ سادہ سیدھا ممبر میں صرف تین سیڑھیوں کا ایک چبوترہ ہوتا ہے۔ عموماً ہر مسجد میں محراب کے بنائیں جانب ممبر کھا رہتا ہے لیکن بعض مساجد میں ایک سے زیادہ مختلف مقامات پر نصب کئے جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ ممبر کی پہلی سیڑھی کے سامنے ایک دروازہ بھی بنایا جاتا ہے۔ اور آخری سیڑھی پر چھت ہوتی ہے۔ یہ طرز عربی ممبروں میں عام ہے۔ بعض ممبر بڑی بلندی اور بعض دست کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ترکی مساجد کے ممبر بہت بلند ہوتے ہیں۔ شاید انہوں نے بازنطائی کلیسا سے اس چیز کو اخذ کیا ہے۔ ایرانی ممبر گنبد کی طرح ہوتا ہے کہ خاص کہانی کی تعلیم میں وسیع ہو گئے ہیں۔

کمان

اسلم فن کاری کی سب سے دلچسپ چیز کمان ہے اس خصوص میں کوئی دوسرا فن تعمیر اسکے مقابل نہیں ٹھہر سکتا۔ ہر قطعہ ارض کے مسلمانوں نے اس کو اپنی جگہ پر بنائے انداز میں تعمیر کیا ہے۔ اور اپنے قبل بوتہ کے موافق اسمیں بہت کچھ ترقی کی ہے۔ کمانوں کی کئی قسمیں ہیں خالص عربی طرز میں دائری کمان (ابتدائی کمان) نعل نما (HORSE SHOE) پیازی (BULBOUS) نوکدار (POINTED) (ARCH) (TREFOIL) اور کلغی کے سہارے والی کمانیں نظر آتی ہیں۔ ایرانی طرز میں نیزہ تر دائری نوکیلی، پیازی اور کنول نما (FLOWER) کمانیں استعمال ہوئی ہیں۔ مغلیہ طرز تعمیر میں کنول نما کمان بہت پائی جاتی ہے کمانوں میں سب سے پہلا تو نہ اگر ہم اس کی قدامت پر اعتبار کر سکیں تو مسجد ابن طولون اور مسجد عمرو عاص کا ہے

(بقیہ آئندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمائیے)

۱؎ یہ مضمون پہلے مقالہ ریاضیہ
۲؎ مراۃ الجدید ایا اسلامی برقی۔

نمبر ٹیلیفون ۲۴ — تار کا پتہ گھسوری

جی رگھوناتھ مل نبکر حیدرآباد دکن

کرسپانڈنٹ (ایجنٹ) مسرس تھامس کوک اینڈ سنس لمیٹڈ بنکرز حیدرآباد دکن

بحری سفر۔ دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے

فان اینڈ لیمنڈ بلز۔ واجبی کمیشن پر بمبئی کلکتہ اور مدراس کے علاوہ راست لندن کے لیے بھی ڈرافٹ جاری کئے جاتے ہیں۔

رقومات۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافٹ رقم بھیجی جاتی ہے اور ہماری رقومات قانونی احکامات کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔

ضمانتین و پرامیسری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت نامون و پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزائن متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔

وظیفہ اور منصب۔ خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے کھاتہ داروں کے حسب منشاء ایصال وجمع کئے جاتے ہیں چالو حساب حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فی صدی سود دیا جاتا ہے۔

سیونگ بنک۔ حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (۲½) فی صدی سالانہ سود دیا جاتا ہے اور درخواست کے ذریعہ خواہ عامل کے جا سکتے ہیں اور ڈرافٹ قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود سے منظورہ امانتون پر ڈرافٹ کئے جاتے ہیں ہر قسم کے بنک اور تبادلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے

جنوری ۱۹۳۳ء کا نگار

(جناب نیاز کے قلم سے)

کم از کم دس جزو کی ضخامت پر شایع ہوگا اور وقف ہوگا صرف شعر و نیات یا تاریخ افسانہ کے لیے یعنی اس میں عہد قدیم سے لے کر اسوقت تک کی فحاشی پر تاریخی نفسیاتی وعلمی نقطہ نظر سے نہایت بسیط بحث کی جائے گی اردو میں بالکل پہلی چیز ہوگی۔ اور ہزارون ایسی دلچسپ معلومات کا حامل ہوگا جو اس وقت تک نہ آپ نے سنیں نہ دیکھیں مفصل فہرست عنوانات کی نگار ماہ نومبر ڈسمبر میں شایع ہو چکی ہے سالانہ چندہ نگار پانچ روپیہ جنوری ۱۹۳۳ء کا پرچہ علیحدہ (عہ) میں ملے گا۔

منیجر نگار لکھنو

فائن آرٹ اسٹوڈیو

بورڈ کی رنگوائی، مصوری، اور دوسرا حسن کارانہ کام

ہماری دوکان فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو

گرامر اسکول چادر گھاٹ میں ہوتا ہے

کتابون کے اعلیٰ طباعت کے معاملہ میں

عہد آفریں پریس

کی دھوم ہے ضرور اپنی کتاب یہان روانہ فرمائیے آپ کو اعلیٰ اسٹیشنری کا سامان بھی مل جائیگا۔

عہد آفریں پریس اسٹیشن روڈ

مطبع دارالتحریر

آپ کے ہر قسم کی کتابت وطباعت کی ذمہ داری لیتا ہے اور خوبی یہ ہے کہ وعدہ کی پابندی اور کتابت وطباعت دیدہ زیب ایک مرتبہ ضرور آرڈر دیکر آزمائیے

منیجر مطبع دارالتحریر یوسف بازار ینیاپل

What Happens to your Mailed Advertising?

● Is your message thrown away without a glance — or does it get the reading it deserves?.....It all depends on how attractively it is presented. Before it can hold the mind it must catch the eye ; and that means Good Lay outs, Good Artwork, Good Copy, and Good Printing — all of which we can give you.

وقت سب سے زیادہ قیمتی ہے

صحیح طباعت سب سے زیادہ سستی ہے

عقلمند ایک دفعہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ لیکن

بیوقوف کی قسمت میں عمر بھر ٹھوکر کھانا لکھا ہے

?

گذشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط

آپکو جسوقت ضرورت ہو ہمیں موقعہ

دیجئے کہ اپنا مشورہ پیش کرسکیں۔

حیدرآباد پرنٹنگ ورکس

رسالہ عبداللہ

● This organization can get a reading for your advertising. It not only has the necessary facilities and equipment — but, what is more important, it has the initative, the will, and the desire to make your printed matter so attractive as to compel attention. And then, too, you will find that our prices are surprisingly low.



LET

THE HYDERABAD PRINTING WORKS

Do Your Printing Right



مضامین خاص - مسجد (تعمیر کارنہ نقطہ نظر سے) - ہندوستانی موسیقی - مسٹر برگشتہ کا مضمون "علیگڈھ میں چند روز"

الاھتمام مقبول علی صدیقی اعظمی اسٹیم پریس میں طبع ہوکر دفتر حسن کارمحلہ معظم شاہی کوشہ محل سے شائع ہوا -

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کے لیے سب سے اچھی رہبر طلبہ اور اردو سیکھنے والوں کی اصلی کتاب قواعد اردو۔ (مولفہ)

عبدالرحمن صاحب رئیس قیمت (۱۲ر)

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ قریب پولیس

انگریزی حیدرآباد

آپکی کتابیں کہاں چھپتی ہیں؟

ٹیپ۔ انگریزی۔ اردو۔ تلگو۔ اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثرت سے فراہم کی گئی ہیں حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

مقدس پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کے لیے بہترین تحفہ

آپ کے بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کے لیے بہترین کتاب۔

سیرت و کردار

مولفہ

عبدالرحمن صاحب رئیس قیمت (۶ر)

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ

نرخنامہ

حسن کار

گورنمنٹ سے (معہ عہ) سالانہ

چندہ سالانہ	بلدہ	اضلاع
ششماہی	۸ر عہ	۹ر
سہ ماہی	۴ر عہ	۵ر
فی پرچہ	۲ر عہ	۳ر

حسن کار کی بلدہ میں ایجنسیاں

۱ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ چادرگھاٹ
۲ فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو گورنمنٹ اسکول
۳ محمد صالح ایجنٹ اخبارات چھتہ بازار
۴ عبدالجبار ایجنٹ اخبارات و رسائل نمبر (۱۴۰) پارک لین سکندرآباد
۵ امداد اینڈ کمپنی ناصلی
۶ علیم الدین صاحب تاجر (۲) دوالگدہ (۳)
۷ رجب علی صاحب تاجر (۲) روبرو (۳) سرائے (۴) ہیدی
۸ دکن بک اینڈ اسٹیشنری مارٹ عابد بلڈنگ
۹ نعیم الدین صاحب تاجر چارمینار
۱۰ شبیر علی روبرو ویسٹینڈ سینما معظم جاہی روڈ

حسن کار کے

مضمون نگاروں سے گزارش

(۱) براہ کرم مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھے جائیں
(۲) مضامین مختصر عام فہم اور جاذب ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔
(۳) افسانہ اور ادب لطیف جدید اصول پر مبنی ہو۔
(۴) مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہئے
(۵) حسن کار ماہ الٰہی کی یکم اور پندرہ کو شایع ہوا کریگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار عبدالقیوم کی رہبری میں

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور قدیم رسائل و اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو۔

کاشانہ باز

یاد رکھئے

کاشانہ باز۔ بازار گھانسی حیدرآباد

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	جدید حیدرآباد	نواب عزیز نواز جنگ بہادر مرتبہ سید نور الدین صاحب بی۔ اے ثمانیہ	۴
۲	حادثۂ الیم		۶
۳	غمین ساگر کی شام (نظم)	از مسٹر بدر سکیب بی اے (ثمانیہ)	۶
۴	نپولین کا بچپن	از جناب محمد سعید الحق صاحب (ثمانیہ)	۷
۵	سانپ (افسانہ)	از امروز بریس مرتبہ سید شاہ محمد صاحب ایم۔ اے آئی سی ایس (ثمانیہ)	۱۰
۶	حسن افروز دوز شین	از جناب سید صائب حسینی صاحب (ثمانیہ) متعلم فزیکل ٹریننگ کالج	۲۳
۷	زنانی دنیا	از مسز ناظرہ	۲۱
۸	لیڈر	- - - - - - - - - -	۱۳
۹	سمجھ	از سید محمد اکبر وفا قانی مدیر	۱۴
۱۰	معلومات	- - - - - - - - - -	۱۹
۱۱	مملکت	از جناب پروفیسر عبد المجید حدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (ثمانیہ)	۲۰
۱۲	تلوار	از جناب کپتان اعجاز علی صاحب شہرت	۱۱
۱۳	علامہ جمال الدین افغانی	از جناب سید ہاشم بی۔ اے آنرز (علیگ)	۹
۱۴	علیگڈھ میں چند روز	از مسٹر برگشتہ	۲۷
۱۵	حسن کاری اور ہندوستانی ہستی نصاویر نمبر ۱۶ تا ۱۷	از جناب عبد القیوم خانصاحب باقی ایم۔ اے (ثمانیہ)	۲۹

بتقریب رمضان المبارک گیارہ بیش قیمت تحائف

من ابتدائے ماہ شعبان لغایتہ ۳۰ ماہ رمضان یکم شوال کو ڈرائنگس ہوگی۔ حیدرآباد کے لیے رمضان شریف کا بہار کا مہینہ کپڑے کی تجارت کا سیزن کہلایا جاسکتا ہے اس لیے اس سال ان فوقیت کے شاندار موقع پر ہم اپنے خریداروں کی خدمت میں حسب ذیل گیارہ بیش قیمت تحائف پیش کرینگے۔

(۱) ساڑی تا بانڈ کا رچوبی زرین (۲) ساڑی ریشمی آری بھرت زرین (۳) ٹوئید ایک شیروانی کے لیے (۴) ساڑی ریشمی جرمن پنٹ (۵) شال زرین امرت سری (۶) سرج ایک شیروانی کے لیے (۷) بلانکٹ اون ایک عدد (۸) غالیچہ ریشمی ایک عدد (۹) ساڑی بمارجٹ کامدانی زرین (۱۰) سلک شیروانی کے لیے (۱۱) جامہ دار اورنگ آبادی ایک تھان۔ نوٹ تحائف ہر وقت ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں ہر دس روپیہ کی فروخت پر ایک پرائز ٹکٹ دیا جائیگا

آر آر گوپال کلاتھ مرچنٹ الہ الدین بلڈنگ

پتھر گٹی فون نمبر ۵۶۷ تار کپڑا حیدرآباد دکن

ضرورت ہے

جریدہ ہمن کلکتہ کیلئے اضلاع میں ایجنسیوں کی اور ایجنٹوں کی معاوضہ معقول دیا جائیگا۔ مینیجر

سب سے ترقی پذیر سب سے خراج تحسین حاصل کرنے والی پہلے ہی مرتبہ محاسبہ میں منافع کمانے والی بیمہ کمپنی

دی ایڈیل ڈیمائکرٹیک انشورنس اینڈ مارگیج لون لمیٹڈ ہے

اس کی پالیسی ہر شخص کے استطاعت اور ضرورت پر پوری اترتی ہے بے انتہا ارزان

پورے ایجنٹوں کی ضرورت ہے معاوضہ معقول اس کے علاوہ پروویڈنٹ اور عمدہ انشورنس دیا جائیگا صرف باثر اور معزز لوگ درخواست بھیجیں

مرزا جاوید بیگ نمبر ۶۹۷ تو پکانچہ حیدرآباد دکن

جدید حیدرآباد

نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر

مترجمہ
سید نورالدین

ہمنے اپنی خاص توجہ سائنس پر صرف کی ہے اور ان تمام نصابی کتب کا ترجمہ کر لیا ہے جو ریاضیات طبیعیات کیمیا۔ حیاتیات اور دوسرے شعبہ ہائے سائنس پر برطانوی ہند کے مختلف جامعات میں ایلیسانی امتحانات کے لیے مقرر ہیں ہم اپنے متعلقین جن علاوہ ہمارے جامعہ کے پروفیسروں کے عموماً میرونی جامعات کے ماہرین کو رکھتے ہیں یہاں پر یہ بیان کرنا شاید آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ سر تیج بہادر سپرو جیسے ماہر قانون نے ہمارے طلباء کے اصول قانون کے پرچوں کو دیکھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ہمارے طلبا کے خیالات کی تازگی اور طرز اظہار کی خوبی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ کل ہی کا ذکر ہے کہ دیکانی رصد گاہ مدراس کے صدر نے مجھ سے کہا کہ آپ کے یہاں کے طلبا رائے یم۔ یس۔ سی نے بعض آیسے مسائل کو طبیعیات میں حل کرنے کی کوشش کی ہے جن کا مقابلہ برطانوی ہند کے طلبا سے کا جیاب طریقہ پر کیا جاسکتا ہے اور مجھے یہاں (انگلستان) کے جامعات کے ارباب حل وعقد نے یقین دلایا ہے کہ ہمارے طلبا نے خاص طور پر تحقیقی کوششوں میں نہایت قابل قدر کام کیا ہے حال ہی کا ذکر ہے کہ ہمارے یہاں کا ایک ایسا طالبعلم جس نے ابتدا سے عثمانیہ طرز تعلیم حاصل کی ہے جامعہ لندن سے فن انجنیری میں چاڈوک انعام حاصل کیا (یہ انعام مسٹر سید یس علی خان بی اے عثمانیہ۔ بی یس سی آنرز لندن کو اس سلسلہ میں ملا تھا کہ وہ تمام طلبائے جامعہ لندن پر سبقت حاصل کر کے درجہ اول میں اول رہے اور انھوں نے گیارہ مضامین میں سے نو مضامین میں ریکارڈ نمبرات حاصل کئے۔ مدیر)

ہم بر بو اعتراض سب میں آخر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہنے صرف اردو میں جامعہ قائم کی اور دوسری دیسی زبانوں کا خیال نہیں کیا ظاہر ہے کہ ہم یہ ایک وقت چار جامعات کو عہر کاری طور پر چلانے کی موازنہ میں وسعت نہیں پاتے تاہم ہمارے یہاں اس وقت دو طرز تعلیم بھی برطانوی ہند اور عثمانیہ جاری ہیں اور ہر طالب علم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ برطانوی ہند کے طریقہ پر نظام کالج (جو مدراس یونیورسٹی سے ملتی ہے) انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کر کے ایلیسانس بنے ہر طالب علم کو حیدرآباد میں وہ تمام سراعات حاصل ہیں جو جو برطانوی ہند میں اور ساتھ ہی اس کو یہ دو طرز تعلیم سے بھی فایدہ اٹھانے کا موقع ہے جو دیسی زبان میں ہے جس کو وہ اپنی نہیں سمجھتا تو کم از کم بمقابلہ انگریزی اس کی ہم دلمن زبان ہے اور دیسی زبان ہے جو حکومت کی سرکاری زبان مانی جاتی ہے۔ یہاں پر میں مردم شماری کی بنا پر یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ جامعی تعلیم پانے کے قابل (۵۰۰۰۰) (پچاس ہزار) ایسے نوجوان حیدرآباد میں ہیں جنکی مادری زبان اردو ہے ہمیں پورا یقین ہے کہ ہماری اس قابل قبول مثال کو دیکھکر برطانوی ہند میں بہت جلد مرہٹی تلنگی اور کنڑی جامعات قائم ہو جائینگی اور اگر ایسا ہوا تو حکومت حیدرآباد خوشی سے ان طالبعلموں کی امداد کے لیے آمادہ ہے جو ان زبانوں میں اعلیٰ تعلیم پانے کے خواہشمند ہیں۔

تعلیم نسواں

ہم نے تعلیم نسواں کو نظر انداز نہیں کیا ہمارا ایک مدرسہ محبوبیہ گرلس اسکول ان لڑکیوں کی کثیر دل کی رائے میں جو ہیں انگلستان سے بغرض معائنہ بھیجا گیا ہے ہندوستان بھر کے مدارس نسواں کے دو بہترین مدارس میں سے ایک سمجھا گیا۔ دوسرا مدرسہ کوئن میریز کالج لاہور ہے۔ محبوبیہ گرلس اسکول اعلیحضرت مرحوم کے نام نامی پر ملکہ معظمہ کی ایماء سے (جبکہ وہ بحیثیت شہزادی ویلز حیدرآباد تشریف لائی تھیں) قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہاں انگریزی مضامین کی تعلیم ان معلمات کے سپرد کی گئی ہے جو انگلستان کے جامعات کی فارغ التحصیل ہیں اور جن کو خاص طور پر اس غرض کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور ہندوستانی مضامین کی معلمات ہندوستان کے اعلیٰ خاندان کی وہ قابل خواتین ہیں جن کی خدمات کو خاصے مشاہرہ پر حاصل کیا گیا ہے حکومت کی طرف سے گرلس گائیڈ تحریک کو بھی کافی تائید حاصل ہے

تمدنی بنیادیں

اب میں ایک دوسرے مسئلہ کی طرف آیا ہوں۔ انگریزی زبان کا ہندوستان میں تسلط باوجود موجودہ قومی احیاء کے آثار کے ہمارے اہل ملک کی تہذیبی بنیادوں حسن کارآنہ احساس اور جمالیاتی ذوق کو غارت کر چکا ہے۔ اس معاملہ میں بھی حیدرآباد نے اپنی بساط بھر وہ تمام کوششیں کی ہیں جو ہندوستان کے قدیم حسن کاروں کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور ان سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ ہندوستان میں کوئی اور مثال سوائے ہمارے ملک کے نہیں مل سکتی جہاں اس قسم کے آثار قدیمہ اور ہندوستانی حسن کارنی کی پرداخت کی گئی ہو۔ میں اب تمام اصحاب کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہمارے ملک کو تشریف لائیں اور وہاں آکر اجنٹہ کے غار اس کی دیواری رنگ کارآنہ نمونے۔ ایلورہ کی آذری۔ ورنگل کے منادر کے معاینہ سے لطف اندوز ہوں ہمارا آقا شہر حیدرآباد مسلمان ہے اور پکا مسلمان ہے لیکن ہندوستان کے کسی اور تاجدار نے ہندو اور بدھی فن حسن کاری کی اس قدر حفاظت نہیں کی جتنا کہ اس مسلم تاجدار نے کی ہے اور اس طرح مجھ کر اور بیدر کے مسلم تعمیر کارآنہ جواہر کی حفاظت کی گئی ہے۔ قریب میں حکومت سرکار عالی کی طرف سے آکسفرڈ یونیورسٹی پریس ایجنٹہ کی رنگین دیواری تصویروں کے متعلق ایک باتصویر مبسوط کتاب شایع کرنے والا ہے جس کو ہمارے محنتی ماہر آثار قدیمہ مسٹر غلام یزدانی نے مرتب کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس مضمون کی مدتک مذکورہ بالا کتاب کے مطالعہ سے بہت فائدہ ہوگا۔ مجھے مسرت ہوتی ہے کہ آجکل بہ نسبت پہلے کے اس مضمون میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو چلی ہے۔

ہم نے اجنٹہ کی رنگ کاری کے تحفظ میں مزاغدلی سے روپیہ خرچ کیا ہے اور اس کے لیے کثیر رقم

صرف کرکے سینیار سکولی اطالوی حسن کار کو بلایا تھا جو ایسے تخصص کا ہمارے ملک میں کئی پشتوں کی صارت رکھتے ہیں۔ ان کی مدد سے قدیم تعمیرات کو محفوظ کرنے کا سیاپا ہوئی ان میں سے بعض تعمیرات اپنی خوبی کار اور تخیل میں اکثر سربرآوردہ ماہرین کے نزدیک میکل انجیلو سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔

صحت عامہ

میں نے ہمارے مقلیم الشان تعلیمی تجربہ کے متعلق بیان کیا ہے اب میں طبی تجربہ کا ذکر کرونگا جو بہرے خیال میں ایک نہایت نازک مرحلہ ہے آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں مختلف النوع طبی طریقے جاری ہیں ہمارے یہاں بھی دو ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے بعض ان طریقوں کو نظریہ اور عمل دونوں لحاظ سے سمجھ گئے ہونگے لیکن یہ حالت پہلے نہیں تھی عربی طبیب کسی زمانہ میں اہل یورپ کے نزدیک ایک خاص بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ آج بھی بعض نسخہ جات مفردات کے یورپ کے بڑے سائنس دانوں کے پاس قابل قبول ہوتے چلے آرہے ہیں مثلاً اسپنول چینی کے لیے۔ عرق گل موگرہ جذام کے لیے اور ایسی بہت سی شاہین ہیں جن کو بخوف لوالت نظر انداز کرتا ہوں ہم کو یقین ہے کہ اس قدیم شجر علم کو جدید خیالات کے جو خوش تشریح اور دیوگر شیوں میں موجود ہیں پیوند سے ایک ایسے فن طب کی بنیاد ڈالینگے جو ہمارے اہل وطن کے لیے بہ نسبت خالص مغربی طب کے زیادہ منفعت بخش اور ارزان ثابت ہوگا ہم یقین کرتے ہیں کہ ان مختلف النوع طریقہ ہائے طب کو جدید اصولوں پر ترقی دینا اور کارآمد بنانا ہمارے لیے زیادہ مفید ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کو سرے سے غیر یار دکہدیں۔

ہمارے پاس ایک قابل اور کارداں محقق طب ڈاکٹر ہار ڈیکر کی شخصیت بھی موجود ہے۔ جن کو ہم نے ایڈ بنزا اس فرض سے روز اندنیا تھا کہ وہ ہندوستانی ادویہ کے خواص کی تحقیق کریں۔

تاہم آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم اپنی مشرقی اجبار کی کوشش میں مغربی سائنس کو بالکل پس پشت ڈال رہے ہیں۔ حیدرآباد میں اس وقت ایک بہترین مغربی شفاخانہ جو ہندوستان کے بہترین صحتی اداروں میں شمار کیا جا سکتا ہے موجود ہے اس کے علاوہ اضلاع میں بھی یہ کام جاری ہے۔ پلیگ۔ ملیریا۔ اور ایسے تمام دشمنان صحت کے ساتھ ہم پورے ہتیار کے ذریعہ مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے پورے شعبہ کے تقریباً نصف کو بالکل جدید محکمہ بخش موشگاف طریقہ پر از سر نو تعمیر کیا ہے۔ جو اہی جگہ پر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کانگریس میں بعض شیمیکے (سلائیڈز) قدیم مکانوں اور جدید مکانوں کے دکھائے جا سکتے! لیکن مجھے اس مضمون کو وقت کی تنگی کی وجہ سے یہیں چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

معاشی ترقی

اب ہم تصویر کے دوسرے رخ کی طرف آتے ہیں زراعت میں ہم نے کامیاب طریقہ سے اس چھوٹے ریشہ والی روئی کو اپنے علاوہ بڑے ریشہ والی روئی میں ملکر ہمارا نام بدنام کرتے سے روکدیا ہے جو صوبہ بہ توسط سے بیجوں کی شکل میں آکر تمام ملک میں پھیل جایا کرتی تھی ایک صلح میں تو ہم کو اس کی خالص تمام روئی اور بیجوں کو خرید لینا پڑا تاکہ اس کی جگہ بڑے ریشے کے روئی کے بیج تقسیم کئے جاسکیں اس کام کی دھنون کو وہی شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جس کو ہندوستان میں اس قسم کی کوشش کے سوا لعات کا تجربہ ہو کاشت میں آپ میں سے بعض کو ہمارے ملک کے زرعتی تجربہ گاہوں اور مراکز جو یا یہ کو دکھا سکتا یہ تمام کام پوری طور پر اپنی موجودہ حالت میں شہریار دکن کی خاص نگرانی کے تحت تکمیل پاتے ہیں

اب میں آپ کو صنعتی ترقی میں جو کوشش ہو رہی ہیں بیان کرنا چاہتا ہوں جس میں گرنیان سیمنٹ کا کام کوئلہ کی کانیں اور ریلوے کی خریدی (جو بارہ سو میل پر حاوی ہے) اور ضلع کے لیے سرمایہ محفوظ داخل ہیں تقریباً دس لاکھ روپیہ اس غرض کیلئے محفوظ کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے قابل ترقی صنایع کی امداد بطور خرید حصص ورڈ بنچرز اور قرضہ کے شکل میں کی جائے ان کا سوداگر یلو صنعتوں کی ترقی اور صنعتی تجربات میں جسمیں آمدنی کا تصور نہیں ہوسکتا صرف کیا جاتا ہے تمام سودیشی نمائش گاہوں میں حیدرآباد کے صنایع انعام حاصل کر چکے ہیں اور ہم کو ہمارا تاگا ملز نے اس بات کی مبارکباد دی ہے کہ ہم نے ہندوستانی صنعتوں کو ترقی دینے کے لیے اپنے طریقوں کے ذریعہ حقیقی جان پیدا کردی ہے اب وقت بہت ہو چکا ہے اس لیے میں صرف ایک اور مضمون کو ذرا وضاحت سے بیان کرسکتا ہوں۔

امور عامہ

اس سے پیشتر کہ میں موجودہ گفتگو کو ختم کردوں مجھے ہمارے امور عامہ کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے جس وقت موجودہ شاہ دکن اپنے نامدار والد کے جانشین ہوئے ہیں تو شہر حیدرآباد ۱۹۰۰ء کی ہولناک طغیانی کی تباہ کاری میں مبتلا تھا (ہم ہمیشہ لارڈ ہنرالنڈن کے اس احسان کو یاد کرینگے) جو انھوں نے ہمارے تباہ شدہ لوگوں کی امداد کے لیے چندہ جمع کرکے کیا تھا) اس وقت ندی کے دونوں کنارے پر ہنوز مکانات کا انبار لگا ہوا تھا اور مشکل ایک عمارت بھی ایسی دکھائی دیتی تھی جس کو ہم فخر کے ساتھ دیکھ سکیں میں چاہتا ہوں کہ آپ اس حالت کا موجودہ حالت سے مقابلہ کرکے فرق دیکھ سکیں ندی کے دونوں کنارے فصیل بنائی گئی ہے اور اس کے دونوں جانب مغلیہ طرز کی عمارتیں بلند ہیں جن کے سامنے ایرانی طرز کے باغیچے بہتے ہوئے چشموں کے ساتھ موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ موجودہ زمانے میں سوائے نئی دہلی کے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ لیکن میں صاف طور پر کہے دیتا ہوں کہ نئی دہلی پر ترجیح دونگا عدالتین مدارس شفاخانے اور ریلوے اسٹیشن تمام جدید شاندار عمارتیں موجودہ شہریار دکن اعلیحضرت میر عثمان علی خان خلد اللہ ملکہ کے کارنامے ہیں۔ بہت جلد ہماری جامعی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچکر (جس کے بنانے پر ایک کروڑ روپیہ کی تخمینہ رقم صرف ہوگی) ہمارے پرشوکت شہر کی عمارتوں میں ایک شاندار اضافہ ہوگا وہ شہر جس پر ہم کو ناز ہے طغیانی سے محفوظ کا کام آبرسالی۔ جدید بداود کا کام برقی قوت اور ٹیلیفون کی توسیع یہ تمام کے تمام گزشتہ اٹھارہ سال کے اندر وجود میں آئے ہیں۔

آبپاشی پر بھی جیسے کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے خاطر خواہ توجہ کی گئی۔ شہر کے قریب دو بڑے تالابوں کی تعمیر میں ایک کروڑ کے قریب روپیہ صرف کیا گیا ہے اور اس سے بڑا تالاب نظام ساگر تعمیر ہوا ہے جس سے چار موبیا میل میل کی نہر نکالی گئی ہے جو تقریباً (۲۷۵۰۰۰) ستائیس لاکھ کی پیداوار کی زمین سیراب کرلگی مجھے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوگی کہ میری تجویز کی تقریر کے ذریعہ آپ کے دماغوں میں یہ خیال دور ہو گیا کہ دیسی ریاستیں محض اوسط متوسط کی دلچسپ

بقیہ جدید حیدرآباد (۳۸)

حدیث الیوم

مجلہ عثمانیہ کا تازہ پرچہ

"مجلۂ عثمانیہ" اپنی پیدائش کے پہلے ہی دن اردو کے بہترین رسائل میں شمار ہونے لگا۔ اسکے مضامین کی بلند معیاری اور علمی وقار نے اس کو اس رتبہ پر پہنچایا۔ کچھ دنوں کے بعد اس میں انحطاط پیدا ہونے لگا تھا۔ اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ اب مجلہ اپنے پرانے درجے کو حاصل نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے تازہ پرچہ کو دیکھنے کے بعد ہمارا یہ شبہ بالکل جاتا رہا۔ یہ پرچہ اپنے اندر ربہت سے قدیم اعلیٰ خصوصیات رکھتا ہے اور اسکی چھپائی اور دیدہ زیبی نے اس میں اور بھی خوبی پیدا کردی ہے۔ ہم مجلہ کے موجودہ مدیر عمومی مسٹر بدر شکیب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنی علمی کوششوں سے اپنی ہستی کو اس باوقار علمی خدمت کے شایان شان ثابت کیا۔ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ جب سے قایم ہوا ہے یہ اس کی خصوصیت رہی ہے کہ جہاں اس نے اور رشعبۂ علم وعمل کے لئے اچھے افراد پیدا کیے، وہاں اس نے ادب کی خدمت کرنے والی ہستیوں کی بھی تربیت کی جو ملک کی اس اہم زندگی کو اب اپنے ہاتھ میں لینے کی کشمکش کر رہے ہیں۔ "مجلۂ عثمانیہ" کلیہ کی علمبار کے ادبی کاوشوں کا آئینہ ہے اس کو کلیہ جامعہ عثمانیہ کے روایات اور خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے۔

حیدرآبادی صحافت

ہمارے ملک کی صحافت کے اور کمزوریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ آئے دن اپنی معاشی رقابت کا پست انداز میں ثبوت دیتی رہتی ہے۔ چنانچہ آج کل اس کی ابتدا حیدرآباد کے بزرگ صحافت سے شروع ہوئی۔ انھوں نے ایک مقالے میں دور عثمانی کے اس دور کی صحافت پر جس میں حیدرآباد نے حقیقی معنوں میں ترقی کی ہے، واہ واکردیا اور ان کو اپنی مولویانہ انداز میں دل کھول کر صلواتیں سنائیں۔ اس کا جواب صبح دکن نے نہایت سنجیدگی سے دیا۔ قابل احترام صحیفہ کے خیال میں سرکاری امداد اور اعانت کا مستحق صرف خود ہے۔ اس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی ہے کہ وہ قدیم ہیں اور بغیر تقلیل منافع کے کام کیا کرتے ہیں۔ ان کی خدامت اور ان کی کارروائی اور ملک میں مقبولیت ان سب کو مانتے ہوئے ہم یہ کس طرح مان سکتے ہیں کہ حکومت کے صرف یہی ایک لاڈلے ہیں۔ اصول کے لحاظ سے ان ہونہار اخباروں کی امداد ہونی چاہیے جو ملک کی بدولتی کے ہاتھوں معاشی مشکلات میں گرفتار رہے ہیں وہ اخبارات جو اپنے قدم پر آپ کھڑے ہوچکے ان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ حکومت اگر امداد بھی دینا چاہے تو اس سے انکار کردیں۔ ماں اپنے بچے کو اس وقت تک گود میں لیے پھرتی ہے، جب تک کہ اس میں چلنے کی قدرت پیدا ہوجائے۔ چلنے کی سکت کے بعد بھی اگر کوئی ماں اپنے بچے کو گود میں لیکر پھرنے پر آمادہ ہے تو یہ اس کی بے جا محبت ہے۔

(بقیہ مضمون علیگڈھ انمبر ۲۸)

جب سوجائینگے تو آپ پر ایک گھڑے کا پانی گھڑا پھوڑ کر گرا دیا جائیگا۔" ہم نے کہا "فاختہ ہی ہے آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس کے علاوہ کیا کیا اڑا سکتے ہیں" انھوں نے دریافت کیا ہم نے کہا ہم فاختہ تو کیا کتا، بلی، گھوڑا، گدھا، سب جانور اڑا دیسکتے ہیں اس سے یہاں بحث نہیں آپ کے سوال کا جواب ہم نے آپ ہی کے انداز میں دیا۔ اچھا اب فرمائیے آپ کس جماعت کے برخوردار ہیں؟" کہنے لگے "فٹ ایر"

حسین ساگر کی شام

از

بدر شکیب

مائل بہ سکون فضا ہے ساری
فطرت پہ ہے بیخودی سی طاری
دامن مغرب کا شعلہ رو ہے
خورشید کا خون آرزو ہے
تالاب کا دور سے وہ منظر
رنگیں سیماب کا سمندر
پھیلی ہوئی نور کی ردا ہے
چشم گیتی فلک نما ہے
موجوں میں نہیں وہ اب تلاطم
فطرت کے لبوں پہ ہے تبسم
آسودگی چھا گئی جہاں پر
خاموشی ہے کتنی روح پرور
دن رات میں جذب ہو رہا ہے
اپنی ہستی کو کھو رہا ہے

نپولین کا بچپن

از

محمد سعید الحق انصاری



فرانسیسون نے جزیرہ کورسیکا پر ۱۷۶۸ء میں دست درازی شروع کی اس وقت اس جزیرے کے مرکزی شہر اجاشیاد (Ajaccio) میں اطالوی نسل کا ایک نوجوان وکیل بھی سکونت پذیر تھا اس نے اس جزیرہ کی ہمہ صفت موصوف لڑکیوں میں سے ایک نہایت حسین لڑکی کے ساتھ شادی کر لی تھی جس پر پورا جزیرہ ناز کرتا تھا۔ اس عورت کے بطن سے (۱۳) لڑکے ہوئے۔ جن میں سے آٹھ لڑکوں کی ہستیاں دنیا کے لیے قابل فخر ہیں۔

جس وقت فرانسیسون کی یورش شروع ہوئی چارلس بونا پارٹ نے جوش جوانی میں آکر اپنے اطمینان بخش پیشہ کو خیر باد کہا۔ اور غنیم کے مقابلہ کے لئے نہایت بے صبری سے ہتھیار جمع کر کے اپنے ہم وطن باشندگان کورسیکا (Corsica) کا شریک حال ہو گیا۔ اسوقت اس کی بیوی لیٹیٹیا (Letitia) صرف ایک بچے جوزف کی ماں تھی۔ اور عنقریب دوسرا بچہ تولد ہونے والا تھا۔ ایسی بیچارگی کی حالت میں بھی اس نے اپنے شوہر کا ساتھ دیا جبکہ چارلس بونا پارٹ فرانسیسون سے کورسیکا والوں کی حمایت میں برسرپیکار تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ یہ جزیرہ فرانس کا ایک صوبہ کہلائے۔ اور باشندگان جزیرہ بورمانس (فرانس کے تاجدار) کے غلام ہو جائیں۔ اسی اثنا میں جبکہ قریب و جوار کے چھوٹے چھوٹے جزیرہ فرانسیسون کے ہاتھوں مسمار ہو رہے تھے حسین لیٹیٹیا کو درد زہ شروع ہوا۔ لیکن اس باوفا بیوی نے اس وقت بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا اور اپنے جزیرہ کورسیکا میں واپس جانے کو تیار نہ ہوئی بلکہ دین اس کے بطن سے دوسرا بچہ نپولین ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ جس خاص فضا میں اس بچہ کی پیدائش ہوئی تھی اس نے باپ کے دل میں اس بچہ کی خاص محبت پیدا کر دی اکثر چارلس بونا پارٹ اپنے لڑکے نپولین کو گھٹنے پر بٹھا کر اس خونریز خبگ کے واقعات یاد دلایا کرتا چنانچہ ان باتوں نے نپولین پر بہت گہرا اثر کیا۔ اور اس کے پیدائشی سپاہیانہ جوش کو پرورش کرتی ہیں۔ وہ بچپن ہی سے ان لڑائیوں پر غور کیا کرتا۔ اس کے تصور میں ہر وقت لڑائی کے واقعات۔ جنگجو ٹہنوں کے جوش درجوش گروہ۔ میدان خبگ کے مناظر توپوں کی گرج اور مجروحوں کی آہ وزاری جمی رہی

ابھی نپولین کا زمانہ طوعیت ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اس عرصہ میں چارلس بونا پارٹ پر اُن علامتوں کا اظہار ہو چکا تھا جن کے آگئے بڑی بڑی طاقتیں اور زبردست حکومتیں اپنا سر تسلیم خم کرنے پر مجبور تھیں۔ گو میڈم بونا پارٹ (Madame Bonaparte) بیوہ ہو چکی تھی جس کو آٹھ لڑکے تھے اور جس کی قوت بسری کے لیے محدود ذرائع باقی رہ گئے تھے۔ لیکن اس نے اپنے ذاتی حسن قابلیت سے اُن فرائض کو پورا پورا انجام دیا جس کا بار شوہر کے مرنے کے بعد اس کے دوش پر پڑا تھا۔ چنانچہ خود نپولین کو اعتراف ہے کہ اس کی کامیابی اور ناموری کی بنیادیں صرف اُس کی ماں کی تعلیم و تربیت پر قائم ہیں۔"

شوہر کے مرنے کے بعد لیٹیٹیا نے مع اپنے آٹھ بچوں کے ساحل سمندر کے کنارہ شہر سے کچھ دور ایک خوشنما منظر اور فرحت بخش گاؤں میں اپنی سکونت اختیار کر لی۔ اس کے مکان کے راستہ پر دور دور اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور مکان کے اطراف میں خوشنما نارنگ پھولوں کی باڑھتی مکان کے سامنے ایک ہموار پر فضا میدان تھا۔ جہاں لڑکے جا کر کھیلا کرتے تھے۔ لیکن نپولین اپنے دوسرے بھائی بہنوں کے ساتھ جن سے یہ بڑا تھا نہیں رہتا بلکہ اس کی تفریح کا مقام ایک سنسان اور تاریک غار تھا جو اب تک نپولین کے نام سے موسوم ہے۔ اس غار میں وہ نہایت مسرت سے اپنی ایک پتلی توپ کے ساتھ کھیلا کرتا۔ جس کی آواز اس کے کانوں کو سریلی معلوم ہوتی لیکن اس کے دوسرے بھائی بہنوں کو متوحش کر دیتی تھی۔

دیگر اوقات میں جب وہ مصروف مطالعہ ہوتا تو کتاب تو سامنے کھلی رہتی لیکن یہ بحر روم (Mediterranean) کی طوفان خیز اور پرشور موجوں کو میٹھے راگ کی طرح سنا کرتا۔ اور اپنی آئندہ ناموری و شہرت کے خواب دیکھا کرتا اس کی سرشت میں حکومت کرنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا

چنانچہ یہ اپنے سب بھائی بہنوں پر علانیہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے ایک چچا نے بطور پیشین گوئی کہا تھا کہ "گو جوزف اس خاندان کا سب سے بڑا رکن ہے۔ لیکن نپولین اس کا سردار ہے"

نپولین کو فرانسیسیوں سے دلی نفرت تھی۔ یہ باشندگان کورسیکا کی داستان غم والم اور ان کی مصیبتوں و تکلیفوں کو چوان کو فرانسیسیوں کے ہاتھوں پہنچی تھیں نہایت دلدہی اور ہمدردی سے سنا کرتا۔ جب کبھی وہ اپنی ماں کی داستان مصیبت سنتا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے تھے اور دل میں ایک خاص جوشش انتقام پیدا ہو جاتا تھا۔ انہیں باتوں نے اس کے دبے ہوئے جوشیلے جذبات ظاہر کئے۔ اور اس کی جرات و آزاد خیالی کی وجہ سے دوسروں کی خاص توجہات اس کی طرف منعطف ہوئیں۔

جب اس کی عمر چھ برس کی ہوئی تو اس کو پڑوس کے ایک مکتب میں داخل کیا گیا جہاں اور بہت سی معصوم لڑکیاں بھی تعلیم پاتی تھیں ان میں سے ایک لڑکی نے اس ہونے والے شہنشاہ کے دل پر اپنا زبردست تصرف حاصل کر لیا۔ نپولین بھی اس کو چاہتا تھا اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آتا تھا اکثر اس کے ساتھ تفریح کیا کرتا جو دوسرے معمر لڑکوں کی نظروں میں ایک مضحکہ تھا۔ بعض وقت وہ ان لڑکوں کی جسورانہ گفتگو سنکر آنا بر ہم ہو جاتا کہ اس موقع پر جو حربہ کہ میسر ہوتا وہ اس لے حملہ کر بیٹھتا۔ اس کے بعد اس نے ایک دوسری لڑکی کے ساتھ رشتہ محبت جوڑا جو ان لڑکوں کی نظروں میں اتنی قابل رشک نہ تھی۔ اس کے ساتھ وہ نہایت ہی معصومانہ لاابالی پن سے تفریح کیا کرتا اکثر اس کو اس کا خیال نہ رہتا کہ موزے اتر کر ایڑی تک آگئے ہیں چنانچہ اس کی اس حالت پر اس کے ایک ہم مکتب شمسن شاعر نے دو مصرع موضوع کر دے اور دوسرے لڑکے کھیل کے وقت اس کو ستانے کے لیے ان مصرعوں کو دہرایا کرتے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ "لاابالی نپولین جس کے پائنتا بے اتر کر ایڑیوں تک آگئے ہیں جیسا کہ مینیلا ( ) کے ساتھ اظہار محبت کر رہا ہے" اور حقیقت میں یہیں سے اس کے عہد عاشقی کی ابتدا ہوتی ہے۔

اسی زمانہ میں کونٹ ماربیوف ( ) اس جزیرہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ جب کونٹ مذکور ایبڈم بونا پارٹ ( ) کی ذاتی قابلیت اور حسن خوبی سے واقف ہوا تو یہ اس خاندان کا ایک نہایت ہی مخلص دوست بن گیا اور نپولین کے ساتھ خاص اظہار ہمدردی کرنے لگا۔ اس نے نپولین کی آیندہ کچھ ناموری کے متعلق پیشین گوئی کی اور اپنے اثرات سے (۱۰) برس کی عمر میں نپولین کو ایک فوجی مدرسہ میں داخل کرایا جو پیرس کے قریب بریسنی ( ) میں قائم



تھا۔ جس وقت مدرسہ جانے کے لیے اپنی ماں سے رخصت ہوا تو وفور محبت کے باعث ایک چھوٹے بچہ کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

مدرسہ میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد یہ محسوس کرنے لگا کہ اس کے ساتھی جن میں سے اکثر فرانس کے معزز۔ جوشیلے اور سربرآوردہ اشخاص کے بیٹے تھے اس کو غیر ملکی سمجھ کر اس کے ساتھ برا برتاؤ کرنے لگے ہیں جس کو اس کی مغرور طبیعت مشکل سے برداشت کرتی تھی۔ چنانچہ اس تعصب کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس نے ان سربرادر وہ مگر مغرور لوگوں کے خلاف ایک ایسی نفس کشی کی بنیاد ڈالی جو ہمیشہ قائم رہی گی۔ یہ اپنی اس تحقیر سے بہت جلد متاثر ہو گیا اور اس کے بعد سے اس نے اپنے ہم مکتبوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور خود بہتر کن بون میں مستغرق ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اتنی ترقی کی کہ مکتب بھر میں ہر شخص اس کو ایک ممتاز ہستی سمجھتا تھا اس کو ریاضی سے خاص انہماک تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاریخ و جغرافیہ جیسے خشک مضامین سے بھی تغافل نہیں برتتا تھا۔ اس نے لاطینی زبان کے فصول میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ البتہ صرف جرمنی زبان سے اس کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ چنانچہ جرمنی استاد اس کے متعلق کوئی اچھا خیال نہیں رکھتے تھے۔ ایک دن جب جرمنی پڑھانے کے لیے استاد صاحب تشریف لائے تو نپولین کو جماعت میں نہ پایا۔ اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بجائے جرمنی پڑھنے کے وہ اسوقت ایمنیرنگ کی جماعت میں بیٹھا ہوا ہے۔ چنانچہ استاد صاحب نے تمسخر یہ فرمایا۔

"پھر تو وہ کچھ پڑھ چکا"

"کیوں جناب؟" (ایک دوسرے ہم مکتب نے کہا) اس وقت تو وہی ایک شخص مدرسہ بھر میں سب سے اچھی ریاضی جانتا ہے" "یہ سچ ہے (استاد صاحب نے نہایت ناگوار لہجہ میں فرمایا) میں ہمیشہ یہی سنتا ہوں اور اس کو اس طرح بار بار کرتا ہوں کہ کوئی نہیں بلکہ صرف ایک احمق ہی ریاضی سیکھ سکتا ہے"

چنانچہ جس وقت پورا براعظم یورپ نپولین کے زیر قدم تھا وہ اس واقعہ کو دہراتے ہوئے ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ "کاش بوبور ( ) آج زندہ رہتے تو ان کو نہ صرف میری کامیابی سنکر تعجب ہوتا۔ بلکہ ان کو اس رائے زنی کا آج پھل ملتا جو انھوں نے میرے متعلق مکتب میں کی تھی"

دوسری قسط آیندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمائیے۔

مشرق کا قائدِ اعظم

جمال الدین افغانی۔

(۲)

سید بار اُرسس

ریشہ دوانیوں نے اس تحریک کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ مشرق کی ہر اصلاحی تحریک کے ساتھ مغربی اقتدار کا یہی سلوک رہا ہے آزادی کے یہ جراثم باوجود اس ناکامی کے فسانہ بن گئے بلکہ دن بدن پرورش پاتے رہے۔ اگر سید جمال الدین اس وقت زندہ ہوتے تو مصر کو اس دور ترقی میں دیکھ کر حیران رہ جاتے۔

۱۸۸۵ء میں سید جمال الدین نے یورپ کا سفر کیا۔ یورپ کا پہلا شہر جس کی سرزمین پر آپ نے قدم رکھا وہ لندن تھا۔ یہاں سے وہ پیرس گئے جہاں آن کے شاگرد رشید اور ان کے زبردست حامی شیخ محمد عبدہ آن سے آملے۔ استاد اور شاگرد دونوں نے مکہ "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جس نے مشرق کو اپنی غفلت کی نیند سے نہ صرف بیدار کیا بلکہ تمام دنیائے اسلام کے پریشان افکار کو شیرازہ بند کیا۔ یہ خوش قسمتی کسی دوسرے اخبار کو نہ پہلے نصیب ہوئی اور نہ بعد لیکن زمانہ کی مخالف ہوائے اس پرچہ کو زیادہ دن پنپنے نہ دیا۔ اس کے بعد شیخ محمد عبدہ بیروت تشریف لے گئے جہاں ان کو عراقی پاشا کی بغاوت کے سلسلہ میں نظر بند کیا گیا تھا۔ سید صاحب یورپی ممالک کی سیاحت اور وہاں کے اہل علم سے بحث مباحثہ میں مصروف ہوگئے۔ دوران سیاحت میں شاہ ناصر الدین شاہ ایران سے ان کی ملاقات حسن اتفاق سے دارالسلطنت پاریہ میں ہوئی سید صاحب کے لیے یہ پایان علم وفضل سے متاثر ہو کر شاہ ایران نے ان کو اپنے ساتھ طہران چلنے کی دعوت دی جس کو انھوں نے قبول کیا۔ شاہ نے دارالسلطنت میں ان کو اپنا مہمان اور مقرب خاص بنایا۔ لیکن چند دن نے شاہ ایران کے دربار میں ان کی بدگوئی شروع کر دی۔

سید صاحب میں یہ عیب تھا کہ وہ نہ اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھ سکتے تھے اور نہ محتاط طرز عمل اختیار کر سکتے تھے۔ سلطنت ایران کی بے انتہا اور بدنظمی معمولی احساس وحوصلہ رکھنے والے کے لیے بھی ناقابل برداشت ہو گئی تھی

سید صاحب جیسے انسان اس کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سید جمال الدین ان امور سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ اس لیے فتنہ پردازوں کو موقع ہاتھ آیا۔ ان کے نزدیک سید صاحب اور شاہ ایران کے درمیان مخالفت کے بیج بونا کوئی دقت طلب امر نہیں تھا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ سید صاحب قید کر لئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ ایران سے نکال کر بغداد پہونچا دئے گئے۔ بغداد میں سید صاحب نے شیعہ فرقہ کے مجتہد اعظم مرزا محمد حسین شیرازی کو ایک خط لکھا جس میں شاہ کے مظالم مستبدانہ اور دیرائیوں کو ایک ایک کر کے بتایا اور تیل کو کمپنی کی معرفت ایران اقتیاز کو جس کی وجہ سے بلاد عجم کی تمام ترقی ذرائع آمدنی پر اجنبی اقتدار مسلط ہو گیا تھا واضح طور پر بیان کیا اس اقتیاز کو باطل قرار دینے کے لیے امام شیعہ نے جو فتویٰ جاری کیا اس کا سب سے بڑا سبب سید صاحب کا یہ خط تھا حکومت ایران نے عوام الناس میں ہیجان پیدا ہونے کے خوف سے فوراً اس اجنبی اقتیاز کو اٹھا دیا۔ مگر اس کامیابی سے سید صاحب کو خاطر خواہ تشفی نہیں ہوئی اس لیے انھوں نے شاہ عجم اور ان کی حکومت کی ہر ممکنہ طریقہ سے مخالفت شروع کر دی شاہ عجم کے ہاتھوں اپنی اہانت کا نقشہ جب کبھی ان کے نظر کے سامنے آجاتا تو انتقام کی آگ ان کے سینے میں بھڑکنے لگتی۔ سید صاحب اپنے اندر ایک عظیم الشان نفس رکھتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہوں کے نفس بھی ان کے نفس کے مقابلے میں بازاری لوگوں کے نفس سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے تو غلط نہ ہوگا۔ سید صاحب نے ایران میں استبداد اور ظلم وستم اور خود غرضیوں کے ایسے کلیف دہ مناظر دیکھے جنکے مقابلہ کے بذات خود انھوں نے شاہ ایران کو شکست سے ہٹانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اس کے بعد وہ اتفاق سے دوسری مرتبہ لندن تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے "اظہار المنافقین" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں ایران کے متعلق زبردست رضامیں لکھے گئے ۱۸۹۲ء میں خلیفہ اعظم سلطان عبدالحمید نے آپ کو استنبول بلا لیا سید صاحب نے دعوت قبول کر لی اور دوسری دفعہ استنبول میں داخل ہوئے اس سے پہلے وہ عبدالعزیز کے عہد میں استنبول جا چکے تھے۔ چونکہ شیخ محمد عبدہ کے توسل سے سید صاحب سے میری خط وکتابت کا سلسلہ رہ چکا تھا اس لیے آپ نے پہلے سفر یورپ کے موقع پر سب سے پہلے ان کے متعلق دریافت کیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ استنبول تشریف لے گئے ہیں فرانس کے مشہور ادیب میسو نہری روشفو نے جن سے لندن میں ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ جلا وطنی کے ایام گزار رہے تھے، سید صاحب کے مآل پر خوف زدہ نظر آرہے تھے وہ سید صاحب سے محبت رکھتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے انھوں نے اپنی کتاب (میری سرگزشت) میں اپنے خاص انداز اور اسلوب میں جمال الدین کی یوں تعریف کی ہے "سید جمال الدین افغانی آل نبی سے ہیں" اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خود ایک نبی سے مشابہت رکھتے ہیں۔"

جب سید جمال الدین آستانہ پہونچے تو ان کو سلطان عبدالحمید نے اپنے ضیافت خانہ میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ اتارا اور ان کے بود وباش کے لیے آمدنی کے بہت سے ذرائع مہیا کر دئے وہ خلیفہ اعظم کے دربار میں جاتے اور ان کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے تھے ایک مدت تک وہ امیر المومنین کے مقرب رہے اس زمانہ میں آپ کو نہ کسی بات کا خوف تھا اور نہ رنج۔ مگر بعد میں سید ابوالہدیٰ صیادی اور ان کے درمیان گشیدگی پیدا ہوگئی صیادی نے خلیفہ اعظم کے پاس ان کی شکایتیں شروع کر دیں اور ان پر کفر والحاد کی تہمت لگا دی۔ یہ ان لوگوں

(بقیہ مشرق کا قائد اعظم صفحہ ۲۳)

سانپ

از

(اضافہ)

(امبروز بیرس)

"یہ مسلمہ اور آزمودہ بات ہے (اب اتنے لوگوں نے اس کی تصدیق کی ہے کہ کوئی دانشمند تعلیم یافتہ اس سے انکار نہیں کر سکتا) کہ سانپ کی آنکھ مقناطیسی کشش رکھتی ہے، اور جو کوئی اس کی زد میں آجاتا ہے وہ اپنے ارادہ کے خلاف اس کی طرف کھنچتا جاتا ہے اور سانپ کے رئیس سے مغلوب کی موت مرتا ہے۔"

ہارکر برٹین، ایک پر تکلف صوفہ پر آرام سے لیٹے ہوئے مطالعہ میں مشغول تھا اس کے ہاتھ میں مورخہ کی کتاب "تجربات سائنس" تھی جب جملۂ بالا اس کی نظر سے گزرا تو وہ مسکرانے لگا اور اس کے دل میں خیال گزرا "اس معاملہ میں بھی ایک تعجب ہے کہ مورخہ کے زمانہ کے دانشمند اور فاضل ایسے واہمہ کا ایقان رکھتے تھے، ایسے امر کے وقت کے جہلا ہرگز نہیں مانتے۔"



تھوڑی دیر کے لیے اس کے دل میں خیالات کا ایک سلسلہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ برٹین غور و فکر کا عادی تھا۔ اس دوران میں اتفاقاً اس کی کتاب کسی قدر نیچے ہٹ گئی جس سے وہ خط نظر سے نیچے ہو گئی کمرہ کے تاریک گوشہ کی کسی چیز نے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ چھوٹے کے سایہ کے نیچے روشنی کے دو چھوٹے نقطوں پر نظر پڑی جو بظاہر ایک دوسرے سے ایک انچ دور معلوم ہوتے تھے۔ اس نے ان پر کچھ غور نہیں کیا اور پھر پڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد کسی چیز نے۔ کسی ہیجان نے جس کی وہ تحلیل نہیں کر سکتا تھا۔ اسے دوبارہ کتاب نیچے کرنے اور اپنے سابقہ مشاہدہ کی تلاش پر مجبور کیا۔ اس نے اپنی کتاب نیچے کر لی۔ روشنی کے نقطے وہاں بدستور موجود تھے۔ وہ پہلے سے زیادہ روشن معلوم ہوتے تھے اور اب سبزی مائل چمک کے ساتھ منور تھے، جسے اس نے غالباً پہلے نہیں دیکھا اسے یہ بھی خیال ہوا کہ وہ کسیقدر متحرک ہو گئے۔ شاید قریب تر! تاہم روشنی کے نقاط تاریکی ہی میں تھے اور اتنی دور تھے کہ بڑا سانپ اپنے حلقے لپیٹے بیٹھا ہے۔ روشنی کے نقطے اس کی آنکھیں تھیں! اس کا سر بیرونی حلقے پر تھا اور براہ راست اس کی سمت میں تھا۔ اس کا کھلا جبڑا، اور اجمالاً یہ پیشانی صاف طور پر اس کی کینہ ور مجسمی کی سمت بتا رہے تھے۔ سانپ کی آنکھوں کی حیثیت اب محض منور نقطوں کی سی نہ رہی بلکہ اس کی نگاہیں تیر کی مانند برٹین کی آنکھوں میں اترنے لگیں۔ غالباً ایک خوفناک مقصد سے!

(۲)

تمدن جدید کے اعلیٰ شہری مکانات میں سانپ کی موجودگی اتنی عام نہیں کہ اس کی توجیہ غیر ضروری سمجھی جائے برٹین پینتیس[1] برس کا غیر شادی شدہ جوان تھا۔ وہ ایک فاضل، خوشباش کھلاڑی، دولتمند، ہر دلعزیز اور تندرست سب کچھ تھا مختلف ممالک کی سیر سے واپس ہو کر وہ فرانسسکو پہنچا۔ اس کے مذاق جو ہمیشہ کسیقدر پر تکلف تھے، اس کی غیر متاہل زندگی کی وجہ سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔ کیا اچھل ہوٹل کی آسائش بھی اس کی مذاق کی تسلیل کے لیے ناکافی تھے۔ اس نے خوشی سے اپنے دوست ڈاکٹر ڈیرہ رنگ کی مہمانداری قبول کر لی۔ جو ایک مشہور سائنس داں تھا۔ ڈاکٹر کا مکان شہر کے اس حصہ میں تھا، جو اب غیر معروف محلہ سمجھا جاتا ہے۔ مکان نہایت وسیع اور پرانی وضع کا تھا، اور اس میں بظاہر مغرورانہ تمکنت کے آثار تھے۔ یہ عیاں تھا کہ وہ اپنے بدلتے ہوئے ماحول اور اس کے اجتماعات سے گریز کرتا ہے، اور علمی گی اور عزلت سے پیدا ہونے والے چینوں (یا نرالے پن) کا حامل تھا چنانچہ اس میں ایک "بازو" ایسا تھا جو تعمیر کارانہ نقطۂ نظر سے غیر مناسب تھا اور کاروباری لحاظ سے کم باغیانہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ تجربہ خانہ۔ وحشی خانہ اور عجائب گھر کا مجموعہ تھا اور یہیں ڈاکٹر اپنی فطرت کے سائنٹیفک پہلو کو اپنی دلچسپی کے حیاتیاتی معمولات کے مطالعہ سے مسرور کرتا۔ اور اپنی علمی تشنگی بجھاتا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسے ادنیٰ اصناف کے جانوروں سے بہت دلچسپی تھی، اور اعلیٰ اصناف کے وحشی جانور اس کے لیے قابل سفارش تھے جن میں کچھ نہ کچھ ابتدائی ادنیٰ خصوصیات ہوں مثلاً کھیکڑے اور سانپ یا اس کی سائنسی ہمدردیاں رینگنے والے جانوروں سے متعلق تھیں۔ وہ فطرت کے گنواروں کا قدرداں تھا۔ وہ خود کو حیوانیات کا زولا[1] سمجھتا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی اور لڑکیاں اس کے اس عالمانہ تجسس میں جسے وہ اپنے کم نصیب ہم جنسوں کے لیے رکھتا تھا اس کی ہمنوا نہ تھیں۔ اسی وجہ سے انھیں سخت کیا تھا "سانپ گھر" سے دور رکھا گیا اور صرف اپنے ہم نوع کی رفاقت پر مجبور کیا گیا۔ تاہم ان کی قسمت کی سختیوں کو کم کرنے کے لیے ڈاکٹر نے اپنی کثیر دولت کا ایک حصہ انھیں اس غرض سے عطا کیا کہ وہ اپنے ماحول کی شان و شوکت میں حشرات پر فوقیت لے جائیں اور اعلیٰ تر آب و تاب کیساتھ چمکیں۔

---

[1] ۔ فرانسیسی ناول نگار "ایمیل زولا" (۱۸۴۰ - ۱۹۰۲) جس نے موجودیت کی تعلیم دی اور فطرت انسانی اور حیات انسانی کا سائنٹیفک زاویہ فطرت پیش کیا۔ "فن کار"

تلوار

از

کپتن اعجاز علی شہرت

تلوار کے مختلف حصے

تلوار کے ہر حصہ کا ایک نام ہے جس کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ تلوار میں دو چیزیں ہوتے ہیں، پھل اور قبضہ۔ پھل میں (۱) اجزار میں، (۲) میدان یا کھیت، (۳) گھاٹ، (۴) پھلہ، (۵) تیغہ، (۶) انی، و (۷) بالہ، (۸) آبدار یا دھار، کشتی۔

(۱) میدان یا کھیت، تلوار کی چوڑائی کو کہتے ہیں۔ (فارسی والے دامن کہتے ہیں)۔

(۲) گھاٹ وہ مقام ہے جہاں سے تلوار میں خم شروع ہوتا ہے۔ سیدھی تقریباً ایک ثلث حصہ ہے۔ صاف کاٹنے کے لیے تلوار کو اس مقام پر سے گرنا چاہیے، بگاڑ پر سے نہیں پڑتی تو کمزور ضرب ہوتی ہے۔

(۳) پھلہ، وہ بالائی حصہ ہے جو گھاٹ سے اوپر ہوتا ہے اور ضرب کے بعد جب تلوار کاٹ کر نکلتی ہے تو آخر میں یہ باہر نکلتا ہے۔

(۴) پیٹھ، وہ مقام ہے جو باڑ کی جانب مخالف اور بجانب پھل کے زراگداز رہتا ہے۔

(۵) انی، پھلہ کی آخری نوک کو کہتے ہیں۔

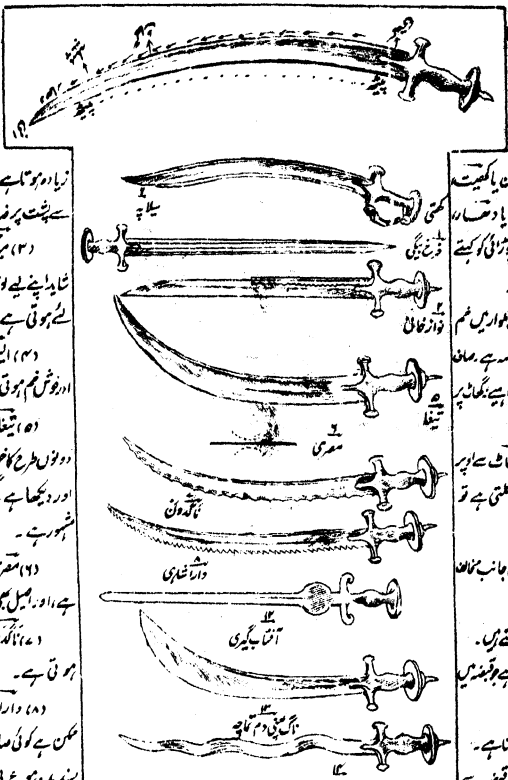
(۶) بالہ، تلوار کا وہ آخری حصہ ہے جو قبضہ میں داخل کر کے جڑ دیا جاتا ہے۔

(۷) باڑ یا دھار، وہ تیز ہے جو کاٹتا ہے۔

(۸) کشتی (لفظاً کشتی) و بالہ کے اوپر قبضہ سے متصل رہتی ہے۔

تلوار اگر زور اسوئی ہو تو گھسے تیلی ہو جائے تو نگلی کہلاتی ہے، اور پھر اس قوتی ہوئی میں و بالہ پیوست کر دی گئی تو اوتری ہوئی کہتے ہیں۔

(میر انیس) بدن کھل گیا مثل تیغ اصیل
بس کل رہا اور نہ جوہر رہے



پرانے لوگ دو سگے بھائیوں میں تین دھار کی تلوار کی تلاش خیال کرتے تھے۔ کہتے ہیں دونوں بھائیوں میں ایک دو جاتا ہے۔

(۲) نواز خانی، معلوم نہیں نواز خاں کون تھے کہاں تھے اور کس زمانہ میں تھے لیکن تلوار تو اُن کے نام سے منسوب ہے، سیدھی ہوتی ہے، اور اتنا فرق ہے کہ اس کا پہلا پیٹ کیچاب خم ہونے کے عوض دھار کے جانب جھکا رہتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ راست خم کا الٹا پھلہ ہے۔ راقم نے غمیر دار لوہے دیکھی ہے، رنگ بہت اچھا ہوتا معمولی بھی، سیدھی کے مقابلہ میں ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ لچک کو روکنے اور سیدھی پڑنے کے خیال سے پشت پر خام دیا جاتا ہے جس کو "چھٹا" کہتے ہیں۔

(۳) میر تیغہ، راست خم تلوار ہے۔ میر تیغہ نے شاید اپنے لیے وسع وضع کی بنوائی ہوگی جنوب کا خم لئے ہوتی ہے۔

(۴) ایلیان، ایلیان تو جرمنی کو کہتے ہیں۔ ذرا لانبی اور خوش خم ہوتی ہے۔ کاٹ کی اچھی ہے، کم ٹوٹتی ہے۔

(۵) تیغۂ زبردست، لنگر دار، اصیل اور فولادی دونوں طرح کا خوش خم اور پرچم ہوتا ہے۔ تین طرح کا سنا اور دیکھا ہے۔ گجراتی گھاٹ کا، رامپوری گھاٹ کا چھان کا مشہور ہے۔

(۶) مصری، یہ ایک وضع ہے، فولاد کی بھی ہوتی ہے، اور اصیل بھی خاص خاص علامتوں سے پہچانی جاتی ہے۔

(۷) ناگدون، یہ بھی ایک خاص وضع ہے، باڑہ لہردار ہوتی ہے۔

(۸) دارا شامی، اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوئی۔ ممکن ہے کوئی صاحب دارا شاہ نامی کی ایجاد ہو یا انکی پسندیدہ ہو۔ عربی کے ایک قدیم شعر سے اس کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔

(امرالقیس)

ترجمہ: کیا یار ڈالیگا (میرا رقیب) مجھ کو در آنحالیکہ مشرقی تلوار میری تیز پر ہے اور انکے نیفے فولادی دانت فول کے دانتوں کی طرح ہیں۔

مشارف شام عرب میں کچھ گاؤں ہیں، یہ مشرقی ہیں کی بنی ہوئی ہے اس لیے شرقی کہلاتی ہے، دارا شامی دم اتنا پتلا اصیل کی نقل بنائی ہے، اصل اور نقل کا فرق ہے۔ اوپر میں اصیل کا رنگ نہیں، کس بل میں برابری کرتی ہے، کاٹ میں ہیت ثابت قدم ہے۔ جنوب میں دو نامیں ہوتی ہیں، اس میں تین ہوتی ہیں، تین دھاری بھی کہلاتی ہے، کثرت سے رائج ہے۔

ہوتا ہے۔ باڑھ کی جگہ آری کی طرح دانت ہوتے ہیں۔

(۹) سیلا پہ اس کی ساخت ٹیڑھی ہوتی ہے۔ فولاد کا بھی ہوتا ہے۔ اگر گھڑی کا ہت بتایا جاتا ہے۔ ابری کھنڈری نوش وضع ہوتی ہے۔

(۱۰) سوسن پتہ، برگ سوسن کی مشابہت رکھتا ہے۔ سیلا پے سے چھوٹا ہوتا ہے۔

(۱۱) قلعہ تکیہ، سوسن پتہ ہے۔ قبضہ پر ایک مکڑا اور لگا ہوتا ہے جو زیر بغل رکھ لیا جاتا ہے۔ بیٹھنے میں تکیہ کا کام دیتا ہے۔

(۱۲) آفتاب گیری، سیدھی تلوار ہے، چھوٹی ہوتی ہے۔ قبضہ بھی خاص وضع کا ہے۔ دونوں طرف دھار ہوتی ہے۔

(۱۳) ناگ پھنی دم تیا پنچہ، نیمچہ ہوتا ہے۔ پیسلے کی طرف بہت چوڑا۔

(۱۴) دو شاخہ یا دو پیکر، یہ تلوار نہایت کاریگری سے بنائی گئی ہے، نہایت کمیاب ہے۔ راقم نے فقط دو تلواریں اس قسم کی دیکھیں اور افسوس کہ دونوں میسر نہ ہو سکیں۔ ایک تو کسی شوقین کی تھی اور ایک کسی کنجوس کی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فولاد فولاد کو کاٹتا ہے مگر اس قدر سخت ہے کہ ذرا بے قرینہ پڑنے سے تلوار ٹوٹ جاتی ہے، اصیل کا لوہا نرم ہے ٹوٹتا نہیں، مگر ذرہ بکتر پر اتنا کام نہیں کرتا جتنا فولاد ٹھڈی کو بھی کاٹتا ہے تو کسی اچھے منجھے ہوئے ہاتھ سے۔ کاریگر نے یہ کمال کیا ہے کہ ایک پرت فولاد کا اور ایک پرت خمیر دار لوہے کا لیکر دونوں کو باہم مل کر کے تلوار بنائی ہے، فولاد کی کاٹ ہے، ٹوٹنے کا ضامن اصیل ہے۔ فولاد کے رُخ پر باڑھ نہیں۔ اصیل کے رُخ پر باڑھ دی ہوئی ہے۔ کاٹ میں وہ بھی شریک ہے، تلوار خوش خم ہوتی ہے اور خوبصورتی ایک طرف آئینہ کی طرح اصیل چمکتی رہتی ہے۔ دوسرے طرف سیاہ فولاد کے جوہر نمایاں رہتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ پیٹھ پر یا کہیں اور جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔

(۱۵) پیٹھ، اس کو ہندوستان کا قدیم ہتھیار کہنا چاہیے۔ تاریخوں میں اگلے زمانے کی لڑائیوں میں اس کا ذکر ہے کہ جنگی ہاتھیوں کے سونڈوں میں پیٹھے چڑھے رہتے تھے، ہاتھی اُنکو ہلاتے ہوئے غنیم کی فوج کو کاٹتے ہوئے حملے کرتے تھے۔ اس کی ساخت بھی اس امر کی گواہی دیتی ہے۔ اس کا پھل بہت لانبا ہوتا ہے۔ نہایت لچکدار، دونوں جانب باڑھ دی ہوئی، قبضہ بہت بڑا ہوتا ہے، اس کو کھوپر کہتے ہیں، کھوپر میں باریک باریک آویزے لگا دیتے ہیں، اُن کو مچھلیاں کہتے ہیں۔ اس سے فقط خوشنمائی ہوتی ہے۔ پیٹھ ہلانے میں جب ہاتھ بدلا جاتا ہے تو یہ آواز دیتے ہیں۔

حُسن کار"

ایک پہیلی (حیدر آباد میں مسئلہ کہتے ہیں)

آدھا کنواں پانی سے بھرا
لے شاہ جہاں ترے آگے دھرا

اس پہیلی یا مسئلہ کو بوجھیے؟

آپ نہ بوجھیں گے، ہم بتا دیتے ہیں؟ نیم آدھا، اور چہ، کنواں۔

پانی سے بھرا، یعنی آبدار۔ سیدھوں میں چھوٹی تلوار کو کٹی کہتے ہیں۔ خمداروں میں چھوٹی تلوار کو نیچہ کہتے ہیں۔

اس کے سوا اور بھی تلواروں کی قسمیں ہیں:۔

تلواروں کے بیان میں اگر میں نے مندرجۂ ذیل اوکار کو شامل نہ کیا تو حقیقت میں اس کو بے رونق رکھا۔

ذوالفقار حیدری، وہ مشہور عالم تلوار ہے جس نے اسد اللہ الغالب علیہ السلام کے دست زبردست میں اسلام کی بڑی حمایت کی ہے اور بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہی ہے۔ اسکے متعلق اسلامی فرقوں میں مختلف روایتیں ہیں تحقیق کو محققین کے حوالے کرتا ہوں اور دیکھا ہوا، سنا ہوا بیان کر دیتا ہوں۔ ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ یہ تلوار جناب علی علیہ السلام کے لیے عرش سے اتری ہے۔ اور بروز واقعۂ کربلا سید ناحسین علیہ السلام کے دست مبارک میں لڑی ہے حضرت کی شہادت کے بعد کسی کے ہاتھ نہیں لگی ذابت سکینہ) اس صندوق میں جس میں اولو العزم مرسلین علیہم السلام کے تبرکات ہیں، بحکم الٰہی رکھدی گئی ہے۔ اس تابوت سکینہ کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ جب حضرت امام آخر الزماںؑ ظہور فرمائیں گے تو اس تلوار کے اور تمام تبرکات کے وارث ہوں گے (تبرکات آل موسیٰ و آل ہارونؑ کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

میں نے ایک مختصر رسالہ میں ذیل کی روایت دیکھی ہے (ترجمہ عربی) ایک روز جناب علی مرتضیٰؑ دولت خانہ میں تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ جناب خاتون جنت کسی سے باتیں کر رہی ہیں؛ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حجرۂ مبارک میں کوئی نہیں ہے۔ پوچھا تم کس سے باتیں کر رہی تھیں جناب سیدہؑ نے فرمایا تمہاری تلوار ذوالفقار سے۔ آپ نے فرمایا ذوالفقار سے کیونکر باتیں کر رہی تھیں؟ فرمایا وہ تو میری بہن ہے۔ خداوند عالم نے جنت میں ایک سیب نورکا پیدا کیا، نصف سے میری خلقت ہوئی اور نصف سے تمہاری تلوار کا لوہا پیدا ہوا۔ جناب کو حیرت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا۔ ارشاد ہوا، فاطمہؑ نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔

میر انیس، ایک جگہ ذوالفقار کی تعریف میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں؟

سیب جنت خلد کی بو باس تھی جس میں
رہتی تھی وہ شمشیر سے دولھا کی بغل میں

ایک فریق کا بیان ہے، کہ یہ تلوار تو شمشہ (یا عاد) کی تھی جو مال غنیمت میں آنحضرت کی خدمت میں پہونچی اور آپ نے بروز جنگ خندق حضرت علیؑ کو عنایت فرمائی۔ ایک روایت کہتی ہے، یہ وہ تلوار ہے جو ملکۂ شہر سبا بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کو تحفتہً بھیجی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلحخانہ میں تھی۔ ذوالفقار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی پیٹھ پر انسان کے ایڑی کی ہڈیوں کی طرح نشانات تھے۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلحخانہ میں جس قدر تلواریں تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک تو ذوالفقار تھی، ایک کا نام "رسوب" تھا (یعنی تیز رفتار) ایک کا نام "عضب" تھا۔ ایک کا نام "حتف" تھا (حتف بمعنی استقلال، استحکام، تیزی) سلحخانۂ محمدیؐ کی ایک تلوار پر یہ شعر کندہ تھا۔

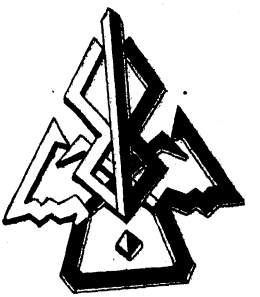
فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَفِی الْاَقْدَامِ مَکْرَمَۃٌ
اَلْمَرْءُ بِالْجُبْنِ مَا هَیْهَاتَ مِنَ الْقَدَرِ

ترجمہ:۔ نامردی میں عار (شرم) ہے اور قدم کے بڑھانے میں بزرگی ہے۔ نامردی کی وجہ سے مرد کو قدر (قضا) سے نجات نہیں ملتی، یعنی نامرد قضا سے بچ نہیں سکتا۔ مرنا ضرور ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تلواروں کے بیان کا خاتمہ ایسے شعر پر ہوا ہے جو نہایت معنی خیز ہے۔ اپنے معلومات کی حد تک اس کو ختم کر کے اب قبضوں اور دوسرے اسلحہ کا ذکر شروع کرونگا۔ (باقی آئندہ)

جدید خریداروں سے

حُسن کار کی جلد اشمارہ ۲، ۳ کے پرچے کل ختم ہو چکے ہیں!

مہتمم حُسن کار"



جلد ۱ | یکم اسفندار ۱۳۱۲ ف ۳ جنوری ۱۹۳۴ء | نمبر ۵

صحافت اور حسن کاری

موجودہ زمانہ میں صحافت ہر متمدن قوم کی جزو زندگی ہے اور ہر قوم اپنی تمدنی اور معاشرتی ترقی کا نمونہ اس کے ذریعہ پیش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی ملک کی ترقی کا اندازہ بیک نظر صحافت کے ذریعہ مل جاتا ہے۔ اب ترقی کا معیار اور کمال کا اظہار خود وہ صفحات ہیں جو روزناموں اور موقوۃ الشیوع جریدوں کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں صفحات کے اجزا میں اداراتی پہلو سے الگ اور چیزیں بھی شامل ہیں جن میں سب سے اہم خوش طباعت ہے یہی وہ شعبہ ہے جہاں پر حسن کاری دخل پاتی ہے۔

بظاہر حسن کاری کسی ملک کی صحافت کے بالواسطہ خوبی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہی چیز صحافت کی جان ہے کوئی اخبار یا جرائد کتنا ہی اپنی ظاہری و معنوی حیثیت میں بڑھا ہوا ہو اگر وہ حسن طباعت سے آراستہ نہ ہو تو اس کی مقبولیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے اس اہم ضرورت کو نہ سمجھتے ہوئے جب ہم اردو صحافت پر نظر کرتے ہیں تو جہاں اور معنوی کمزوریاں ہمارے پاس ہیں وہاں یہ مجالیاتی خوبی کا فقدان بھی بہیانک شکل میں ہمیں دکھائی دیتا ہے آج دنیا کا کوئی جریدہ بغیر خوبصورت تصاویر اور حسین طباعت کے مقبول نہیں ہو جاتا ہر متمدن قوم اس بات کی کوشش میں رہتی ہے کہ وہ اپنی صحافت کے اس اہم رخ کو بہتر سے بہتر حالت میں منظر عام پر لائے اگر کوئی ملک یا کسی زبان کے جرائد ابھی پیچھے نظر آتے ہیں تو وہ ہمارا ملک ہی ہے اردو میں سب سے پہلے مصور جرائد کامیاب طریقہ سے دارالاشاعت نکلا — جو مجوراً ٹائپ میں طبع ہوتا تھا تاہم وہ کوشش ہزار خوبیوں کے ساتھ ایک عیب ضرور رکھتی تھی وہ یہ کہ صحافت کا ظرافت یعنی تجارتی نقطۂ نظر اس میں غائب تھا اور وہ ادبی قدیش بن کر چند دنوں میں ختم ہو گیا اس کے بعد بھی بہت سے پرچے حسن کارآنہ انداز پر نکلنے کے کوشاں رہے ان سب میں صرف دو پرچے ہیں جو اب تک اس کوشش کو کسی نہ کسی انداز سے قائم رکھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ ایک ریاست دوسرا نیرنگ خیال لاہور۔ ریاست دہلی تو مقبول عام اصول پر مضامین کی ترتیب دے کر صرف دو صفحہ کے ہاف ٹون بلاکس پر اپنے حسن آخر میں ختم کر دیتا ہے نیرنگ خیال البتہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے ہر پرچہ کو حسن کارآنہ انداز پر سمجھا جائے چنانچہ اس کے خاص نمبروں میں یہ کوشش شوخ رنگوں کی زبان میں بہ بانگ دہل اپنا قصیدہ آپ گاتی ہوئی نظر آتی ہیں ان کو دیکھ کر اور بھی چند پرچے اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں۔

لیکن ان تمام کوششوں کے دیکھنے کے بعد جب ہم بالمقابل اردو کی حالت دیکھتے ہیں تو اپنی پستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ عوام میں حسن کارانہ ذوق کا فقدان اور اردو کے لیے حسین طباعت کی وقعت اور دشوار پبلیشرز ہیں جو ہماری منزل کو کٹھن بنا دیتی ہیں۔

طباعت کی خوبی کے لیے کثیر سرمایہ اور قابل دماغ کے یکجائی کی ضرورت ہے جو اردو کے لیے اب تک میسر نہیں آیا اگر اس راہ میں اردو کے بہی خواہ کوئی کانفرنس کریں اور وہاں پر ان مراحل پر غور و خوض کر کے ایک راہ عمل تجویز کریں تو شاید صحافت میں ترقی کرنے والوں کے لیے ایک دستور العمل مل جائیگا ورنہ موجودہ حالت میں ہر شخص اپنی بساط کے موافق کوشش کر رہا ہے اور غیر معمولی موانعات کے مقابلہ میں اکثر خود کو ناکام پاتا ہے ظاہر ہے کہ جو کام اجتماعی ہوتا ہے اس کو انفرادی قوت طے نہیں کر سکتی کیا ہماری اس تجویز پر ملک کے تمام دردمند اہل صحافت توجہ کر کے اس کانفرنس کے لیے عملی صورت پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں گے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں ہر بہی خواہ اردو کے دماغ میں اس کے متعلق خیالات موجزن ہیں اور کچھ عجیب نہیں کہ ہماری آواز با اثر ثابت ہو ہم کو مستقبل موقع پر اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالنی پڑیگی۔

مضامین کے متعلق

ہم مسٹر باقی کے ممنون ہیں کہ باوجود سفر میں رہنے کے انھوں نے اپنا مضمون مکمل کر کے روانہ فرمایا۔ یہ مضمون بہت اہم ہے اور ایک ماہر موسیقی نے اس کو سپرد قلم کیا ہے ہمیں امید ہے کہ پوری سے پڑھا جائیگا

مسٹر سید وقار احمد صاحب ایڈیٹر نظام گزٹ کے ہم شکر گزار ہیں کہ انھوں نے مسجد کے مضمون کو اپنے بلاکس عنایت فرما کر مزین فرمایا۔ اس پرچہ کو ملک کے مشہور حسن کار مسٹر عبدالقیوم کی خاص توجہ نے جس تربیت و آرایش میں بجد ترقی دی ہے ہم ان کی عنایات کے دلی احسان مند ہیں۔ ان کی دلی دوستی نے ہمارے کام کو آسان کر دیا ہے۔

مسجد

ایک تاریخی حسن کارانہ مطالعہ

از

سید محمد اکبر وفاقانی

کمان

مسجد ابن طولون کی کمانیں کچھ نکیلی اور کچھ نعل نما ہیں اور مسجد عمرو کی کمانیں ادھی ہیں جن کو سرستون کے قریب لکڑی کا سہارا دیا گیا ہے مصر میں آگے چل کر بارھویں اور چودھویں صدی کے اخیر میں سہ دارنی کی نوکدار کا رواج عام ہو گیا یہ کمانیں مغربی اموی حکومت کی یادگاریں ہیں اور انکی بہترین نمونے اندلس کے اجڑے ہوئے آثار میں پائے جاتے ہیں پہلی طرز تعمیر میں ہمیشہ کہ ہم نے بیان کیا نکیلی پیازی اور کنول نما کمانیں عام ہے ہندوستان میں پٹھانوں نے زیادہ تر پیازی اور نکیلی کمانیں استعمال کی ہیں مغلوں نے کنول نما کمان کو بہت استعمال کیا ہے جو ایک حد تک ہندو طرز کا اتحاد کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں ان کے حسن کو علاوہ ظاہری شکل کے پیچیدہ نمونوں کی وجہ سے دوبالا کیا گیا ہے مغل دیوان عام اور خاص کی کمانیں اسکی اچھی مثالیں ہیں ترکوں نے اپنے طرز تعمیر کو بازنطانی حسن سے حاصل کیا ہے اسلئے وہ اپنی ہر چیز میں ان ہی کے پیرو نظر آتے ہیں انکی کمانیں بازنطانی اور عربی دونوں طرز شامل ہیں۔

ستون اور سرستون

ستون کے استعمال میں مسلمانوں نے نہایت آزادی اور فراخدلی سے کام لیا ہے جہاں جن کو اپنے کام کی چیز نظر آئی اسکو انھوں نے چن لیا ہاں اتنا خیال ہر وقت انکے پیش نظر رہا کہ ستون کو مسجد کی کلیسروی میں نزاکت اور تناسب میں اعتدال سے بڑھنے نہیں دیا جائے بھی وجہ ہے کہ رومانی پرشکوہ ستونوں اور یونانی گاؤدم اور بھاری بھرکم ستونوں کا رواج مسجدوں میں نہیں ہو سکا۔ ہاں ستونوں کے استعمال میں بالکل آزاد اور بے پروا نظر آتے ہیں جامع دمشق میں بعض ایسے رومائی یونانی اور گاتھی سرستون نظر آئیں گے جنکا جوڑ تک ستونوں سے نہیں ملتا مسجد عمرو ابن عاص میں قوا بالکل غیر تبدیل شدہ رومائی سرستون استعمال ہوئے ہیں عربی اصول پر بنائے ہوئے سب میں پہلے سرستون جامع ابن طولون میں نظر آتے ہیں جو بارھویں صدی عیسوی کی یادگار ہیں اسلامی ستون اور سرستون ایک جدا تک ویزانی stalactite نمونہ کی ترقی یافتہ شکل ہے بعض سرستونوں کو رکن piers کے چاروں طرف جوڑ دیا گیا ہے

مینار

سب میں پہلا مینار جو اب موجود ہے وہ جامع ابن طولون کا مینار اذان ہے جو مسجد سادہ عباسی طرز کی تقلید میں بنایا گیا تھا ابن طولون کے مینار میں دو مینار گردشیں Balconies of Minarets ہیں مصری مینار کا زیریں حصہ عموماً چوگوشہ ہوتا ہے اور مسجد کی دیوار کی بلندی تک اسی قسم کا بنایا جاتا ہے اسکے بعد اسکی شکل چھ گوشہ یا استوانی ہو جاتی ہے اس پر بعض دقت ساچہ کاری اور بعض دقت نونہ کاری کے ذریعے سے آرایش کیا جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ ان دونوں کے بجائے صرف ایک یا چند کمر بند عربی کام کے مینار کے درمیان استعمال کئے جاتے ہیں جس پر یا تو آیات قرآنی لکھی جاتی ہیں یا گل بوٹہ کاری کا کام ہوتا ہے شام اور فلسطین میں عموماً ہر مینار کے دو مینار گردش ہوتے ہیں اور اوپر کا حصہ مخروطی شکل کا ہوتا ہے اندلسی تعمیر کا سب میں مشہور مینار اشبیلیہ کا مینار ہے جو شکل میں مربع ہے یہ مینار عربی طرز کے خوبصورت گل بوٹہ کاری کے لیے جو چونہ کا بہترین کام ہے بہت مشہور ہے۔ ایرانی طرز تعمیر میں مینار مسجد کا مذہبی جزو قرار نہیں پایا گیا بلکہ اسکو علحدہ ایک شعبۂ فن تعمیر سمجھا گیا ایک مدت کے بعد مینار مساجد میں حسن آفرینی کے لئے استعمال ہونے لگے انفرادی مینار کی ابتدا محمود غزنوی (۹۷۷ء) کے فتح مینار سے ہوتی ہے۔ قطب مینار (۱۲۲۰ء) اس کا انتہائی نمونہ ہے اس کے بعد اکبر کا فتح مینار چتوڑ میں نظر آتا ہے لیکن یہ مینار بالکل ہندو طرز تعمیر پر بنایا گیا ہے دکن میں علی عادل شاہ (جانباز) مینار دولت آباد بھی شوق تعمیر کی یادگار ہے اس مینار کی تعمیر میں فن تعمیر کی مضبوطی اور استحکام سے زیادہ حسن و نزاکت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نہایت خوبصورت اور سبک مینار ہے جس پر چینی کا خوبصورت کام کیا گیا تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان میناروں میں قطب مینار کا زیریں حصہ گہرے اور اوپر کا حصہ گول ہے۔ اس پر قرآن شریف کی آیات سے حمایل کیا گیا ہے مسجد میں جو مینار نظر آتے ہیں وہ دروازوں یا مسجد کے سامنے کے رخ کے دونوں جانب بتائے جاتے ہیں صرف تاج محل میں تزئینی مینار اصل عمارت سے ہٹا کر بنائے گئے ہیں جو شکل اور بلندی میں اصل عمارت کے مناسب تعمیر ہوئے ہیں سکا مقصد در اصل اصلی عمارت کو نمایاں کرنا ہے اسکو دیکھکر ایک مغربی ادیب کو دھوکہ ہوا اور اس نے بغیر سوچے سمجھے یہ رائے قائم کر لی کہ اصل عمارت کے لحاظ سے یہ مینار چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ بات محض مسلم حسن کاری کی روح سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو مینار مغلیہ دور کی یادگاریں ہیں وہ شان و شکوہ میں اپنے پیش رو سے کم ہیں لیکن نفاست اور خوبی میں بڑھے ہوئے ہیں مغلیہ مینار نیچے سے اوپر تک سڈول طریقہ پر بنائے گئے ہیں جسکو دیکھکر بے ساختہ کے "انگشت حنائی" کا تصور پیش نظر ہو جاتا ہے۔ مینار گردشیں جیسے انگلیوں پر انگشتری کی طرح رکھی ہوئی ہیں اور سرے کا حصہ ایک چھوٹا گوشہ لیمان یعنی نما ہوتا ہے جسکے اوپر مخصوص مغلیہ طرز کا کلوپن یا سرپوش lantern Cupola بنایا جاتا ہے جو سنہری کلس سے آراستہ ہوتا ہے۔ ہندی میناروں کا حسن بجائے تعمیر کے اجزائے تعمیر میں مضمر ہے سنگ مرمر اور سنگ سرخی کا استعمال جسمیں سنگ سرخ موزونیت سے شامل ہو مختلف چیزوں کی حسن کارانہ تقسیم نہایت لطیف اور پاکیزہ گل بوٹہ کاری اور کتابت اسکے تمام حسن کے حامل ہیں۔

قبہ[1]

مسلم حسن کاری میں۔ یہ جزو تعمیر مستعار شئے ہے۔ سب میں پہلے دلیدنے اسکو بازنطینی طرز تعمیر سے لیکر اپنا حیرت انگیز قبہ جامعہ دمشق میں تعمیر کیا جسکی خوبی یہ ہے کہ وہ بلا دیوار اور سہارے کے چوکونی بالائی کرسی پر قائم ہے لیکن یہ چیز اکیدم مسجد کے لئے عام نہیں ہوئی جامعہ دمشق کے بعد مساجد میں اس چیز کا اہتمام لازمی طور پر نہیں ہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قبہ صرف مقابر کے چھتوں کے کام آنے لگا جسکا مذہبی مقصد اس شئے کی طرز تعمیر کے ذریعہ دکھایا جاتا تھا۔ گنبدوں کے قبے کچھ اس انداز سے تعمیر کئے جاتے

[1] قبہ مینار وغیرہ کے متعلق اپنے اپنے علمی موضوع سے گزر کر کچھ گنبد وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن چونکہ اصل کی خاطر کرنا پڑا ورنہ فی الحال ہمارا مقصد صرف مسجد سے ہے تاہم مسجد چونکہ تمام مسلم حسن کاری

انگلستان غرق آب ہوگا



کیا انگلستان کا جزیرہ ایک زمانہ بعد سمندر میں غائب ہو جائیگا۔ اور کیا آیندہ نسلیں شمل ہو جودہ کے ساحل ڈاگر کی طرح بحر شمالی کے اس ساحل کو پر خطر تصور کرینگی؟

شہادات سے اس بات کا ثبوت مل رہا ہے کہ انگلستان سمندر میں فی صدی نو انچ کے حساب سے ڈوب رہا ہے۔ اور زمانہ ماقبل میں انگلستان کی پہاڑیاں سطح سمندر سے سٹرٹیٹ ہو جودہ زمانے کے مقابلہ میں بلند تھیں اس واقعہ کے علاوہ دیگر کئی ایک عجیب عجیب تحقیقاتیں کیپٹن ٹی۔ ای۔ لانگفیلڈ نے برطانوی انجمن ترقی سائنس کے سامنے پیش کیں ۔۔۔ ویسٹ منسٹر گلا کا دنیا بال امواج سمندر کے ساتھ ساتھ نیچے اوپر حرکت کرتا رہتا ہے ویسے ہی دریا جو دریاؤں کے نیچے سے بنائے گئے ہیں سمندری موج کی بلندی کے وقت بھنوی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ٹنک آف انگلینڈ بھی کانپنے لگتا ہے۔

لانگ فیلڈ کا خیال ہے کہ انگلستان زمانہ ماقبل تاریخ کے مقابلے میں اب زیادہ ڈوب رہا ہے۔ لیکن فلیکس اسٹاؤ کے قریب کی سطح فی صدی چودہ انچ کے حساب سے ڈوب رہی ہے دوسرے مقامات کی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے کل اوسط نو انچ فی صدی نکلتا ہے۔

کیمیاگروں کا خواب پورا ہوگا

اس خیال پر زور دیتے ہوئے کہ ایک بہت بڑی آواز کو پیدا کرنے کے لیے کس قدر قلیل توانائی کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر۔ جی۔ ڈبلیو۔ سی کیسٹی نے بیان کیا کہ اگر تمام لندن کی آبادی کی آواز وقت واحد میں ایک سخت بلندگی جائے تو اس توانائی سے صرف ایک ایسی طاقت کی قوت حاصل ہوگی۔ اگر اس توانائی کو حرارت میں منتقل کرنے کا امکان ہو تو اس طرح سے مسلسل دو منٹ تک آواز کے جاری رہنے سے صرف ایک چائے کی پیالی تیار کرنے کے لیے حرارت میسر آسکتی ہے! لندن کی اس طوفان خیز شور وغوغا پر ہم کرتے ہیں۔ اگر نیو یارک کے متعلق ہم ذرا غور کریں تو وہیں اس کی بلند ترین پر سے گزرنے والی ریلوں اور شاہراہوں پر موٹر کی کثرت اور ان کے شور و پکار کا خیال جب ہمارے ذہن میں آئیگا تو ہم اس کو دنیا کے سب سے زیادہ آواز پیدا کرنے والا شہر ماننے پر مجبور ہونگے شہر پیرس کا شمار دوم درجہ پر ہو سکتا ہے اس کے بعد چند اطالوی شہر آتے ہیں اس کے بعد باقی الاعالمات انتیار میں ڈاکٹر کیٹی کے خیال کے مطابق آواز کے لحاظ سے مطالع جہازوں کی سیٹیاں سڑکوں پر تواعد کرانے کی شور و پکار وغیرہ کا شمار ہو سکتا ہے۔

زمانہ حال میں جہاں ہم برقی ریلوے اور دیگر برقی قوت سے چلنے والی مشینوں کو دیکھ کر یہ تصور کر لیتے ہیں کہ مسابقت میں اب برق بھاپ کی قوت سے چلنے والی مشینوں پر بالآخر حاوی ہو جائیگی لیکن بعض سائنس دان اس امر کی پیش گوئی کرتے ہیں کہ بھاپ سے چلنے والی مشینوں میں بھی ایک غیر معمولی انقلاب کا قلعی امکان ہے تاہم بھاپ سے چلنے والا ریلوے انجن برق سے چلنے والی کے مقابلے میں کسی طرح گرا ہوا نہیں ہے ساتھ صرفے میں کمی پیدا ہوتی جا اور اب تو بھاپ سے چلنے والے ریلوے انجنوں کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے۔

حال حال تک کیمیاگروں کے اس خیال کا لوگ بری طرح سے مضحکہ اڑاتے تھے کہ عام دھاتوں میں جاذی یا سونے میں تبدیل ہونے کی صلاحیت موجود ہے لیکن جدید ترین سائنس کی تحقیقات نے اس بات کو عملی طور پر ثابت کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ بعض دھاتوں سے کیمیائی طور پر سونا بنایا جا سکتا ہے اور یہ پیش گوئی کر دی کہ آیندہ سونا باسانی محض کیمیائی طور پر تیار ہو سکیگا۔ اور اس طرح قدیم کیمیاگروں کے خیال کی تصدیق کر دی۔

ایلمونیم کے سینمائی فلم بنانے میں روس کی کامیابی

ماسکو کی برقی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے ایلمونیم کے تاروں پر اکسائیڈ کی تہ قائم کر کے سینمائی فلم بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جو کئی سو وٹائی قوت کی متحمل ہو سکتی ہے اس فلم میں حرارت کی بہت زیادہ متحملانہ قوت ہو گی اور یہ رگڑ ہٹکون کو اچھی طرح سنبھال سکیگی اور بہت مضبوط بھی ہوگی۔ اگر دوران عمل میں کہیں سوراخ پڑ جائے تو وہ خود بخود شعاعوں کی وحدت پر حرارت پڑھنے سے جڑ بھی جائیگی۔

مملکت کے عناصر

(۳)

قوم یا نسل کے امتیاز کو واضح کرنے کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نسل کی بنیاد کیا ہے اور بعینہٖ وہ کیا خصائص ہیں جو ایک نسل کے وجود کو دوسروں سے علیحدہ رکھتے اور جنہیں مجموعی حیثیت سے ہم نسلی کہتے ہیں۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ ہر نسل میں جو ہمارے سامنے موجود ہے کچھ خصائص پائے جاتے ہیں جنہوں نے کہ افراد کا ہم نسل ہونا ہے، اور یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے، کہ ہر نسل اپنے کو اپنا ایک علیحدہ خون ثابت کرتی ہے۔ بعض نسلیں تو اپنے کو ایک قدیم اور فنی مورث اعلیٰ کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ جیسے یہودی، یونانی اور رومی۔ اگرچہ یہ مورث اعلیٰ خیالی اور فرضی چیز ہوتا ہے، اور تاریخی حقیقت اس کو نہیں پاتی۔ لیکن بہ نسبت تمام افراد نسل میں ایک خاص نسلی وخونی جذبہ کے بغیر نہیں رہتی، جیسے عرب کا ایک اعلیٰ تعلق اپنے کو "قریش" کہتا ہے اور اپنے مورث اعلیٰ قریش سے منسوب کرتا ہے۔ اور اس نسبت سے ان میں ایک خاص نسلی جذبہ پایا جاتا ہے، جس سے یہ افراد آپس میں مضبوطی سے مربوط رہتے ہیں، اور ہر نسل کے خاص خط وخال اسی سرچشمہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً عادات واطوار، معاشرت اور طریقہ تحصیل کا اختلاف ایک نسل کو دوسرے سے جدا کرتا ہے، اسی نسلی سرچشمہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک انگریز اور اسکاچستانی کی معاشرت اور طریقہ تحصیل میں بڑا فرق پایا جاتا ہے، اور یہ فرق ایک علیحدہ نسل اور علیحدہ خون ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ ان نسلوں کے وجود وبقا کی نسبت کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ بعض نسلیں مختلف خطوں میں منتشر ہو کر جدا جدا قومیں بن گئیں۔ جیسے جرمن، انگریز اور ولندیزی، جو سب در اصل اسکینڈے نیوی نسل کے ہیں۔ دوسری طرف مختلف نسلیں ایک جگہ جمع ہو کر ایک قوم بن گئیں۔ جیسے امریکا کی نئی نسلیں جو بیشمار نسلیں شامل ہیں، اور اس قوم کا مطالعہ علمائے سیاسیات کے لیے کچھ کم دلچسپی سے خالی نہیں۔

دوسری خصوصیت زبان ہے، اور یہ بھی ایک بہت بڑا نسلی امتیاز ہے۔ جہاں ایک نسل ہوتی ہے اس کے افراد کی زبان بھی ایک ہوتی ہے، کیونکہ ہم نسلی افراد کا تخیل یکساں ہوتا ہے، اس لیے ان کی زبان بھی جو در اصل خیالات کا عکس ہوتا ہے ایک ہی ہونی چاہیے، ورنہ زبان کا اختلاف اس بات کو ظاہر کر دیگا کہ اس کے بولنے والے ہم نسل نہیں ہیں۔ سچ پوچھو تو زبان ایک ایسی خمیر ہے جس کا

"خمیر کار"

جو افراد نسل کو ایک دوسرے سے نہایت مضبوطی سے مربوط رکھتی، ایک قلبی رشتہ ہے، اس سے ایک نسلی جذبات کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص اپنے وطن سے باہر، جہاں غیر زبان بولی جائے، اپنے کو اجنبی پاتا ہے، لیکن اپنی زبان بولنے والوں کے ساتھ اس کا رشتۂ اتحاد مضبوط ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے زمانۂ حال قومی زبانوں کی ترقی کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ ہر نسل اپنی زبان کو نہ صرف زندہ رکھتی ہے، بلکہ اس کو ممکنہ ترقی دیتی ہے۔ چنانچہ سلاؤ قوموں کی زندگی اسی زبان پر موقوف ہے۔ اسی کی بدولت انھوں نے جنگ کے بعد اپنی مملکتیں علیحدہ بنالیں۔

تیسری خصوصیت "واحد سکونت" ہے۔ ہر نسل کا وجود اس کے "واحد سکونت" پر موقوف ہے۔ جیسے فرانسیسی نسل کی جو خاص کیفیت ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے افراد ایک ہی سرزمین کے ساکن ہیں۔ اس طرح انگریز اور جرمن اپنے خاص جتھہ سے وابستہ ہیں، جس طرح نسلی ارتباط کے لیے زبان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح وحدۃ سرزمین کی سکونت بھی نسلی شیرازہ بندی کا راز ہے۔ اگرچہ نسلیں جو علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں مشتشر ہو جائیں اور دوسرے خطوں کو اختیار کر لیں تو ان کی نسلی مطابقت باقی نہیں رہتی، جیسے میکڈونیوی مختلف خطوں میں پھیل کر جرمن، انگریز اور ولندیزی بن گئے؛ اور ان میں کوئی نسلی مناسبت پائی نہیں جاتی۔ جنگ سے پہلے سلاؤ قوم کی بھی کوئی حد بندی نہیں تھی، اور اس وجہ سے ان کی نسل بھی واضح نہیں تھی۔ لیکن اب ان کی مملکتوں کے قیام سے ان کی انفرادیت بالکل واضح ہو گئی ہے ان کے علاوہ مذہب، تاریخ اور روایت بھی ایسے خصائص ہیں کہ ایک نسل کو دوسرے سے ممتاز رکھتی ہیں۔ لیکن زمانۂ حال میں مذہب بہت بڑا عامل نہیں رہا۔ قرون وسطیٰ میں اسکا ضرور اثر تھا، اور یہ خاطر خواہ سیاسی ربط پیدا کرتا تھا۔ لیکن اب اس کا بہت کم اثر پایا جاتا ہے؛ اگرچہ ہنگاریوں کی مثال ایسی ہے، جن کا نسلی وجود، مذہب، تاریخ اور روایت قدیم پر ہے۔ ورنہ اس نسل کا بقا بغیر "سکونت واحد" اور "زبان" کے ممکن نہیں تھا۔ ان عناصر کی تلافی، مذہب، تاریخ اور روایت سے ہو جاتی ہے؛ اگر وہ اس نسل کے ہزار ہا دنیا کے مختلف خطوں میں منتشر پائے جاتے ہیں اور مختلف زبان بولتے ہیں۔ مگر وہ اپنی خاص روایت کو قائم رکھتے ہیں؛ اس کے برخلاف دوسری نسلوں میں مذہب کا اختلاف بے اثر معلوم ہوتا ہے، رومی نسل میں مسلمانوں کی خاصی تعداد موجود ہے، اگر اس اختلاف مذہب سے ان کی نسلیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ان آخر الذکر "عناصر" کا اثر ہو یا نہ ہو، اول الذکر "عناصر" یعنی نسل، وزبان اور سکونت کا ایک ہونا، نسلی بقا کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ان ہی عناصر سے نہ صرف نسلوں کا بقا ممکن ہوتا ہے، بلکہ گرم آہن کی طرح ہر نسل میں ان سے ایک حرکت اور تموج پیدا ہوتا ہے کہ چنانچہ ان ہی اختیازات سے مختلف نسلوں میں آزادی کا جذبہ موجزن پایا جاتا ہے؛ اگرچہ جنگ عظیم سے پہلے بھی جذبہ موجود تھا، اگر جنگ کے بعد تو اس کا لاوا پھٹ پڑا، اور یہ خیال غالب ہے کہ ہر نسل کو سیاسی آزادی ہونی چاہیے: یعنی دوسرے الفاظ میں تمام مملکتیں ایک نسلی مملکتیں ہونی چاہئیں: بڑی بڑی مملکتیں جو مختلف نسلوں پر محیط ہوں سیاسی آزادی کے منافی ہیں۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت پولستان کی آزادی یوگوسلاویا اور وقیقہ سلوینیکی، کی مملکتوں کا قیام اور ارکستان کی آبادی عمل میں آئی؛ ممکن ہے کہ جذبہ آئندہ اور ترقی کرے اور دنیا کی تمام نسلیں اپنی آزاد مملکتیں قائم کریں۔

—(باقی آئندہ)—

موتی محل ٹاکیز

پریم تھیٹر

ماڈرن بجلی کا تیار کردہ

اندر سبھا

جس میں کجن، منار پٹیس کپور اور عبدالرحمن کابلی کام کر رہے ہیں۔ میسمز گانے، کئی ایک ناچ ہے۔ رمضان المبارک میں اس ٹاکیز کا پہلا کھیل بجائے (۷½) کے (۷) بجے شروع ہوگا دوسرے کھیل کے اوقات حسب سابق (۱۰) بجے شب اور (۳) بجے دن سے رہیں گے۔

منیجر سینما



نسوانی گفتگو

زنانی دنیا

از مسز ناظرہ

ناظرہ نے وعدہ کیا ہے کہ دو زنانی تہذیب و معاشرت کے نمونہ پیش کیا کریں گی۔ نہ وہ کسی کو اچھا سمجھیں نہ برا۔ البتہ قارئین پر اس کا تصفیہ منحصر رکھا ہے۔" حسن کار "

"حسن کار" نے بڑی فراخ دلی سے نسوانی دنیا کے لیے کچھ حصہ وقف کیا ہے۔ اور مضامین طلب کرتا ہے ملک کے بہنوں کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی مستفید ہونے کا موقع دیں میری تعلیم ابتدائی تعلیم ہے البتہ ابتدا سے اخبار بینی کا شوق رہا خصوصاً نسوانی رسالے تو بہت زیادہ زیر مطالعہ رہے اور اب قصد کر لیا ہے کہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے یا جس چیز سے میں نے سبق حاصل کیا ہے اس کو بھی پیش کر دوں تا ہماری معاشرت کے مطابق گھڑنے کی کوشش کروں۔ اگر مضامین اس قابل خیال کئے جائیں کہ ان سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو "حسن کار" میں جگہ پائینگے۔ لیکن ذی فہم اس کی بے سود کوشش نہ کرینگے کہ راقمہ کا نام پتہ معلوم کریں

آپ کو اس سے کام نہیں کہ کس نے لکھا ہے آپ یہ دیکھئے کہ کیا لکھا ہے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک میں عورتوں کے کلب ہیں۔ انجمنیں ہیں بزم ہیں۔ تفریح گاہ ہیں۔ اخبار ہیں۔ رسالے ہیں۔ مگر آپ کو افسوس ہے کہ آپ کے ملک میں ایسے کلب عام نہیں ..... کیا یہ صحیح ہے؟ میرا خیال ہے ممکن ہے آپ متفق نہوں کہ ہماری وہ غرض ہم دوسری طرح سے پوری کر لیتے ہیں۔

امریکہ

نیگارا کے ایک لیڈیز کلب میں ریڈیو کے پروگرام کے تحت لیڈیز جمع ہیں "سرگرگ" نے جب یہ دیکھا کہ پروگرام میں کچھ دیر باقی ہے اور مس "ج" جو ایک رسالہ کی ایڈیٹر ہیں دوسرے حصہ میں ایسی جگہ بیٹھی ہیں جہاں سے وہ ایک کرسیاں خالی ہیں مس "ک" وہاں پہونچیں اور ان سے کہنے لگیں کہ میں بڑی فکرمند رہتی ہوں اور چاہتی تھی کہ آپ سے مل لوں۔ میری لڑکی کی عمر

حیدرآباد

زنانہ محفل ہے پہونچ کے رونے اور شور و پکار میں۔ ٹرون کے بھی سر بجاتے ہیں کچھ سے ساری فضا گونج رہی ہے۔ مجلس کے اس رنگ سے مجھے گمان ہوا کہیں عید آگئی ہوں بڑی دشواری سے مجھے ایسی جگہ ملی جہاں سے میں واعظہ سن سکتی تھی میں نے غربت سے فائدہ اٹھایا اور ایک جگہ بیٹھی تو بڑی حیرت ہوئی کہ واعظہ ہو رہا ہے ..... ہوائی پیٹیاں بڑی تیاری سے

کافی ہو چکی ہے۔ لیکن نہ اس کا کوئی دوست ہے نہ اس کا کوئی عاشق .....

دوسرا ہفتہ وار نے آپنے اخبار میں ایک لڑکی کو مشورہ دیا کہ تمہیں دوست ۔ چاہنے والا یا منتخب کرنے کے لیے شوہر نہ ملے تو یہ تمہارا قصور ہے اور تم کو اپنا طرز عمل اس طرح کا رکھنا چاہیے....

سننے آئی ہیں اور اس سے یہ سر دھری برتی جا رہی ہے کہ کوئی بچے کو بلکتا رہا ہے کوئی دوسروں کی طرف اشارہ کر کے ان کے قصد کر رہی ہیں کوئی روتے ہوئے بچے کو دودھ پلا رہی ہے ان سروں میں جو کمی تھیں اس کو نانی جان کی ہم شبیہ پن کٹی کی کٹ کٹ سے ایسا پر کر رہی ہیں کہ طبلہ کا لطف آ رہا ہے....

اس حد تک تو عوام کی دلچسپی تھی اب میری انفرادی سنئے ..... جب وعظ کی آواز میرے کان تک پہنچی تو میں نے ارادہ کر لیا کہ صرف وعظ سنونگی کانوں کو دوسری آوازوں سے بند کر لیا اور زبان پر خاموشی کی مہر لگا دی الا بان و الحفیظ مجھ پر جو جو ہمار سوالات کی ہوئی۔ پان تو کھائے ..... کیا وعظ میں آج ہی آئے.... آپ کے دولھے کہاں نوکر ہیں ..... آپ کی نظروں میں کوئی لڑکا ہو تو بتہ دیجئے ..... (بازو والی سے) یہ عورت یا تو گنگی ہے یا بہری۔ بازو والی۔ دیوانی معلوم ہوتی ہے ..... تیسری۔ مدرسوں کی تعلیم جو کرا دیں کا دماغ بگاڑ دیتی ہے وہ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتیں

آپ انصاف سے فرمائیے کہ یہ کلب کیسا ہے میرا اخبار یا رسالہ نہیں البتہ "حسن کار" کی دعوت پر ارادہ کیا ہے کہ بعض سوالات کا جواب دیدوں"

معاف فرمائیے میں پان نہیں کھاتی..... میں اس وعظ میں آج پہلی مرتبہ آئی ہوں..... سرکار خالی کے ایک گرینڈ محمڈن ہیں..... جی ہاں لڑکے تو بہت ہیں لیکن سب نئی روشنی کے ہیں .... آپ مسٹر "ک" جو سطر "حسن کار" کو لکھتے.....

میرا کام نصیحت کرنا یا رائے دینا نہیں البتہ اس سلسلہ میں بنا آپ دیکھئے کہ آپ میں تو نہیں ہے جو مشورہ آپ دوسرے کو دیتے آپ خود اس پر کاربند ہو جائیے اور جو بھلائی دکھائی دے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کیجئے وعظ ختم ہو گیا ہے۔ سوار ہونے میں دیر کیوں نہ ہو جب اس مجمع کو ایک ہی دروازہ سے نکلنا جنگ۔ سکرام۔ گاڑی موٹر میں سوار ہونا ہے اس اثنا میں کچھ قصے بنائی دے آئندہ قسط میں آئینگے۔

حسن افروز ورزشین

از

سید صائب حسینی

یہ مضمون ورزش جسمانی کے متعلق مسٹر صائب حسینی نے روانہ کیا ہے "حسن کار" کو اس مضمون سے خاص تعلق اس طرح ہے کہ جسمانی حسن تمام حسن کاری کی جان ہے اور بغیر صحت کے جسمانی حسن ناممکن ہے ہی وجہ تھی کہ حسین یونانی قوم میں ورزش جسمانی عبادت میں داخل تھی۔ نقطہ۔

"ایڈیٹر"

حال کا واقعہ ہے کہ شام کے پانچ بجے کالج کی مشقت اور دن بھر کے سفر کو ختم کر کے اپنی پرانی سیکل پر مکان واپس ہو رہا تھا چار گھنٹوں کی گولہ بازی دو گھنٹوں کی پیرا کی اور پھر چار چھ دور گھونسہ بازی (Boxing) کے علاوہ دو تین گھنٹوں کی مغز پاشی نے اعضاء کو شل اور دماغ کو معطل کر رکھا تھا نہ پاؤں میں اس قدر توانائی باقی تھی کہ سیکل تیزی سے چلا سکیں اور نہ طبیعت کچھ اس عملی کام کی طرف مائل تھی۔ چونکہ کسی طرح مکان پہنچنا تھا اس طرح آہستہ آہستہ لکڑی کے پل سے روانہ ہوا خدا قایم رکھے اس نسیب کو کہ مجھے بلا تکلیف آن کے آن میں باغ عامہ کے آگے پہنچا دیا پھر کچھ کوشش کے ساتھ "نجوبی بادس" کی موٹر پار کیا ہی تھا کہ دوبارہ سیکل میں تیزی پیدا ہو گئی اور جو گاڑی عام طور پر ایک قوی ہیکل کے پاؤں سے نی گھنٹہ تین میل سے کچھ کم کی رفتار سے چلا کرتی تھی آپ اس کی رفتار تقریباً پچاس میل سے زیادہ تھی ہوا سے باتیں کرنے لگی جھکے اور لٹانگے تو درکنار موٹر بائی سے بھی بازی لے گئی لیکن "دیکھا بھی ہوٹل" کے آگے ایک موٹر نے جو ہوٹل سے برآمد ہوئی ہماری جارحانہ کو روک دیا مجبوراً میں نے بریک دبائے اور رفتار اپنی اصلی حالت پر آگئی۔

موٹر نشین کے سیاہ بال اور ماہتاب کی طرح نورانی چہرہ دیکھ کر انھیں خیرہ ہو گئیں اس کی نرگسی آنکھوں پر سنہری فریم کے چشمے حسن خداداد پر چار چاند کے خیال ہوا کہ کثرت مطالعہ سے بینائی میں فرق آگیا ہے پھر خیال ہوا کہ شائد یہ موجودہ فیشن کا شکار ہو گئیں ہیں موٹر آگے بڑھی اور "اعظم عین الدین بوٹ ہاوس" پر ہڑی موٹر نشین موٹر سے اتر کر دکان میں داخل ہوئیں آپ کا تنگ سینہ اور کمر کی پیٹھ دیکھ کر چہرے کی فسوں کاری کا نور ہو گئی آپ کی تیلی گردن ایک بالشت آگے نکلی ہوئی مونڈھے آگے کی طرف جھکے ہوئے پیٹھ میں ابھار گویا اونٹ کا کوہان ہے عمر کچھ زیادہ نہیں تقریباً (۲۲) بائیس سالہ ہو گی۔

ایسی حالت دیکھ کر مجھے رہا نہ گیا جھٹ سیکل سے اتر پڑا جی چاہتا تھا کہ اس بے وقوفی کے اسباب خود انہیں سے دریافت کروں کہ آخر یہ حالت کیونکر ہوئی لیکن ایک اجنبی سے بلا تعارف بات چیت ایک مشکل کام ہے پھر صنف نازک کو مخاطب کرنا ایک دشوار تکلہ بھاری معاشرت کے اعتبار سے ناممکن امر تھا خیال ہوا کہ کم از کم شوفر سے لیڈی صاحبہ کی اس ہیئت کے متعلق اس قدر دریافت کروں کہ آیا یہ عیب پیدائشی ہے یا اکتسابی جونہی میں اس موٹر کے قریب پہنچا دکان سے ایک اوائل ہول برآمد ہوئے۔

چہرہ اور قامت دیکھ کر شبہ ہوا کہ شاید بھی گاما پہلوان ہے جس کی طاقت کی دھاک تمام دنیا پر بیٹھی ہوئی ہے یا کہ (زبسکو) سمندر پار سے ابھی آیا ہے لیکن جب میں ذرا قریب ہو لیا تو میرا شبہ رفع ہو گیا۔ آپ ایک نواب صاحب ہیں بچپن سے ناز و نعم میں پرورش پائے ہے کبھی آیا نے نیچے نہ اترنے نہ دیا جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو دیوان خانے کی قالین پر جیں قدی فرمایا کرتے تھے سیر و تفریح کے لیے موٹر موجود دن میں چار پانچ مرتبہ بے فکری کے ساتھ مرغن غذاؤں نے شباب کی یہ حالت کر دی تھی آپ اپنا بوجھ آپ نہیں سنبھال سکتے ہیں اور پھدا ہو گیا ہے غضب کی چربی انسان کیا ہے؟ چربی کا مجسمہ! دو قدم چلتے ہیں سانس پھول جاتی ہے بغیر سہارے کے چلا نہیں جاتا تیس سالہ زندگی کی تکمیل کے لیے اور کچھ دن باقی ہیں اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا ہے آپ کام آپ نہیں کر سکتے دوکان سے نکل کر موٹر میں سوار ہونا ہے ایک ہاتھ میں زبردست لاٹھی دوسری طرف ایک نوجوان صاحب سہارا دیئے ہوئے چلے آرہے ہیں حسن اتفاق سے یہ نوجوان صاحب میرے ہم جماعت نکلے میں نے بڑھ کر سلام کیا وعلیکم اسلام کے بعد میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میرے معزز دوست نے نواب صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ نواب صاحب کو یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ میں گورنمنٹ ٹریننگ کالج آف فزیکل ایجوکیشن میں زیر تعلیم ہوں۔ ذرا دوکان سے ہٹ کر دریافت فرمانے لگے اس کالج میں کس چیز کی تعلیم ہوتی ہے۔

میں نے کہا نواب صاحب یہاں کامل صحت قائم رکھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے

نواب صاحب "اچھا ..... تو آپ کو کونسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں" اگر میں صرف چند کتابوں کے نام سنا دیتا تو نواب صاحب کو تشفی ہو جاتی اور وہ موٹر میں سوار ہو کر چل دیتے لیکن میں اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور کہا یہاں عملی کام کرایا جاتا ہے اور اس کے متعلق نقاد ان ورزش جسمانی اور ماہرین حیاتیات و فزیالوجی کے نظریئے پڑھائے جاتے ہیں کیس کا فلسفہ نفسیات اطفال اور بائی جینس، فزیالوجی، انٹ ایڈ وغیرہ کا اچھا خاصہ حصہ شریک نصاب ہے یہ سن کر نواب صاحب کے کان کھڑے ہوئے اور بڑے انہماک کے ساتھ پوچھنے لگے "آخر عملی کام کیا ہوتا ہے۔

اب مجھے اپنے نظام الاوقات کے دہرانے کی نوبت آئی جواباً میں نے کہا۔ صبح کے وقت کچھ قواعد اور ورزشیں کرنے کے بعد باسکٹ بال، والی بال یا ہیں بال وغیرہ کھیلتے ہیں جب کافی پسینہ آنے لگتا ہے تو ہر حیات باتھ" جاکر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ خوب تیرتے ہیں دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ پڑھائی لکھائی ہوتی ہے پھر باکسنگ ٹیبلنگ اور اسپورٹس وغیرہ ملک کے کرتب کرتے ہیں آپ نواب صاحب کچھ مسکراتے ہوئے

بقیہ صفحہ (۲۵)

کا طریقہ عمل ہے جو زبردست ترین علماء کی شان کو گھٹانا فخر سمجھتے ہیں۔ ابو الہدیٰ کا شائع کردہ ایک نشو میری نظر سے گزرا جس میں انھوں نے امیر نظفا سید فضل علوی، شیخ خانقہ مدنی طرابلسی شیخ طریقت شاذلی اور سید جمال الدین افغانی پر حملے کئے تھے یہ تینوں بزرگ سلطان کے مقرب تھے ان میں سے ہر ایک کی خوب گت بنائی۔ اس منشور میں سید صاحب پر الحاد اور فساد اعتقاد کی تہمت لگائی گئی تھی۔ سید صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ "بندر لوگ کے درختوں کے اطراف میں اس طرح چکر لگاتا ہوں جیسے حاجی لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں" بندر لوگ کے معنی تالاب کے کنٹے کے ہیں واقعہ یہ ہے کہ آستانہ کے باہر ایک تفریح گاہ ہے جہاں پر سلاطین آل عثمان نے پانی کو روکنے کی غرض سے سد قائم کر دیئے ہیں۔ یہاں پر پانی شہر والوں کے لیے جمع کیا جاتا ہے پانی کے ان حوضوں کے اطراف خوشنما باغ لگائے گئے ہیں۔ جمال الدین کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں اپنے جذبات کو ایک شاعرانہ انداز میں ظاہر کیا۔ لیکن ابو الہدیٰ نے اس شاعرانہ تخیل کو الحاد اور کفر سے تعبیر کیا۔

سلطان عبد الحمید کے حاشیہ کے لوگ سید صاحب کی تمام حرکات و سکنات کا مطالعہ کر کے رپورٹ تیار کرتے اور سلطان کی خدمت میں اس کو پیش کرتے تھے۔ سید صاحب کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ مصر کے مشہور ادیب عبد اللہ ندیم کی معیت میں وہ "کافہ خانہ" کے پارک میں تفریح کر رہے تھے۔ وہاں اتفاق سے حدیوی جاسس علی پاشا سے ان کی ملاقات ہوئی سلام و نیاز کے بعد وہ تینوں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تقریباً پندرہ منٹ تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ کہا جاتا ہے کہ سید ابو الہدیٰ نے خلیفہ اعظم کو اطلاع دی کہ جمال الدین اور عبد اللہ ندیم دونوں نے حدیو سے "کافہ خانہ" میں ملنے کا وعدہ کیا تھا ملاقات کے بعد ان دونوں نے ایک درخت کے زیر سایہ منعقد ہوں حدیو سے جماعت کی مجھ سے خود جمال الدین نے کہا کہ سلطان عبد الحمید نے اس شکایت کی مطلقاً پروا نہیں کی ابو الہدیٰ کی مخالفتین جمال الدین کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں برخلاف اس کے خلیفہ اعظم کی نگاہوں میں ان کی عزت دوبالا ہو گئی جمال الدین کی طرف سے جو غلش سلطان کے دل میں پیدا ہو گئی تھی وہ ان کے مسلسل حملے تھے جن میں شاہ ایران پر اکثر و بیشتر حملے ہوا کرتے تھے سفیر ایران نے اسی بنا پر خلیفہ اعظم سے ان کی شکایت کی خلیفہ نے جمال الدین کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ سفیر ایران نے مجھ سے التجا کی ہے کہ شاہ مجم کی شکایتوں کے متعلق آپ سے کچھ کہوں۔ میں نے آپ پر ہر پہلو کر کے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ آپ ان کی شکایتوں کو بند کر دینگے اسی قصہ کو سید صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ میں اس وقت ۱۸۹۲ء میں یورپ سے آستانہ کو واپس چلا آیا تھا ان کے یہ الفاظ تھے میں نے سلطان کو جواب دیا کہ میں شاہ ایران کو اس وقت تک نہیں چھوڑنے والا تھا جب تک کہ اس کو اس کی تقریبن نہ اتار دوں لیکن چونکہ امیر المومنین نے اس بارے میں خاموش رہنے کا مجھے حکم دیا ہے اس لئے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ناگزیر ہے بادشاہوں سے سید صاحب اس طرح مخاطب ہوتے تھے ان کو اس کی مطلق پروا نہ تھی کہ ایسا کرنے سے ان پر کیا اثر ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان عبد الحمید نہایت محتاط اور دل میں وسوسہ رکھنے والا آدمی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس گفتگو سے متاثر ہوئے ہوں۔ کاشش وہ شاہ ایران کے خلاف اپنے پروپیگنڈہ کو ختم ہی کر دیتے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ اپنے غیظ و غضب کا شکار ہو گئے۔ سید صاحب میں ایک ایسا عیب تھا جو ان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتا تھا اس لیے ان کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ایک دن ایک ایرانی آدمی سید صاحب کے پاس آیا۔ وہ بہائی مذہب کا متبع تھا اس کا نام رضا آقا خان تھا۔ وہ قزوینی کے اس مجلس میں قید کیا گیا تھا شاہ مجم نے سید صاحب کو بھی اسی مجلس میں رکھا تھا اس جگہ ان دونوں میں ملاقات ہوئی اور محبت پیدا ہو گئی پھر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ جمال الدین رہا ہوئے اور بغداد کو پہونچا دیئے گئے اس کے بعد ہی رضا آقا خان کو بھی رہائی کا حکم ملا گیا آخر ملاقات کو جب خبر ملی کہ سید جمال الدین استنبول تشریف لائے ہیں تو وہ ان کی ملاقات کے لیے آئے ان کو دیکھ کر سید صاحب بہت خوش ہوئے دونوں میں مصیبت زدہ ایرانی قوم کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتے تھے کہ مجم کی مصیبت ناصر الدین کی بدنظمیوں کا نتیجہ ہے ایک دن رضا آقا خان نے کہا کہ وہ اپنی قوم کی مخلصی کے لیے اپنی جان بھی فدا کرنے کو تیار ہے یہ سن کر جمال الدین نے کہا "اگر یہ منظور ہے تو جاؤ اور اپنا کام کرو" رضا آقا خان چلا گیا چند ماہ کے بعد جامع عبد العظیم (طہران) میں وہ شاہ ناصر الدین کے قریب آیا اور موقع پا کر ان کو ہلاک کر ڈالا۔ دار چلاتے وقت کہا "از دست جمال الدین" یعنی یہ جمال الدین کے ہاتھ سے۔ آستانہ کو یہ خبر پہونچی اور تمام لوگوں نے اس میں خاص دلچسپی ظاہر کی۔ سید صاحب نے اپنی انتہائی خوشی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ ایرانی قوم ابھی زندہ ہے اس قوم سے ابھی امیدیں وابستہ ہیں۔ کیونکہ جس قوم کا ایک فرد اپنے ظالم و صاحب استبداد بادشاہ کو قتل کر ڈالے" اس قسم کے کچھ اور الفاظ وہ دہرایا کرتے تھے۔ جب فرانسیسی باتصویر رسالہ "ایسٹرٹش" آپ کی نظر سے گزرا جس میں رضا آقا خان قاتل شاہ ایران کی اس نظر کی تصویر دیگئی تھی۔ جہاں اس کو سولی پر چڑھایا گیا تھا اور طرف میں تماشائیوں کا ہجوم کھڑا ہوا کو دیکھ رہا تھا تو آپ نے بلند آواز بلند فرمایا، موت اور زیست دونوں عالم میں تجھکو بلندی ہی بلندی نصیب ہوئی" اور پھر کچھ دیر رک کر کہا "دیکھو کس طرح اس کو اپنے سے اوپر لگا دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تمام تماشائیوں سے بہت اونچی ہیں ہیں!!"

تیر کا رُخ طور پر اور "ارادے" کے نقطۂ نظر سے سانپ گھر میں بڑی سادگی تھی، تو مقیمین کے عاجز حالات کے مناسب بھی۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کو آزادی کی وہ تعلیم نہ ملی تھی جو عیش و تنعم کی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اپنے اپنے کمروں میں وہ اتنے ہی کم شخصی رکاوٹ کے تحت تھے جو ان کے ایک دوسرے کے تعلق کی نگرانی عادت سے حفاظت کے مطابق ہو سکے۔ اور برٹن اس سے آگاہ تھا کہ بعض سانپ عادت کے ایسے گوشے میں اکثر پہنچ جاتے جہاں پہلی موجودگی کی توجیہ ان کے لیے انھوں کا باعث ہوتی ہے "سانپ گھر" اور اس کے سہ رکنی اجتماعات کے باوجود نہیں پر اس نے بہت کم توجہ کی۔ برٹن نے ڈاکٹر کے مکان پر مرض کے موافق زندگی پائی۔

(۳)

حیرت بھری جنبش و تنفر میں تھا۔ اس حادثہ کے ہوا برٹن پر سانپ کی موجودگی کا کچھ اثر ہوا۔ اس کو پہلے خیال ہوا کہ گھنٹی بجا کر ملازم کو بلائے، گھنٹی قریب ہی تھی لیکن اتنے کو ٹال ہوا کہ یہ کہ اس فعل سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ وہ خوفزدہ ہو گیا۔ حالانکہ اس نے کسی قسم کا خوف محسوس نہ کیا تھا۔ اُسے موقع کے بیڈ ہنگنگ کا زیادہ احساس تھا، اس کے خطرت سے وہ متاثر نہ تھا۔

برٹن ریگنے والے جانوروں کی نوع سے مانوس نہ تھا۔ سانپ کے طول و عرض، قد و خال کا محض خیالی تخمینہ کر سکتا تھا۔ کیا سانپ خطرناک ہے؟ کیا زہریلا ہے؟ کیا وہ اپنے جبڑوں کے ذریعہ اپنے صید کا کلا گھونٹتا ہے؟ اس کے علم فطریات نے اس بارے میں رہنمائی نہ کی۔ اس نے اس رائز کو بھی حل نہیں کیا تھا۔

اگر جانور خطرناک ہو تو کم از کم نازیبا ضرور تھا۔ وہ وہاں بے محل معلوم ہوتا تھا۔ نگینہ اپنے گھر کے لیے ناموزوں تھا۔ ہمارے زمانہ اور ملک کے وحشیانہ مذاق نے جس نے کرہ کی دیواروں کو تھا دیر سے، فرش کو فرنیچر سے اور فرنیچر کو قیمتی اور پرانے اشیاء سے مزین کیا تھا، اس جگہ کو جنگل کے وحشی کے لیے موزوں نہ کیا۔ علاوہ ازیں — ایک ناقابل برداشت خیال — سانپ کی سانس فضا میں پھیلتی ہوگی جس میں وہ خود سانس لے رہا تھا۔

یہ خیالات برٹن کے دماغ میں راسخ ہو گئے وہ عمل پر راغب ہوا۔ یہی گویا غور و فکر اور فیصلہ کا عمل ہے۔ انسانی اعمال کا راز بالکل یہی ہے۔ کوئی چیز جارحے عضلات کو منقبض کرتی ہے۔ اس میں کیا مضائقہ اگر ہم ان ابتدائی سالمی تغیرات کو ارادہ کا نام دیں؟

"حسن بکار"

برٹن اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا، وہ سانپ کو چھیڑے بغیر کمرے سے باہر جانے کی دھن میں تھا۔ لوگ غلطت سے اسی طرح بچا بچا کے آتے ہیں، کیونکہ غلطت ایک طاقت ہے اور ہر قسم کی طاقت ہوش فرسا ہوتی ہے۔ اس نے خیال کیا کہ پچھلے پیر پیٹے۔ اگر وحشی اس کا پیچھا کرے تو وہ دیواروں پر لٹکے ہوئے مرثیہ قیمتی ہتھیاروں سے مدد لینا چاہتا تھا۔ اس اثنار میں سانپ کی آنکھیں عظیم تر بنے رہیں اور خونخواری سے چمکنے لگیں۔

برٹن نے اپنا سیدھا پیر پیچھے ڈالنے کے لیے اُٹھایا، اس وقت اسے اس فعل سے نفرت ہوئی۔ "مجھے لوگ بھاگ اور دلیر سمجھتے ہیں۔ کیا میری بھاگ درسی مخالفت سے نہیں؟ اس وقت یہاں کوئی دیکھنے والا نہیں اور میں اپنے قدم پیچھے ڈال سکتا ہوں؟"

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ وہ سیدھے ہاتھ سے کرسی کی پشت پر سہارے دے کے کھڑا تھا، اس کا پیر اسٹیرپ معلق تھا۔ بالآخر اس نے اپنے سابقہ فیصلہ کو ترجیح دی۔ "میں ہوں کی! میں اتنا ڈرپوک نہیں کہ خوف زدہ خیال کیے جانے سے گھبرا جاؤں؟"

اس نے اپنے پیر کو اور اوپر اُٹھایا، اور پیچھے کی طرف ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن سیدھا پیر دوسرے سے ایک انچ سامنے تھا! اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ حرکت کس طرح ہوئی۔ بائیں پیر سے کوشش کرنے پر بھی نتیجہ نکلا۔ یہ سیدھے پیر سے اور آگے تھا۔ اس کا ہاتھ پیچھے کرسی پر تھا۔ وہ بظاہر اپنی گرفت چھوڑنے تیار نہ تھا۔ سانپ بدستور سامنے تھا اس نے کوئی جنبش نہ کی تھی، مگر اس کی آنکھیں برقی شرارہ کی مانند تھیں، اور منہ سوئیوں کی لا انتہا تعداد سے تیز کر رہی تھیں۔

برٹن کا چہرہ زرد پڑ گیا، اس نے ایک قدم اور ڈالا وہ مزید آگے تھا، جس سے گرمی بھی محسوس ہونے لگی اور بعد میں اس نے گرجنا شروع کر دیا۔ برٹن نے ہلکی چیخ ماری، سانپ نے نہ تو آواز کی نہ حرکت۔ برٹن کی آنکھیں دہکتے سورج کی مانند متوحش خود جانوروں کی روشنی میں غائب تھا۔ اس نے خوشنما رنگوں کے عظیم اور عظیم تر امواج خارج ہو رہے تھے، اس کے چہرے کے قریب آتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے، اور پھر ناقابل پیمائش بعد پر چلے جاتے۔ یہ برٹن کے دماغ سے بھی لشکوفہ کاریاں شروع کر دیں۔ اس نے کہیں سے ایک بڑے نقارے کی آواز سنی، بعد میں شیریں موسیقی کی آوازیں آنے لگیں اس نے یمن کے مجمعہ کو نظر کے سامنے پایا، اور دریائے نیل کے کنارے خود موجود تھا۔

موسیقی تدریجاً غائب ہو گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک خوشنما باغ زمین تھا، جس میں سُرخ، بادل، توس قزح و غیرہ کے منظر تھے۔ اس کی تعلیم کہاں میں سیکڑوں شہر واقع تھے اور درمیان میں ایک بڑا سانپ تھا جس کے سر پر ایک تاج تھا، اور وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو محسوس ہوا کہ کسی شئی نے اس کے چہرے اور سینہ پر سخت ضرب لگائی، وہ فرش پر گر پڑا، اس کی خنجاک اور ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ کچھ دیر تک وہ بے خود اور بیہوش تھا، اور آنکھ بند کیے اوندھا پڑا رہا۔

جب اسے ہوش آیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کا محض وہم تھا، اور اب سانپ کا جادو ٹوٹ گیا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ اپنا رُخ سانپ سے پھیر کر واپس چلا جائے۔ لیکن سانپ کا خیال — جو ابھی تک اسے نظر نہیں آیا تھا غالباً وہ اس پر مہبت کرنے اور اسے اپنے حلقوں میں اسیر کرنے کی دھن میں لگا ہوا تھا — نہایت خوفناک تھا۔ اس نے پھر اپنا سر اُٹھایا، اس کی نظریں ان خونخوار آنکھوں سے دوچار ہوئیں، وہ پھر ان کا اسیر تھا۔

سانپ نے کوئی حرکت نہ کی، اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کے تخیل پر بھی اس کا اثر زائل ہو گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے کے فریبی خواب اسے نظر نہیں آئے۔ گشادہ اور بے سر پیشانی کے نیچے اس کی سیاہ اور دانہ دار آنکھیں پہلے کی طرح ناقابل بیان طور پر کینہ کے ساتھ چمک رہی تھیں، یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جانور اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اور مزید سازشانہ فریبوں کے استعمال پر مائل نہ تھا۔

بعد ازاں ایک مہیب ناک منظر درپیش ہوا۔ برٹن فرش پر اپنے دشمن سے چند گز دور تھا، اس نے اپنا بالائی جسم کہنیوں پر اُٹھایا، اس کا سر سیدھے تھا، اس کے پیر دراز تھے، اس کا چہرہ سفید، اس کی آنکھیں اپنی انتہائی وسعت تک پھیل گئیں، اس کے ہونٹوں پر کف تھا، اس کے بدن پر طاقتور تشنج طاری ہو گیا، اس نے اپنی کمر موڑی اور پیر ادھر ادھر مارنے لگا۔ ہر دقیقہ اس کو سانپ کے قریب تر کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ پیچھے ڈالنے کی کوشش کی، لیکن کہنیوں کے بل وہ آگے بڑھتا گیا!

(۴)

ڈاکٹر ڈورنگ اپنی بیوی کے ساتھ کتبخانہ میں بیٹھا تھا۔ سائمس وہاں کسی قدر بشاش تھا اس نے کہا تھیں نے

(بقیہ صفحہ ۳۰ کالم ۳)

فرمانے لگے۔

کیا ورزش وہی ہمارے پہلوانوں کی طرح بیٹھک مارنا اور مگدر پھیرنا وغیرہ ہے۔ میں نے کہا جی نہیں ورزشیں وہی ہوتی ہیں جو مدارس میں طلباء کو ڈرل کے گھنٹوں میں کروائی جاتی ہیں۔

نواب صاحب بڑی توجہ کے ساتھ "آخر اس سے کیا فائدہ ہے؟" یہ سوال مجھے اپنا منشاء پورا کرنے کے لیے یہ عجائب ثابت ہوا اور میں فوراً بول اٹھا یہ ورزشیں جسمانی اصلاح اور قوائے ذہنی کے ارتقاء کے لیے اکسیر ہیں خصوصاً کبڑے تنگ سینے والے یا ڈھیلے توند والے بوجھل اور بھدے انسانوں کے لیے بیحد مفید اور کارآمد ہیں ان ورزشوں سے انسان کا بیج و بیج درست ہوتا ہے حسن میں اضافہ ہوتا ہے، دوران خون بڑھتا ہے سینہ کشادہ ہوتا ہے نفس صاف ہوتا ہے، ہاضمہ کی قوت بڑھتی ہے تن و مندی توانائی پیدا ہوتی ہے بیماری کو سوں دور اور ہمیشہ انسان ہشاش بشاش رہتا ہے۔

دوران گفتگو میں رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ کاش لیڈی صاحبہ بھی اس گفتگو کو سنتیں اور میں کچھ اصلاحی ورزشیں ان کے لیے بھی تجویز کرتا یہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ مکالمہ کے اختتام پر نواب صاحب نے بڑے شوق سے استدعا کی کہ کسی فرصت کے وقت ان کے لیے کچھ مفید ورزشیں تجویز کر جائیں میں نے خندہ پیشانی سے اس خدمت کی انجام دہی کے لیے آمادگی ظاہر کی اور نواب صاحب میرا پتہ نوٹ فرما کر اپنی موٹر میں سوار ہوئے اور میں خدا حافظ کہکر اپنی کامیابی پر خوش خوش گھر پہنچا۔

یہ پنجشنبہ کا واقعہ ہے دوسرے روز بعد نماز جمعہ میں ابھی کھانا کھا رہا تھا کہ دروازے پر موٹر ٹھیرنے کی آواز آئی ملازم نے اطلاع دی کہ کوئی صاحب ملنا چاہتے ہیں میں کھانے سے فارغ ہو کر دیوان خانے میں آیا۔ نواب صاحب کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کچھ ادھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد مندرجہ ورزشیں نواب صاحب کے لئے لکھ دیئے۔

توند صفا ورزشیں

ورزش نمبر (۱)

پہلا عمل۔ دونوں پیر ایک دوسرے سے تقریباً تیس انچ کے فاصلے پر رکھ کر سیدھے کھڑے ہونا۔

دوسرا عمل۔ سامنے کی طرف جھک کر دونوں ہاتھ پاؤں کے درمیان سے پیچھے کی طرف جہاں تک ممکن ہو لیجانا۔ (پھر سیدھے کھڑے ہونا اور اس طرح چار آٹھ یا سولہ مرتبہ عمل کرنا)

ورزش نمبر (۲) پہلا عمل پیر لیٹے کر کے اور جس قدر ممکن ہو پھیلا کر پر ہاتھ رکھکر بیٹھنا۔

عمل دوسرا۔ جسم کو پہلے بائیں جانب پھر دائیں جانب گھمانا۔ (دس مرتبہ)

ورزش نمبر (۳) چت لیٹ کر (۱) پاؤں یکے بعد دیگرے زمین سے ایک فٹ اونچے سیدھی حالت میں بغیر موڑے اٹھانا (ب) دونوں پیر ملا کر اسی طرح اٹھانا (بیس مرتبہ)

ورزش نمبر (۴) چت لیٹ کر ہاتھ پیر اور جسم ایک دوسرے سے ملے ہوئے سیدھے رکھکر دونوں پیر ملا کر اٹھانا اور سر کے پیچھے زمین کو پاؤں کی انگلیوں سے چھونے کی کوشش کرنا۔ (دس مرتبہ)

ورزش نمبر (۵) چت لیٹ کر پیر سیدھے رکھ کر پاؤں کا سہارا لئے بغیر آہستہ اٹھ بیٹھنا اور پھر آہستہ لیٹنا۔ (دس مرتبہ) اگر پیر مڑنے کا احتمال ہو تو کوئی وزنی چیز پاؤں سے باندھی جائے تاکہ اٹھتے وقت تمام تر کام پیٹ کے عضلات کو کرنا پڑے۔ چونکہ مجھے اس لیڈی صاحبہ کو کچھ ورزشیں بتلانے کا موقع نہیں ملا اس لیے ان واقعات کو ضبط تحریر میں لانا پڑا تاکہ ناظرین کو اس سے فائدہ ہو۔ نیز اس کے کہ ہم یہاں در صدرِ کلام "ورزشوں کا تذکرہ" عوام کے لیے "پاسچر" کی ماہیت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

پاسچر ایک انگریزی زبان کا لفظ ہے جس طرح (روم، فوج، اسکول، ریجمنٹ وغیرہ اردو میں رائج ہو چکے ہیں اس طرح ہم پاسچر کو دوران گفتگو میں بلا تکلف استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ پاسچر سے مراد سر جسم ہاتھ اور پیر کا بحالت قیام صحیح وضع ہے سر کا تو وزن گردن پر رکھے ہوئے ٹھوڑی اندر کی طرف کھینچکر سینہ ابھار کر پیٹ اندر کر کے دونوں پاؤں پر جسم کا وزن مساوی رکھے ہوئے دونوں قدم ایک دوسرے کے متوازی رکھکر کھڑے ہونا صحیح پاسچر ہے۔

انسانی حسن کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے کی ہے کسی کو حسن زرگی آنکھ میں نظر آیا کسی نے آہو چشم کی تعریف کی کوئی سیمین دہن پر مرا جاتا ہے کوئی زلف پیچان میں پھنسا ہوا ہے لیکن سرو قامت کا خیدائی شائد صحیح پاسچر میں حسن کی شائبہ دیکھتا ہے۔ انسان کا حسن نہ گورے پور و پین ہونے میں ہے اور نہ سیاہ فام حبشی ہونے میں نہ زرد چینی میں اور نہ سرخ امریکہ کے باشندے میں بلکہ حسین وہی ہے جس کا پاسچر درست ہو۔

اچھے پاسچر والے شخص میں خون کی روانی صاف رہتی ہے نفس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی یہ صحت کاملہ کا حامل ہوتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں روزانہ معمولی ورزشیں کر لیا کرے تو لیبت ہر وقت صاف دل خوش چہرہ ہشاش بشاش انکھیں صاف اور منور چہرہ پر ملاحت حرکات میں نزاکت اور چال میں پرواز پیدا ہو جاتی ہے اور تمام عناصر کی ترکیب سے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ انکھوں میں ہلال اور ہونٹوں پر مسیحائی پیدا ہو جائے۔

ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے خمیدہ سینہ تنگ اور مونڈھے آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوں ہم مندرجہ ذیل ورزشیں تجویز کرتے ہیں

صدر کشا ورزشیں

ورزش نمبر (۱) نیچے کہو کر کہنیوں کو مونڈھوں کی سیدھ میں اٹھا کر انگوٹھے سینے پر رکھ کر تیزی کے ساتھ ہاتھ بازوں پر پھیلانا اور پھر سینے پر لے آنا کئی مرتبہ۔

ورزش نمبر (۲) دونوں ہاتھوں کو سامنے کی طرف سے سر کے اوپر اٹھانا اور بازوں سے گرا دینا۔

ورزش نمبر (۳) ایڑھیاں اٹھا کر کھڑے ہونا اور ہاتھ آگے کی طرف پھیلا کر دھیرے دھیرے مشک لگانا (اس کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ جسم کو بیٹھتے وقت آگے کی طرف جھکنے نہ دیں اور اچھی طرح سانس لیکر بیٹھیں اور اٹھتے وقت سانس چھوڑتے جائیں) کئی مرتبہ)

ورزش نمبر (۴) سیدھے کھڑے ہو کر سینہ بھر سانس لیتے ہوئے ہاتھوں کو آگے کی طرف سے سر کے اوپر اٹھانا اور جلد سانس چھوڑتے ہوئے ہاتھوں کو بازو سے گرا دینا دس مرتبہ

نظام

وجیبل ہیر آئیل

عدیم المثال صنعت، ولایتی سے سو فیصدی زیادہ

خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا اجازت یافتہ شبیہ مبارک ٹریڈ مارک

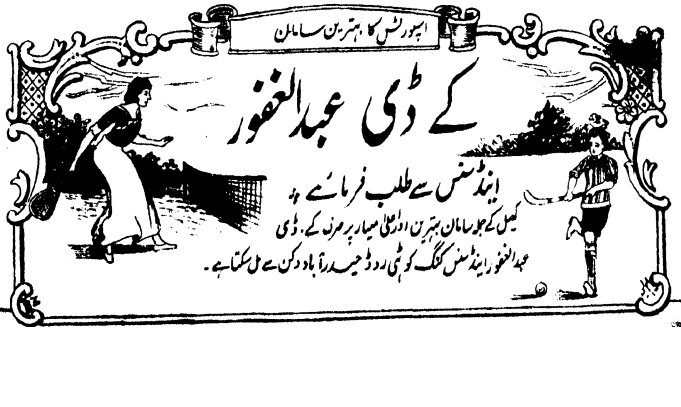
ہر جگہ مل سکتا ہے

دکن ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد (دکن)



کہدو خضر سے چشمہ ظلمات مل گیا، مردہ دلوں کو زندہ ظلمات مل گیا۔ غریبوں کی جھونپڑیوں اور امیروں کے محلوں میں ڈنکہ بج رہا ہے مصر و بغداد اور یورپ تک۔ جس کی مانگ ہو رہی ہے سوز ڈاکٹر و حکمارے از ماکر لکھ دیا ہے کہ زندہ ظلمات کی الحقیقت ایک بہترین دوا الطبع علاوہ رجسٹرار پیٹنٹ شدہ ہونے کے کیمیکل بورڈ کی پاس شدہ حضرت سے کو سون دوا ایسی عجوب اور الطمینان بخش دوا کے عوض نقلی دوا کھا کر اپنی عزیز جانوں کو آزمانا بڑی غلطی ہے ہیضہ، طاعون، بخار، کھانسی، اپچش، اسقی ہمہ اقسام کے درد اور سانپ و بچھو کے زہریلے منٹوں میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ غریبوں کے لیے آب حیات ہے اس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے

خط و تار کا پتہ **زندہ ظلمات حیدرآباد ٹیلیفون نمبر (۶۰۲)**



علیگڈھ میں چند روز

از

مسٹر برگشتہ

"ہم اس مضمون کو اپنے ان خطوط سے ماخوذ کر رہے ہیں جو علیگڈھ کے قیام کے دوران میں ہم نے اپنے دوستوں کو لکھے تھے اور ہمارے پیش نظر اس وقت تک رہے کہ ہم خود اگر ان واقعات کو اپنی زبان سے مفصل احباب میں کہنے کے قابل ہو گئے۔ ہاں۔ اس تحریر کو دیکھکر کوئی صاحب اپنی طرف کسی خاص واقعہ کو منسوب نہ فرمائیں۔ اس مضمون میں تمام اشخاص واقعات یہاں تک کہ خود مسٹر برگشتہ تخیلی ہیں۔"

ہم کالج میں حضرت آدم بن گئے تھے مہینے یہ کہ خدا یاں کالج کی نافرمانی کی وجہ سے ہم کو اس جنت سے نکلنا ناگزیر ہو گیا تھا اس لیے ہم کو ہماری مرضی کے خلاف علیگڈھ کا ٹکٹ دلا دیا گیا اور چند علیگڈھ جانے والے لڑکوں کے ساتھ ہم بھی پانچویں سوار بن گئے۔ سفر طے کرنے کے بعد رات کے وقت ہم اس بلدالجامعہ میں داخل ہوئے۔ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر جو کمرہ ہمیں سب سے پہلے راستے میں پڑا اسی کو ہم نے اپنا زیر بسیرا بنا لیا اور اطمینان سے سو رہے۔ صبح بھی بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ کمرے کے حقیقی مالکوں میں یہ بیگو نہاں ہونے لگیں:۔ ہم اپنی چادریں سے اپنے متعلق علیگڈھ کا سب سے پہلا تاثر حاصل کر رہے تھے۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے "رات خدا جانے کیا لا ناطل پی کر کسی نے الصبیان سے ہمارے کمرے میں ہنگامہ برپا کر دیا" دوسرا "یار میں تو جو سمجھا تھا یقین نہ آئے تو دیکھو میں نے اپنا کوٹ تکیے کے نیچے چھپا لیا ہے" ہم اپنے پر ان تمام چیزوں کو چسپاں کر رہے تھے، ایک صاحب یہ کہتے ہوئے ہمارے قریب آ گئے "ویلکم ویلکم تو یہ ذات شریف ہیں کون ہے؟" ہم نے چادر سے منہ ہٹائی، ہم نے کہا "کیوں کیا ناشتہ تیار ہو گیا ہے یا اور تھوڑا سو لوں"۔ اس سوال پر کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا سب نے اکٹھا کہنے سے بہتر ہے اس انداز سے بیدار کیا کہ ؎

پابدست دیگر و دست بدست دیگر

کسی نے کہا "یار، یہ تو ہم ہی میں سے معلوم ہوتا ہے" کیوں دوست آپ کا شان نزول" ۔ غرض تعرف کے بعد ہم ان میں سے ایک ہو کر ناشتہ بازی میں مصروف ہوئے اس کے بعد ان ہی کے ہدایات پر شریک ہونے چلے گئے وہاں پر ہم سے پہلے سینکڑوں شرکت کے دلدادہ گھٹے ہوئے تھے۔ ریاضیٹر باری باری سے لوگوں کو اندر جا کر اپنے اعمال نامے پیش کرنے کا موقع دے رہے تھے۔ اگر قیامت کا کوئی منظر ہمارے تخیل میں تھا تو یہ اس کی تمثیل تھی ہم نے خیال کیا کہ اگر ہم اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں تو شام ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم ایک بادل گرج کے سرحدی بیابان کے ساتھ ہو گئے، ان کی پشت پر ہمارا جسد غائب تھا، وہ اپنی قوت سے ہمارے لیے راستہ پیدا کر رہے تھے، اس طرح جب وہ ریاضیٹر کے قریب آئے تو ہم نے ان کی پیٹھ پر ایک زور کا دھکا دیا، وہ غصہ میں آ کر بیٹھا تھا اس کو اسی گردش میں اندر داخل ہو گئے۔ اس طرح ہم علیگڈھ کی راہ منحوس میں گزر کر ہم ارباب جماعت تقدیر کی مشیت پر تھے، یہاں کچھ سوالات ہوئے، داستان کی جانچ ہوئی، اور بیداری شرکت کا حکم صادر ہوا۔ اس طرح ہم پر علیگڈھ کا ٹریڈ مارک لگ گیا۔

علیگڈھ کا نام سب سے پہلے ہم نے اس وقت سنا تھا جب ہم ضلع کے ہیڈ سکول کی ابتدائی جماعت میں پڑھ رہے تھے، راستے میں ایک شخص یہ شعر گا رہا تھا ؎

ترکی ٹوپی پہ پہننا دھوتی، لٹھا کر
ہم علیگڈھ سے آئے ہیں مسیرد

ہم سمجھتے تھے کہ علیگڈھ ایک زبردست قلعہ ہے جہاں پر لوگ جا کر فیچر ڈ ایک قسم کا ولایتی جانور) بن جاتے ہیں، جن کی خاص خصوصیت ترکی ٹوپی پر چھدنا لگانا ہے۔ لیکن بعد میں چلکر سرسید کی تحریک۔ غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت ان کی بیداری میں علیگڈھ کا حصہ۔ اردو زبان کی انمول خدمات سرسید کی بزم ادب۔ وغیرہ کے حالات نے ہمارے خیالات کو اس قدر منقلب بنا دیا کہ ہم یہ سبھی اسی عمیق سمندر کے خاموش پجاری بن گئے۔ یہ چند اپنے اساتذہ، احباب، اور دوسرے خوش باش لوگوں سے جن کو علیگڈھ کی آب و ہوا نے محفوظ موقع ملاقات کی داستانیں سن کر یہ وہاں کی علمی فضا، معاشرتی زندگی، طلباء کی شرارتیں، غرض ہر چھوٹی بڑی سے واقفیت کی جاتی تھی، ہمارا شوق دیدار تازیانہ تھا مگر بقول ایک دکنی "مجبوری کا ہم بھی خاموش رہتے تھے۔ اب تھوڑے سے ہم کو علیگڈھ دیکھنے کا موقع ملا جب کہ ہم طالب علمی کی معصوم زندگی کو گزار کر زندگی کی کشمکش کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ ہم اپنی سابقہ جامعہ کے تمام مسائل طے کر کے "تکمیل جامعہ حافظہ" بننے کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ زمانہ ہر آنکھ کھول کر زندگی بسر کرنے والے کے لیے فلسفہ ذہنیت کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم علیگڈھ کو اپنی خیالی جنت کے برخلاف بھیانک حقیقت محسوس کرنے لگے۔

پہلی مرتبہ جب ہمیں فرصت ملی تو سرسید کورٹ میں گھومنے لگے۔ وہاں کی تعمیر کاری میں وہ ایک خصوصیت مسلمہ ہے جو یورپین فن تعمیر کی عمارتوں میں، باقی تمام عمارات علیگڈھ کے سٹوڈنٹس کی طرح تاج برطانیہ کے سایہ میں ہیں۔ البتہ مسجد خاص طغیانی زنگ کا نمونہ ہے جس میں اور شاہجہانی کاریگری نمایاں ہے۔ اس کے بعد دوسری عمارتیں دیکھیں۔ ایک چیز دیکھکر ہماری رگ وطنیت پھڑک اٹھی جس طرف دیکھو سرسید آبادی قوم کے نمونے موجود تھے۔ سر آسمان پر ہوا کی آسمان منزل یورپین کی رہبوری عمارت سے ہیں سرسید ہاسٹل امریکن تصویر جو وہاں کے مستعد رہ چکے ہیں۔ انڈیا سے کی فہرست میں سید آباد یونیورسٹی کے نام نمایاں ہیں۔ کھیل کے میدان میں سید آبادی کھلاڑیوں کی کثرت اس لیے ہم سمجھنے لگے وطن میں سید آباد کی خاکسار خود کو ہندوستان کے ہر انسان اور کا کر دانسان ضرور رہے۔ ہمارا قومی اور ملی کے لیے محافظ ہے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی ہندوستان کا پرشوکت ذرا عظم ہے جس کو صحیح معنوں میں بلدالجامعہ کہا جا سکتا ہے۔

شاندار عمارتیں، خوبصورت باغات اور علیگڈھ کے

بقیہ علیگڈھ میں چند روز (صفحہ ۲۷)

گلاب کے تختے۔ سونگ باتھ کی خلیہ قبول والی عمارت شفاخانہ بوٹونگ کی دو منزلہ عمارت شفاخانہ یونین کی عمارتیں۔ مدرسۃ تعلیم للعلمیین انبز میڈیٹ کالج کی عمارتیں اساتذہ کے خوبصورت مکانات وسیع کھیل میدان ان کو دیکھ کر بے ساختہ سرسید مرحوم کے احسانات کا عملی نقشہ پڑھنے والے کی نظر دل میں پھر جاتا ہے اور وہ اس مشہور علمی مرکز کے ظاہری حسن و شکوہ پر شاد رہو کر رہ جاتا ہے۔ ان خاموش عمارتوں کے مقابلہ میں وہاں کے طلبہ کی یک رنگی اور جہل پیہم زندگی کی لہر دوڑا دیتی ہے یہ مقام ہے یک وقت طلبہ کا گھر بھی ہے۔ تربیت گاہ بھی ہے۔ ابتدائی چند دنوں تک تو ہم ایک خواب کی دنیا میں گم ہو رہے تھے ہم کو دنیا کی ہر چیز حسین اور پر فریب نظر آتی تھی۔

آب کالج کی درسی زندگی شروع ہوئی ہماری جماعتیں صبح شام دونوں مرتبہ تھی صبح ہم تاریخ پڑھتے تھے شام کو قانون ہم دو سردن کے ساتھ وقت نامہ کر کلاس میں داخل ہوئے جہاں ہماری طرح سب باقی سیاہ لباس میں تھے استاد کا طلسمانی عنابی پر رعب طاری کر رہا تھا ہمارے استاد ہندوستان کے مشہور باہر تاریخ تھے یورپ کے تعلیم یافتہ دلمن پرست حیدر آبادی شیروانی ان کا مرغوب لباس تھا جس کا کالر (قمیض کے انداز کا بوٹوں دار پائجامہ چہرہ شرلاک ہومز کی طرح لانبا غلافی آنکھیں پتلی حسین ناک جنگ دہانہ۔ بال گھنے اوپر کی طرف اٹھے ہوئے باون میں دہلی کی سلیم شاہی۔ ہاتھ تیموری خاندان کی طرح بہت دراز انگلیاں نہایت نازک ان کے پڑھانے کا ڈھب بھی نرالا تھا اکسفورڈ کے لہجے میں نہایت شیریں و فصیح انگریزی بولتے جس کے ہر جملے میں عالمانہ تجربہ نظر آتا تھا لیکن تقریر کرتے وقت ان میں وہ کبھی طالب علموں کو انکھ ملا کر نہیں دیکھتے تھے ان کی تلاش سننے والوں کے چہروں پر لگی رہتی گویا وہ ہر شخص کے جوتے میں کوئی نہ کوئی عیب نکالنے میں مصروف ہیں جب کوئی طالب علم ان سے سوال کرتا تو فوراً بورڈ کی طرف پلٹ جاتے اور جواب دیتے ہوئے اپنے جواب کو بورڈ پر لکھ بھی دیتے ان کی یہ ادا ان کے علمی وقار کے ساتھ حسین انداز پیدا کر دیتی تھی جس کی وجہ سے طلبہ ان کے گرویدہ تھے دوسرے پروفیسران لوگوں میں سے تھے جن کو اپنی قابلیت کا اس قدر احساس ہے کہ گردن اکڑا کر بولنا اور ڈھول کی طرح آواز نکالنا ان کا فرض ہے۔ استاد اچھے تھے لیکن مورصفت۔ پڑھاتے وقت بار بار اپنے سخت کالر کو نمایاں کرنے کے بے شکل بگاڑ کر گردن کو ٹیک دیا کرتے تھے ان کا یہ مرض اس قدر اثر کر چکا تھا کہ چلنے میں بھی ہر قدم پر ان کو اس حرکت کے

بغیر چین نہیں آتا تھا۔ پہلے روز جب ہم کلاس سے فارغ ہو کر لوٹے تو ایک حیدر آبادی دوست کے کمرے میں پہنچے وہاں بہت سے احباب میں برج (یعنے تاش کا طاعون) چل رہا تھا ہم سے ایک دوست نے کھیلنے کے لیے کہا ہم اس گھریلو بیماری سے آزاد تھے انکار کرنے پر فریقین قہقہہ لگا۔ جس کے شاید یہ معنی تھے کہ ہم اس قدر جاہل کندہ ناتراش ہیں کہ برج کھلنا تک نہیں جانتے حالانکہ تعلیم یافتہ کہلانے کے لیے اس کا جاننا اولین فرض ہے

ہم ایک کرسی پر بیٹھ کر کچھ دیر ستانے کا ارادہ کر رہے تھے ایک صاحب زادے نے ہم سے کہا "آپ کس جماعت میں ہیں" ہم نے اس استفسار کا جواب دیا تو کہنے لگے "کیا آپ اس جماعت کے لیکچروں کو فالو (سمجھ) بھی کر سکتے ہیں؟" ہم کو اس سوال کی بدتہذیبی پر بہت غصہ آیا ہم نے کہا کہ ہم جس جامعہ سے آرہے ہیں وہاں پر آپ کے اعلیٰ جماعتوں کے مضامین بولتے جماعتوں کے ابجد ہیں" اس پر مسٹر بگڑ گئے کہنے لگے "جناب آپ علیگڈھ میں رہ کر اس قسم کی گفتگو نہ کریں ورنہ آپ کو پیٹنا پڑیگا" ہم نے کہا "وہ کیسے" "کہنے لگے آپ کو معلوم نہیں بات یہ ہے کہ فاختہ اڑا دی جائیگی" ہم نے دریافت کیا کہ فاختہ کس جانور کا نام ہے انھوں نے کہا آپ جب

بقیہ مضمون علیگڈھ صفحہ (۶)

بقیہ جدید حیدر آباد (صفحہ ۵)

تصویریں ہیں بلکہ اس کی جگہ وہ موجودہ تمدن اور اسکی ترقی میں اپنے ملک کی حد تک خاصہ حصہ لے رہی ہیں براہ کرم آپ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالئے کہ میں انگریزوں کی اس خدمت کو گھٹانا چاہتا ہوں جو انھوں نے ہندوستان میں کی ہے اور جن کے تجربوں سے ہم نے اپنے نظم و نسق کو اخذ کیا ہے اور جن کے دل بڑھانے والے اثر سے ہمارا موجودہ دور قانون تعمیر ہوا ہے ہمارے پاس منٹو اصلاحات کے اصول پر ایک مجلس مقننہ قائم ہے جہاں پر صرف قوانین اور ضوابط کی تشکیل ہوتی ہے ایک مجلس عاملہ ہے جس میں تجربہ کار مدبر اور امرائے سلطنت شریک ہیں تاکہ حکومت کا عاملانہ کام کریں ہمارے ہاں میعنہ سول لسٹ ہے اور ایک ایسا عدلیہ ہے جو عاملہ کی زیر دستی سے آزاد ہے ایک تربیت یافتہ سیول سروس کا ادارہ موجود ہے جو اصرام سلطنت کے اہم کو برقرار رکھتا ہے۔ اب بھی ہمارے پاس حکومت میں انگریز موجود ہیں اس کے باہر سیاسی محکموں میں انگریز ہیں جو اپنی بہترین دماغی خدمات کو ریاست کے لیے صرف کرتے ہیں اور ہماری کشمکش میں اسی جوش اور دلیری سے ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں جس طرح ہماری ریاست کا ایک ہندوستانی عہدہ دار کر سکتا ہے لیکن یہ بہتر ہوتا کہ اس میں تبدیلی ہوتی اور ہندوستان کے مختلف لوگوں کو اپنے قوت دماغ کے استعمال کے لیے زیادہ وسعت ملتی۔ اس طرح ہماری ریاست صحیح معنوں میں اس سوراج کا نمونہ ہے جس کی میں ہمیشہ آرزو رکھتا ہوں ایسا سوراج جس میں انگریز اور ہندوستانی متحد طور پر اپنا ملک تہمکر خدمت کریں

میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں اور شدت کیساتھ محسوس کرتا ہوں کہ گول میز کانفرنس میں ریاستین سیاسی خیال میں اضافہ کرنے کی حد تک اپنا خاص حصہ رکھینگی اور ہماری روایات اور ہمارا تجربہ نئے دستور سازی میں بہت کچھ مدد دیگا جو کل گول میز کانفرنس عملی صورت میں لائے میں کوشاں ہے اور اس طرح ریاستین ہندوستان کے مسئلہ کو ہندوستانی دماغ کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ بنانے میں بہ نسبت اس دستور کے کامیاب ہونگی جو پوری طور پر غیر ملکی نمونہ پر بنایا جائے جو بالکل دوسرے حالات سے متاثر ہو۔

تمت

علی احمد

حسن کاری اور ہندوستانی موسیقی

"سُر کی حسن کاری، خوش آوائی"

"میں اس مضمون میں ہندوستانی موسیقی کے اصول و ضوابط کی خشک تشریح کرنی نہیں چاہتا کیونکہ اس طریقے سے میرا مضمون اصل موضوع سے ہٹ جائے گا۔ میں ضروری اشارات کے بعد درحقیقت اس امر کو بیان کروں گا کہ، ان اصول و ضوابط میں حسن کاری کو کس حد تک دخل ہے۔"

محمد عبدالقیوم خاں باقی

ہماری موسیقی میں سُر سے مُراد وہ آواز ہے جو مسلسل مربوط اور سُریلی ہو۔ مسلسل اور مربوط کا سمجھ لینا آسان ہے، لیکن سُریلی کے مفہوم کو جاننا اور سمجھنا دشوار ہے۔ یہی درحقیقت ہماری موسیقی کی حُسن کاری ہے۔ ہندوستانی موسیقی داں کو اپنے عمل کا اس قدر فطری ذوق اور اس قدر بے تکلفانہ اختیار ہوتا ہے جس طرح اس کو بات کرنے، ہنسنے، بولنے پر ہوتا ہے۔ اس کا حلق، اسکے کان، اسکے ہاتھ اور اس کے جسم کی ہر جُنبش و حرکت موسیقی کی روح کو اخذ کرنے، اور اس کو استعمال کرنے پر قادر ہوتی ہے پرندہ بول رہا ہو، کسی مشین وغیرہ جیسی بے روح شے کی باریک آواز آ رہی ہو، سیکل کی گھنٹی ہے، رکابی کا ٹوٹنا ہے، کانچ کا ٹکڑا ہے، گھڑے کی آواز کے باریک پرچھے ہوں۔ غرض دنیا کی ہر مربوط آواز میں ہمارا موسیقی داں سُریلے اور بے سُرے پن کا امتیاز کر سکتا اور کرتا رہتا ہے۔ اصولی لحاظ سے اساتذہ نے انسان اور سانہ کی آواز کے جملہ موسیقی ایقاعات کی اس قدر باریک تشریح کی ہے کہ ایک موسیقی داں باسانی انکو سمجھ کر ایک اعلیٰ درجے کا ماہر علم الصوت بن سکتا ہے، لیکن وہ یورپ کے اکثر جدید پی ایچ، ڈی ڈاکٹروں کی طرح معلومات کا ایک ڈھیر نہیں ہوتا، بلکہ ذوق فطری کا ایک زندہ و متحرک بن کر علمی اصول و ضوابط کے عملی استعمال نیز اُن کی حسن کارانہ ترقی اور اجادت کے قابل بن جاتا ہے۔ یہ ہندوستانی موسیقی میں عملیت کو بہت بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے "تنبو خاں" "تنبو خاں؟ فلاں داس اور فلاں نانک" کو نچ پیتے، جاہل مطلق ہونے، ماں پڑھ کر شبرک کی لیاقت رکھنے کے باوجود اس خوبی کیساتھ اینٹھتے ہیں، گویا علم جاننے والے شوقین اُن کے مقابل زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ عملیت کی اس مجنونانہ پرستش نے اس علم کو بیشتر علم کے سخت نقصان پہنچایا، لیکن بیشتر فن کے اس کو ترقی کے آسمان پر پہنچا دیا۔

ہم اصل مفہوم سے کسی قدر دور جا پڑے۔ مطلب یہ تھا کہ سُریلی آواز کو پہچاننا، اور سُریلے پن پر اپنے کل موسیقیانہ ذوق کا انحصار رکھنا ہندوستانی اساتذہ کا اول ترین فرض ہے۔ اس سماعت سے وہ آواز کی نوعیت، کمیت وغیرہ جملہ اصولی خصوصیات کو اس خوبی کے ساتھ سمجھتا ہے کہ یورپ کے ماہرین مشین کی مدد سے بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں کا ایک گانبھاز ستار پر نشہ میں بھی ستار کی کھونٹی اس خوبی سے چھیڑتا اور آواز اس نزاکت سے ملاتا ہے کہ مشکل ہی اور وائی مشین رکھ کر بھی پیمانوں کے تاروں کے ارتعاشات نہیں گن سکتے، اور اس کے سُریلے پن کو درست نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں سُریلے پن کی پابندی نے ہم کو یہ دعویٰ کرنیکا ایک حد تک حق بھی دیدیا ہے کہ سُریلے پن کی شناخت میں ہندوستانی ماہر موسیقی سے زیادہ دنیا کا کوئی موسیقی داں شاید ہی سنہ ہو سکے۔ میں جس وقت موٹر سیکل کی ٹانگ یعنی مشین کی آواز دھوئیں کے پمپ کی گونج اور سٹڈروں کی باقاعدہ گردشوں کو درست کرتا ہوں تو میرا ذوق موسیقی میرے میکانیک کو انتہا درجے تنگ کر دیتا ہے، اس کے نزدیک مشین ہر حیثیت سے درست ہو جاتی ہے لیکن ہم کھڑے ہوئے کہتے ہی رہتے ہیں "دھوئیں کی آواز میں گونج ذرا اور بڑھا دو ... ہاں بس یہ ٹھیک ہے" "نہیں ... ذرا ۔ آ ۔ ۔ ۔

ان کے بعد ان کے مرکبات ہزاروں ہیں۔

قدیم تاریخ کی رو سے کہا یہ جاتا ہے کہ دیوتاؤں کے درباریں خصوصاً مہادیو جی کے پاکیزہ اور پریوں کا رقص و سرود ہوتا تھا راگ راگنی کے اکثر نام انھیں اپسرہ اور پریوں کے نام سے منسوب ہیں۔ راگنی گویا ایک پری ہے جو ہمیشہ اپنے مخصوص انداز سے اُن خاص سُروں کو ادا کرتی تھی۔ راگنی کے لطیف خیال کو پیش نظر رکھ کر کسی راگ راگنی کو سنیئے اور غور کیجئے تو آپ کو اس عالم کے فضائے لطیف اور موسیقی کے حسن کا رازانہ معراج کمال کا اندازہ ہوگا:۔ ہندوستانی راگ راگنی کا گانا یا بجانا گویا راجہ اندر کے کھاڑیکا الگ الگ مجرا کرانا ہے!

جب راگ یا راگنی جسمے ٹھیرے تو ان کا، لباس، ان کی وضع قطع، ان کی طرز معاشرت، اور ان کے موسیقیانہ مشاغل کی تفصیلی کیفیات کا موجود ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ موسیقیانہ بیتھا لوجی یعنی تصوف کی رو سے ہر راگ راگنی کا لباس، طرز معاشرت مخصوص اور مختلف ہے۔ اُن کا تفصیلی تذکرہ کسی طرح ممکن نہیں، لہٰذا میں ایک عام اور مشترک نقشہ دکھانے پر اکتفا کرتا ہوں۔

راگ عموماً دیوتا سمجھے جاتے ہیں، یا بادشاہ، ان کا لباس کہیں فقیرانہ ہے، کہیں شاہانہ۔ راگ چھ ہیں — بھیرو، مالکوس، میگھ، دیپک، ہنڈول، اور سری باشری۔ بھیرو راگ، مہادیو جی کا مجسمہ ہے! ان کے چاروں سمت (۴) سُر ہیں۔ ہاتھ میں تیر ہے، شیر کے چمڑے پر آسن جمائے بیٹھے ہیں:۔ دیپک راگ، ایک بادشاہ ہے اس کے دربار میں حدت موجود ہے، ہر طرف چراغ جل رہے ہیں۔ میگھ راگ، ایک بادشاہ تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا ہے، تلوار سے بجلیاں چمکتی اور اس کے گانے سے بارش ہوتی ہے، آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی ہے اور ہوا کے جھونکے ادھر سے اُدھر سپاٹے بھر رہے ہیں:۔ ہنڈول راگ، در اصل کرشن کنھیا ہیں جو بانسری بجاتے ہوئے جھولا جھول رہے ہیں:۔ مالکوس راگ، مہادیو جی کی بیوی پاربتی جی ہیں۔

راگنی عموماً ایک پری ہوتی ہے جو اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے، نیز سروں کے رنگ اور تاثیر گانے کے وقت اور سبھاؤں کی مناسبت سے رنگین لباس زیب تن کیے ہوئے ہوتی ہے:۔ اس کے رنگ زرد، آسمانی، سبز، ہر قسم کے لطیف اور خوشنما ہوتے ہیں:۔ زیور سر سے پاؤں تک مشرقی اور اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے جس میں جگمگی، ٹیکا، کنگن، مرزا بے پر وا شامل ہیں:۔ اس کی زندگی یا تو اپنے عاشق (جو اس کا معشوق ہوتا ہے) کے وصال و اصی میں انتہائی عیش و عشرت کے ساتھ صرف ہوتی ہے یا وہ ایک جوگن کا روپ لیے ہوئے فراق کے صدمے جھیلتی رہتی ہے۔ یہ اس کی محفلوں میں ہر قسم کے سازاور گانے والیاں ہوتی ہیں۔ شراب و کباب کا دور ہوتا ہے، باغ اور چمن کے نظارے رہتے ہیں:۔ بعض راگنیوں کو خاص خاص درخت مرغوب ہوتے ہیں، جن کے نیچے کھڑے ہو کر وہ اپنا مجرا دیتی ہیں۔ مثلاً درخت صندل، کیوڑا بن، مولسری وغیرہ:۔ اس کا دربار شہزادیوں کا دربار، اس کی زندگی:۔ مہارانیوں کی زندگی ہوتی ہے۔

جب پہلے وقت پہلے اور پر خلوص ماحول پہلے سُروں کے ساتھ کوئی راگنی گائی جاتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہ پری گانا گانے والے کو اپنا درشن دیتی ہے، اور اپنے عشرت وصال سے سیراب کرتی ہے۔ جدید الفاظ میں راگ راگنی کو جملہ فنی لوازم کے ساتھ گانے بجانے سے نہ صرف دنیوی بلکہ ایک روحانی لطف آتا اور باطن اس سے ایک پر کیف ذوق حاصل کرتا ہے۔

ہیئت ترکیبی

جملہ راگ راگنیاں (۷) یا (۶) یا (۵) سروں سے مرکب ہوتے ہیں، لیکن ان کے سُر قائم کرنے میں اساتذہ نے نہ صرف ہر سُر کی تاثیر بلکہ ان کے مجموعی کیف کا بھی ایک باکمال لحاظ رکھا ہے؛ بعض سُر صبح کو اچھے معلوم ہوتے ہیں، بعض دوپہر کو، اور بعض شام یا رات کو:۔ بعض سُر چیشت مجموعی موسمی تاثرات کو قبول کرتے ہیں:۔ بعض سُروں کی کیفیت طرب انگیز ہوتی ہے یا غم انگیز، لہٰذا ہر راگ راگنی میں خوشی و غم، وقت اور موسم کی خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ صبح سے لیکر شام تک سُروں کو بدلنے کے خاص منضبط اصول موجود ہیں۔ وقت بدلتے ہی ایک راگنی سے دوسری وقتیہ راگنی چھیڑی جاتی ہے تو ماہرین فن کا امتحان باطنی ہم پہ جادو کیے بغیر نہیں رہتا:۔ ان کے روحانی ذوق ان کے اندرونی آنکھ کی عمیق نظری علم نفسیات اور قیافہ کی مہارت دیکھکر عقل حیران ہو جاتی ہے۔

ہر راگ راگنی ایک خاص سُر سے شروع ہوتی اور ایک خاص سُر پر ختم ہوتی ہے، تسال کے قائم رکھنے اور راگنی کے الاپنے میں ایک خاص مرکزیت کا ہونا لازمی ہے اور اس کا ایک اصول ہے۔ گانے بجانے کے مختلف اقسام ہیں اور ان کی مختلف نوعات۔ اندھ ہے، پٹ ہے، ٹھمری ہے، خیال ہے، ترانہ ہے، چوروٹ ہے، پرتبندھ ہے، غزل ہے، ناٹک کے گانے میں سرگم ہے۔ اسی طرح بجانے کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ اس علمی اور فنی وسعت کے باوجود جان کی بات تو یہ ہے کہ موسیقی داں کے لیے گانا، بجانا ایک فطری شئی بن جاتا ہے وہ نوٹس گانوں کی کتابیں یا ہاتھ بجانے والے ایک رہبر کا محتاج نہیں رہتا، (بقیہ آئندہ)

(صفحہ ۱۰)

آج ہی ایک صاحب سے اُونچی قیمتوں کا ایک عمدہ بنارسی رومال حاصل کیا ہے۔" "وہ کیا چیز ہے؟" خاتون نے کسی قدر دلچسپی سے استفسار کیا۔

"ہیں! افسوس! کتنی جہالت ہے؟" سائس داں نے لہجہ بدلتے ہوئے کہا "پیاری! اگر کسی شخص کو شادی کے بعد معلوم ہو جائے کہ اس کی بیوی یونانی سے ناواقف ہے تو اسے پورا حق حاصل ہے کہ طلاق دیدے!۔ خیر اچھا پھینیقیس ایک سانپ ہے جو دوسرے سانپ کھا جاتا ہے۔"

"خدا کرے کہ وہ تمہارے تمام سانپ کھا جائے!" خاتون نے کہا "ہاں یہ بتاؤ کہ وہ دوسرے سانپ کس طرح حاصل کرتا ہے؟ غالباً جادو کے اثر سے؟"

"یہ خیال نہایت بھدا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرے لیے اس عامیانہ وہم کا کند کرنا کتنا تکلیف دہ ہے!"

گفتگو میں ایک بڑی آواز سے خلل ہوا، جو سنسان مکان میں اس طرح گونج رہی تھی، جیسے قبر میں شیطان کی آواز۔ دو تین مرتبہ خوفناک صدا گونجتی رہی۔ میاں اور بیوی فوراً اچھل پڑے۔ ڈاکٹر تو پریشان اور متفکر خاتون خوف کے مارے زرد اور ساکت۔ ڈاکٹر نے فوراً بالاخانہ کا رُخ کیا۔ ملازمین بھی دوڑے۔ برمیٹن کے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ غالباً مردہ۔ اس کا سر اور بازو پلنگ کے نیچے کسیقدر چھپے ہوئے تھے، انھوں نے اس کے جسم کو کھینچا۔ چہرہ خون اور کف سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی اور منجمد باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک خوفناک منظر!۔ سائس داں نے جھک کر اس کے قلب پر ہاتھ رکھا۔ مضمحل کی حالت میں موت ہوئی! "اس وقت اس کی نظر بستر کے نیچے پڑی، اس نے حیرت سے ایک پیچ ماری "خدایا! یہ چیز یہاں کیسے آگئی؟" اس نے پلنگ کے نیچے سے سانپ کو کھینچ نکالا اور غصہ سے زمین پر دے پٹکا۔ وہ ایک سخت آواز کے ساتھ چکنے فرش پر پھسلتا گیا اور دیوار کے پاس ٹھیر گیا۔ جہاں وہ بیحس و حرکت پڑا تھا۔ یہ ایک مصنوعی سانپ تھا، اس کی آنکھیں خانکشی بٹنوں کی تھیں!

غالب

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی معرکۃ الآرا انگریزی کتاب جس کی دھوم مچی ہوئی تھی اب اردو لباس میں مشہور انشاپرداز سٹ سید معین الدین قریشی ایم۔اے کے ذریعہ آگئی ہے خواہشمند جلد آرڈر روانہ کریں مانگ زیادہ نسخہ کم ہیں۔

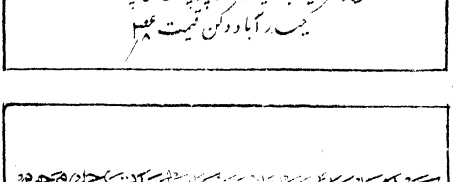
ملنے کا پتہ

مکان ڈاکٹر سید عبداللطیف کوچہ چراغ علی چادر گھاٹ
حیدرآباد دکن قیمت ۳؎

نمبر ٹیلیفون ۲۴ تار کا پتہ گھوری

جی رگھوناتھ مل نیکر حیدرآباد دکن

کرسپانڈنٹ ایجنٹ مرس تھامس کوک اینڈ سنس لمیٹڈ نیکر برائے حیدرآباد دکن بحری سفر دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا انتظام بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے۔
فان ایکسچینج بلز۔ واجبی کمیشن پر ہندی کلکتہ اور مدراس کے علاوہ دیگر بندرگاہوں کے لیے بھی ڈرافٹ جاری کیے جاتے ہیں۔
رقومات۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافٹ رقم بھیجی جاتی ہے اور ماہانہ رقومات قانونی احکامات کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔
ضمانتین و پرامیسری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت نامون و پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزانہ متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔
وظیفہ اور منصب۔ خوانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے کھاتہ داردن کے حسب اختیار ایصال وجمع کئے جاتے ہیں چالو حساب حالی دکلدار ہر روز کھاتہ جات میں بلانیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فی صدی سود دیا جاتا ہے۔
سیونگ بنک حالی دکلدار ہر روز کھاتہ جات میں بلانیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (½ ۴) فی صدی سالانہ سود دیا جاتا ہے، اور درخواست سے ذریعہ تواعد حاصل کئے جاسکتے ہیں اور ڈرافٹ قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود سے منظورہ امانتون پر ڈرافٹ کیے جاتے ہیں ہر قسم کے بنک اور بنا دلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں کھاتہ داردن کی سہولت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔



سفوف جواہر

سوزاک جریان سیلان الرحم (سفید پانی) ابتدا عدگی ایام بانجھ پن۔ دوران سر انتشار قلب تجفیف معدہ و جگر دور کرکے اعضاء تناسلیہ یعنی دل و دماغ و جگر و معدہ میں تقویت پہنچاتا ہے۔ قیمت فی شیشی (۱۶) خوراک دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک
نیز دارالعلاج حسینی میں بایوس العلاج کا علاج مفید و مجرب دو روپیہ کیا جاتا ہے
محمد شریف منیجر دواخانہ شبلی گنج قریب نظامیہ حیدرآباد دکن

حیدرآباد فوٹو اسٹوڈیو

اگر آپ کو عمدہ اور خوبصورت فوٹوگرافی کی ضرورت ہے اگر آپ کو سینما کے اعلیٰ اور عمدہ سلائیڈ کم دام میں درکار ہون تو آپ مسٹر ابراہیم علی فوٹوگرافر سے ضرور مشورہ لیجئے علمی مضامین کے سلائیڈ بھی طلسمی فانوس کے لیے تیار کئے جاتے ہیں۔
منیجر حیدرآباد فوٹو اسٹوڈیو
روبرو گرامر اسکول

کتابوں کے اعلیٰ طباعت کے معاملہ میں

عہد آفریں پریس

کی دھوم ہے ضرور اپنی کتاب یہاں روانہ فرمائیے اب کو اعلیٰ اسٹیشنری کا سامان بھی مل جائیگا۔

عہد آفریں پریس اسٹیشن روڈ

PRINTING

Friends tell us that "people marvel over the remarkable progress of The Hyderabad Printing Works."

The answer is as simple as A B C. Here it is . . . We're not selling "Blue Sky." We're selling Constructive Service; in other words, Helpful Suggestions, plus printing . . . We're selling sound confidence in The Hyderabad Printing Works.

Believe it or not, we plan something for you to buy, though you may ask only for an estimate.

Ever get stuck for an idea? Call us . . . Ever want something different in printing? Call us . . . Ever want a printer who adheres to Faithful Service and prices below what you actually get in value? Call us If you think this is *bunk*, **Call us.**

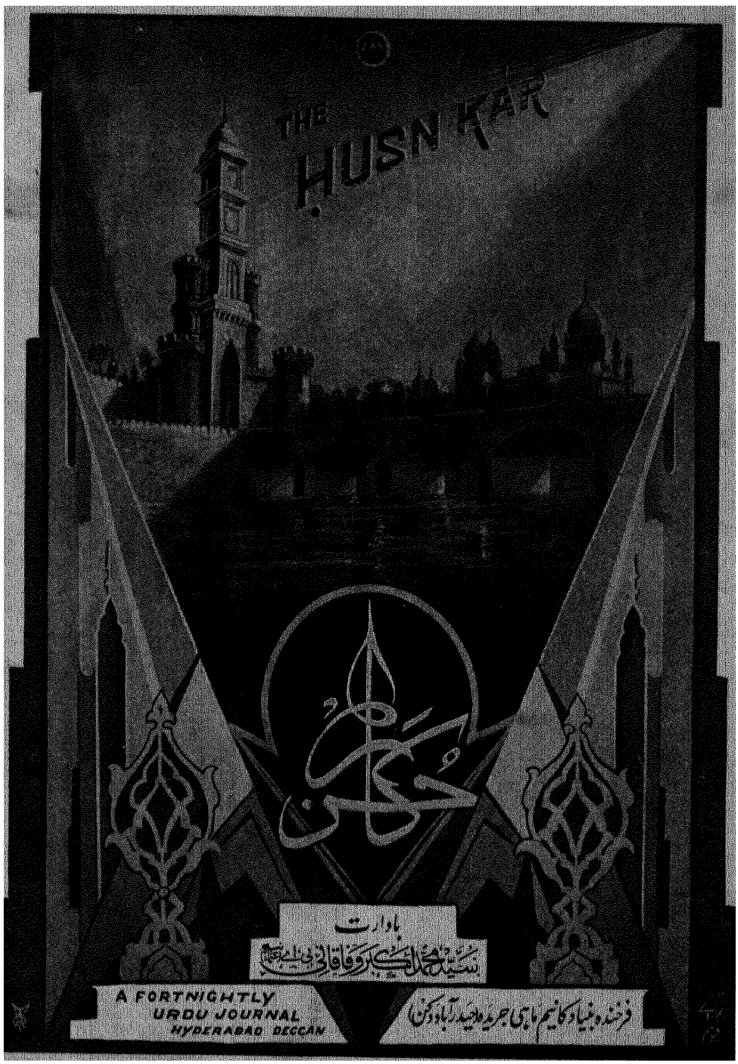
THE HYDERABAD PRINTING WORKS

Printers in six various Languages **English, Canadi, Hindi, Maratti, Urdu & Telugue.**

We have got Huge stock of Nasthaliaq Type prepared by G. C. P.

Rissala Abdullah *Nizam Shahi Road*

HYDERABAD-DN.



مضامین خاص ۔ کارٹون ۔ قتل گاہ ۔ کھیل کا فلسفہ ۔ نفسیات اطفال ۔

با اہتمام مقبول علی صدیقی، مہتمم حسن کار اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر حسن کار محلہ معظم شاہی کوشہ محل سے شائع ہوا

مقبول ترین قواعد اردو

اردو صحیح بولنے اور لکھنے کیلئے سب سے اچھی رہبر طلباء اور اردو سیکھنے والوں کی اعلیٰ کتاب قواعد اردو (مؤلفہ) عبدالرحمن صاحب رئیس قیمت (۱۲ر)

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ قریب پٹہ خانہ انگریزی حیدرآباد دکن

آپکی کتابیں کہاں چھپتی ہیں

ٹائپ انگریزی، اردو اور عبرانی اور قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثیر سے فرم میں یکجا ہیں تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے تمام شکایت باقی نہ رہے

مقتدر پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کیلئے بہترین تحفہ

آپکے بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کیلئے بہترین کتاب

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ قریب پٹہ خانہ انگریزی حیدرآباد دکن

نرخنامہ حسن کار

گورنمنٹ سے (موعد) روپے سالانہ

چندہ	بلدہ	فصلاح
سالانہ	صہ	لے
ششماہی	عال	ہے
سہ ماہی	عہ	عہ

فی پرچہ (۴ر)

حسن کار کی بلڈ میں ایجنسیاں

(۱) مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ چادر گھاٹ۔
(۲) فائن آرٹ اسٹوڈیو روبرو کراما اسکول۔
(۳) محمد صالح ایجنٹ اشتہارات پیمنٹ بازار۔
(۴) عبدالرحیم ایجنٹ اشتہارات دسائل میدہ پارک ہیں سکندرآباد)
(۵) احمد ایجنٹ کمپنی (نیا پیلی)
(۶) علیم الدین صاحب تاجر روبرو الگاری۔
(۷) رجب علی صاحب تاجر روبرو سرائے نامپلی۔
(۸) دکن بک ایجنسی مارٹ عابد بلڈنگ
(۹) رحیم الدین صاحب تاجر (چار مینار)
(۱۰) شبیر علی روبرو ویٹرنری ہاسپٹل نظام جاہی روڈ حیدرآباد)

حسن کار کے مضمون نگاروں سے گزارش

(۱) براہ کرم مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھا جائے۔
(۲) مضامین مختصر، عام فہم اور جاذب ہوں جن کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔
(۳) افسانہ اور ادب لطیف جدید اصول پر لکھی جائے۔
(۴) مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے ایڈیٹر کے پاس پہنچ جائیں۔
(۵) حسن کار ماہ الٰہی کی ۱۶ اور سورج کو شائع ہوگا۔

مدیر حسن کار

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بورڈ، پورٹریٹ، طغرا کی نقاشی تمام قسم کے کام یہاں پر ارزاں اور مقابلتاً اعلیٰ ہوتے ہیں۔

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار حیدرآباد

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور قدیم رسائل و اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو

کاشانہ باز

ملاحظہ کیجئے

"کاشانہ باز" بازار گھاٹی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	کارٹون اور مخالفت	از مدیر	۴
۲	موسیقی	از جناب عبدالقیوم خانصاحب باقی بی اے (علیگ) ریٹائرڈ اسسٹنٹ	۷
۳	قتل گاہ (افسانہ)	از مرزا انشن (دکھنایہ)	۹
۴	کھیل کا ملنہ	از جناب سید صاحب حسینی صاحب (دکھنایہ)	۱۲
۵	لیڈر	- - - - - -	۱۴
۶	حدیث الیوم	- - - - - -	۱۵
۷	غریب ہستی (نظم)	از جناب قاضی (ارام) عثمانیہ	
۸	معلومات	- - - - - -	۱۶
۹	جمال الدین افغانی	از جناب سید ہاراس صاحب بی اے (علیگ)	۱۸
۱۰	نفسیات اطفال	از جناب یسین حیدرآبادی	۲۱
۱۱	چھوٹے ہتیار	از جناب کیپٹن اعجاز علی صاحب شہرت	۲۴

شادیوں کیلئے

زبردست پارچہ کا اسٹاک ہر قسم کا موجود ہے کیوں؟ اس لیے کہ برسوں سے ہم شادی کا سامان ایک بجٹ فراہم کرکے بیچتے ہیں

آر آر گوپال کلاتھ مرچنٹ

علاؤالدین بلڈنگ تپھر گٹی

حیدرآباد

فون نمبر ۵۷۶ تار کا پتہ "کلاتھ"

ضرورت ہے

جریدہ جس کار کے لیے اضلاع میں ایجنٹوں اور ایجنٹ کی معاوضہ معقول دیا جائیگا۔ منیجر

دی ایڈیل ڈیمکریٹک انشورنس ایڈمارٹیگیج لون لمیٹڈ ہے

اس کی پالیسی ہر شخص کے استطاعت اور ضرورت پر پوری اترتی ہے بے انتہا ارزان

پورے ایجنٹوں کی ضرورت ہے معاوضہ معقول اس کے علاوہ پروریڈنٹ اور مفت انشورنس دیا جائیگا صرف باثر اور معزز لوگ درخواست بھیجیں

مرزا جاوید بیگ نمبر ۶۹۷ سانچہ توپ حیدرآباد دکن

کارٹون صحافت

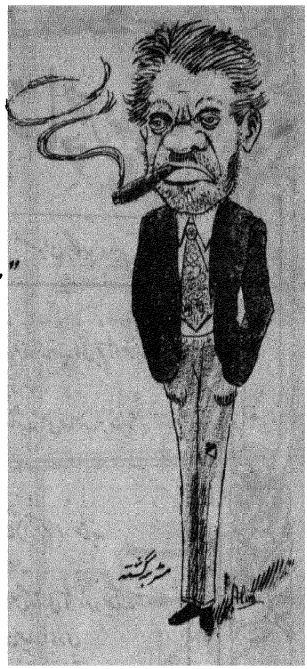
"ہندوستانی صحافت میں کارٹون"

(۴)

"اب کی اس مضمون کے دو حصے شائع ہوئے ہیں جس میں ہم نے کارٹون اور صحافت" کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس جدید فوٹو گرافی کاری سے کام لیا گیا ہے اور موجودہ صحافت میں اس نے کسقدر اہم جگہ حاصل کر لی ہے، چنانچہ اوہ ایک قسط میں مضمون کو ختم کر دینے کا تھا لیکن چونکہ یہ مضمون پہلی دفعہ ہمارے خانہ ان میں منتقل ہو رہا ہے، اس لئے اعادہ صاحت سے لکھنا ناگزیر معلوم ہوتا ہوا، تو اس مضمون میں طوالت پیدا ہوگئی ہم چاہتے تھے کہ دوسری قسط میں اسکو ختم کر دیں لیکن مضمون کے تشنہ رہ جانیکا اندیشہ تھا اسلئے ایک قسط کا مضمون چھ قسطوں تک دست پا گیا، ہمیں امید ہے کہ اس تاخیر کو معاف کیا جائیگا۔" "مدیر"

ہندوستان کی صحافت کی اصلی تاریخ صرف پچاس سال کی ہے، اس کی ابتدا درحقیقت مغلوں میں اس وقت ہوئی ہے جبکہ کمپنی نے تجارت کو خیرباد کہکر تہشاہیت کا چولا بدلا، اور سب سے پہلے صحافت انگریزی زبان میں ہوئی ہم اپنے موجودہ موضوع میں اتنی وسعت نہیں پاتے کہ ہندوستانی صحافت کی تاریخ ایک سرسری نظر بھی ڈالیں لیکن اسلئے مجبوراً صرف کارٹون کی حد تک چند باتوں کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ کارٹون بحیثیت مدد صحافت کی حالیہ ایجاد ہے جسکی انقلاب فرانس اور انگلش آزادی امریکہ سے اس کا آغاز صحافت میں ہوتا ہے ہم اس بحث کو آئندہ مضمون کے لئے چھوڑ کر فی الحال ہندوستان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہندوستان کے اخبارات کو لیتے ہیں، ان میں سلسلہ تاریخی کے لحاظ سے انگلو انڈین اخبارات آتے ہیں اسکے بعد ہندوستانی انگریزی جرائد۔

انگریزی اخباروں میں کلکتہ کا انگلشمین جو بعد میں چلکر اسٹیٹسمین بن گیا اور بمبئی کا ٹائمز آف انڈیا انگلو انڈین اخبارات میں نمایاں ہیں، اسکے بعد پائنیر الہ آباد کا درجہ ہے۔ ان اخباروں نے کارٹون کے ذریعہ سے جو کام کیا ہے وہ برطانوی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتا ہے، انہوں نے ابتدا ہی سے اپنی پالیسی تہشاہیت برطانیہ کے مفاد اس کی ترقی اور استحکام کے لئے وقف کر دی تھی اور ان کے کارٹون بھی ان کی اس ذہنیت کو واضح کرتے ہیں۔ ہم اس خیال گی وضاحت کے لئے صرف ٹائمز کو پیش کرینگے جس کے ذریعہ پوری انگلو انڈین صحافت سمجھ میں آجائیگی۔ جو لوگ ٹائمز آف انڈیا کے بقائر مطالعہ کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ اس اردو زبان اشاعت اور ہفتہ وار جریدہ کس رنگ کا



ہے مختصر الفاظ میں جو رائیں یہ اخبار اپنے صحافتی رنگ میں پیش کرتا ہے وہ یہ ہیں کہ وہ محض اہل یورپ کی تہذیبی فوقیت اور تمدن کا آئینہ بردار رہے اور اپنا مخالف صرف اہل یورپ بالخصوص انگلو انڈین اشخاص رکھنا ہے۔ اس کو صرف وہی چیزیں ہندوستان میں اچھی آتی ہیں جو انگلو انڈین ذہنیت کے محافظ ہے اچھی ہیں یا جو تہشاہیت کے مقصد کی حد تک مفید ہوں ہندوستان اس کی نظر میں ابھی وہی ہے جو آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے نو وارد انگریزوں کی نظر میں تھا، ابھی یہاں وحشی، نیم برہنہ، توہم پرست اور جاہل انسان رہتے ہیں جن کی سب سے بڑی تمنا کسی صاحب کا بٹلر بن جانا ہوتی ہے اس ذہنیت کو وہ اپنے اشتہارات ہندوستان کی تصاویر اور ہر چیز میں ظاہر کرتا ہے۔ اشتہار دیکھو تو اسمیں کوکو، چار، کافی یا اولٹین، ایک ہندوستانی بٹلر صاحب کو پیش کر رہا ہے۔ خراب کی کشتی بٹلر کے ہاتھ میں ہے۔ صاحب پولو یا گولف سے تھک کر واپس آئے ہیں ہمیم صاحب سامنے بیٹھی ہوئی ہیں۔ کافی کے درخت اور چار کے میدان میں کالی بدصورت اور وحشی عورتیں کام کر رہی ہیں۔ ہفتہ وار کی تصویر بھی اسی انداز کی ہوتی ہیں۔ ایک بیڈ ول مارواڑی اپنے بھینگے کو پھیلائے بیٹھی ہے۔ بدصورت انسان پولے کو جا رہے ہیں جو ہر دیکھئے وحشت، جہالت اور غربت کا بول بالا ہے۔

"ہندو مسلم اتحاد"

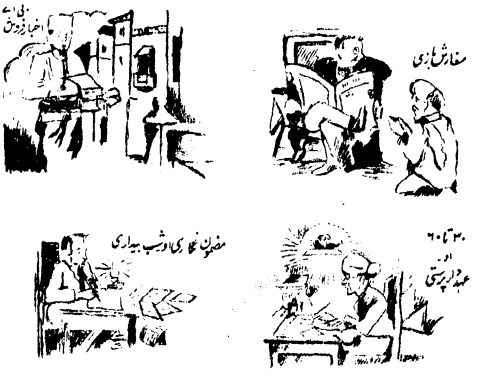


اسکے ساتھ ٹائمز ہفتہ وار کی لوح دیکھیے جس میں ہندوستانی امراء کی شان عیش و عشرت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ غضب یہ ہے کہ شہنشاہ شاہ جہاں کی موت کی تصویر بھی اس طرح بتائی جاتی ہے کہ اس غریب قریب المرگ شہنشاہ کی دولت طلبی کا یہ عالم ہے کہ مرتے وقت بھی زر و جواہر دیکھ رہا ہے اور اس کی پشت کو جو حسین لڑکی سہارا دے رہی ہے وہ نقرئی جامہ پہنے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جس قدر بھی اس معقول عام جریدے کو مطالعہ کیجیے ہم کو اس ذہنیت کا پتہ چلے گا جسکی نظر میں ہندوستان نیم وحشی انسانی آبادی کا مرکز ہے جس پر یوروپ کی اعلیٰ تہذیب کا ظل عاطفت لازمی ہے۔ ٹائمز کے کارٹون بہت کم ہندوستان سے بحث کرتے ہیں، اکثر لو (LOW) یا کسی اور بڑے مغربی کارٹون ساز کے کارٹون ہوا کرتے ہیں جن میں کسی نہ کسی مغربی سیاسی مسئلہ کو وضع کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک خاص مسلسل کارٹون "پاپ" کا بھی آتا ہے جس کا ذکر ہم نے گزشتہ مضمون میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک بار "گنا پرچہ" کا کارٹون بھی آتا ہے البتہ ایک چیز اس میں بھی سوچنے کے قابل ہے۔ ٹائمز نے ینگ فولکس لیگ YOUNG FOLKS LEAGUE کے نام سے ایک عالمگیر برادری قائم کی ہے جو اپنے مقصد کے لحاظ سے بہت ہی مفید اور کارآمد تحریک ہے۔ آئندہ دنیا ایک مرکز پر اسی وقت مجتمع ہو سکتی ہے جب کہ نوالی نسل کو رنگ و قوم کی قید سے نکل کر انسانی برادری کے محبت آمیز درس دیے جائیں اس حد تک تو ہم اس تحریک کے بہت موید ہیں لیکن اس لیگ میں ہندوستان کے نوخیز کی شرکت کا ہو وہ صورت نہایت زہریلا اثر رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ پہلے ہی سے ہماری آنیوالی نسل کو EVERYTHING BRITISH (ہر خوبی انگریزی چیز) کا خوگر بن جانا پڑیگا۔ دوسرے جو زمانہ ہماری نوجوانی اور تحصیل کا ہے، اس کو وہ انگریزی زبان کی تحصیل میں ضائع کر دیگا جس زہریلی تعلیم کے اثرات سے نیا ہندوستان بار بار گلا گشش کر رہا ہے، اسی تعلیم کو یہ عالمی شاخ کی لیگ از سر نو مسلط کر رہی ہے۔ خیر ہماری بحث ٹائمز کے کارٹون سے ہے [illegible] کے مضامین میں ٹڑ پڑ پچ کے کارٹون بیکلاف AUNTY PEGGY بڑھاپے کی وحشت بھی دکھائی جاتی ہے، مثلاً دیا سلائی کی ڈبیوں سے اب بنانا وغیرہ۔

یہاں تک تو انگلو انڈین اخبارات سے بحث رہی اب ہم ہندوستانی انگریزی اخبارات پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصراً اس پر بحث کرتے ہیں۔ یوں تو ہندوستانی اخبارات میں ابھی وہ صحافتی وسعت نہیں پیدا ہوئی جس کے دوستی میں اور پرنکہ سرمایہ کی فراوانی سے ہمیشہ سابقہ پڑتا ہے اسلئے ایک اس میں حسن کارانہ تعیش بہت کم ہے۔ اسی تناسب سے کارٹون سازی بھی انگلو انڈین اخبارات کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے! کارٹون کا رواج ہندوستانی انگریزی اخباروں میں ضرور ہے لیکن وہ ابھی اس معیار کا نہیں ہے۔ البتہ قومی تحریک کے شباب کے سبب اسمیں ایک قسم کی جان پڑ گئی ہے اور اسی طلب کا نتیجہ ہے کہ ایک آدھ کارٹونسٹ صلاحیت رکھنے والا نظر آنے لگا ہے۔ اسمیں "آئی" کارٹون ساز قابل ذکر ہے۔ ایک کارٹون ساز میں دو خصوصیات چاہئیں! ایک یہ کہ اس میں حسن کارانہ مہارت ہو، دوسرے اسکے دماغ میں ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو مبالغہ آمیز خطوط کے ذریعہ ناظر تک پہنچا سکے۔ دونوں خصوصیات آئی میں موجود ہیں۔ یہ اپنے مضمون پر حاوی ہے، اور قلم میں مہارت رکھتا ہے۔ اسکے صرف دو کارٹون کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ایک کارٹون میں اس نے مولانا شوکت علی کا تمون بتایا ہے۔ ایک جلسہ میں مولانا جاتے ہیں جہاں ہندو مسلم اتحاد کی بحث ہوتی ہے۔ آپ کے ابتدائی الفاظ یہ ہوتے ہیں "میں یہاں صلح اور اتحاد کے لئے آیا ہوں" اور جب بحث میں آپ کو اختلاف پیدا ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں "آپکی صلح جہنم میں جائے" اور ڈنڈ بجائے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آئی کے کارٹون میں ایک بڑا اچھا ہے، اسمیں مولانا شوکت علی کی تصویر ہے

دفتر گردی اور آزادی





دو اور کارٹون آیا کرتے ہیں وہ ایک تو خوبصورت کے کارٹون دوسرے دو بھتنوں کے کارٹون۔ پہلے کارٹون میں بچے بچوں کے لئے لطائف ہوتے ہیں دوسرے کے ذریعہ بچوں کی اچھی خاصی تائید

جب پہلے سمندر میں غوطہ لگا کر ان عالیشان جہازوں کو جلا لگاتے ہیں نہ جس بندرگاہ پر یہ جہاز کھڑے ہوتے ہیں، اسکے نزدیک ہی یہ ماہر بھی ہوں۔



جس پر صبیح کا اوتار لکھا ہوا ہے نیچے شوکت علی، وجدان مجیم کو ڈبڈباتے ہوئے جارہے ہیں اور اُنکی زبان پر وہی تبسم کے الفاظ ہیں۔ نیچے لکھا ہوا ہے کہ "آخر دونوں میں شوکت علی کون ہے" ہم کو اسکے سیاسی مقصد سے بحث نہیں۔ دیکھنا یہ کہ کارٹون سازنے اپنے نقطۂ نظر کو کس کامیابی کیساتھ ظاہر کیا ہے، کاش اگر کسی طبقہ میں آج سے ایک سال پہلے شوکت علی کو جس نظر سے دیکھا جاتا تھا یہ اس کا آئینہ ہے۔ دوسرا کارٹون گاندھی جی کی حالیہ گرفتاری کے متعلق ہے، اس میں دیسرائے بھادر، گاندھی جی کو جیل کے اندر بند کر رہے ہیں، اور پیچھے پیٹ کر جو دیکھنے میں تو لاکھوں کا بانی کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کارٹون کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی جاندار قومی تحریک کی شخصیت کو قید کیا جاسکتا ہے، لیکن اسکی روح انسانی دسترس سے باہر ہے جس کو حسرت نے اس شعر میں ادا کیا ہے

روح آزاد ہے خیال آزاد
جسم حسرت کی قید ہے بیکار

اب ہم ہندوستانی زبانوں کی صحافت کیطرف رُخ کرتے ہیں۔ یہاں پر ہم کو اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سوائے اُردو کے باقی ہندوستانی زبانوں سے ہماری ناواقفیت اس مضمون میں مواد فراہم کرنے سے مانع ہے۔ جہانتک ہمارے معلومات کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں، اور افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ اردو زبان اس فن میں تقریباً کسر سے پیچھے ہے۔ بنگالی، ہندی اور مرہٹی کی صحافت میں کارٹون سازی نے کافی ترقی کی ہے، اور نوادر مضحکہ اور گنجری صحافت بھی اور قدر بڑھی ہوئی ہے، مثال کے طور پر ہم اس اشاعت میں کمیت (ڈکشٹ) حیدرآبادی کا کارٹون سازگار کا کارٹون دے رہے ہیں، وہ ایک مکھڑی پر پیٹ "تیار کرنا ٹک" سے لیا گیا ہے جو ایک معمولی شہر وہاں دار اثر کے متعلق ہے۔

اُردو صحافت میں کارٹون سازی سب سے پہلے، شاید اودھ پنچ کے ذریعہ منظر عام پر آئی، اسکے بعد دو سرے پرچوں میں بھی گاہ گاہ کچھ بہت نمونے دیکھائی دیتے رہے، "اجمل یاست دہلی" نیز کچھ خیال اور بعض ایسے ہی صور "بڑے" اسی انداز سے کارٹون سازی کی تخلیق کر رہے ہیں جس انداز سے وہ مصوری کو کیلنڈر کی سرخی تصویر یا تیل کی شیشیوں کے سہل نمونوں کو حسن کاری کے نام سے فروخت کر رہے ہیں۔ اسکے کارٹون میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ مہارت اور دماغ الگ الگ ہیں جن میں تعاون اور ہم آہنگی نام کو نہیں ہے، حالانکہ اس فن کیلئے یہ دونوں چیزیں یکجا شخصیت کے فروغ انشگفت میں کمیت وہوی کے کارٹون اس خصوص میں بہت شہرت رکھتے ہیں لیکن یہاں بھی وہی عیب نمایاں ہے۔ کارٹون کو دیکھنے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے خیالات کو کرایہ کا ہم قلم صفحۂ قرطاس پر لارہا ہے اور اسکے مفہوم کو بجائے خطوط کے تحریر کے ذریعہ واضح کیا جارہا ہے، کارٹون وہی ہوسکتا ہے جو بلا واسطہ اپنے مفہوم کو مخصص عن کاری سے ادا کرے۔

حیدرآبادی صحافت یوں بھی ابجد میں ہے اسکی زندگی مشقی مضمون میں دور شمالی کی شعاعوں کی پرورش ہارہی ہے۔ یہاں پر کارٹون سازی کیلئے ابتک بہت کم توجہ کیگئی۔ ہمارا ابتک خیال ہے اس خصوص میں سب سے پہلا شخص حیدرآباد کے مشہور اخبار "خنجر" نے اٹھایا۔ اسکے بعد اس ایک دو شخصیتوں کا کارٹون اور چند نفیس مالی وغیرہ کی آئی ہیں جن کو صحیح معنوں میں کارٹون کہا جاسکتا ہے یہ ہمارا کوئی بھی جس وقت انگلستان جارہے تھے تو "خنجر" نے ایک کارٹون شائع کیا تھا کہ ہوا کا ایک قدم ہندوستان پر ہے اور دوسرا انگلستان کیطرف ہوا کا سایہ انگلستان پر پڑ رہا ہے جسکے نیچے فی الیکا یہ شعر تھا

ہے یہاں تنگا دو عالم پاؤں اپنا ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

اس کارٹون میں ایک عمر تناک پیش گوئی بھی نہاں ہے! ہم اس مسئلہ کو ختم کرتے ہوئے بعض حیدرآبادی کارٹونسٹ جو شہر حیدرآباد میں آئے ہیں ان کا ذکر از راہ قدر دانی کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ حیدرآبادی اردو صحافت کے مستقبل پر اس خصوص میں روشنی پڑ سکے۔ سب سے پہلے حیدرآباد کے مشہور حسن کار مرشد عبدالقیوم نے آتے ہیں جنکی خداداد قابلیتوں کے اظہار کا بھی ابتک بہت کم موقع ملا ہے۔ ان کا ایک کارٹون ہندو مسلم اتحاد کے نام سے آرہا ہے ایک اس مضمون پر علاوہ ان کارٹون کے جو میں ابتک اس کارٹون کے حسن کار نے جس انداز سے دلی اور دکھن کی تسخیر کا تبسم سے بدل دیا ہے وہ اپنی مثال ہے۔ دوسرے کارٹونسٹ مشہور کمیت ہیں جنکے کارٹون بڑی اور نمونی صحافت میں اکثر چھپا کرتے ہیں اور بہت حیرت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں مثال کے طور پر تقسیم بانٹہ بیکاری اور اسکے علاج کے متعلق ایک چھوٹا نمونہ ہماری اشاعت میں دیا جارہا ہے۔ تیسرے کارٹونسٹ مشر علیم الدین ہیں، یہ جامعہ عثمانیہ کے سابق طالبعلم ہیں۔ ابتک صرف ایک کارٹون اودیچ میں ہندو مسلم اتحاد کے نام سے چھپا ہے جس میں مسلم ملا اور ہندو پنڈت کے درمیان ہندوستان کی بگڑی حرام ہو رہی ہے۔ بس نوجوان حسن کار کا ہونہار پن دیکھنے میں ایک تو مشر برگشتہ کا یہ کارٹون جس میں قول و عمل میں تضاد دکھایا گیا ہے اور دوسرے ہنسنے والے کی ہنسی اڑائی گئی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہر دو کارٹون مشر برگشتہ سے اتفاق رکھتے ہوئے بھی انہی جان پہل سے طرف اٹھائے گئے ہیں۔ مشر کارٹون تحریک نوجوان کے متعلق ہے ایک اور کارٹونسٹ ہمارے پاس اس وقت سے تعلق رکھتے ہیں جب سے کہ کارٹون کا مضمون شروع ہوا ہے مشر سعید ایک بھی قابلیت کے نوجوان ہیں اور ہمیں

یہ مضمون ہمارے ایک دوست کے ذریعہ سے ہمیں ملا ہے جو ہندوستان کے ایک مشہور کارٹونسٹ ہیں۔ ہم ان کا نام ظاہر کرنے سے معذور ہیں۔ ۱۲

حُسن کاری اور ہندوستانی موسیقی

(۴)

"راگ راگنیوں کے تخیلی مرقعوں کا بیان طول ہو رہا ہے لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم کم از کم نہ ہمت ہتے چھ راگ اور راگنیوں کے متعلق تفصیل کو تمام کریں اس لیے بھی کہ حُسن کاری کی حد تک یہی خاص ہیں۔"

شری راگ

بھیرووں کے بعد دوسرا راگ، شری راگ کھلاتا ہے۔ اس کی تخلیق بھی مہادیو کے سر (۱) سے ہوئی ہے۔ اس کا رُخ مشرق کی طرف ہے۔ اس کے گانے بجانے کا وقت شام کے (۶) بجے اور (۹) بجے کے درمیان ہے۔ اس کی تصویر ایک مرد کی ہے جو سُرخ لباس میں ملبوس ہے، جو بھاری موتی اور ہیرے کا ہار پہنے ہوئے ہے۔ اور کانوں میں بھی اسی کے بندے ہیں۔ وہ ایک شاہی چبوترے پر بیٹھا ہوا اور اُس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت کنول ہے۔ جس میں اُس کی حسین بیوی کا خوبصورت عکس جھلک رہا ہے۔ سامنے اس کی ایک محبوبہ مٹھیاں ہوئی بین کے مستانہ سُر چھیڑ رہی ہے اور یہ عالم محویت میں غرق ہو کر اس کے دلربا نغموں کو سُن رہا ہے۔ ایک فن کار لکھتا ہے۔

"شری راگ ہندوستانی موسیقی کی دنیا میں مشہور ہے، وہ انہی پریوں کے ساتھ کھیلتا، اپنے خوشنما بازوؤں سے عورہ تمامہ پھول چنتا ہے۔ اس کی رومانی آوازیں اسی طرز نشست اس کے جسم کی دلفریب حرکتوں سے، گویا نمایاں ہو رہی ہے۔"

شری راگ کی پانچ راگنیاں ہیں۔ بسنت، مالکوس، اساوری، ماردا، دھناسری۔

اساوری پری ۔ اللہ اللہ، جب حُسن کار موسیقی نے مرد کو یہ شاندار تخیلی مرقعہ عطا کیا ہے تو مصنف نازک کی تصویر کس نزاکت اور دلفریبی سے کھینچی ہوگی۔ اے ناظر آ۔ ان محو شان ناز کے جھرمٹ میں ہم اساوری پری کو جہاں تک تولیں، دیکھیں وہ کس انداز سے اپنے دلنواز نغموں کو صنعت فطرت کی نذر کر رہی ہے۔ آہا، یہ تو ایک گوگن کے رُوپ میں ہے، واہ وہی حسین گوگن، وہ گوگن ہے جس حسن اور نغمے کا پیارا سنگم! دیکھو اس نغمے کی خوشنما تفصیل کے اندر ایک چھوٹی سی جھیل ہے۔ اس کے درمیان ایک ٹیلا ہے جس پر صندل کا درخت اگا ہوا ہے۔ یہ پیڑ طنبورہ پاؤں پر پاؤں رکھے، ایک گھٹنے کو سیدھا رکھے بیٹھی ہے۔ آہ کیا دلفریب اور کیسی حسین شکل ہے۔ شباب ابھی گدرایا ہوا ہے اور اس کے گلابی جوڑے سے جھلک رہا ہے۔ صندل کی نازک گھنی اور خوشبودار ڈالیاں اس کے سر کی طرف جھکی ہوئیں، اس کے پیکر نازنین کو آفتاب کی شعاعوں سے بچا رہی ہیں۔ سیاہ اور گھنے بال ایک جوڑے کی شکل میں سر پر بندھے ہیں۔ سفید پیشانی پر پوجا کا ایک سفید کا فوری ٹیکا لگا ہوا ہے۔ اُن نظر فریب غزالی آنکھوں میں شباب کی مستی اور نغمے کا خمار کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ دیکھنا اس کے لب لعلیں کس انداز سے شہنائی کے بوسے لے رہے ہیں۔ اور اس خوش قسمت باجے سے کتنی دلفریب اور سُہانی آواز نکل رہی ہے۔ آہ، سانپ، ہرن اور مور تک مبہوت ہو گئے اور اس کے اطراف کھڑے ہوئے اس کے یہ دلربا نغمے گوش زد کر رہے ہیں۔

مالکوس راگ ۔ ناظر ادھر آ۔ اور اس نوجوان سپاہی کے شاہانہ انداز دیکھ۔ یہ مالکوس راگ ہے۔

لباس آسمانی، ایک ہاتھ میں اپنے دشمن کا سر، دوسرے ہاتھ میں ننگی تلوار، ایک حسین فاتح کی یادگار تصویر ہے، آنکھیں خمار آلود، اور چہرہ فروغ حسن سے تمتما رہا ہے۔ پیچھے کی طرف آسمان کی وسیع فضا میں کہیں دو نازنینان گل اندام نغمہ طرازیاں کر رہی ہیں۔ ہوا کی لپیٹ کے ساتھ ستاروں کی موہنیں گھوم گھوم کر ا رہی ہیں اور یہ اس بہادر نوجوان کے جذبات کو بھڑکا رہی ہیں۔ اسکے دونوں جانب دو بڑے مور پیل استادہ ہیں جو اسکی شاہانہ شوکت کے نشاندار ہیں۔ پاؤں کے قریب ایک غریب سپاہی اپنا رومال بچھا رہا ہے تاکہ راج کنور اپنے نرم پاؤں اس پر رکھکر قدم بڑھائے۔

وہ دیکھ، پانچ پریوں کا ایک جھرمٹ نظر آیا۔ وہ کون ہیں۔ مسلمہاوتی، کنکلی، ٹوڈی، دیپکی۔ اور کوکب ہیں۔ ان میں سے ایک شوخ نازنین اٹھلاتی آ رہی ہے۔ آ۔ ذرا اس کے رخسار جہانتاب کا نظارہ تو کریں۔

ٹوڈی پری ۔ آہا، کیا اُمنگ جوانی اور کتنا مچلتا شباب ہے۔ لباس سفید اور بہری لیس سے مُنڈھا ہے۔ پیشانی پر زعفران اور کافور کا ٹیکا آفتاب کو شرما رہا ہے۔ وہ دیکھنا بڑھتے دن کی سُہانی فضا میں، وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ آئی، اور اس گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئی ہے۔ کتنا پیارا جنگل ہے، اور کتنی حسین فضا ہے۔ اے لو، اس نے بین بجانا شروع کیا۔ دیکھنا نغمے کے اثر سے اس کا خون تک جوش کھا رہا ہے اور گلابی رخساروں کی مُرخ تمتماہٹ اس کے حسن کو کس قدر دلکش بنا رہی ہے۔ اس کی سیاہ آنکھیں خوشرنگی پھوٹتی ہوئی کرنوں کو اپنے اندر جذب کر رہی ہیں۔ آہ کیا دلفریب منظر ہے کہ جنگل کے نازنینان کبک رفتار یعنی آہوان صحرا بھی اس سے آنکھیں ملائے حسن اور نغمے کے نہر لوٹ رہی ہیں!

ہنڈول راگ ۔ (یہ راگ مہادیو کے شمالی مُنہ سے پیدا ہوا ہے۔ مارچ اور اپریل کے مہینے اور سہ پہر رات کو گایا جاتا ہے پانچ سُروں کا راگ ہے)۔

آیئے، کرشن کنہیا۔ آپ نے آج یہ روپ لیا

اسکی پیدائش مہادیو کی بیوی پاربتی سے ہوئی ہے۔ اسکے گانے کا موسم جنوری اور فروری آدھی رات گئے ہے۔ یہ پہلے پہر دن تھا جس سات سُر کا تھا، اب اوڈو ہو گیا یعنی پانچ کوں سُروں کا رہ جاتا ہے۔

ہے کیوں نہوں آپ محبت کے دیوتا ہیں اور محبت کے دیوتاؤں کا سیج صحیح ایسا ہی ہونا چاہیئے ۔ اے لو ۔ وہ تو ہنڈولے پر بیٹھ گئے ۔ بالکل اپنے نازک لبوں سے لگائی ہوائوں پر پاؤں ڈالکر لگے جھولنے اور پریاں گانے سنانے ۔ سبحان اللہ ۔ جھولے کے اطراف کتنی گل اندام پریاں کھڑی تال اور وزن کے ساتھ اس کو ہلا رہی ہیں ۔ انہیاں کی متوالی آنکھوں میں عشق اور مسرت کی لہریں دوڑ رہی ہیں ، کاکل مشکیں کسی دلکش ادا سے سر اور پیشانی کے بوسے لے رہے ہیں ۔ خطرت کی عاشق مزاجی دیکھو کہ قوس قزح کی رنگین لہروں کی شکل میں وہ اپنے قامت دلکش بھیجتی اور اس حسین جھرمٹ کے نورانی ہواؤں کو ان کے ذریعے لوٹتی ہے ۔ آہ ۔ فضا کی کتنی رنگین لہریں ان حسین سہیلیوں کے رخسار کو چوم رہی ہیں ۔ زیور بھی محبت جگمگا کر چومنے پر مامور ہے کا کام کر رہا ہے ۔ آہ ۔ انکی زندگی کتنی رنگین اور ان کے وقت کی گھڑیاں کیسے طلسم ہوش ربا و العجب مشاغل میں کٹتی ہیں ۔

کرشن کنہیا کی پانچ حسین پریاں ہیں ۔ للت ، دیوساکھ ، پشٹ منجری ، رام کلی ، بلاوتی ۔ ناظر پہلے آؤ للت پریمی کے حریم ناز کا درشن کر لیں ۔

للت پریمی ۔ چشم بددور ، کتنا وسیع ، کتنا عمیق اور کتنا شہلا کمرہ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دور کی کنگرہ دار کمانیں اپنے پر قوس ایک نقطے پر ہوئی طرفی ہیں ۔ دور ایک خوشنما بگولہ نظر آرہی ہے ۔ دیکھنا اس بلوروں جھری سیج کے پلنگ پر کون بیٹھا ہے ۔ لمبا نازنین بیٹھی ہے ۔ یہی للت پری ہے ، جس کا حور فریب چہرہ جانہ کو بھی شرما رہا ہے ۔ رنگ کس قدر شفاف اور سفید ہے ۔ اور اس پر جگہ جگہ گلابی جھلکیاں نظر آرہی ہیں ۔ ہاتھ گلے میں جڑاؤ زیور ، بالوں میں پھول گندھے ہوئے ، کس انداز سے تکیہ کا ٹیکا لگائے بیٹھی ہے ۔ سر کے پیچھے خوشنما ماتھ تکیہ کا کام دے رہا ہے ۔ اس طرز نشست میں ہزار نغمہ فرمائیاں اور اس انداز دلفریبی میں عیش و نشاط کی سینکڑوں گدگدیاں موجود ہیں ۔ آہ ، یہ انچل ہے یا قوس قزح کی شبنمی لہریں ۔ ساڑی کے ہر شکن ، پلنگ اور اس کی حسن کاریوں سے ہوا ، یاقوت ، لعل ، زمرد کی ہزاروں جھلکیاں شعاعوں کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آرہی ہیں ۔ یہ پیکر گل اندام ہے یا سانچے میں ڈھلی ہوئی موتیوں کی مورت ۔ دیکھنا خادمہ کس انداز سے پھولوں کا ہار لئے ہوئے اپنی حسین ملکہ کے چہرے کی پرتپش کر رہی ہے ۔ کمبخت یہ بھی حسن و ادا میں اس سے کم نہیں ۔ آفتاب ہے تو یہ ماہتاب ۔

وریک راگ ۔ ناظر ، اب ذرا کلیجہ تھام لو ، تم کو اس جنت کی فضاؤں سے نکلکر جلال و جبروت کے گرم اور جوشیلے نظارے دیکھنے ہونگے ۔ آہ ، کل قدر گرما گرم ہوائیں چل رہی ہیں ، ہر طرف چراغ جل رہے ہیں شاید یہ وریک راگ کا دربار ہے جو بہادیوی کے مشرقی نما منظر سے پیدا ہوا ہے ۔ اس دربار میں وقت اور اداکی پابندی کرنی لازمی ہے ، اگر ایسا ہو تو وریک راگ کی کرامتیں نور آگاہی ہو جائینگی اور فطرت کا سینہ گرم ہو کر حدت میں سے چراغ روشن ہو جائینگے ۔ وہ دیکھو لکھا ہے ۔ "پچھلے موسم گرما میں مغرب کے وقت گاؤ جبکہ چراغ سویرے پڑے ہوں اور رات کی سیاہی دن کی شعاعوں پر غالب آرہی ہو" ۔ کتنا پر جلال فرمان ہے ۔ فرمجھو دوسری صبح پر لکھا ہے ۔ "میاں تان سین نے یہ راگ روح کو موہ لیا ۔ گانا مجھے دیکھ کر گانا ورنہ جلکر خاک ہو جاؤ گے" ۔ یہ وہ فرمان ہے جس کے آگے دنیا کے سارے قوال کان پکڑتے اور اس کی تعلیم کرتے ہیں ۔ اچھا چلو ۔ اور سے خود وریک کو دیکھ لیں ۔ غور سے دیکھنا اس پہاڑ کے سیاہ پتھروں پر ایک نوجوان آسن مارے بیٹھا ہے ۔ اس کے نیچے موسیقار پر کھولے گرمی سے ہانپ رہا ہے ۔ اس کی چوٹی سے شعلہ نکل رہا ہے ۔ آہ ، اس کا لباس اور جسم ہے کہ جلتی ہوئی مشعل ۔ کپڑوں کا رنگ اس قدر سرخ ہے کہ رات کی سیاہی میں اس کے اندر سے آگ کی طرح شعلے نکل رہے اور فضا میں پھیل رہے ہیں ۔ بھائی گرمی سے دم گھٹ رہا ہے ، یہاں سے نسوانی دربار میں چلیں ۔ آہ ، یہاں کے مناظر بھی کسیقدر مہیب ہیں ۔ دیکھنا اس کی پانچ سہیلیاں ، کامودی ، دیپی ، کانھرہ ، کدارہ ، اور بنٹ ، دو ٹھمریاں ہیں ۔ چلو ، کانھرہ کو دیکھ آئیں ، وہاں فضا کسیقدر کشادہ و ہے ۔

کانھرہ پری ۔ ناظر ، دیکھ ۔ اس میدان میں ایک خوشنما دریا بہہ رہا ہے ۔ اسکے کنارے ایک پیکر ناز محو جلال کیسا تھ کھڑی ہے ۔ اسکے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار ، دوسرے ہاتھ میں ہاتھی دانت ہے ۔ پیشانی پر کافوری ٹیکا جگمگا رہا ہے ۔ نرگسی آنکھوں سے انتہائی غضب اور فاتحانہ غرور کے شرارے نکل رہے ہیں ۔ اسکے مقابل ایک بڑا ہاتھی سونڈیں بیٹھا ہے ، اور زمین پر بھی سونڈ گر رہا ہے ۔ یہ درحقیقت اپنے مغلوب ہونیکا اعتراف اور اپنی بیتابی و مقاومت پر پشیمان ہو رہا ہے ۔

آگے چل اب گرمی اور تپش کی تاب نہیں ۔ کہتے ہیں کہ جب موسم زیادہ گرم ہوتا ہے اور ہوا بند ہو جاتی ہے تو بارش کے آثار پیدا ہوتے ہیں ۔ شاید ایسا ہی ہوا کہ کہ اب ہم کو بارش کے دیوتا میگھ راگ کے دربار میں جانا ہے ۔

میگھ راگ ۔ واہ کیا بھاد رجوان ہے ، ہاتھ میں ننگی تلوار ، آنکھوں میں غیظ و غضب کے شرارے سر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہے ۔ وہ نہایت بلند آواز سے نعرے لگا رہا ہے اور بجلیوں کے کڑکنے بادلوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ مسخر ہو کر جلد برسنے لگ جائیں ۔ آسمان پر سیاہ بادل امنڈ آرہے ہیں ۔ بجلی تلوار کی طرح چمک کر ادھر ادھر دوڑ رہی اور اپنی تیز آواز سے وحشیان ہوا کا غلغلہ پیدا کر رہی ہے ۔ یہ لو ، ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی ، اب آندھی بھی چلنے لگی لیکن نوجوان دیوتا ہنوز اسی انداز سے کھڑا ہوا نعرے لگا رہا ہے ۔

ملھار پریمی ۔ اس دیوتا کی چھپتی اور مقبول عام پری معلوم ہے ۔ اسکا وجود نہ صرف موسیقی داں بلکہ عام طبقہ نسواں اور شوارکے لئے بھی باعث دلچسپی ہے ۔ جبکہ ساون کی گھٹا چھائی ہوئی ، امرائی میں کوئل بول رہی ہو ، ہر طرف سے ہوا کے سرد جھونکے آرہے ہوں ، اسوقت کسی بت طناز جھولوں پر بیٹھکر اس حسین پری کے گیتوں کو اپنے خوشنما گلوں سے ادا کرتے ہیں ۔ یہ زندہ جاوید ہستی گویا روح حیات اور حسن و نغمہ کا ایک زندہ کرشمہ ہے ۔

ناظر ، غور سے دیکھ ، اسکے حسن پر کسقدر ملاحت ہے ، آنچل سر سے ڈھلا ہے ، پرلے ہلکی بارش کے قطروں سے بھیگے ہوئے وہ اس پہاڑی چوٹی پر کھڑی ہوئی من جارہی ہے ۔ سر آسمان کیطرف اٹھا ہوا ہے گویا آنکھیں بارش کو دعوت دے رہی ہیں ۔ ایک ہاتھ ہوا میں بلند ہے گویا آسمان کی موجوں کو ہوائی موجوں میں محلول ڈالکر کے خوشگوار ایک چھوہارے کی بارش کی جارہی ہے ۔ اس گوشے میں درختوں کا ایک جھنڈ ہے ، انمیں کئی جھولے پڑے ہیں اور ان پر ملھار پری کی زہرہ جبین سہیلیاں اٹکھیلیاں کرتی جھولا جھول رہی ہیں ۔ غور سے سن وہ بھی اپنی ملکہ کا راگ الاپ رہی اور اپنے شیریں سروں سے فضا میں ملائمت اور دلفریبی پیدا کر رہی ہیں ۔

(افسانہ)

قتل گاہ

از

(مرزا منش)



جناب مدیر صاحب "حسن کار"

تسلیم۔ تاخیر شوہر کا قصہ پہنچنے کے بعد میں کچھ اتنا حواس باختہ ہو گئی تھی کہ آپ کو اپنے دوست کی ڈائری سے کچھ روانہ کرنا بھی آپ کا تقاضا زیادہ تھا اسلئے اپنے ایک دوست مرزا نوشہ سے ایک دوسرا واقعہ لکھوا کر روانہ کیا۔ اب اپنی صورتحال سے کچھ وقت نکالکر یہ ایک اور واقعہ بھیج رہا ہوں، جو بہت عبرت انگیز ہے۔ اس واقعہ کے پہلے اپنے دوست کی ڈائری کے واقعات کی میں مبالغہ آمیز سمجھتا تھا لیکن یہ واقعہ تو یہاں کا چشم دید ہے، اور حیدرآباد کی ساری دنیا اس سے واقف ہے۔ اس واقعہ کے بعد اپنے دوست کے ان واقعات کو میں محیر العقول سمجھتا تھا اور اپنے دل میں ان پر مضحکہ اڑاتا تھا ان کی اہلیت پر میں اب حرف نہیں لا سکتا۔ اشاللہ ائیں سے ایک واقعہ کو میں مختصر روانہ کرونگا۔

(اس قصہ کے تمام واقعات نام، مقام، عہدہ وغیرہ سب فرضی ہیں)۔ فقط

آپ کا مخلص مرزا منش

حسین ساگر کے کنارہ پر رات کے دو بجے کسی نازنین کی چیخ ہر راست چلنے والے کو متوجہ کر سکتی ہے، اور پھر جو جیسے شخص

یہ قصہ روزنامہ "منشور" کی ہفتہ اشاعت میں شایع ہوا تھا۔ "مدیر"

جناب مدیر صاحب "حسن کار"

تسلیم۔ تاخیر شوہر کا قصہ پہنچنے کے بعد میں کچھ اتنا حواس باختہ ہو گئی تھی کہ آپ کو اپنے دوست کی ڈائری سے کچھ روانہ کرنا بھی آپ کا تقاضا زیادہ تھا اسلئے اپنے ایک دوست مرزا نوشہ سے ایک دوسرا واقعہ لکھوا کر روانہ کیا۔ اب اپنی صورتحال سے کچھ وقت نکالکر یہ ایک اور واقعہ بھیج رہا ہوں، جو بہت عبرت انگیز ہے۔ اس واقعہ کے پہلے اپنے دوست کی ڈائری کے واقعات کی میں مبالغہ آمیز سمجھتا تھا لیکن یہ واقعہ تو یہاں کا چشم دید ہے، اور حیدرآباد کی ساری دنیا اس سے واقف ہے۔ اس واقعہ کے بعد اپنے دوست کے ان واقعات کو میں محیر العقول سمجھتا تھا اور اپنے دل میں ان پر مضحکہ اڑاتا تھا ان کی اہلیت پر میں اب حرف نہیں لا سکتا۔ اشاللہ ائیں سے ایک واقعہ کو میں مختصر روانہ کرونگا۔

(اس قصہ کے تمام واقعات نام، مقام، عہدہ وغیرہ سب فرضی ہیں)۔ فقط

آپ کا مخلص مرزا منش

حسین ساگر کے کنارہ پر رات کے دو بجے کسی نازنین کی چیخ ہر راست چلنے والے کو متوجہ کر سکتی ہے، اور پھر جو جیسے شخص

یہ قصہ روزنامہ "منشور" کی ہفتہ اشاعت میں شایع ہوا تھا۔ "مدیر"

کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ میں کسی کو، اور وہ بھی ایک مظلوم عورت کو مصیبت میں دیکھکر خاموش رہ جاتا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا جو بلدہ میں ٹھیرا ہوا تھا۔ "اگر وہ کی "مغلیہ تھوپہ" والے واقعہ کے بعد میری صحت پر برا اثر پڑا تھا۔

گو زہر کا اثر زائل ہو چکا تھا لیکن ابھی اس تہ خانہ کی کثیف فضا کا اثر باقی تھا جہاں پر جو میں گھنٹے میں نے بے آب و دانہ کاٹے تھے اور انتہائی تکالیف کا مقابلہ کیا تھا۔ اس وجہ سے مکان میں کچھ آرام اور سکون کے لئے آیا ہوا تھا۔ میری طبیعت بالکل سدھر گئی تھی، اور میں ایک دو روز میں کلکتہ جانے والا تھا۔ اس طویل سفر کے سلسلہ میں میرے ایک سکندرآباد کے دوست نے مجھے دعوت دی تھی۔ کھانے کے بعد کچھ گپیں ہوتی رہیں، اور جب رات کو رخصت ہونا چاہتا تھا ایک بج چکا تھا۔ میرے دوست نے مجھے وہیں ٹھیر جانے کے لئے بہت مجبور کیا اور ویسے بھی میری موٹر کچھ خراب ہو گئی تھی۔ میں نے کہا کہ مجھے کسی طرح گھر جانا چاہیئے۔ لہذا میں نے اپنے دوست کی سیکل لی اور چل کھڑا ہوا۔ نہ معلوم کیوں میں اس قدر ضدی واقع ہوا ہوں۔

غرض میں دو بجے رات کے سکندرآباد سے بلدہ واپس ہو رہا تھا۔ ابھی پلا پولس کا نا کہ پار ہی کیا تھا کہ عورت کی ایک چیخ پکار سنائی دی۔ میں پریشان ہو گیا، کہ رات کے اس وقت یہ آواز کیسی شروع ہی ہے شیطان بھوت کا میں قائل نہیں تھا۔ لہذا میں سیکل سے اتر پڑا، اور سیکل کا چراغ گل کر دیا، اور پھر سوا ہو کر آہستہ آہستہ آواز کی سمت کان لگائے بڑھنے لگا۔ چاروں طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ آسمان پر کچھ تارے تھے۔ چاند کی روشنی تالاب کی سطح پر رقص کر رہی تھی۔ عجب پُرکیف منظر تھا۔ اب کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی، اور میں چیخ پکار کو میں اتفاق محمول کرکے چلا جا رہا تھا لیکن یکایک اس سبیلی تفریح گاہ پر جو کٹہ کی عام سڑک سے اونچی بنائی گئی ہے، مجھے رک جانا پڑا۔ کیونکہ یہاں کچھ باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ اور نیچے سڑک پر ایک موٹر کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی شوفر نہیں تھا۔ موٹر کے پیچھے سیکل میں نے اس کا نمبر غور سے دیکھا اور اس کو نوٹ بھی کر لیا۔ اسکے بعد میں نے اپنی سیکل سڑک کی دوسری جانب ایک درخت سے لگا دی۔ میرے دل میں عجیب عجیب خیالات پیدا ہو رہے تھے، اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میری یہ حرکت کتنی غیر شریفانہ ہے کہ میں کسی کے راز و نیاز میں مخل ہو رہا ہوں۔ لیکن ایک نامعلوم قوت مجھے روک رہی تھی کہ میرا یہ غیر شریفانہ کردار کتنا ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہو لیکن مجھے یہاں ٹھیرنا چاہیے۔ میرے ذہن میں یہ بھی گزرا کہ ممکن ہے یہ لوگ میاں بیوی ہوں، اور تفریح کی غرض سے آئے ہوں۔ لیکن پھر مجھے ان خیالات سے تسکین ہو جاتی تھی کہ تفریح کا یہ کونسا وقت ہے، اور میاں بیوی کے لئے یہ کونسی جگہ ہے، پھر چیخ پکار کے کیا معنی۔ مجھے ٹھیرے ہوئے پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اور ان دونوں میں کچھ گفتگو کی آواز تک نہیں آ رہی تھی۔ فضا پر ایک سناٹا تھا اور میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں پریشان ہو گیا۔ پھر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ممکن ہے یہ میاں بیوی ہی ہوں! اسی خیال سے میں اپنی سیکل کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ ایک لڑکی کی آواز تحکمانہ انداز میں سنائی دی۔ "رضیہ دیکھو پندرہ منٹ ہو گئے ہیں اور ابھی تم نے اپنا جواب نہیں دیا، کیا تمہارا ارادہ ہے کہ میں نے جو کہا ہے وہ کر دکھاؤں" ہاں اگر آپ کا یہی خیال ہے تو کیجئے! بلکہ آپ کیوں اتنی تکلیف کرتے ہیں میں خود ....." عورت کے بڑبڑانے کی آواز آئی لیکن مرد نے روک لیا، اور کہنے لگا "اتنی جلدی

نہ کرو۔ زندگی سے کیوں بیزار ہو گئی ہو۔ کیا موت اتنی پیاری ہے؟" ہاں! ہاں! شریفوں کے لئے اس ذلت سے موت لاکھ درجہ بہتر ہے۔"

"تو پھر مجھ سے آئندہ کے لئے شادی کا وعدہ کرلو۔ میں تمہارے شوہر کا فیصلہ کر دیتا ہوں۔" مرد نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"شادی! کیسے! تجھ سے شادی ...!"

"اچھا، تو پھر میرے قریب آؤ۔ میں تم کو شراب پینے کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔"

"دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ تم مجھے یہاں سے فوراً لے چلو۔ میرے شوہر کا پتہ بتاؤ۔ کیا واقعی اس کو موٹر سے حادثہ ہوا ہے۔ آہ۔ ظالم تو نے دھوکا دیا ہے۔ اس کو حادثہ نہیں ہو سکتا۔"

"ارے وہ تو جہنم رسید ہو گیا۔"

"دیکھ میں آخری بار تجھ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے چھوڑ دے۔ میں جانتی ہوں کہ تو دھوکے سے مجھے یہاں لایا ہے۔ اگر میرے شوہر کو اس کا پتہ بھی چل جائے تو وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیگا۔ ارے میں تو تجھے اپنا بھائی سمجھتی تھی۔ میرے شوہر کی دوستی کا حق تو نے بہت اچھا ادا کیا۔ خیر میں اس کا ذکر نہ کرونگی، مجھے گھر پہنچا دے۔"

"اُف، مجھے ڈراتی ہے۔ میں اپنے ارادے سے کبھی باز نہیں آسکتا۔ میں نے تجھے پندرہ منٹ وقت دیا تھا، وہ گزر گئے۔ تجھے دس منٹ اور دیتا ہوں۔ اس کے بعد میرا فیصلہ قطعی۔"

"مجھے وقت کی ضرورت نہیں۔ میرا فیصلہ قطعی ہے۔"

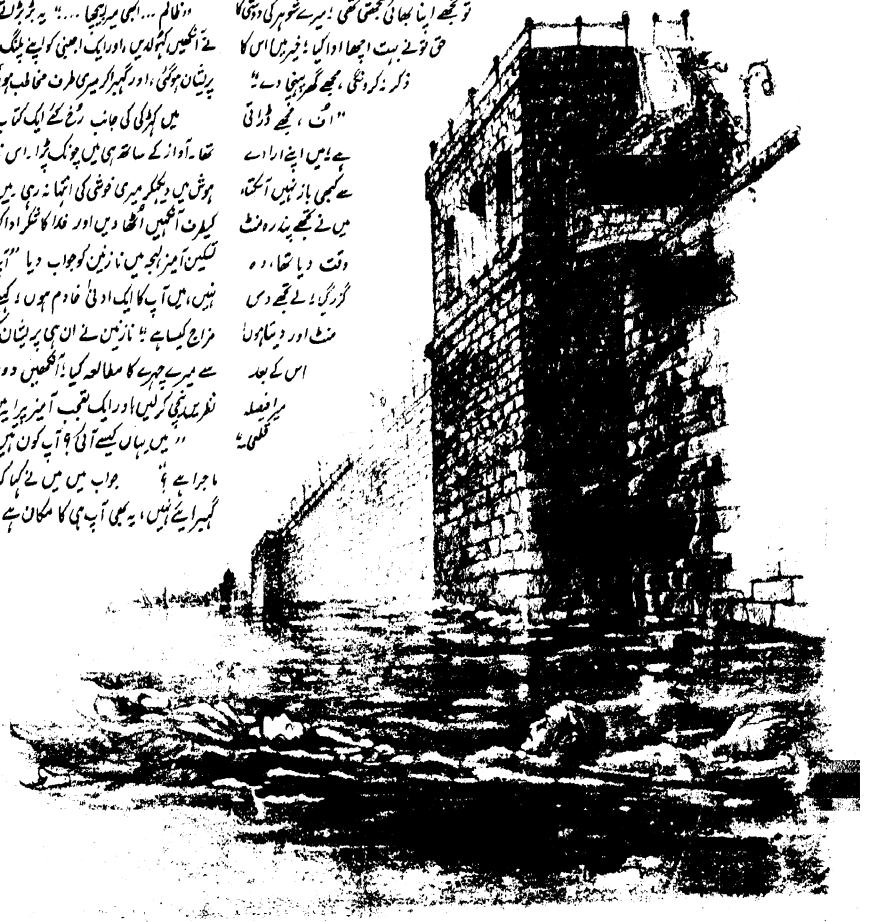
"نہیں اتنی جلدی نہ کرو۔"

نہ معلوم دس منٹ کتنی جلدی ختم ہو گئے۔ ایک چیخ فضا کو چیرتی ہوئی سنائی دی، اور کسی کے پانی میں گرنے کی آواز آئی۔ چیخ کے ساتھ ہی پولس کی آواز جنوب کے ناکہ سے سنائی دی۔ بدحواسی سے ایک شخص اوپر سے لڑکھڑاتے ہوئے اترا اور موٹر تیزی سے اسٹارٹ کر کے دیکھتے دیکھتے سکندرآباد کی طرف بجلی کیطرح روانہ ہو گیا۔

(۲)

"ظالم ... ابھی میرا پیچھا ...۔" یہ بڑبڑاتے ہوئے نازنین نے آنکھیں کھولدیں، اور ایک اجنبی کو اپنے پلنگ کے قریب دیکھکر پریشان ہو گئی، اور گھبرا کر میری طرف مخاطب ہوئی "آپ کون ہیں؟"

میں کھڑکی کی جانب رُخ کئے ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ آواز کے ساتھ ہی میں چونک پڑا۔ اس نازنین کو ہوش میں دیکھکر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے آسان کیلئے آنکھیں اُٹھا دیں اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ایک تسکین آمیز لہجہ میں نازنین کو جواب دیا "آپ گھبرائیے نہیں، میں آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں، کہئے اب آپ کا مزاج کیسا ہے؟" نازنین نے ان ہی پریشان کن نظروں سے میرے چہرے کا مطالعہ کیا۔ آنکھیں دو چار ہوتے ہی نظریں نیچی کرلیں، اور ایک تعجب آمیز لہجہ میں دریافت کیا "میں یہاں کیسے آئی؟ آپ کون ہیں؟ یہ کیا ماجرا ہے؟" جواب میں میں نے کہا کہ "آپ گھبرائیے نہیں، یہ بھی آپ ہی کا مکان ہے، میں آپ کا



خادم ہوں! آپ کے سر میں کوئی چوٹ تو نہیں آئی مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ پتھروں سے ٹکرا گئی ہوں۔ لیکن شکر ہے کہ بالی گہرا تھا۔ میں سلسلۂ کلام جاری رکھنا چاہتا تھا کہ ملازم نے صبح کا اخبار لا کر دیا۔ میں نے جلدی سے خبروں کی سرخی دیکھ کر میز پر دل دھڑکنے لگا۔ نازنین نے بھی میری متغیر حالت کو محسوس کیا۔ اور گھبرا کر کہنے لگی۔ "کیا بات ہے؟" میں نے اخبار زور سے پڑھنے لگا۔

(۱) "حسین ساگر پر ایک پراسرار قتل"
(۲) "پولس کی عقلت اور قاتل کی فراری"
(۳) "عہدہ دار پولس کا مضحکہ خیز بیان"

"حیدرآباد ۲۶ ستمبر"

سنا گیا ہے کل رات حسین ساگر پر ایک عجیب پراسرار واقعہ ہوا۔ رات کے دو بجے ایک شخص کنڈ کے دوسرے کونے پر ٹہلتا ہوا نظر آیا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد یہ شخص کیا ہوا، کہاں گیا، اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ صبح کے وقت ایک شخص نے حالت سکرات میں ہوش میں آکر ٹیلیفون کے کھمبے سے ٹکرا دیا، اور بیہوش ہو گیا۔ لیکن ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ وہی شخص ہے جس کا تعلق تھریا گاہ کے جرم سے ہے۔ اسٹے کر بولس کو ہر ممکن ٹپ بتایا تھا وہ آنجہانی ورما سے تحقیقات جاری ہے۔"

دیکھا اخبار والے بھی کیا بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں" ہنستے ہوئے نازنین کی طرف مخاطب ہوا، لیکن اس کے چہرہ پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جگمگا رہے تھے، وہ غمگین تصویر بنی ہوئی تھی۔ میرے اس جملہ پر اس نے میری طرف نظر کی "میں ڈوب کر مر جاتی تو بہتر تھا، مجھے یہ بے شرمی کو گوارا نہیں، آہ، میری جگ ہنسائی ہو گئی، میں کہیں کی نہ رہی۔" اس کی آواز بھرآئی ہوئی تھی، اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے بہت تسلی دی اور کہا "جگ ہنسائی کی کوئی بات نہیں آپ نے اپنی بھلمنسی سے ایک زندہ مثال قائم کی ہے۔ یہ معصوم رو در آنہ کتنی عصمت مآب عورتوں کی اس قسم کے مردوں کے ہاتھوں آبرو ریزی ہوتی ہے۔" نازنین پر سکوت طاری ہو گیا، اور وہ اپنے خیالات میں ڈوب گئی۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد میں نے اس سے تمام واقعات بیان کئے کہ پولس سے متعلق اخبار میں جو اطلاع دی گئی ہے وہ صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پولس کے جوان نے جو میری مدد کی ہے وہ شاید اسکاٹلینڈ یارڈ کے سوا دنیا کی کسی پولس سے مشکل سے توقع کی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد میں اس نازنین کو لیکر سید حا کوتوال صاحب کے پاس پہنچا۔ اس سے تمام واقعات بیان کر دئے، کوتوال صاحب مجھ سے ملکر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ "ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ پولس کا جوان صحیح اطلاع دے کر آپ سے لڑکی کی حفاظت کا اطمینان کر کے اس موٹر کی تلاش میں آپ [illegible] وقت روانہ ہو گیا۔ نواب صاحب غالباً بہت مست تھے [illegible] ایک لیپ پوسٹ سے موٹر ٹکرا دی اور ہر طرح ان کے خ [illegible] شکر بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ تمام باتیں معلوم ہو گئیں، ورنہ نہ معلوم مجھے اور کتنے دن حیدرآباد

میں تو تھہ کر [illegible] ہو جاتا، اس کے بعد میں نے کوتوال صاحب سے رخصت کی اجازت طلب کی، جاتے وقت کوتوال صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "حقیقت یہ ہے کہ آپ نے تو ایسا کام کیا کہ آپ کو پولس کے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا جا سکتا ہے۔"

مجھے بیساختہ ہنسی آگئی، اور ہنستے ہوئے میں نے جواب دیا "آپکی اس قدر افزائی کا شکریہ میں لئے کوتوال صاحب، اور پھر مجھ جیسے خانہ بدوش انسان کیلئے اسکی کیا ضرورت۔ البتہ جو کچھ میں نے کیا وہ تو میرا فرض تھا، اب اسکو پیشہ بنانا نہیں چاہتا۔" کوتوال صاحب نے ایک زور کا قہقہہ لگایا، اور میں بھی ہنستا ہوا رخصت ہوا۔ جاتے ہوئے میں نے مہ دار علی، و فدا رکی مُرغی کی تعارف کی اور کوتوال صاحب نے اسکو سب انسپکٹری دینے کا وعدہ کیا۔



کھیل کا فلسفہ

از

سید صائب حسینی

زمانۂ قدیم میں کھیل فرصت کے اوقات کی دلگی اور مذاق یا چھیڑ چھاڑ کا نام تھا، اور اب تک بھی ہم اس لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ میں اکثر اوقات جب کسی کا مذاق نامناسب معلوم ہوتا ہے تو بے ساختہ کہتے ہیں کہ "یہ کیا کھیل لگا رکھا ہے" یا "جناب کو کھیل سوجھا ہے" وغیرہ، اس آواز سے کان بالکل آشنا ہو چکے ہیں اور اکثر لوگوں کو یہ کہتے دیکھا ہے کہ "دیکھیل بچے کھیلا کرتے ہیں" لیکن مکتب کے ملا صاحب یا شاید کے پنڈت جی کھیل کے نام پر اتنے ناک بھوں چڑھاتے اور تیوری بدلکر استغفار پڑھتے اور لاحول بھیجتے ہیں کہ خدا کی پناہ! معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس کو پیٹ سے کتاب ہاتھ میں لیئے ہوئے اس دنیا میں تشریف لائے ہیں اسلیئے ہونہار طلبا، کو قتل ہوا اللہ میں دفن کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف پنڈت جی ساگ بھات کھانے والے برہمن لڑکوں کو صبح سے شام تک وید کے شاستر رٹا رٹا کے اور بھگوت گیتا کے اشعار سمجھا سمجھا کے دھرم راج اور کرشن اوتار بنانے کی فکر میں لگے ہیں، ایک زمانے میں یہی حال مغربی ممالک کے مذہبی پیشواؤں کا تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ شیطان جو بنی نوع انسان کا ازلی دشمن ہے کم سمجھ اور نرا عاقبت اندیش لڑکوں اور لڑکیوں کو گمراہ کرنے کے لیئے نت نئے کھیلوں کی طرف رجوع کرتا ہے، تاکہ یہ بیچارے کے راستہ سے بھٹک جائیں، اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرے اُستاد جنھوں نے مجھے کلام اللہ پڑھایا سب لڑکوں کو جمع کرکے خوف دلایا کرتے تھے کہ کنکوے بازی، گیند بلا، لون پاٹ، وغیرہ شیطان کے کھیل ہیں اور فٹ بال، ہاکی، وغیرہ کرسٹان کے، اسلیئے ہرگز نہیں کھیلنا چاہیئے۔ بھلا ہم ایسی باتیں کب سمجھنے والے تھے، ہمارے لیئے شیطان اور کرسٹان دونوں برابر تھے جو اچھا معلوم ہوا کر بیٹھے البتہ جب کبھی کھیلتے وقت مولوی صاحب کی جھلک معلوم ہوئی کہ بس فرار ہوگئے۔

کھیل زندگی کا جزو لاینفک ہے، زندہ عضویہ کی نقل و حرکت معمولی جراثیم اور کیڑوں کا پانی میں نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے اُترنا چڑھنا ایک کھیل ہے جو بقائے حیات کے لیئے لازمی ہے۔ مُرغابیوں کا سطح آب پر ایک دوسرے کا تعاقب کرنا، پانی میں کئی کئی مچھلیوں کا ایک دوسرے کے پیچھے وقت واحد میں دوڑتے پھرنا، درختوں پر بلبلوں کا چہچہاتے ہوئے ڈالی ڈالی پھرنا، کبوتروں کا اُڑنا، فلک بوس ایوانوں پر گلہریوں کا دوڑتے پھرنا یا مرغزاروں میں ہرنوں کا چھلانگیں مارنا، سب کھیل ہے۔ غرض جہاں حیات ہے وہاں کھیل ہے اور جہاں کھیل ہیں، وہاں حیات ہے۔

شیکسپیر، المانوی شاعر و فلاسفر (۱۷۵۹ء-۱۸۰۵ء) لکھتا ہے کہ "کھیل زائد توانائی کا بے مقصد استعمال ہے" شکم سیر و خوش حال شیر کا جنگل میں ڈکارنا، ہاتھی کا چنگھاڑنا، مور کا شور و غل مچانا، اور پرندوں کا گانا، سب کھیل ہے۔ شیکسپیر کا کھیل کو بے مقصد کہنا قابل اعتراض ہے لیکن اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ مندرجۂ بالا فعلیتیں کھیل ہی کی قسمیں ہیں۔

بچہ عالم فانی کی ہوا کھاتے ہی ہاتھ پیر ہلانا شروع کرتا ہے، اس کو پیٹ بھر دودھ پلا کر جھولے میں لٹا دیں تو وہ خاموش سو جاتا ہے یا عالم بیداری میں مسلسل تری تیزی کے ساتھ ہاتھ پیر ہلاتا رہتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ کھیلتا ہے۔ مدرسہ کے لڑکے چھٹی ہوتے ہی ہنستے اچھلتے کودتے اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیتے ہیں، فلسفی، اس کو بھی بے مقصد کھیل تصور فرماتے ہیں، یہ ادنیٰ درجہ کے کھیل ہیں لیکن ان میں کچھ نہ کچھ مقصد پس پشت ضرور ہے جس کا شعور اس کے کرنے والے کو نہیں ہے لیکن میلان طبیعی اس کو مجبور کرتا ہے کہ یہ ایسا کرے، بچہ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ بچہ کا جھولے میں ہاتھ پیر ہلانا، کندھے چلنے پھرنے اور دیگر کام کاج کرنے کی تیاری ہے جس کو وہ نہیں جانتا، لیکن فطرتاً اس پر عمل کرتا ہے۔ بچے جب ذرا بڑے ہوتے ہیں تو تقریباً دو سال کی عمر تک چیزوں کو توڑنے پھوڑنے اور پھینکنے لگتے ہیں اور لڑکیاں چیزوں کی حفاظت اور احتیاط کی طرف مائل معلوم ہوتی ہیں۔ ضعیف خدیجہ اپنی گڑیا کو اٹھا کر کلیجے سے لگا لیتی ہے لیکن میاں صاحبزادے کا یہ حال ہے کہ گھر میں کوئی چیز اور کانچ کا برتن صحیح و سالم نہیں رہنے دیتے اور صبح سے شام تک گولہ پھینکتے اور کپڑے پھاڑتے پھرتے ہیں۔ خدیجہ کی گڑیا اتفاق سے ان کے ہاتھ لگتی ہے تو اس کا حلیہ بگڑ جاتا ہے، برخلاف اس کے جب ان کا گولہ خدیجہ کو ملتا ہے تو وہ اسے اٹھا کر رکھتی ہے اور حفاظت کرتی ہے۔ بچے جوں جوں بڑے ہوتے ہیں ان کے کھیلوں میں بھی ترقی ہوتی ہے۔

روسو کا زاویۂ نگاہ

ممالک یورپ میں جب سنہ ۱۶ء اور سنہ ۱۷ء صدی عیسوی تعلیم عام ہوئی اور لوگ سوچ بچار کے عادی ہوئے تو گرجا گھر کے پادری کا طلسم ٹوٹا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لاک اور روسو معمر ہوتے ہیں کہ بچوں کے فطری میلان طبع کو کام میں لایا جائے۔ سنہ ۱۷۶۲ء میں روسو نے لکھا ہے کہ "جسمانی تقویت اور نشو و نما کے لئے فطرت اپنا راستہ آپ اختیار کرتی ہے، اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہونے دیں۔ بچہ جب چلنا پھرنا چاہتا ہے تو اس کو بیٹھنے پر مجبور نہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو چلنے کا حکم نہ دو۔ بچوں کو کودنے، پھاندنے، دوڑنے اور پکارنے کا کافی موقع دیا جائے

جبکہ وہ اس جانب مائل ہوں۔ ان کے جملہ خواہشات دراصل ان کی جسمانی نشوونما کے لیے حقیقی مانگ کا نتیجہ ہیں جو ظاہر ہونا چاہتے ہیں۔"

فروبل کا زاویۂ نگاہ

جرمنی کی وہ مایۂ ناز ہستی جس نے ۱۸۵۲ء کے بعد آنے والی نسلوں کی تعلیم کا نیا ڈھنگ ڈالا اور "بستان اطفال" کی ایجاد سے بڑھتے ہوئے دماغوں کے پھیلنے پھولنے کا دلنشیں طریقہ سکھایا، ہر زمانہ اور ہر ملک کے باشندوں سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے، اور تادیہ کرتا رہیگا، اُس نے اس امر کی پرزور تعلیم دی کہ بچہ کی خود نمائی کے جذبات کا ازالہ نقصان دہ ہے، بلکہ اگر اس میں کسی قسم کی خرابی ہو تو معالہ مناسب ہے۔ بچوں کو اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کا کافی موقع دیا جائے۔ یہ فروبل ہی نے عملی طور پر سمجھایا کہ کھیل ہی ایک واحد ذریعہ ہے جہاں بچہ اپنے فطری میلان طبع کا اظہار کرتا ہے اور صرف بچہ کے کھیل ہی کے ذریعہ اس کے مستقبل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فروبل پہلا شخص ہے جس نے "تربیت گھر" کے کھیل، مٹکنی مٹی کے نمونے، قصہ گوئی، نظم خوانی، اور نقالی کو مدارس کے اوقات تعلیم میں جگہ دی وہ ان چیزوں کو "کھیل کی ماں" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے مسٹر فروبل بھی نوع انسان کے عہد طفولیت سے گذرنے کے بعد ان کے کھیل اور ان کھیلوں کے استعمال کی طرف اپنی تحقیقات کا بیڑا اُٹھانے سے قاصر رہا۔

ہربرٹ اسپنسر کا زاویۂ نگاہ

ہربرٹ اسپنسر نے اپنے ایک مضمون "ورزش جسمانی" میں جو ۱۸۶۱ء میں ایک انگریزی مجلہ میں شائع ہوا تھا اپنا خیال اس طرح ظاہر کیا ہے کہ "لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے کھلاڑی فعلیتیں جس کی جانب ان کی طبیعت کا میلان مجبور کرتا ہے انکی جسمانی فلاح و بہبود کے لئے بیحد ضروری ہیں، اس کی حمایت کرنے والا حقیقت میں جسمانی نشوونما کے تعدد ذرائع کا سد باب کرتا ہے۔" دوسری جگہ وہ اپنی کتاب "پرنسپس آف سیکالوجی" میں لکھتا ہے کہ "کھیل ان قوتوں کی مصنوعی ورزش ہے جن کو حقیقی مواقع نہ ملنے کی صورت میں اس طرح رونما ہوئے ہیں اور اپنا کام کر دکھاتے ہیں جیسا کہ گتے اور اسی قسم کے دوسرے جانور روز روشن کی طرح یہ بتلاتے ہیں کہ ان کا کھیل مصنوعی تعاقب اور مصنوعی جنگ ہے۔ وہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں، ایک دوسرے کو الٹ دینا چاہتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو اسقدر کرتے اور لوچتے ہیں جتنا کہ ان کی طبیعت چاہتے یہی حال ایک بلی کے بچہ کا ہے جو روئی کے گولے کے پیچھے دوڑتا ہے، اس کو زمین پر لوٹ کاتا اور پھر دوڑ کر پکڑتا ہے، وہ دب کر اس کو تکتا ہے، اور جست کے ساتھ اسکو جا دبوچتا ہے۔ یہ سب کھیل حقیقی شکار اور تعاقب کی نقالی ہے حقیقی کار زندگی کی عدم موجودگی میں وہ اس طرح اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ یہی حال بنی نوع انسان کا ہے۔ لڑکیوں کے کھیل۔ گڑیوں کی حفاظت، چائے نوشی کی دعوتیں۔ سن بلوغ کے بعد کے کاموں کے لئے تیاریاں ہیں بچوں کے کرتب۔ ایک دوسرے کا تعاقب کرنا، کشتی لڑنا، چور بنانا وغیرہ ایام مستقبل میں ہونے والے تین اجزا ہیں۔ اگر ہم ان کی پرورش اور ہنرمندی کے کھیلوں کا بغور مطالعہ کریں اور ان کھیلوں کو بھی دیکھیں جو معمر لوگ کھیلتے ہیں تو ہم کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی اہم عناصر جو وہاں تھے یہاں بھی موجود ہیں۔ چاہے کھیل کسی قسم کا ہو الیمنان اسکی جیت پر ہوتا ہے۔ مدمقابل کو نیچا دکھانے میں، فتح و نصرت کی صحت ذہنی حیات مخلوق پر اسقدر حاوی اسوجہ سے ہے کہ یہ زندگی کے میدان کارزار میں کامیابی جزو لاینفک ہے۔ جب حقیقی مواقع نصیب نہیں ہوتے تو معمولی شطرنج کی بازی سے وہی مسرت اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔"

غرض اسپنسر صرف زائد توانائی کو کھیل کا سبب نہیں بتلاتا بلکہ اس کے خیال کے بموجب میلان طبع نسبتاً اہم عنصر ہے جسکی ترکیب سے کھیل پیدا ہوتے ہیں اگر اسپنسر کھیل کو نقالی تصور کرتا ہے اور بلی کے بچہ کا گولے کے ساتھ کھیلنا آئندہ زندگی میں چوہے کا شکار اور لڑکی کا گڑیا سے محبت کرنا آئندہ زندگی میں بچوں کی پرورش پر داخت سمجھتا ہے تو وہ اپنی جدت درست ہے چونکہ اس نے اصل عنوان کھیل پر کوئی تصنیف نہیں کی البتہ نامیاتی ارتقا سمجھاتے ہوئے اس جانب بھی اشارہ کرتا ہے۔

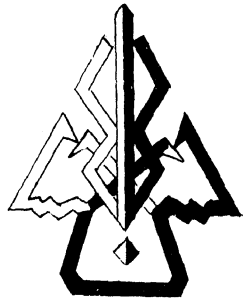
گروس کا زاویۂ نگاہ

گروس جرمنی کے عالم نفسیات نے جانوروں کے کھیل پر ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب شائع کی اور اسکے چند ہی سال بعد انسانوں کے کھیل پر ایک دوسری کتاب شائع کر کے کھیل کی اصلیت اور ماہیت پر کافی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے جانوروں کے ہر ایک گروہ کا انفرادی طور پر مطالعہ کیا اور زمانے کے محققین اور علما کو کھلے الفاظ میں واضح طور پر بتلایا کہ کھیل کسقدر وسیع معنی رکھتا ہے اور وہ تمام فعلیتیں جن کو ہم کھیل کہتے ہیں زندگی کے ساتھ کس طرح وابستہ ہے۔ اس کے خیال کے بموجب کھیل اعلیٰ حیوانوں کے سن بلوغ کو پہنچنے اور چند ذمہ داریاں اپنے سر لینے تک ان کی تیاری کا زمانہ ہے وہ لکھتا ہے کہ "جانور اس وجہ سے نہیں کھیلتے کہ وہ کم عمر ہیں اور ان میں چستی و توانائی ہے بلکہ وہ اسوجہ سے کھیلتے ہیں کہ ان کی عمر کا زمانہ کھیل ہی کے لئے مخصوص ہے۔"

"ادنیٰ جانور مثلاً چیونٹی یا مکڑی کا کھیل کوئی کھیل نہیں، لیکن اعلیٰ جانور جب کھیلتے ہیں تو اُن کے کھیل ہر گروہ کیلئے مخصوص ہوتے ہیں، لیکن انسانوں کے کھیل جہاں تو اُنکے ذہنی سب سے زیادہ کام کرتے ہیں ہر عمر اور ہر زمانہ کیلئے نئے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نسلاً بعد نسلاً اس میں اضافہ قیام میں انشست و برخواست میں کچھ نہ کچھ اضافہ اور نئی بات پیدا ہوتی جاتی ہے۔

معمولی بلی کا بچہ جب ایک گولہ کے پیچھے کھیلتا ہے تو وہ مختلف طریقوں سے جست لگاتا اور اپنے پنجوں سے گولہ کو مختلف طریقوں سے پکڑتا ہے، بعض مرتبہ اسکو ناکامیابی ہوتی ہے لیکن جن طریقوں میں اسکو کامیابی ہوتی ہے اور گولہ اسکی گرفت میں آجاتا ہے تو وہ اسکی مشق کرتا ہے، اور جب خوب کھیلتا ہے تو اس میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے وہ ان طریقوں کو یاد رکھتا ہے تاکہ اسکو آئندہ زندگی میں کام آئیں اس طرح کھیل میں قوائے ذہنی ترقی پاتے ہیں۔ چونکہ انسان اشرف المخلوقات واقع ہوا ہے اور اس میں سمجھ اور حافظہ کی قوت بدرجۂ اتم موجود ہے اس لئے یہ چند پرانے کھیلوں سے کوئی نئی بات دریافت کرتا ہے، اس طرح نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

(باقی آئندہ)



جلد	۱۳۴۲ھ ۱۵ فروردی سنہ ۱۹۳۲ء ۱۶ فروری	نمبر ۸

حیدرآباد کی تعمیر کاری اور اس کا مستقبل

حیدرآباد ہندوستان کا وہ واحد شہر ہے جس کو صحیح معنوں میں قدیم تہذیب کی یادگار کہہ سکتے ہیں۔ کہنے کو دہلی اور دوسرے شہر بھی اسی نوعیت کے سمجھے جا سکتے ہیں لیکن صرف وہاں آثار کی حد تک یہ بات پائی جاتی ہے اور یہاں تہذیب ابتک زندہ ہے یہی ایک زندہ خصوصیت ہے جس کا قائم رکھنا ہر دردمند حیدرآبادی اور ہر وہی خواہ حیدرآباد کا فرض ہے۔ یہاں پر اور چیزوں کو چھوڑ کر ہم صرف تعمیر کاری سے بحث کرتے ہیں۔ اس وقت حیدرآباد میں تعمیر کاری کے دو قدیم طرز موجود ہیں ایک قطب شاہی طرز تعمیر جس سے حیدرآباد کا چپہ چپہ معمور ہے دوسرے دور آصفی کی طرز تعمیر جس کو ایک حد تک مغلیہ طرز تعمیر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان دونوں طرز کی تعمیر کارانہ خصوصیات باوجود الگ ہونے کے ہم آہنگی رکھتے ہیں قطب شاہی مقابر مساجد، سرائے، بازارات، پل، قلعے اور آثار قدیمہ محلات ترکون کی ہر خوبی کو واضح کرتے ہیں۔ مغلیہ دور کی طرز تعمیر اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ حیدرآباد مبارک دور آصفی کا پایۂ تخت بنا اس کی نشانیوں کے طور پر شاہی محلات موجود ہیں اور امراء کے مکانات اس کے گواہ دلوانیوں میں اب اندرونی

شہر بڑی بڑی حویلیوں اور شاندار عمارتوں کا مرکز ہے جو دن بدن انحطاط اور ویران ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

لیکن گذشتہ پچاس سال سے یہاں کی طرز غلامانہ بن گئی ہے اس کی ابتدا مغرب پسندی سے ہوئی اس دور کی یادگاریں فلک نما اور کوٹھی زیڈنسی کے محل ہیں جو بالکل مغربی تعمیر کاری کے نمونے ہیں اس کے بعد شاہی عمارت میں بھی یہ طرز نمایاں ہونے لگی چنانچہ سردار دیلا عثمان گڑھ اور مملکہ فینانس کی عمارت اسی مغرب پسندی کے نتائج ہیں ان میں کوئی چیز ہندوستان کی قدیم حسن کاری سے متعلق نہیں رکھتی کسی قوم کی قوت ایجاد ختم ہوتی ہے تو اپنی فطرت سے بے توجہی اور غیر کی فطرت میں آباد ہو کر اپنی شان سمجھنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ حسن کاری کو کسی قوم کے فطری رجحان کا بہترین مستحسن مانا گیا ہے۔

مگر دور عثمانی نے بکدم اس بلا سے شہر کو بچا لیا۔ اس دور کی اکثر و بیشتر عمارات ہندوستانی قدیم تعمیر کاری کے رنگ میں بنی ہیں جس کا بہترین نمونہ عدالت العالیہ کی عمارت ہے۔ دور عثمانی کے بہت سے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہماری غلامانہ تعمیر کو آزادی سے بدلدیا اور کم از کم سرکاری تعمیرات میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ تاہم ملک میں جو رو مغرب زدگی کی جاری ہو گئی تھی اس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔

جس قدر امرا اور خوشحال باشندوں کے مکانات ہیں ان میں مغلیہ یا قطب شاہی تعمیر کاری کا کوئی اثر نہیں ہے صرف آرام منزل ایسی نظر آتی ہے جس کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی کمانیں مغلیہ ہیں اس کی تعمیر میں ہندوستانی حسن کاری کو دخل ہے باقی جسقدر عمارات ہیں سب پر مغربیت چھائی ہوئی ہے اور تو اور ہماری آرائش نے جو مکانات بنائے ہیں اس میں بھی امریکہ کی کاروباری ذہنیت جلوہ گر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقوے کے ڈبوں سے نابلیلی آغا پورہ اور جدید آبادیوں کو سجایا گیا ہے محلے کیا ہیں جو تون کی دوکان۔ کیا ہم کم از کم کمانوں، دالانوں ستونوں اور دوسری ظاہری چیزوں کی حد تک اپنی ہندوستانی نہیں رہ سکتے؟

اہل شہر کا یہ فرض ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے شہر کی اس خصوصیت کی حفاظت کریں اپنی تعمیر کاری کو زندہ رکھنے کے لیے ان ہی نمونہ پر جدید طرز کی رہائش گاہیں تیار کریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ حیدرآباد نہ صرف مغلیہ راج دہانی ہے بلکہ اس کی آبادی بھی اسلامی تہذیب کی آخری شمع ہے جس سے ہندوستان کی محفل از سر نو اپنی فطرت کا اجالا دیکھ سکتی ہے۔

حدیث الیوم

ایرستان اور ڈی ویلرا

ایرستان کی سیاسیات دن بدن دلچسپ بن رہی ہے۔ جب سے ڈی ویلرا برسر اقتدار آیا ہے سوالات برطانیہ اور ایرستان کے درمیان ایک حل بن گئے ہیں ایک خراج زر میں جو ایرستان اور انگلستان کو آزاد مملکت لینے کے بعد سے ادا کرتا چلا آرہا ہے۔ دوسرا حلف وفاداری۔ ڈی ویلرا کی حکومت نے اس خراج کو ادا کرنے سے انکار کر دیا اور حلف وفاداری کے خلاف قانون کا نفاذ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا ارادہ برطانیہ سے پوری طور پر علیحدہ ہونے کا ہے ڈی ویلرا کی مخالف جماعت کا سگبر لو کی سرکردگی میں حکومت کے پالیسی کے خلاف پروپیگنڈا کر رہی تھی کہ اس طرز عمل سے ایرستان تباہ ہو جائیگا اس آواز کو برطانیہ کی صحافت اچھال رہی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ڈی ویلرا اپنی قوم کا نمایندہ نہیں ہے ڈی ویلرا نے اس آواز کو موقوف کرنے کے لیے ازسر نو انتخاب کرنے کا اعلان کیا اور گاگبر لو کے مقابلہ میں بہت بڑی اکثریت کے ساتھ برسر اقتدار ہو گیا اور معاملات جہاں تھے اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اب ایرستان اس چیز کے لیے بھی تل گیا ہے کہ شمالی علاقہ جہاں انگریزی نوآبادی کی اکثریت ہے الگ ہو کر برطانیہ سے اور پوری طور سے برطانیہ سے تعلق ہو جائے۔ حال ہی میں جو ہڑتال ایرستان میں شروع ہوئی ہے اس نے دہان کی حالت کو اور نازک کا ایک ایسا موڑ بن جائیگا جس کو حکومت خود اختیاری حاصل ہو گئی ہے اور اس کا کل نظم و نسق مرکزی حکومت یعنے دولت آصفیہ سے وابستہ ہو گا لیکن اس نے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ برار واپس تو ہو گا لیکن اس کے تمام ہنگامہ حکومت ہند یا تاج کی طرف سے نامزد کئے جائینگے۔ اور نظم و نسق کی صورت وہی ہو گی جو ہند و ستان کے اور صوبوں کی ہے البتہ مقننہ کے وہ نمایندے جن کو اب صوبوں میں گورنر جنرل نامزد کرتا ہے ان کو خسرو دکن نامزد کیا کریگے۔ اس نئی توضیح اور پہلے کے خیال میں سیاسی نقطہ نظر سے بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے اور برار کی واپسی کی نوعیت میں ایک ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس کو ہمارے عام خیال کے مقابل میں ہم زیادہ خوش گوار نہیں پاتے کسی علاقہ کا تعلق مرکز سے اسی حالت میں مکمل ہوتا ہے جب کہ اس کا نظم و نسق پوری طور سے مرکز ہی کے زیر نگین رہے جب برطانیہ نے یہ مان لیا ہے کہ برار کا تصفیہ تاج اور حضور نظام میں ہوا ہے نہ کہ حکومت ہند اور حضور نظام میں تو بہ ظاہر ہے کہ اس کے واپسی میں بھی حکومت ہند کو کوئی دخل نہ ہونا چاہیے۔ تاہم نمایندے مذکور کے جہاں پر ہم پوری طور سے بھروسہ نہیں کر سکتے جب کہ ہمیں یہ بھروسہ ہے کہ یہ معاملات کو ایسے ہاتھوں کے زیر تصفیہ بار ہے ہیں جن کو اس مسئلہ پر پورا عبور حاصل ہے اور کوئی چیز ایسی ان سے ہو نا امکان سے بعید ہے جو برار کی واپسی کو اپنی حقیقی اسپرٹ سے دور رکھے۔

فریب ہستی

قاضی ارام (عثمانیہ)

ارمان ہائے دل کے مقابل ہم جان نثار
دنیائے کشمکش کی کوئی انتہا بھی ہے
دست جفا سے دامن حسرت ہو تار تار
منزل گہ سکوں کہیں تیرا پتہ بھی ہے

جب دل ہی دل میں اپنے تمنا رہے کوئی
جان حزیں کو وقف مصیبت ہی جان لیں
تا چند رنج دورئے مقصد ہے کوئی
تدبیر پر اثر ہیں کہ مقدر کو مان لیں!

ہم مست تھے کہ کنج عدم ہم کو تھا بہشت
لائی ہیں خود نمائیاں کیوں بام دید پر
باتوں میں غم کی بھول گئے ساری سرخوشی
پھر اب خوشی کو یاد کریں کس امید پر

حسن ادا فریب کی صورت سراب دہر
دور حیات میں بھی ہے کچھ آسماں کی چال
سر بستہ کیا معمہ ہے یہ انقلاب دہر
کھلتا نہیں ہے زیست کی نیرنگیوں کا حال

کیا ہو سکوک ہستی ناکام کا گلہ
اس کے سبب کہیں کے بھی بار نہیں ہے
آرام ماسوا سے نہ پائے گا تو صلہ
کیوں آستان غیر پہ تیری جبیں ہے

معلومات

روس کی ہوائی قوت

اخبار ٹائمز ہفتہ میں لیڈی ڈرمنڈ نے روس کی سرخ ہوائی قوت کے عنوان سے ایک مفصل مضمون سپرد قلم کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ جدید روس آیندہ ترقی دینے اپنی مدافعت کے لیے کن زبردست خطوط پر خود کو تیار کر رہا ہے۔ اس کے خیال میں اسکندری ہیبت کا دور ختم ہوگیا ہے اور اب ہوائی دور شروع ہوا ہے۔ چند سال کے عرصہ میں جرمن کاریگروں کی مدد سے روس نے ہوائی قوت میں جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کے اعداد و شمار حیرت ڈال ہیں۔ اسوقت سوویٹ روس نے جو ہوا باز کانفرنس تخفیف اسلحہ کو دیا ہے اس کی رو سے ان کے پاس (۵۰۰) ہوائی جہاز نوجی ہیں اور سویلی اور خانگی جہازوں کی تعداد (۱۲۵۰) اور (۱۰۰۰) کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ لیکن لیڈی ڈرمنڈ نے اپنی آنکھوں سے (۲۴۰۰) اور (۲۶۰۰) کے درمیان ہوائی جہاز دیکھے ہیں۔ اسکو کے ایک تمہیر نے اس کی تعداد (۳۰۰۰) ہزار تک بتائی ہے جو شاید بہانو اینے ہے۔

مچھروں کی صحت کے لیے بیس ہزار روپیہ خرچ

ابتک یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسانوں کی صحت کے لیے مچھروں کو مارنا ضروری ہے لیکن بنگال نے ایک نیا نظریہ طبی دنیا کے لیے پیش کیا ہے ان کے خیال میں مچھروں کی صحت کی حفاظت انسانیت ملیریا سے نجات دلاسکتی ہے چنانچہ اس مرض کے لیے ضلع ہوڑہ ان میں ۵۰ مربع میل تک بیس ہزار روپیہ کے خرچ سے اس کام کو شروع کیا ہے۔ سال کے ایک مہینہ مدت میں مچھر ملیریا کو انسانوں سے کرتے ہیں اگر کوئی تمہیر ایسی کی جائے کہ انسانوں سے یہ کیڑے متاثر نہ ہوں تو پھر ان سے ملیریا پھیلانے کا خوف کم ہو جائیگا اس خیال کو عمل میں لانے کے لیے اس خاص مقام کے تمام لوگوں کو ایک دوا پلاس موکونین تین روز تک استعمال کرائی جارہی ہے اس کے بعد ان کے جسم سے ملیریا کے جراثیم مچھروں میں منتقل نہیں ہوسکتے اس تدبیر کی کامیابی پر ایک انقلاب کا انحصار ہے مچھر کشی کوشش تھا اب مچھر پوری ضروری سمجھی جائیگی۔ بیس ہزار روپیہ کا خرچ بظاہر بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن مچھروں کے مارنے کے لیے اس سے کہیں زیادہ خرچ بڑھتا ہے اور ساتھ ہی پورا اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

صحافتی مدرسہ دھوکے کا جال

ٹائمز ہفتہ وار نے ایک کارآمد بحث اپنے جاریہ اشاعت میں پیش کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کافی تعداد ہونے والے ناول نگار اور مصنفین کی ہے جو یورپ اور امریکہ کے مدارس مصنف سازی کے شکار ہو رہے ہیں کوئی اخبار ایسا نہیں ہے جس میں مدرسہ صحافت کا اعلان نہیں ہوتا اس کے ذریعہ تمام دنیا کے لوگوں کو مصنف بنانے کا دعوے کیا جاتا ہے۔ اس کی نسبت بھی ہندوستان کی مفلسی کو دیکھتے ہوئے کافی سے زیادہ ہے ایسے نہتھلا ہندوستان کے لیے جہاں تعلیم یافتہ بیکاری کافی سے زیادہ ہے بیحد بدبخت انگیز ہوتے ہیں اور اس دھوکے میں اکثر نوجوان پھنس جاتے ہیں۔ جب ایک مفلس گرفتار قفس یہ دیکھتا ہے کہ ایک انسانہ پر اس قدر روپیہ مل سکتا ہے جو کسی اچھے عہدیدار کی سالانہ آمدنی سے بھی زیادہ ہے تو وہ بلا سوچے سمجھے اس چکر میں پڑ جاتا ہے اور اپنی مفلسی پر بار ڈالکر کسی نہ کسی طرح مدرسہ کی فیس ادا کرنے لگتا ہے۔ نتیجہ ہی یہ دعوے کہ پرافسانہ کو سینما کے قصے میں تبدیل کرکے لاکھوں روپیہ کمایا جاسکتا ہے اور بھی تباہ کن اثرات رکھتا ہے یہاں تک کہ ایک کے بعد دوسرا اس جال میں پھنسنے لگتے ہیں اس وقت ہندوستان اکثر نوجوان اس جال میں گرفتار ہیں اور ان بدن ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے سوال یہ ہے کہ کسی کو ان مدارس سے کوئی آمدنی کا ذریعہ بھی فراہم ہوا یہ ایسا سوال ہے جس کے اعداد و شمار ملنا مشکل ہے

چھ سو میل تیل کی دھار

عراق کے تیل میدانوں میں آجکل بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے ایران اور عراق کے میں تیل کے مسئلے پر جو تصفیہ کیا ہے اس میں اس کی سرعت اور بڑھا دی ہے چھاؤ کر کوک کے درمیان چھ سو میل کے ریگستان میں تیل کی پائپ ڈالی گئی ہے امریکہ کے پائپ ساز جماعتیں بیحد پھرتی سے ان لوہوں کو جوڑ رہے ہیں جو کہ لیوں نے وہاں پھیلا دیے ہیں اور تمام ریگستان میں سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے یہ نل گزر رہے ہیں۔ اصل لائیں کے ساتھ ساتھ دو اور لائنیں پانی اور پٹرول کی ڈالی جارہی ہیں تاکہ کام کرنے والوں کو یہ چیزیں سہولت سے فراہم ہوں جس ریگستان میں سے یہ لائنیں گزر رہی ہے وہ بالکل بنجر ہے اور جیسے جیسے آگے بڑھ رہے ہیں پانی اور دوسری چیزوں کی فراہمی کا مسئلہ اہم ہوتا جارہا ہے۔ اگر یہ اور امریکہ کے ماہرین کر کوک میں تیل کے کوئیں کھود نے میں مصروف ہیں جو ابتک چالیس کی تعداد کو پہنچ گئے ہیں انگلو پرشین آئل کمپنی نے تیل کی فراہمی کو انتہا درجہ نفیس بنا دیا ہے اصل تیل کا تخمین بمقام مسجد سلیمان جنوبی ایران میں رکھا گیا ہے جو ہیڈ کوارٹر علاقہ ہے وہاں سے بذریعہ پائپ تیل کو آبادان پہنچایا جاتا ہے جو شط العرب میں واقع ہے یہاں تیل کو صاف کرکے باہر بھیجا جاتا ہے اور کمپنی کے پہلے جزیرہ آبادان ایک کیچڑ کا تودا تھا اب وہاں خوبصورت باغات بہترین رہائشات کلب اور اعلیٰ درجہ کے ہسپتال موجود ہیں اور برطانوی آبادی کے لیے تمام سہولتیں جو مشرقی ممالک میں مل سکتی ہیں فراہم کیگئی ہیں۔

بقیہ از صفحہ (۱۸)

حاجیوں کیلئے
مفت خدمت
صندوق پر نام و پتہ اور اسباب پر
نشان اندازی مفت۔
رشید پنٹر
پہ حجتہ بازار محبوب شاہی پریس

دنیا کا سب سے بڑا ریلوے انجن



حال ہی میں انگلستان نے روس کو ایک غیر معمولی ریلوے انجن روانہ کیا ہے جو یورپ کے تمام ریلوے انجن سے زیادہ طاقتور ہے اس کی غیر معمولی قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ (۲۵۰۰) ٹن وزن بیک وقت کھینچ سکتا ہے یعنے وہ (۴۰۰۰۰) ہزار آدمیوں کی مکمل قوت ہے باوجود اس کے کہ برطانیہ میں امریکہ کی طرح زیادہ قوت والے انجن نہیں تیار ہو سکتے روس نے اس مقام کو اس لیے منتخب کیا کہ یہاں کی سخت برف باری زیادہ ہے اس انجن کو نہ صرف دنیا کے طاقتور انجنوں سے دو چند بوجھ کھینچنا پڑیگا بلکہ اس کو روس کی برفانی آب و ہوا میں قابل کارخانا تھا۔ جہاں پر اکثر انجن یخ بستہ ہو جاتے ہیں اس انجن کے سامنے اور پیچھے دو بڑے کوئلے کے ڈبے لگائے گئے ہیں اور چونکہ زغال اندازی کا کام اتنے بڑے انجن میں ایک انسان کی بس سے باہر ہے اس میں ایک مشین لگا دی گئی ہے جو فی گھنٹہ چار ٹن کوئلہ جو آس دیدہ کی غذا ہے ڈال سکتا ہے اس کے اٹھائیس پہیے ہیں اور دو ڈبا کیان لگائی گئی ہیں تاکہ اس کی رفتار کے مطابق (۸۰۰۰) گیلن پانی فراہم ہو سکے دونوں ڈبا کون کے نیچے چودہ پہیے اور باقی پہیے گاڑی کے نیچے ہیں اور ان کو اس طرح لگایا گیا ہے کہ وہ انتہائی رفتار پر بھی کسی موڑ سے بآسانی گزر سکیں روس کو بھیجنے کے لیے اس زبردست آہنی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے جدا کر دیے گئے تھے جن کو وہاں از سر نو جوڑ دیا جائیگا۔

کیا جانور خودکشی کرتے ہیں؟

جانوروں کے اعادات اور اطوار کے ماہرین کی اس مسئلہ میں کہ جانور خودکشی کرتے ہیں مختلف رائے ہیں کہ بعض کا یہ خیال ہے کہ جانور واقعی خودکشی کرتے ہیں چنانچہ اس کی مثال میں کئی ایک نظائر پیش کیے جاتے ہیں۔ بلیان اور کتے آپنے آقا کی موت پر فاقہ کشی سے مر جاتے ہیں اور ایک ہاتھی کے متعلق مشہور ہے کہ اپنے مالک کو نہ پاکر اس نے پتھر سے سر ٹکرا کر خودکشی کر لی تھی یہی خیال گھوڑوں کے متعلق بھی ہے علاوہ اس کے بہت سے اور پالتو جانور ہیں جو اس قسم کی وفاداری کے مثالین قائم کر چکے ہیں۔ دوسرے طبقہ کا یہ خیال ہے کہ خودکشی بہ ظاہر معلوم ہوتی ہے حقیقت میں وہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا ہے چنانچہ اس کی مثال میں بہت سی چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ بندروں کی خودکشی وغیرہ اتفاق ہی کا نتیجہ ہے۔ ایک اور نظریہ بھی اس سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے کہ جانور خودکشی کرتے ہیں۔ لیکن اس کی اصلی وجہ وفاداری ذخیرہ نہیں ہے بلکہ تنہائی سے تنگ آکر یہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں مشہور شرط کے گھوڑے گدھے اخن کے ساتھ ایک سیاہ بلی رہا کرتی تھی جو اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتی تھی جب یہ گھوڑا مرا تو بلی بھی لاش کے ساتھ چمٹ گئی بڑی مشکل سے اس کو جدا کیا گیا بعد میں دیکھا گیا کہ وہ اصطبل میں مردہ پڑی ہے بندروں کو جب اپنے ساتھیوں سے علیحدہ کیا جاتا ہے تو انپر ایسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کا جوڑا بڑا وفاکش ہوتا ہے۔ ایک فرانسیسی ماہر نظریات نے بیان کیا ہے کہ ایک جوڑا مارموسٹ کا اس نے دیکھا جس کا مادہ مر جانے کے بعد نر نے ماتم کیا تھا۔ اور اس اس کو وہاں سے علیحدہ کیا گیا تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور روح پرواز ہو گئی۔

ہندوستان اور بیرونی ممالک کے اخبارات اور رسائل

سالنامہ ایٹسن ۱۹۲۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۹۲۹ء سنہ ۱۹۲۸ء تک جب ذیل اخبار اور جرائد شایع ہوئے۔

مدراس ۳۰۹ - بمبئی ۳۱۴ - بنگال ۶۶۳ - یوپی ۶۲۶ - پنجاب ۴۲۵ - برما ۱۶۱ - بہار اور اڑیسہ ۱۳۶ صوبہ متوسط اور برار ۱۵۵ اسام ۴۳ - دہلی ۸۸ - شمال سرحدی صوبے ۱۲۔

اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد اگر اس کا مقابلہ سلطنت برطانیہ کے کسی اور مملکت سے کیا جائے تو واضح ہوگا کہ ہندوستان اخبار اور جرائد کی اشاعت میں کسقدر پیچھے ہے۔ مثلاً کینیڈا جس کی آبادی ہندوستان کے ۲۵۲ کروڑ کے مقابلے میں صرف دس کروڑ ہے سنہ ۱۹۲۶ء میں ۱۶۰۹ جرائد شایع کرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے اخبار روزانہ ۱۱۶ - ہفتے میں ۴ بار ۵ - ہفتہ واری ۹۶۶ - ہفتے میں دو بار ۲۱ - ماہواری ۳۸۸ - نیم ماہی ۶۶ - متفرق ۵۷۔

ممالک متحدہ امریکہ کی آبادی ۱۲۲ - کروڑ یعنی ہندوستان کی ایک تہائی آبادی سے کچھ زیادہ ہے سنہ ۱۹۲۶ء میں یہاں سے ۲۲۹۹ روزانہ اخبار ہفتے میں تین بار ۶۵ - ہفتہ واری ۱۲۸۲۵ - ہفتے میں دو بار ۴۸ - ماہواری ۳۸۰۴ - نیم ماہی ۲۸۵ اور ۹۵۹ - متفرق جملہ ۲۰۷۲۴ شایع ہوتے سنہ ۱۹۲۶ء میں روزانہ ۲۱۵ - ۲ - اخبار ۱۱۵۲۴ ہفتہ واری اور جملہ اشاعتیں ۱۹۱۰۲۱ - تھیں۔

ایک ترقی ملک کی مثال خالی از دلچسپی نہوگی جاپان ۱۹۲۶ء میں ۲۱۱۱ - تصنیفات اور اشاعتیں ۹۱۹۱ - رسائل ماہواری، ہفتہ واری اور روزانہ شایع ہوئی تھیں۔

تصانیف سے ہٹ کر اگر صرف اخبار اور جرائد ہی کا شمار کیا جائے تو بدنصیب ہندوستان ایک نہایت خفیف مثال پیش کرتا ہے اور اگر ہندوستانی اور بیرونی اخبارات کی نشر و اشاعت کا مقابلہ کیا جائے تو اس کی حالت بدترین ثابت ہوتی ہے۔

اگر دیسی ریاستوں کے اعداد و شمار بھی اس میں شامل کیے جائیں تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کی حالت اور بھی غفلہ خیز ثابت ہوگی۔

ہندوستان اور بیرونی ممالک کی ناخواندگی

جب تک کسی ملک میں تعلیم کی کافی اشاعت نہو اسوقت تک وہاں کی ادبی پیداوار کبھی اطمینان بخش نہیں ہو سکتی

مشرق کا قائد اعظم

سید جمال الدین افغانی

مترجمہ

سعید بارس

فرمانے لگے "جب کوئی شخص ایک عالیشان محل تیار کرتا ہے جو فنی صفائی اور پاکیزگی میں مکمل اور عیش و آرام کی ہر چیز سے آراستہ ہو تو اس کو اس بات کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے کہ وہ محل ایسے نادر اسباب و آرائش فراہم کرے جو عمدہ ذہن آدمیوں کے پاس پائے جاتے ہیں آپ قصر کے نقشہ کو بصورت گلاب یا حسن اور موتا ذہن کے کیجئے جائے۔ اگر جب وہ قصر عالیشان تیار ہونے کو ہو اس کی کچھ زمین پر ابھی رہی ہو اس کے پورے ہونے سے ہو یا دیر ہی ہو اور وہ اس قابل ہی نہیں ہو کہ اس کی تزئین بھی کر سکے تو ایسی حالت میں کیا اس کو اس بات کا خیال بھی گزرے گا کہ اپنے قصر کی تکمیل رہنے کے لیے اس کو گلاب اور وہ دیباج و اطلس سے؟ ہرگز نہیں۔ تم ہے جس شخص کو ضروری چیزیں ہی میسر نہ ہوں تو وہ ایسی آرام کی چیزوں کی اس کو کیونکر خیال پھر آ سکتا ہے۔ میں آپ سے نہیں کہونگا کہ انگلستان امریکہ کے متعلق تفصیلات آپ نے کیوں تحقیق کی لیکن میں یہ کہونگا کہ مشرقی اقوام ایسی کمزور ہو گئی ہیں۔ کہ اپنی موجودہ حالت میں رہنے کے متعلق کوئی خیر پیش کرنا چاہتی ہیں تو کہتے ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کیسے ترقی یافتہ تھے؟" یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد بہت بڑے آدمی تھے۔ مگر یہ بہتر ہوتا کہ آپ اپنی موجودہ حالت سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے۔ آپ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ اپنے بزرگوں کے قابل فخر کارناموں کو یاد کریں تا وقتیکہ آپ خود ان کے مقابل کارنامون کو انجام نہ دے سکو۔"

اسلام کی موجودہ صورت حال پر بہت متاثر ہونے کی وجہ سے سید صاحب کے نادر تخیلات پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "مسلمانوں کے اخلاق اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی اصلاح مایوس کن ہو گئی ہے۔ البتہ ایک صورت ان کی اصلاح کی یہ ہو سکتی ہے کہ از سر نو ان کو پیدا کیا جائے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ مسلمانوں میں صرف وہ بچے باقی رہ جائیں جو بارہ سال کے اندر ہیں۔ اور ان کو ایسی تربیت ملے کہ صحیح راستہ پر لگ جائیں" دوسری مرتبہ فرمایا "اب مسلمانوں میں اخلاق باقی نہیں رہے۔ دیکھو محمود سبکتگین بارہ دی نے دربلند پایہ شاعر اور عربی باشا کے جنگ کے زمانہ میں صدر مجلس جنگ تھے مجھ سے وعدہ کیا اور اس کے خلاف ورزی کی۔ اور یہ ان مسلمانوں میں جن کو جانتا ہوں سب سے افضل ہیں" اس طرح ایک دوسری مرتبہ کہ "مسلمانوں کی ہمتیں ٹوٹ گئی ہیں ارادے پست ہو گئے ہیں اور ان کا ضمیر مر چکا ہے ان میں اگر کوئی چیز زندہ رہی ہے تو وہ نقطۂ ان کی خواہشات ہیں اور سب کچھ وہ اس لیے کیا کرتے تھے کہ ان کی دلی تمنا تھی کہ اسلام اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرے۔ وہ دیکھتے تھے کہ مسلمان ترقی کے راستوں سے ہٹتے ہوئے تنزلات کی طرف جا رہے ہیں اور دیگر تمام اقوام عالم میں بیدار دلی کی روشنی پھیل چکی ہے جس شخص نے کلمہ "لا الہ الا اللہ وہ الوہیت" کا مطالعہ کیا ہے جو سید صاحب کے خیالات کا مرکز اور جس کے تنقید کرنے والے ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہ ہیں۔ تو اس کو معلوم ہو گا کہ سید صاحب نے چالیس سال تبلیغ اسلام کو مستقبل اور اسلام کے ساتھ نوآبادی علوم کا ان کے سیاسی برتاؤ تبدیل دیا ہے سید صاحب کی یہ تمام پیش گوئیاں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آئندہ واقعات کو وہ آئینہ میں دیکھتے تھے۔

سید جمال الدین ایک فیلسوف کامل اور عالم باعمل بزرگ تھے۔ کوئی بات ایسی نہ کہتے تھے جس پر وہ خود عمل نہ کرتے ہوں۔ اچھی باتوں کو محض ان کے سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے جیسا کہ اکثر حافظ علماؤں کا شیوہ ہے کہ ان کا دل ایک طرف ہے تو زبان ایک طرف۔ وہ خواہشات سے اپنے نفس کو روکتے تھے ان کو دنیا کی لذتوں میں صرف بلند پایہ ذہنی لذت مرغوب تھی سلطان عبدالحمید نے مال و دولت سے ان کا دل لینا چاہا۔ دنیا کی زینتوں میں ان کو معروف اور شادی بیاہ کی انہیں ترغیب دی۔ لیکن سید صاحب نے ان تمام چیزوں سے صاف منہ موڑ لیا اور خلافت مآب سے عرض کیا کہ "میں نے پرندہ کی طرح اپنی زندگی ایک درخت کی ٹہنی پر گزار دی ہے اب اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بال بچوں کے جنجال میں گرفتار ہونا نہیں چاہتا" میں رات میں ایک مرتبہ ان کے پاس بیٹھا تھا کہ یہی موضوع معرض بحث میں آیا دمشق شام کے ایک شخص نے آپ سے کہا "جناب عالی آپ کیوں شادی نہیں کرتے کہ آپ کے اولاد صالح پیدا ہو؟" دمشقی صاحب کا یہ کہنا سید صاحب پر شاق گزرا۔ جب وہ محفل سے چلے گئے تو سید صاحب میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے "فلسفہ کی روح اس قوم میں ابھی داخل نہیں ہوئی" اس سے ان کا مقصد شادی بیاہ میں کمی کرنا نہیں بلکہ محض اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ فلسفی کو نسل کی پروا نہیں ہوتی فیلسوفوں کے دل ان معاملات سے جدا اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔

سید صاحب روپے کو مٹی سے زیادہ نہیں سمجھتے اس کو نہ جمع کرتے اور نہ بڑھانے کی کوشش کرتے۔ آپنے مال سے صرف آنا روپیہ خرچ کرتے جتنا ان کی ضروریات زندگی کے لیے کافی ہوتا۔ آستانہ میں ان کے پاس ایک قہرمان تھا جس کے ہاتھ میں ان کی تمام آمد و خرچ کا حساب تھا وہ خود اپنے حساب و کتاب سے بالکل بے خبر تھے۔ خلافت مآب نے تاجپوشی تاج کا ایک علمی عہدہ آپکو سرفراز کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر سید صاحب نے اس کو قبول کرنے یا اس کے رسمی کارچوبی لباس کو زیب تن کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح کوئی تمغہ کتنا ہی بلند مرتبہ ہو کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کے متعلق جب میں نے دریافت کیا تو فرمانے لگے "کیا میں چڑی کی طرح اپنے سینہ پر زیور لاد کر پھروں؟" غرض کہ سید صاحب کو نہ لالچ سے اور نہ خوف سے قابو میں لایا جا سکتا تھا۔ مال و دولت سے لاپروا اور دنیا کی زینتوں سے سخت پرہیز کرتے تھے اور خوف تو ان کے دل پر کسی طرح اپنا تسلط جما ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے وہ تمام واقعات کافی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ میں دوران گفتگو میں شیخ محمد عبدہ کا

(بقیہ مشرق کا قائد اعظم زیر نمبر ۱۹)

کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ عصر کے زبردست ہستیوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں تو دوسری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "مصر میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی" اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شیخ صاحب موصوف مفتی مصر کے عہدہ پر ابھی فائز نہیں ہوئے تھے اور جو جو میں اتنی بڑی شہرت کے مالک ہوئے۔

ہم نے اس عظیم الشان فیلسوف کی سوانح حیات میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ بلاشک و شبہ سید صاحب ایک عظیم ترین انسان تھے جنھوں نے مشرق کو بیدار کیا۔ ان کے اصول و مبادی روز بروز پھیلتے جائیں گے۔ ایک دن ایسا آئیگا کہ تمام مشرق پر یہ پوری طور پر حاوی ہو جائینگے۔ آنے والے نسلیں ان کی زندگی کے حالات دریافت کرینگے، ان کے خیالات کی تتبع کرینگے اور ان کے کارناموں کو ایک جگہ جمع کرنے میں بے انتہا کوشش اور محنت سے کام لینگے۔ جیسا کہ یورپی اقوام اپنے کسی نمایاں ہستی سے متعلق چھوٹی سی چھوٹی چیز کا سنگ کوشش کے ساتھ انکشاف کر کے اس کی حفاظت کرتے ہیں یہ چیز چاہیے ان کے خانگی حالات سے متعلق ہو یا ان کے کارناموں سے۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ یورپی لوگ اپنے مشہور بزرگوں کے کارناموں کی ان کی زندگی میں اتنی حفاظت نہیں کرتے جتنا ان کے مرنے کے بعد کرتے ہیں۔ ایک وقت میں نے موسیو مارسل کاتین موسیو جان لوتھ اور دیگر چند فرانسیسی اشتراکی رہنماؤں سے موسیو جوریس کے متعلق جو عہد حاضر کے سوشیالیسٹ جماعت کے زبردست لیڈر تھے دریافت کیا تو انہوں نے مسلسل ایک گھنٹہ تک اس کے متعلق گفتگو کی۔ اس کے بعد فرمایا "ہم نے جوریس کی زندگی میں اس کی اتنی عزت نہیں کی جتنا کہ اب کر رہے ہیں" غالباً رینان، وکٹر ہیگو، اسپنسر اور بسمارک اور دیگر مشہور نمایاں ہستیوں کے ساتھ ان کا یہی سلوک رہا ہے بڑے رہنماؤں کی قدر و منزلت ان کے مرنے کے بعد ہی بڑھ جاتی ہے اور زمانہ کے رفتار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ان کے کارناموں کے ساتھ شغف پیدا ہو جاتا ہے۔

جمال الدین اور محمد عبدہ اور دیگر مصلحان قوم کے ساتھ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے لوگ ان کے کارناموں کو چاہتے ایک لفظ بھی کیوں نہ ہو سختی کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ اس کو زمین جرفون میں ملحق۔

جمال الدین نے تاریخ افغانستان اور کچھ متفرق مقالے لکھے ہیں۔ ان میں سے میرے پاس ایک مجموعہ تھا جس کو ایک علم پرور دوست چرا لے گیا "رسالہ الدھریین" جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ان کی آخری تصنیف ہے۔ مختصر یہ کہ جمال الدین افغانی کو کثرت سے کتابیں لکھنے میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ خود مصنف اقوام اور مولف ممالک تھے۔ یہ جمال الدین کے سوانح نویسوں میں آسٹریا کے مشہور مستشرق علامہ فولاسیھر بھی شامل ہیں۔ خود سیھر مذہبی علوم میں تمام مستشرقین کے استاد مانے جاتے ہیں اور ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ہم نے دائرہ "معارف اسلامیہ" میں جو فرانسیسی زبان میں ہے اعلامیہ موصوف کے قلم سے سید صاحب مرحوم کی سوانح عمری دیکھی ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے

"سید محمد بن صفدر" انیسویں صدی کے عظیم ترین مسلمانوں میں تھے برادران کی رائے میں دو فیلسوف، انشا پرداز انگلچرار اور اخبار نویس تھے سب سے پہلے وہ سیاست دان تھے۔ اپنے معتقدین میں ان کو ایک زبردست دلمن پرست کا درجہ حاصل تھا۔ اور دشمنوں میں وہ ایک خطرناک بیمان پر کارنے والے انسان سمجھے جاتے تھے۔ تحریک آزادی اور ابتدائی رجحانات میں جو آخری کئی برسوں میں اسلامی حکومتوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے سید صاحب کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ شرق خاک کو یورپی اقتدار سے آزادی اور یورپی اثرات سے ان کو نجات دلائی جائے۔ اور اپنے اندرونی معاملات کو آزاد اداروں کے ذریعہ شاہ راہ ترقی پر لگا دیا جائے وہ تمام اسلامی حکومتوں کو جن میں شیعی حکومت ایران بھی شامل ہے خلافت اسلام کے ساتھ متحد کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ تاکہ اس اتحاد کے ذریعہ وہ اپنے معاملات میں یورپی تداخل کا سدباب کر سکیں۔ اس طرح جمال الدین اپنے قلم اور اپنی زبان سے جامعہ اسلامیہ کے تحمل کی سچی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کا شریف خاندان حسین بن علی ابن ابی طالب سے ملتا ہے۔ اس لیے ان کو سید کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے"

(دوسری جگہ لکھتے ہیں "کابل میں تعلیم پانے کے بعد وہ ہندوستان تشریف لے گئے ۱۲۷۳ھ یا ۱۸۵۶ء میں آپنے زیارت حج ادا کیا اور حج سے واپس آنیکے بعد دوست محمد خان امیر افغانستان کے ہاں ملازم ہوئے۔ ہمارہ ہرات میں ان کے ساتھ رہے اور ان کے انتقال کے بعد محمد اعظم کی ملازمت اختیار کی جب امیر محمد اعظم تخت سے علیحدہ کئے گئے اور شیر علی خان نے حکومت افغانستان پر اپنا قبضہ جمالیا تو آپنے ۱۸۶۹ء ہندوستان کا رخ کیا۔ ہندوستان سے قاہرہ (مصر) پہونچے جہاں آپ نے چالیس دن قیام کیا۔ یہاں سے استانبول تشریف لے گئے جہاں کے امیر وزیر اور علماء نے آپ کی بڑی عزت کی ترکی حکومت نے آپ کو وزارت تعلیمات میں رکن قرار دیا۔ وہ ایا صوفیا اور جامعہ سلطان احمد بن درس دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو نمائش گاہ میں صنعت و حرفت پر تقریر کرنے کی دعوت دی گئی دوران تقریر میں آپنے اس امر کا ذکر کیا کہ نبوت اجتماعی کاروبار میں داخل ہے (یہ قصہ بالکل صحیح ہے کہ سید صاحب نے اس زمانہ میں اجتماعی انصاف کو جسم سے تشبیہ دی تھی جس کے اعضا مختلف صنعتوں پر مشتمل ہیں ایک صنعت کو آپنے ہاتھ سے تشبیہ دی تو دوسری کو پاؤں سے اس طرح کان کو ایک صنعت سے تشبیہ دی تو دوسری کو آنکھ سے۔ اور کہا کہ سر جو جسم کا مدبر ہے یا تو نبوت ہے یا حکمت ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ نبوت ایک خدائی وحی ہے جو ہر غلطی سے محفوظ ہوتی ہے اور حکمت ایک انسانی تدبیر ہے جو کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی غلط بھی ہو جاتی ہے جس انہی اندنی اس وقت شیخ الاسلام تھے وزارت تعلیمات کی ایک سابقہ قرارداد کی بنا پر ان کے مشاہرہ پر اثر پڑا تھا۔ اس لیے وہ سید صاحب سے کہنے لگے تھے۔ اس تقریر سے فائدہ اٹھا کر یہ دعا یہ شروع کیا کہ جمال الدین تو نبوت کو صنعت و حرفت میں شریک کرتے ہیں) اس مخالفت کا یہ نتیجہ نکلا کہ شیخ الاسلام حسن انہی اندنی نے سید صاحب کو زندیق کا فتوی دیدیا۔ اب سید صاحب مجبور ہو کر آستانہ چھوڑے اور مصر تشریف لے گئے حکومت مصر نے آپ کے نام بارہ ہزار قرش (تقریباً دو ہزار روپے سکہ حالی) ماہوار بغیر کسی خاص تدریسی سلسلہ کے جاری کئے مگر سید صاحب اپنے ہی مکان میں طالبعلموں کے گروہ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

بہت سے تشنگان علم ان کے پاس جمع ہوتے اور ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے تھے۔

سید صاحب کے وہ تمام حالات درج کئے ہیں جو شیخ محمد عبدہ نے "رسالہ الدہریین" کے مقدمہ میں درج کئے تھے۔ یہ تمام ہمارے حاشیہ سوانح کے مطابق ہیں۔ مگر ایک دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں کہ جب سید صاحب کو مصر سے ملک بدر کیا گیا تو وہ حیدرآباد دکن میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں دہریہ پنی کے خلاف اپنا رد لکھا۔ یہ بھی تبلایا ہے کہ ڈیفرین کا نوٹ نے یہ غلط باور کیا ہے اور اس کے سوائے کسی اور سوانح نویس نے یہ نہیں لکھا کہ جمال الدین ہندوستان سے امریکہ تشریف لے گئے اور امریکہ سے ۱۸۸۲ء میں لندن پہونچے۔ غلام الثقلین سہسرامی نے جمال الدین کے اس مناظرہ کا جو دہریان کے ساتھ اس موضوع پر کہ آیا علم کو قبول کرنے کی اسلام میں صلاحیت ہے یا نہیں؟) حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "بڑے سے بڑے اخبار نے سید صاحب کے لیے رسل و رسائل کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ان اخباروں میں آپ نے مشرقی سیاست پر جس میں حکومت ہائے برطانیہ اور روس کی ریشہ دوانیاں لے رہی تھی عالمانہ اور بے انتہا تحقیقی مقالے شایع کئے۔ ترکی اور مصری سیاسی حالات اور مہدی سوڈانی کی معنی خیز تحریک پر آپ نے روشنی ڈالی۔ اس زمانہ میں دہریان اور ان کے بانی سے مناظرہ ہوا۔ اس کی بنیاد دہریان کا وہ لکچر تھا جو اس نے سوربون میں "اسلام اور علم" پر دیا تھا۔ سید صاحب دہریان کے غلط خیالوں کو کہ اسلام میں علم کی توسیع ناممکن ہے ایک مقالہ میں رد کیا ہے جو جریدہ "رد الدہریا" میں شایع ہوا۔ اس مقالہ کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا اس کے تھوڑے ہی دن میں دہریان کا لکچر کا بھی ترجمہ حسن افندی عاصم کے رد کے ساتھ شایع ہوا۔

"رد العروۃ الوثقی" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت برطانیہ نے پہلے اشاعت سے مصر و ہندوستان میں اس اخبار کے داخلہ کو نہایت سختی کے ساتھ ممنوع قرار دیا۔ لکھا ہے کہ سید صاحب کے انگریزی حکومت کے دشمن مشہور ہونے کے باوجود انگریزوں نے ۱۸۸۵ء میں مسٹر بلونٹ کے ایمان سے سید صاحب سے میل جول شروع کر دیا۔ تاکہ مہدی سوڈانی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آپ کے ذریعہ راہ حل دریافت کیا جائے۔ سید صاحب نے مشورہ دیا مگر اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔

پھر زعم کیا کہ ناصر الدین شاہ نے ۱۸۸۶ء میں سید صاحب کو ذریعہ تار برقی اپنے پایہ تخت طہران میں بلوایا اور ان کی بے انتہا تعظیم و تکریم کی۔ لیکن خوف رقابت نے سید صاحب کو اس بات پر مجبور کیا کہ ناصر الدین شاہ سے اجازت حاصل کر کے ملک روس چلے جائیں روس میں ایک مدت تک قیام کیا۔ جہاں آپ نے بہت سے تعلقات پیدا کر لیے۔ (

پیٹرسبرگ میں شاہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور شاہ نے طہران واپس آنیکی دعوت دی یہ اس وقت کا ذکر ہے جبکہ شاہ ایران نمایش گاہ پیرس میں ۱۸۸۹ء تشریف فرما ہوئے تھے۔

لکھا ہے کہ شاہ اور سید صاحب کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا اس کا سبب صدر اعظم میرزا علی اصغر خان الملقب بہ امین السلطنت تبلائے جاتے ہیں صدر اعظم کو جمال الدین کی اس امتیازی حیثیت پر رشک و حسد تھا جو ان کو ایران میں حاصل تھی (یہ مقام سمجھا جاتا ہے۔ جو کوئی اس میں پناہ لیتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے اس حرم میں سید صاحب پورے سات مہینے قیام کیے۔ یہانتک کہ شاہ نے بانسو سوار دن کا ایک فوجی دستہ روانہ کیا جو عہد العظیم کی بے حرمتی کر کے اندر داخل ہو گیا۔ سید صاحب کو نہ درگرفتار کیا اور زنجیروں میں جکڑ کر انہیں خانقین پہونچا دیا جو حدود عراق پر واقع ہے۔

اس کے بعد وہ باقی حالات درج کرتے ہیں کہ کس طرح وہ حکومت ایران کے مخالف بن گئے اور کیونکر استانہ پہونچے جہاں ان کا انتقال ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

تمت

---

(۴) ابتدا وہ امریکہ میں مویشی کی طرح لائے گئے اور بازار میں فروخت کئے گئے۔ ان کو الف بے تک پڑھنا نہیں آتا تھا ان کی نجات کے بعد (۹۵) سال کے عرصہ میں۔ ان کی کثیر تعداد نے تعلیم حاصل کر لی اور ۱۹۳۰ء تک صرف (۱۶۳۴) فیصد حبشی ناخواندہ رہ گئے۔

ہندوستان ناخواندگی کی ایک نمایاں مثال پیش کرتا ہے اور اس لیے اس کی ادبی پیداوار بھی نہایت کم ہے یہاں کتابوں رسایل اور اخبارات کی پیدائش اور اشاعت زیادہ تر عوام کی خریداری پر منحصر ہے چونکہ اس ملک میں مفلسی نہایت عام ہے۔ ہم کبھی توقع نہیں کرتے کہ یہاں اخبار اور رسائل کی فروخت کثیر پیمانے پر ہو گی اس میں اور بھی مایوسی اس وجہ سے ہوئی ہے کہ یہاں کے امرا اخبارون کو یا وجود استطاعت کے ان لوگون سے مستعار لے کر پڑھ لیتے ہیں۔ جو ان سے زیادہ غریب ہیں۔ یہ بد خصلت ایک مرض کی طرح پھیلی ہوئی ہے اس سب پر طرہ وہ سخت قوانین ہیں جو سرکار کی طرف سے پریس پر عائد کیے گئے ہیں۔

دنیا کی ناخواندگی کے ٹھیک اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکتے ہم یہاں ڈھیکر کے المانک سے ۱۹۳۳ء میں ایک تختہ پیش کرتے ہیں۔

ملک	آبادی کے لحاظ سے
ترکستان ۱۹۲۶ء	۹۱٫۸
ہندوستان ۱۹۲۱ء	۹۰٫۰
مصر ۱۹۲۷ء	۵۸٫۷
برازیل ۱۹۲۰ء	۶۷٫۰
پرتگال ۱۹۲۰ء	۶۵٫۰
میکسیکو ۱۹۲۱ء	۶۴٫۹
سوویٹ روس ۱۹۲۶ء	۴۸٫۷
اندلس ۱۹۲۰ء	۴۳٫۰
یونان ۱۹۲۸ء	۴۳٫۰
پولینڈ ۱۹۲۱ء	۳۲٫۷
اطالیہ ۱۹۲۱ء	۲۶٫۸

روس اعداد و شمار آج سے ۶ سال قبل کے ہیں اس اعتبار سے پانچ سالہ تجویز کے سلسلے میں اس کی حالت بیحد درست ہو گئی ہے ممالک متحدہ امریکہ کے اعداد جو صحیح حبشیون کے متعلق خالی از دلچسپی نہیں ۱۹۳۰ء میں دیسی گورے ناخواندون کی تعداد (۱۶۵) فیصدی تھی۔ بیرونی گوردن کی (۹۹۹) حبشیون کی (۱۶۳۴) اور دیگر اقوام کی (۲۵) فیصدی تھی دس سال سے اوپر کے غیر ملکی ناخواندہ اشخاص کی تعداد کی کل آبادی کے لحاظ سے (۴۰۳) فی صدی تھے۔

امریکہ کے حبشی ۱۸ دسمبر ۱۸۶۵ء کو غلام تھے (۴)

نفسیات اطفال پر ایک اجمالی نظر

از

ابوالمحاسن محسن خاں معتمین

"نسیم زاہدین کاظم زادہ کا اسم گرامی جن کی کتاب "راہ نما" جلد دوم (باب پنجم صفحہ ۵۸ - ۶۷) سے یہ مضمون ترجمہ کر کیا گیا ہے، محتاج تعارف نہیں۔ موصوف نے فن تربیت کے موضوع پر یہ چار جلدیں میں لکھی ہے۔ علاوہ اسکے تجلیات روح ایمان" "رستم و سہراب" "مقالات دور کتاب جزو اول" "زبدۃ الدنیا" "خطبات و نبا ہائے ایران قدیم" "بیش ہائے قدیم ایرانیان" یہ بھی انہی کی علمی و سیاسی جد وجہد کے نتائج ہیں۔ "مجلہ ایرانشہر" جو برلن سے (۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء) تک نتائج ہوتا رہا وہ بھی انہی کے زیر ادارت جاری ہوا۔ "اخبار کاوہ" بابتہ (۱۹۱۶ء) کاوہ کی تنقید کے ضمن میں لکھتا ہے "تعمیر حسین خاں کاظم زادہ، تبریز کے رہنے والے اور علماء و بارہ عہد جدید میں سے ہیں۔ انکی شخصیت استقبالی عہد کیلئے علم و معرفت کا سرمایہ ہے۔" موصوف ممالک مشرق زمین کے سیاسی تمایلات کیطرح جمعیتوں نے نصف صدی اس طرف مشرق کے "منزل" و پست حالی کے اسباب و علل کی تلاش و تفحص میں اپنی جان ہلاکت میں ڈالی تھی، اس راہ میں کامران ہونے والوں پیشرو متفکرین کے اجتہادی نتائج کی مشعل سید جمال الدین اسد آبادی، شیخ محمد عبدہ، مصری، قاسم بک امین مصری، میرزا فتح علی خان داؤد محمد اقبال شاعر، شمس الضحیٰ گیلانی، عالم جاوان، مولوی برکت اللہ، میرزا علم خاں اصفہانی اور سید احمد خاں ہندی کے ہیں۔ پیروی کرکے دنیا وی اصلاح کیجانب قدم بڑھایا کچھ ہی دن گزرنے ہونگے کہ ہم اس پیش قیاسی کو حقیقی معنوں میں دیکھ رہے ہیں۔ فاضل مذکور کی تصانیف کی کثرت، اس بات کا کافی ثبوت ہیں "راہ نما" اور "تجلیات روح ایران" اور "ایرانشہر" کے اکثر و بیشتر مقالے انہی کی تلاش و کاوش کا نتیجہ ہیں۔" (معتمین)

ہم نے گزشتہ فصل میں، یہ بیان کیا ہے کہ ہر ایک بچہ چند نسلی، آبائی اور فطری استعداد و خواص لیکر پیدا ہوتا ہے جو آئندہ زندگی میں اپنی پر قوت تاثیرات کے ذریعہ اکم و بیش اسکی تمکنات پر اثر ڈالینگے۔ یہ بات ہر ایک مربی (تربیت دہندہ) کے فریضہ میں داخل ہے کہ وہ انہی چیزوں کو دریافت کرکے صحیح طریقہ پر اسکی تربیت کرے۔

یہ صفتیں اور استعدادیں، جو نسلی اور آبائی ہیں، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام بچوں میں یکساں نہیں پائی جاتیں اور نہ ان کے لئے عام طور سے کوئی حکم لگایا یا قانون وضع کیا جاتا ہے۔ بلکہ ان کو دریافت کرکے کام کے قابل بنانا، اس مربی کی معلومات اور تجربہ سے متعلق ہوتا ہے جو بچہ کا موکل طبیب ہے۔ لیکن بعض طبائع اور صفات ایسی بھی ہیں جو فطری اور جبلی ہونے کے اعتبار سے تمام بچوں میں پائی جاتی اور زندگی کے مختلف ادوار میں ظاہر ہو کر غالب ہو جاتی ہیں اور تمام کی تمام، ایک خاص اہمیت رکھنے والی ہوتی ہیں جن کا تعلق بچوں کی آئندہ قسمت سے وابستہ ہے۔ یہاں ہم ان صفات اور طبائع کے بارے میں جو بچوں کی نفسیات کا آئینہ ہیں، چند امور ۔۔۔ کہ ان کو کس طور پر وجود میں لایا اور کارآمد بنایا جا سکتا ہے ۔۔ بیان کرنے ہیں۔

(۱) بچہ کا نفس (باعتبار جذبی کیفیتوں کے) تمام جذبات سے زیادہ غرور کا جذبہ رکھتا ہے جس کو لوگ انانیت (خودی) کہتے ہیں اور یہی انانیت ہم سے احترام کی طالب ہوتی ہے۔

(۲) بچہ ہٹ، خودسری اور آزادی کو دوست رکھتا ہے۔

(۳) بچہ میں تحقیق اور دریافت کا جذبہ ۔۔۔ اسوجہ سے کہ ہر ایک چیز اسکے لئے نئی اور تازہ ہوتی ہے ۔۔ یہ غایت پایا جاتا ہے اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کسی نقاش نے بچہ کی آنکھ کی پتلی کو جو اسکے نفس کی حالت سے خبر دیتی ہے استفہام کی علامت (؟) کی شکل میں کھینچا ہے۔

(۴) بچہ میں تقلید کا جذبہ بے حد ہوتا ہے اور یہی وہ جذبہ ہے جو شرائط زندگی کے سیکھنے میں مدد دیتا ہے۔

(۵) بچہ کا حافظہ دائم الحرکت واقع ہوا ہے جو ہمیشہ اپنے آپ سے کسی نہ کسی شغل میں لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت جلد تمام چیزوں کو سیکھ جاتا اور ان کو بہت دیر تک یاد رکھتا ہے۔ غالکہ ان چیزوں کو جو تے دن اسکے استعمال میں آتی رہتی ہیں۔

(۶) بچہ جاندار اور حرکت کرنے والی چیزوں، جیسے حیوانات وغیرہ کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ وہ شوخ اور بھڑک دار رنگوں کو خصوصاً جو سبز، سرخ اور سرخ ہوتے ہیں، زیادہ پسند کرتا ہے لیکن دھندلے خط، سیاہ رنگ اور نقش کار چیزوں میں سایہ و روشنی اور غیر مرئی چیزوں کا شروع شروع میں اسکو بہت کم درک ہوتا ہے جن کی نقل اتارنے سے وہ قاصر رہتا ہے۔

(۷) بچہ کے نفس پر ما فوق الفطرت، بے ڈول، سخت کھردرے، عجیب و غریب، نظر فریب چیزوں کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس باب میں وحشی قوموں کی سی حالت رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی اسی قبیل کی حیات اور صفات رکھتی ہیں جیسا کہ ان کی موسیقی اور نقاشی، خوراک اور پوشاک، آرائش اور زیبائش سے۔ ان کے ذوقیات کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے ڈول، کھردری اور بھدی شکل کی چیزیں مٹی اور لکڑی سے بناتے اور ان کو بھی عزیز رکھتے ہیں۔

(۸) تکمیل کا ذوق بچہ کے نفس میں بلا کا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسکے تمام خیالات اور کاموں میں مبالغہ اور افراط تفریط پائی جاتی ہے۔ اسکا تخیل ڈراؤنی اور اچنبھے میں ڈالنے والی شکلوں کو وجود میں لاتا ہے، وہ معمولی سی بات کو بھی ایک طولانی قصہ بنا دیتا اور اسی قسم کے قصوں کو سننا ان کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

(۹) بچہ ظلم اور زیادتی کو دوست رکھتا ہے، وہ رحم دلی اور عفو سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے۔ اس کو دوسروں کی تکلیف متاثر سے حظ ملتا ہے، اسکے آگے ناممکن چیز وجود نہیں رکھتی، وہ

کسی ایک خیال یا کام کے جاری رکھنے۔ اگر یہ وہ کھیل ہی کیوں نہ ہو۔ سکان محسوس کرتا ہے۔

یہ حالتیں اور کیفیتیں وہ ہیں جو ہم دیکھتے ہیں ہر ایک بچہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تربیت عمدہ طریقہ سے جاری رکھنا، خاکہ بچوں کی اخلاقی درستی کے لئے، جاننا اور ان کو درجہ کمال پر پہونچانا ایک دشوار کام ہے۔

انہی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے، بچہ کی تربیت اس طور پر ہونی چاہئے جس سے اس کی ان استعدادوں میں خرابی اور انحطاط نہ پیدا ہو، بلکہ اس کے اخلاق اور احساسات کی تربیت کے لئے ان ہی سے مدد لینی چاہئے۔ ان استعدادوں کی رہبری و پرداخت کے لئے بہترین طریقہ یہ ہیں کہ اسباب اور حوادث کے نتائج سے بچہ کو عملی تعلیم دینی چاہئے یعنی بچہ کو اتنی آزادی دے دیکھیں کہ اپنے کاموں کے نتائج کا اور آپ مشاہدہ کرے، ان کو ابھی طرح دیکھے بھالے اور اپنے اعمال کی جزا و سزا بھی اپنے ہی جھیلے مثلاً بے کسی چیز کے بڑے بھلے کو، بغیر کسی کی رہنمائی اور شوق دلانے کے، تجربے اور ادراک کے ذریعہ وہ خود سمجھے، اپنی ہی اشیاء کے خوب و زشت اور ان کی خوبصورتی و خوشنمائی کا پتہ لگائے، یعنی بچہ یہیں ہی سے مشاہدے اور تجربے کی عادت ڈالے اور ان کے نتائج پر غور کرنے کی خو پیدا کرے۔

اب آپ دیکھئے کہ بچہ کو کس طرح آزاد اور کھلے بندوں چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ تمام چیزوں کا آپ ہی مشاہدہ کر سکے بلکہ وہ ابھی ادراک اور فہم میں پختگی نہیں رکھتا، نیک و بد اور خوب و زشت کا ابھی فرق نہیں بتا سکتا، اگر اس کو آزادانہ اپنی حالت پر چھوڑ دیں تو وہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دے گا یا ممکن ہے، دو چار ہڈی بھی ہو جائیں مثلاً پانی میں گر پڑیں، آگ میں جل جائیں، کھڑکیوں کے کھٹرے سے اُلٹ پڑیں، زہریلی چیزیں کھالیں، کاٹنے کترنے کی چیزیں اور پھاڑ کھانے والے جانوروں کے ساتھ کھیل شروع کر دیں۔ غلاصہ یہ کہ ہر ہر منٹ پر خود کو ہزاروں قسم کے خطرات میں ڈالدیتا

یہ سب کچھ صحیح مگر اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ باوجود اس کی کامل حفاظت و پرداخت کے، اس کے قوائے ادراک و انتعاد کو بالکل آزادانہ چھوڑ دینا چاہئے، تربیت کے مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کام کو کس طرح انجام دیں؟ یہ بات تو رہی ہے اور اسی وجہ سے ہم یہاں اس کا اعادہ بھی کر رہے ہیں کہ فن تربیت تمام فنون میں افضل اور انسان کے مقدس ترین فرائض میں شمار کیا جاتا ہے جس کو ہم یہاں ایک مثال کے ذریعہ، کہ اس فریضہ کو کس طرح انجام دینا چاہئے، واضح کریں گے۔

عجائب خانوں میں جو یورپ کے عظیم ترین شہروں میں کثرت سے موجود ہیں جانوروں کے رہنے کے لئے بہت بڑے فطری قطعات زمین بنائے گئے ہیں، جو ایک جانب تو ان حیوانات کے مقامات ہے جن میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں، بہت مشابہت رکھتے ہیں مثلاً اونٹ کے رہنے کے لئے ریتیلے میدان، شیر، چیتے وغیرہ اور دیگر اقسام کے درندوں کے لئے وسیع جنگل اور اسی طرح پرندوں کے لئے کشادہ ہوا دار مقامات بنے ہوئے ہیں جو ایک باغ کی، چند درختوں، پھولوں اور نہروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دوسری جانب سے ان تمام جگہوں کے اردگرد، دیواروں یا لوہے کی اونچی اونچی سلاخیں لگی ہوئی ہیں تاکہ ان میں سے یہ جانور پرند نہ پھلانگ یا ں نہ نکلنے پائیں۔ آخر کس لئے اہل یورپ نے اس قسم کی محنتیں اٹھائی ہیں اور کس لئے یہ تمام احتراجات برداشت کئے ہیں؟ اس لئے کہ ان جانوروں کو محبس قید رکھا گیا ہے ان کے اپنے فطری و ماتوس وطن سے علیحدہ کر کے یہاں لایا گیا ہے، جہاں وہ بآسانی اس تازہ زندگی کے خوگر ہو جاتے ہیں اور اپنے نئے پرانے وطن کے درمیان کچھ بڑا فرق نہ پاکر، بہت جلد عہد کی کے ساتھ تازہ زندگی کے خوگر ہو جاتے ہیں اور نئی آب و ہوا ان کے موافق آجاتی ہے یہ یہاں تک کہ گرمی، سردی اور کمی و زیادتی ہوا کی ایک خاص حد اور خوراک بھی انہی کی طبیعت اور مزاج کی مناسبت سے مقرر کی گئی ہے ورنہ یہ جانور اور پرند بہت جلد مر جائے اور جس ملک کی آب ہوا ان کے مزاج کے موافق نہ آئے وہاں زندہ نہ رہنے پاتے۔ اسی اعتبار سے، یہ ایک طرف تو قیدی ہیں جو پہلے کی بہ نسبت حرکت کرنے، اڑنے، شکار کرنے میں آزاد نہیں ہوتے، لیکن دوسری طرف ان وسیع مقامات اور بڑے بڑے پنجروں کے درمیان جو مقام ان کے لئے مقرر ہوا ہے حرکت کرنے، چلنے پھرنے، ماحول بھرنے، اڑنے اور بولنے میں پوری آزادی رکھتے ہیں اس طور پر کہ وہ اسیری اور غربت کا احساس نہیں کرنے پاتے! ہر ایک اپنی استعداد اور طبعی خواہشات کے ظاہر کرنے میں آزاد رہتا ہے؟

بچہ کا حال بھی بالکل اسی طرح ہے، وہ فطری استعدادیں اور خاصیتیں جو بچہ رکھتا ہے ایک طرف تو مقتضی ہیں، کہ ان کی روانی و عمل و فعلیت (الفعالیت) میں فرق نہ آنے دیا اور دوسری طرف عمدہ طریقہ کے ساتھ ان کی نگرانی اور خدمت گزاری کا اپنے اوپر لازم کر لینا بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم ان کے دائرہ عمل کو محدود کر کے کس طور پر ان دونوں کاموں میں ربط پیدا کریں؟ بے تنک یہاں بھی وہی طریقہ جو ہم نے بیان کیا ہے اختیار کرنا چاہئے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرتے ہیں کہ وہ دائرہ ہیں (۱) بڑا (۲) دوسرا چھوٹا، اس طور کہ چھوٹا بڑے کے اندر واقع ہے۔ چھوٹا دائرہ بچہ کے مرکز احساسی کا پتہ دیتا ہے اور بڑا دائرہ اس کے محیط احساسی کی حدوں کا، اور یہی حدیں ہیں جن کی توجہ ارادی کا محل ہیں۔ اس اعتبار سے بچہ کا باوجود بڑے دائرے کے احاطہ میں گھرا رہنے کے چھوٹے دائرے کے اندر آزاد رہنا چاہئے اور اسی دائرے میں بلحاظ اس کی وسعت کے ہاتھ پاؤں مار کر اپنی شخصیت مجبوری اور آزادی کو محسوس کرے یہاں تک کہ وہ اپنی فطری استعدادوں اور قوتوں کو ترقی دینے میں کامیاب ہو جائے۔

اسی خیال کے مدنظر، ماں ذکی و فہیم اور فن تربیت کے رموز و قواعد سے واقف ہونی چاہئے جو یہ جانتی ہو کہ کب اور کہاں بچہ کو کھلے بندوں چھوڑے اور کس موقعہ پر اس کو کسی کام کے جاری رکھنے سے روکے۔ بلاشبہ ماں کو ایک ماہر طبیب کی مانند ہونا چاہئے جو اس بات کو سمجھے کہ کونسی چیز بیمار کے لئے مفید ہے اور کونسی مضر۔ اس کو ہر وقت بیمار کے جسم، مزاج، ہاضمہ اور طاقت کا اندازہ کرتے رہنا چاہئے جن مقامات پر جان کا خطرہ یا کسی بڑے ضرر کا اندیشہ نہ ہو بچہ کو کھلے بندوں چھوڑ دینا چاہئے۔ اگرچہ اس کے ذرا سی چوٹ اور تکلیف بھی پہنچنی ہو مثلاً: اگر بچہ جانتا ہو تو آگ کی طرف بڑھتا ہو، درآں حالیکہ ماں متوجہ ہے، نہ روکے یا بلکہ بڑھانے دے تاکہ آپ آگ کی سوزش کا درک حاصل کرے۔ اس وقت خود بچہ بغیر ماں کی اجازت یا حفاظت کے اپنا ہاتھ ہٹا لیگا لیکن اس تجربہ کے بعد پھر وہ اپنا ہاتھ۔ اگر وہ اکیلا بھی رہے۔ آگ کی طرف نہ بڑھائیگا۔ لیکن اگر بچہ کسی جنگلہ دار کھڑکی کے قریب جا کر اس سے اپنے آپ کو

گرا دینا چاہے تو ایسی صورت میں ماں کو نہ چاہیئے کہ اُس کو تجربہ کرنے کے لئے چھوڑ دے۔ لیکن جب وہ کھیل بارہا چلنے کے وقت زمین پر گر کر رو دیتا ہے تو اُس کو جھٹ پٹ اپنی گود میں اٹھا لینا اور پیار کرنا یا مٹھائی اس کے ہاتھ میں دینا مناسب نہیں، بلکہ اُس کو تھوڑی دیر تک رو لینا چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے خاموش ہو جائے ورنہ وہ اس کا عادی ہو جائیگا جب کبھی وہ زمین پر گریگا اس بات کا منتظر رہیگا کہ کوئی شخص اُس کو اٹھالے اور اس پر مہربانی کرے اور کچھ چیز اُس کو دے۔ یہ طریقہ کسی قدر عجیب ہوگا لیکن یہی اصول ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ بچہ کو من کاموں اور حرکتوں میں کوئی خطرہ نہ پیش آسکتا ہو تو اُس کو آزاد چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ وہ امکان کی حد تک، اپنے اعمال کے نتیجوں کو خود معلوم کرے اور خود اس کا تجربہ حاصل کرے۔

یہ موضوع اہم اور بہت مشکل ہے، سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے اس کے تمام جزئیات بیان میں نہیں آسکتے۔ تاہم اس کی مثالیں اور نمونے اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان سب کا شمار ناممکن ہے۔ ان میں سے ہم ایک ایک کا بیان بھی کہ کس موقع پر بچہ کو کھلے بندوں چھوڑ دینا اور کس حالت میں اس کو امر و نہی کے زیر فرماں رکھنا چاہیئے، ان حالتوں کی جانچ، ماں کے فہم و ادراک اور اُس کے فن تربیت کی قواعد سے متعلق معلومات پر، جن کا ذکر آئندہ فصلوں میں بھی آئیگا، موقوف ہے۔ یہاں صرف یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ بچوں کو بعض صفتوں اور حالتوں کا توارث ہوتا ہے:۔ یہ توارث یا تو نسلی ہوتا ہے یا آبائی۔

(۱) نسلی اس طور پر کہ ہر قوم، چند ایسی ظاہری و مخصوص صفتیں رکھتی ہے جن کی وجہ سے وہ پہچانی جاتی ہے۔

(۲) آبائی، اس طرح کہ بچے بعض صفتیں اور طبیعتیں اپنے والدین اور اجداد سے وراثتہً پاتے ہیں۔ جیسے بعض بچا یا اور اخلاقی صفتیں ــــ مثلاً۔ بخل، بہادری، تحمل، جرأت ... وغیرہ ــــ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ بچے اچھی بری دونوں قسم کی صفتوں کی استعداد سے متوارث ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کو ابتدا ہی میں دریافت کرکے صحیح راستے پر نہ لگائینگے تو بہت ممکن ہے کہ اُس کا نمو بے قاعدہ و طریقہ پر ہو جن کا راہ راست پر لانا ایک مشکل کام ہوگا۔ یہاں اس نکتہ کا واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم استعداد کا لفظ جو اس موقع پر استعمال کر رہے ہیں اس سے ہمارا مفہوم یہ ہے کہ بچے اپنے ہمراہ بعض صفتیں اور طبیعتیں جوں کی توں نہیں لے آتے، بلکہ ان میں ایک فطری قابلیت موجود ہوتی ہے جو ان کے حاصل کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ شاید ہی یہ بات باور کرنے کے قابل ہو کہ جو بچے مریض والدین سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان سے مرض کو بھی وراثتہً پاتے ہیں۔

اسی خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے، سب سے پہلے انہی استعدادوں اور ذہنی و اخلاقی قابلیتوں کو ایک طبیب حاذق کی طرح دریافت کرنا اور بُری صفتوں کی تشخیص کرکے معالجہ میں مصروف رہنا چاہیئے یہ معالجہ نہایت سخت ہوتا ہے، لیکن بے نتیجہ نہیں اور فن تربیت کی قدرت اور اعجازی معالجہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر فن تربیت اخلاق و طبائع کی اصلاح اور ان میں تبدیلی کرنے اور نفس انسانی کے میلانوں اور ان کی استعدادوں کے راستوں کو بدلنے پر قادر نہ ہوتا تو روئے زمین شر و فساد سے بھر جاتی اور نوع انسانی بھی وحشی جانوروں کا نمونہ بن جاتی۔ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ فن تربیت نے انہی باتوں کی روک تھام کی اور کر رہا ہے۔

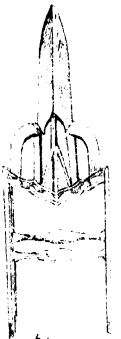
بچہ اخلاق و طبیعت کے اعتبار سے، غالباً عام صفتوں اور طبیعتوں مثلاً، ذکاوت، دقت، امانت، محاکمہ، حافظہ، تخیل، اور استقامت ... وغیرہ کو اپنے والدین سے وراثتہً حاصل کرتا ہے اور پھر انہی استعدادوں کے اچھے برے کاموں میں لگانا ہے یعنی یہی صفتیں اور قوتیں اس کی خوش نصیبی و ترقی کا باعث ہوتی ہیں اور یہی اُس کی بدنصیبی و سیاہ کاری کا سبب۔ ورنہ بچہ تو لڈ کے وقت خالص، گنہگار اور بے عیب یا ــ حکیم، فاضل اور نیک بخت پیدا نہ ہوگا۔ بلکہ انکی قابلیت و استعداد دونوں صفتوں پر حاوی ہوگی یعنی دونوں راہیں اس کے سامنے ہونگی جن میں سے کسی ایک کا اختیار کرنا اس کی ممکنات کی تعیین کریگا۔ یہ کام بچے کے والدین اور اُس کے مُربّی کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ بچے کی استعدادیں اور طبیعتیں انہی کے قبضہ و اقتدار میں ہوتی ہیں۔ مُربّی اور بچے کے باہمی تعلق کا حال اس شخص کی حالت سے ملتا جلتا ہے جس کے ہاتھ بہت بڑی دولت لگی ہو۔ دولت اپنی ذات سے کوئی بُری اور نقصان۔ سامان چیز نہیں ہے، لیکن عاقل و نیک آدمی کے ہاتھ میں خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے اور بے عقل و شریر آدمی کے ہاتھ میں شر و فساد کا موجب ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف، دولت سے خیر یا شر کو حاصل کرنا اس کے استعمال پر منحصر ہے نہ کہ دولت کے وجود پر۔ یہی حال ہے ان استعدادوں اور اخلاقی و ذہنی میلانوں کا جو ہمراہ لائے ہوتے ہیں۔ ان سعادتوں اور شقاوتوں کے عامل ہونیکے اسباب و راصل ان کے فطرا استعمال پر موقوف ہیں۔ یہی بات لوگوں میں ہم روزانہ دیکھتے ہیں جیسا کہ بعض آدمی نیک لوگوں کی صحبت و تلقین اختیار کرنے سے نیک دل اور عمدہ اخلاق والے ہو جاتے ہیں۔ بُرے آدمیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کی وجہ بُری عادات و خصائل سیکھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ایک شخص میں یہ بات بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ تک پاکباز لوگوں کے ساتھ رہکر مکارمِ عفت و عصمت اور حسن اخلاق کا پتلا بنا ہوا ہے اور چند سال گزرنے کے بعد پھر ہم اُس کو اس حالت میں پاتے ہیں کہ بد ذات و قطعیان صفت آدمیوں کی ہم پیالہ ہم نوالہ رہنے کے باعث، انہی کی سی عادات و وضع اختیار کر لی ہے۔

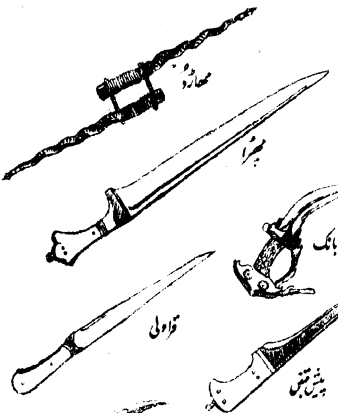
اسی لحاظ سے جس صورت میں کہ عاقل و بالغ آدمی ایک حادثہ صحبت و ہمنشینی کے زیر اثر حالات و عادت کو بدل دیتے ہیں، کیا بھی باوجود اُن فرماں پذیرانہ حالت کے، صرف عمدہ و طریقہ کے زیادہ تر مربی اور والدین کے ہاتھوں میں اپنی حالت کو بدل سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ والدین بچہ کے خالق ہوتے ہیں۔

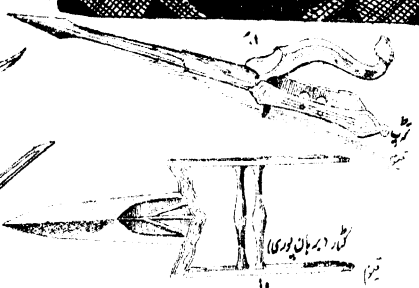
سب سے اچھا طریقہ بچوں کی حالت کے درست کرنے کا یہ ہے کہ خواہاں ہو ہر مربی پہلے بچہ کی موروثی استعدادوں اور صفتوں کو دریافت کرے اور ان کی دو قسمیں قرار دے (۱) وہ صفتیں جن کو ترقی دی جا سکتی ہے اور (۲) وہ صفتیں جن کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ پھر ان امور کو اصول اور محل کے ذریعہ انجام دے۔ اس مسئلہ میں بچوں کی حالتوں اور ان کی ذہنی کیفیتوں سے جو ہم نے کام کر لیا ہے اوپر کے اجزا، فائدہ اٹھانے، ان کو بُری اور نقصان پہنچانے والی راہوں میں کام کرنے کے نہ چھوڑے۔

ایک فقرہ اگر ہم اب قرآن میں اخلاقی خرابیوں کے چھپانے کو لیں کہ ایرانی بچے نسلی لحاظ اور آب و ہوا کے اثر کے مطابق، نہایت ذہین طباع اور درّاک واقع ہوئے ہیں، لیکن چونکہ تربیت کی نعمت سے محروم ہیں اس لئے ان کے تو نہ ہی چاہیئے اس کے کہ وہ نیک اور منزل مقصود پر پہنچنے والے راستے پر لگ جائیں، بد اور گمراہ کرنے والی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات انسان کی طبیعت میں داخل ہے کہ اُس پر بُرے اخلاق کا اچھے اخلاق کی بہ نسبت بہت جلد اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا اپنا عقیدہ ہے کہ

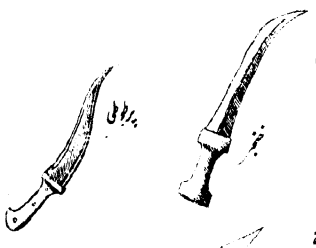


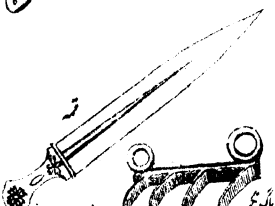












(کیپٹن اعجاز علی شہرت)

دست بدست یا کلہ بکلہ لڑائی کے چھوٹے ہتھیار

(۱) کٹار۔ (۲) خنجر۔ (۳) جمدھر۔ (۴) پیشقبض (۵) بانک۔ (۶) جمدھر۔ (۷) چھرا۔ (۸) قراولی (۹) پرتولی۔ (۱۰) بلال۔ (۱۱) پچھوا۔ (۱۲) مرٹھ (۱۳) مھارٹھ۔ (۱۴) کھونسہ (۱۵) قمہ۔ (۱۶) دشنہ (۱۷) باگھ نکھ۔ ان کے قبضوں کو دستہ کہتے ہیں اور پھوٹھ۔ سوا کٹار کے انکو تالیاں یا تاڑیاں کہتے ہیں۔

۱۔ کٹار، ہندوستان کا قدیم ہتھیار ہے اس کا پڑا ان پان ہے۔ کہتے ہیں جس کے پاس یہ رہے اُسپر آسیب اور سحر کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ زمانہ گذشتہ میں دولتمند لوگ جب فوج کرتے تھے اور فوجداری کو کسر شان خیال کرتے تھے تو اُن کے جواب سے ایجاب و قبول کا کوئی اور شخص جاتا تھا اور اُن کے عوض کٹار کو سر پر باندھ کے لیجاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ کٹار پر نکاح ہوا ہے۔ یہ صحیح ہو یا غلط کٹار چھوٹے ہتھیاروں میں سب کا سرتاج ہے۔ پھل لانبا بھی ہوتا ہے اور چوڑا بھی، سیدھا بھی ہوتا ہے، خمدار بھی۔ نوک پر چوکور شیشہ بنا رہتا ہے جس کو زرہ شکن اور کوڑی بھی کہتے ہیں۔ دونوں جانب دھار ہوتی ہے۔ قبضہ کے دونوں جانب دو پٹیاں ہوتی ہیں جو ہاتھ کی حفاظت کرتی ہیں۔ ان کے بیچ میں گرفت کے لئے ایک آڑی پٹی رہتی ہے۔ کٹار وہ جگہ کے مشہور ہیں۔ برہان پور، اور بوندی، بوندی کی کٹاری کہلاتی ہے ذرا چھوٹی ہوتی ہے۔ کٹار کے زخم کو ٹانکہ نہیں۔ ایک شاعر صاحب فرماتے ہیں ع

جمال یار جادو ہے کہ بوندی کی کٹاری ہے

۲۔ خنجر، ایرانی چھوٹا ہتھیار ہے۔ عباسیوں کے ساتھ آیا ہے، خراسانی مشہور ہے اور اچھا بھی ہوتا ہے فرم میں بلال سے مشابہت رکھتا ہے۔ دنبالہ کے قریب ہاتھی، شیر، ہرن وغیرہ اکثر جانوروں کی شبیہ تصویریں بنا دیتے ہیں، اُس کو شکارگاہ کہتے ہیں۔ شاعروں کے معشوقوں کا پیارا ہتھیار ہے۔

۳۔ جمدھر یا پھل میں رہنے کی وجہ سے جمدھر کہلاتا ہے عرب کا ہتھیار ہے اور عرب اس کے چلانے میں بے بدل مشاق ہے، فولاد کا نہیں ہوتا، لوہا بہت اچھا ہوتا ہے۔ شکل میں خنجر سے بہت مشابہ ہے، پھل کو عرب نصل کہتے ہیں۔ دکھنی تلی کہتے ہیں، دو قسم کا ہوتا ہے۔ گدھیا، (قدیمی) گلی، (نئی) گلی، ذرا چوڑا ہوتا ہے اور لوک دار ہوتی ہے۔ دکھن میں جمدھر کا ہاتھ کی گلی مشہور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نہایت خوبصورت اور چمک دار ہوتی ہے۔ بڑے بڑے حفاظت سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

اس لڑائی کے ساتھ رائج ہے کہ کٹار، خنجر، وغیرہ چھوٹے ہتھیار سب اس کے آگے رہ گئے۔ امیر غریب چھوٹے بڑے

سب کو مرغوب ہے چند ہی برس پہلے کسی کی کمان سے خالی نہیں رہتی تھی، اب عرب اور اکثر سپاہ چرخہ باندھتے ہیں۔

۴۔ پیش قبض، پٹھانوں کا ہتھیار ہے، چھوٹا بڑا ہر طرح کا ہوتا ہے۔ دستہ کے قریب چوڑا ہوتا ہے۔ اور اکثر تنا ہوا۔ لوک کے قریب ذرا خم بھی ہوتا ہے۔ عام طور پر رواج نہیں ہے۔

۵۔ بانک، پرانی وضع کا ہتھیار ہے۔ پھل سیلاپے کی طرح ٹیڑھا ہوتا ہے، موٹھ نہایت بد وضع۔ اب تو رواج بالکل نہیں۔ گاؤں والوں کے پاس کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے۔ قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنبیہ کی شکل اور خوبصورتی نے، بانک اور کٹار کے رواج کو مٹا دیا ہے۔

۶۔ چمدھر، نیزہ سے مشابہ ہے مگر کم خم ہوتا ہے۔ صفدر، بھی کہتے ہیں۔

۷۔ چھرا، پھل اندازاً ہاتھ بھر کا ہوتا ہے کچھ کم و زیادہ بھی رہتا ہے۔ فولادی، خمیر کے لوہے کا، کھیڑی کا بنایا جاتا ہے۔ تراہ کا چھرا مشہور ہے۔ سرحدی لوگ بہت رکھتے ہیں۔

۸۔ قرولی۔ (دکھنی قرول) چھرے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں شکار میں امراء اور سلاطین کے ساتھ بازدار اور قراول کے کمریں رہتا تھا۔ قراول کے کمر کی چمڑی قرولی کہلاتی ہے۔ شکار کو ذبح کرنا قراول کا کام تھا۔ دہلی کی چھری تمام کاریگر کی بنائی ہوئی نہ خالی بہت خوبصورت ہوتی ہے جس کو اب باولگراونڈ کہتے ہیں اور اس قسم کے نہ خالی استرے اب کثرت رائج ہیں۔

۹۔ پرطوطی، چھوٹی سی خوبصورت چھری ہے۔ کھار ہوتی ہے۔

۱۰۔ ہلال، نام سے ظاہر ہے۔ ہلال وضع کی چھری ہے۔ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔

۱۱۔ بچوا، چاقو کی طرح ہوتا ہے۔ کھلتا بند ہوتا ہے۔ کھلتا ہے تو پھر ایک پرزے کو دبانے سے بند ہوتا ہے۔

۱۲۔ کٹار۔ دکھنیوں کا ہتھیار ہے، کٹار کی ایک قسم ہے۔ قد میں لانبا ہے۔ قبضہ کی جگہ پٹہ کے کھوپری کی طرح چھوٹا دستہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ کھونسہ، ایک مختصر سا ہتھیار ہے۔ دستہ سے اندازاً چھ سات انگل ایک گول پھل لگا ہوتا ہے انی پر زور شکن ہوتا ہے۔

۱۳۔ مھاڑو، ہرن کی دو سینگوں کو ملا کر بناتے ہیں۔ دونوں نوکوں پر خوبصورت برجیوں کے پھل چڑھے رہتے ہیں۔ دونوں سینگوں کی جڑیں ایک رخ پر رہتے ہیں اور دونوں برچیاں ایک دوسرے کے مخالف جانب دونوں جڑوں کو ایک دستہ سے ملا کے جوڑا جاتا ہے۔ یہ دستہ گرفت کا مقام ہے۔ بعض میں اس مقام پر حفاظت کے لئے ایک سپر بھی رہتی ہے۔ جب ہاتھ میں لیتے ہیں تو ایک انی نیچے رہتی ہے اور ایک اوپر حریف وار کرتے ہیں تو ایک انی اپنی طرف آجاتی ہے۔ آہنی بھی ہوتا ہے۔ چلانے والے کے لئے کیسقدر خوفناک ہے۔ مثل مشہور ہے، ناتوں میں ساڑھو: ہتھیاروں میں مھاڑو۔ دونوں طرف چوٹ برابر ہے۔

۱۵۔ قمہ، ترکان کا ہتھیار ہے۔ دکھن میں بھی رواج ہے۔ ایران میں رائج تھا۔ چھوٹا بھی ہے، بڑا بھی ہے۔ ہاتھ سوا ہاتھ سے زیادہ طول نہیں ہوتا۔ کھیڑی کا بنتا ہے۔ داغستان کا بنا ہوا مشہور ہے۔ اوترتا ہوا انی کے قریب بہت باریک ہو جاتا ہے۔ دھار دونوں طرف ہے۔ کاٹ اور ہول دونوں کام دیتا ہے۔ ایک امیر جب کربلائے معلّٰی کی زیارت کو گئے تھے تو اُس وقت ترکانوں کا ایک قافلہ بھی آیا تھا۔ اُن کے پاس سے ایک عباسی اور یک قمہ اپنے ساتھ لائے۔ عباسی کی تھی بھینس کی سینگ تھی۔ چمن جوہر دار، نہایت پُرخم، زبردست قبضہ، نہایت وزنی۔ اس عباسی کو یہاں سان پر میں نے ایک بالشت اوتروایا، پھر بھی اُس کا خم نہ گیا۔ (اس سے زیادہ اوترنے میں تلوار کی حیثیت بگڑ جاتی تھی) قمہ، بھی عجیب شان کا ہے۔ نہایت عمدہ لوہا، داغستان کی مہر لگی ہوئی، شیر ماہی کا دستہ اتنا بڑا کہ میری گرفت میں انگلیاں نہیں لگتی تھیں۔ انگوٹھے اور انگلیوں میں چار انگل کا فرق رہتا۔ نواب صاحب فرماتے ہیں۔ "یہ قمہ اُن کے کمر میں ہر وقت اسطرح لٹکا رہتا تھا جیسے تمہاری کمر میں قرول"۔ ان سے ترکانوں کے قد و قامت اور قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اُس عباسی کو وہی چلاتے ہونگے۔ ہم اگر دونوں ہاتھوں سے چلائیں تو پھر اُٹھانا ہی مشکل ہو جائے۔ کھینچنا تو کجا۔

۱۶۔ دُشنہ، زبان کیطرح ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ دِچنا، کہتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہما نوقت جلاد نامہرباں پہ پروں کرد چوں تشنۂ دُشنہ زباں

ایک فولادی دُشنہ میرا دیکھا ہوا ہے جس کا دستہ ایک پارچہ دُرِ نجف کا ہے، اور دُشنہ پر دستہ کے قریب ایک جانب قبت سورہ اخلاص معہ بسم اللہ۔ دوسری جانب سورۂ کوثر معہ بسم اللہ خطِ نسخ میں اسقدر خوش خط کندہ ہے کہ شائد کوئی کاغذ پر قلم سے اُسکو سامنے رکھکر نقل کر سکے۔

۱۷۔ باگھ نکھ، (شیر کے ناخن) لوہے کے چھلوں میں شیر کے ناخن لوہے کے بنے ہوئے دھار دار لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ چھلے انگلیوں میں پہن لیے جاتے ہیں اسطرح کہ ناخن اندر کی جانب رہیں، اور مٹھی بند رکھنے میں چھپ جائیں۔ افضل خاں کو شیواجی نے اسی سے شہید کیا۔ افضل خاں سے درخواست کی کہ میں آپ سے صلح کی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں غیر مسلح آئینگے، وہ تو غیر مسلح آئے اور خود باگھ نکھ ہاتھ میں پہنے ہوئے تھا، نہتا پاکر وار کر گیا۔

چھوٹے ہتھیاروں کے مختلف حسن کاریوں اور زینتوں کا ذکر کرنے کے لئے۔ بجائے خود ایک کتاب درکار ہوگی۔ یہ ہتھیار آجکل کے چھپی گھڑپیوں اور کلائی بند گھڑپیوں کیطرح ہر وقت زیب کمر رہتے تھے اور آرائشی تصور کئے جاتے تھے، اس لئے ان کے متعلقات میں حسب حیثیت زینت کیجاتی تھی۔ دستوں میں جواہرات جڑے جاتے تھے۔ تہ نال (کوتہی) اور منہ نال سونے چاندی کی ہوا کرتی تھیں۔ چاندی کی تو اب بھی ہیں، مگر جواہرات کہاں۔ امراء کے سلاح خانوں میں ہونگی۔ دیکھئے مردانہ زینت کے سامان کیسے بدل گئے اور دولت کہاں سے کہاں گئی۔ زمانہ نے کیسا انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

اَلسَّیْفُ وَالْخِنْجَرُ رِیْحَانُنَا
وَاَنَا لِلْحَرْبِ وَالْاٰسِ

ترجمہ: تلوار اور خنجر ہمارا پھول ہیں اور میدان جنگ اور زخم ہمارا رقص ہے۔

(علیؓ ابن ابی طالب)

نظام

وجیٹبل ہیر آئیل

عدیم المثال صنعت ولایتی سے سو فیصدی
زیادہ خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا
اجازت یافتہ شبیہ مبارک ٹریڈ
مارک ہر جگہ ملسکتا ہے۔

دکن ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد دکن



کہد و خضر سے چشم ظلمات لگیا ::: مردہ دلوں کو **زندہ طلسمات مل گیا** ::: فرہیوں کی جھوپڑوں اور
امیروں کے محلوں میں ڈنکا بج رہا ہے سفر شام بغداد اور یورپ تک جس کی مانگ ہو رہی ہے مسز ڈاکٹر حکیم آزاد کا لکھ دیا ہے کہ زندہ طلسمات فی الحقیقت ایک
بہترین دوا ہی ہے علاوہ رجسٹرڈ اور پیٹنٹ شدہ ہونے کے کیمیکل بورڈ کی پاس شدہ مفرت سے کوسوں دور ایسی عجوب اور اطمینان بخش دوا کے جعلی نقل
دوا یوں کو آزمانا اپنی غیر جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے ہیضہ، طاعون، بخار کھانسی پیچش متلی ہچکی قے کے دردار سانپ بچھو کے ہر زہریلے کیڑوں کا تریاق ہے غریبوں کے لیے آب حیات ہے اس کا ہر گھر میں رہنا
ضروری ہے۔ خط و تار کا پتہ۔

زندہ طلسمات حیدرآباد نمبر ٹیلیفون (۶۰۲)

کے ڈی عبدالغفور اینڈ سنس

سے طلب فرمایئے کھیل کے جملہ سامان بہترین اور اعلیٰ معیار پر صرف کے ڈی
عبدالغفور اینڈ سنس
کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن و جیمس اسٹریٹ سکندرآباد سے طلب فرمایئے

غالب

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی معرکۃ الآرا انگریزی کتاب جس کی دھوم مچی ہوئی تھی ۔ اب اردو لباس میں مشہور انشا پرداز مسٹر سید معین الدین قریشی ایم ۔ اے کے ذریعہ آگئی ہے، خواہشمند جلد تار دے کر روانہ کریں، آنگ یا وی پکم این

ملنے کا پتہ

مکان ڈاکٹر سید عبداللطیف کوچہ چراغ علی چادرگھاٹ حیدرآباد دکن قیمت عنقریب

سفوف جواہر

سوزاک جریان، سیلان الرحم، سفید پانی، بیقاعدگی ایام، بائخہ بین، دوران سر، اختلاج، تپ لب، تپ جگر معدہ، ورم دور کرکے اعضائے رئیسہ یعنی دل و دماغ کو معدہ دیں قوت پہونچاتا ہے، قیمت فی نشیشی (۱۰ماں) خوراک (۱۶) علاوہ محصول ڈاک نیز

دارالعلاج حسینی میں یونانی علاج کا علاج مفید و مجرب ادویات سے کیا جاتا ہے

محمد شریف منیجر دواخانہ شبلی گنج قریب مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن

جی رگھوناتھ مل بنکر

حیدرآباد دکن

کرسا مندنٹ (ایجنٹ) مسرس تھامس کوک اینڈ سنس لمیٹیڈ بنکرز برائے حیدرآباد دکن

بحری سفر دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے۔

فان اینڈ کمپنی ۔ واجبی کمیشن پر بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے علاوہ راست لندن کے لئے بھی ڈرافس جاری کئے جاتے ہیں۔

رقومات ۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافس رقم بھیجی جاتی ہے اور رہائنہ رقومات قانونی احکامات کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔

ضمانتیں و پرامیسری نوٹ ۔ تمام قسم کے ضمانت ناموں و پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزائن متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔

وظیفہ اور منصب ۔ خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے کھاتہ داروں کے حسب منشاء ادا و وصول جمع کئے جاتے ہیں جاری حساب حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ ۳ فیصدی سود دیا جاتا ہے

سیونگ بنک ۔ حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (۲½) فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے اور روزخواست کے ذریعہ قوا عد حاصل کئے جاسکتے ہیں اور ڈرافس قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو مال میں واجبی شرح سود سے متفرقہ امانتوں پر ڈرافس کئے جاتے ہیں ہر قسم کے بنک ورتبادلہ کے کاروبار کئے جاتے ہیں، کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص کارخانہ کارفرما ہے

حیدرآباد فوٹو اسٹوڈیو

اگر آپ کو عمدہ اور خوبصورت فوٹو گرافی کی ضرورت ہے، یا اگر آپ کو سینما کے اعلیٰ اور عمدہ سلائیڈس کم دام میں درکار ہوں تو آپ مسٹر ابراہیم علی فوٹو گرافر سے ضرور مشورہ لیجئے ۔ علمی مضامین کے سلائیڈس بھی خلتی فانوس کیلئے تیار کئے جاتے ہیں

منیجر حیدرآباد فوٹو اسٹوڈیو

روبرو گرامر اسکول

ناظرین حسن کارسے

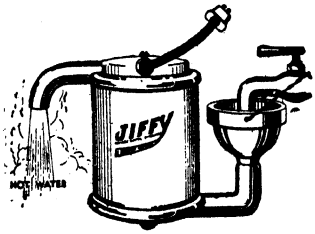
اکثر شکایتیں آرہی ہیں کہ نمبر کا وی باوجود ٹپہ سے روانہ کرنے کے اکثر کے پہونچنے کے پہلے غائب ہوجاتا ہے ۔ یہ مرض ہر اس انبار کے ساتھ ہے جس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ہو ۔ ہم ہزار کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے بچ نہیں سکتے ۔ اسلئے ناظرین سے التماس ہے کہ اگر تاریخ اشاعت سے چار یا پانچ روز کے اندر ان کے پاس اخبار نہ پہونچے تو ہم کو اطلاع دیدیں تاکہ ہم دوسرا روانہ کرسکیں ۔ بلد میں بھی دور کے پرچے بذریعہ ڈاک بھیج رہے ہیں ۔ فقط

منیجر

HOT OR COLD WATER FROM THE SAME TAP.

CONVENIENTLY USED

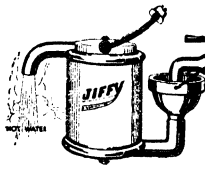
FOR SAFETY, CONVENIENCE AND ECONOMY USE



JIFFY. Water Heater.

EVERY WHERE

HOT WATER INSTANTLY FRO YOUR COLD WATER TAP



Crompton LAMPS
FOR LASTING BRILLIANCE

Unsurpassed in quality !

Unequalled in Value !

Pioneer in the field Since 1871 A. D.

Distributers :—

INTERNATIONAL GENERAL STORES,
Electrical Engineers and Contractors,
Opp : Grammar School, HYERABAD, Dn.

t is now 1933.

PRINTING IS UNAVOIDABLE

Buckle I Buckle II Buckle III

- It is no good hunting after a new printer every time and Repenting later.
- First try them in different ways. See if they can provide you with Good *Typography, Art Work, Colour Schemes, Prompt Delivery & Honest Suggestions* at reasonable rates. You will understand what lot of troubles you are sure to over come.
- And when your conscience recommends one, co-operate with him unhesitatingly and stick up to him solely.
- On your way of investigation, ask us about our *New Credit plan of 1933*, when you will open an account with us, and your name will grace our patron's list.

HYDERABAD PRINTING WORKS

Twenty five or Thirty Paces
Down a dusty little lane,

Opp. Registration Office, Nizam Shahi Road.


THE
HUSN KAR
حسن کار
باہتمام
سید محمد اکبر وفا قادری
A FORTNIGHTLY
URDU JOURNAL
HYDERABAD DECCAN
فرخندہ بنیاد دکانیم ماہی جریدہ حیدرآباد دکن

نظام
وجیٹیبل ہیر آئیل
عدیم المثال صنعت
خسرو دکن خلد اللہ ملکہ
کا
اجازت یافتہ
ہر جگہ ملسکتا ہے



نظام
وجیٹیبل ہیر آئیل
ولایتی سے سو فیصدی زیادہ
شیشہ مبارک ٹریڈ مارک
(المعلن)
دکن ہیر آئیل کمپنی
حیدرآباد دکن

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بورڈ، پوٹریٹ، طباعت کی تصاویر اور تمام قسم کے کام نہایت ارزاں اور مقابلتاً بہتر ہوتے ہیں:-

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار (حیدرآباد دکن)

آپکی کتابیں کہاں چھپتی

(ہیں)

ٹیپ انگریزی، اردو، لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کیٹے سے فراہم کی گئی ہیں، تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

مقدس پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور رسائل، اخبارکی جلدیں درکار ہیں تو **کاشانہ باز**

(یاد رکھیے)

"کاشانہ باز" (بازار گھانی)
حیدرآباد دکن

"حسن کار"

کے

مضمون نگاروں سے گزارش

۱- براہ کرم مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا جائے۔
۲- مضامین مختصر، عام فہم اور جاذب توجہ ہوں جس کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔
۳- انشا اور ادب لطیف جدید اصول پر بھی ہو۔
۴- بعد میں تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہیئے۔
۵- حسن کار ہر ماہ الہی کی یکم اور سولھا کو شائع ہوگا۔ "مدیر"

رجسٹرڈ نمبر (۲۲۹) (امتحان کردہ دارالتجربہ)

زلیخا ہیر آئیل

خواتین طبع معزز حضرات و نفیس طبع محترم بیگمات کے سر میں ڈالنے کے لیئے ہم نے زلیخا ہیر آئیل خالص روغن بادیل (یعنی تھوپرا) سے تیار کیا ہے اور یہ موسم سرما میں برف میں رکھنے سے جم جاتا ہے اگر استعمال سے بال لمبے سیاہ، چمکدار ملائم ریشم کے مانند ہو جاتے ہیں تیل ازوقت گرتے ہوئے بالوں کی جڑ و بنو مضبوط کرتا اور سفید ہونے سے باز رکھتا ہے۔ گرے بالوں کو از سر نو پیدا کرتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور تقویت دیتا ہے جنگی کو دفع کرتا اور درد سر کیلئے بھی مفید ہے۔ دماغی کام کرنیوالے حضرات اور محترم بیگمات کیلئے یہ ایک نادر تحفہ ہے ایکدفعہ آزمائش فرماکر امتحان حاصل کیجئے اور پھر ہر قسم کے روغن وسیل وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیے قیمت فی شیشی ۴ آنہ (عہ) ہر جنرل مرچنٹ سے طلب فرمائیے

دکن کا نایاب تحفہ برقی قوام عنبری (رجسٹرڈ نمبر ۷۲)

شوقین طبع معزز حضرات اور نفیس طبع محترم بیگمات کو پان میں کھانے کیلئے ہم نے برقی قوام عنبری" قیمتی اجزا مثلاً خالص عنبر، زعفران، ورق طلا و نقرہ وغیرہ سے ترتیب دیکر طبی اصول سے تیار کیا گیا ہے۔ خواص یہ ہیں کہ دل و دماغ کے لیئے نہایت درجہ مقوی مفرح ہے۔ قاتل نزلہ و زکام اور پرانی کھانسی خراش حلق، تحریک نزلہ کے دفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

مقوی باہ مسکن طبیعت میں پیتی، اعضا کمزوری، بادمزگی صفرا، کا غلبہ وغیرہ کیلئے پان میں کھانے سے فرحت بخشتی اور طبیعت میں اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے، گندہ دہنی کا دشمن دانتوں کا محافظ ہے۔ پان کیساتھ ملکر ایک لطیف ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے، دور دور پاخوشبو مزیں باقی رہتی ہے۔ قیمت فی تولہ ایک شیشی (عہ) نصف تولہ (۸) آنہ۔ زلیخا ہیر آئیل کمپنی (حیدرآباد دکن)

سیدھا ہی چلتا ہے جو سچا ہے، اگرچہ کہ سچ کی راہیں ٹیڑھی ہیں۔

جھوٹ زہر ہلاہل ہے سچی بات اکثر کڑوی ہی ہوتی ہے، مگر، اس میں امرت کا مزہ ہے۔

ہم اس اصول کو پیش نظر رکھکر ۲۴ سال سے آپ کی خدمت میں سرگرم ہیں!

احمد حسین ولد محمد ابرھیم جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ (حیدرآباد دکن)۔

فہرست مضامین

نشان سلسلہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نیند۔	از جناب فیض محمد صاحب بی۔ اے۔ ٹپ۔ ایڈ۔	۴
۲	ہندوستانی مالتی نظم	از "محسن کار"	۶
۳	موسیقی اور سنہ کے آلات موسیقی۔	حسن کا رانہ نقد نظر سے از کیپٹن اعجاز علی شہرت۔	۸
۴	مبدا، سلکت۔	از پروفیسر محمد عبدالمجید صدیقی۔ ایم۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی۔ (جامعہ عثمانیہ)۔	۹
۵	لیڈر۔		۱۲
۶	حدیث الیوم۔		۱۳
۷	نظم۔	از جناب محمد عبدالقیوم خاں باقی ایم۔ اے۔ (عثمانیہ)۔	
۷	بیوی کے نام خیر کے خطوط۔ (افسانہ)۔	از جناب قاضی آرام۔	۱۴
۸	واللہ تم بڑے خوش قسمت ہو۔ (مضمون نگار)	از محترمہ عزت آرا۔	۲۰
۹	گوئٹے۔	از جناب سید شاہ محمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ ریسرچ اسکالر۔	۲۱
۱۰	مشرق و مغرب۔	(از جناب محمد عبدالقیوم خاں باقی۔	۲۵
۱۱	معمہ۔		۳۰

یکم امرداد ۱۳۴۲ف ۶ جون ۱۹۳۲ء

نیند

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا

ابوالمکارم فیض محمد صدیقی بی اے۔ ڈپ۔ ایڈ عثمانیہ

اڈیسن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم سویا کرتا تھا اور زیادہ سے زیادہ اسے پانچ گھنٹہ کی نیند کافی تھی۔ لیکن اتنا کم سونے کے باوجود وہ اچھی طرح صحت مند آدمیوں کی طرح چستی و چالاکی اور حاضر دماغی سے کام کیا کرتا تھا۔

اڈیسن کی شان استثنائی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ نیند کی اتنی قلیل مقدار ہر شخص کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ کم نیند صحت کے لئے حد درجہ مضر ہے۔ کیونکہ صحت کا نیند کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ تاوقتیکہ انسان کو مکمل نیند نصیب نہ ہو وہ کبھی اپنی صحت کو اچھی نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو مسلسل کچھ عرصہ کے لئے جگایا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ کسی نہ کسی مرض مثلاً زکام، نزلہ، کھانسی وغیرہ میں مبتلا ہو جائیگا۔ نیند قدرت کا ایک بیش بہا عطیہ ہے جو لوگ ظاہری عیش و آرام کی خاطر راتوں کو جاگا کرتے ہیں۔ اور قدرت کے اس گراں قدر عطیہ سے جو ہر شخص کو بے دام میسر آتا ہے اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں۔ فطرت ان سے زبردست بدلہ لیتی ہے اور کبھی بھی وہ صحت مند نہیں رہتے برخلاف اس کے مزدوروں کو دیکھئے، بلاشبہ بیچارے غریب ہیں نہ تو وہ حفظان صحت کے اصولوں سے واقف ہیں اور نہ ان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن انجان طور پر قانون فطرت کی پوری پوری پابندی کر کے اس کا بہترین صلہ صحت پاتے ہیں۔

نیند کا مسئلہ ایک مختلف پہلو سے ہے اور قدیم زمانہ سے لیکر آج تک اس کے متعلق بہت کچھ اور مختلف قیاسات قایم کئے گئے ہیں چنانچہ آج سے تین صدی قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ نیند کی وجہ، معدہ سے اٹھنے والے بخارات ہیں جو دماغ کی طرف جاتے ہیں اور دماغ کی سردی کے باعث ان کی تکثیف ہو جاتی ہے۔ اور حسی مراکز میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے جس سے نیند آجاتی ہے۔

یہ مفہم نظریہ بالکل غلط تو نہیں ہے کیونکہ آج بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کام کرنے سے عصبی ریشے جلتے ہیں جن سے زہریلا فضلہ پیدا ہو کر دماغی خلیوں کو عارضی طور پر زہر آلود کر دیتا ہے جس سے تکان پیدا ہو جاتا ہے اور اعصاب میں مزید کام کرنے کی صلاحیت رفتہ رفتہ بلکہ مفقود ہو جاتی ہے اور ہم نیند کا اثر محسوس کرتے ہیں۔ اگر ایسے وقتوں میں آرام نہ لیا گیا یا بالفاظ دیگر خرچ شدہ توانائی کی بازیافت نہ کی گئی تو تجربہ بتلاتا ہے کہ فضلہ کے اس زہر سے بعض دفعہ زبانی صورتوں میں موت بھی واقع ہوتی ہے۔ فطرت نے گویا تکان کو ایک قسم کا اشارہ مقرر کر رکھا ہے کہ بس اب کام بند کر دیا جائے۔

نیند کے اس تعلق کو جو تکان سے ہے ہم جانوروں میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اگر تھکے ماندہ کتے کا خون پچکاری کے ذریعہ ایک تازہ دم کتے کے خون میں داخل کیا جائے تو اس میں بھی تکان کے اثرات رونما ہوں گے کتے کے خون کو بھی زہریلا بنا دیا ہے۔ جانوروں پر ایسے تجربے بآسانی کئے جاسکتے ہیں۔ نیز کیوٹرے کے بھی خلیوں کا خوردبین کے ذریعہ مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سکڑنے کی صورت میں ان کا حجم بمقابلہ اصل حالت کے (۵۰) فیصدی سکڑ جاتا ہے۔

نیند کے متعلق ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جسقدر گہری نیند ہوگی۔ اسی قدر زیادہ تازگی پیدا ہوگی۔ چنانچہ پہلے دو گھنٹہ جن میں ہم خوب گہری نیند سوتے ہیں۔ بمقابل بعد کے گھنٹوں کے زیادہ فائدہ بخش ہوتے ہیں اسکی فعلیاتی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ نیند گہری ہوتی ہے اور دماغ میں خون کی مقدار کم ہوتی ہے۔ اسلئے ہمارا جسم دن بھر کے کام کاج سے جو نقصان اٹھاتا ہے اسکی جلدی سے تلافی کر لیتا ہے۔ درحقیقت دماغ سے جب خون کا مکمل اخراج ہو جاتا ہے اُسی وقت گہری نیند آتی ہے۔ دو گھنٹہ کے بعد خون آہستہ آہستہ دماغ میں واپس آنے لگتا ہے اسی لئے رات کے بقیہ حصہ میں ہم گہری نیند نہیں سوتے بلکہ بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اثنار میں ہم اپنی گم شدہ توانائی کی بازیافت کر رہے ہیں لیکن اسکی انتہا وہ نہیں جو پہلے دو گھنٹہ کی ہے۔

ہر شخص کے لئے نیند کی اشد ضرورت ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ کام کی نوعیت اور صلاحیت جسم کے لحاظ سے اس کی مدت الگ الگ ہے۔ چنانچہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے۔ اڈیسن کے لئے پانچ گھنٹہ کی نیند کافی تھی لیکن ہر شخص کو مثال یا نظریہ نہیں تصور کر سکتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کم نیند کی ضرورت اس کے بہرے پن کی وجہ سے ہو جس کے باعث وہ اکثر و بیشتر خارجی ہیجانات سے بے نیاز رہتا تھا جو تھکانے والے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ہیرو دتی اہلیت اسکی، نیند میں بھی کسی طرح خلل انداز نہ ہو سکتے تھے اگر یہیں بھی اڈیسن کی طرح گہری نیند سونے کا موقعہ ملے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر ہمارے لئے بھی یہ مدت

بچہ کا تمام وقت نشو نما میں صرف ہوتا ہے جو بیس گھنٹہ میں بیس گھنٹہ سوتا ہے۔ اس کے بعد ۳ گھنٹہ اور پھر جب اس کی عمر اٹھارہ انیس برس کی ہو جاتی ہے تو وہ نو دس گھنٹوں پر ہی اکتفا کرتا ہے لیکن عام طور پر بالغوں کی نیند کا وقت (۷ یا ۸) گھنٹہ ہے یہ مدت تو ظاہر کسی قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں وہ مدت بھی شامل ہے جو نیند آنے میں یا نیند لانے میں صرف ہوتی ہے۔

نیند کی مدت حالات اور ماحول کے بھی تابع ہے۔ ایک کامل کاٹر کا جو ں ہی بستر پر سر رکھتا ہے نیند اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور پانچ چھ گھنٹہ تک گہری نیند سو کر تازہ دم اٹھتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک کاروباری آدمی پر غور کیجئے اس کے حالات اور واقعات بالکل جداگانہ ہوتے ہیں۔ سونے سے قبل دن بھر کے واقعات سے متعلق بیشمار خیالات کے بعد دیگرے اس کے روبرو آتے اور نیند میں مزاحم ہوتے ہیں اور کروٹیں بدلتے بدلتے تاکہ میں آجاتا ہے بالآخر جب بڑی جدوجہد کے بعد نیند آتی ہے تو دن بھر کے دھندوں کے خواب اسے تنگ کرتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے جو وہ گہری نیند سوتا ہے۔

اسکے علاوہ غیر جگہ بھی نیند پر بہت اثر پڑتا ہے چنانچہ یہ تقریباً ہر شخص کا تجربہ ہے کہ گھر کی نسبت ... باہر نیند بہت کم آتی ہے اس کے چند وجوہات ہیں ہر گھر کا ایک خاص مادہ ہوتا ہے جس سے ہماری آنکھ اور ہمارے کان آشنا ہوتے ہیں ان کے ہم اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ کسی طرح ہمارے لئے باعث خلل نہیں ہو سکتے مثلاً یہ کہ ایک شخص کا مکان ریلوے سٹیشن کے بازو واقع ہے رات دن اس کے کان میں ریل کے چلنے کی اور سٹیشن کی آواز آتی ہے اور وہ اس سے اس قدر آشنا ہو جاتا ہے کہ اس طرف ذرا بھی اس کی توجہ منتقل نہیں ہوتی سوتے وقت بھی اس کو یہ آواز تکلیف نہیں دیتی برخلاف اس کے ایک ایسے شخص کو جس کے کان ان آوازوں سے آشنا نہ ہوں ایسے مقام پر سلائیے تو وہ رات بھر ایک لمحہ بھی آرام کی نیند نہ سوئے گا اسی طرح شادی کے گھر دن میں چونکہ ماحول بالکل مختلف ہوتا ہے نیند حرام ہو جاتی اختلاف تپش کا بھی نیند پر بڑا اثر ہے گرما کے زمانہ میں اگر آپ ایک سرد مقام سے گرم مقام پر آجائیں تو آپ کو اچھی طرح نیند نہ آئے گی اسطرح سے پست مقامات پر سونے والے بلند مقامات پر اپنے آپ کو اطمینان بخش حالت میں محسوس نہ کرینگے

لیکن یہاں پر ایک دوسری وجہ بھی ہے جیسے جیسے ہم اوپر کی طرف جاتے ہیں ہوا میں آکسیجن گیس کی مقدار گھٹتی جاتی ہے اور کاربن ڈائی اسائیڈ زیادہ مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ہوائی جہاز کو خاص بلندیوں تک لیجانے والے طیارچی اپنے ہمراہ آکسیجن رکھتے ہیں اب چونکہ بھی ریشوں میں صلاحیت پیدا کرنے کیلئے آکسیجن کی ضرورت ہے اور بلند یوں پر آکسیجن زیادہ مقدار میں نصیب نہیں ہوتی اس لئے وہاں نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ بھی ریشے آکسیجن کی کمی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی وجہ سے اور متاثر ہو جاتے ہیں یہ چند وجوہات ہیں جو ہماری نیند میں خلل انداز ہوتے ہیں بہر حال میں جس چیز پر زور دینا چاہتا ہوں وہ نیند کی ایک معقول مقدار ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے ابھی اوپر کہا ہے ناکافی اور بیقاعدہ نیند سے مختلف امراض پیدا ہو کر زندگی کی طولانی کو کم کر دیتے ہیں۔ مزید برآں وہ لوگ جو پوری نیند نہیں سوتے زندگی کے حقیقی لطف سے محروم ہوتے ہیں۔

بخار یا کسی بیماری کے سلسلہ میں جبکہ جسم کی تپش بڑھ جاتی ہے تو خون کے ( ) بڑی طرح متاثر ہوتے ہیں اس وقت نیند شافی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اور حکیم اس امر پر متفق ہیں کہ اکثر و بیشتر بیماری کا قدرتی علاج نیند ہوتا ہے اسی بنا پر اکثر صورتوں میں یہ رائے مشورہ دیتے ہیں کہ اگر مریض کی آنکھ لگ جائے تو اس کو جگا کر دوا پلانے کی ضرورت نہیں۔ بعض دفعہ تفکرات کے باعث نیند حرام ہو جاتی ہے

اور انسان کہتوں کیا رات رات بھر آنکھ بند کئے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہے ایسی صورت میں نیند لانیکا بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان یا تو گرم پانی نہالے یا کچھ چہل قدمی کر لے یا جلدی جلدی مختلف نوعیت کے خیالات ذہن میں لاتا جائے ان صورتوں میں تکیہ بہت جلد نمودار ہوگی اور آنکھ لگ جائے گی ایک ہی خیال کو اپنی توجہ کا مرکز بنا رکھنا ہمیشہ نیند سے محروم رکھیگا۔ گرم پانی نہانے کی صورت میں دماغ سے خون خارج ہو جاتا ہے اور نیند آتی ہے نیند نہ آنے کی ایک اور وجہ خرابی معدہ ہے اس صورت میں معدہ سے ایک قسم کے زہریلے بخارات اٹھتے ہیں اور دل پر دباؤ ڈالتے ہیں دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور نیند غائب ایسی صورت میں غذا کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے بالخصوص رات کے کھانے ہی زود ہضم غذائیں استعمال کیجائیں معدہ کی خرابی کی باعث نسیان کی بیماری پیدا ہو جانیکا اندیشہ ہے جس کو غذا کی احتیاط کی مدد سے بڑی حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ نسیان کے اعلیٰ علاج میں حقنہ مفید ہوتا ہے علاوہ ازیں شش اور گردہ کو درست رکھنا صحت کی بہترین علامت اس میں شک نہیں کہ تاریخ چند نام ایسے پیش کرتی ہے جن کو بہت کم نیند کی ضرورت تھی مثلاً پیٹر اعظم فریڈرک اعظم ڈیوک آف ولنگٹن اور ہنامن فرینکلین مگر یہ لوگ بھی اڈیسن کی طرح نیند کے اتنے متوالے تھے تاہم ان کے کارنامے غیر معمولی اور درخشاں ہیں یہ استثنائی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا ایک وجہ سے تعلق ہے اس لئے اُن کو مثال قرار عمل کرنا کسی طرح ثمر بار مصلحت نہیں



ہندوستانی ناطق فلم حسن کارنہ نقطۂ نظر سے

از

"حسن کار"

(۳)

کلکتہ بمبئی کے بعد ہندوستانی فلمی صنعت کا سب میں بڑا مرکز ہے۔ یہاں پر بھی کئی ایک پرانی اور نئی کمپنیاں عادت کے موافق جلد بازی سے ناطق فلم تیار کرنے میں مصروف ہیں جن میں زیادہ تر ہندی، بنگالی اور چند اردو فلم ہر سال تیار ہو رہے ہیں مشہور کمپنیوں میں سب سے پہلے مدن کا نمبر آتا ہے۔

مدن کمپنی نے ہندوستانی یا اردو تھیٹر دجو دراصل بمبئی کی پارسی تھیٹر کی جانشین ہے) کو تصویری آواز کے ذریعہ سے پردۂ سیمنا پر منتقل کر دیا اور یہی اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ہم یہ بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اردو ڈرامہ کو جو نقصان پارسی تھیٹر کی زبردستی نے پہنچایا یا جو نقصان مدن کمپنی کے متکلم فلم پہنچا رہے ہیں اور وہ تمام عیوب مبالغہ کے ساتھ اختیار کر لیے گئے ہیں جس سے فن ڈرامہ کے لئے پیچھے چل جاتی ہے انکے عیوب عام ہیں۔ سب سے پہلے ڈرامہ کی زبان خدا جانے اس کمپنی کے مالک کو کس نے سمجھا دیا کہ ہندوستان کی عام زبان وہ ہے جس میں بنارس کے پنڈتوں کی لغت بلا سوچے سمجھے بھر دیجئے ہو اور جو زبان ایسے ڈرامے شلاً "لیلیٰ مجنوں" اور "شیریں فرہاد" میں استعمال ہوتی ہے وہ صرف خانقاہ نشین صوفیوں کی زبان ہے، پھر معمولی بول چال میں اشعار کی بھرمار اداکار کو کانٹ کا پتلا بنا دیتی ہے۔ گانوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ کوئی موقع محل ایسا نہیں جہاں پر گانا نہ ہو۔ ہم نے جیسے پہلے کہا ہے "منہ کے بعد گانا" مرتے ہوئے مسکرا کے گانا اور مرنے کے بعد گانا آدمی



کمار

(یوں بھگت)

گاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس طوفانی نغمہ کی وجہ سے اچھے گانے والے بھی پرشور ہارمونیم کے سامنے ستار بکر رہ جاتے ہیں۔

منظر نشست (سٹنگ) کا بھی یہی عالم ہے۔ جسقدر (سٹنگ) نظر آتے ہیں سب کے سب پارسی تھیٹر کی تقلید میں ہوتے ہیں، جن میں عمارت اور تزئین دونوں کے دونوں بین الاقوامی اور مختلف زمینہ کی خصوصیات کا بے آہنگ مجموعہ ہوتا ہے۔ ہر سٹنگ حقیقی معنوں میں پرانے سامان کی دوکان ہوتی ہے جس میں فرق صرف اتنا رہتا ہے کہ وہاں کی چیزوں کو رنگ برنگ ملمع کر دیا جاتا ہے اور ان مکھوٹے سکوں کو کھرے بنا کر چلایا جاتا ہے۔

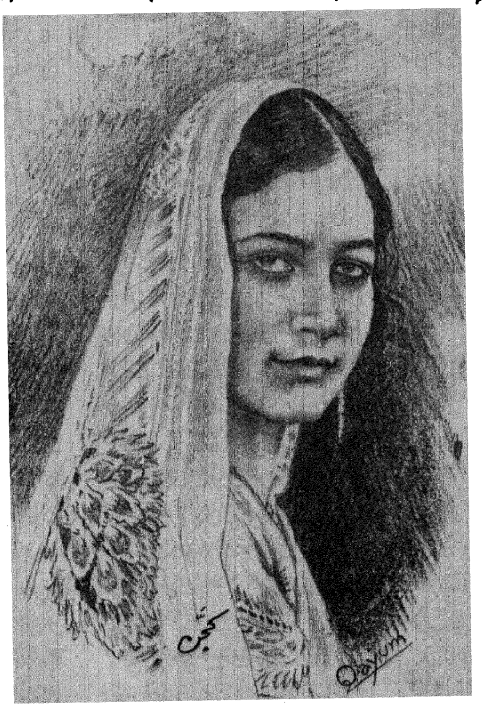
لباس خدا معلوم کس نقطۂ نظر سے اختیار کیا جاتا ہے جن ڈراموں کا قصہ کسی نہ کسی وجہ سے اسلامی سمجھا جاتا ہے تو اسکا لباس انتہائی مہمل شان و شکوہ کا حامل ہوتا ہے جسکو نہ کسی قوم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے نہ کسی زمانہ سے وابستہ۔ ہمیں زمانے مروانے کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی اور جن ڈراموں میں ہندو قصے ہوتے ہیں انھیں البتہ ہندوپن ضرور ہوتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر موزونیت پیدا کرنا انھوں نے اپنا شعار قرار دے رکھا ہے معمولی گوپیوں کو اعلیٰ درجے کی بیش قیمت ساڑیاں پہنانا یا دائیوں کو رانیوں کے لباس میں دکھانا انکا ادنیٰ کرشمہ ہے پھر زمانے کی قید سے بھی انکو سروکار نہیں مثلاً چتر بکاولی کے جیسے افسانے میں جو اپنے موضوع کے لحاظ سے قدامت چاہتا تھا۔ رانی کے محل میں ایک یورپی بہو کو پیش کرنا کورذوقی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک جتنے ڈرامے اس کمپنی کے جاری نظر سے گذرے ان سب میں مذکورہ عیوب بدرجہ اتم موجود ہیں ڈرامے کا مہمل پن گانے کا شور و شغب، سٹنگ کی بے آہنگی لباس کی غیر موزونیت ہر جگہ موجود ہے (سیکس اپیل) ایا جنسی ترغیب کے کوئی سوائے اسکے کچھ نہیں لئے جاتے کی ..... پست ذہنیت

سب سے بین بنگیا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس کمپنی کے خیال میں بھی کہ یہ الصوت گا سکتا ہے پیش کر دیا اور اسی قبیل کا انگلو انڈین زندوکا کھاڑ ظہر فنکار

جذبات خیالات کو ابھارا جائے اس کی خاطر جنسی ترغیب کی بھرمار کر دی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ہم ڈرامے نویس کو بھی قابل عفو نہیں سمجھتے اور آغا حشر کی شہرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ کہنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ اور انکے حواریوں نے ہندو ڈرامے کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ اسکے لیے چاہے جو عذر تراشا جائے کسی طرح قابل معافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انڈین ڈنگلس کیلئے ڈرامہ فیکٹیر کہلانا اور اس پر فخر کرنا سوائے اسکے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ حسن کاری پر بھی مغربی غلامی چھا گئی ہے اور گری ہوئی نقالی کا نام ہمارے یہاں ڈرامہ ہو گیا ہے۔ کوئی ڈرامہ نویس اپنے فن کے لحاظ سے ایک بازاری عورت کی زبان سے محبوب پرستی کے متعلق ایک قطعی لیطرح واضح کہنے پر مجبور نہیں کر سکتا جسے حسن کاری فطرت پر مبالغہ تو سمجھتی ہے فطرت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ پھر ایک ایسا ڈرامہ نویس چالیس سال کے بعد بھی اپنے قدیم پارینہ کو بدل نہ سکے اسیطرح صفحہ اوہن میں لایا نہیں جا سکتا ہے۔ محض باکس آفس کی تاثر غیب زدہ کی خاطر فن ڈرامہ کا خون کسی کمپنی کیلئے جائز نہیں ہے

ایسٹ انڈیا فلم کمپنی کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کمپنی "مدن" کے بنائے ہوئے خاکہ پر اپنا محل تعمیر کرتی ہے اور اور اس کی غلطیوں کو زیادہ نمایاں کر کے پیش کرنا اپنا کمال سمجھتی ہے چنانچہ عورتوں کی بھرمار، اگانوں کا لوخان۔ لباس اور سٹنگ کی بے آہنگی اسکے پاس "مدن" سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ حال ہی میں کرشن جی" کی جوانی کا ڈرامہ یہاں آیا تھا۔ انھیں اچھے گانے والیوں کا یکجا نہ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اندر بالا ۔ انگوربالا وغیرہ کے جیسے بہترین گانے والیوں کو یہاں پیش کر کے انکے جسمانی نقاشوں سے انکے روحانی نغموں کا مضحکہ اڑایا گیا تھا ہم پر کیف نغموں کے ساتھ ایک گوشت کے پہاڑ کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پیٹ بڑھاوے کی بیماری کا کیا علاج کہ ان بہترین گانے والیوں کے مقابلے میں سیتا دیوی، ہانی بی، روڈ کو بھی گانے کے لیے بھیجنے پر مجبور کیا جائے۔ اس ڈرامے میں جو گوسین پیش کیں انکا بھی بھی کے گھٹیا پن کی خوبیوں کو شرما سکتا تھا۔ اور اچھے گھرانے بجائے بیائی کے شربت کی ٹکیاں جنسی ترغیب کے خاطر



برہمنہ داستان کا منظر پیش کرشن جی" کو اوھالیا تھا ایک کمرے میں پہنچا دینا انتہائی بدتمیزی تھی۔ کیا بغیر اسکے جنسی ترغیب ممکن نہ تھی؟

اگر ہم نیو تھیٹرس کا "پورن بھگت" دیکھتے تو بلا خوف تردید کلکتہ کی فلم سازی کو نہایت ہی غیر حسن کارانہ قرار دیسکتے تھے۔ لیکن "پورن بھگت" نے عزت رکھ لی۔ اس ایک ڈرامے نے ہندوستان کی فلمی صنعت کے متعلق ہماری امیدوں کو بڑھا دیا جسکے لیے اس کے اداکار مبارکباد دیں۔ اس ڈرامے میں ہم نے سٹنگ یا منظر کی (نشست) ماحول لباس اور اداکاری ہر چیز نہایت تناسب خوبی میں دیکھا۔ کمار نے ہیئت پورن بھگت کے ایک روحانی انسان کیلئے بہترین کام کیا۔ ایک وہ مقامات پر اسکا آپا تھا کو پہنچا ہوا تھا۔ رانی سندرا کے مقابلے میں اسکا آخری ضبط نفس، باپ اور سوتیلی ماں سے قید خانے میں ملاقات۔ آخری دن اس کا کام بہترین کیا۔ خاص طور پر بیٹے سے ملاقات۔ اندھے ہو جانیکا متعلقہ بیانی دوسرے اداکاروں نے بھی اپنا اپنا کام نہایت سلیقہ سے کیا۔ گانے بہت برمحل تھے۔ جسکو ہم اداآموز کی خوبی تصور کرتے ہیں۔ اسلیے کہ انھی اداکاروں کو ہم نے دوسرے ڈراموں میں دیکھا ہے، مگر یہ خوبی ان میں پائی نہیں گئی۔ اداآموز نے اپنے کمال کو وہ جگہ دکھایا ہے ایک تو رانی سندرا کے جس میں پورن" کا داخلہ، دوسرا پورن" کا آخری مرتبہ تخت و تاج کو چھوڑ کر خدا حافظ کہنا۔ اداآموز نے ہر چیز میں اس تہذیب اور اس زمانے کو ملحوظ رکھا جس میں یہ ڈرامہ پیش کیا گیا تھا۔ بول چال بھی بیحد موزوں اور غیر فروری بجز اس سے مبرا تھی اور بجائے زبان کے ہر چیز کو اداکاری کے ذریعہ اظہار کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ ایک انتہائی مشکل ہیں یہ اس ڈرامہ میں بڑی کوشش سے ایک دو عیب کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ایک تو پورن" جس گوسین کو اشنان کرانے میں مدد دیتا ہے۔ اسکا بھی لباس۔ دوسرا رانی سندرا" کا موجودہ زمانہ کی طرز میں رنگین کپڑا مگر یہ قابل فروگذاشت چیزیں ہیں۔

کلکتہ کے اداکاروں میں مشہور گجن، نتا، مختار، اور بشیشن کو پسند ہیں۔ لیکن اوپر کے تینوں نام کی شہرت اداکاری سے زیادہ گانے کی وجہ سے ہے۔ جن میں مختار، سب میں بڑی ہوئی ہے لیکن جنسی ترغیب نے گجن، کو اسقدر مرغوب بنا دیا ہے کہ فلمی رسالہ میں اسکی تصویر بن نا گزیر ہیں جنسی اسی کی تعدیل میں ہم نے بھی اسکی تصویر دی ہے۔ نتا، تفصیل، اور بشیشن دیا کیطرح پختہ کار اداکاروں کی ضرورت میں نہیں آ سکتا ہے۔ لیکن مقبولیت عام کو کوئی روک نہیں سکتا بشیشن کو ہیرا، اچھی اداکارہ ہے اور ایک انگلو انڈین ہونیکے باوجود غیر زبان میں اسقدر ترقی کرنا قابل تعریف ہے

موسیقی اور دھات کے آلات موسیقی

از

کیپٹن اعجاز علی شہرت

تال ادھیا

علم تالیف کا مختصر بیان تو ختم ہوگیا اب علم ایقاع کا بیان آتا ہے جس میں ضبط اوقات کا ذکر ہے مولوی محمد عثمان خان صاحب نفیس اپنے رسالہ موسیقی "صوت الناقوس" میں تحریر فرماتے ہیں کہ موسیقی دو طرح پر ہے۔ قولی اور فعلی۔ (قولی گانا فعلی بجانا رقص وناچ) ان دونوں طرح کی تقسیموں میں تمام شاخیں آجاتی ہیں۔ تال ادھیا بھاؤ ادھیا نرت ادھیا۔ سمیت ادھیا۔ سب پر یہ تقسیم حاوی ہے۔ لیکن حکمائے ہند نے اپنے گرنتھوں میں سب کو ایک ایک جداگانہ فن قرار دیا ہے۔ اعمال وافعال کے اعتبار سے تال ادھیا ایک نہایت مشکل فن ہے۔ اگرچہ سر ادھیا میں دو عمل یعنی سر کھنڈ کے لیئے (سارنگ دیپ نیڈت کی اختراع) اور کوٹ تان پر سرتار کی قدر شکل ہیں۔ اور راگ ادھیا میں بنگلہ سیلوں کے حساب سے (۳۴۸۴۸) راگوں کے استخراج کا عمل بھی کچھ آسان نہیں ہے لیکن تال ادھیا تو لوہے کے چنے ہیں۔ خاص خاص ریاضی دماغ والوں کو آسان نظر آئیں گے۔ ایک مستند انگریز موسیقی داں کا مصنف قول ہے۔ "یورپی موسیقی داں ایک سُر سے دوسرے سُر پر پہونچتا ہے لیکن ہندی موسیقی داں سُروں کے اندر سرایت کرکے نکلتا ہے" اوسی کا قول ہے دنیا میں کوئی قوم ہندوؤں سے طبل نوازی میں بازی نہیں لیجا سکتی۔" صاحب بہادر کا یہ قول بہت سچا ہے۔ خدا جانے کتنی کوششیں کی ہونگی مگر نقل نہ کر سکے تو یہ انصافانہ حقیقت آگیں فقرہ زبان سے نکل گیا اس میں شک نہیں کہ مغربی موسیقی میں سیدھے سادھے سُر ہیں اور تال ادھیا کی تو ہوا ہی نہیں لگی۔ طبلہ پکھاوج کیسے ہی دلیل کیوں نہ خیال کئے جائیں۔ لیکن اپنے تالوں میں سب پر چھائے ہوئے ہیں۔ بجانیوالا تو عمل کر رہا ہے لیکن اون ریاضی داں حکما ہندکے کمالات سے بے بہرہ ہے جو انہوں نے حرف کئے ہیں اس کے پاس تو اس بحر ذخار کا فقط ایک کوزہ آب ہے۔

تال ادھیا میں ضبط اوقات سے بحث ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ مارنے یعنی تالیاں بجانے یا چٹکیاں بجانے یا کسی چیز پر شل ساز وغیرہ کے ہاتھ مارنے سے مغربی موسیقی میں قدم کا ضبط ہے یہ لوگ پاؤں کی حرکت سے ضبط اوقات کرتے ہیں۔ عجم میں بھی ہاتھ سے تال دیجاتی ہوگی۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

مے بادہ می بستان دست بزن پائے بکوب
در خرابات نہ از بہر نماز آمدہ۔

موسیقی میں تال ایسی ہے جیسے نظم میں بحر ہند میں تال کے اوقات کے لئے ماترا ہے جو اپنی عرض وطول میں ایک انسان صحیح البدن کے نبض کی ایک حرکت کے برابر ہے۔ پھر اس کے اجزا دو مرکبات ہیں مثلاً پُکت۔ دُرت۔ انودرت گھسو۔ کرن۔ (ان کا بیان آئے گا) انھیں مرکبات کی بندش کیگئی ہے۔ عجم میں بھی تالیں ہیں جن کو اصول کہتے ہیں۔ یہہ شمار میں جملہ شش رہ ہیں انکی تالیف عروض کی بحروں کی طرح مرکبات مثلثہ پر ہے جو ماترون سے بہت قریب ہیں۔ یہہ مقابلہ اہل مذاق کے لئے حالی از دلچسپی نہوگا۔ اس لئے مختصر ذکر کردینا مناسب ہے۔ مثال میں ہم پکھاوج اور طبلہ کے بول لکھدینگے مقابلہ آسان ہوجائے۔

مرکبات ثلثہ۔ سبب۔ وتد۔ فاصلہ۔ سبب دو طرح کا ہے۔ خفیف۔ اور ثقیل۔ وتد دو طرح کا ہے مقرون یا مجموع۔ اور مفروق۔ فاصلہ بھی دو طرح کا ہے۔ صُغریٰ اور کبریٰ۔

سبب خفیف لفظ دو حرفی ہے۔ حرف اول متحرک۔ دوم ساکن۔ دھن

سبب ثقیل دو حرفی ہے۔ اول دوم دونوں متحرک۔ تِن۔

وتد مجموع یا مقرون۔ سہ حرفی ہے۔ دو حرف اول متحرک۔ سوم ساکن۔ تنک تنتا۔

وتد مفروق سہ حرفی ہے۔ اول آخر متحرک دوم ساکن۔ کِٹ تَ۔

فاصلہ صُغریٰ۔ چہار حرفی ہے۔ تین حرف اول متحرک۔ چہارم ساکن۔ تکِ دھِن۔

فاصلہ کبریٰ پنج حرفی ہے۔ حرف پنجم ساکن تَن کَن تَنْ۔

(اصل تو سبب اور وتد ہیں۔ فاصلہ صُغریٰ مرکب ہے۔ سبب ثقیل اور آخر سبب خفیف سے۔ فاصلہ کبریٰ مرکب ہے۔ وتد مجموع اور آخر سبب خفیف سے)

اشباع حرکت (حرکت کو طول دینا) زبر کے ساتھ الف۔ اور زیر کے ساتھ یا پیدا ہوتی ہے جس طرح عروضیوں نے اسباب اور اوتاد سے افاعیل پیدا کئے اور اون سے اُنیس (۱۹) بحر مستخرج کین اور بحور میں زحافات اور علل کو داخل کرکے بہت سے اوزان پیدا کئے ہیں۔ اوسی طرح ماتروں کی ترکیب سے بیشمار تالیں نکلتے ہیں۔

مبدائے مملکت

(۶)

از پروفیسر محمد عبدالمجید صدیقی (جامعہ عثمانیہ)

نظریۂ ارتقا نظریۂ معاہدہ معاشری کی معمولی ادھیڑبن سے اس کے تمام مغالطے بے نقاب ہوجاتے ہیں۔ بجلہ اور خرابیوں کے اس کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ نظام سیاسی کا ایک وقت مقرر کرتا ہے جو تاریخ کی نظر میں ایک ان مِل بے جوڑ سی بات ہوگی۔ قیام مملکت کا ایک وقت مقرر کرنا اور اس کو ایک تحریک اور تجویز کا نتیجہ قرار دینا بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ایک وقت مقرر کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ اس تاریخ سے پہلے معاہدہ کرنے والوں میں مملکت کا کوئی احساس نہیں تھا اور یہ احساس فوری پیدا ہوا اور پھر یہ ایک تجویز کی صورت میں نمو دار ہوا، اور تجویز نے ایجاب وقبول کی شکل اختیار کی اور قیام مملکت کی باعث ہوئی۔ یہ ایسا خیال باطل ہے کہ روح تاریخ اس کو گوارا نہیں کرسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ ایسے خود ساختہ ڈھکوسلوں سے ناآشنا ہے۔ تاریخ انسان کی فہم معاشرت کا ایک مسلسل مرقع ہے اور اس کے صرف سرسری مطالعہ سے یہ چیز واضح ہوجاتی ہے کہ فہم معاشرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو وقت واحد میں اس طرح قائم ہوا ہو کہ اس کے پہلے اس کا کوئی نام ونشان نہ ہو۔ ایک جگہ رہنے والوں میں اچانک یہ خیال پیدا ہوجائے کہ ہم کو آج مملکت قائم کرنا چاہیئے، اور اس لفظ نفسیے ذرا پیچھے ہٹکر دیکھا جائے تو یہ خیال سرے سے ناقابل وقوع ہو، بالکل غیر تاریخی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ گویا تبادلہ خیالات کی ضرورت محسوس کرکے ایک زبان قائم کرنے کی تجویز کی گئی۔ بات یہ ہے کہ انسان کی فہم معاشرت تاریخی ارتقا کا ثمرہ ہے حیات انسانی کے جتنے شعبے ہمارے سامنے ہیں وہ کبھی اچانک وجود میں نہیں آئے، بلکہ ارتقائی زینوں سے گزر کر ایک خاطر خواہ صورت میں ظہور پذیر ہوئے جس طرح انسانوں نے رفتہ رفتہ کپڑے بنانے اور کپڑے پہننے سیکھے ہیں اور جس طرح تبادلہ خیالات کے غیر شعوری احساس سے زبانوں کا تدریجی ارتقا ہوا ہے اسی طرح مملکت کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اس کا ایک معین نقطۂ آغاز اور ایک مقررہ وقت اور محرک تلاش کرنا فضل عبث سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ مملکت ایک فہم معاشرت کا نام ہے۔ ایک طرف اسکی تعمیر رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ ہوئی ہے آج کچھ خیال پیدا ہوا اور کل کچھ اور دوسری طرف یہ تمام ارتقا غیر شعوری طریقہ سے ہوا ہے، اس میں کسی ارادہ اور تجویز کو دخل نہیں ہے۔ یہ مقولہ کہ مملکت تاریخ کا ثمرہ ہے اسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے اور پروفیسر برجس، کی تشریح کے مطابق اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان کا فہم معاشرت جس کا دوسرا نام مملکت ہے ایک بہت ہی ناقص حالت سے ترقی کرکے درجہ بدرجہ مختلف اچھے بُرے مدارج میں سے ہوکر ایک بڑے نظم ونسق کی صورت میں نمو دار ہوا ہے۔ یہ خیال کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہوگی کہ توائے جسمانی اور دماغی کے مکمل ہونے کے بعد انسانوں نے ایک مملکت قائم کرنے کی تجویز کی۔ جس طرح ایک درخت کے نشو ونما میں خط فاصل کھینچنا کہ دو سال پہلے اس حد تک اس کی بالیدگی ہوئی ہے اور دو سال کے بعد یہاں سے اس کی ترقی ہوئی ہے ایک بے معنی بات ہوگی، اسی طرح انسان کی حیات انفرادی و اجتماعی ناقابل تسلیم ہے۔ وہ کسی خود ساختہ حد بندی کی متحمل نہیں ہوسکتی یہی نظریہ ارتقایا نظریہ تاریخی ہے جو عہد حاضر میں مبدائے مملکت کے متعلق بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا سب سے پہلا مدعی ناٹسکو ہے جس نے اپنی مشہور کتاب "روح قوانین" کے ذریعہ علم سیاسیات میں تاریخ کی صحیح روح پیدا کردی اور مبدائے مملکت کے مسئلہ کو ارتقائی طریقہ تحلیل سے سلجھانے کی کوشش کی۔ گو اس کی کتاب ۱۷۴۸ء میں شائع ہوئی تھی، لیکن اس کا اثر تقریباً انیسویں صدی میں جاکر اس وقت پیدا ہوا جبکہ روسو کے انتقال کے بعد نظریہ معاہدہ معاشری کا چراغ گل ہوگیا۔ انگلستان میں برک نے اس نظریہ ارتقا میں جان ڈالدی اور جب ڈارون نے اپنا خاص نظریہ ارتقا شروع کیا تو اس میں ایک اور مزید تقویت پیدا ہوگئی۔ گو ڈارون نے مادی دنیا کے نشو ونما جس میں جمادات نباتات اور حیوانات شامل ہیں تدریجی ارتقا کا تابع بتایا ہے مگر اس نظریہ نے تمام دنیائے تفکر کو اس قدر گھیر لیا ہے کہ سیاسی مفکر بھی مملکت کے مبدا کو اسی نظریہ کی روشنی میں دیکھنے کے لیے مجبور ہوگئے۔ جب تمام کائنات ارتقائے تدریجی کے قانون کی تابع ہے تو انسان کا فہم معاشرت کب اس قانون کے پنجہ سے باہر ہوسکتا ہے۔

نظریہ پدرسری گو تدریجی ارتقا کا یہ تصور بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس حد تک اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا نہیں کرسکتے۔ ہم کو آگے بڑھکر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس فہم معاشرت کا کس طرح نشو ونما ہوا اور کن کن مدارج میں سے ہوکر اس حد تک پہنچا ہے۔ ان مدارج کی تحقیق آسان نہیں ہے بلکہ ان کے لیے بنیاد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان مدارج کے

مطالعہ کے لیے تاریخ غیر معاصرہ کے اس دور میں سے گذرنا پڑتا ہے جسمیں صرف چند دھندلے نشانات کے سوا کوئی تحریری مواد نہیں ملتا۔ خود تاریخ معلوم بھی اس مطالعہ میں خاموش ہے کیونکہ اس سے جنگ و جدل جیسے چند مخصوص واقعات کے سوا جو غیر معمولی طور پر وقوع پذیر ہوگئے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ نظم معاشرت کی بنیاد اور ترقی جو بالکل غیر شعوری طریقہ سے پیدا ہوئی ہے کون لکھتا اور ذکر کرتا۔ پھر تاریخ غیر معاصرہ میں اس کا پتہ لگانا کتنا مشکل ہے۔ لیکن تقریباً مملکت کی داغ بیل اساس کے پتہ لگانے کے لیے اتنی تاریک دور کے آخری سرے تک پہنچنا ضروری ہے ورنہ بغیر اس مستحکم کے ظہور اتفاقاً دور ہوگا اور جو نتائج مرتب کیے جائیں گے وہ بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتے چنانچہ اس غرض کے لیے تاریخ کو پھوڑ کر جولاپتہ ہے دوسرے ذرائع سے کام لیا جائے گا۔ زبان اور تحلیل انسانی کے مطالعہ سے اس میں مدد ملتی ہے۔ نیز وحشی قبائل کا مطالعہ جواب بھی مختلف اقطاع عالم میں موجود ہیں نظم معاشرت کے مبادی سمجھنے کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ چنانچہ پروفیسر جنکس کی طرح بہت سے متلاشی ایسے ہیں جنھوں نے وحشی قبائل کی بود و باش بالخصوص رسم رواج کا کافی مطالعہ کرکے ایک بہت بڑا مواد جمع کر دیا ہے جو نہ صرف نظم معاشرت کے ارتقا سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ اجتماع انسانی کے اوپر پہلوں پر اس سے کافی روشنی پڑتی ہے۔

ان ذرائع کی چھانبین سے جن کا اوپر ذکر ہوا چند ارباب فکر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نظم معاشرت اور مملکت کی ابتدائی کڑی ایک خاندان کو قرار دینا چاہیئے۔ ایک خاندان جس میں میاں بیوی اور بچے ہوں مملکت کا سب سے پہلا تخم ہے جو نشو و نما پاتے ہوئے موجودہ مملکت کے ایک تناور درخت کی صورت میں موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ جب انسان دنیا میں پیدا ہوئے تو ان میں پہلا اجتماع میاں بیوی کا ہوگا کیونکہ ان تعلقات کو جو میاں بیوی میں پیدا ہوتے تھے خاص شکل یا قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا لیکن تعلق ہونا ضروری ہے اور یہ تعلق ایک خاندان کی تخلیق کا باعث ہوا۔ چونکہ اس خاندان کے مرکبی کچھ بیوی کا شوہر اور بچوں کا باپ ہے جسمانی اور دماغی حیثیت سے فوقیت حاصل تھی، اسی وجہ سے اس کو اپنے دیگر ارکان خاندان پر حکومت کرنے کا قدرتی اختیار حاصل ہونا ضروری تھا۔ شوہر ہی خاندان کی ضروریات فراہم کرتا تھا اور ان کی حفاظت کے لیے گھر بناتا اور اپنے قوائے جسمانی کے زور سے اپنے گھر کو دوسروں کی دست درازی سے بچاتا تھا۔ اس لیے یہ فوقیت اس کو قدرتی طور پر صاحب حکومت بنائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ عورت اور بچے یہ کام نہیں کر سکتے۔ ان کا کام صرف اسقدر تھا کہ جب گھر میں شکار آتا تو وہ اپنے معاشی جد و جہد سے اس کو اپنے کھانے کے قابل بنا لیتے اور تھوڑا گھر کا کام کر لیتے۔ مگر تمام مردانہ کام کے لیے جو گھر کے باہر ہوتے تھے تمام خاندان کو صاحب خاندان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا اور یہ احتیاج قدرتی طور پر حکومت کا باعث ہوا۔ چنانچہ اس طریقہ سے ایک خاندان کا باپ اپنے بیوی بچوں کا حاکم بھی تھا۔ وہ نہ صرف ان کی ضروریات بہم پہنچاتا تھا اور حفاظت کرتا تھا بلکہ وہ ان پر حکومت بھی کرتا تھا، اور سب اس کے احکام کی پابندی کے لیے مجبور ہوتے تھے۔ اور بہت ممکن ہے وہ ان کو سزا بھی دیتا ہوگا۔ اسی کو ہم سب سے پہلی مملکت قرار دینا چاہیئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خاندان کے سوا کوئی اور چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اور گمشدہ کڑی کا وجود خلاف قیاس ہے۔ مملکت کی پہلی اکائی کی صورت میں ابتدائی حکمی خاندان کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ایک شخص باپ و شوہر بلکہ کسی طریقہ سے اپنے خاندان کا حاکم بنگیا ورنہ دوسرے طریقہ سے کسی شخص کو دوسروں پر حکومت کرنیکا کوئی اختیار نہیں ہے مگر خاندان ہمیشہ انفرادی حالت میں نہیں رہ سکتا۔ دوسرے خاندانوں سے رشتۂ ازدواج جوڑنا پڑتا ہے اور یہ رشتۂ ازدواج بالآخر مختلف خاندانوں کے باہمی تعہد کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاوہ علیحدہ خاندان باقی نہیں رہنے بلکہ ان اتحاد سے قبیلے بن گئے۔ اور ایک بزرگ جو پہلے اپنے خاندان کا باپ تھا وہ مجمع قبیلہ بنگیا جس کو پورے قبیلہ پر اختیار پیدا ہو گیا۔

یہی نظریہ پدرسری ہے جس کا اکثر واقعات سے ثبوت ملتا ہے۔ تاریخ یہود اس کی گواہ ہے۔ قدیمت کے بہ لحاظ اس کو پہلی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ یونان میں اسی طرح کے خاندان اور یہ اداریاں تھیں۔ رومہ میں اختیارات پدری موجود تھے۔ باپ کو اپنے خاندان پر کافی اختیارات حاصل تھے۔ ہندوستان میں اس نظریہ کا سب سے قدیم دعویٰ ہے ہندوستان کے نظام خاندانی سے ثبوت پیش کرتا ہے۔ ہندوستان کی خاندانی تنظیم میں بزرگ خاندان تمام ارباب خاندان پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ارسطو نے بھی اپنی کتاب سیاسیات میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ پہلے خاندان پیدا ہوتا ہے اور اس سے رفتہ رفتہ ترقی ہوتی ہے۔ خاندان متحد ہو کر گاؤں اور شہر بناتے ہیں۔

نظریہ مادرسری

لیکن تنقید خارجی نظریہ پدرسری کو صحت سے گرا دیتی ہے۔ اول تو یہ نظریہ تمام سیاسی تنظیمات کی جو درجہ بدرجہ خاندانی کے بعد ترقی پاتے ہیں بنیاد نہیں قرار دیا جا سکتا یعنی تمام مملکتوں کے متعلق یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ اپنی پہلی منزل خاندانی سے آگے بڑھکر آئی ہیں۔ دوسرے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو دوسری دقت یہ پیدا ہوتی ہے کہ قبل تاریخی زمانہ کی تمام نظم معاشرت ہر جگہ باپ کا ایک گروہ حکومت سے نہیں شروع ہوئی۔ ارباب فکر جس میں میک لینن، جنکس، اور مارگن، شامل ہیں نظریہ پدرسری کو بے سروپا ٹھیراتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ نظم معاشرت کی ابتدا کو خاندانی تنظیم پر قائم کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ

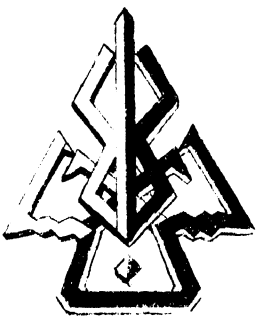
نظم معاشرت کی ایک پہلی منزل اور ہے جس کو "گلہ" اور "غول" کہنا چاہیئے۔ یک جدی اور خانہ بدوشی حالت میں آنے سے پیشتر انسان غول کی ایک غیر مرتب حالت میں گھومتے تھے۔ جنکس کے خیال کے مطابق گو یہ غول اپنے گرد و ہوں سے مختلف اور علامتوں کی وجہ سے مختلف ہوتے تھے اور ایک غول دوسرے غول میں شادی نہیں کر سکتا تھا لیکن ہر غول کو فی نفسہ دیکھا جائے تو ان میں زن و شوہر کے خاندانی تعلقات سرے سے مفقود پائے جاتے ہیں۔ یہاں بجائے اسکے ایک مرد کو لیکر شوہر و بیوی کی ایک اکائی قرار دی جائے، عورت سے بحث کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے جب ایک عورت کے کئی شوہر ہوں تو سلسلۂ قرابت کو ایک دو کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہاں تمام سلسلے عورت کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا اور مجمع الجزائر شرق الہند میں اس قسم کے غول پائے جاتے ہیں اور جنکس نے انھی غول کا مطالعہ کرکے یہ رائے قائم کی ہے۔ اور اس طریقہ سے نظم معاشرت کی ابتدا مرد اور اس کے خاندان سے شروع کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے سابقہ دور سے شروع کرنا چاہیئے اور وہ غول کی حالت ہے جہاں عورت سلسلۂ قرابت کی مرکز ہوتی ہے۔ اور جہاں عورت اس نام نہاد معاشرہ کی مربی اور مورث ہو تو ظاہر ہے کہ وہاں حکومت بھی عورت کی ہوگی اور توارث بھی عورت سے قائم ہوگا۔ چنانچہ ان وحشی گروہوں کو چھوڑ کر جن کا اوپر ذکر ہوا بعض اور اقطاع عالم میں جو درجۂ تہذیب میں آگے ہیں توارث اور تسلط اب تک قائم ہے۔ جزیرۂ ٹیگا سکر کے ہوا فرقہ میں اب تک عورت حکمراں ہوتی ہے۔ ملیبار میں عورتوں کا غلبہ اسی کی دلیل ہے، پدر سری کا درجہ اس کے بعد آتا ہے جبکہ یہ غول اپنی معیارانہ زندگی کو چھوڑ کر گلہ بانی اور کاشتکاری کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان میں زن و شوہر کے خاندانی تعلقات پیدا ہو چلتے ہیں اور خاندان کی اکائیاں بنجاتی ہیں۔ نظریۂ مادر سری ہے جس کو جنکس وغیرہ نے پدر سری کے مقابلہ میں پیش کیا ہے۔

نظریۂ پدر سری کی طرح یہ نظریہ بھی بہت کچھ بحث طلب ہے۔ اگرچہ یہ صورت بعض وحشی گروہوں میں جواب موجود ہیں پائی جاتی ہے اور زمانۂ قدیم میں بھی موجود تھی لیکن اس کو ایک سرگرکلیہ قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔ بعض جگہ پدر سری پائی جاتی ہے اور بعض جگہ کچھ اور قرابت اور اسکا اثر ہے۔ بعض جگہ قرابت کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا بلکہ قبیلہ کا شیخ اپنی عمر اور قابلیت کے اعتبار سے منتخب ہوتا ہے اور یہ چیز اب بھی بہت سے قبائل میں پائی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان نظم معاشرت کا صحیح مبدا و قطعیت کے ساتھ معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ موجودہ وحشی گروہوں سے اس کا صحیح اندازہ قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ زمانۂ قدیم کے وحشی گروہوں میں جو اب مہذب قومیں بنگئی ہیں ازدواج کی کوئی اور صورت ہو اس کی حقیقت کون معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان نظم معاشرت کے اس گورکھ دھندے کو اسی آسانی سے نہیں سلجھایا جا سکتا۔ خواہ وہ پدر سری ہو یا مادر سری ایک رشتۂ ازدواج کو اسکی کنجی قرار دینا غلط ہوگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی جس قدر سیاسی اور معاشرتی تنظیمیں ہیں وہ کسی ایک محرک کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ان کی تعمیر میں متعدد عوامل کا حصہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ازدواج اور خونی رشتہ بھی ایک عامل ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ اولین عامل ہو لیکن اسی کو سب کچھ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے محرکات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

قرابت — مملکت کی تعمیر میں خونی رشتہ کا بہت بڑا دخل ہے، اس کو ہم فراموش نہیں کر سکتے یہ رشتہ ماں کی طرف سے قائم ہوا ہو یا باپ کی طرف سے۔ بلکہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جگہ یہ رشتے مختلف قائم ہوئے ہیں تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ سیاسی نظم کے قیام میں اس رشتہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ایک ماں کے بچے یا ایک خاندان کے افراد جو آپس میں متحد ہوئے اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا تو وہ صرف اسی خونی قرابت کی وجہ ہے۔ یہی رشتہ قرابت کی نظر تعاون کے لیئے مجبور کرتا تھا جو اپنے اقربا کو دوسروں کی دست اندازی سے بچاتے تھے اور دوسروں سے ان کا انتقام لیتے تھے۔ اس طریقہ سے یہ اولین رشتہ معاشرت ہے جو افراد خاندان کو آپس میں منسلک رکھتا تھا۔ ورنہ ان قدیم بدمی اور خانہ بدوشوں میں سوائے اس خونی رشتہ کے کوئی اور محرک نہیں تھا جو ایک فرد کو دوسرے سے منسلک کرتا اور تعاون کے لیئے مجبور کرتا۔ اگرچہ نظم معاشرت بنانے والے دوسرے عناصر مثلاً زبان، رسم ازدواج کی یکسانیت وغیرہ بعد کو شامل ہوئے ہیں اور انھوں نے اتحاد کو بڑھایا لیکن قرابت پہلی چیز ہے۔ اسی کو اولین مملکت کہنا چاہیئے جس کے افراد اس کے بشر بنی تھے۔ کیونکہ اس وقت ایک خاندان کا رکن ایک بشر بنی کے مترادف تھا۔

نہ بہیت — لیکن جبکہ قرابت نہ تھی بھی یہ حصر کرنا ایک بیجا سا لفظ ہوگا۔ اگر ہم قرابت کو واحد محرک قرار دیں تو مملکت کی پوری عمارت ناقص ہو جائیگی اور اسکی تعمیر کے دوسرے مسالوں کو ہم فراموش کر دیں گے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ باپ کو اپنے قوائے جسمانی کی وجہ سے اپنے خاندان پر حکومت کرنے کا اختیار تھا کیونکہ وہ اہل خاندان کی حفاظت کرتا تھا تو ایک بوڑھے

بقیہ صفحہ (26)



جلد ۱۵ یکم امرداد ۱۳۴۶ف م ۲ جون ۱۹۳۶ء نمبر ۱

ہماری اثری دولت اور تعلیم

قلمرو آصفیہ اثری دولت کے لحاظ سے تمام ہندوستان کا مرکز ہے۔ ہندوستانی تہذیبی خزائن کے کل از منہ یہاں پر اجنتا و ایلورہ و بیجاپور کی شکل میں موجود ہیں جن میں اجنٹہ، ایلورہ، دیوگڑھی ورنگل اور تمام ہندوستانی تہذیب کے مختلف ادوار کی نشانیاں ہیں، اس کے بعد دولت آباد، گلبرگہ، بیدر، اور حیدرآباد پہلے ترکوں اور پھر مغلوں کی تمام تہذیبی اور تمدنی جد وجہد کے محافظ ہیں۔ ان میں نہ صرف تاریخ اور ماضی کے کارناموں کی نہ مٹنے والی داستانیں موجود ہیں بلکہ حسن کاری کا ہر شعبہ اپنی تازگی اور ندرت کے ساتھ مل سکتا ہے۔ ہندو رنگ کاری کے لیئے اجنٹہ اور مسلم رنگ کاری کے لیئے بیدر ہے۔ ہندو آزری، ایلورہ، ایجنٹہ، ورنگل اور دوسرے بے شمار مقامات میں اپنے پورے خط و خال کے ساتھ موجود ہے اس کے بالمقابل مسلم تہذیب میں چونکہ آزری نہیں ہے اس لیئے اسکی جگہ تعمیر کاری کے اعلیٰ ترین نمونے ہر مسلم شہر میں دکھائی دیتے ہیں۔

ان آثار کو رکھکر بھی ہم اپنی تعلیمی حیثیت سے بہت کم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے طلبہ کتابی حد تک تمام دنیا سے واقف ہوتے ہیں لیکن خود اپنے وطن کی واقفیت ان کی اتنی موہوم ہوتی ہے کہ ہر حیثیت وہ قابل اصلاح کہی جاسکتی ہے۔ کالجوں میں گو تعلیمی سیاحت کا طریقہ رائج ہے لیکن اس میں حیدرآباد کو جاننے کے لیئے جس تنظیم سے کام کیا جانا چاہیئے کوئی بات موجود نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے ماضی کی یادگاروں کو طلبا کے ذہن میں اس طرح زندہ کرسکیں کہ وہ اس کی روشنی میں مستقبل کی درخشانی دیکھ سکیں تو ہماری قومی تعمیر کی بنیادی کوشش مکمل ہو جائیگی۔

آثار سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع مدارس کی چھٹیاں ہے اور اس کو تعلیمی طبقوں کے لحاظ سے منقسم کرکے ایک باقاعدہ نظام کے تحت عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ حیدرآباد میں کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی آثار تاریخی اہمیت کا موجود نہ ہو اس لیئے ہماری اس اسکیم میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

ہم اس کو اس طرح عملی بنا سکتے ہیں کہ عثمانی مدارس کی حد تک اساتذہ کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے ہی شہر یا گاؤں کے آثار کے متعلق تاریخی معلومات فراہم کریں اور چھٹیوں میں طلبا کو وہاں لیجا کر اُن کی اہمیت اُن کی خوبی اور اُن کی تاریخی عظمت کا درس دیں اور اس طرح سیاحت کے ساتھ تعلیم کے مقصد کو پورا کریں۔

اسکے بعد فوقانی جماعتوں کے طلبا کو اپنے شہر سے باقرب قریب کے تاریخی مقامات پر اُن کے مدرسین لیجائیں اور اُس سے انکو واقف کرائیں۔

کالج کے طلبا کیلیئے تو ایک مکمل نظام کی بیحد ضرورت ہے ہر سال ایک پروگرام کے تحت چند مقامات منتخب کرلیئے جائیں، مثلاً کسی سال ہندو دور نے لیں تو کبھی مسلم۔ اور اساتذہ تاریخ اسکے لیئے مفصل مواد تیار کرکے سیاحت کے پیشتر لکھ دیں اور طلبہ کیساتھ خود جاکر ہر موقع تمام چیزوں کو سمجھائیں اس طرح اساتذہ تاریخ کے علاوہ معاشیات اور عمرانیات کے بھی اساتذہ طلبا کو بہت کچھ عملی سبق دے سکتے ہیں۔ جس سے حقیقی معنوں میں بعض کتابوں کی ٹھونس ٹھانس معلومات سے کہیں زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے ابھی ہماری جامعہ میں آثار قدیمہ اور حسن کاری کے شعبے قائم نہیں ہوئے ہیں کہ ان کے متعلق ہم کچھ رائے دیں تاکہ ان شعبوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ اس محکمہ کو محکمہ آثار قدیمہ کے کارواں ناظم صاحب کی مدد سے پورا کیا جائے۔

اگر ہماری اس کارآمد تجویز پر محکمہ تعلیمات اور جامعہ غور کرے تو آئندہ ہم اس کیلیئے تیار ہیں کہ اس خاص کام کے لیئے ایک پوری اور مکمل تجویز پیش کریں۔

حدیث الیوم

حالیہ فرامین خسروی

حال میں دو فرمان خسروی ایسے شرف صدور لائے ہیں جن سے اہل ملک بہت سے درس حاصل کرسکتے ہیں۔ پہلا فرمان مبارک امراء زادوں کے متعلق ہے جس میں ذات شاہانہ نے ان کو اپنی حالت کی اصلاح کے متعلق زرین ارشادات سے متنبہ کیا ہے۔ ہر ملک کے تین طبقے ہوتے ہیں اور انکی قیادت ہمیشہ اپنے اعلیٰ طبقہ کے ہاتھ میں رہتی ہے انھی کی بہتری اور اخلاقی برتری پر تمام ملک کی ترقی اور نمو کا انحصار ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ اپنے ہی میں محض اسلئے روشن رہے کہ اسکے تاجداروں کے ساتھ ساتھ امراء نے بھی اپنی مثال سے ملک کو درخشاں اور فروزاں بنایا۔ موجودہ زمانہ میں جہاں ہم بہت سی قدیم روایات سے محروم ہوگئے ہیں وہاں ہم اس طبقہ کو بھی وہ نہیں پاتے جو قدیم الایام میں تھا ضبط نفس، وقار، حب الوطنی اور فرائض کا احساس یہ ایسی چیزیں ہیں جنکے بغیر طبقہ اولین ملک کے لیے باعث فائدہ مند ہونیکے نقصان رساں بنجاتا ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے آقا اور رعایا پرور شاہ وکن کے ارشادات یقیناً اس طبقہ کو پھر اپنی قدیم شان کیطرف لوٹنے میں آبجیات کا کام دیں گے۔

دوسرا فرمان مرشد زادوں کے متعلق ہے جن میں سے بعض ناعاقبت اندیشوں نے اپنے مہربان آقا کے احسانات کی دور بینی کو نہ سمجھ کر جلد بازی سے کام لیا تھا خسرو دکن نے اپنے نہایت ترحم سے ان کی اس تخلطی کو درگزر کرکے یہ ثابت کردیا کہ ہمارا بادشاہ "رعایا" کا صحیح معنوں میں مالک و آقا ہے۔ ہماری خطا کو درگزر کرتا ہے اور ہماری بھلائیوں کو سرفراز فرماتا ہے۔

گاندھی جی کا فاقہ اور اسکی کامیابی

مہاتما گاندھی جی نے اپنے اکیس روز کے فاقہ سے یہ ثابت کردیا کہ ایک ناتوان اور نیم جان ہستی اگر صحیح معنوں میں اپنے ملک کے لیے نفس کشی کرتی ہے تو خدا بھی اس کے ساتھ ہے ہندوستان کے کروڑوں بے زبان ہریجنوں کے لیے یہ قربانی یقیناً بہت بڑی کامیابی مستقبل میں رکھتی ہے۔ ہندو تہذیب میں اس کی وجہ سے ایک انقلاب بپا ہوگا لیکن اس مدت کے ختم کے ساتھ ہی پھر سیاسی سوال نہایت بھیانک شکل میں موجود ہوجاتا ہے آیا پانچ ہفتوں کی خاموشی کے بعد آیا کانگریس اپنے قدیمی طرز عمل کا مزن ہوگی یا ہتھیار ڈال دے گی۔ حکومت کی حد تک ابھی تک تو کوئی اقدام اس قسم کا نہیں ہوا ہے جس سے یہ کہا جاسکے کہ اب کانگریس اور حکومت میں ایک خود دارانہ مصالحت ہوجائیگی اور یہ کانگریس کے آئندہ طرز عمل پر منحصر ہے کہ ملک کی موجودہ سیاسی فضا میں کوئی تغیر ہو کیا ہی اچھا ہوتا ہے کہ گاندھی جی کی موجودہ قربانی کے نتیجہ کے طور پر ایسی صورت حال پیدا ہوجاتی کہ کانگریس اور حکومت متحد ہوکر ہندوستان کے کامیاب مستقبل کا فیصلہ کرے۔

شعاعِ مہر کے ہمراہ اے جانِ جہاں اٹھو

شعاعِ مہر کے ہمراہ اے جانِ جہاں اٹھو۔ تڑپتے ہیں تمھارے دیکھنے کو دو جہاں اٹھو

وہ دیکھو روز روشن کی شعاع اولیں نکلی
در افلاک سے خورشید عالم کی جبیں نکلی
افق کی سرخیوں پر نغمہ زن ہونے لگی بلبل
فراقِ گل میں اپنے جان دل کھونے لگی بلبل
نہانے آگئی ہیلی کرن مہ درخشاں کی
چھلکنے لگ گئی شبنم میں صورت آبجوں کی
شعاع آفتاب آشام نے غنچوں کے لب چومے
لب لعلین کو جس طرح کوئی بے ادب چومے
لب جو کھولدی نرگس نے چشم نازنیں اپنی
شعاع مہر پر ڈالی نگاہ اولیں اپنی
خمار بادۂ حسن ازل سے جاگ اٹھی دنیا
ہر اک گوشے میں فردوس نظر ہے لگ گئی دنیا

شعاعِ مہر کے ہمراہ اے تم بھی جانِ جاں اٹھو۔ تڑپتے ہیں تمھارے دیکھنے کو دو جہاں اٹھو

باقی - ایم - اے

بیوی کے نام غیر کے خطوط

(۳)

وہ آشنا مصروف انسان ہے کہ تم کو چھوڑ کر کام کا غلام بنا ہوا ہے، اس کو اتنی فرصت نہیں کہ تم کو دیکھ بھی سکے اس کے نزدیک تم ایک گھر والی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں اس کا اصلی معشوقی کام ہے۔ تم دوسرے درجہ پر ہو۔ اس کے جواب میں تم نے چلا کر کہا تھا "ارے اس طرح مت کہو تم کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ میرے سامنے اس طرح میرے شوہر کے متعلق کہو؟" میں نے انکساری سے کہا کہ بیوی میں نے یہ خود سے کہا تھا اگر تم کو اس سے تکلیف ہوئی تو صوفیہ مجھکو معاف کرنا۔ دل کے درد شراب کے خمار اور محبت کی آہوں نے مجھے گریہ کناں بنا دیا، میں بہت رویا اور چلا کر رویا خدا جانے کب تک روتا رہا۔

میں گھر واپس آیا اور بہت دیر تک مجھے نیند نہ آسکی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی درد انگیز کشمکش برپا ہے۔ میں نے کہا "کون ہو اندر آؤ" دل نے کہا کہ تم ہو، کل آؤ تم کہاں، تم تو ماسکو میں ہو اور ماسکو یہاں سے ہزاروں کوس دور ہے پھر کسی نے دروازہ پر آواز دی، میں نے کہا "اندر آؤ" مگر یہ ہوا کا جھونکا تھا جس کو میرے ساتھ ستم ظریفی سوجھی تھی کیونکہ میں بے خیالی میں روشندان بند کرنا بھول گیا تھا۔ مجھے اب جلد سونا چاہیئے تاکہ صبح اٹھکر کام پر جاسکوں، مگر نیند میں بستر سے اٹھنا چاہتا ہوں نہ کام پر جانا چاہتا ہوں، میں صرف تم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ پیاری صوفیہ میں صرف تم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

تمہارا دیوانہ
گیورن

دوسرا خط بہت مختصر تھا۔

"پیاری صوفیہ"۔ آپ خط لکھنے کی تکلیف گوارا نہ کیجئے مجھے آپ کے نامہ کی کوئی پرواہ نہیں مجھے اسکا افسوس ہے کہ میں نے اپنے گذشتہ خدا میں خدا جانے کیا کیا لکھ دیا، مگر یہ سب میں نے شراب کی ترنگ میں لکھا تھا اسلئے تم کو مجھے معاف کرنا چاہیئے۔ میری زندگی ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی، بہت محنت کر رہا ہوں، لیکن اس کے متعلق لکھنا فضول ہے تم کو میرے حال کی کیا پڑی ہے"

"گیورن"

جب ڈیڈی نے دوسرا خط دیکھا تو خیال کرنے لگا "میں اس کمبخت کو چھیڑتا تو ہی بہتر ہوتا۔ اب مجھے اس کو جواب دینا لازمی ہے، ورنہ یہ حقیقی معنوں میں شرابی بن جائیگا۔ اور بغیر کسی کشمکش کے ڈاک خانہ ہی میں کھڑے ہو کر اس نے یہ خط لکھا۔

"میں سمجھتی ہوں کہ مجھے تم کو نصیحت کرنیکا حق ہے، اور سمر ژش کا بھی۔ سو تم میرے امتحان میں پورے اترنہ سکے میں تمہیں مضبوط کردار کا آدمی سمجھتی تھی، مگر اب معلوم ہوا کہ تم احساسات کا کھلونا ہو۔ جیسے ہی کوئی بات تمہاری طبیعت کے خلاف ہوتی تم پست ہمت ہو گئے۔ "میں کام کرنا نہیں چاہتا" میں اپنے بستر سے اٹھنا نہیں چاہتا" تجربہ دار، جو ہر شراب کو ہاتھ لگایا، میں اس سے تم کو منع کرتی ہوں، تم کو بھوکے سے بھی اس طرف رخ نہ کرنا چاہیئے محبت کی شراب میں ضرورت سے زیادہ نشہ ہوتا ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ ہماری قوم ایک بھونچال سے گذر رہی ہے۔ ایسے سخت حالات میں انسان کو سنجیدہ و دماغی کی ضرورت ہے خاص طور پر جبکہ ایک اہم فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہو۔ ذرا غور تو کرو، تمہیں ہر سال پچیس ہزار ٹراکٹر تیار کرنے ہیں، یہ عمل نہ صرف ہمارے دشت و بیاباں کو گلزار بنا دیگا، بلکہ ہمارے قوم کے دل و دماغ کی جنت بھی اسی سے بنیگی، شاید شیطان بھی اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ مستقبل میں ہمارے لیئے کیا رکھا ہے تمہاری محنت اور تمہاری سنجیدہ و دماغی کا کرشمہ ہماری سمنٹ کی سڑکیں، برقی روشنی اور زندگی کا ہر سامان آسائش اپنی شکلوں میں چھپائے رکھا ہے ہاں خوب یاد آیا، میں تمہیں کچھ سگریٹ روانہ کرنا چاہتی ہوں، ڈیمٹری کے پاس اچھے تمباکو کا کافی ذخیرہ ہے مگر وہ پیتا نہیں، کم قسمت ہے اس لیئے تمہارے لیئے چند ڈبے روانہ کرتی ہوں، ممکن ہے تمہیں اور کچھ چیزوں کی ضرورت ہو، تکلیف نہ اٹھاؤ، مجھ سے فوراً طلب کرو۔ شاید تمہارے پاس ابھی کتابیں نہ ہوں، مجھے امید ہے کہ اس خط کو دیکھنے کے بعد تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا اور مجھے تم ضرور خط لکھو گے، خدا تمہاری قسمت کو سنوارے"

تمہاری
"صوفیہ"

نوٹ:۔ دیکھو، میں پھر کہتی ہوں کہ تم شراب کے قریب بھی نہ جاؤ ورنہ میں تم سے خفا ہو جاؤنگی۔ ص۔

تحا ختم کر کے ڈیڈی نے خیال کیا "معاملات بہت بڑھ گئے ہیں اب مجھے صاحبزادہ کی سرپرستی بھی کرنی پڑیگی"

"میری شتی منی صوفیہ" مجھے معاف کرو، واقعی میں قصوروار ہوں، میں نراد حا ہوں، لیکن یہ سب اس لیئے ہوا کہ یکایک مجھے شہ پیدا ہو گیا کہ تم مجھے ہمیشہ کے لیئے چھوڑ جاؤگی، مجھے خفا نہ لکھو کی یہی وجہ تھی کہ میرے دل نے دماغ پر قابو پالیا اور میں بہک گیا۔ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے تم اپنی صحت کا بہت خیال رکھو، اب تو سردی زیادہ ہے، بے احتیاطی سے بچو۔ یہ سردی ہمارے کام میں بہت مخل ہوا کرتی ہے۔ اور سردی نہ بھی ہو تو ہمارے لیئے کام کا وقت ہی کتنا ہے ہم دیوؤں کی طرح کام کرتا ہے، ایک سال میں پچیس ہزار ٹراکٹر اس (دخانی) تیار کرتے ہیں۔ اور اکتوبر سے پہلے ایک ہزار کا بگر بر کار لانے ہیں۔ ہم یقیناً اس کام کو کریں گے، یہ بہت ہی محنت کا کام ہے، لیکن تم دیکھنا اس بت کے اندر ہمارے پورے ٹراکٹرس میدان میں کام کرتے نظر آئیں گے۔ کام مشکل ہے، وقت کم ہے، لیکن یہ ہو کر رہے گا۔

آج کل بت سے امریکی انجنیر ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں، مجھے اُن سے نفرت ہے وہ ہمارے

انجینیروں کے ساتھ کچھ اس غرور سے برتاؤ کرتے ہیں کہ طبیعت جھنجلا اٹھتی ہے، ان کی آدھی تنخواہ ڈالر کی شکل میں دیجاتی ہے اور آدھی ہمارے سکہ میں۔ یہ لوگ بہت تنگ نظر ہیں اور سوائے اپنے فن کے کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کو لعنت بھیجو، میں ان کا صرف اس لئے ذکر کر رہا تھا کہ حال ہی میں میرا ان سے ایک جھگڑا ہو گیا تھا جو یاد آ گیا۔

تو یہ میرے حالات ہیں بتاؤ تم کس حال میں ہو، بتاؤ تم کبھی تھیٹر بھی جایا کرتی ہو، میں تو تھیٹر کے لئے ترس گیا ایک مرتبہ جرات کر کے سینما گیا تھا لیکن ڈرامہ ایسا غلیظ تھا کہ ایک دروازہ سے جا کر دوسرے دروازہ سے باہر نکل گیا اگر تم مجھے سگریٹ روانہ کرو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ میری ایک فرمائش ہے، اگر تم کو تکلیف نہ ہو تو کہتا ہوں۔ ایک اچھا سا سوئٹر خرید کر روانہ کیجیے میں اس کی رقم فوراً ہی بھیجدیتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تم کو کوئی تکلیف نہ ہو، نیچے ورنہ سوئٹر کی کوئی ضرورت نہیں تم اپنی زندگی کے متعلق مفصل لکھو تمہارے خط کے لئے چشم براہ ہوں! ہاں دیکھو اپنی صحت کا خیال رکھو۔ میں تمہارے نازک ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہوں۔ فقط

تمہارا

"بورسس"

"پیارے بورس۔ کل تمہارا خط پہنچا دیکھو کہ میں آج ہی جواب لکھ رہی ہوں، اس سے میری مستعدی کا اندازہ کرو۔ مجھے یہ کسی طرح نہیں بھاتا کہ تم اور تمہارے ساتھی اپنے ہم پیشہ امریکی انجینیروں سے الگ رہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ ان سے میل ملاپ زیادہ بڑھ جائے تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکیں، رہا ان کو تنخواہ زیادہ دینے کا مسئلہ، تم جانتے ہو کہ ملک اس کے لئے مجبور ہے۔ بورس تمہیں معلوم ہے کہ ہماری نئی نسل تیار ہو رہی ہے اور کوئی قصب نہیں کہ ہم بغیر کسی بیرونی امداد کے اپنا کام آپ سنبھال لیں۔

آج میں تمہیں ایک سوئٹر اور سگریٹ کا ڈبہ بھیج رہی ہوں، سچ مانو اس کے بھیجنے میں مجھے کوئی تکلیف نہیں، بیشک ڈیڈی تجھے کوئی تکلیف نہیں جو خواہ مخواہ ایک جنوبی انجینیر کیلئے دکانیں کھان مارے پھر رہا ہے اور پوسٹ آفس کی خاک چھان رہا ہے، خیر صاحبزادے کی تازہ برداری میں یہ بھی جائز ہے ڈیڈی نے خط لکھتے لکھتے اپنے آپ سے کہا) تم مجھ سے دریافت کر رہے ہو کہ میں زندگی کے دن کیسے کاٹ رہی ہوں وہی حالت ہے جو پہلے تھی۔ تھیٹر تو میں ضرور جاتی ہوں مگر بہت کم۔ میں نے شارٹ ہینڈ کی تعلیم شروع کر دی ہے، شاید کسی وقت کام آ جائے۔ تم نے کسی گذشتہ خط میں میرے گانے کا ذکر کیا تھا۔ اوہ بورس! اب تو وہ دن خواب و خیال ہو گئے مجھے اب گانا یاد تک نہیں۔ بتاؤ تمہیں ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں کیسی یاد رہتی ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا حافظہ بلا کی قوت رکھتا ہے۔

تم نے اپنے ماضی کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ وہ بہت دلچسپ ہوگا۔ میں اور کیا لکھ سکتی ہوں ماسکو میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کے متعلق ذکر کروں۔

میں حال ہی میں جامعی طلبہ کی ایک محفل میں گئی تھی۔ میں اپنی قوم کی اس نئی نسل کو دیکھ کر حیران رہ گئی، اس مجمع میں لڑکے بھی تھے لڑکیاں بھی کوئی اس میں انیس برس سے زیادہ کا نہ تھا۔ ان کو دیکھ کر رشک آتا تھا ہمارے زمانہ کی لڑکیاں اس عمر میں ناز و انداز سیکھنے اور گانے کے سوائے کچھ نہیں جانتی تھیں اور ایسے ہی مہمل فقرے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔

"ہم نوالے کنارے کھڑے تھے"

فحش چیز سمجھی جاتی تھی مگر اب یہ اعلیٰ درجہ کے کھلاڑی پڑھنے والی اور اپنی زبان کے علاوہ غیر زبان جاننے والی تعلیم یافتہ لڑکیاں ہیں ان میں ایسے نوجوان موجود ہیں جو آئندہ قوم کے انجینیر بنیں گے، اور اپنی قابلیت سے امریکہ کے مغرور انجینیروں کو دریائے رشک میں ڈبو دینگے۔ آج میں نے تمہارے ساتھ بہت دیر بکواس کی جس سے تمہارا عزیز وقت ضائع ہوگا تم کو کافی آرام لینا چاہیئے اور صبح کو خوش و خرم اور تازہ دم کام پر جانا چاہیئے۔ کیوں بورس یہ ہے نا؟ بیشک یہی ہے۔ تمہارے لئے دنیا کی تمام اچھی چیزیں راس آئیں۔"

تمہاری

"صوفیہ"

نوٹ:۔ میں تمہارے لئے ایک اچھی پنیر بھیج رہی ہوں پہنچا تو وہ کیا ہے۔ "ص"

"پیاری صوفیہ۔ مجھے تمہارے بھیجے ہوئے سگریٹ اور سوئٹر پہنچا، میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔ سوئٹر نے میرے جسم کو گرم کر دیا، اور تمہارے خط نے میرے دل میں گرمی پیدا کر دی۔ تم نے امریکی انجینرس کے متعلق جو کہا ہے، وہ حق ہے۔ تمہارے حلقے میں اکثر اپنی گفتگو میں دھرایا کرتا ہوں، اس رائے سے میرے سب ساتھی متفق ہیں۔ سوائے پانچ کے پانچ، ایک بوڑھا تجربہ کار انجینر ہے، لیکن اسکی تنگ ناقابل برداشت ہے، میں نے جب تمہارا خیال اپنی طرف سے اس کے سامنے بیان کیا تو مسکرانے لگا، اور کہا "جی ہاں ٹھیک ہے۔ امریکی انجینر سے ہم بہت فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن ذہنی نسلوں کے لئے اپنے خون کو پسینہ کرنے کے بجائے کیوں نہ ان سے یہ توقع رکھیں کہ وہ ہمارا پورا حق ادا کریں؟

کیا مزہ کی بات ہے۔ یہ بوڑھے کی جلی کٹی باتیں ٹھیک تو ہیں۔ اپنے کام میں بہت ہشیار ہے اور لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ روز ایک نیا قصہ سناتا ہے، خدا جانے اسکو یہ لطیفے کہاں سے ہاتھ آتے ہیں۔ بعض قصے جو وہ سناتا ہے ان میں سوویٹ عقیدہ کی مخالفت کی جھلک ضرور ہوتی ہے لیکن قصے اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ مزہ آ جاتا ہے۔ اس بڈھے کو کیا سوجھی کہ رات دن میرے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ میں محبت میں گرفتار ہوں۔ اس کی اس حرکت پر سے میں اپنی نظر میں آپ بیوقوف معلوم ہونے



خط پڑھنے کے بعد ڈیکٹری نے سنیدگی سے کہا، لیجیے ایک اور بڑھا پا آن پیدا ہوا ہے، اب اسکے لیئے کچھ کہنا ہے۔ اچھا میں اس کو بھی ٹالتا ہوں۔ ڈیکٹری نے اسکے دو روز بعد خط لکھا۔

بورس۔ اب کے میں نے خط لکھنے میں دو روز کی دیر کی، مجھے امید ہے کہ اس عرصہ میں تم پر کوئی واقعہ نہ گزرا ہوگا۔ میں تمہارے متعلق بہت کچھ مشوش ہو گئی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم بہت اچھے آدمی ہو، لیکن طبیعت کے بہت کمزور۔ یہی وجہ ہے کہ تم آسانی سے پاآن کے جیسے بڑھے کا اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ تم کو اس کی گفتگو بہت کچھ دل خوش کن معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اس میں کچھ شک نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ایک ہشیار اور تجربہ کار انجنیر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھاپے کی ناقابل علاج دماغی تاریکی بینی میں مبتلا ہے اور میرے بس میں ہو تو کسی تعمیری کام میں ایسے لوگوں کو سرے سے نہ رکھوں۔ قومی تعمیر

ہوں خدا
معلوم اس کو
کس طرح پتہ چلا۔
قسم لے لو جو میں نے تمہارے
متعلق ایک لفظ بھی کہا ہو!
تم میرے ماضی سے
دلچسپی رکھتے ہو تو سنو، وہ بالکل سادھی
سیدھی داستان ہے ۱۹۱۷ء تک میں
سرخ فوج میں شریک رہا۔ اسکے بعد فوجیں
برخاست ہوئیں، میں ان دنوں کیئیو مرنفی کالج
واقع لینن بریڈ میں شریک ہوا، یہی ہے میری
زندگی۔ میں نے شادی ضرور کی، لیکن میری
شادی میری بدقسمتی کا سامان بنگئی، میں ایک لڑکا پیدا
ہوا جو ہم دونوں مخالف سمتوں کو جائے رکھا،
وہ بھی چل بسا اور ہم اب دونوں علیحدہ ہیں۔
مجھے آپ کی ایک تصویر عنایت
فرمایئے، میرے لیئے یہ بڑی مسرت کی چیز ہوگی،
میں بھی ایک خاص تصویر اترہ اکر تمہارے پاس
بھیجتا ہوں۔ مدت ہوئی شاید میری شکل تمہارے
دل سے اتر گئی ہو۔ جب تم مدرسہ میں پڑھتی تھیں
تو مجھ سے بھاگ جایا کرتی تھیں۔ اور تمہیں تمہارے
دیکھنے کے لیئے مجھے اکثر مدرسہ کو خیرباد کہدینا پڑتا
تھا۔ اللہ میں نے تمہارے لیئے کیا کیا نہ مصیبت
برداشت کی۔ تمہارا بھائی ویٹا میرا دوہر کا
ناشتہ، میری پنشن، میرے رشتہ دار سب کچھ مجھ سے
اس لیئے حاصل کر لینا تھا کہ وہ مجھے تمہارے گھر
آنے کا موقع دے۔ خیر خدا تمہیں خوش نصیب
رکھے۔

تمہارا
"گیورن"

نوٹ:۔ خدا کے لیئے اب بیمار نہ پڑ جاؤ ورنہ میں
خط سے محروم ہو جاؤنگا۔ ہاں، تم کیا تحفہ بھیجنے
والی ہو، کس قدر عمدہ چیز ہوگی جس میں ہاتھوں کا
زہر بھی آمیزیات ہوتا ہے۔ "گ"

کے لیئے
جوش اور
جوانی کی قوت
درکار ہے، اور یہ
بڑھاپا ایک فرقت بھگی ہے
ایسے لوگ بڑے بد باطن ہوتے
ہیں اور ہر اچھی چیز کا مضحکہ اڑانا
ان کا کام ہو جاتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے،
مشینوں کا تیار کرنا، قومی انقلاب، پنج
سالہ تجویز، محبت، غرض ہر اچھی چیز ان کے لیئے
ظرافت کا موضوع بن جاتی ہے۔ یہ عیب ایک
نوجوان میں ناقابل معافی ہوتا ہے۔ اگر مجھے ایک
سکنڈ بھی یہ معلوم ہو کہ تم پاآن کی طرح بگڑے ہو تو
باوجود تمہاری محبت کے میں تمہارے ساتھ
نامہ و پیام کا سلسلہ بند کر دونگی۔ میں تمہارے
متعلق ایسا تصور کرنا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔ میری
نظروں میں تمہاری شکل یہ ہے: تم لانبے بوٹ
پہنتے ہو، چمڑے کا کوٹ تمہارے جسم پر ہے، تمہارے
ہاتھ مشینوں کی کالک اور چربی میں سن گئے ہیں،
تمہارے چہرے پر کیچڑ اور کالک لگی ہوئی ہے، تمہارے
قدم میں استقلال کی جھلک ہے، تم اپنے انجن کو
ایک پالتو جانور کی طرح استقبال کرتے ہو۔ جب
چاہا چلایا، جب چاہا بند کر دیا۔ انجن تم سے ڈرتا
ہے اور تمہارے حکم کی پابندی کرتا ہے۔ تم نہ صرف
اپنے کام کے ماہر ہو، بلکہ اس بات کا بھی یقین
رکھتے ہو اپنے عمل سے اشتراکیت کی تعمیر کر رہے
ہو اور ہماری تباہ شدہ قوم کی تعمیر نو میں معروف
ہو۔ اس لیئے اگر تم کسی پاآن کی طرح روتی صورت
والے کی لعنت زنی اپنے پیچھے نہیں تو صرف
پلٹ کر غصہ سے اس کو دیکھ لو، یہی اسکے غصہ کو
رفع کرنے کے لیئے کافی ہوگا، لیکن کسی صورت میں
تم اس طرح سے سرزنش نہ کرو کہ تمہارے غصہ میں
لگاوٹ کی ادا موجود ہو۔

کیوں، یہ واقعہ ہے نا۔ بورس! حقیقتاً
میں ہم اس وقت بے عزت موت کے مقابلہ میں

با عزت زندگی حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں پاپاف کی طرح تم ظریفوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اس سے الگ رہو۔ سنی پن تمھارے لیے موزوں نہیں۔ تم ایک ہیرو ہو۔ میں تمھیں اپنی تصویر بھیجوں گی اور یہی وہ نایاب تحفہ ہوگا۔ تم اپنی تصویر جلد سے جلد بھیجو۔ آج نہ معلوم کیوں میرے دل پر غم کا بوجھ سا ہے۔ (یہ لکھتے ہوئے ڈیمٹری نے سر ہلاتے ہوئے "یہ غم کا خیال بہت برمحل ہے محبت والے دل ایسی لغویت ضرور محسوس کرتے ہیں"۔ کل میں نے تمھارے خط کو کئی مرتبہ پڑھا۔ "بورس" آخر یہ غم کی گھٹا کیوں ہے۔ میرے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں بلا وجہ اپنے کو تنہا محسوس کرنے لگی ہوں، مجھے اپنی ذات سے بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے، کاش میں کوئی انجنیر ہوتی تو کس قدر شاد و خرم رہتی؟

اچھا خدا حافظ میں اپنے غم کی ترنگ سے تمھیں بھی مغموم بنا دوں گی حالانکہ تم کو سنجیدہ چاق و چوبند اور پاک و صاف رہنے کی ضرورت ہے۔ میری بہترین تمنائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

تمھاری

"صوفیہ"

نوٹ: مہربانی جلد اس خط کا جواب دو شاید میرے غم کا درماں ہو جائے۔

"میری جان سے پیاری صوفیہ"۔ خدا کی پناہ! کیا غضب کی خط تم نے لکھا، میں تو پہلی نظر میں ڈر گیا، لیکن حقیقت میں وہ خط بہت ہی پیارا، اور صداقت رکھنے والا تھا۔ پاپاف کے متعلق تم نے بالکل ٹھیک کہا تم سچ کہتی ہو کہ ایک تعمیری کام میں سنکی پن انتہائی نقصان رساں ہے چنانچہ وہ



یوں تو بوجھل وقت میرے ہاتھ بھی تیل میں سے ہوئے ہوتے ہیں لیکن میں بجائے لانبے جوتوں کے معمولی جوتے پہنتا ہوں، میرے پاس کوئی بچہ گیکا کوٹ نہیں۔ میرا چہرہ ہمیشہ پاک صاف رہتا ہے۔ میں ہر صبح اصلاح بنواتا ہوں۔

لیکن صوفیہ تم رنجیدہ کیوں ہو؟ تمھارے خط کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اب بہت کچھ بدل گئی ہو، مدرسہ کی وہ شیرہ صوفیہ اور موجودہ صوفیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، تمھارے خط کی ہر سطر میں اس کو پاتا ہوں اور ہر لفظ اس کی غمازی کرتا ہے۔ جتنے مرتبہ میں تمھارے خط کو پڑھتا ہوں کوئی نہ کوئی نئی بات ہی اس میں پاتا ہوں۔

اچھا خدا حافظ۔

تمھارا

"گیورن"

نوٹ: میں اب پاپاف سے ملنا چھوڑ دوں گا کاش صوفیہ تم یہاں آ سکو؟ "گ"

اس خط کو پڑھنے کے بعد ڈیمٹری نے کہا "جواب مجھے اس شخص کی سرپرستی سے کچھ دن کیلئے چھٹکارا ہوا" لیکن ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ گیورن کے پاس سے ایک خط پہنچا جس نے ڈیمٹری کے اطمینان قلب کو پارہ پارہ کر دیا۔

"صوفیہ" میری مسرتوں کی دنیا، میرے حسن کا آسمان۔

یہ تم نے مجھے خط لکھنا کیوں چھوڑ دیا۔ میں تردد، تمنا اور انتظار کی کشمکش میں دیوانہ ہو رہا ہوں، ہم کو ایک دوسرے سے ملنا چاہیئے خواہ کچھ ہو جائے ہم کو

ملنا چاہیئے۔ اگر تمھاری خواہش ہو تو میں خود ماں کو بلا آتا ہوں، مجھے اپنی کارگذاری کے صلہ میں دس دن کی اجازت ملنے والی ہے، تم اب مجھے اجازت دو تو میں ابھی چلا آؤں، مجھے آخر تم ملنے کیوں نہیں دیتیں؟ میں تم سے ملنے کے لیئے اسقدر بیتاب ہوں کہ اس کا خیال بھی میری ہر رگ میں خون دوڑا دیتا ہے۔ میں کانپنے لگتا ہوں، میرے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں۔ صوفیہ پیاری صوفیہ مجھے اجازت دو میں آجاؤں، اور میں تمھارے قدموں کے پاس رہوں۔

دیکھو یہ موسم بہار کا ہے کل دھوپ خوب چمکی، آفتاب کی کرنیں محبت کی حرارت سے مشابہ تھیں۔ رات کو میں نے اپنے کمرہ کی کھڑکی کھول دی، اور میری تنہائی کی خوابگاہ میں بہار کے آسمانی ستاروں نے اپنی روشنی سے جلگاہٹ پیدا کر دیا میں اپنے کمرہ میں دوڑنے لگا۔ تمھارے خطوط کو بار بار پڑھنے لگا میں اپنے بستر پر لیٹا اور پھر اٹھ گیا۔ صوفیہ مجھے نیند کیوں نہیں آتی، دیکھو میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ دیکھو میں بغیر تمھارے زندہ نہیں رہ سکتا۔ میری زندگی اب دشوار ہے، مجھے اجازت دو کہ میں تمھارے قدموں کے پاس رہوں۔ دیکھو یہ میری تمنا ہے۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں، میں کیونکر تمھارے دل میں تمھاری کسقدر محبت ہے۔ میں کس طرح بتاؤں کہ اس دل میں تم کیا ہو۔ اپنی آپ قدر کرو، میں تمھارے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔

تمہارا

"گیورن"

"لاحول ولا قوۃ، معاملہ تو بہت بڑھ گیا" ڈیٹری نے خط پڑھ کر ذرا ترش روئی سے کہا، اسکو اپنے خطوط کا خیال آیا تو ذرا جھینپ گیا پھر کہنے لگا، مجھے اس سے کل حال کہدینا چاہیئے، مجھے اس کو صاف صاف لکھدینا چاہیئے۔ میں اس کو اس کی حسین لڑکی کا حلیہ لکھ بھیجوں گا تاکہ وہ خود اس سے بیزار ہو جائے، اور اس دیوانگی کو چھوڑ دے بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں جلد سے جلد شادی کرلے۔ یہ چیز اس کے دل کو سکون دیگی، موجودہ حالت میں وہ حواس باختہ ہو گیا ہے کہ مجھے خود تردد ہونے لگا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

اسی رات کو ڈیٹری نے گیورن کو نہایت ہی سوچ سمجھکر حسب ذیل خط لکھا۔

ڈیر بورس:۔ مجھے معاف کرنا کہ میں تمھارے پورے نام سے واقف نہیں ہوں، مجھے صرف تم کو "کامریڈ گیورن" کے نام سے یاد کرنے کی اجازت دیجیئے۔ میں تمھیں تبلانا چاہتا ہوں کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ میری بیوی نے جب پہلا خط دیکھا تو اس نے مجھے اس کو پڑھنے کے لیئے کہا۔ کیونکہ اصولاً میں اس کے خط نہیں پڑھا کرتا تھا۔ چونکہ اس نے اس خط کو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تھی، اس لیئے میں نے اس کو پڑھا۔ خط پڑھنے کے بعد میں نے اپنی بیوی کو جواب دینے کے لیئے کہا اور اصرار کیا اس لیئے کہ مجھے تم سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن صوفیہ ایک متلون مزاج عورت ہے وہ اڑ جاتی ہے تو اس کو منانا ناممکن ہے اور یوں بھی نہ لکھنا اس کے لیئے ایک مجبوری ہے اس لیئے وہ لکھنا نہیں چاہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی بیوی کی طرف سے تمھیں جواب دینا شروع کیا۔

تم ۔ ۔ ۔ اسکو معلوم کرکے اس حرکت کو ایک ذلیل حرکت سے تعبیر کروگے اور پھر بار بار اس حرکت کو دہرانے سے میرے متعلق تم بہت ہی گرے ہوئے خیالات قائم کروگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم ایک انجنیئر ہو ہمارے مصیبت زدہ ملک کے ایک کارآمد فرد اور ایک کامریڈ کی حیثیت سے بہت محترم سمجھتا ہوں، یہی وجہ تھی کہ محض تمھاری ذات کی خاطر میں نے اس سلسلہ کو طویل کیا، تاکہ عشق فرض کے راستہ میں حائل نہ ہو جائے۔

اب ذرا حقیقت کی عینک سے شکل بھی دیکھیئے، وہ صوفیہ جس کو تم بہار کی تیتری اور حسن کی ریہی سمجھتے ہو وہ کیا ہے، وہ عورت کون ہے جو میری بیوی ہے۔

مجھے صوفیہ سے شادی کرکے اب نو سال ہوتے ہیں۔ یہ مدت کسی سے واقف ہونے کیلیئے کافی ہے، ابتداء میں میں نے اس کو پڑھنے لکھنے کی طرف متوجہ کرنیکی بہت کوشش کی لیکن مجھکو ناکامی ہوئی ابتک اس کو اخبار پڑھنے کا سلیقہ تک نہیں آیا محض وقت کی کمی سے ٹالتے میں نے اس کو پڑھانے سے تنگ آکر چھوڑ دیا اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اب بھی دن بدن اپنی جسامت میں اضافہ کر رہی ہے اور بالوں کو خضاب کرنے میں مصروف ہے، آجکل بھی اس کے بہت سے مرد دوست ہیں مگر مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، اس لیئے کہ اس کو اپنے گھر کے سوائے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں، اگر میں کسی پکوان کی تعریف کر دیتا ہوں تو وہ پھولے نہیں سماتی۔ گھر کے کھانے کا ٹائم ٹیبل ایک ہفتہ پیشتر تیار کرتی ہے، اس لیئے کہ اگلی حد تک آپ کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مجھے اس کا چڑچڑا پن برا لگتا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ دن بدن کنجوس ہوتی جارہی ہے، شاید یہ عمر بڑھ جانے کا نتیجہ ہے، میں اس کی ایک عادت سے تنگ ہوں وہ ہر صبح ایک غصیلی بڑھیا کی طرح دودھ والی سے لڑتی ہے، اس وقت اس کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، زبان سے نہایت کریہہ الفاظ کریہہ آواز کے ساتھ نکلتے ہیں جسم کی موٹی موٹی تھرکتی ہے، دونوں پیر زمین پر زور زور سے پٹکے جاتے ہیں، غرض ہر طرح ایک مونث فرغون بنی رہتی ہے، اگر ایسے موقعے پر میری شامت سے میں کچھ بول اٹھا تو باہر کی بلا میرے گلے کا ہار ہو جاتی ہے، پھر کیا ہے شور ہے غوغا ہے، آنسوؤں کی فوج ہے اور جنون کی

نمائش۔ چند دنوں سے میں تنگ آکر اس میں دخل دینے سے باز رہنا شروع کیا ہوں اور جس وقت صبح یہ ڈرامہ شروع ہوتا ہے میں اپنا سر بلانکٹ میں چھپا کر کوشش کرتا ہوں کہ اس آواز کو کم سے کم سنوں۔

میں تم کو اس کی تصویر بھیج رہا ہوں تاکہ تم خود دیکھ لو کہ وہ صوفیہ جس کو مدرسہ میں دیکھتے تھے اور جو تمہاری محبوبہ ہے، کیا یہی ہے؟ شاید اس سے تمہارا اجنون ٹھنڈا ہو جائے۔ تم اس کو جوان دیکھتے تھے اب وہ معمر ہے ذرا دیکھو تو اس کے چہرے پر کتنی جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور دیکھو کہ اس کی تھوڑی کے نیچے کتنی اور تھوڑیوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔

بورس، تمہاری حسین لڑکی اب زمانے کے کولھو میں پس کر حسن کا خلاصہ رہ گئی ہے، وہ خوشرنگ زلف جس کے تم اتنے مداح ہو اب اکثر بار بار کے خضاب نے ادھ جلا کر دیا ہے، تمہاری نازک اندام مہ جبیں اس وقت بلا مبالغہ ایک سو نوے پونڈ کی ہے جو ایک پہلوان کا وزن ہو سکتا ہے۔

صوفیہ کی کوئی چیز اب باقی ہے تو وہ آواز ہے جس پر اس کو اتنا فخر و ناز ہے جس کو وہ ایک کرایہ کے پیانو پر بیٹھ کر گاتی ہے۔ بجانا تو اس کو آتا ہی نہیں، لیکن وہ پیانو کے سامنے ضرور بیٹھتی ہے، اور اپنی سنہری چوٹی سے فرسودہ نغمے شروع کرتی ہے۔ اپنے بچپن سے اب تک اس کو وہ ایک ہی نغمہ یاد ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے ادھر میں اس کا گانا سنتا ہوں تو وہی وحشت طاری ہو جاتی ہے، میں اس سے نہایت عاجزی سے کہتا ہوں کہ، صوفیہ خدا کے لیے گانا بند کر دو ورنہ میں تمہارے فرسودہ نغموں سے تنگ آکر گھر سے بھاگ جاؤں گا۔

گیوڈن، یہ ہے زندگی اور یہ ہے زمانہ کا انقلاب۔ میں جب تمہارے محبت بھرے خط دیکھتا ہوں تو مجھے تم پر رحم آتا ہے یہ محبت کسی طرح اس پر سزاوار نہیں آسکتی، میں عمر میں تم سے زیادہ ہوں اور زیادہ تجربہ کار ہوں، اس لیے تم میری بات پر اعتبار کرو کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں سرمو فرق نہیں، اس خط کو دیکھنے کے بعد اپنی غلطی پر مسکراؤ اور ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ تم کو ایک جوان توانا اور قابل شریک زندگی کی ضرورت ہے، نہ کہ ایک پرانے برفے کی جس کے پھول سے آواز آئے، ایک ایسی معمر عورت جو صبح سے شام تک اپنے ہونٹوں کو رنگنے میں مصروف رہے۔ خدا تمہاری نعمت اجاگر کرے، مجھے امید ہے کہ ہماری آپ کی دوستی قائم رہیگی، تم اپنے کام اور اپنے فرض سے غافل نہ رہو! تک جس طرح کرتے آئے ہو برابر آتے رہو۔ تمہارا عمل قوم کی امانت ہے۔

آپ کا مخلص
"ڈیمٹری"

اسی مہینہ کے آخر میں ڈیمٹری کو کچھ کام سے شہر کے باہر جانا تھا، وہ دوسرے مہینہ کی نویں تاریخ کو واپس آیا۔ صبح کہرآلود تھی۔ برف گانے کی طرح پڑ رہی تھی، یہ موسم بہار کا تھا لیکن بجائے ہری ہری گھاس اور خوشنما پرندوں، برف باری نہایت ناگوار منظر تھا۔ ڈیمٹری بہت تیز گھر کی طرف چلا جا رہا تھا، اس کو یقین تھا کہ صوفیہ حسب عادت غسل کے لیے گرم پانی اور بدلنے کے لیے جوڑا نکال رکھے گی۔

ڈیمٹری سوچنے لگا "میں جاتے ہی پہلے غسل کرلوں گا اس کے بعد میں کافی پیوں گا اور صوفیہ کے بنائے ہوئے کیکس کا لطف اٹھاؤں گا وہ ضرور تیار رکھے گی۔ اس کو معلوم ہے کہ یہ میرے پسند کی چیز ہے۔ یکایک اس کے دماغ میں اپنے خط کا خیال آیا، سوچنے لگا کہ صوفیہ حقیقت میں اتنی بری نہیں ہے جتنا کہ میں نے لکھا ہے مجھے ایسا لکھنا نہ چاہیئے۔ یہ ناانصافی ہے، مجھے کیا حق تھا کہ ایک جرئیل اور چغل عورت کی شکل میں پیش کروں۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا میں خود گنہگار ہوں، صوفیہ میں بہت سی خوبیاں ہیں"۔ اس کو اپنے آپ سے شرم آنے لگی، مگر یہ سوچکر اس نے اپنے دل کو تسلی دی "میں کیا کرتا اس احمق گیورن، کو سمجھانے کے لیے اس کی ضرورت تھی، خدا معلوم اس نے میرے خط کا جواب دیا ہے یا کیا، تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پھر اکو صوفیہ کا خیال آیا اور اس کو اپنی کتابوں کا بھی خیال آیا، وہ کہنے لگا کہ میں نے جانے سے پہلے صوفیہ سے کہا کہ میرے لیے نئی الماری تیار کروا دینا شاید اب تک تیار ہوئی ہوگی ..... لاحول میں کیسا احمق ہوں کہ میں نے اس کے لیے کوئی تحفہ نہیں خریدا ..... خیر کیا مضائقہ میں اسے پیسے دیدونگا وہ خود خرید لیگی۔ آہ، میری موٹی بھولی بھالی صوفیہ وہ جیسے جیسے قریب ہوتا جا رہا تھا صوفیہ سے ملنے کی خواہش اس کے دل میں زیادہ ہوتی جا رہی تھی، گاڑیاں سے اس نے کہا کہ ذرا تیز چلائے، آخر کار گاڑی ایک شش منزلہ عمارت کے سامنے ٹھیری۔ ڈیمٹری تیسری منزل پر پہونچا۔ اپنے مکان کے دروازہ کو کھٹکھٹا کر اندر گیا اور صوفیہ ہو صوفیہ پکارنے لگا، کوئی جواب نہ ملا چوطرف خاموشی تھی جب وہ اپنے خاص کمرہ میں پہونچا تو اس کو میز پر ایک خوشبودار لفافہ نظر آیا، یہ صوفیہ کی طرف سے تھا۔

ڈیمٹری وہیں بورس گیورن کے ساتھ چلی گئی، میں اس کے ساتھ خوش رہ سکونگی، اس لیے کہ تم سے زیادہ وہ مجھے محبت کرتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ تمہارے پاس تو میری کوئی قدر ہی نہیں! پھر میری جہالت اور بدمزاجیوں سے تم تزچ بھی ہو گئے ہو۔ مجھ جیسی بڈھی ناکارہ عورت کا دور ہو جانا ہی تمہاری

بقیہ صفحہ (۲۹) کالم (۳)

صفحۂ اسوہ

واللہ تم بڑے خوش قسمت ہو

از

عزت آرا

قیامت میں رسول اللہ جب پوچھیں گے کہ اس لڑائی میں جہاں اتنے مسلمان کھیت آئے تم نے کیا کیا، تو تم کو بہت اچھا بہانہ ہے کہ، یا رسول اللہ میری آنکھیں آشوب کرائی تھیں ہیں پٹی باندھے عورتوں میں بیٹھا تھا۔

عورت اور وہ بھی جوانی ہوی ہو اسکے طعنہ کی برداشت ایک معمولی آدمی کو نہیں ہوتی نہ کہ جو ایک عرب اور خیبر عزت ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ کا قرابت دار اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہو۔ جس کی بہادری کے کارنامے ضرب المثل ہوں اور جس کی خبر کا بہترین حصہ جہاد فی سبیل اللہ میں گذرا ہو، بھلا وہ کب ان الفاظ کی تاب لاسکتا ہے۔

آپ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی ہونگی کہ یہ کونسی بیدرد عورت تھی جس نے بیماری کی حالت میں شوہر کو جان دینے کیلئے بھیجا اور اس کی تکلیف کا بھی خیال نہ کیا ..... للہ ایسا تصور نہ فرمائیے۔ عورت بھی کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ کی مالی تھی جس نے اپنے اہم خدمات کے صلہ میں ذات العقیق کا گراں مایہ خطاب حاصل کیا تھا اور جس کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ہر رشتہ سے بالا اور ہر تعلق سے گراں تھی۔

جنگ یرموک میں مشرکین نے مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینے کا پورا تہیہ کرلیا تھا، بڑی سے بڑی فوج جو وہ اکٹھا کرسکتے تھے انھوں نے لاکر کھڑی کر دی تھی۔ اور عہدہ سے عہدہ ساز و سامان جو وہ مہیا کرسکتے تھے انھوں نے فراہم کرلیے تھے جس کے مقابل میں مسلمانوں کے ٹوٹے پھوٹے لشکر اور ان کی قلت ایک خانگی تمسخر بن گئی تھی۔ یہ اپنے فریق کے دسواں حصہ بھی نہ تھے مگر اتنے بڑے سمندر پار کرنے کی ہمت ایک ایک فرد تنہا رکھتا تھا جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے چار لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔

جنگ شروع ہوئی، تو حضرت خالد عبدالرحمٰن بن ابو بکر۔ عکرمہ بن ابی جہل حضرت ضرار وغیرہ کا جرمولی کی طرح دشمنوں کو کاٹ رہے تھے مگر ان کا انبوہ چھانٹے نہیں چھٹتا تھا اور کائی کی طرح چھٹ چھٹ کر پھر جمع ہوجاتے تھے۔ عیسائیوں کی صف سے تیر اتنی کثیر تعداد میں ایک ساتھ کمان سے نکلتے تھے کہ سایہ نکل ہو جاتے تھے۔ مسلمان اس سے بہت زیادہ پریشان ہوگئے۔ ہر طرف سے ہائے میری آنکھ، اور ہائے میری روشنی کی صدا آرہی تھی جوان کے استقلال میں منبش پیدا کرتی۔ یہ بار بار بڑھتے مگر تیروں کی بوچھار سے مجبور ہوکر پیچھے ہٹتے۔ ایک بار یہ اتنا ہٹ گئے کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے جس پر غیرت میں آکر عورتیں خیموں کے باہر نکل آئیں اور جنھیں تلوار و نیزہ نہ مل سکا وہ خیمہ کی چوب ہی لیکر دشمن پر جا پڑیں اور مردوں کو للکارا کہ نفرت تمھاری مردانگی پر۔ کہاں پیچھے سے جاتے ہو۔ کل رسول اللہ کو کیا جواب دوگے اور خدا کو کیا منہ دکھاؤگے۔ یہ کلمات خود فراموش سپاہیوں کے کلیجے کے پار ہوئے اور ایک نعرۂ اللہ اکبر کے ساتھ دشمنوں کو اس سے زیادہ پیچھے ہٹا لیگئے جتنا وہ خود ہٹ آئے تھے۔

جنگ میں جب ہموار آگئی تو عورتیں اپنے خیموں میں پھر واپس آگئیں۔ ان میں حضرت اسماء بنت صدیق بھی تھیں جو خیمہ میں داخل ہوتے ہی انھیں الفاظ سے اپنے شوہر سے مخاطب ہوئیں جو پہلے لکھے جاچکے ہیں۔ بھلا حضرت زبیر کے اسے شخص کو ان کی کہاں تاب فوراً آنکھوں سے پٹی دور کرکے اپنے مشکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور نعرۂ اللہ اکبر مارتے دشمنوں پر جا پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے شاید انھیں کی شرکت کے لحاظ سے اپنے وعدہ میں اتنی تاخیر فرمائی تھی۔ ان کے پہونچتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ ماندہ جسموں میں ایک تازہ روح اور تھکے ہوئے بازوؤں میں ایک نئی قوت دوڑ گئی اور اس ہاشمی آفتاب کی تمازت سے دشمنوں کو پسینہ آگیا جس کی تاب نہ لاکر وہ اپنے ہی کھودے ہوئے خندق میں جس کو انھوں نے اپنی فراری کا سدباب بنایا تھا گر کر ہمیشہ کے لیے ٹھنڈے ہوگئے۔ اللہ واکبر۔

اے کاش ہم بھی اس قابل ہوتے کہ اپنی قوم سے غفلت کی پٹی دور کرسکتے۔

گوئٹے

از

شاہ محمد

(سلسلۂ گذشتہ)

زندگی کے ان طبقوں کیساتھ مصنف ناظرین کو نظر اندازنہ کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے فرائیلینا خان گلمیشن برگ، کا ذکر ضروری ہے۔ اس خاتون کے گھر وہ اکثر جایا کرتا تھا، یہاں مذہبی مسائل پر بحث مباحثے ہوا کرتے تھے۔ فرائیلائین مذکور کے کہنے پر اس نے کئی مذہبی قصائد لکھے اور اپنے باپ سے شاباشی حاصل کی۔

عشق و محبت کے اثر سے بھی وہ محفوظ نہ رہ سکا۔ کہا جاتا ہے کہ پندرہ برس کی عمر میں وہ لگانگ کو اپنے ایک دوست کی بہن سے جو اس سے عمر میں ۳، ۴ سال بڑی تھی محبت ہوگئی لیکن یہ طفلانہ جذبہ تھا اور جلد ختم ہوگیا۔

اس تمام دوران میں سنجیدہ مطالعوں سے کبھی توجہ نہ ہٹی۔ باپ کی خواہش پر اس نے تحصیل قانون میں محنت شروع کردی اور خود اپنی دلچسپی کی خاطر ادب کا وسیع مطالعہ جاری رکھا۔ بالآخر سولہ برس کی عمر میں اس کے باپ نے اسے لائپ سک یونیورسٹی میں تعلیم کیلئے بھیجدیا۔

زمانۂ تعلیم۔ گوئٹے کالیج میں فلسفہ، منطق اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ لیکن ان مضامین سے اسے حقیقی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے اپنی خود نوشتہ سوانح میں لکھا "میرا خیال تھا کہ مجھے خالق اور کائنات کے متعلق اتنے ہی معلومات تھے جتنے کہ پروفیسر صاحب کو اور انکی منطق اکثر موقعوں پر بے سود ثابت ہوتی"

کالیج سے غیر مطمئن ہوکر اس نے دوسرے طریقوں پر حصول علم کی کوشش کی۔

اس کا میل جول زیادہ تر طلبائے طب سے تھا جو ہمیشہ طب اور نباتات پر گفتگو کیا کرتے اور ہالر۔ فی نس اور بوفن کی ستائش کرتے رہتے تھے۔ گوئٹے بھی سائنس سے دلچسپی ہوگئی ہوگئے چلکر بہت بڑھگئی۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے پروفیسر بوہیمے کی بیوی سے معاشرتی آداب اور کچھ اصول تنقید سیکھے۔ اسی کی بدولت اس نے تاش اور چوسر سے واقفیت حاصل کی اور شہری لباس اور وضع اختیار کی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کا شاعرانہ مذاق نہایت ناقص ہے چنانچہ اس نے بچپن کی تمام نظم و نثر کو نذر آتش کردیا۔

لیکن اسی زمانہ میں اسکی دوستی اپنے ہونے والے برادر نسبتی فطائر سے ہوئی جس نے اسے پھر شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ شلائر اس سے دس سال بڑا تھا اس نے اپنی معلومات سے اسے فائدہ پہنچایا اس نے گئی باذاق لوگوں سے اس کی ملاقات کرادی۔ یہ لوگ شوئن کاف کے مکان پر جمع ہوتے تھے جس نے ہوٹل اور سرائے قائم کی تھی۔ اسکی بیوی فرانکفورٹ کی رہنے والی تھی۔ گوئٹے اس سے مانوس ہوگیا۔ اسے اس کی بیٹی سے محبت ہوگئی۔ اس کا نام ایما کیتھرینا عرف گیشن تھا یہ انیس سالہ خوش مزاج لڑکی تھی۔ وہ بھی نوجوان اور طباع لڑکے سے محبت کے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ شاعر نے ایک چھوٹی نظم میں لکھا:۔

"وہ مجسم حسن ہے اس میں صرف ایک عیب ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے" اس نے اسے بہت دق کیا حتیٰ کہ لڑکی نے اس سے قطع محبت کیا اور بعد میں ڈاکٹر کلنے سے شادی کرلی۔ محبت کی اس ناکامی پر شاعر کے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ اس نے شاعری کے ذریعہ اپنا غم غلط کرنا چاہا۔ اور ایک نظم "جوش الفت" لکھی۔

گوئٹے کا خاص مسلک یہ تھا کہ اس کی تصنیفات اس کے تجربات اور اس کی زندگی کا آئینہ ہوتے تھے۔ اور لائپ سک ہی سے اس کی اس عادت کی ابتدا ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ گوئٹے کو کالیج کے لکچروں سے مطلق دلچسپی نہ تھی اور دوران لکچر میں نوٹس لینے کے بجائے وہ پروفیسروں کے کارٹون بنانے میں معروف رہتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے قیام لائپ سک کو بیکار ثابت نہ کیا۔ اس نے فرانسیسی مصنفین سولیر اور کارنیل کے ڈراموں کا مطالعہ کیا۔ اس نے ڈاڈسن کی کتاب "محاسن شیکسپیر" کے ذریعہ اس کے ڈراموں سے واقفیت حاصل کی۔ ڈرامہ کے ذوق کے ارتقا میں وی لانڈ کے نثری ترجمہ شیکسپیر سے بھی مدد ملی۔

ادبی مطالعوں کے ساتھ وہ حسن کاری سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ چنانچہ اوزر کی شاگردی میں داخل ہوگیا جو نقشہ کشی کے ادارہ کا ناظم تھا اور مشہور حسن کار و نقل مان کا استاد تھا۔ اوزر کی تعلیم سے وہ نقشہ کشی میں مہارت تو حاصل نہ کرسکا۔ لیکن اسے سب سے بڑا یہ سبق ملا کہ لاؤکون ( ) کے ذریعہ حسن کاری کا نظری استفادہ کیا۔

کچھ دنوں بعد گوئٹے بیمار ہوگیا اور وطن چلا گیا۔ صحت پانے کے بعد اسے ایک دوسری یونیورسٹی کو بھیجا گیا۔

اسٹرا سبورگ اپریل ۱۷۷۱ء میں گوئٹے اسٹرا سبورگ پہنچا اور ایک بورڈنگ میں

رہنے لگا۔ یہاں اکثر طلبا رطب کے تھے جن کا صدر ساسٹمان تھا۔ گوئٹے بہت جلد اس کا دوست بنگیا اور عرصہ تک اس سے خط و کتابت جاری رہی۔ طلبائے طب کے زیر اثر گوئٹے نے قانون کے ساتھ تشریحیات (اناٹمی) اور کیمیا کا بھی مطالعہ کیا۔ نیز اس نے بہت سے لاطینی اور یونانی مصنفین کی کتابیں پڑھ ڈالیں۔

اشٹراسبورک میں دنیا کے مطالعہ کا کافی مواد موجود تھا۔ یہاں کی رعایا جرمن اور نگران فرانسیسی تھے۔ ساسٹمان کے ذریعہ اس نے مختلف لوگوں اور مختلف سوسائٹی سے شناسائی پیدا کی۔ چنانچہ مشہور ناول "ہلیم ماگیٹر" میں اس تہذیب پر زیادہ زور دیا گیا جو کسی اہل قلم کو سوسائٹی کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے۔ اور تھیٹر میں ملازمت کے فوائد میں یہ بڑا فائدہ بتایا گیا کہ اس سے انسان بآسانی تخاطب حاصل کرسکتا ہے ہر جگہ امتیاز کی تمنا نے اسے اشٹراسبورک کے فیشنبل حلقوں میں اپنے لباس اور وضع قطع میں نمود و نمائش پر مجبور کیا۔ بانکپن کی ان خصوصیات کے ساتھ اس نے شمشیر زنی اور سواری میں بھی مشاقی حاصل کی۔

ساسٹمان کے علاوہ اسکی دوستی اسٹلنگ اور لرزے ( ) سے ہوگئی۔ آخر الذکر کے کردار کو اس نے اپنے ڈرامہ "گوئٹس" کے ایک شخص میں پیش کیا۔ قیام اشٹراسبورک میں سب سے زیادہ اس کو جرمن تمدن کے حصول کا موقع ملا۔ فرانسیسی اور کلاسکل مطالعوں سے وہ متاثر ہوا اس عہد میں جرمن قومیت کا احیا بڑی شد و مد سے ہو رہا تھا۔ کلوپ اشٹوک۔ لسنگ ہرڈر۔ وغیرہ فرانس کے مخالف تھے۔ شکسپیر اور اوشین (نارروی بیالڈ نویس) کی تحریرات کلاسکل اور فرانسیسی ادب کے مقابل تھے۔ قومی خود داری اور جوش نے مذاق میں تبدیلی پیدا کردی اور گاتھک (جرمن) حسن کاری کو حقیقی آرٹ سمجھا جانے لگا۔ بورڈنگ میں ساسٹمان اور گوئٹے کے ساتھی طلبا رجرمن تھے انھوں نے فرانسیسی بالکل ترک کردی اور فرانسیسی ادب اور اطوار کی مذمت کیجاتی تھی۔ اس وقت اس کو خالص المانوی (گاتھک) اطوار اور قرون وسطیٰ کے آداب کے متعلق ڈرامہ لکھنے کا خیال ہوا اور اس طرح "گوئٹس" کا آغاز ہوگیا۔

اس زمانہ میں ہرڈر جو اس سے پانچ سال بڑا تھا اشٹراسبورک میں مرض چشم کے علاج کے لیے وارد ہوا۔ گوئٹے نے اسکی تیمارداری کی اور اس کی باتیں توجہ سے سنتا تھا۔ دونوں آدمیوں میں بہت کچھ تضاد تھا لیکن اس نے انھیں جدا نہ کیا۔ ہرڈر کی درشت مزاجی نے بہت سے احباب کو اس سے دور کردیا۔ لیکن گوئٹے نے کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کی عادت تھی کہ متضاد طبائع سے سیکھنے کا متمنی رہتا۔ ہرڈر سے گوئٹے نے بعض اچھی باتیں سیکھیں۔ ہرڈر نے بتایا کہ شاعری قومی اسپرٹ کی پیداوار ہے اور معدودے تعلیم یافتہ اشخاص کا اجارہ نہیں۔ انجیل کے متعلق اس نے یہ خیال پیش کیا کہ یہ عبرانی قوم کی شاعری ہے۔ اسی طرح یونانی رزمیہ نگار ہومر اور ناروی بیالڈ نگار اوشین قومی شاعری کی مثالیں ہیں۔ اسی زمانہ میں اوشین نے یورپ کی سیاحت کی اور ہر جگہ رومانی تحریک پر زور دیا اور اپنے معتقدین اور مقلدین پیدا کرلیے۔ گوئٹے کو شمالی شاعر اتنا پسند تھا کہ اس نے اس کی گیت "زلما" کا ترجمہ کیا۔ ہرڈر کی بدولت وکارف ویکفیلڈ (گولڈاسمتھ) سے بہت دلچسپی محسوس کی۔

قیام اشٹراسبورک، کے زمانہ میں گوئٹے کو ایک پادری کی لڑکی فریڈریکے سے محبت ہوگئی۔ لیکن بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ زمانہ طالبعلمی کے عشاق سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہوں۔ گوئٹے کے اس عشق کا بھی یہی حال ہوا۔ اسے ڈاکٹری کی ڈگری کے لیے مقالہ لکھنا پڑا۔ کامیابی امتحان کے بعد وہ مکان واپس ہوا۔

کاپیہ گوئٹے کو نوجوان ابتدائی تصانیف ڈاکٹر پر بڑا ناز تھا گو وہ اس کی بے راہ روی اور لاابالی پن سے پریشان ضرور تھا۔ وہ بیٹے کی نظموں۔ مضامین ڈرائنگ کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور انکے اشاعت کی رائے دی۔ لیکن شاعر نے اس جلد بازی سے گریز کیا۔ فرانکفورٹ میں شاعر برائے نام وکالت کا پیشہ کرنے لگا۔

اس وقت شاعری توجہ اشٹرم انڈ درانگ (آندھی اور زور) کی تحریک کی طرف ہوئی جو تمام جرمنی میں بہت جلد پھیل گئی اور رسمی قیود کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ اس میں گریسٹن برگ کی "اوگٹو لینو" ( ) گوئٹے کی گوٹس فان برلشنگن" گلنگر ( ) کی "اشٹرم انڈ درانگ" کتابوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اس عہد کی دانشمندی اور بے اعتدالی دونوں ایک موج میں مل گئے۔ لسنگ کی بلند پایہ تنقیدیں۔ شکسپیر کے کلام کا ذوق، اوشین اور شمالی دیومالا کا جنون بیالڈ نظموں کی ترویج۔ روسو کی تقلید یہ سب ایک بغاوتی مہم میں شریک ہوگئے۔

گوئٹے کی سب سے پہلی بڑی تصنیف گوٹس فان برلشنگن" ہے اس میں قرون وسطیٰ کے ایک جنگجو سورما کے حالات پیش کئے گئے اس کے کارنامے انگریزی قصص رابن ہڈ کے مشابہ ہیں۔ گوئٹے نے اس کو ایک ناٹک (شاؤسپیل) کی صورت میں پیش کیا۔ اس ڈرامہ میں فرانسیسی اور کلاسکل اصول وحدانیت زماں و مکاں کی خلاف ورزی کی گئی۔ اس لیے اسے بالعموم شکسپیری نمونہ کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ ڈرامہ حقیقتاً رومانی درسگاہ کی پہلی شاندار پیداوار تھا اور اس کا اثر اس عہد کے

بعض ممتاز مصنفین پر پڑا۔ چنانچہ اسی ڈرامہ سے متاثر ہوکر مشہور انگریزی مصنف سر والٹر اسکاٹ نے تاریخی ناول لکھنا شروع کیئے۔ اس ڈرامہ نے قزان وسطلی کو مشہور مصنفین کا موضوع بنایا۔ ہرڈر، کے الفاظ میں "جب تم اسے پڑھوگے تو خود کو فردوس مسرت میں پاؤگے۔ اس میں غیر معمولی المانوی طاقت، عمق اور صداقت موجود ہے گو کہ ہمیں کہیں کہیں حسن کاری کی بجائے محض لفاظی سے کام لیا گیا ہے۔" گوئٹے کی اشاعت ۱۷۷۴ء میں ہوئی۔

فاؤسٹ میں عملی تجربہ کی غرض سے گوئٹے کو ۱۷۷۵ء میں ویئمار بھیجا گیا۔ یہاں پر دو عمارتیں ہمارے لیئے جاذب توجہ ہیں۔ اولاً شہنشاہی مجلس عدالت (

) ثانیاً ایلمانوی ایوان (درس دیئچے ہاؤس) شہنشاہی مجلس عام سلطنت کے لیئے اپیل گاہ تھی گویا یہ المانوی عدالت عالیہ تھی۔ یہاں پر مختلف جرمن ریاستوں کے وکیل بطور نمایندہ بھیجے جاتے تھے۔ گوئٹے کی حیثیت خانگی تھی۔ شہنشاہی مجلس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ گوئٹے کی آمد کے وقت بیس ہزار مقدمے تصفیہ طلب تھے مجلس کے ارکین ۷ تھے۔ وہ سال میں زیادہ سے زیادہ ساٹھ مقدمے فیصلہ کرتے تھے جبکہ اس کی دگنی تعداد ہر سال بڑھ جاتی۔ یہاں گوئٹے قانون کے تجربہ کے لیئے آیا تھا لیکن یہ ایسی جگہ نہ تھی کہ گوئٹے کی پرخلوص اور باعمل طبیعت کو متاثر کرتی جس کے پاس قانون اور عدالت کا ایک اعلیٰ تخیل تھا۔ واس ڈیئچے ہاؤس قزان وسطلی کی شہرہ آفاق نائٹ ٹمپلر کا ادارہ تھا۔ یہاں پر فوجی سرداروں (نائٹس) کی ارضی کا محصول جمع ہوتا اور اس کے معاملات طے پاتے تھے۔ اس ایوان کا ایک مہتمم (آمت مان) ہوتا تھا۔ ویتسلار کے واس ڈیئچے ہاؤس کا مہتمم ہرڈن تھا، اس کی بیٹی شارلوٹے اس وقت کی ہیروئن ہے۔

فریڈریکے کا خیال شاعر کو ہمیشہ ستاتا تھا۔ یہ اسی وقت دور ہو سکتا تھا جبکہ کوئی دوسرا اس کی جگہ لے۔ اس نے اپنے دوست سالتسمان کو خط میں لکھا "میں نے بچپن میں ایک شاہ دانہ بویا، اور اسکی نشوونما دلچسپی سے دیکھی۔ پالے نے اس کی کلیوں کو مرجھا دیا۔ اور مجھے آئندہ سال تک انتظار کرنا پڑا۔ تب پتیوں نے انھیں کھا لیا۔ دوسرے سال کیڑوں نے۔ اس کے بعد ایک حریص ہمسایہ نے بعد از آں زہریلی ہوا نے۔ تاہم جب مجھے ٹیلگا میں پھر شاہ دانہ بونو لگا" اس نے یہی کیا۔ فریڈریکے، کی جانشین شارلوٹے بوف تھی، وہ سولہ برس کی حسین، سلیقہ اور فہیم لڑکی تھی۔ اس کی منگنی کیسٹنر سے ہوگئی تھی جو ہانوری سفارت خانوی کا تھا۔ یہ نہایت سنجیدہ، ضابطہ اور تربیت یافتہ شخص تھا۔ اس کی گوئٹے سے بہت جلد دوستی ہوگئی۔ گوئٹے کی ملاقات شارلوٹے سے ایک رقص کے موقع پر ہوئی۔ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ لوٹشن نہایت نیک اور مہذب لڑکی دار والی لڑکی تھی۔ وہ اپنے منگیتر سے بیوفائی نہ کر سکتی تھی۔ وہ محبت کے بدلے صرف دوستی دیسکتی تھی۔ کیسٹنر کو بھی اس پر بہت بھروسہ تھا، اس نے کبھی کسی قسم کا شبہ یا حسد اپنے دل میں نہ آنے دیا۔ گوئٹے سے بھی کوئی بات ناموزوں نہ ہونے پائی۔ وہ اکثر لوٹشن کے مکان جایا کرتا اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں سے کھیلا کرتا تھا۔ ویتسلار کے زمانۂ قیام میں اس کی دوستی ایک اور عجیب و غریب شخص یروزالم سے ہوگئی۔

گوئٹے نے اپنے دوست مرک کو بلا بھیجا اور ویتسلار میں اپنے اشغال سے واقف کرایا۔ مرک نے لوٹشن کے انتخاب کی داد نہ دی۔ اور اس کی توجہ ہٹانے کی غرض سے اسے سیاحت پر مجبور کیا۔ گوئٹے کیسٹنر اور لوٹشن سے تذکرہ کیئے بغیر وہاں سے روانہ ہوگیا ان سے باقاعدہ رخصت ہونے میں غالباً اسے اندیشہ تھا کہ کوئی بات خلاف شان نہ ہو جائے۔ تاہم ان دونوں کے ساتھ اسکی خط و کتابت جاری رہی۔

مرک کے ساتھ دریائے رہائن کی سیر و تفریح کے بعد وہ فرانکفورٹ واپس ہوا اور قانون۔ ادب رنگ کاری میں مصروف ہوگیا۔ قانون میں اس نے پہلے سے زیادہ محنت کی جس سے اس کا باپ بہت خوش ہوا اور اس نے اس "نادر مخلوق" (باپ نے اس کا یہی نام رکھا تھا) کی دیگر حرکات سے چشم پوشی کرلی۔ گوئٹے کی ادبی کاوشوں کے لیئے فرانکفورٹ قسائی ٹوئک (مجلۂ فرانکفورٹ) موجود تھا۔ جس میں اسے شاعری۔ الٰہیات۔ فلسفہ سب ہی پر مضمون لکھنے۔ اسی اثنا میں اسے اطلاع ملی کہ لوٹشن کی شادی کیسٹنر سے ہوگئی۔ اس سے اس کو فطرتاً رنجیدہ ہونا چاہئے تھا۔ اس کی بہن کارنیلیے کی شادی شلائیر سے ہوگئی اور مرک جو اس سے ملنے آیا تھا وہ بھی چلا گیا۔ گوئٹے کا غم تنہائی کی وجہ سے اور بڑھ گیا۔ اپنا غم غلط کرنے کے لیئے وہ علمی مصروفیات میں منہمک ہوگیا۔ اس نے ایک ڈرامہ فاؤسٹ لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کی اسکیم نہایت شاندار اور اعلیٰ تھی۔ اس کی تیاری میں اس نے قرآن مجید اور سیرۃ النبیؐ کا نہایت انہماک سے مطالعہ کیا۔ اس ڈرامہ کا خاکہ قارئین کی دلچسپی کے لیئے درج کیا جاتا ہے۔ ڈرامہ کا آغاز حضرت محمدؐ کی کھلی فضا میں ایک مناجات (

) سے ہوتا ہے۔ اس میں آنحضرت نے تاروں۔ چاند۔ سورج وغیرہ کو مخاطب کرکے سوال کیا کہ آیا ان میں شان معبودیت ہے؟ آخر آپ ایک لم یزل لایزال ہستی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تمام دنیا کا خالق اور حقیقی معبود ہے۔ اس وقت آنحضرت پر وحی آتی ہے اور آپ مبعوث ہوتے ہیں۔ اپنے خیالات اور ایقان کی دوست احباب میں تشہیر کرتے ہیں۔ آپکی بیوی حضرت خدیجہؓ اور بھائی حضرت علیؓ آپ پر

ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے ایکٹ میں آپ اور حضرت علیؓ اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کی کوشش کرتے ہیں۔ کفار کی مخالفت سخت ہو جاتی ہے۔ آنحضرتؐ ہجرت کر جاتے ہیں۔ تیسرے ایکٹ میں آپ دشمنوں پر غالب آتے ہیں ان کے قلوب کو ایمان سے منور کرتے ہیں اور کعبہ کو بتوں سے پاک کرتے ہیں۔ یہاں سے آپ کی دنیاوی حکومت مضبوط ہو جاتی ہے۔ چوتھے ایکٹ میں آنحضرتؐ کی فتوحات اور اشاعت اسلام جاری رہتے ہیں۔ ایک عورت جس کے شوہر کو آنحضرتؐ نے سزا دی تھی (یا) آپکو زہر دیتی ہے۔ پانچویں ایکٹ میں آپ کی عظیم الشان متانت اور بلند پایہ فطرت کا شدومد سے اظہار ہوتا ہے آپ اپنے دین کو استوار اور سلطنت کو مستحکم کر کے وصال فرماتے ہیں۔ گوئٹے کا خیال تھا کہ اس ڈرامہ میں تنظیم المرتبت ہستی اپنے کردار اور ذہنی استعداد سے نوع انسانی کو جس طرح متاثر کرتی ہے اس کی وضاحت کیجائے بہت سے نقشے اور گیت تیار کر لیے گئے لیکن ڈرامہ ضبط تحریر میں نہ آ سکا۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ گوئٹے کی ناکامی ایکسیوں میں سب سے زیادہ شاندار یہی خاکہ ہے۔ شوخت بیان۔ عمق احساس۔ فطرت انسانی کے اسرار کی نفسی تشریح کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی خاکہ نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ گوئٹے اس ڈرامہ کو نہیں لکھ سکا۔

۱۷۷۴ء میں کیسٹنر نے اسے ہانوور بلایا تاکہ ڈرامہ میں پارٹ لے۔ گوئٹے نے انکار کر دیا۔ "میرے والد خیر مکومت میں ملازمت کی مخالفت کریں گے۔ اور نہ مجھے یہاں کسی عہدہ کی خواہش یا امید ہے۔ یقین مانو کہ میں اپنی استعداد اور ذہنی قوتوں کو ایسے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے رجحان طبع کے مطابق کام کرنے کا عادی ہوں، مجھ سے کسی شہزادہ کی نوکری نہیں ہو سکتی"۔ تاہم دو سال بعد وہ ایک اور شہزادہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔

اس اثناء میں وہ ورتھر کی تصنیف میں منہمک رہا۔ اس تصنیف نے تمام یورپ کو متحیر کر دیا اور عرصہ تک یورپ میں گوئٹے اسی کتاب کے مصنف کے طور پر مشہور تھا۔ گو انھوں نے اس ناول کی دو گا جیثیت قرار دی۔ اس میں ایک تو مصنف کے ذاتی تجربات ہیں دوسرے اسکے دوست کے حالات۔ آخر الذکر کے لیے اس نے کیسٹنر، اور اس کی بیوی شارلوٹے کو منتخب کیا جو ناول کی ہیروئن ہے۔

یروزالم، کے قصہ نے گوئٹے کو ایسا آلہ فراہم کر دیا جس کے ذریعہ اپنے ذاتی تجربات کا اظہار ہو سکتا تھا۔ یروزالم سے اس کی دوستی ویٹسلار میں ہوئی تھی وہ نہایت غمگین طبع اور قنوطیت پسند تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست کی بیوی سے عشقبازی کی اور ناکامی پر خودکشی کر لی۔ جس سے ایک سنسنی پھیل گئی۔ کچھ دنوں بعد "آلام ورتھر" شائع ہوئی تو پبلک اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ ورتھر میں ایسے کردار کو پیش کیا گیا جس میں محو ضبط کا مادہ نہیں اور جس کا خیال تھا کہ عظیم تمناؤں اور غیر ممکن خواہشات کسی شخص کی عظمت کی دلیل ہیں۔ وہ تمام اصول سے متنفر تھا خواہ حسن کاری کے اصول ہوں یا روزمرہ زندگی کے رسم و رواج۔ اسی طرح وہ گفتگو۔ تحریر۔ لباس اور ملازمت سب میں باطنی سے متنفر تھا۔ اس کتاب کی بندش نہایت سادہ اور انداز بیان نہایت دلچسپ ہے۔ ورتھر کے متعلق کارلائل کا بیان ہے۔

"وہ پوشیدہ اطمینانی۔ اسیر و مقید روح کی اندھا دھند کاوش۔ بلند آہنگ غم اگیں اور تمنا بھری بیچینی جو ہر سینہ میں موجزن تھی۔ اس نے گوئٹے کو مایوسی کی حد تک پہنچا دیا۔ ہر شخص نے اسے محسوس کیا۔ وہ اکیلا اس کا ترجمانی کر سکتا تھا۔ یہی اس کی ہر دلعزیزی کا راز ہے اسے اپنے عمق اور زور حس دل میں دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں ہزاروں گنی طاقت پائی شاعر ہونے کے اعتبار سے اس نے اسے ایک دائمی تعمل عطا کی اس کو ایک جائے پناہ دی اور معروف کیا۔ اس طرح اس نے خود کو اپنے عہد کا ترجمان ثابت کیا"۔ ورتھر سے قبل کسی ناول نے دنیا کو اتنا متحیر و بے خود نہیں کیا۔ ہر قسم اور ہر جماعت کے لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ یہ کتاب معمر میں نپولین کے ساتھ گئی۔ یہ چین میں بھی پہنچی۔ اس کی ہر دلعزیزی ایک جملہ میں اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ جرمنی میں یہ عوام کی کتاب اور پرانی گیت کی طرح ہر گلی کوچہ میں نظر آتی تھی اور سلطنت چین میں تو شارلوٹے اور ورتھر کے مجسمے تیار کیے گئے۔

گوئٹے کی اہمیت دن بدن بڑھنے لگی۔ اس عہد کے ممتاز لوگ اس کی ملاقات کے خواہاں تھے۔ ان میں قابل ذکر مشہور مصنفین کلوپ اسٹوک۔ لاوا ٹیر۔ باسے وہ۔ یاکوبی اور امیر اسٹولبرگ تھے۔ یہ سب گوئٹے سے ملنے فرانکفورٹ پہنچے۔ گوئٹے کی شخصیت ایک خاص جاذبیت رکھتی تھی۔ یاکوبی، کے الفاظ میں وہ "خدا کا مادر مخلوق" تھا۔ ایک اور مصنف ہاسن زے، اس کے متعلق یوں رقمطراز ہے "یہ بیس برس کا خوبصورت جوان، مجسم ذکاوت (جنیئس) اور قابلیت (ٹیلنٹ) ہے اس کا دل امنگ سے پر۔ اس کی روح آگ سے معمور اور عقاب کے پنجے لڑنے والی ہے۔ تمام تاریخ ادب میں ایسا شخص نہیں دیکھنے میں آیا جو اس عمر میں فراوانی اور اکمال ذکاوت

مشرق و مغرب

از

محمد عبدالقیوم خاں باقی (ایم۔اے)

(۲)

مملکت چین کی تاریخ ایک مسلسل اور مکمل حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے سر مختلف ایجادات کا سہرا باندھا جاتا ہے جو بڑی حد تک معقول ہے۔ عام طور پر اس کو ایک نہایت قدیم تہذیب تسلیم کیا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کریٹ۔ ملاس۔ اور میسوپوٹیمیا جیسی قدیم سلطنتوں کے مقابلے میں چین ایک نوخیز شہر ہے۔ اس کی قدامت اسی کی تاریخی شہادتوں کے مطابق (سلسلۂ قبل مسیح سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی لیکن مصر اور سومیریا کی تاریخ کسی قدر صحت کے ساتھ (سلسلۂ سال قبل مسیح تک پہنچتی ہے۔ قدیم چینی سلطنتوں کا سب سے زیادہ دیرینہ آنکھ کارنامہ ان کی تاریخی شہادتیں اور مواد ہے جو مستند اور مکمل طریقے سے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن مصر اور بابل کا تاریخی مواد محققین اور مؤرخین کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ اس وقت چین کی ۲۴ پشتوں اور خاندان کی مکمل تاریخ موجود ہے جس سے تاریخی واقعات سلسلہ بسلسلہ معلوم ہوتے ہیں اور ہم کو تاریخی دور سے آگے نکلکر انسانوں کی دنیا میں پہنچاتے ہیں۔ نیز اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ ابتدا کن چین میں کن کن اقوام نے آکر سکونت اختیار کی تھی۔

چین کی دوسری خصوصیت جو فن تاریخ سے قریبی تعلق رکھتی ہے تحریری ادبیت کے ساتھ اس کا شوق و محبت ہے۔ اس کا دور بھی قریب قریب اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ دنیا کی قدیم ترین کلاسکل ادبیات کا ہے۔ تیرہویں صدی قبل مسیح میں ایک چینی بادشاہ گذرا ہے جس نے یہ کوشش کی تھی کہ قدیم ادبی یادگاروں کو فنا کر دیا جائے، لیکن عجیب خوش قسمتی ہے کہ اس کے باوجود بھی چینی ادبیات محفوظ رہے اور اس وقت ہم کو کنفیوشس (کی تعلیمات اسی طرح ملتی ہیں جس طرح وہ آئندہ کو لکھی گئی تھیں۔ چینی قابل قدر قطعات میں تیسری چیز اس کی تحریری زبان کا قدیم انداز کتابت ہے۔ چینی قوم میں حروف نہیں بلکہ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ایک قسم کی شکلیں استعمال کرتی تھیں۔ پہلے پہل یہ شکلیں یا تو تصویریں ہوتی تھیں یا نقوش۔ مصریوں نے اپنے کتابات میں انھی کی تقلید کی تھی اور مختلف شامی اقوام نے اپنے پیکانی کتبوں میں اسی فن کتابت کو اختیار کیا تھا۔ حروف کی طرح اس فن میں تغیر و تبدل نہ کسی قسم کی خرابیوں کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ چینیوں کا فن کتابت گو اس وقت قدیم نقوش اور تصاویر سے بہت مختلف ہے۔ ہم اس کو قدیم ہی کہیں گے اور اس کو کسی طرح قدامت پرستی سے معرا نہ سمجھیں گے۔ لیکن خود اہل چین اس کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ حروف کے استعمال سے کہیں زیادہ مستحسن ان کا فن نقش و تصویر ہے۔

چینی زبان چینی زبان میں جو اعجوبیت اور ندرت ہے وہ ان کے کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی۔ یہ پہلے ان کا اسلوب تحریر ہے۔ چینی جیسا کہ قبل مذکور ہوا حروف کا استعمال نہیں کرتے بلکہ آواز اور معنی کو ظاہر کرنے کے لیے صرف علامتوں اور نقوش کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ علامتیں جو "نقوش" کہلاتی ہیں پہلے پہل سادہ تصویریں استعمال کیجاتی تھیں جو دنیا کی عام ٹھوس اشیا مثلاً سورج۔ چاند۔ درخت۔ پھاڑ پرندے۔ گھوڑے۔ دروازے۔ کان۔ آنکھ وغیرہ کو ظاہر کرتی تھیں۔ بعض تصوری الفاظ مثلاً "نیچے" "اوپر" "درمیان" کے لیے چند خاص "نقوش" مستعمل تھے۔ اسی طرح اکائیوں اور دہائیوں کو لکھنے کے لیے کوڑی یا کھڑی کی لکیریں کھینچی جاتی ہیں۔ ہر علامت کے لیے ایک خاص تلفظ بھی موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حسن کارانہ فن کتابت اپنے اندر محدود اور چند خاص کمزوریاں رکھتا تھا۔ انہیں ایک متمدن قوم کے جملہ تصوری اور حقیقی جذبات کو الفاظ اور تحریر کا جامہ پہنانے کی کبھی کشش نہ تھی۔ علاوہ ازیں چند ٹھوس خیالات ایسے بھی تھے جس کو مفرد نقش کے ذریعے لکھا نہیں جا سکتا تھا، اس لیے لازماً مرکب نقوش ایجاد ہوئے۔ مثلاً لفظ چمکدار یا روشن کے لیے آفتاب اور مہتاب دونوں کے نقوش کو ملا کر ایک مرکب نقش یا لفظ بنایا گیا۔ بعض مرکبات ایسی بھی تھیں جس میں دو تصویروں کو ملا کر ایک خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ مثلاً لفظ "خوب" یا "خوش" کے لیے "جورو" اور "بچے" کی دو علامتیں ملا دی گئی تھیں۔ اگر ایک چھت کے نیچے ایک عورت کی تصویر ہو تو اس سے مراد "امن و اطمینان" کا ظاہر کرنا تھا۔ "صداقت" کے لیے ایک لفظ اور ایک آدمی کی تصویر بنائی جاتی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایک آدمی اپنی زبان کا پابند

اور اس کی طرح سچا ہے۔ "مکان" کے لیے ایک چھت نیچے ایک سور کی تصویر بنائی جاتی تھی۔ جانوروں اور نباتات کی تصویر کے دو اجزا تھے۔ ایک چیز میں یہ دکھایا جاتا تھا کہ آیا وہ شئی از قسم نباتات ہے یا جانور دوسرا جز وہ علامت تھی جو ایک قسم کی آواز کے لیے لکھی جاتی تھی۔ مثلاً "مربع" کے لیے جو علامت استعمال تھی وہ "فیانگ" کہلاتی تھی۔ اگر کسی اظہار آواز کی ایک علامت سمجھی جائے جو "درواز ے" کے ساتھ ملا کر اس کے مفہوم "مکان" کے ہو جاتے تھے۔ "ریشم" کے ساتھ ملا کر "بننا" اور "لے چلنے" کے ساتھ ملا کر "چھوڑ دینا"۔

چینی زبان کی دوسری خصوصیت الفاظ کا بذریعہ زبان ادا کرنا ہے۔ یہ ایک قسم کی مترنم آواز ہے جو گفتگو کرتے وقت نکالی جاتی تھی۔ اس سے قبل جو لفظ "فیانگ" لکھا گیا وہ مختلف طریقوں آوازوں کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور انھیں کیساتھ اس کے مفہوم بھی بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن ان آوازوں کے ادا کرنے کے لیے باضابطہ قوانین اور اصول مرتب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چینی زبان کا سیکھنا ایک دشوار امر ہے۔

تاریخ میں چینی فن کتابت کی استقدر مسلط رہنے کی وجہ صرف یہی نہیں جو اوپر بیان ہوئی بلکہ اس کی ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ حصے تحریر میں خوبصورت نقوش کا استعمال اور اس کے ساتھ قوم کا دلی لگاؤ۔ اہل چین اپنی تہذیب و تمدن میں سب سے زیادہ حسن کارانہ ذوق رکھتی ہے۔ ان کے حسن کارانہ کمالات مختلف طریقوں اور مختلف موضوعات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کا قدیم ترحسن عمل وہ نقوش ہیں جو پیتل اور کانسی میں کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو اس شہر کے پیتلی کٹورے۔ ساغر اور پیالے جن میں شکل و صورت، نقش و نگار کے

چینی تحریر

سادہ حروف

نقش بنا یا	معنی	نقش قدیم
日	..... آفتاب	⊙
木	..... درخت	木
山	..... پہاڑ، پہاڑ	山
鳥	..... پرندہ	鳥
門	..... دروازہ	門
手	..... ہاتھ	手
耳	..... کان	耳
目	..... آنکھ	目
上	..... اوپر	二
下	..... نیچے	一
中	..... درمیان	中

(حروف مرکب)

明	..... روشن	日月
多	..... خوب	夕夕
安	..... امن	女宀
宅	..... مکان	宀乇
吉	..... خیر	士口
方	..... مربع	方
右	..... مکان	口又
左	..... بننا	工左
放	..... چھوڑ دینا	方攵

اعتبار سے ایک خاص شان اور حسن پایا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چینیوں کو حسن کارانہ عمل کے باہر کسی چیز کا بتانا ہی نہیں آتا تھا۔ ان کے اکثر ظروف اور کوپ (شتریوں وغیرہ میں بھی

یہ امر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ لیکن ظروف سازی میں وہ دنیا کی کامل ترین قوم نہیں ہے۔ چین کے قدیم مٹی کے بت حسن کاری کے اعلیٰ معیار نہیں اتر سکتے اور مانچو دور کے ظروف خاص طور پر اپنے عہد کی بد نمائیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

عمارت سازی

فن عمارت میں اہل چین بڑی اثرات سے قطعاً محفوظ نظر آتے ہیں۔ چینی محلات اور مندروں میں گو ایک قسم کی یکسانیت موجود ہے لیکن ان میں بیزاری اور تکرار کے افسردہ عناصر شامل نہیں۔ ایک عمارت کو دیکھنے سے مختلف اثر دوسری عمارت کو دیکھنے سے ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکان چینی جذبہ کا آئینہ ہے۔ چینی عمارت کی امتیازی شان اس کی عظیم الشان چھت، اس کے منقش گوشے ہیں۔ اور چمکدار کویلو ہے۔ قوس اور محرابیں زیادہ تر یادگاروں اور خوش وضع پلوں میں بنائی جاتی ہیں اور ان کے لیے زیادہ تر لکڑی اور اینٹ، لیکن کبھی سنگ مرمر حیرت انگیز کمال کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ جاپانی فن تعمیر میں بھی کم و بیش یہی خصوصیت موجود ہے۔ اس فن میں شان اور نفاست، سادگی اور تکمیل، جدت اور شوخی امتیازی شان کے ساتھ موجود ہے۔

وسط ایشیا کے تمدن کی علمی تحقیق کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں سکندر اعظم اور اس کے جانشینوں نے جو قدیم یونانی اور ہلینک مجسمے روانہ کیے وہ زیادہ تر چینی اور جاپانی بدھ مذہب کی حسن کاری کے نقوش عمل میں مجسمہ نگاری اور فن مصوری میں انھی ممالک کے اثرات موجود ہیں اور ہم کو اس کا پتہ حال کی تحقیق سے چلا ہے۔ زمانہ قدیم میں وان ین ( ) نامی ایک بت بطور ایک دیوتا کے بنایا جاتا تھا۔ بدھ مذہب کی

بقیہ صفحہ (۲۰۵)

(بقیہ صفحہ ۱)

باپ کا اختیار حکومت جبکہ اس کے بچے بھی قوی ہو جائیں شرع طلب ہوگا۔ اگر ایک باپ کو اس وجہ سے اختیار تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی ضروریات فراہم کرتا تھا تو جب بچے بڑے ہو جائیں اور وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوں تو پھر وہ اختیار محتاج شرع ہے۔ اگر یہ اختیار ہمیشہ قائم رہتا ہے تو پھر اس قوائے جسمانی کے پیچھے کسی اور پوشیدہ طاقت کا وجود ماننا پڑیگا۔ کیا رومہ میں "اختیارات پدری" بغیر اراد حکومت کے نافذ العمل تھے بعض قبائل میں قرابت کے برخلاف شیخ اور سردار کا انتخاب کیوں ہوتا تھا۔ یہ تمام سوالات ایسے ہیں کہ اس کے جواب میں ہم کو قرابت کے علاوہ اور محرک کا پتہ چلانا پڑتا ہے کیونکہ صرف قرابتی تعلقات کے زور سے یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ خاندان کی اکائیاں اپنی اصل حالت پر نہیں رہ سکتیں ان میں وسعت ہونا ضروری ہے۔ خود ایک خاندان کی کئی شاخیں پیدا ہو کر کئی خاندان بنجاتے ہیں اور دوسرے خاندان شادی بیاہ کے ذریعہ آپس میں متحد ہوتے ہیں اور اس توسیع و اتحاد سے قبیلے پیدا ہوتے ہیں لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ قبیلوں کی وسعت میں قرابت کی وہ طنابیں اس قدر چست نہیں رہ سکتیں جس قدر ایک چھوٹے خاندان میں ہوتی تھیں۔ باپ کو اپنے بچوں سے یا بچوں کو اپنے باپ سے جس قدر کشش محبت ہوتی ہے وہ دادا اور پردادا کو اپنی دور دراز در یافت سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ قبیلہ داری تنظیم اسی طرح قائم رہتی ہے جس طرح ایک خاندان کی تنظیم۔ قبیلہ کے تمام ارکان اپنے تشخیع قبیلہ کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتے ہیں جس طرح ایک چھوٹے خاندان کے باپ اور اس کے بچے۔ جب یہ صورت حال ہے تو قرابت کے علاوہ نظم معاشرت کے کچھ اور عامل ہونے چاہئیں۔

یہ دوسرا عامل مذہب ہے جس نے زمانۂ قدیم میں نظم معاشرت کی بندشوں کو مضبوط کرنے میں غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوئے ہیں ایک فوق الفطرت طاقت اور ہستی کا تصور بھی ان کے ساتھ پیدا ہوا۔ اگرچہ اس تصور کی حقیقی روداد بہت بعد کو معلوم ہوئی ہے لیکن آفرینش کے ابتدائی زمانہ میں بھی کچھ نہ کچھ ناقص تصورات ضرور موجود تھے۔ ہر وحشی جذبۂ مذہب سے متاثر تھا۔ کہیں درخت کی پوجا ہوتی تھی تو کہیں تیلی کی پوجا ہوتی تھی۔ چنانچہ پرستش کے یہ جداگانہ مظاہرات بھی وحشی قبائل میں پائے جاتے ہیں۔ جب خاندانوں کی اکائیاں قبائل کی صورت اختیار کرتی تھیں تو ان میں قومی پرستش شروع ہو جاتی ہے یعنی قبیلہ کے تمام اراکین اپنے جداعلیٰ کی پوجا کرتے ہیں اور یہ مشترک پرستش اتحاد و یگانگت کا بہت اچھا ذریعہ ثابت ہوئی۔ علاوہ خاندان کے اراکین بھی اپنے مشترک دیوتا کے تصور سے باہم متحد ہونے پر مجبور ہوئے اور قبائل کے اراکین کو ملانے والی یہی ایک چیز تھی یعنی قبیلہ کا ایک دیوتا یا ان کا اصل یا فرضی جداعلیٰ ورنہ اس پرستش کے سوا اراکین قبیلہ کو ملانے والی کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی سے دنیا میں متحدہ سیاسی جماعتیں پیدا ہوئی ہیں جن کے اراکین ایک مضبوط رشتۂ اتحاد میں منسلک ہوئے ان جماعتوں میں جو پہلے قوانین پیدا ہوئے ہیں ان کا سرچشمہ بھی مذہب کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان قوانین کی اصل دیکھی جائے تو یہ مذہبی رسوم تھے جو مذہب کے ذریعہ سے اٹل ہوتے گئے جس طرح موجودہ مملکتوں میں قوانین کا وجود فوج و توال کی طاقت پر قائم ہے زمانۂ قدیم میں قبائلی قوانین مذہب کی تہدید پر قائم تھے۔ مذہبی جزا و سزا ان کی پابندی اور خلاف ورزی کا ضامن ہے اور جب پیشوایان مذہب پیدا ہوئے تو ان کی تہدید نہ صرف ان قوانین کی حفاظت کرتی گئی بلکہ قبائل کے اراکین کا اتحاد مضبوط سے مضبوط ہوتا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم قبائل کے اولین بادشاہ ہی پیشوایان مذہب ہوتے گئے۔ یہ لوگ مذہبی فرائض کے ساتھ دنیوی فرائض و اختیارات کے مالک ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ دینی و دنیوی فرائض کی تقسیم تو اس وقت سرے سے نہیں تھی۔ یہ صرف زمانۂ حال کی تقسیم ہے۔ یورپ اور ایشیا کی تاریخ اس مذہبی حکومت سے پُر ہے۔ یورپ میں سلطنت روما اور پوپ کی حکومت اور ہندوستان میں برہمنوں کا تسلط اس کا بین ثبوت ہے۔ موجودہ زمانہ میں بعض اقطاع عالم ایسے پائے جاتے ہیں جہاں مذہبی حکومت اپنی پرانی طاقت میں اب بھی پائی جاتی ہے۔ تبت کا لاما اصل میں پیشوائے مذہب ہوتا ہے جو مذہبی رہنمائی کے ساتھ دنیوی فرائض سیاسی کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ جنوبی افریقہ اس کی دوسری مثال ہے۔ ان شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظم معاشرت کی شیرازہ بندی میں مذہب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اسی کے زور سے معاشرہ کے اراکین اپنے عمل و خیال میں متحد ہوئے جو مملکت کی اصل تعمیر ہے۔ قانون اور اس کا تعمیلی اثر اسی سے پیدا ہوا۔ اسی کی رہنمائی کے لیئے پیشوایان مذہب پیدا ہوئے جو بعد کو بادشاہ بنگئے اور اس طریقہ سے دنیا کے معاشروں میں حکومت کی تشکیل عمل میں آئی۔

سیاسی بیداری قرابت اور مذہب کے محرکات کے ساتھ جنکا اثر ہم دیکھ کر آئے ہیں ایک اور محرک سیاسی بیداری ہے جو ان کے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔ یہ ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ ہر حالت میں انسانی قرابت اور مذہبی اثر کے علاوہ اپنی آپ حفاظت کا خیال بھی ضرور پیدا ہوا ہوگا۔ خود اراکین قبیلہ میں امن قائم رکھنا کہ ایک شخص دوسرے پر حملہ نہ کرے اس کے علاوہ اپنے قبیلہ کو دوسروں کے تاخت و تاراج سے محفوظ رکھنا۔ اگرچہ یہ

(بقیہ صفحہ ۲۸ کالم ۱)

بقیہ صفحہ (۲۷)

خیال بالکل غیر شعوری طریقہ سے پیدا ہوا ہے اور یہ اس قدر نمایاں اور محیط نہیں تھا، جس طرح قرابت اور مذہب کا محرک تھا۔ لیکن یہ خیال اور ضرورت کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ اندرونی اور بیرونی حفاظت کے علاوہ رفتہ رفتہ اخلاقی، اور آئینی ترقی کا تصور پیدا ہوتا گیا۔ اور ان اغراض کے لیئے کہ ان جماعتوں میں امن وامان قائم ہو۔ باہر سے حملہ نہ ہو اور اہل جماعت کی ترقی ہو حکومت کی ضرورت مدعی ہوئی اس کی مختلف شکلیں تجویز ہوتی گئیں، اس کے مختلف اعضا عالم وجود میں آئے۔ پہلے پہل یہ حکومت معمولی تھی یعنی ملک اور بادشاہ پر مشتمل تھی۔ ضروریات کے اضافہ کے ساتھ حکومت کے مختلف اعضا۔ عدالت، کوتوالی اور دیگر محکمے قائم کیئے گئے اور جب عمری تصور پیدا ہوا تو نیابت کے اصول پیدا ہوئے اور ملک کے عام رائے کے لیئے نیابتی جماعتیں قائم کی گئیں۔ غرض سیاسی بیداری کے زور سے مملکت کے ارتقا میں کافی مدد ملی ہے۔

اس تمام بحث کا مقصد یہ ہوگا کہ دنیا کی مملکتوں کے مبدا کے متعلق کوئی کلیہ قائم کرنا ناممکن ہے۔ قلم معاشرت کی تاسیس وتعمیر ایک ایسا پیچیدہ گورکھ دھندا ہے کہ اس کو آسانی سے نہیں سمجھایا جاسکتا جس طرح انسان کی فطرت متنوع واقع ہوئی ہے اور مذاق مختلف ہے مملکت کی بنیاد وتعمیر بھی مختلف ہے ممکن ہے کہ کہیں مملکت ایک غول سے آگے بڑھی ہو کہیں خاندان اس کی بنیاد ہو۔ کہیں پیشوایان مذہب مسلط ہو کر بادشاہ ہوگئے ہوں اور کہیں قبیلہ کا سرغنہ جنگ بادشاہ ہوگیا ہو، لیکن اس قدر صحیح ہے کہ مملکت کی تاسیس اور تعمیر ارتقائی و تاریخی ہے۔ وہ کسی ایک جنبش کا مظاہرہ نہیں ہے۔ اس کی ارتقائی مدارج میں قرابت۔ مذہب اور سیاسی بیداری جیسے محرکات نے حصہ لیا ہے اور اس کو آگے بڑھایا ہے۔ فقط

بقیہ صفحہ (۲۶)

وآن ہین، دیویاں بھی اسی قسم کی ہیں۔ اور بی بی مریم کے عیسائی مجسموں کی طرح ان میں حسن اور تقدس کا کمال بدرجۂ اتم موجود ہے۔ لیکن ان دیویوں کی گود میں ایک بچہ بھی دیا گیا ہے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان کے بت اور مجسمے قدیم یونانی مجسموں کی کی نقل ہیں اور یہ نقلیں بدھ مذہب کے یونانی بیاکتری مجسموں کے ذریعے ہندوستان میں پہونچی اور نقش پذیر ہوئی ہیں۔ کیا تعجب خیز امر ہے۔ مغرب کی دو حسن کاریاں بعینہٖ مشرق میں آکر مل جاتی ہیں!

رنگ کاری

چین میں رنگ کاری کا فن ساتویں صدی سے رائج ہوا۔ چین کا یہ فن سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ تصویریں عموماً ریشم پر کھینچی جاتی ہیں اور ان میں سیاہی یا آبی رنگ کاری کیجاتی ہے۔ چینی رنگ کاری کا اصل گر اور راز ان کا تصوری اور جذباتی عمل ہے۔ چینی شاعری میں بھی شاعرانہ ماحول اور تاثر پر بہ نسبت نثر کی حقیقت پسندی کے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ سایہ اور چھاؤں کو تصویروں میں کبھی نہیں دکھایا جاتا۔ منظر کشی میں اہل چین کا جذباتی رنگ بدرجۂ کمال موجود ہے۔ مادی اور ٹھوس پن کو رنگ کے ذریعے ظاہر کرنا ان کے پاس گناہ ہے۔ پہاڑ اور بادلوں کو گننے کا انداز رنگ لئے ہوئے ہے لیکن ان میں زاویۂ نگاہ مرکز اور فاصلے کی حقیقت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اہل چین سب سے پہلی قوم ہے جس نے ایک نیچے ارضی منظر کو صرف اپنی خاطر کھینچا۔ منظر کئی ہیں ان کی مقبول ترین یہ حسن کاری حسب ذیل تھی:-

لپیٹے ہوئے کاغذ پر مناظر کا ایک سلسلہ کھینچا جاتا تھا۔ کاغذ کے کھلنے کے ساتھ ساتھ مناظر کی بوقلمونی مناظر پر ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ کیا یہ سینما فلم کے ابتدائی خاکے نہیں؟

مذہب اور نظریۂ زندگی

چینی قوم کا نظریۂ زندگی ہندو سے اصولاً بہت مختلف ہے۔ گو ان میں فلسفیانہ تصورات، یا مذہبی تصوف موجود نہیں، وہ سب سے زیادہ اخلاقیات کی عزت کرتے ہیں۔ کنفیوشس کا کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک اخلاقی قانون ہے جس پر حکومتی اور خانگی دونوں قسم کی معاشرت ہے۔ وہ اپنے اسلاف کی پرستش کرتے، اپنے ماں باپ کی عزت کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ان کی اولاد نرینہ ہو تاکہ وہ خاندانی پرستش کو برقرار رکھ سکے۔ یہ لوگ اپنی روزانہ زندگی میں عام طور پر مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔ چینیوں میں ابتداءً بدھ مذہب نے کامل رسوخ حاصل کیا اور سترھویں صدی میں منگول قوم کے زیر اثر اعلیٰ طبقوں میں عیسائیت نے مقبولیت حاصل کی۔ چین میں برادرانہ سلوک کو سب سے زیادہ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ کنفیوشس کا قول ہے "ماں باپ مرنے کے بعد ان کے لیئے ان کے خاندانی اثرات کے مطابق قربانیاں دی جائیں گی"۔ مرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ ہر کسی عزیز یا رشتہ دار کی روح اپنے خاندانی کاروبار میں حصہ لیتی اور خیر وشر میں اپنے اثرات ڈالتی ہے۔ اس روح کے قیام کے لئے گھر میں ایک خاص لوح بنائی جاتی ہے تو اس پر اکل وشرب کی چیزیں چڑھائی جاتی ہیں۔ ان ارواح کے ذریعے خاندان کے جملہ اہم کاروبار کی اطلاع آبا و اجداد کو پہونچ جاتی ہے۔

(باقی آئندہ)

یہاں شاعر کی زندگی کے رومانی پہلو کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ اس کو فرانکفورٹ کے ایک بیانکو کی لڑکی انا الزا ہتھ شوئے مان سے محبت ہوگئی جس کی عمر سولہ برس کی تھی۔ یہ عمر معنی خیز ہے کیونکہ فریڈریکے۔ شارلوٹے وغیرہ کی بھی یہی عمر تھی۔ اس عمر میں لطافت شخصیت حسن اور نوخیزی کے تمام طلسم ایک لڑکی میں موجود ہوتے ہیں یہ عمر شاعری سے حملہ ہوتی ہے۔ گوئٹے۔ ورور۔ فاوسٹ۔ پرومیتھیس کے مصنف کا ہمہ گیر قلب سولہ برس کی لڑکی کے زلفوں میں اسیر ہوگیا۔ وہ اس لڑکی کو پیار سے لیلی ( ) پکارا کرتا تھا۔

ان دونوں کے مراتب میں بہت فرق تھا۔ بیانکو کے مکان کی پرتکلف سوسائٹی آزاد خیال شاعر کے لیے جو خطرات اور آزادی کا پرستار تھا کب موزوں ہوسکتی۔ لیکن حضرت عشق نے سب ہی گوارا کردیا۔ وہ اپنی طبیعت کے خلاف رقص و موسیقی کے جلسوں میں شریک ہونے کیلئے اپنے لباس میں نمود و نمائش کرنے لگا۔ اس کے ضمیر کی آواز نے اسے ملامت کی اور بتایا کہ وہ اپنے مقصد حیات سے کتنا دور ہے۔ چنانچہ ذیل کی نظم میں اسی "کشمکش" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اے دل یہ درد کیا ہے جو تجھ پر درد کیا ہے
کیا بھاری ہے ؟

کیا تو کسی نئی زندگی کی تشریح میں ہے جس سے
میں واقف نہیں ؟

کیا ہوگئیں وہ چیزیں جو پہلے عزیز تھیں،
سب سے بڑی فکر محنت اور محنت کی خوشی،
اور بے تغیر کسوٹی ہوا ؟

تو ایک مست شباب کے حسن سے مسحور
ہوگیا ہے ؟

خوبصورت چہرہ، مداقت بھری نگاہ اور ایک
بے پناہ لطافت ؟

جب میں ان قیدوں سے چھوٹنے کی کوشش کرتا
کوششیں بے سود ہیں اور مجھے پھینچے ہٹاتی ہیں ؟

جس طلسمی جال میں اس نے مجھے اسیر کیا ہے
اس سے باہر نکلنے کی میرے پاس کوئی ترکیب نہیں۔
جذبۂ محبت نے مجھے اندھا کردیا۔ میرے
ارادہ کو مفلوج۔

اس طلسمی کمرہ میں بند رہنے اور اس کے
حکم کی اطاعت کرنے ہی میں میری خیر ہے!

یہ کتنی بڑی تبدیلی ہے! محبت مجھے آزاد
کردے مجھے اپنے بازو پیر اڑنے دے ؟

لیلی، زیادہ تر شرارت و شوخی اور
غمزہ و عشوہ کی عادی تھی۔ کچھ دنوں بعد اسکا جوش
کم ہونے لگا۔ اس نے ایک خود نامہ ابرون اینا بلیچر
لکھا جس میں بتایا کہ عشق کی شوخیاں عاشق کی مایوسی کا
باعث ہوتی ہیں۔ غالباً لیلی کیلئے یہ ایک تنبیہ تھی۔ طرفین کے
والدین بھی انکے عشق و محبت سے ناراض تھے کیونکہ
دونوں کیلئے یہ رشتہ زیادہ خوشگن نہیں تھا بیانکو
کی بیٹی کسی دولتمند امیر ہی سے بیاہی جاسکتی تھی۔
علاوہ ازیں مغرور اور سخت مزاج بوڑھے رانڈ
(شاعر کے باپ) کے نزدیک اتنی شوخ اور چنچل لڑکی
بہو بننے کے قابل نہ تھی۔ کارنیلیے نے جو اپنے باپ کے
خیال سے بخوبی واقف تھی شادی کی سختی سے
مخالفت کی۔ گوئٹے کا عزیز دوست مرک بھی
اس رشتہ کا سخت مخالف تھا اور گوئٹے شادی کے
خیال سے گھبرا تا تھا وہ ابھی اتنے بار گراں کا متحمل نہ تھا
اور بخوبی واقف تھا کہ اسکی حیثیت اور آمدنی اس
دولتمند لڑکی کی ناز برداری کی متحمل نہیں ہوسکتی
اس اثنا میں (دونوں بھائی) امیرائے، انشوئل
برگ، وہاں پہنچے اور انھوں نے اسے سونٹر لینڈ
کی سیاحت پر مجبور کیا اسطرح اسکو لیلی سے آزاد
ہونے نیز تجربہ کرنیکا موقع ملگیا کہ وہ اسکے بغیر زندگی
گزار سکتا ہے یا نہیں۔ سفر سے واپسی پر اس نے دیکھا کہ
دشمنوں نے اسکی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔
گوئٹے حسین اور پرجلال تھا کیونکہ اسمیں نہ یارا تھا کہ
لیلی کو چھوڑ دے اور نہ یہ مقدور کہ اس سے شادی
کرلے۔ اس نے ایک نظم "جانورستان لیلی" لکھی اس میں
منہور خزینہ "ایگمنٹ" لکھنا شروع کردیا۔

اسی زمانہ میں کارل آگوسٹ نے اسے اپنے ہاں آنے پر
مجبور کیا۔ شاعر کے باپ نے بڑے پس و پیش کے بعد
اجازت دی اور اس نے ہمیشہ کیلئے وطن کو خیرباد کہا اور

بقیہ صفحہ ( )

زندگی کو پرسکون بنا سکتا ہے۔ اس نے مجھے تمہارے
خطوط بتلائے، خصوصاً تمہارا آخری خط ..... .
میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم نے اپنے ایک
خط میں ٹھیک لکھا ہے کہ آجکل محبت محض اپنی
بیوی کو کھلانے پلانے اور گھر والی بنانے میں
نہیں ہے، بالکل سچ ہے، حقیقت میں یہ بھی ہے
بورس کا تبادلہ ایک دوسرے کارخانہ پر ہوگیا
ہے اور میں اب اس کے ساتھ رہونگی۔ میں
اس کام میں اس کی مدد کرونگی اور شاید
میں کچھ سیکھ بھی جاؤں۔

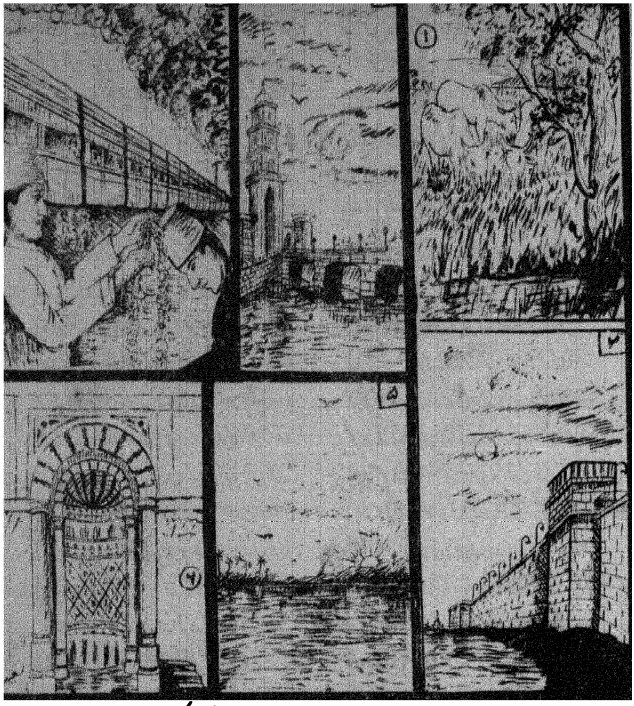
میں نے جب تمہارے خط دیکھے تو
اولاً بہت تکلیف ہوئی، میں بہت روئی مگر
اب مجھے رونا نہیں آتا، جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔
میں تم سے خفا نہیں ہوں۔

لیکن تم نے اپنے خط میں اتنے
مبالغے سے کیوں کام لیا ؟ تمہیں معلوم ہے کہ
میں ایکسٹوئے یونڈ کی پہلو ان میں ہوں نہ
میرے چہرے پر مچھریاں ہیں نہ میرے بال خضابی
سیاہی کے ممنون۔ اچھا لو خدا حافظ
تمہاری از کار رفتہ
"صوفیہ"

اس خط کو دیکھنے کے بعد ڈیٹری کے

جس نے بیک نکالی اور بادل ناخواستہ طریقہ سے اپنی
بھتیجی کو اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے دیا۔

معمہ



ذیل میں چھ تصاویر ہیں فہرست کو دیکھکر فیصلہ کیجئے کہ کونسا خیال ہر ایک نمبر میں اس نمبر کی تصویر پر ٹھیک منطبق ہوتا ہے۔ یہ معمہ نہایت آسان ہے، امید کہ بہت دلچسپی پیدا کریگا۔

۱ - چراگاہ یا مویشی۔
۲ - حسین ساگر یا چاندنی رات۔
۳ - نیاپل یا افضل گنج دروازہ۔
۴ - الوداع یا استقبال۔
۵ - صبح یا شام۔
۶ - ممبر یا محراب۔

اول آنیوالے کو ایک کیمرہ۔ منجانب مولوی ابراہیم علی صاحب (فوٹو آرٹ ورکس رہبر گرامر اسکول چادر گھاٹ) دیا جائیگا۔
دوسرا انعام فیانسی دوات و قلم کا سٹ۔
تیسرا انعام فیانسی خطوط نویسی کا سٹ۔

گذشتہ معمہ کا حل

کل کوپن میں پانچ صحیح حل وصول ہوئے جن میں سے ایک دیر رسی کی وجہ سے خارج ہوا باقی میں۔

کوپن
۱
۲
۳
۴
۵
۶

نام .....
پتہ .....

اول انعام۔ زبیدہ کلثوم سلطان شاہی طلائی گنڈیوں کا سٹ (منجانب مولوی احمد حسین ولد محمد ابراہیم جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ)۔

دوسرا۔ سید نذیر حسین انوار العلوم ہائی اسکول ہائی پیلی ٹیم پس (منجانب حسن کار)۔

تیسرا۔ میر محمد علی متعلم ٹریننگ کالج (ترغیبی انعام)۔

چوتھا۔ شہناز بانو بیگم کاجی گوڑہ ترغیبی انعام)۔

معمہ کا حل۔

ا - ل + ۲ - ق + ۳ - م + ۴ - ف

ذیل کے ہدایات کی پوری پابندی کیجائے

(۱) تمام حل حسب سابق صرف مطبوعہ فارم پر نمبروار درج کئے جائیں۔
(۲) زیادہ کوپن روانہ کئے جاسکتے ہیں لیکن علیحدہ کاغذ پر نہیں صرف حسن کار کا مطبوعہ فارم استعمال کیا جائے۔
(۳) بلدہ کے تمام حل ۱۲ بجے دوپہر تک اور اضلاع کے ۳ بجے تک دفتر حسن کار پر وصول ہو جانا چاہئیے (۴) اس سلسلے میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط و کتابت نہ ہونی چاہئیے۔ ہر لفافہ پر نقط معمہ لکھنا ضروری ہے ورنہ حل کالعدم قرار دئے جائینگے۔
(۵) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

کہدو مخضر سے چشمۂ ظلمات ملگیا
مردہ دلوں کو زندہ طلسمات ملگیا

غریبی بھوپڑیوں، امیروں کے محلوں میں، دکانوں، راہ، بہ مہ، شام، بغداد اور یورپ تک جسکی ہانک رہی ہے بعزور ڈاکٹر مکیجی زمانہ کا یہ تحفہ ہیں گزشتہ دلسلمانی نئی تحقیقات ایک بہترین دوائی ہے۔ علاوہ جڑی بوٹیوں کے شکل اور دگی مال شدہ مضرت سے محفوظ اور ایسی تجربہ اور اطمینان بخش دوا کے عوض نقلی و واہیات آزمائی غریب جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے سینہ اطباء کو بخش نئی تحقیقات کے درد اور سانپ کچھو کے زہریلے ٹیکوں میں اپنا اثر دکھاتی ہے غریبوں کیلئے آبحیات ہے۔ اسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔

خط و تار کا پتہ **زندہ طلسمات** حیدرآباد دکن ٹیلیفون نمبر ۶۰۲

جی رگھوناتھ مل بنکر حیدرآباد دکن

کرسٹانڈنٹ۔ ایجنٹ۔ سنرتھاس کوایٹہ سنس لمیٹیڈ بلکر برانچ حیدرآباد دکن۔

بحری سفر۔ دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے۔

فان ایند لینڈ نگز۔ واجبی کمیشن پر بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے علاوہ دراست لینڈن کے لیے ڈرافس جاری کیے جاتے ہیں۔

رقومات۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافس رقم بھیجی جاتی ہے۔ ہاہا رقوم قانونی احکامات کے تحت روانہ کیے جاتے ہیں۔

ضمانتیں۔ اور پرامیسری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت ناموں اور پرامیسری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزانی متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔

وظیفہ اور منصب۔ خزانہ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے حسب منشاء ایصال وجمع کیے جاتے ہیں۔ چالو حساب حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فیصدی سود دیا جاتا ہے۔

سیونگ بنک۔ حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (۱/۴) فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ اور قواعد درخواست کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اور ڈرافس قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود سے منظور و مانتوں پر ڈرافس کیے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے بنک اور تبادلے کے کاروبار کیے جاتے ہیں۔ کھاتہ داروں کی بہولت کا خاص انتظام رکھا جاتا ہے

ٹیلیفون نمبر ۲۴ تار کا پتہ گھوری :-



سفوف جواہر

سوزاک، جریان، سیلان الرحم (سفید پانی) بیقاعدگی ایام، یا تکلیف دہ دوران سر، اختلاج قلب، تہیج معدہ و درہم دور کرکے اعضائے رئیسہ یعنی دل و دماغ، جگر و معدہ کو قوت بہ پہنچاتا ہے قیمت فی شیشی (۱۶) صرف روپیہ علاوہ محصول ڈاک

نیز دارالعلاج حسینی میں بایوس العلاج کا علاج مفید و مجرب دیا جاتا ہے۔

محمد شریف منیجر دواخانہ شبلی گنج قریب ریلوے لائن علیہ (حیدرآباد دکن)

ناظرین حسن کار سے

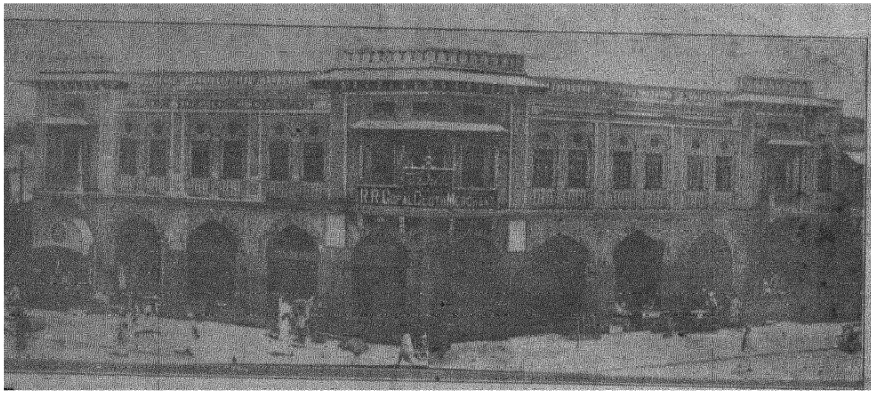
اکثر شکایتیں آرہی ہیں کہ حسن کار باوجود پیہ کے ذریعہ روانہ کرنے کے ایک پہنچنے کے پہلے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ہر اس اخبار کیساتھ ہے جس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ہو ہم ہزار کوشش کرلیکے بعد بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ اسلیئے ناظرین سے التماس ہے کہ اگر تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر ان کے پاس اخبار نہ پہنچے تو ہم کو اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرا روانہ کرسکیں۔ بلدہ میں بھی دو رکیہ پیسے ہم بذریعہ ڈاک بھیج رہے ہیں۔ ہدہ منیجر۔



رس کیمرے کو تو آپنے ملاحظہ فرمالیا۔ اب ہماری دوکان تشریف لاکر اور مختلف کیمرے اور سامان فوٹوگرافی بھی ملاحظہ فرمائیے

ہر چیز نئی ہے۔ قیمتیں مناسب

حیدرآباد فوٹو ورکس" روبرو گرامر اسکول چادرگھاٹ



جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا پارچہ فیشن و سیزن کے مطابق

موجود رہتا ہے۔ دام میں فرق ہو تو مال واپس لیا جاتا ہے۔ ("تار کا پتہ "کلاتھ")

پتہ **آر۔ آر۔ گوپال** الہ دین بلڈنگ پتھر گٹی (حیدرآباد دکن) فون نمبر ۵۷۶

کرامپٹن لیمپ

Crompton LAMPS

FOR LASTING BRILLIANCE

برقی روشنی استعمال کرنیوالوں کو مژدہ

ارزان۔ پائدار۔ خوبصورت اور نظر کو مسفعت بخش۔ صرف ایک روپیہ چار آنہ میں مہیا ہو سکتا ہے۔



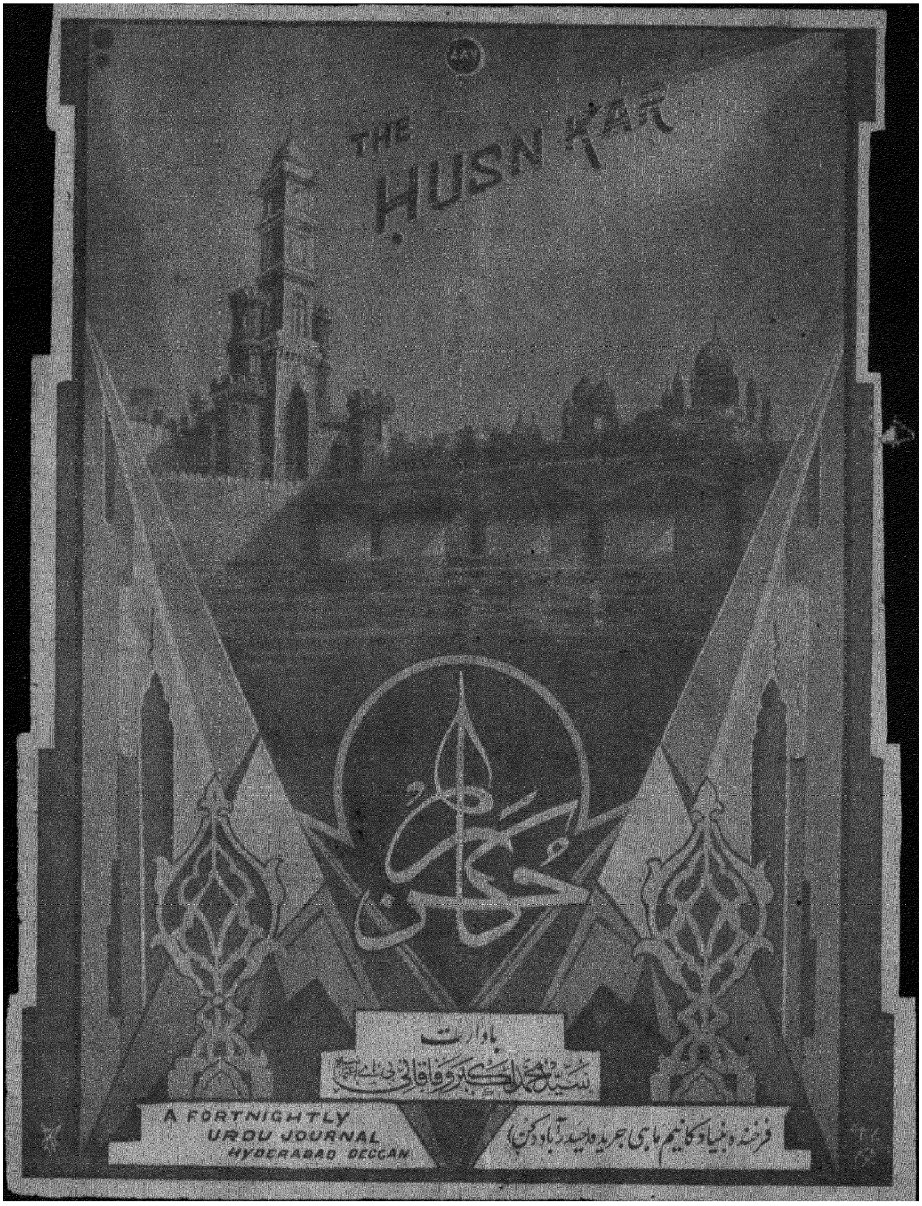
رفیق سفر **فلک ژن** طلسماتی چار کرسیاں اور ایک میز صرف ایک چھوٹے سے کیس میں بند۔ سفر۔ تفریح۔ دورہ شکار اور گھر غرض ہر مقام پر یہ مختصر مگر سنید ایجاد اپنے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جس کو "جہاں بیٹھے وہیں اپنا مکان ہے" کہنا مناسب ہے۔



فلک ژن قیمت میں ارزاں اور خدمت میں غیر معمولی۔

ضرورت ہے ایجنٹ برائے ممالک محروسہ۔ انٹرمیڈیٹ جنرل اسٹور روبرو گرامر اسکول سکندرآباد

الکٹرک کنٹراکٹر و انجنیر۔


THE HUSN KAR
حسن
بادارت
A FORTNIGHTLY
URDU JOURNAL
HYDERABAD DECCAN

*



نظام
وجیٹیبل ہیر آئیل
ولایتی سے سو فیصدی زیادہ
شہرہ مبارک ٹریڈ مارک

(المعلن)
دکن ہیر آئیل کمپنی
حیدرآباد دکن

نظام
وجیٹیبل ہیر آئیل
مدیم المثال صنعت
خسرو دکن خلد اللہ ملکہ
کا
اجازت یافتہ
ہر جگہ ملسکتا ہے

Bata

پائیداری میں لاجواب ❖ کفایت میں لاثانی ❖ خوش نمائی میں بے بدل

ہر روز دو لاکھ خوبصورت جوتے بنانیوالا مرکز

"باٹا"

اس زمانہ میں اچھوتے نام کا اعزاز ہے اور اس اعزاز کا پس منظر زمین کا خاکہ "باٹا" ایسے جوتے تمام دنیا میں پہنچے

شہنشاہ "باٹا"

"باٹا" کی شہرت اور مقبولیت کا راز جانتے ہیں

ارزانی — خوش وضعی — پائیداری

Bata

قلمرو آصفیہ کے سول ڈسٹری بیوٹرس

Bata

میسرز حسن اینڈ سنس

چادرگھاٹ روڈ حیدرآباد دکن

جنبڑ ڈنمبر (۲۲۹) امتحان کردہ دارالتجربہ

زلیخا ہیر آئیل

شوقین طبع معزز حضرات و نفیس طبع محترم بیگمات کے سر میں ڈالنے کیلئے ہم نے زلیخا ہیر آئیل خاص رغن ناریل (یعنی کھوپرا) سے تیار کیا ہے اور یہ موسم سرما میں برف میں رکھنے سے جم جاتا ہے۔ اسکے استعمال سے بال لمبے لمبے، سیاہ چمکدار، ملائم ریشم کے مانند ہو جاتے ہیں۔ قبل از وقت گرتے ہوئے بالوں کو بڑھ مضبوط کرتا اور سفید ہونے سے باز رکھتا ہے گرے بالوں کو از سر نو پیدا کرتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور تقویت دیتا ہے خشکی کو دفع کرتا اور دردِ سر کیلئے بے حد مفید ہے۔ دماغی کام کرنیوالے حضرات اور محترم بیگمات کیلئے یہ ایک نادر تحفہ ہے ایک دفعہ آزمائش فرما کر امتحان حاصل کیجئے اور پھر ہر قسم کے رغن و ہیر آئیل وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیے قیمت فی شیشی (۴) اوس (۸) بہ جنرل مرچنٹ سے طلب فرمائیے۔

دکن کا نایاب تحفہ

"برقی قوام عنبری" رجسٹرڈ شدہ نمبر (۲۷) شوقین معزز حضرات اور نفیس طبع محترم بیگمات کو پان میں کھانیکے لیئے ہم نے "برقی قوام عنبری" قیمتی اجزا مثلاً مشک، عنبر، زعفران، ورق طلا و نقرہ وغیرہ سے ترتیب دیکر طبی اصول سے تیار کیا گیا ہے۔ خواص یہ ہیں کہ دل و دماغ کیلئے نہایت مقوی و مفرح ہے۔ قاتل نزلہ و زکام اور نئی پرانی کھانسی خراش حلق، تحریک نزلہ کے دفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

متوی باہ، مسک طبیعت میں سستی، اعضا شکنی، بدمزگی، صفرا کا غلبہ وغیرہ کیلئے پان میں کھانے سے فرحت جیتی اور طبیعت میں امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ گندہ دہنی کا دشمن، دانتوں کا محافظ ہے۔ پان کیساتھ ملکر ایک لطیف ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دیر پا خوشبو منہ میں باقی رہتی ہے قیمت فی تولہ ایک شیشی (۸) نصف تولہ (۸/)

زلیخا ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نشان سلسلہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	سیتی اور ہندکے آلات موسیقی۔	از کیپٹن اعجاز علی شہرت۔	۳
۲	تمدن چین۔	از جناب محمد عبدالعظیم خاں باقی۔	۵
۳	جمنی (افسانہ)	مولوی غلام رسول صاحب۔	۶
۴	ملا فرید جدید یا جنگ جہاد طرابلس کی یاد جناب ابوالفیاض صاحب ٹیکسب۔		۹
۵	جون کراوفرڈ۔	از "حسن کار" مدیر نبلہ عثمانیہ	۱۰
۶	لیڈر۔	.....	۱۱
۷	حدیث الیوم۔	.....	۱۲
۸	تنقید و تبصرہ۔	.....	۱۴
۹	خانہ دانی راز۔ (افسانہ)	از مرزا منش۔	۱۵
۱۰	باٹا (کارخانہ) معلومات۔	.....	۲۰
۱۱	گوسٹے۔	از جناب سید شاہ محمد ایم بیس بحلد ۲۲ ریلوے انجنیر۔	
	معمہ۔	.....	۲۹

۱۶ امرداد ۱۳۴۲ف م ۲۲ جون ۱۹۳۳ء

سیدھا ہی چلتا ہے جو سچا ہے **جھوٹ زہر ہلاہل ہے** سچی بات اکثر کڑوی ہوتی ہے

اگرچہ کہ سچ کی راہیں ٹیڑھی ہیں مگر اس میں اصرت کا مزہ ہے

ہم اس اصول کو پیش نظر رکھکر ۲۴ سال سے آپ کی خدمت میں سرگرم ہیں؛

احمد حسین ولد محمد ابراہیم جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ (حیدرآباد دکن)

موسیقی اور ہندی آلات موسیقی

(۴)

(تال ادھیا)

انسپکٹر اعجاز علی شہرت

مفاعیلن۔ فعولن وغیرہ اسی طرح۔ دھن۔ دھرکٹ۔ دھن دھنا وغیرہ کچا دیج کے بول اور اس سے طبلہ کے بول۔ تال کیلئے ترکیب دئے گئے ہیں۔

بحر المدارک فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ چار رکن پشتو شیکہ۔ تاکِ دھن۔ دھاکِ دھن۔ تاکِ تِرِن۔ تاکِ تِن۔ چار آورتن۔

عجیب کیسانیت ہے ہر بعض بحور کے رفتار بعض تالوں سے جذبات اور حرکات میں بالکل مشابہ ہیں۔ مروجہ تالیں بارہ ٹھیکہ ہیں اور بحور اٹھیس ہیں۔

بحر رمل مثمن سالم۔ فاعلاتن فاعلاتن۔ فاعلاتن فاعلاتن خواب ہندی۔ ہائے چشت۔ کم بود جا۔ دوگری را۔ تِنا لا پنجابی۔ دھن دھا دھا۔ دین دھا دھا۔ دھن دھا تِن تا تا۔ دار دارا۔ دار دارا۔ دار دارا۔ دار دارا۔

فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن
خواب ہندی	ہائے چشت	کم بود جا	دوگری را
دھن دھا دھا	دھن دھا دھا	دھن دھا دھا	دھن دھا دھا
دار دارا	دار دارا	دار دارا	دار دارا

مسلمان گائکون (دانشمندان موسیقی) نے راگوں میں تو عجمی راگ شریک کر دیئے ہیں۔ عجمی بحور (تال) کو نہیں چھوڑا "اصول فاختہ" کو ہندمیں رائج کر دیا اور ہندی موسیقی نے اوس کو قبول کر کے سول بھا گنا۔ نام بھی دیدیا۔ اصول فاختہ دس ماتروں کی ہے۔ ماتروں کی ترکیب تین حرکات اور دو سکون پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں۔ تین تالیں۔ دو خالی ہیں۔

دھِن تک۔ دھِن دھِن تک۔ دھِن تک۔ دھِن تک۔ دھِن دھِن تک۔ اصل عجمی میں خدا جانے کیا ہے۔ "کے کے" رفتار کی تیزی اور سستی سے مراد۔ (کیا ڈنس) تین طرح پر ہے۔ بلمپت (سست) مدھے (متوسط) دُرت (تیز) یورپی موسیقی میں اوٹائم دیکھے اور سنتے ہیں۔ سلو ٹائیم اور کرونک ٹائیم۔ ڈبل ٹائیم۔ شاید موسیقی میں بھی ہو۔

عروض کے بحروں میں اسباب اور اوتاد کی ترکیب تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ترنم سے پیدا ہوتی ہے ان میں بھی سرعت اور بطوبت ہے۔

بحر المتقارب۔ فعولن۔ فعولن۔ فعولن جنمیں روانی سے پڑھا جاتا ہے۔ بحر المدارک دوسری روانی سے نہیں پڑھا جاتا۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن۔ فاعلن اگرچہ دونوں ایک ہی دائرہ سے ہیں۔ لیکن سبب خفیف نے وتد مجموع پر مقدم ہو کے (رفتار) کو سست کر دیا اگر وتد مجموع کو مقدم کر دیں تو ہر طرح وہی تیز رفتاری قائم رہتی ہے۔ علن فا۔ بہت روان ہے بمقابلہ لن فعو کے۔ جہاں کہ سبب خفیف وتد مقرون پر مقدم آتا ہے۔

اسی طرح بحر رمل۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن کے مقابلہ میں بحر ہزج۔ مفاعیلن۔ مفاعیلن مفاعیلن وتد مقرون ہونیکی وجہ سے رواں اور تیز ہے۔ اگرچہ ایک ہی دائرے سے ہیں۔ اگر فاعلاتن کے وتد مجموع علاً کو دونوں سبب خفیف۔ فا اور تن پر مقدم کر دیں تو علاتن فاہو جائیگا اور یہ بحر ہزج ہے۔ مفاعیلن وہی روانی باقی رہتی ہے۔ سبب خفیف تن کو مقدم کر دینے سے۔ تن فاعلا۔ بروزن مستفعلن ہو جاتا ہے اور بحر رجز کی سست رفتاری پیدا ہو جاتی ہے مستفعلن۔ مستفعلن۔ مستفعلن۔ مستفعلن۔ یہی حال ہندی تالوں میں ہے گا ہے۔

ماتروں کا حساب

ماتروں کا حساب نہایت مشکل ہے۔ مجھ کو افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا ہے کہ سہ۔ میری کتاب "ایک جنٹلمن چور" لے گئے۔ اور بھی اکثر کتابیں اس خانہ ویرانی میں خدا جانے کیا ہو گئیں۔ بغیر اون کے مدد کے میں صحیح طور نہیں کہہ سکتا اتنا تو مجھ کو یاد ہے اور صحیح یاد ہے کہ سولہ ماتروں کا ایک کا پد ہوتا ہے اور ان سولہ ماتروں کے ۱۶ باب سے جملہ پینسٹھ ہزار (۶۵۰۰۰) تالیں پیدا ہوتی ہیں۔

آرتھ ادھیا

(اہلنگ) کسی واقعہ کے بیان کے لئے صورت حال بنجانا خود سراپا بیان ہو جانا الفاظ میں نہیں بلکہ اپنی حرکات اور سکنات سے اس امر کو ظاہر کر دینا جیسے کسی کی حالت بدمستی میں ایسی تھی یا اس کی رفتار اسطرح پر تھی۔ کسی بحث میں ایک شخص حالت غیظ میں اور ایک اس طرح پر سنجیدہ تھا یہ تمام حرکات تال میں منضبط رہتے ہیں یہ ایک خاموش گویائی ہے یہی ناٹ شاستر ہے جس لے سے ناچ اور ناٹک دونوں بنے ہیں۔

بھاؤ ادھیا

گیت یا نظم کے مضمون کو اسکے مختلف جذبات کو گانے کے وقت ساتھ تال کی پابندی کے ساتھ اس طرح ادا کرنا کہ وہ عالم پیش نظر ہو جائے اور اس کیفیت سے سامعین خلیا اثر حاصل کریں جو گیت میں مذکور ہے اس طرز ادا کاری کی چار قسمیں ہیں۔

آرتھ بھاؤ۔ سمبھا بھاؤ۔ رنگ بھاؤ۔ نین بھاؤ شاعر قصہ خوان۔ سب اپنے اپنے طرز پر بھاؤ کرتے ہیں۔ روزمرہ کی گفتگو بھی حرکت دست و پا و اشارۂ چشم و ابرو سے خالی نہیں ہیں۔

(باب)

تمدنِ چین

(۲)

(از ڈے سنین راس)

مترجمہ محمد عبدالقیوم خاں باقی (ایم اے)

ادبیات — جنھوں نے چینی ادبیات کا مطالعہ نہیں کیا ان کے لیئے اس کی وسعت اور تنوع یا چینی ادبیات کے متسلسل کا انداز و لگانا دشوار ہے۔ میں نے اس سے قبل کثیر تاریخی تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں اُن ہمعصری اسناد کا بھی پتہ چلتا ہے جو چینی قوم سے قریب و بعید ممالک کے تعلقات کا پتہ دیتی ہوں۔ فنون میں جغرافیہ، علم ہیئت، علم نباتات اور علم حیوانات پر مستقل اور وسیع کتابیں موجود ہیں اور نہایت اعلیٰ پایہ پر متصور بھی ہیں۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ادبیات کی حد تک چین ہر مغربی ملک سے بڑھا آگے تھا۔ پندرھویں صدی میں ایک عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا تیار کی گئی تھی جس کی گیارہ ہزار جلدیں تھیں۔ چینی جیسی محنتی قوم نے بھی اس ضخیم اور شاندار تصنیف کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا تھا صرف اس کی دو نقلیں کی تھیں جو نقل ہونے کے چند دنوں بعد پہلی نقل تلف ہوگئی، دوسری نقل بغاوت باکسر تک شہر پکنگ میں موجود تھی۔ لیکن مکان کو آگ لگنے کی وجہ سے سوائے ستو جلدوں کے جو یہ مشکل محفوظ کی گئیں۔ ساری کتابیں نذر آتش ہوگئیں۔ چینی ادبیات کا زیادہ تر انحصار اس کے قدیم کلاسکس پر ہے۔ اس میں چند ایسی ہیں جو مغربی نقطہ نظر سے ناقابل فہم اور نہایت خشک ہیں۔ لیکن چینی مشہور اخلاقی اساتذہ کنفیوشس چھٹی صدی قبل مسیح میں بقید حیات تھا اس کے ہمعصر لاؤزو اور چھٹی صدی عیسوی کے مصنف منسیس کی تصنیفیں مقبول عام ہیں۔ ان میں دلائل اور مباحث ہمارے طریقۂ بحث سے بہت مختلف ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا خیال ہے کہ ان کے حکیمانہ اقوال مغرب اور مشرق بعید دونوں میں پسند کیئے جائیں گے۔

کنفیوشس کے اقوال میں سے چند اقتباسات بطور نمونے کے پیش کر سکتا ہوں اگرچہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اصل کا اختصار، جامعیت اور سلاست بیان کسی ترجمہ سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔

"کسی نے پوچھا "بدی کے عوض نیکی کرنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"۔ آقا نے فرمایا "پھر نیکی کا عوض کیا ہوگا؟" اصل یہ ہے کہ تم کو خیر منصفی کے عوض انصاف اور نیکی کے بدلے میں نیکی پیش کرنا چاہیئے"۔

"نیکی اور حسن عمل کا اس طرح تعاقب کرو گویا تم کبھی اپنی منزل مقصود تک نہ پہونچ سکو گے، بلکہ کچھ راستہ تم نے طے کیا ہے وہ بھی کھو بیٹھو گے۔ آہستہ چلنے سے نہ گھبراؤ البتہ خاموش کھڑے رہنے سے پرہیز کرو۔ میں ایک پہاڑ بنانے ہوئے صرف ایک ٹوکرے کے لیئے ٹھہر گیا۔ لیکن جبکہ اسی ٹوکرے سے پہاڑ مکمل ہو جاتا تھا یہ واقعہ ہوگا کہ میں ٹھیر گیا۔ اس کے برخلاف میں پھر اس کو زمین پر مسطح کرتے ہوئے صرف ایک ٹوکرے کا اضافہ کروں گا۔ لیکن یہ واقعہ ہوگا کہ میں نے اضافہ کیا۔

"ہم کو اپنے چھوٹوں کی کما حقہٗ عزت کرنی چاہیئے۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ وہ آگے چلکر بڑوں کے مساوی ہو جائیں گے۔ جب تک وہ پچاس یا ۵۰ سال کی عمر تک پہونچ جائیں اور کسی قسم کی ترقی اور امتیاز نہ حاصل کریں اس وقت تک ہم کو اُن سے خوف کرنا چاہیئے۔

شاعری۔ چینیوں کو شاعری کا چسکا ابتدا سے تھا۔ کنفیوشس نے اپنے مجموعۂ نظم میں قدیم شاعری کو جمع کر دیا ہے جن میں عشق اور جنگ پر نظمیں لکھی گئی تھیں۔ اس کتاب کو کلاسکل شاعری کی ابتدائی کتاب کہا جا سکتا ہے۔

چینیوں کی شاعری اور اسکے اسلوب کو بیان کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اسکے لیئے نہ صرف ان کے انتہائی پیچیدہ علم عروض اور قوافی کو سمجھنا ضروری ہے بلکہ ان مترنم آوازوں پر بھی غور کرنا ہے جو لفظوں کے تلفظات میں برتی جاتی ہیں۔ چینی زبان میں مصرعے ارکان پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ الفاظ اور نقوش پر۔ اہل چین جامع اور مانع مختصر نظموں کو پسند کرتے ہیں۔ جن میں جذبات اور تصور کی ایک مکمل تصویر موجود ہے۔ ان کے ہاں طویل نظمیں بھی موجود ہیں، لیکن چینی شاعری کی جان وہ مختصر نظمیں یا مرثیے ہیں جن میں معنوی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔

چینی شاعری کے حسب ذیل اقتباس مسٹر آرتھر ویلی، کے پاکیزہ انگریزی تراجم سے لیئے گیئے ہیں۔ یہ شاعری ساتویں اور بارھویں صدی عیسوی کے درمیان کی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷)

—:—

جینی

از غلام رسول (حیدرآبادی)

رات کا وقت تھا۔ جھونپڑی گو غریبانہ تھی، مگر تھی اندر سے گرم اور آرام دہ انگیٹھی کے کوئلوں سے نکلی ہوئی نور کے تڑکے کے مانند دھندلی چمک دمک میں اندر رونی چیزیں صاف دکھائی نہیں دیتی تھی۔ انگیٹھی کے اوپر چھپر کے بانس لال دکھائی دیتے تھے۔ دیوار پر ماہی گیروں کے جال ٹنگے تھے۔ گوشے میں ایک بھدی سی چوکی پر کچھ گھریلو برتن جھلملا رہے تھے۔ ایک بڑے پلنگ کے علاوہ، جس پر لمبے پردے لٹک رہے تھے دو بنچوں کو ملا کر ان کے اوپر ایک گدی بچھی تھی جس پر پانچ چھوٹے چھوٹے بچے اسطرح سوئے ہوئے تھے جیسے گھونسلے میں چڑیا کے بچے۔ پلنگ کے پاس پلنگ پوش سے سر ٹکائے ہوئے بچوں کی ماں بیٹھی تھی۔ وہ تنہا تھی، جھونپڑیوں کے باہر سمندر اپنی طوفانی جھاگ دار موجوں سے تلاطم برپا کر رہا تھا۔ اور اس کا شوہر کشتی لیکر سمندر میں گیا تھا۔

وہ لڑکپن ہی سے ماہی گیری کا کام کرتا تھا۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی زندگی کا ہر ایک دن بحری جنگ کرتے ہوئے گزرتا تھا کیونکہ ہر روز بال بچوں کا پیٹ تو بھرنا ہی پڑتا تھا۔ لہٰذا چاہے آندھی ہو یا بارش یا طوفان، اُسے تو ہر روز کشتی لیکر مچھلی پکڑنے کیلئے جانا ہی پڑتا تھا۔ ادھر وہ اکیلے ہاتھوں چار پال والی کشتی پر سمندر میں مچھلی پکڑا کرتا ادھر گھر میں اسکی بیوی پھٹے پاؤں میں پیوند لگایا کرتی۔ ٹوٹے چالوں کی مرمت کرتی، کانٹوں کو ٹھیک کرتی، یا چھولے کے آگے بیٹھکر مچھلی کے اُبلتے ہوئے شوربے کی نگرانی کرتی۔

جیسے ہی پانچوں بچے سو گئے، وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اندھیرے اور تلاطم سے اپنے شوہر کی جان کی سلامتی کیلئے خدا سے دعائیں مانگنے لگی۔ بلاشبہ اسکی سی زندگی نہایت ہی سخت جان ہے۔ سمندر میں جو جگہ مچھلی ملنے کی توقع ہوسکتی تھی، وہ بڑی بڑی موجوں کے درمیان بہت ہی چھوٹی سی جگہ ہوتی تھی۔ اسکی جھونپڑی سے سنبھل دکنی بڑی بہت ہی تاریک اور طوفان خیز اور اس مہلک رقبے مقام میں ہر ساعت تغیر پذیر۔ باوجود اس کے جاڑے کی تاریک کہر سے بھری طوفانی رات میں صرف اپنی ہوشیاری اور اپنی ہوا اور موجوں کی معلومات کی بنا پر اسکا پتا لگانا پڑتا تھا۔ وہاں جبکہ دوڑتی ہوئی ڈراؤنی موجیں اژدھے کے مانند اٹھتی تھیں۔ تاریک سمندر بیتاب ہوکر اچھلتا تھا، اور ہوا کے تھپیڑوں سے بادبانوں کی رسیاں تنکر جھنجھناتی تھیں۔ گویا ڈر کے مارے چیختی تھیں۔ اس وقت وہ اس برفیلے سمندر میں اپنی پیاری جینی کو یاد کرتا تھا۔ اور جینی، اپنی چھونپڑی میں ٹمٹماتے بدیدہ آنکھوں سے اسکے دم قدم کی خیر مناتی تھی۔ اس وقت وہ اسی کی یاد میں نخر زبان تھی۔

۔ طوفانیوں کی کرخت اور دردناک آوازیں اسکو بیتاب کر رہی تھیں۔ اور ساحل کی چٹانوں پر موجوں کے تصادم سے اس کے دل میں دہشت طاری ہوتی تھی۔ باوجود اسکے وہ اپنے تصور میں محو تھی۔ اپنے افلاس کے دشمن۔ اسکے بچے جاڑے، گرمی اور برسات میں بارہ مہینے ننگے پیر گھومتے تھے، کبھوں روٹی انھیں کبھی نصیب ہی نہیں ہوتی تھی۔ جو کی روٹی ہی میسر آتی تھی۔ خدایا! موجیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں، اور سمندر کا ساحل اس طرح گونج رہا تھا۔ گویا ہنائی پر کمین کی چوٹیں پڑ رہی ہوں۔ وہ کانپ کر رونے لگی۔ ہائے رے بیچاریاں، جن کے شوہر سمندر میں ہوں! یہ جملہ کس قدر روح فرسا ہے کہ آہا رے عزیز — باپ، بھائی، محبتی، شوہر، بیٹے۔ طوفانی سمندر میں ہیں!" لیکن جینی تو اور بھی زیادہ دکھیا تھی۔ اس لئے کہ اس کا شوہر تنہا بتقدیر تھا۔ اس بھیانک رات میں بھی کوئی اسکا معاون نہ تھا۔ اسکے بچے اسقدر چھوٹے تھے کہ وہ اپنے باپ کی مدد نہ کرسکتے تھے۔ ہائے رے بیچاری ماں! اس وقت وہ کہہ رہی ہے۔ "کاش یہ ابھی بڑے ہوجاتیں اور اپنے باپ کو مدد دیتیں"۔ کیسی حماقت آمیز آرزو ہے۔ کچھ عرصے بعد جب یہی لڑکے بڑے ہوکر اپنے باپ کے ساتھ اس طرح کے طوفانی سمندر میں جائیں گے اس وقت یہی ماں آبدیدہ ہوکر کہے گی "کاش یہ بچے ہی بنے رہتے!"

(۲)

جینی نے اپنا لمبا دوپٹہ اور رلال ٹین اٹھائی۔ اس نے اپنے دل میں کہا "اب وقت ہوگیا ہے، چلکر دیکھوں کہ وہ آرہے ہیں کہ نہیں! سمندر میں کچھ سکون سا ہوا کہ نہیں اور شمال کی روشنی موجود ہے کہ نہیں"۔ وہ باہر نکلی۔ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آسمان غبار آلود تھا۔ تین پہر رات کا عمل تھا۔ اندھیرے میں جاڑے کی

برف باری ہو رہی تھی۔ ساحل کے کسی جھونپڑے کی کھڑکی سے روشنی کی جھلمل تک بھی نظر نہ آ رہی تھی۔ اندھیرے میں چاروں طرف دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے اچانک اسکی نظر ایک ٹمٹماتے جھونپڑے پر جس میں آگ یا روشنی کا نام و نشان نہ تھا جا پڑی جھونپڑے کے دروازے ہوا سے ہل رہے تھے۔ دیمک کھائی ہوئی پرانی دیواریں شکستہ چھپر کا بوجھ بمشکل سہار سکتی تھیں۔ چھپر کے سڑے گلے پھوس کو ہوا بری طرح اُدھیڑ ڈال رہی تھی

"ارے" یہ چلا اٹھی "میں اس بیوہ کی بات تو بھول ہی گئی جو میرے شوہر کو بیمار ہی کی حالت میں ملی تھی" چلوں، دیکھوں اب وہ کیسی ہے"

اس نے جا کر جھونپڑے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کان لگا کر سننے لگی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ سمندر کی ٹھنڈی ہوا سے چمپی کانپ رہی تھی۔

"وہ بیمار ہے۔ اور اس کے غریب بچے! بیچاری کے دو ہی ہیں۔ گر ہے وہ بہت غریب اور اس کا شوہر بھی نہیں ہے" اس نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا اور پکارا۔ "پڑوسن ہوت!" مگر جھونپڑی سنسان تھی۔

"خدایا!" اس نے کہا "کیسی گہری نیند ہوتی ہے جو اسے جگانے کے لیے اتنا غل مچانا پڑتا ہے"۔ اسی وقت دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہ اندر گھسی اسکی لال ٹین نے اندھیری سنسان جھونپڑی کو روشن کر دیا۔ چھپر سے مینہ کا پانی چھلنی کے مانند ٹپک رہا تھا۔ کمرے کے ایک کنارے کچھ ڈراؤنی سی چیز پڑی تھی۔ یہ ایک عورت کی غیر متحرک لاش تھی، اس کے پیر برہنہ اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں

پلنگ کے دونوں جانب اس کے برف کے مانند ٹھنڈے سفید ہاتھ ٹنگ رہے تھے۔ وہ مردہ تھی۔ کسی وقت وہ تندرست خوش و خرم تھی۔ لیکن کارزار حیات میں عرصہ تک جنگ و جدال کرنے کے بعد آج وہاں جو پڑا تھا وہ افلاس زدہ انسان کا ایک پنجر تھا۔

جس بستر پر وہ پڑی تھی اسی کے پاس ہی ایک پالنے میں دو ننھے بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی سو رہے تھے اور خواب میں مسکرا رہے تھے۔ ان کی ماں نے جب دیکھا کہ وہ خود مر رہی ہے تو اس نے انھیں گرم رکھنے کیلیئے اپنے لبادوں سے ان کے پیر ڈھانک دیے۔ اپنے کپڑوں میں انھیں لپیٹ دیا اور خود ٹھنڈی ہو گئی ـــ ہمیشہ کیلیئے ـــ

اپنے شکستہ گہوارہ میں وہ کیسی گہری نیند سو رہے تھے! ان کے ننھے ننھے اوداس تھے۔ اور ان کا سانس آہستہ آہستہ بغیر کسی رکاوٹ کے چل رہا تھا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز ان یتیموں کی نیند میں سد راہ نہ تھی۔

باہر مہینہ موسلا دھار برس رہا تھا۔ اور سمندر سے مہیب گھنٹے کے مانند صدائیں ہوتی تھیں پرانی چھلنی سی چھت سے جس کو ہوا کے جھونکوں نے تتر بتر کر دیا تھا۔ پانی کی ایک بوند مردے کے چہرے پر گری۔ اور آنسو کی طرح بہ اٹھی۔

(۳)

اس مردہ عورت کی جھونپڑی میں چمپی کیا کر رہی ہے؟ وہ اپنے لبادے کے نیچے کیا چھپائے لیئے جا رہی ہے؟ اس کا دل اتنا کیوں دھڑک رہا ہے! وہ ایسے لڑکھڑاتے ہوئے پیروں سے ایک دفعہ بھی مڑ کر پیچھے دیکھے بغیر اپنی جھونپڑی کی طرف کیوں بھاگے جا رہی ہے؟ اس نے اپنے پلنگ کے پردے کے اندر کیا چھپا کر رکھ دیا؟ وہ بڑھیا کی جھونپڑی سے کیا چرا لائی ہے؟ جب وہ اپنی جھونپڑی میں داخل ہوئی تو پہاڑی کی چوٹی کچھ کچھ سفید ہو چلی تھی۔ وہ پلنگ کے بغل میں ایک کرسی پر گر پڑی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی بڑے کام کی وجہ سے پشیمان ہو رہی تھی۔ اس کا سر تکیہ سے لگا ہوا تھا اور وہ رہ رہ کر ٹھہر ٹھہر کے الفاظ میں کچھ گن گنا رہی تھی۔ باہر کی جانب سمندر سے مہیب آوازیں نکل رہی تھیں۔

"میرے بچارے خصم! خدایا! وہ کیا کہینگے؟ انھیں ویسی ہی کون مصیبت ہے! میں نے یہ کر ڈالا؟ پانچ بچوں کا بار تو ہم پر ہے ہی! ان کا باپ محنت کرتے کرتے مرا جاتا ہے اور میں اور بھی ان کی فکر میں اضافہ کر رہی ہوں۔ جیسے انھیں ابھی کچھ کم فکر ہے؟ یہ کیا اُن کی آہٹ ہے؟ نہیں، کچھ نہیں ہے۔ میں نے برا کیا۔ وہ اگر مجھے سزا دیں تو نامناسب نہ ہوگا۔ آیں کیا وہ آگئے؟ ہیں! اچھا ہی ہے۔ دروازہ ایسا ہلتا ہے گویا کوئی آ رہا ہے؟ مگر ہے کچھ نہیں۔ آج مجھے آنکھ آنے سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے؟"

وہ خیالات میں غرق ہو گئی۔ اسکا جسم سردی سے کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے خیال میں ایسی محو تھی کہ بیرونی سب قسم کی آوازیں ـــ اٹھتے ہوئے سمندری طوفان کی کائیں کائیں۔ ہوا کی سنسناہٹ اور سمندر کی ہولناک صدائیں۔ کچھ بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔

یکایک دروازہ کھلا آفتاب عالمتاب کی چمکیلی کرنیں جھونپڑوں میں داخل ہوئیں اور چمکتے ہوئے جال کو گھسیٹتا ہوا ماہی گیر دلبر دکھائی دیا۔ اس نے مارے خوشی کے ہنستے ہوئے کہا۔

"لو جہازی بیڑا آ پہنچا"

"وتم" چمپی چلا اٹھی اور وہ دوڑ کر شوہر سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا منھ شوہر کی بھدی جاکٹ میں زور سے چھپا لیا۔

"بیماری میں آ گیا" ماہی گیر نے کہا۔ آگ کی روشنی میں اس کا سیدھا سادھا اور طمانیت بخش چہرہ۔ جس کو چمپی بہت پسند کرتی تھی چمک اٹھا۔

علامہ نواب سید یار جنگ بہادر مرحوم کی یاد

از

بدر شکیب ۔ مدیر مہتمم مجلہ عثمانیہ

علامہ نواب سید یار جنگ بہادر کی وفات کچھ ایسے اچانک واقع ہوئی کہ دنیا اسکے لیئے ابھی تیار نہیں تھی ۔ ابھی کچھ دن کی بات ہے جب آخر مرتبہ میں ان سے ملا ہوں کہ انکی صحت اچھی تھی اور کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی جس سے معلوم ہو کہ دربار اودھ کی یہ آخری یادگار، نظام اردو کا یہ درخشندہ ستارہ ہمیشہ کے لیئے اپنی تابندگی کھو دیگا لیکن آسمانی سلطانی ہے، سر تابجبنا کسی کے ہاتھ میں نہیں ۔ وقت آگیا تھا اور بس ۔ خدا اپنے جوار رحمت میں جگہ دے ۔

دوپہر کا وقت تھا ۔ علامہ دارالترجمہ سے نکلکر سعیدیہ قیام گاہ تشریف لیجا رہے تھے جہاں پر طاعون کی وجہ سے یہ عارضی طور پر ٹھیرے ہوئے تھے میں اتفاقاً میں تھا ۔ میں نے سلام کیا انکی صورت دیکھکر میرے متعلق دریافت فرمایا اور معلوم ہونے پر مجھے اپنی قیام گاہ لیگئے ۔ میں دراصل "مٹیا برج کے سبع سیارے" والے مضمون کے لیئے گیا تھا جو مجلہ عثمانیہ کی گذشتہ اشاعت میں شائع ہوا ہے ۔ لیکن اس مضمون کا آخری حصہ جو شہزادہ اور بادشاہ کی شاعری سے متعلق ہے مکمل نہیں ہوا تھا اور سارا نتیجہ ہی مضمون بھی متاثر مکان ہی میں تھا بہرکیف مضمون کے لیئے میرے اصرار پر علامہ نے وعدہ فرمایا ۔ تین چار مرتبہ یاد دہی کے لیئے میں جاتا رہا اور ہر مرتبہ علامہ کے اخلاق اور ان کی سادگی کا مجھ پر اثر ہوتا جاتا تھا ۔ اس عرصہ میں آپ نام پلی کے جدید مکانات میں منتقل ہو گئے تھے اور وہیں سے مجھے مضمون ملا ۔ ایک روز میں صبح گیا ۔ علامہ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے ۔ میرا نام سنتے ہی مجھے وہیں بلا لیا ۔ پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے ، مجھے بھی بیٹھنے کے لیئے کہا ۔ علامہ کی اس انتہائی سادگی پر مجھے کچھ تعجب سا ہوا ۔ بڑی بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے ۔ اثنائے گفتگو میں سگریٹ پیش کیا ۔ اور جب میں نے انکار کیا تو تعجب سے فرمانے لگے "کیا آپ سگریٹ نہیں پیتے ہیں ؟" میں نے جواب دیا "پیتا ضرور ہوں لیکن ہماری مشرقی تہذیب بزرگوں کے سامنے اسکے پینے کی اجازت نہیں دیتی" ۔

"اجی رہنے دو ۔ آجکل تو یہ عام بات ہے" یہ کہتے ہوئے علامہ نے ڈبی میں سے سگریٹ نکالکر مجھے دیا اور دیا سلائی جلانے لگے ۔ میں فوراً انکے ہاتھ میں سے دیا سلائی لیلیا ۔ انکی یہ وسیع اخلاقی اور ان کا یہ درگذر یقیناً قدیم لوگوں کے لیئے مثال ہے ۔

ایک روز میں نے علامہ سے کہا "بادشاہ اور دربار اودھ کے حالات دنیا سے محو ہوتے جارہے ہیں اس وقت آپ ہی ہندوستان میں ایسے ہیں جو ان کو محفوظ کرسکتے ہیں ۔ اگر آپ فرمائیں تو میں حاضر ہوں ، آپ کہتے جایئے میں لکھتا جاتا ہوں" ۔

"نہیں یہ بہت مشکل کام ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ضبط تحریر میں نہیں آسکتیں" نواب صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا ۔

اسکے بعد آپ نے مرزا ولیعہد کا ایک واقعہ سنایا ۔ فرمانے لگے کہ افیون کے یہ بڑے عادی تھے ۔ اتنے کہ ذرا نشہ اترا کہ وہ اٹھے اور دوسرے کمرے میں جاکر پیالہ چڑھا آئے ۔ انکی بھوائی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ لوگ غدر کے بعد ولایت انتزاع سلطنت کے معاملہ میں ملکہ وکٹوریہ کے حضور میں ایسٹ انڈیا کمپنی پر نالش کرنے گئے ہوئے تھے ۔ اس ہنگامہ خیز زمانہ میں جو بھی مظالم انگریزوں پر ہوئے انکی وجہ سے ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا گیا لہذا بہت دنوں تک اودھ کا یہ شاہی خاندان پیرس میں قیام پذیر رہا ۔ مرزا ولیعہد بہت حسین آدمی تھے ۔ اتنے حسین کہ یورپی عورتوں کا ان کو دیکھنے مجمع لگا رہتا تھا ۔ اور پھر اس زمانہ میں ایک ہندوستانی والی ملک کا یورپ چلا جانا بڑی بات تھی کیونکہ وہاں پر ہندوستان کی دولت اور امارت کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے ۔ ان لوگوں کی یورپ سے واپسی کے کچھ زمانہ بعد ایک روز علامہ شاہی محل جارہے تھے ۔ راستہ میں آپ نے ایک بڑا مجمع دیکھا ۔ قریب پہونچنے پر معلوم ہوا کہ کوئی "فرنگن" ایک خستہ سی گاڑی میں بیٹھی ہے "ہائے! مرزا کوکب" ۔ ہائے! مرزا کوکب" انکی زبان پر الفاظ تھے ۔ بظاہر وہ مرزا ولیعہد کا پتہ دریافت کررہی تھی ۔ لوگوں نے تماشہ بنالیا تھا ۔ علامہ نے اس کو محل کا پتہ بتلایا لیکن مجھ سے کہنے لگی کہ وہاں تک رسائی تھی اور انھیں اسکے بعد کے واقعات معلوم نہیں ہوئے ۔

بادشاہ کی معزولی اور اودھ سے روانگی کا واقعہ بھی علامہ نے ایک دل ہلا دینے والے انداز میں کہا ۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کو جب لیکر گئے ہیں تو کسی کے کانوں کان خبر نہیں تھی لیکن جب یکایک معلوم ہوا تو راستہ کے دونوں جانب مجمع لگا ہوا تھا اور سب بادشاہ کیلئے آنسو بہا رہے تھے ۔ ایسا روح فرسا منظر دیکھکر عجب نہیں تھا کہ لوگوں میں بغاوت پھیل جاتی ۔

(۲)

علامہ کی شخصیت اردو کے لیئے ایک بڑی نعمت تھی۔ ایک طرف تو قدیم اساتذہ فن کی یاد تازہ ہوتی تھی، اردو میں نئی رونق اور نئے اثرات کا بھی وہ ساتھ دے رہے تھے۔ ان کی گورغریباں والی نظم اردو شاعری میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اسکی سادگی، روانی اور سلاست علامہ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ غزلیں بھی اپنی پاکیزگی، بلند خیالی اور زبان کی وجہ خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

نثر میں بھی ان کا ایک خاص اسلوب تھا جن لوگوں نے علامہ کا "میگا برج کے سیع سیارے" والا مضمون "مجلہ عثمانیہ" کی گذشتہ اشاعت میں دیکھا ہے ان کو معلوم ہوگا کہ علامہ نثر میں بھی شاعری کرتے تھے۔ انکی تحریر سلاستی شستگی، اور اثر کا آئینہ ہے۔ مجلہ عثمانیہ سے میں ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں۔

"مالک لہ ولہ صولت فتح اللہ ولہ برق کے صیغے تھے۔ شعر میں انہماک و استغراق تھا"
"یہ حال تھا کہ جانتے تھے شعر سے بہتر کوئی فن دنیا میں نہیں"
"ناسخ کے دیوان کو ایمان سمجھتے تھے، بار بار اول سے آخر تک"
"دونوں دیوانوں کا مطالعہ کیا، چوٹی کے شعرا ن پر سے تھے"
"عروض کے نزاعات و علل کو ہمیشہ رٹا کرتے تھے۔ جوان"
"مرگئے اور مرتے مرتے مشاعرہ کرکے مرے۔ دق میں مبتلا تھے مگر"
"محبت احباب و محفل شعر و سخن میں اگر جان آجاتی تھی۔ صاحب"
"فراش ہوگئے تو کئی مہینے تک گھر سے نہ نکلے۔ ایک دن میرے پاس"
"رقعہ آیا کہ میرے یہاں مشاعرہ ہے، احباب کے دیکھنے کو جی ترس گیا"
"ایک طرح بھی کروی ہے۔ ع۔ اے آمدنت باعث آبادی ما"
میں اس مشاعرہ میں گیا تھا۔ ہم سب لوگ تختوں"
"کے چوکے پر بیٹھے تھے۔ مالک الدولہ اپنے پلنگ پر گاؤ تکیہ کے سہارے"
"کچھ بیٹھے تھے کچھ لیٹے تھے۔ لوگ اپنی اپنی غزل طرح میں پڑھ رہے تھے"
"ہر شخص کے آگے نفیس حقہ اور خاص دانوں میں پان رکھے ہوئے تھے چلئے"
"تقسیم ہو رہی تھی۔ جب صاحب خانہ کے پڑھنے کی باری آئی تھی سب لوگ"
"پڑھ چکے تو مالک الدولہ سیدھے ہو کر بیٹھے اور طرح کی غزل نکالکر"
"اس طرز سے پڑھی کہ معلوم ہوتا تھا یہ شخص بیمار"
"ہی نہیں۔ یہ شعر مجھے یاد رہ گیا اور آپ سب صاحبوں"
"کے سننے کے قابل ہے ؎

ماتم میں میرے غم سے نہ کرنا تباہ حال
تم شہید سے سمجھنا یہ لیل و نہار کے

"اوپر کا مصرع مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ مگر اس مصرع نے"
تم شہید سے سمجھنا یہ لیل و نہار کے
"ایک نشتر کا کام کیا اور پس پردہ کس کے رونے کی آواز"
"سنائی دی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے محفل برہم ہوگئی"

اہل ذوق جانتے ہیں کہ ان چھوٹے چھوٹے جملوں میں تاثیر کا ایک سمندر موجزن ہے۔

علامہ کی موت دنیائے اردو کا ایک بڑا سانحہ ہے۔ زبان اور ادب کی آپ نے جو خدمت کی ہے اس سے اردو کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ . . . . . .

علامہ کے شاگردوں اور احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا اور ان میں سے بعض تو برسوں علامہ کے ساتھ رہے ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد ان میں سے کوئی علامہ پر قلم اٹھائے گا اور تفصیل سے علامہ کی حیات، شاعری اور ادبی خدمات کے متعلق لکھیگا۔

ولیعہد دولت آصفیہ کے عقد مسعود کی واحد یادگار

الاعظم (ہفتہ وار)

اضلاع مملکت آصفیہ کا واحد ترجمان ہے جو دکن کے چپہ چپہ کے حالات، خبریں، فرمودات عالیہ اور دلچسپ مضامین، اور اضافے نکلیں تمام اخباروں سے زیادہ شائع کرتا اور اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے ڈھائی سال میں ہی ہمہ گیر شہرت حاصل کرچکا ہے اور دکن کا سب سے ارزاں ترین اخبار یہی ہے اس پر بھی لاکھ روپیہ سالانہ زیادہ کی مسرت میں

اس کی قیمت میں خاص رعایت کردیگئی ہے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۳۷ء تک ہونیوالے خریداروں سے اسکی سالانہ قیمت کیجائے (صرف) کے (بجائے) اور ششماہی بجائے (سے) کے صرف (عوض) معہ خرچ پیشگی لیجائیگی۔ آپ بھی فوراً اس کے خریدار ہوجائیے پتہ حکیم آزاد انصاری دفتر ادارت الاعظم بازار سورجمل نمبر ۴۰۷۲ حیدرآباد دکن

آرڈر کے وقت اخبار ہر سہ رکن کا ہونا ضرور دیکھئے

(صفحۂ سیما)

جون کرافورڈ

گاربو کی آئندہ جانشین

جو لوگ سینما اداکاری کے ماہر ہیں اُن کا خیال ہے کہ ناقابل تقلید گاربو کے مقابل صرف دو تین ہی ایسی اکمال عورتیں ہیں جن کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آئندہ چلکر گاربو کی جانشین ہونگی ان ناموں میں پیش پیش جون کرافورڈ کا نام بھی ہے۔ یہ لڑکی ۱۹۰۸ء میں ممالک متحدہ امریکہ کی مملکت ٹیکساس میں بمقام سیان انتونیو پیدا ہوئی اس کا اصلی نام لوسیلی لی مسکوار، تھا اسکی عمر ابھی چھ ماہ کی تھی اس کی ماں نے دوسرا نکاح کر لیا، اُس کا علاتی باپ اوکلاہوما، کی ایک تھیٹر کا مالک تھا، اکثر اس چھوٹی لڑکی کو تھیٹر کا ناچ دکھا کے لبھایا کرتا تھا، جہاں وہ ناچ دیکھنے میں محو ہو جاتی۔ اس ابتدائی نقش نے اُس کو ناچ کا متوالا بنا دیا اور اس چھوٹی لڑکی نے خواب میں بھی ناچ ہی کے مناظر دیکھے اور یہ نہیں کر لیا کہ وہ بھی اسی فن میں ترقی کریگی بچپن میں اس کا کھیل ہیڈ پمپ ہوا کرتا تھا، اپنے ساتھیوں کو یکجا کر وہ دن کے وقت تھیٹر میں جاتی اور اُن کی مدد سے وہاں کے مناظر سے کام لیتی اور پھر اُنھی کو تماشائی بنا کر اپنے دانست میں اپنا اعلیٰ درجہ کا ناچ دکھا کر محظوظ کرتی۔ ایک روز جبکہ وہ پیانو پر مشق کر رہی تھی لیکایک اس کے تمام ساتھی



جون کرافورڈ

ناچ میں شرکت کی دعوت دی، لوسیلی کو یہ لوگ محبت سے بیلی پکارتے تھے بیلی نے فوراً اس دعوت کو قبول کیا۔ اور اپنا سبق چھوڑ کر اُن کے ساتھ ناچنے کے لیے باغ کو چلی گئی جہاں اتفاق سے ٹوٹے ہوئے شیشے پر اُس کا پیر پڑا اور وہ زخمی ہو گئی۔ چھوٹی بیلی کو دواخانہ پہنچایا گیا، عمل جراحی کے بعد ہوش میں آکر اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا میں ناچنے کے قابل بن سکونگی؟" کسی نے اُس کا جواب نہیں دیا۔ وہ سمجھ گئی، اور مایوسی میں اپنے پیر سے کہنے لگی "تو اچھا ہو جا تجھے درست ہونا پڑیگا" انسان کا ارادہ سب میں بڑا تریاق ہے، ڈاکٹروں نے جس پیر کی درستی کے متعلق قطعی طور میں جواب دیا تھا وہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا۔

آٹھ برس کی عمر میں اُس کو ایک خانقاہ کے مدرسہ میں بھیجا گیا، جہاں کا خشک نظام العمل اُس کی بچپن طبیعت کے خلاف تھا وہ اُس سے نفرت کرنے لگی۔ غضب یہ تھا کہ وہاں رقص کی ممانعت تھی۔ تاہم اپنے دل کو یہ کہکر تشفی دیتی تھی کہ یہاں سے واپس ہونیکے بعد وہ اپنے باپ کے تھیٹر میں رقص دیکھیگی۔ اُس غریب کو اس کا علم نہ تھا کہ گھر کی دنیا بدل گئی ہے۔ مالی مشکلات نے اُس کے باپ کے تھیٹر کو ختم کر دیا تھا اور اُسکی ماں ایک دکان میں ملازم ہو گئی تھی۔ ایک روز اس کی ماں نے اسکو اس حقیقت سے آگاہ کیا، اور اسکو یہ بھی کہدیا کہ اب مدرسہ میں تعلیم پائیگی معاوضہ اسکو باورچیخانہ میں محنت کر کے ادا کرنا پڑیگا۔ یہ بیلی کے لیے تازہ مصیبت تھی۔ ایک تو ناقابل برداشت محنت، دوسرے اس کی اس حالت کو دیکھکر اس کے ہم جماعتوں کا اجتناب جس کو وہ برداشت نہ کر سکی اور اپنی ماں سے یہ کہکر وہاں سے نکل گئی اور ایک دوسرے مدرسہ میں اسی اقرار کے ساتھ داخل ہوئی۔ وہاں پر علاوہ ہم جماعتوں کی نفرت کے معلمہ کی درشت زبان اور بے جا تنبیہ سے بھی اُسے سابقہ پڑا لیکن اپنی ماں کی طرح وہ بھی دنیوی مصیبت کو صبر و استقلال سے برداشت کرنے لگی۔ ایک روز اس کی ماں کو معلوم ہوا کہ اسٹون کالج کولمبیا، میں اُس کی لڑکی کے لیے ایک موقع ہے اور وہاں کی ہوٹل میں پیش خدمت کا کام کرنا پڑیگا۔ اور اُسکے معاوضہ میں تعلیم مفت ملیگی، یہاں اسکو آزادی اور مسرت نصیب ہوئی

بقیہ صفحہ (۱۳) کالم (۲)



جلد ۱ | حامد داد ۱۳۴۲ھ م ۱۹۲۴ء | نمبر ۱۶

حسن زندگی اور تعلیم

ایک سوال ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ انسانی زندگی میں حسن کاری کو انسانی فاوی پہلو کہتی ہے۔ اس فن سے کیا فائدہ وحاصل ہو سکتا ہے۔ سطحی دماغوں سے قطع نظر اس سوال کے بعض اہم پہلو موجود ہیں جنکو بغیر جواب دیئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حسن کاری حقیقت میں احساس انسانی کے اس نشو ونما کا نام ہے جس سے زندگی کے حسن میں اضافہ ہو موسموں کی دست برد سے بچنے کیلئے انسان ایک گھر بناتا ہے لیکن ایک بدوضع غار سے نکلکر ایک حسین محل میں بسنے کی ترغیب ذوق حسن آفرینی کا نتیجہ ہے جسکی تکمیل حسن کاری کی محتاج ہے۔ اس معمولی مثال کو لیکر جب آگے سوچنے ہیں تو تمام مسائل عمرانی اسکے دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

قوموں کی تمدنی ترقی، تہذیبی بلندی انکے لافانی کارنامے انکے بہترین روایات، سب کچھ اس نقطہ نظر سے حسن کاری کے دائرہ عمل میں آجاتے ہیں۔ اس اہمیت کو ماننے کے بعد ہم حسن کاری کی افادیت میں شک نہیں کر سکتے۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ذوق کے ذریعہ کسی قوم کی پرورش اسکے بہترین ماحول میں کسطرح ہو سکتی ہے، اور وہ کسطرح ترقی کر سکتی ہے؟ ہم مثال کے طور پر اپنے حالات ہی پر غور کرتے ہیں۔ سالار جنگ اول نے حیدرآباد کی ترقی کا بیڑا اس زمانہ میں اٹھایا جب جاپان نے اپنی غفلت کی نیند سے کروٹ لی لیکن ہم اسی مدت کے بعد جب مقابلہ دیکھتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ اور تو اور ہماری موجودہ حالت سے بعض کم درجہ دیسی ریاستیں بھی کسی کسی شعبہ میں ترقی کا دعویٰ کرتی ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ ہم نے ہزاروں اہل ملک کو یورپی تعلیم کے لیے بھیجے۔ ہر فن کے بہترین اہل فن ملک میں موجود ہو گئے۔ علم میں بیحد ترقی کی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری حکومت نے ملک کی ترقی کے سب سامان فراہم کئے لیکن اب بھی ہماری حالت یہ ہے کہ ہر چھوٹے کام کے لیے ہم غیروں کے محتاج نظر آتے ہیں؟

اس کا راز ہم کو اپنے طرز تعلیم اور ذہنیت میں ملیگا۔ ہماری ذہنیت جاپان کے بالکل برخلاف "غیر پسندی" کی جادو گری میں پھنس گئی۔ جاپان اپنی "فطرت" ہی کی تجلی "میں آباد۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تیجی بدائی نے خود اعتمادی کو ختم کر دیا اور ہم اس تعلیم کو اپنے لیے مفید سمجھنے لگے جو صرف غیر کے لیے مفید تھی اور ہماری فطرت کے برعکس اسکا اثر ہمارے ذوق حسن کاری" پر بھی پڑا۔ اور تعمیر کاری "رنگ کاری" موسیقی" غرض ہر اعلیٰ فن میں ہم اپنی خوبیوں سے اس قدر بے بہرہ ہوئے کہ آج ہمارا شہر مغربی طرز کی عمارتوں سے معمور، ہمارے دیوان خانے یورپی تصاویر سے مزین اور ہمارے تعلیم یافتہ داغ پیانوں کی آواز سے محظور ہو گئے۔ اس طرح ہمارے ملک کی حسن کاری" رفتہ رفتہ فنا کے آغوش میں آسودہ ہو گئی۔

اگر چند تعمیری نمونے، چند نگار جوا ہر پارے اور قدیم موسیقی موجود نہ ہوتی تو یقینی غیر تو گویا ہماری جدید زندگی کی ہر زبان اپنے آبا کو وحشی قبائل سے بڑھکر نہیں سمجھتی۔ ہماری موجودہ حالت کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم از سر نو اپنی حسن کاری" کو زندہ کرنیکی کوشش کریں۔ ہماری تعلیم آنیوالی نسل کو اپنے ملک کے حسن فطرت کے ساتھ ساتھ حسن دماغ دونوں سے آگاہ کرے جس سے ریمن حب الوطنی اور خود اعتمادی پیدا ہو اور پھر ان کی دنیا بھر کی جدید ترقی کبھی اپنی فطرت کے ذریعہ تجدید ترقی حاصل کرنے میں مانع نہیں آسکتی۔ اگر حسن کاری سے بقدر کچھ حاصل کر سکتی ہے تو یہی وہ سبق جو تمام عمرانی فلاح کیلئے جاننا ہے۔

حدیث الیوم

دارالترجمہ اور اسکی توسیع

اب یہ غور و خوض ہو رہا ہے کہ آیا اسکی زندگی دراز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ "دارالترجمہ" کا قیام ہوا اور اس کی مدت معینہ تک اس نے اپنا کام کیا۔ اب جامعہ کے کئی شعبے قائم ہو گئے جس کی ضروریات کو ایک حد تک "دارالترجمہ" نے کامیابی سے پورا کیا۔ اب اس کی توسیع کا مسئلہ ہے۔ یہاں پر بہت ممکن ہے کہ اخراجات اس اہم شعبہ کی زندگی میں حایل ہوں حکومت کے بعض شعبے ایسے ہوتے ہیں جن کو آمدنی سے سروکار نہیں اور اس پر خرچ ضروری ہوتا ہے ہماری رائے میں "دارالترجمہ" ایسے ہی شعبہ سے تعلق رکھتا ہے اس کا وجود نہ صرف جامعہ کی غرض کو پورا کرنے کے لیئے ضروری ہے بلکہ ہندوستان کی ایک ایسی زبان کی نشو و نما اسی سے وابستہ ہے جس میں تمام علوم کو یکجا کیا جا سکتا ہے اور کم از کم ہندوستان کی اس زبان کو تمام اہل ہند کے لیئے علمی اور ادبی زبان کا زینہ حاصل ہو سکتا۔ ہندوستان کی فلاح اور وجوہات کے علاوہ اس کی ایک لسانی ہونے میں مضمر ہے اور اُردو زبان ہندوستان کی اس اہم ترین قومی فرض کو ادا کرنے میں اپنا مدمقابل نہیں رکھتی ان حالات کے مدنظر "دارالترجمہ" کی توسیع ناگزیر ہے۔ البتہ ایسے وسائل اختیار کرنا آئندہ کے لیئے نہایت ضروری ہے جو اس کی موجودہ رفتار میں وہ تعطل پیدا کر دے جو آئندہ کے خرچ سے توازن پیدا کر سکے۔ موجودہ حالت میں اس کی افادیت اصلاح کی محتاج ہے۔



گاندھی جی کانگریس اور ہندوستان کا امن

اب ربیعت ہیں۔ ان کے خود اختیاری فاتحہ کے بعد سے ہندوستان کی سیاسیات ایک خموشی کے عالم میں ہے۔ انگلستان میں کانفرنس کی چہ می گوئیاں ہیں۔ ڈاکٹر مونجے نے اپنے بیان سے ایک نئے فساد کی راہ پیدا کی، لیکن کانگریس بالکل خاموش ہے اور بقول "ٹائمز" کے ان کی خاموشی محض اس دور اندیشی پر مبنی ہے کہ گاندھی جی ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ حالات حاضرہ پر حاوی ہوں۔ کانگریس کے لیئے کوئی راہ عمل تجویز کریں۔ منصرم صدر نے جو صرف عارضی تعطیل ... وہ بھی وہ بھی ختم ہو رہی ہے۔ اس مدت کے اندر تمام اراکین کانگریس جمع ہونا ناممکن۔ ایسی صورت میں یا تو مدت میں توسیع ہوگی یا گاندھی جی سے رائے طلب کیجائیگی۔ بہرصورت کانگریس بحیثیت ایک سیاسی جماعت معرض خطر میں ہے۔ اس کے کارکن حکومت کی موجودہ تدابیر کی وجہ سے بے کار ہو کر رہ گئے اور رسول نامتعاونت کی تحریک آگے بڑھتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہندوستان کی سیاسیات کا طوفان ختم ہو چکا حالات اور واقعات سے چشم پوشی کرنا ہے۔ موجودہ حالات کے تحت ہندوستان کا امن صرف کاغذ میں اور گول میز کے فیصلہ پر ہے۔ اور اس ایک چیز کے معقول تفصیہ پر ہندوستان کا مستقبل سنبھل سکتا ہے۔

مہاتما گاندھی جی اور کانگریس

گاندھی جی سے اپنی تپشہ رو کو بالکل معاشرتی بنا دیا اور بجائے ہندوستان کی آزادی کی علمبرداری کے ہندوؤں کے اتحاد کی طرف کوشش ہونے لگی۔ ہندو پہلے سے اکثریت کی جماعت ہے اور ہر یجنوں کو ان کے ساتھ متحد کرنے میں ہندوستان کی سب میں طاقتور جماعت کے پیدا کرنا کانگریس کا مقصد ہو گیا ہے۔ لیکن جو حالات ہندوستان کے اس وقت

ہیں اور جو انداز مستقبل کا کیا جارہا ہے اس کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذات پات جو ہند و تہذیب کی جان ہے اس کو اٹھا دینے کے بعد خود ہند و تہذیب کے لالے پڑجائینگے اور جو مقصد ایک بڑی جماعت تیار کرنیکا تھا وہ فوت ہوکر قدیم ہندو اور جدید ہندوں کی دو جماعتیں بن جائینگی اور یہ کوشش محض گرونانک کی کوشش ہوکر رہ جائیگی کہ بجائے اتحاد عام پیدا ہونیکے ہندوستان کی لاتعداد مختلف اقبال جماعتوں میں ایک اور جماعت گاہی مت کی پیدا ہوگی جدید سیاسیات کے لیئے مفید ہوگی، نہ ہندو مذہب کے لیئے۔

بقیہ صفحہ (۲۱)

شراب کی ممانعت کردی ہے اس کی جگہ عمدہ دودھ کا انتظام ہے جو دوسری جگہ سے سستا ملتا ہے۔ ان سب کے علاوہ مزدوروں کی تفریح کے لیئے پارک وغیرہ موجود ہیں جہاں یہ روزبارہ سے دس تک بیاجہ بجاکرتی ہے تاکہ موسیقی تھکے ہوئے انسانوں میں تازگی پیدا کردے غرض ہر لحاظ سے زلن مزدوروں کی بہشت ہے جہاں محنت صحت اور خوش کامی کی حکومت ہے۔ یہ سب اس شہر کو وہاں کے ایک دردمند سپوت کے طفیل حاصل ہوا۔ اور نہ صرف شہر بلکہ تمام ملک ٹامس باٹا کا احسانمند ہے۔ باٹا اکتوبر ۱۹۳۲ء میں ہوائی جہاز سے گر کر مرا۔

بقیہ صفحہ (۱۰)

اور رقص کا جنون اسکے سر پر سوار ہوا۔ اپنی آمادگی کی

رہبائی وہ اس فن کے سیکھنے کیلیئے جمع کرتی تھی۔ اسکے بعد ایک ایجنٹ نے اسکو ایک سفری کمپنی میں جگہ دلادی رہیں سے اسکی اداکارانہ زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور کیا بریڈ، میوزکل کامیڈ اور ریویز میں وہ نظر آنے لگی۔ وہ بیسیوں مرتبہ تو کری سے نکلی اور داخل ہوتی تھی، اسکے عشق و محبت کی داستان بھی اس زمانے میں ملازمت کے نشیب و فراز کے متوازی رہی۔



ایک رات یکایک اسکو مسٹر گولڈن میئر، کی جانب سے ایک ایجاب پہنچا کہ وہ آکر اپنی سینمائی اداکاری کی قابلیت کا امتحان دے جس میں وہ کامیاب ہوئی اور ایک معاہدہ ملگیا۔ یہاں سے اسکو مختلف قسم کے کام میں حصّہ لینا پڑا کبھی ہیروین بنتی تو کبھی خوگیر کی بھرتی۔ لیکن اسٹوڈیو کے باہر مالی و ڈیکیفے ہوز ہیں اسکی مقبولیت کسی اختر سے کم نہ تھی۔ اسکے رقص کیوجہ سے ایک

وھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کے تماشوں کی گونج اس بات کا پتہ دیتی تھی کہ اسکو اپنی مقبولیت کا علم ہے۔ اسکی اس بے محل ہنسی نے ڈگلس فیربینک جونیر سے اسکی لڑائی کرادی جس کو ایسی بے محل ہنسی پسند نہ تھی۔ لیکن یہی دونوں کے ملاپ کا باعث ہوئی اور آخر جلد ہی شادی بھی ہوگئی ڈگ جونیر کی صحبت نے اس کے دل میں ترقی کی روح پیدا کردی جو دن بدن بڑھنے لگی اب وہ سینما اداکاری کو بجائے تفنن کے ایک صبرآزما اور محنت طلب فن سمجھنے لگی اور دن بدن اس کی ترقی نمایاں ہوتی چلی گئی لیکن اس کی آزاد منش ابتدائی زندگی کی شہرت نے اسکی ترقی کو سست رفتار بنا دیا۔ تاہم بہت جلد اسکی غیر معمولی قابلیت نے اسکو نہ صرف اختر بنا یا بلکہ سینما کے صف اولین میں اس کی جگہ پیدا کردی۔ گرانڈ ہوٹل میں گریٹا گاربو کے مقابل میں جن لوگوں نے اس کا کام دیکھا ہے وہ شاید مالی وڈ کے بعض ماہرین کی اس رائے کو حق بجانب سمجھینگے کہ مستقبل قریب میں جون کرافورڈ گریٹا گاربو سے مسابقت کرتے ہوئے بڑھ جائیگی۔



تنقید و تبصرہ

دُرِ ثمین۔ مولفہ تصدق حسین صاحب تاجؔ

سروجنی نائیڈو جیسی شاعرہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اس کی رنگین اور دلاویز نظمیں نہ صرف ہندوستانی بلکہ یورپ میں بھی خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بلبل ہند کے کلام کی دو ممتاز خصوصیات ہیں، ایک یہ کہ غیر زبان میں اس کی نظمیں یادۂ ہندوستانی تہذیب و تمدن کو پیش کرتی ہیں، دوسرے شاعرہ کے نقطۂ نظر میں ایک مخصوص نسوانی رنگ اور موسیقیت پائی جاتی ہے جو اس کی شخصیت کیلئے خاص ہے، ان امور کے مدنظر اس کی نظموں کا ترجمہ بہت دشوار ہے، خصوصاً جب مترجم کا فرض نہ صرف اپنے ترجمے کو جزو زبان بنانا بلکہ شاعرہ کے اچھوتے ہندوستانی جذبات کو ایک ایسی زبان میں پیش کرنا ہے جو خود ہندوستان کی نگاہ اجنبی ہو چکی ہے جناب تاج صاحب نے بڑی محنت سے سروجنی نائیڈو کی نظموں کے اردو تراجم جمع کر کے شائع کرا دیے ہیں۔ ان کی یہ علمی خدمت علمی دنیا کیلئے مفید اور قابل تحسین ہے دنیا چوں سے بلبل ہند کی سوانح حیات اور شاعری پر کافی روشنی پڑتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ترجموں سے اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری تاج صاحب پر نہیں بلکہ خود مترجمین پر ہے، ترجموں میں عندلیب شکستہ پر، کنول اور قاتل کامیاب ہیں بعض نظمیں ایسی ہیں کہ فارسی و نیز اردو میں ان کا ترجمہ کرنا ایک ظلم ہے۔ مثلاً نغمہ آبگیر، ستی، سوسہوگی وغیرہ، ان کو ہندی زبان میں منتقل کیا جاتا تو اصل کی کچھ نہ کچھ شان پیدا ہو جاتی، بعض نظمیں مثلاً گورستان شاہی، حسین ساگر وغیرہ کے لئے یا تو فارسی زیادہ موزوں تھی یا نہایت پختہ اور دلاویز اردو ترجمے کے لئے نغمہ صحرائی، معبد ہیما ہی گیز جیسی نظموں کا انتخاب ہی برمحل موزوں و رُثمین کی طباعت دیدہ زیب انگریزی نظموں کا ساتھ طبع ہونا جو ضروری تھا بہت خوب ہے، قیمت عہ۔ احمد حسین جعفر علی تاجر کتب سے دستیاب ہو سکتی ہے فقط

عشق و محبت

از تصدق حسین صاحب تاجؔ

جناب تصدق حسین صاحب تاج نے عشق و محبت کے عنوان سے جدید اردو نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے اور اسمیں یادہ ترانیسویں صدی کے آخر سے لیکر حال کے شعراء تک کا کلام جمع کیا ہے۔ کلام کے جمع کرنے میں مولف کو کافی محنت اٹھانی پڑی ہوگی انتخاب لائق تحسین ہے ہندوستانی شعرا کی نظمیں بلا تخصیص ملک و ملت بلا تعصب اور جانبداری کے جدید ذوق شاعری کے مطابق انتخاب کیگئی ہیں۔

جدید اردو شاعری نے غزل گوئی کے ساتھ نظم نگاری بھی اختیار کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میدان میں اس کو ابھی بہت ترقی کرنی ہے یہی وجہ ہے کہ "عشق و محبت" کی متعدد نظموں میں چند ہی ایسی ہیں جنکو جدید معیار کے مطابق کامیاب کہا جا سکتا ہے۔ جو نظمیں خاص ہیں وہ نہایت پاکیزہ اور دلفریب ہیں کہیں کہیں ایسے اچھے شعر بھی پائے جاتے ہیں نہیں تو کی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی۔

مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں (حضرت مولانی

بہتی ہے محبت بنکر لالہ زاروں پر
لرزتی ہے محبت پھول بنکر شاخساروں پر

(عا۴)

میرے دل کی دنیا پیار تیرے دل کی دنیا ہے
تو میرا ہے میں تیری ہوں پھر کیوں میرا تیرا رے (روش)
بہت پسند ہے مجھکو خموشی و عزلت
دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں
وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے (اکبر الہ آبادی)
شگفتہ خاطر و دل شاد انجمن میں رہو
بہار ہو کے رہو جا کے جس چمن میں رہو (یلدرم)
روح خوابیدہ الفت ہے تو بیدار نہ کر
قلب سرشار محبت ہے تو ہوشیار نہ کر
لذت درد کو ہم معنی آزار نہ کر
عشق رکھتا ہے اگر دل میں تو اظہار نہ کر
نغمۂ عشق نہیں دہر میں گانے کے لئے
یہ فسانہ نہیں دنیا کو سنانے کے لئے

اردو کی عام نظمیں بڑی حد تک خشک اور بے کیف ہوتی ہیں اس سبب کے استعانوان میں مفقود ہی ہوتے ہیں نظم لکھتے ہوئے یہ خیال نہیں رکھا جاتا کہ نظم کو ہر طرح سے مکمل بنایا جائے اور جہاں تک ہو سکے اسکو جزو زبان بنانے کی کوشش کیجائے عام رجحان صرف اظہار خیال پر ہوتا ہے لیکن شاعر کو خیال اور زبان دونوں پر قدرت رکھنا ضروری ہے۔

عشق و محبت کے زیر عنوان مزید مطالعہ اور تحقیق کی گنجایش ہے۔ تاج صاحب نے ایک کامیاب ابتدا کی ہے توقع ہے کہ آئندہ آپ اس پر اطمینان بخش اضافہ کرینگے۔ آپ کی یہ خوبصورت کتاب اہل ذوق کے مطالعہ کے لئے ضروری اور بہت دلچسپ ہے طباعت دیدہ زیب کاغذ اور ٹائٹل اچھا ہے قیمت عہ دو روپیہ احمد حسین جعفر علی تاجر کتب سے دستیاب ہو سکتی ہے

آمدن سی لفظی

از جناب محسن صاحب متین

جناب متین صاحب ملک کے اچھے فاضل انوں میں ہیں آپنے قدیم آمدن کو ترمیم کر کے ایک جدید نسخہ مصادر اور ان کے مشتقات کیلئے مرتب کیا ہے جس سے مبتدیوں کو فارسی مصادر کے پڑھنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے آخر میں فارسی قواعد کے چند مختصر قاعدے بھی لکھدئے ہیں اگر اس مہم نسخے کو داخل نصاب کیا جائے تو علمی امر منفعت

کوئی دوست تھے جو دو گھنٹے پہلے ان سے ملنے آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے دونوں میں کسی بات پر لڑائی ہوگئی کیونکہ دونوں مردہ ہیں۔ آپ کے دوست کے سر میں گولی لگی ہے اور دوسرے شخص کے دل پر۔ پولس اس کو قتل اور آپ کے دوست کی موت کو خودکشی سمجھتی ہے"۔

خوف سے میں کانپنے لگا۔ لیکن جب ایک پولس کا انسپکٹر نے کمرے میں مجھے نفسیں بتلاتے لیگیا تو میں نے فوراً اس دوسرے شخص کو پہچان لیا۔ کیونکہ یہ وہی تھا جو رات میں ہم کو ملا تھا۔ پولس نے مجھ سے بھی بہت سوالات کئے لیکن میں نے صرف اتنا کہا کہ ہم رات سینما گئے تھے گیارہ بارہ بجے واپس ہوئے۔ دوسرے واقعات سے میں نے لاعلمی ظاہر کی۔

پولس سے میں نے لفافہ کا بھی ذکر نہیں کیا۔ خانہ تلاشی میں بھی کوئی چیز قابل اعتراض نہیں نکلی۔

واجد کے موت کا صداقت نامہ حاصل کرکے دو چار روز میں اپنے وعدہ کا ایفا کرنے کا تھا دار روانہ ہوگیا پہلے تو میرا ارادہ واجد کی بیوہ کو واقعات کی اطلاع دینا تھا لیکن اخباروں سے یہ خبر کافی عام ہوچکی تھی اور ایک وقت اس خیال سے نکلا بھی تھا لیکن مکان کا پتہ نہیں چل سکا۔

نجید الزماں کاٹھیاوار کے ایک مشہور بیرسٹر تھے۔ ان کے دفتر پہونچکر میں نے لفافہ حوالہ کیا جس کی مہر پہچان کر شستہ نکروں سے انھوں نے میری طرف دیکھا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بیرسٹر صاحب نے لفافہ چاک کیا۔ بہت سے دشاویزات کے ساتھ اس میں ایک خط بھی نکلا جس کو پڑھتے ہوئے ان کا چہرہ سفید ہوگیا تھا۔

اس کے ساتھ مجھے آپ کو یہ بھی دینا ہے" میں نے موت کا صداقتنامہ حوالہ کرتے ہوئے کہا

بیرسٹر صاحب نے صداقتنامہ کو دیکھا اور چلا کر کہنے لگے "وہ مرگئے ہیں۔ واقعی مرگئے" "ہاں! وہ اب دنیا میں باقی نہیں رہے۔ مرنے سے پہلے انھوں نے میرے ذمہ یہ کام کیا تھا" میں نے جواب دیا۔ بیرسٹر صاحب نے مجھے پھر شام میں چار بجے آنے کے لیے کہا۔ شام کے چار بجے میں پہنچا۔ بیرسٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ہم نواب صاحب والی ریاست کاٹھیاوار سے ملنے جارہے ہیں۔

"نواب صاحب سے" میں نے تعجب سے پوچھا

"ہاں۔ وہ خود آپ سے سوالات کرنا چاہتے ہیں"۔ "نواب صاحب آپ کی زبان سے واقعات سننا چاہتے ہیں کیونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے"۔ بیرسٹر صاحب مجھ سے کہنے لگے۔

معاملہ کچھ عجیب سا ہوگیا تھا اور بیرسٹر صاحب میرے دوسرے سوالات پر خاموش سے ہوگئے تھے جس سے میری پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔

بالآخر ہم شاہی محل پہونچے۔ بیرسٹر صاحب نے غالباً پہلے ہی سے ملاقات کا انتظام کرلیا تھا۔ ہمیں ایک کمرے میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں دربان نے نواب صاحب کی تشریف آوری کی خبر دی۔ ہم کھڑے ہوگئے۔ نواب صاحب کو دیکھتے ہی ہم نے جھک کر سلام کیا۔ مجھ کو دیکھتے ہی نواب صاحب نے فرمایا "نجید الزماں یہی حیدرآبادی صاحب ہیں"۔

عالیجاہ یہی ہیں" بیرسٹر صاحب نے بہت ادب سے جواب دیا۔ اس کے بعد نواب صاحب میری طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے "پہلے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کا کام کیا جو زندہ نہیں ہے" نواب صاحب رک رک کر کہہ رہے تھے جیسا کہ ان کو بڑا صدمہ ہوا ہے۔

"ہاں تو آپ مجھے وہ تمام واقعات بتلائیے جو آپ کی دوستی کو ظاہر کرتے ہیں اور پھر واجد میاں کی موت کا واقعہ بیان کیجئے مجھے جلدی نہیں۔ آپ تفصیل سے کہئے"۔

میں نے شروع سے تمام واقعات بتلا دیئے کہ کس طرح پونہ سے ہماری دوستی شروع ہوئی، اور پھر حیدرآباد میں ایک زمانہ کے بعد کیسے ملاقات ہوئی۔ نجمہ سے ملاقات کا ذکر اور اس شخص سے ملنے کا حال جو واجد کے کمرہ میں مردہ پایا گیا تھا میں نے یہ چیزیں تفصیل سے کہدیں "میرے پاس اس شخص کا ایک فوٹو بھی ہے جو واجد علی بیگ صاحب کا دشمن تھا" میں نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکالکر پیش کرتے ہوئے کہا نواب صاحب نے تصویر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور اس کو دیکھکر غصہ سے زمین پر پھینکدیا۔

"اور وہ اپنی بیوی کو ـــــ کس نام سے پکارتا تھا؟ مجھ ـــ کیا تم اس کی تصویر دیکھکر پہچان سکو گے"۔ نواب صاحب نے مجھ سے دریافت کیا۔ میرے اثبات میں جواب دینے پر وہ مجھے ایک دوسرے کمرے میں لیگئے جہاں دیوار پر ایک تصویر کو پہچانکر میں نے کہا "یہی ان کی تصویر ہے"۔

اس پر نواب صاحب خاموش ہوگئے اور پھر مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے "آپ کو تو شہزادی نجمہ کا پتہ اچھی طرح نہیں معلوم ہوسکتا خیر میں خود رزیڈنسی یا محکمۂ سیاسیات سے معلوم کرالونگا۔ اب میں صرف آپ سے ایک چیز چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ اس گفتگو اور ان واقعات کو بالکل راز میں رکھیں اور سب سے زیادہ حیدرآباد کی خفیہ کو نہ معلوم ہونے دیں"

میں نے وعدہ کیا اور نواب صاحب نے ہمیں رخصت کیا۔

واپس ہوتے ہوئے بیرسٹر صاحب نے

(بقیہ صفحہ ۱۰ کالم ۲)

معلومات

باٹا کارخانہ

زلن مزدوروں کی بہشت



"ذیل کا مضمون انگریزی ہفت وار انسرس (ANSWERS) سے لیا گیا ہے۔ ایڈیٹر اخبار نے یورپ کے مختلف صنعتی مرکزوں کا خود دورہ کیا ہے اور یہ مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس مضمون کو ہم نے موجودہ زمانہ کی صنعتی تنظیم اور اس کے حیرت انگیز کرشموں کو دکھانے کے لیئے دیا ہے۔ "یہ سقہ" کا چند دن امیر کابل ہو جانا اسقدر حیرت ناک نہیں ہے جتنا محض اپنی ذہانت اور فراست سے ایک چمار کے بچے کا ترقی کرکے دنیا کا مالدار ترین شخص بن جانا اور اپنے چھوٹے سے گاؤں کو مین شہر اور کارخانہ میں تبدیل کر دینا ہو سکتا ہے"

دنیا کے تمام کارخانے کساد بازاری سے مرجھا رہے ہیں لیکن زلن (واقعہ مراد یہ علاقہ ایکوسلاواکیا) دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ باٹا کے کارخانہ میں مزدوری کی مانگ جاری ۱۹۲۳ء میں جو طرف تجارت ختم تھی لیکن باٹا ستر ہزار جوڑ جوتے روزانہ بناتا رہا اور ۱۹۳۲ء میں تو ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہر روز جوتے تیار ہونے لگے اور چند ماہ کے بعد تعداد دو لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔

اب تو دس لاکھ جوڑ تیار ہوتے ہیں جو باٹا کے کارخانہ سے نکلکر تمام انسانی آبادی کے پیاؤں میں دکھائی دیتے ہیں۔ خدا کی شان ہے کہ صرف ایک کارخانہ سے دو لاکھ جوڑ روزانہ۔ ہفتہ میں دس لاکھ (یہاں پر ہفتہ پانچ روز کا ہوتا ہے) اور سال میں یہ چار کروڑ اسی لاکھ جوڑ نکلکر فروخت ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک کارخانہ کا اس قدر کثیر مال موجودہ مفلس دنیا کس طرح خریدتی ہے اور کس طرح یہ کارخانہ چل رہا ہے؟۔

اس سوال کا جواب صرف اس جملہ میں ہے کہ باٹا ارزاں ترین محنت پر اعلیٰ ترین مال فراہم کرنا اپنا مقصد قرار دیتا ہے۔ اس کے یہاں کا سب سے کم قیمت جوتا ۲½ پنس تقریباً ۲½ آنے کا ہوتا ہے اور سب سے بڑی قیمت کا صرف ۱۸ شلنگ یا تقریباً ۸½ روپیے کا ہوتا ہے۔ یہ قیمت ۱۹۲۳ء کے مقابلہ میں نصف ہے تاہم مزدوری میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہی ہوتی رہی اور کساد بازاری کی ابتدا سے اوقات گھٹا کر صرف ہفتہ میں ۹ دن اور ۹ گھنٹہ روزانہ کام پر رکھا گیا ہے۔ اور نہ قیمت مال کی خوبی کو گھٹا کر کم کی گئی ہے۔ یہ تمام خوبیاں محض اعلیٰ تنظیم وقت کی کفایت اور کام میں سہولت پیدا کرکے پیدا کی گئی ہیں اس معاملہ میں زلن کا یہ کارخانہ ہنری فورڈ کو بہت سے درس دے سکتا ہے۔

ٹامس باٹا کی زندگی ٹامس باٹا ۱۸۷۶ء میں یہ بمقام زلن پیدا ہوا۔ یہ مقام اس زمانہ میں نہایت افلاس زدہ گاؤں تھا جہاں صرف کسان رہتے تھے۔ باٹا کا باپ ایک دیہی تھا جو گاؤں کی ضروریات پورا کرتا تھا۔ بچپن میں باٹا اپنے باپ کے کارخانہ میں کام کرتا تھا۔ کم عمر ہی میں قسمت آزمانے کے لیئے یہ ویانا چلا گیا۔ وہاں کچھ نہ ہو سکا پریگ میں جاکر جوتے بیچنے لگا اور جو آرڈر ملتے ان کو اپنے باپ کے پاس بھیجا کرتا۔ اٹھارہ برس کی عمر تک اسی طرح دشت نورد رہا۔ اسکے بعد ۱۸۹۴ء میں اس کو اپنا ذاتی کارخانہ قائم کرنیکی سوجھی اور اپنے وطن زلن کو پہنچکر اس نے ایک چھوٹے سے کارخانہ کی بنیاد ڈالی جس میں صرف پچاس آدمی جوتے بیچا کرتے تھے۔ یہاں سے باٹا نے ترقی

شروع کی اس نے خیال کیا کہ تمام دنیا اسکی صنعت کی محتاج ہے لیکن وہ اسکو ارزاں قیمت چاہتی ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھکر اس نے کوشش شروع کی اللہ نے اسکے ارادہ میں برکت دی چنانچہ ۱۹۲۴ء میں اسکی اوسط قیمت فروخت ۱۴ شلنگ ۴½ پنس تقریباً ۱۲ روپیے ۴ آنے تھی اور اوسط مزدوری ۱۳ شلنگ ۱۰ پنس ۱۱ روپیہ ۱۰ آنے تک پہنچ گئی اس کے بعد فی رقبہ ۱۹۳۲ء تک قیمت فروخت گھٹکر ۶½ شلنگ سے بھی کم ہوگئی اور مزدوری بڑھکر ۱۰۰ شلنگ (تقریباً سو روپیہ فی کس) پڑنے لگی یہی راز ہے باٹا کی ترقی کا کہ جو زیادہ کماتا ہے درحقیقت کمانیوالوں پر تقسیم بھی کرتا ہے اس مزدوری کا مقابلہ دوسرے ممالک کے مزدوروں سے کرینگے تو وہ لحاظ سے بہت بڑی ہوئی پائیں گے ایک تو خود مزدوری زیادہ ہے دوسرے وہاں اخراجات زندگی کم۔ ان سب کے علاوہ باٹا نے کارخانے اپنے مزدوروں کے لیئے سب کچھ کیا ہے۔

کارخانے کی ترقی باٹا نے اپنا چھوٹا کارخانہ ازلن میں قائم کرنیکے بعد امریکہ کا سفر کیا اور وہاں پر مختلف بڑے کارخانوں میں معمولی مزدور کی طرح نوکری کی اور اس طرح اعلیٰ کارخانوں کی تنظیم وغیرہ کا تجربہ حاصل کرکے وطن لوٹا۔ اور امریکہ کے طریق صنعت کو رواج دینے لگا۔

اس وقت باٹا کے کارخانہ میں پچیس الگ الگ عمارتیں ہیں اور ہر کارخانہ اپنا کام مفوضہ الگ الگ انجام دیتا ہے اور مزدوری بجائے وقت کے اسپنے کام کو ختم کرنے پر ملتی ہے۔ اور یہ تمام کارخانے ۲۵ آزاد محکموں پر منقسم ہیں جن کی آمدنی اور خرچ جدا جدا ہیں صرف ایک ہی معاملہ میں یہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔ طلب اور اسکی خرید۔

ہر خانہ اپنی ضروریات کو اپنے ہمسایہ سے خرید کر دوسرے کو بیچتا ہے جس میں قیمت خرید اور منافع اجرت محسوب ہوتا ہے۔ تمام کارخانے ایک دوسرے کے ساتھ برقی رسل و رسائل رکھتے ہیں اور نہایت تیزی سے گھڑی کی طرح اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ منٹ تیسی ہر کسی کارخانہ کی ایک منٹ کی دیر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر مزدور کے سر پر ایک حتی لگی ہوئی رہتی ہے جس پر اس کی نمبر کا اندراج اسکا کام اور اسکی مدت ملازمت لکھی رہتی ہے۔ مثلاً ایک ۳۵۳۲ کی عورت کام کر رہی ہے اسکی مدت ملازمت ۸ سال کی ہے اور روزانہ کام ۱۸ ہزار تک ہیں۔

کام کی تنظیم تمام کام برقی تشت کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے اور کسی مزدور کو اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۵ گھنٹے کا وقت ہے لیکن اس کا اندازہ گھڑی کی جگہ مفوضہ کام پر ہوتا ہے۔ تاہم یہ بڑی فیاکری اپنی پچیس عمارات کے ساتھ صرف ایک فرد ہے۔ باٹا کارخانہ کی ہر ضرورت کا انتظام موجود ہے تاکہ قیمت خرید میں کمی ہو چنانچہ اس کے لیئے متعدد کارخانہ ڈبے بنانے کا کارخانہ۔ طبع۔ کیمیائی معمل کارخانہ انجنیری۔ کارخانہ ربر بنانے کا کارخانہ اور دباغت کے بڑے کارخانے موجود ہیں۔

تامس باٹا ہر چیز خود خریدتا ہے۔ اس کی کھالیں جنوبی امریکہ سے براہ راست آتی ہیں۔ اور کوئلہ بالائی سلیشیا سے لیا جاتا ہے۔ لکڑی زر خرید جنگل واقع کارپیتھین سے لائی جاتی ہے اور کارڈ بورڈ ردی چیتھڑے اور کاغذ سے خود کارخانہ میں تیار ہوتے رہیں۔ کیمیائی معمل، گوند اور نشاستہ تیار کردیتا ہے اور تمام اشتہارات وغیرہ کی چھپائی دنیا کی ہر زبان میں خود کارخانہ کے مطبع میں ہوتی ہے۔ صرف ایک محکمہ زلن میں نہیں ہے وہ محکمہ فروخت ہے۔ کوئی پانچسو سے زیادہ دکانیں ڈیکوسلاواکیا میں ہیں اور تمام عالم کے لیئے ۳۵ ہزار سفری نمائندے دورہ پر مقرر ہیں۔ اور کل کارخانہ میں دو لاکھ نفوس ملازم ہیں جو صرف ایک سو میل کے دائرہ کی دماغی کاوش کا ثمرہ ہے۔

شہر زلن باٹا کی بدولت ایک معمولی گاؤں جس کی آبادی چار ہزار تھی اب لاکھوں کی آبادی تک پہنچگیا ہے اور جس آبادی تنظیم وغیرہ پر بھی کارخانہ پوری توجہ صرف کرتا ہے۔

مزدوروں کے مکانات باٹا نے اپنے مزدوروں کے لیئے نہایت محفوظ مکانات بنائے ہیں جن کے کرایے بہت کم ہیں ان میں تنہا خاندار لڑکیوں کے مکانات الگ ہیں، غیر شادی شدہ مردوں کے الگ اور شادی شدہ لوگوں کے الگ الگ ہیں۔

مزدوروں کی تعلیم مزدوروں اور ان کی اولاد کی تعلیم کے لیئے کارخانہ کی طرف سے نہایت عمدہ مدارس ہیں۔ جہاں لڑکوں کو مختلف کھیلوں صنعت اور لڑکیوں کو پکانا ان وغیرہ سکھایا جاتا ہے۔ مزدوروں کے کھیل تفریح کے لیئے میدان، تیرنے کے تالاب، حمام، ہوٹل وغیرہ سب قایم ہیں۔ غرض یہ شہر ہر اعتبار سے مزدوروں کی بہشت ہے۔ مزدوروں کی ضروریات کم قیمت پر فراہم کرنیکے لیئے کارخانہ کی طرف سے دکانیں موجود ہیں جہاں ہر چیز کفایت سے ملسکتی ہے، ہوٹلوں میں مزدوروں کے کھانے وغیرہ کا نہایت ارزاں انتظام ہے۔ باٹا پچپن سے شراب کا مخالف ہے اس لیئے اس نے

بقیہ صفحہ (۱۳) کالم (۱)

گوئٹے

از

سید شاہ محمد

آخری قسط

وائمار ۔۔ نومبر ۱۷۷۵ء گوئٹے چھبیس برس کی عمر میں شہر وائمار پہنچا۔ یہ دریائے ایم کے کنارے ایک چھوٹا خوبصورت شہر تھا۔ گوئٹے کے طویل قیام نے اسے المانوی تیمز کی خیالی نگری شہرت عطا کی۔

نہ کسے وائمار کی ڈچی زامیر یلہ نہایت چھوٹی تھی لیکن جرمن سورخ کا بیان ہے ایمریرن کے بعد یہی دربار قوم کیلئے باعث فخر ہے تاریخ برطانیہ میں اسکی بہت بڑی اہمیت ہے یہیں لوتھر نے پناہ لی تھی اور اسکو پروٹسٹنٹ مذہب کا امن بنایا۔ اور یہیں جرمنی کا سب سے بڑا شاعر عرصہ تک مقیم رہا۔ شہر وائمار گوئٹے کو نہایت عزیز تھا۔ اس نے اپنے معتمد ایکرمان سے کہا "یہاں میں نے پچاس سال گزارے ہیں۔ جب کبھی میں باہر جاتا مجھے وائمار واپس ہونے پر بڑی مسرت ہوتی"۔

وائمار کی قابل ذکر ہستیوں میں لیڈی کارلائن آڈگوسٹ اسکی بیوی شہزادی لوزی اور ڈچس امیلیا ہیں۔ یہ سب جرمن ادب کے قدرداں اور نہایت بامذاق رؤسا تھے۔ گوئٹے کا محسن کارل آڈگوسٹ ایک قابل ستائش شہزادہ تھا وہ اپنی ریاست کے فرائض نہایت توجہ سے انجام دیتا تھا۔ اسی کو قابل اور ذکی افراد کی نساخت میں کمال تھا اور ان کی بڑی قدر کرتا تھا۔ گوئٹے کے علاوہ دربار میں ڈیوک کا استاد مشہور عالم وی لاند موجود تھا۔ گوئٹے کی ایما پر ہرڈر کو بھی بلا لیا گیا۔ گوئٹے کو دربار کے قیام سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔ وہ ڈیوک سے ہمیشہ برابری اور دوستانہ طور پر ملتا تھا ڈیوک نے گوئٹے کو مختلف کاروبار سپرد کئے اور اسکی تنخواہ ۱۲ھزار تھالر مقرر کر دی۔ اسطرح شاعر کو فکر معاش سے نجات ملی اور علمی و ادبی مشاغل میں زیادہ حصہ لینے کا موقع ملا۔

گوئٹے کے دور کچھ دنوں محکمہ جنگ کچھ دنوں بعد محکمہ فینانس بھی اسکی نگرانی میں دیدیا گیا۔ شاعر اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیتا تھا۔ اسکے ساتھ وہ اپنے اعلیٰ مقاصد سے غافل نہ رہا۔ دن بدن اسکی ذکاوت چکی کو پہونچ رہی تھی بچپن کی بیفکری جوانی کی مستعدی اور عزم میں مل ہوگئی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ "زندگی کے جزئیات سے بحث نہ کرے۔ بلکہ اسکی مجموعیت جس کو شناسائی کو واضح کرے"۔ اپنی جینیا آوف طاؤرس اسی زمانہ میں لکھی گئی شلیگل نے اپنی عادت کے موافق اسکی خصوصیت کو ایک فقرہ میں ادا کرنا چاہا اور اسے "یونانی گیت کی صدائے بازگشت" قرار دی لیکن سوائے موضوع کے اس ڈرامہ میں طرز بیان اور ساخت کسی طرح یونانی نہیں۔ یہ عہد جدید کی پیداوار ہے اس میں قدیم داستان کی جذباتی کشمکش کے بجائے گہرے اخلاقی کشمکش کو واضح کیا گیا۔ گوئٹے کو بچپن سے اٹلی کی زیارت کا خیال تھا۔ اس نے ۱۷۸۶ء میں اٹلی کا سفر کیا۔ اور حالات سفر "سیاحت اطالیہ" (اٹالینشے رائیزے) میں درج کئے۔ آشٹریوں شہزادہ پر اٹلی کی سیاحت کا بہت اچھا اثر پڑا۔ انگریزی شعرا میں جاسر ملٹن۔ بائرن شلی اور براؤننگ نے اٹلی کا سفر کیا تھا۔ آخر الذکر دونوں شعرا وہیں سپرد خاک ہوئے۔ اٹلی تاریخ ادب۔ رنگ کاری۔ اور موسیقی کا خطہ ہے۔ شعرا کیلئے خاصی جاذبیت رکھتا ہے۔ گوئٹے کیلئے اٹلی کا سفر دکاوت کی پختگی کا باعث ہوا۔ وطن واپس ہوتے ہوتے الگمانٹ اور ٹاسو کی تکمیل کر لی۔ وائمار پہونچنے کے بعد اس نے ڈیوک سے درخواست کی کہ سرکاری ذمہ داریوں میں کمی کر دیجائے۔ چنانچہ اس کے ذمہ محکمہ معدنیات محکمہ معارف اور تھیٹر رہ گئے۔

وائمار میں گوئٹے کی عشقیہ زندگی میں دو شخصیتیں نہایت اہم ہیں ایک تو فراؤفان اشٹائن ہے جو ڈچس امیلیا کی مصاحبہ (ہوف والے یا لیڈی ان ویٹنگ) تھی۔ یہ شاعر سے عمر میں بڑی تھی سات بچوں کی ماں تھی لیکن نہایت شائستہ بامذاق حسین اور خوش مزاج تھی شاعر کی اسکے ساتھ تقریباً دس سال تک دوستی رہی۔ اس عورت کا اسکی شاعری پر خاصہ اثر پڑا اسفر اٹلی سے واپسی کے بعد اسکی ملاقات ایک نوجوان خوبصورت لڑکی کرسٹیا نے ڈاپیس سے ہوئی جو آگے چل کر اسکی بیوی بنگئی۔ وہ فراؤ فان اشٹائن کیطرح درباری اور اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت نہ تھی۔ اور اسکی ذہنی رفیق نہ بن سکتی تھی لیکن وہ نہایت زندہ دل کاروباری عورت تھی ہمیشہ اس نے شاعر کو خوش رکھا اور اسکی اطاعت گزار رہی اور حقیقی معنوں میں اسکی رفیق حیات ثابت ہوئی اسی کے بطن سے آگوسٹ فان گوئٹے پیدا ہوا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوا جو بچپن میں مر گیا۔ گوئٹے نے کرسٹیا کے نام سے کئی نظمیں لکھیں جو "رومن الیجیز" کے نام سے مشہور ہیں۔ یونانی اور رومی ادب میں کوئی نظم ایسی نہیں جسمیں عظیم خیالات پر شکوہ نظم میں جذباتی عمق اور شدت کیساتھ متحد ہوئے ہوں۔ شلیگل نے خوب کہا "یہ رومی شاعری کو جرمن نظموں کے ذریعہ مالا مال کرتی ہیں صرف رومن الیجیز گوئٹے کو جرمن کے شعرائے عظیم میں جگہ دینے کیلئے کافی تھے۔ ان نظموں سے اٹلی کا اثر بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

گوئٹے اور شلر اب ہم اس دور تک پہنچ گئے ہیں جس میں جرمنی کے دو نوابغ عظیم شعرا ایک دوسرے سے وابستہ ہوگئے۔ دو عظیم شعرا کی دوستی ایک نہایت دلچسپ چیز ہے۔ گوئٹے اور شلر ایک لحاظ سے ایک دوسرے کے مدمقابل اور حریف تھے

ان کی طباع میں بھی اختلاف تھا۔ گوئٹے موجودیت پسند اور شلر تصوریت پسند تھا تاہم ان دونوں کا عقیدہ تھا کہ حسن کاری فرصت کا کھیل نہیں اور محض وقت گزاری کا مشغلہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک عظیم تر شے ہے جسکے مقاصد مجیدہ اور جس کے ذرایع مسرت بخش ہیں اور اس کا مذہب سے نہایت قریبی تعلق ہے۔ ان کا خیال تھا کہ تہذیب تربیت انسانیت کے کمال میں معاون ہوتی ہیں اور ان کے نزدیک حسن کاری سے بڑھکر کوئی تربیت نہیں ہو سکتی۔ گوئٹے کی عمر پینتالیس اور شلر کی پینتیس برس کی تھی۔ گوئٹے کے معلومات اور تجربات لازماً بہت بڑھے ہوئے تھے۔ گوئٹے سے شلر بہت کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ برخلاف اس کے اگر شلر اپنے علم اور تجربہ سے اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم اس کی ہمدردی اور دل افزائی کر سکتا تھا اور گوئٹے کی ذکاوت کیلئے ہمیز کا کام دے سکتا تھا۔ چنانچہ شلر نے گوئٹے سے سائنس چھڑا دی اور اسے مجبور کیا کہ اپنی کوئی نظم ناتمام تو جوڑے۔ گوئٹے نے شلر کو لکھا "تم نے مجھے پھر نوجوان بنا دیا۔ مجھے پھر شاعری کیطرف مائل کر دیا جسے میں نے تقریباً چھوڑ دیا تھا۔" اس سے گوئٹے کی وحدت کسی طرح کم نہ ہوتی شلر ہمیشہ اسکی عزت کیا کرتا تھا اور اسکو ہمیشہ اپنے سے بہت بڑا سمجھتا تھا چنانچہ اس نے صاف اعتراف کیا "گوئٹے کے مقابلہ میں مجھے اپنا کچھ ابتدائی ہوں"۔

انقلاب فرانس سے یورپ میں تہلکہ مچا ہوا تھا اکثر نوجوان شعرا انقلاب کے جوشیلے مداح تھے۔ شلر بھی انہیں میں شامل تھا اسکو انقلابیوں نے حقوق شہریت بھی عطا کئے تھے۔ شلر نے اپنی ادبی شہرت بڑھانے کے لئے ایک رسالہ "دی ہورین" جاری کیا۔ جسمیں اسوقت کے تمام ممتاز اہل قلم مثلاً گوئٹے۔ ہرڈر۔ کانٹ۔ فختے۔ ہمبولڈ۔ کلوپ اسٹوک یا کوبی۔ ایگل۔ مائیر۔ گارنے وغیرہ کے مضامین ہوتے تھے۔ یہ گویا گوئٹے اور شلر کی دوستی کا پہلا زینہ تھا۔ یہ دوستی دن بدن بڑھتی گئی شلر زیادہ تر ینا میں رہا کرتا تھا وہ گوئٹے سے ملنے آیا۔ اس کے بعد سے ان دونوں کی دوستی مضبوط ہو گئی۔ شلر نے لکھا "ان تمام خیالات کے اظہار کے لئے جو تم نے مجھ میں پیدا کئے ہیں کافی وقت درکار ہے لیکن مجھے امید ہے کہ ہمارا کوئی خیال بیکار نہ جائیگا"۔ ہورین کی اشاعت جرمنی میں ادبی ذوق کے رفیع کرنیکے لئے ہوئی تھی لیکن یہ پرچہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اسکے اخراجات اسکی آمدنی سے بڑھے ہوئے تھے۔ ہورین کا وہی انجام ہوا جو اسی زمانہ انگلستان کے ایرل کا ہوا جسمیں لارڈ بائرن شیلی لی ہنٹ۔ ہزلٹ۔ اور بیکاک شریک تھے لیکن دونوں جرمن شعراء نے انتقام کی ٹھانی۔ اور یہ انتقام "زینین xenien" کیصورت میں ظاہر ہوا۔ مشہور مورخ یوس کے خیال میں اس طرح جرمن ادب کی اصلاح کا کام شروع ہو گیا" جسطرح لوتھر نے اپنے مقالے وٹن برگ میں شائع کئے۔ اسیطرح گوئٹے اور شلر نے زینین کی اشاعت کی۔ ان سے پہلے کوئی شخص کور ذوقی کا مقابلہ کرنے اور تصنع کی دھجیاں اڑانیکی جرأت نہ کر سکا۔ "زینین" کی نظموں پر مشتمل ہے گوئٹے نے سب سے پہلے اسکا آغاز کیا تھا۔ بعد ازاں شلر نے بھی اس میں بہت سی نظمیں لکھیں۔ ان میں ظریفانہ اور لطیف پیرایہ میں عیان ادب زبان کا مزاح اڑایا گیا۔ اس سے ملک میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ عامۂ مصنفین اور چھوٹے شعرا بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے ایک جواب "زینن اشٹرم" شائع کیا۔ یہ گویا "بہت سے بیوقوفوں کی دو عقلمندوں کے ساتھ لڑائی تھی لیکن لطافت بیان اور نزاکت خیال اور تہذیب ظرافت میں وہ "زینین" کا کہاں مقابلہ کر سکتے۔ اسی قسم کی انگریزی تصنیفات "ڈنسیاڈ" (پوپ) اور "انگلش بارڈز اینڈ اسکاچ ریویورس" (بائرن) جرمن تصنیف کے مدمقابل تھیں۔ وہ بہت زیادہ سخت اور ترش ہیں جبکہ زینین لطیف اور دلچسپ ہے۔ اسی زمانہ میں ایک بڑی ناول

ولہلم مائسٹر لکھی گئی۔

گوئٹے اور شلر میں اکثر ادبی اور تنقیدی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ گوئٹے کا مضمون "رزمیہ ڈرامائی شاعری" نہایت مقبول ہوا۔ اس نے اسی زمانہ میں ایک رزمیہ "ہرمان اینڈ ڈروتھیا" لکھی جو ساخت و طرز بیان کے لحاظ سے گوئٹے کی نظموں میں سب سے زیادہ مکمل سمجھی جاتی ہے۔ گوئٹے سے پہلے فوس نے ایک رزمیہ لوتری لکھی تھی لیکن ہرگل نے اپنی "جمالیات" اور روزن کرانتس نے "گوئٹے اور اس کا کلام" میں گوئٹے کی فوقیت تسلیم کی ہے۔ پہلے کہا جا چکا ہے کہ گوئٹے کے ذمہ ٹیسیٹس کی نگرانی بھی تھی۔ ابتداء جیو ٹے چھوٹے ڈرامے خانگی حلقوں میں بتائے جاتے تھے ان میں گوئٹے بھی اداکاری کرتا تھا۔ ڈرامہ کی ترقی کے لئے ایک نیا تھیٹر وائمار میں تیار کر دایا گیا۔ بڑے پیمانہ پر ڈرامہ تیار کئے جانے لگے۔ گوئٹے کی حیثیت زیادہ تر مہتمم (ڈائرکٹر) کی تھی شلر کیساتھ دوستی کے بعد گوئٹے اور شلر نے اسٹیج کی ترقی کی کوشش کی۔ مگر ادبی ڈراموں کی پیش کی کوشش کامیاب نہ ہو سکتے اسلئے وائمار کا اسٹیج ہر دلعزیز نہ ہو سکا۔ بقول کسے "گوئٹے اور شلر کا ایک مقصد تھا۔ شاعری کی رفعت اور قوم کی ذہنی استعداد کو اعلیٰ تصورات کی طرف پہونچانا۔ ادب ان کا مقصد اولین تھا اور تھیٹر ثانوی چیز تھی۔ نہیں بلکہ یہ چیز ان کے نزدیک مقصد بیزاری کا آلہ تھی۔" اسٹیج ڈائرکٹر کی حیثیت سے گوئٹے کی ناکامی کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ گوئٹے حقیقی شاعر تھا اس کے ڈرامہ زیادہ تر ڈرامائی شاعری کے نمونے ہیں اور انکی حیثیت اسٹیج ڈراموں کی سی نہیں۔ برخلاف اسکے شیکسپیر اور بنجانسن حقیقی ڈراما نگار ہیں اور ان کے ڈرامے اسٹیج پر بھی اتنے ہی کامیاب ہیں جتنے مطالعہ خانہ میں۔ شلر کی وفات کے بعد گوئٹے کی تھیٹر سے دلچسپی ختم ہو گئی۔

اسی زمانہ میں جرمنی کے اہل ادب دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ پہلی جماعت تو گوئٹے کے طرفداروں کی تھی اور دوسری شلر کے پرستاروں کی جو شلر کو گوئٹے سے عظیم تر قرار دیتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ شلر کا کلام عام فہم سادہ اور دلچسپ اور خوبفیاض نظر گوئٹے نے اپنے معتمد ایکرمان سے کہا کہ میرا کلام کبھی ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا۔ اور واقعہ بھی ہے کہ چھوٹی نظموں اور فاؤسٹ کے علاوہ اس کی کوئی تصنیف شلر کے تصانیف کی ہر دلعزیزی کا

لیکن گوئٹے کا کلام زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ عمیق ہے اور انہیں خصوصیات کی بنا پر جرمنی سے باہر دیگر ممالک کے ممتاز صاحب نقد و نظر نے اسے یورپ کے عظیم ترین شعرا میں جگہ دی ہے۔ اسکا رتبہ شلر سے بہت بلند اور ہوم اور شیکسپیر کے برابر ہے۔

۱۷۸۳ء میں فرانسیسی مصنف میڈیم ڈی اسٹیل انقلابین کے خوف سے بھاگ کر وائمار پہونچی۔ یہ گوئٹے کی پرجوش مداح تھی لیکن گوئٹے اور شلر اس کی ملاقات سے زیادہ خوش نہوئے ۱۸۰۳ء میں گوئٹے کے قدیم دوست ہرڈر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے دو سال بعد گوئٹے اور شلر دونوں بیمار پڑے۔ اس سال کے ابتدا ہی سے گوئٹے کو خیال ہوگیا تھا کہ ہر دو نو دوستوں میں سے کوئی ایک مرجائیگا۔ شلر کا انتقال ہوگیا وائمار جب یہ خبر پہنچی تو تھیٹر بند کر دیا گیا کسی شخص کو جرأت نہ تھی کہ ہمارا شاعر سے اس کے عزیز دوست کے انتقال کی خبر کہے۔ مکان میں ہر شخص اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپر گوئٹے تاڑ گیا۔ اس نے کہا "شاید شلر بہت بیمار ہے" رات میں لوگوں نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ وہ باوقار شخص جس نے اپنے بیٹے کی موت پر نہایت ضبط اور استقلال سے کام لیا اور اظہار غم نہ کیا تھا۔ دوسرے روز اسکے شبہات کی تصدیق ہوگئی۔ گوئٹے نے کہا "وہ مرگیا" ان الفاظ کے ساتھ اس نے چہرہ کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اس کے بعد اس نے سلترلیٹز Zelter کو لکھا "میری آدھی زندگی مجھ سے جاچکی"۔ اس واقعہ کا اس پر بڑا اثر ہوا اور بہت دنوں تک شدت غم سے وہ کوئی کام نکر سکا۔ آگے چل کر اس نے لکھا "ان دنوں میری ڈائری (چونکہ وہ ہمیشہ اپنی ڈائری لکھا کرتا تھا) معمارہ گئی خالی صفحے میری زندگی کے خلا کیطرف اشارہ کرتے ہیں ان دنوں مجھے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی"۔ اس سے گوئٹے کی شرافت طبع اور خلوص کا ثبوت ملتا ہے اور اسکی وقعت ہمارے دلوں میں اور بڑھ جاتی ہے۔

فاؤسٹ شلر کی وفات سے پہلے اسکا سب سے بڑا شاہکار فاؤسٹ (حصہ اول) مکمل ہوچکا تھا۔ اسٹراسبورگ کے زمانہ طالبعلمی سے اس کے ذہن میں اس کا خاکہ موجود تھا۔ فاؤسٹ کے مختلف حصے مختلف اوقات میں لکھے گئے اور اسکی اشاعت ۱۸۰۶ء میں ہوئی۔ لیویس کے الفاظ میں "فاؤسٹ میں ایک آئینہ کیطرح ہماری ذہنی زندگی کا دوامی مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ہماری معاشرتی زندگی کے مختلف النوع پہلوؤں اور انکے کشمکش کی گئی ہیں" یہ ایک موضوع problem اور ایک تصویر picture دونوں پر مشتمل ہے۔ اسی میں اس کا طلسم پوشیدہ ہے موضوع کیساتھ بڑے اہم مسائل وابستہ ہیں تصویر میں خیالات۔ جذبات اور فرقوں کی جو زندگی کے اسٹیج پر متحرک ہیں توضیح کی گئی ہے

عظیم موضوع کو اپنی تمام حیثیت میں ظاہر کیا گیا ہے اور تصویر کو متنوع طور پر رنگا گیا۔ فاؤسٹ کا ڈرامہ شیکسپیر کے ہملٹ کے ہم پلہ ہے بلکہ فلسفیانہ عمق میں اس سے بڑھا چڑھا ہے۔ اس کا معمولی خاکہ بھی ایک مختصر مضمون کی بساط سے باہر ہے۔ فاؤسٹ کا دوسرا حصہ گوئٹے نے اپنے آخری ایام زندگی میں لکھا اور جو فرق ملٹن کے "فردوس گم شدہ" (پیراڈائز لاسٹ) اور فردوس بازیافتہ (پیراڈائز ریگینڈ) میں ہے وہی فاؤسٹ حصہ اول اور حصہ دوم میں ہے۔ اس جملہ سے فاؤسٹ حصہ دوم کی کم وقعتی منظور نہیں یہ بھی گوئٹے کی عظیم کارناموں میں داخل ہے۔

گوئٹے کے طربیہ نظمیں سب سے زیادہ مقبول اور سب سے زیادہ دلچسپ ہیں محض فاؤسٹ اور طربیہ نظمیں اسے شیکسپیر کے بعد یورپ کا سب سے بڑا شاعر بنانیکے لئے کافی ہیں۔ نظموں میں وہ ہمیشہ خود محسن و صاحب نعمت معلوم ہوتا ہے اور ایک بلبل کی طرح لطیف اور شیریں راگ سناتا ہے۔ اسکی ناقص سے ناقص طربی نظم قاری کے دل کو مسحور کرتی ہے اور بہترین طریقہ عدیم النظیر ہیں۔ ہائنے جو خود ایک طربی شاعر کی حیثیت سے نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہے یوں رقمطراز ہے:۔

"یہ گیتیں ایک ناقابل اظہار شوخیانہ جادو کی حامل ہیں یہ سریلی نظمیں تمہارے دل میں ایک نازک معشوقی کیطرح چٹکیاں لیتی ہیں۔ الفاظ تم سے معانقہ کرتے ہیں جملہ خیال (تمہارے دماغ میں) ایک بوسہ ثبت کر دیتا ہے سب سے زیادہ مشہور نظموں میں "ماہی گیر" "کارنتھ کی دلہن" "ارل کونسٹس" "ایلیسس اندورا" وغیرہ ہیں۔

انقلاب فرانس انقلاب فرانس کا وحشت انگیز واقعہ ۱۷۸۹ء میں ہوا اس سے یورپ کے تمام تاجداروں میں ایک ہل چل پڑ گئی کیونکہ یہ مطلق العنانی اور بادشاہی کے خلاف بغاوت تھی۔ شاہان یورپ نے تحت فرانس پر اولوالعزم شانزدہم کو متمکن کرنیکی کوشش کی۔ ۱۷۹۲ء میں شاہ پروشیا نے فرانس پر حملہ کیا۔ اس فوج میں ڈیوک وائمار بھی شریک تھا اس کا دوست اور شیر گوئٹے بھی ساتھ تھا۔ گوئٹے کو سپاہیوں اور خونی مناظر سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ لوگ فوجی تیاریوں اور جنگ میں مصروف رہتے تو گوئٹے ہڈیوں کے مطالعہ اور نباتات کے مشاہدہ میں اپنا وقت گزار کرتا تھا۔

گوئٹے کو نہ تو انقلاب سے دلچسپی تھی نہ انقلاب کے مخالفین سے۔ وہ خارجی واقعات سے کم متاثر ہوتا تھا وہ فطرت کے قوانین اور فطرت کے دائمی مناظر سے دلچسپی رکھتا اور اس سے بہت کچھ حاصل کرتا تھا این پال نے لکھا "وہ دوسروں سے بہت زیادہ دور اندیش تھا کیونکہ اسے آغاز انقلاب پر محاکمہ کرنے سے وہی نفرت تھی جو اختتام انقلاب کے بعد تھی"۔ کلوپ اشٹوک۔ ورڈسورتھ وغیرہ اولاً انقلاب کے پرجوش مداح تھے لیکن انقلاب کے خونی واقعات نے انہیں انقلاب کا دشمن بنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ گوئٹے انقلاب کا مخالف تھا لیکن وہ بادشاہ پسندوں کا بھی طرفدار نہ تھا "انقلاب ہمیشہ حکومت کی غلطی کیوجہ ہوتا ہے نہ کہ عوام کی"۔ یہ جنگ شکست پر ختم ہوئی۔ اور عرصہ تک ان جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔

کچھ دنوں بعد نپولین اعظم نے ڈیوک وائمار کو پروشیائی فوج کی مدد کی پاداش میں سزا دینی چاہی اور اسکا ایک مارشل بڑی فوج کیساتھ بھیجا گیا۔ اینا کی

واٹمار پر یہ ایک مصیبت تھی۔ گوئٹے اپنے آقا کی مصیبت میں ثابت قدم رہا۔ اس نے فالک سے کہا "ڈیوک کا طرز عمل بالکل حق بہ جانب ہے اگر اس کے صلہ میں اسے اپنی ریاست سے محروم ہونا پڑے تو کوئی بات نہیں ہم اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس کے ساتھ جنگل یہ جنگل اور قریہ بہ قریہ پھریں گے لوگ ہمیں دیکھ کر کہیں گے: وہ بوڑھا گوئٹے ہے اور یہ سابق ڈیوک جسے شہنشاہ فرانس نے تخت سے اتار دیا کیونکہ اس نے اپنے دوستوں کی مصیبت میں مدد کی تھی۔ ....."

فالک کا بیان ہے کہ ڈیوک کی مصیبت کے خیال سے گوئٹے کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر وہ کہنے لگا "میں روٹی کے لئے گاتا پھروں گا۔ میں جہاں گرد بھاٹ بنجاؤں گا اور اپنی مصیبتوں کو نظم میں تبدیل کردوں گا میں گاؤں گا پھونچوں گا اور ہر مدرسہ میں جہاں کہیں لوگ گوئٹے کے نام سے آشنا ہیں جرمنی کی تذلیل کا نوحہ کروں گا اور بچے ہماری بے عزتی کے گیت سن سنکر جوانمرد بنجائیں گے اور وہ میرے آقا کو گیتوں کے ساتھ پھر تخت پر بٹھا دیں گے!" واٹمار کی حالت نازک نہ ہونے پائی۔ ڈیوک نے شاہ پروشیا کی اجازت سے شہنشاہ فرانس کی اطاعت قبول کرلی۔ اور جب ۱۸۱۴ء میں شہنشاہان فرانس اور روس اور دیگر رؤسا میں بمقام ایرفورٹ ایک عہدنامہ ہوا تو ڈیوک واٹمار بھی اس میں شریک تھا۔ گوئٹے کو اپنے آقا کیساتھ نپولین سے ملنے کا موقع ملا۔ شہنشاہ کے ادبی مصاحب ڈیرو نے گوئٹے کا بڑی ستایش کے ساتھ تعارف کرایا اور کہا کہ وہ والٹیر کی "محمد" کا مترجم بھی ہے۔ اس پر نپولین بہت خوش ہوا۔ اس نے گوئٹے کی ناول ورتر کی بڑی تعریف کی جسے وہ سات مرتبہ پڑھ چکا تھا۔ ان دو نوتعلیم ہستیوں کی ملاقات ایک گھنٹہ تک رہی۔ دونو ایک دوسرے کے مداح بن گئے۔ نپولین واٹمار بھی گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے گوئٹے کو پیرس آنے کی دعوت دی۔ مگر گوئٹے اپنے قدیم آقا کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ نپولین نے اسے لیجن آف آنر کا اعزاز عطا کیا۔

عہدنامہ ایرفورٹ کے باوجود یورپ میں جنگ شروع ہو گئی۔ اکی دفعہ جرمنی اور انگلستان نے نپولین کو سخت شکست دی۔ اس فتح کی خوشی میں واٹمار کو گرانڈ ڈچی کا رتبہ ملا۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد (۱۸۱۶) شاعر کی بیوی کا انتقال ہو گیا جس سے اس کے دل پر بہت صدمہ ہوا اور چند اشعار کہے "اے سورج تو فصول تاریک بادلوں میں سے چمکنے کی کوشش کررہا ہے۔ میرا تمام مایۂ حیات اس نقصان پر سیاہ اور ماتمی ہے۔"

انقلاب فرانس کے زمانہ میں یورپ کی عام بے چینی سے الگ تھلگ رہ کر گوئٹے سائنس ادب اور حسن کاری میں منہمک رہا۔ ادبی کاوشوں میں ایک ناول "انتخابی قسمت" ہے اس کے ساتھ اس نے فارسی اور عربی کی تحصیل کی۔ اور فارسی ادب کا نہایت انہماک سے مطالعہ کیا۔ اور اس کے ہمہ دانی اور ہمہ گیری کے شوق نے "دیوان مغربی" کی صورت اختیار کی۔ یہ حافظ شیرازی کے تتبع میں لکھا گیا۔ لیکن "دیوان مغربی" حافظ کی نقل نہیں۔ گوئٹے اپنی ہر نظم میں ذاتی تاثرات اور تجربات پیش کرتا ہے جسطرح رومن ایلجز میں اس کا کلاسکل لباس میں جرمن خیالات پیش کئے اسیطرح دیوان مغربی میں ایرانی لباس سے مغربی جذبات کو آراستہ کیا گیا۔

سائنٹفک اور حسن کارانہ کاوشیں

گوئٹے شاعری۔ ڈرامہ نگاری۔ ناول اور تنقید میں کمال پر قانع نہیں تھا۔ وہ حسن کاری اور سائنس میں بھی امتیاز کا خواہاں تھا۔ حسن کاری میں وہ نقش نگاری اور رنگ کاری کا کافی مطالعہ کرچکا تھا اور تعمیر کاری سے بھی اسے دلچسپی تھی اس نے ایک کتاب "انکل ان اور اسکا عہد" لکھی اور اس میں اس مشہور جرمن حسن کار کی ستایش کی۔

سائنس میں اسے زیادہ دلچسپی "تاریخ فطرت" سے تھی اس کے علاوہ کیمیا۔ علم مناظر۔ نفسیات۔ تشریحیات۔ وغیرہ سے بھی اسے انس تھا۔ چنانچہ فاؤسٹ کی تصنیف میں اس کے کیمیائی اور سائنسی معلومات مفید ثابت ہوئے۔ اس نے اپنے فطریاتی تحقیقات کو "تقلیب نباتات" صورت میں پیش کیا۔ ایک شاعر کی تصنیف ہونے کے اعتبار سے ابتداً اس کتاب پر اعتراضات ہوئے لیکن بعد میں ممتاز ماہرین نے اسکی اہمیت کو تسلیم کرلیا۔ اشپرنگل نے اپنی تاریخ نباتیات میں اسکی بڑی ستایش کی۔ آج تک طلبائے نباتیات اس کتاب کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ اس نے علم مناظر پر ایک کتاب لکھی جسمیں نیوٹن کے نظریۂ لون کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ گوئٹے عمر بھر سائنسی تحقیقات سے دلچسپی محسوس کرتا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک بڑا سائنسداں بن سکتا لیکن سائنس کے ممتاز محققین میں ضرور اس کو جگہ حاصل ہے۔

عادات وخصائل

اب ہم گوئٹے کی زندگی کے آخری ایام پر پہنچ گئے ہیں اور قبل اس کے کہ اس کو الوداع کہیں اس کے خصائل وشمائل پر چند سطور بے محل نہ ہونگے۔

گوئٹے ایک حسین آدمی تھا اسکی پیشانی کشادہ اور بلند آنکھیں بڑی بھوری اور چمکدار ناک نوکدار اور لانبی۔ منہ بھرا ہوا۔ ٹھڈی اور جبڑے مناسب۔ گردن قوی اور مضبوط تھی۔ وہ متوسط قامت کا شخص تھا لیکن چہرہ پر رعب اتنا تھا کہ اکثر لوگ اسے بہت بڑا سمجھتے تھے اسکا جسم طاقتور اور پرگوشت تھا۔ شلر نے گوئٹے سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر ایک دوست سے اسطرح کیا "..... وہ متوسط قامت ہے۔ اس کا جسم بہت بنا ہوا اور اس کی چال بھی بہت نپی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ کشادہ نہیں۔ البتہ اسکی آنکھیں پرمعنی اور جستجو نگاہ رکھتی ہیں ہر شخص اسکی نگاہوں میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ سنجیدگی کے ساتھ اس کے بشرے سے نیکی اور فیاضی بھی عیاں ہے۔ اس کا چہرہ بھورا ہے بظاہر مجھے وہ اپنی عمر سے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی آواز پسندیدہ اسکی گفتگو دل

(باقی ہو کالم ۲ صفحہ ۲۶)

بقیہ جینی از صفحہ ۷۔

"شومی قسمت سے خالی ہاتھ لوٹنا پڑا"۔ اس نے کہا۔

"موسم کیسا تھا؟"

"بڑا ہی خطرناک"

"مچھلی؟"

"ندارد۔ خیر کوئی ہرج نہیں تم میرے دل سے لگ گئیں۔ بس میں مطمئن ہوں۔ میں ایک بھی مچھلی پکڑنے نہیں پایا اُلٹے اپنا جال توڑ لایا ہوں۔ آج رات کی ہوا تھی کہ شیطان تھا۔ ایک دفعہ تو طوفان میں ایسا معلوم ہوا کہ کشتی ہی ڈوب گئی۔ رسا ٹوٹ گیا تھا، لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کیا کرتی رہیں؟"

جینی کانپ اٹھی۔

"میں" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کچھ نہیں حسب معمول۔ میں روتی رہی اور سمندر کی ڈراؤنی صدائیں سنتی رہی۔ مجھے بڑا ڈر لگتا تھا۔"

"ہاں جاڑا بڑا سخت موسم ہوتا ہے، لیکن کوئی پروا نہیں"۔ جینی نے اسطرح لرزتے ہوئے کہا، گویا وہ کوئی خطرناک قصور کر رہی ہو۔ "سرتاج! ہماری پڑوسن انتقال کر گئی، وہ کل رات میں تمہارے جانے کے بعد ہی مر گئی ہوگی۔ وہ دو بچے چھوڑ مری ہے۔ ایک کا نام ولیم ہے۔ دوسرے کا میگ لین لڑکا بدقت تمام گھٹنوں چلتا ہے۔ اور لڑکی تھوڑا تھوڑا تتلانے لگی ہے۔ بیچاری بیوہ بڑی تکلیف میں تھی۔"

آدمی کا چہرہ فق ہو گیا اس نے اپنی بھیگی ہوئی سمور کی ٹوپی کو ایک طرف پھینک دیا اور سر کھجلاتے ہوئے کہا "ہائے رے کم بختی! ہمارے ہی پانچ بچے ہیں۔ ان دونوں کو ملا کر سات ہو جائیں گے یوں بھی اتنا خراب ہے کہ ہمیں اکثر بھوکے ہی رہنا پڑتا ہے۔ اب بتاؤ کیا کریں؟ لیکن اس میں ہمارا دخل ہی نہیں۔ یہ تو خدا کی حکمت ہے۔ یہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ اس نے ان ننھے بچوں کی ماں کو کیوں اٹھا لیا؟ یہ باتیں سمجھنا مشکل ہے۔ انھیں سمجھانا علماء کا کام ہے کیسے ننھے ننھے بچے ہیں! پیاری جانو، انھیں لے آؤ۔ اگر وہ جاگتے ہوں گے تو اپنی ماں کو مردہ دیکھکر رو رہے ہوں گے۔ ہم انھیں اپنے بچوں کے ساتھ پرورش کریں گے۔ وہ ہمارے پانچوں کے بھائی بہن بنکر رہیں گے جب خدا دیکھے گا کہ ہمیں اپنے بچوں کے علاوہ ایک اور لڑکا لڑکی کی تعلیم پرورش کرنا ہے تو وہ ہمیں زیادہ مچھلیاں عطا کریگا۔ باقی رہا میں، تو آج پانی پیکر ہی رہ جاؤنگا۔ پہلے سے دُگنی محنت کروں گا۔ بس جاؤ اور انھیں لے آؤ! آں، جاتی کیوں نہیں؟ معاملہ کیا ہے؟ کیا تمھیں اس سے فکر لاحق ہوتی ہے؟ تم تو بڑی چھریرے تھیں پہلے تو تمھیں کسی کام میں اتنی دیر نہیں لگا کرتی تھی۔"

جینی نے اپنے پلنگ کے پردے ہٹا دیئے اور مسکرا کر کہا "دیکھو"

(ڈوکر ہیگو۔ از دشتال بھارت)

بقیہ صفحہ (۲۵)

اور جو شیلی ہوتی ہے جس سے سامع کو مسرت ہوتی ہے ..... کہا جاتا ہے کہ بوڑھاپے میں بھی گوئٹے کی جسمانی حالت میں فرق نہ آیا۔

اس کے روزانہ مشاغل یہ تھے۔ وہ تقریباً سات بجے بیدار ہوتا اور گیارہ بجے تک مسلسل کام کرتا رہتا۔ اس وقت چاکلیٹ کا ایک پیالہ نوش کرتا۔ اور ایک بجے تک رہتا۔ دو بجے وہ کھانا کھاتا۔ یہی کھانا دن میں سب سے اہم تھا اس کی بھوک بہت بڑی تھی۔ ناسازی کے دنوں میں بھی وہ دوسروں سے کچھ زیادہ ہی کھاتا تھا۔ پڈنگ مٹھائیوں اور کیک سے بڑی رغبت تھی وہ نہایت ہلکی شراب (رہائن) استعمال کرتا تھا۔ ۶ بجے وہ تھیٹر جاتا یا ملاقاتیوں سے ملتا۔ رات میں آٹھ اور نو کے درمیان کھانا کھاتا اور دس بجے سو جاتا۔ اس کے احباب اور ملاقاتی بہت تھے، وہ بہت مہمان نواز بھی تھا۔ چنانچہ مہینہ میں پچاس پونڈ مسکہ کافی نہیں ہوتا تھا۔ وہ کبھی تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ یوں تو ٹیمر نے اس کی فیاضی کے بہت سے قصے لکھے ہیں، لیکن دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ اسے سوئیزرلینڈ کے سفر میں ایک یتیم سوئس لڑکا ملگیا۔ اس نے اسے اپنی نگرانی میں لے لیا اور اپنے بچہ کیطرح پرورش کرتا رہا۔ ایک مرتبہ ایک مصیبت زدہ شخص نے اس سے امداد کی درخواست کی تو شاعر نے اس کا جواب یوں دیا "یقین مانو کہ تم میرے لیے بار نہیں ہو بلکہ اس طرح مجھے کفایت شعاری کی تعلیم ملتی ہے۔ میری بہت سی آمدنی فضول خرچ ہو جاتی ہے حالانکہ اس سے مستحقین اور محتاجوں کی اعانت ممکن ہے۔" شاعر اس مصیبت زدہ شخص کو عرصہ تک اپنی تنخواہ کا چھٹا حصہ روانہ کرتا رہا۔ اور یہ تمام چیزیں رازہی میں رہیں۔ شاعر کے مرنیکے بعد اسکی ڈائری کے مطالعہ سے اس کا علم ہوا۔

گوئٹے میں جوہر شناسی کا بھی بڑا مادہ تھا۔ وہ رشک وحسد سے بہت دور تھا۔ اس نے اپنے بعض ہم چشم اور حریفوں کی دل کھولکر تعریف کی ہے۔ شیکسپیر اور ملٹن جیسے شعرا نے اپنے کسی ہمعصر کی تعریف نہ کی۔ برخلاف اسکے گوئٹے کی نظر ہمیشہ دوسروں کی اچھائیوں پر رہتی تھی اور جس کسی میں کوئی جوہر نظر آتا وہ فوراً داد دیتا۔ وہ اپنے مقابل کے شعرا شکر، فوس اور ہرڈر کا پرجوش مداح تھا اور نوجوان شعرا میں اسکاٹ، بائرن، ابرائر۔ اور میانزونی کی سب سے پہلے اسی نے قدر دانی کی۔ ہیگل

(بقیہ صفحہ کالم

بقیہ از صفحہ ۵

کون کہتا ہے
کہ یہ جدائی یا تم سے اتنی دور رہنا
میری مرضی سے ہے ؟
میرے لباس میں اب تک تمھارے دیئے ہوئے
عطر کی خوشبو موجود ہے
میرے ہاتھ اب تک تمھارے فرستادہ خط کو
تھامے ہوئے ہیں ،
میری کمر میں دوہرا ڈورا موجود ہے
میں یہ خواب دیکھتا ہوں کہ ان میں دونوں کی
ایک ہی گرہ پڑی ہوئی ہے۔
کیا تم نہیں جانتے کہ لوگ اپنے خستی کو اس
پھول کی طرح چھپاتے ہیں
جو توڑنے کے لیئے بہت نازک اور قیمتی واقع
ہوا ہے۔

ہاں مجھے بتاؤ کہ انسان کو اس سے بڑھکر اور کیا
چاہیئے۔
کہ وہ تنہا ہو اور اپنا جام شراب اڑا رہا ہو ؟
میری خواہش ہے کہ میرے احباب آئیں اور
فلسفہ پر مباحثے کریں
لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ٹیکس لینے والا آکر
اپنا حساب بے باق کرے۔
میرے تینوں لڑکوں نے اچھے خاندانوں میں
شادیاں کر لیں۔
میری لڑکیوں کو اللہ نے نیک اور مستقل مزاج
شوہر عنایت کیئے
اب میں اپنے ساٹھ برس خوش وخرمی کے
ساتھ کاٹ سکتا ہوں
آخر میں مجھے جنت کی کوئی ضرورت نہ ہوگی ؟

اس وادی کے پہاڑوں اور ندیوں کو
تم نے اپنی جولانگاہ اور میدان جنگ بنایا ہے
تم کو کس طرح یقین ہے کہ وہاں کے رہنے والے
تمھارے لیئے خیر مقدمیات زندگی فراہم کرینگے ؟
میں تم کو فکر انگیز خطاب اور ترقیوں کا ذکر
ایک ساتھ کرتے ہوئے کبھی نہیں سنتا ہے۔
کیا تم نہیں جانتے کہ ایک تنہا سپہ سالار کی شہرت
دس ہزار جانوں کی قربانی اور دس ہزار لاشوں پر
منحصر ہے۔

اے اللہ اتنے غریب سردی سے کانپ رہے
ہیں ۔ ان کے لیئے کیا کیا جائے ،
ایک آدھ شخص کو آرام پہونچانا کوئی فائدہ کی بات
نہیں۔
کاش میرے پاس دس ہزار نیٹ لانا ایک
کمبل ہوتا اور میں اس کو شہر کے ایک ایک
گوشے پر اڑھا کر۔
اس کو وقت واحد میں سردی سے محفوظ
کر لیتا ۔

سینکڑوں ماں باپ اپنے بچے کی پیدائش پر
یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ذہین ہو
میں نے اسی ذہانت کی بدولت اپنی دنیا
گنوائی اور اب میں دعا کرتا ہوں کہ میرا لڑکا
جاہل اور غبی پیدا ہوتا کہ وہ وزیر کے
عہدہ پر ممتاز ہو کر
اس امان کی زندگی کا تاج پہن سکے۔
ریشمی تور کا کوٹ ، گرم ٹوپی اور مخمل کے
فرشی جوتے
چھوٹا سا محل ، مغرب کے وقت گرم چولھے
کے قریب چھوٹی کھڑکی میں بیٹھنا
جسم کو آرام ، دل کو اطمینان یہ زندگی کی صبح
ہے ، اب سو میرے اٹھنے کی ضرورت نہیں۔
میں پوچھتا ہوں کہ مغربی شہر کے درباری کو
اس کی کچھ خبر ہے یا نہیں ؟

جو کہتے ہیں وہ کچھ نہیں جانتے ۔
جو جانتے ہیں وہ کچھ نہیں کہتے۔
یہ الفاظ لاؤ دے کے بیان کیئے جاتے ہیں۔
اگر تم کو یقین ہے کہ لاؤ دے
خود کچھ بیت کچھ جانتا تھا
تو پھر اس کی ۵ جزو الفاظ کی
ایک کتاب کس طرح سمجھی ہے ؟

بقیہ صفحہ ( )

(مشہور فلسفی) اور جیوٹے فوس (مشہور منصف) کے
ساتھ اسکی پدری شفقت تھی اور الٰہی تربیت میں اسکا
خاص حصہ رہا۔ جی تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نام محض
اسوجہ سے زندہ رہیں گے کہ گوئٹے نے انکی ستائش
کی ہے۔ گوئٹے کی سیرت وکردار کا تفصیلی مطالعہ یہاں
ناممکن ہے۔ اسکے حالات زندگی کے مطالعہ سے خود
اسکی صفات عیاں ہیں۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ
گوئٹے بہت اچھا آدمی تھا۔

بڑھاپے میں گوئٹے کو شہرت ، عزت۔
دولت سب کچھ میسر تھے لیکن اسکے باوجود وہ
مطالعہ اور کام میں مصروف رہا۔ قدیم شعراء
ہومر اور کالڈران (اسپین) کے مطالعہ کے
ساتھ وہ اپنے عہد کے نوجوانوں کی تصنیفات
بڑے شوق سے پڑھتا تھا۔ اس لیئے لارڈ بائرن کی
مینا نوفرڈ پر تنقید لکھی اور شاعر مذکور کو رکو عہد
انقلاب کی سب سے بڑی پیداوار قرار دیا۔ اسی
اثنا میں وہ فاؤسٹ حصہ دوم کی تصنیف میں
منہمک رہا اور اپنی سوانحعمری کی تکمیل میں مصروف
رہا۔ نومبر ۱۸۲۵ء گوئٹے کے واٹمار میں قیام کی
پچاس سالہ جوبلی منائی گئی۔ یہ خوشی لائپ سک
اور فرانکفورٹ میں بھی منائی گئی۔ انگلستان اور
دیگر ممالک نے اظہار عقیدت میں اسکے پاس
ہدیئے روانہ کیئے۔ جون ۱۸۲۶ء کو شاعر کے
محسن کارل آگسٹ کا انتقال ہوگیا۔ اس نے
کہا "اب میرے لیئے کچھ نہیں رہا"۔ اس نے اپنے
غم کا اظہار نہیں کیا اکثر دل اندر ہی اندر پھوٹ
پھوٹ کر رویا تھا۔ دو سال بعد اسکی چہیتی پوتی
گراٹ ڈوچس کا بھی انتقال ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد
اسکے اکلوتے بیٹے آگسٹ فان گوئٹے کا بھی انتقال
ہوگیا۔ اس صدمہ کو وہ زیادہ برداشت نہ کرسکا۔ اسکی
صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اسکی بیوہ بہو اور
پوتا اسکی دل بہلاتی میں کوشاں رہے لیکن گوئٹے کی زندگی
قریب الختم تھی وہ ہمیشہ اپنا ایک مشہور شعر اور دکرتا رہتا
تھا: "ہاں تھوڑا انتظار کر تجھے بھی چین نصیب ہوگا"۔
بالآخر ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو پیام اجل آپہنچا۔ مرتے وقت
اسکی زبان پر مزید روشنی مزید روشنی تھے۔ گویا اسوقت

نرت اور ہیا فن رقص۔ رقص ایک کیفیت وجدانی ہے جو انسان کو بیساختہ بعض حرکات کرنیکو مجبور کرتی ہے۔ موسیقی میں انکو مصنوعی طور پر اصل کی نقل کرکے تال میں منضبط کیا گیا ہے اور پھر اس میں شاخیں اور شاخوں میں رنگینیاں پیدا کرکے دلفریب بنایا گیا ہے رقص میں جو حرکات سرزد ہوتے ہیں اون میں تمام تر تال کو دخل ہے۔ رقص کے مختلف ادائیں اور انداز ہیں اور ہر انداز رقص کا ایک نام اوس مناسبت کیلئے ہے۔ ان اندازمیں نہایت سلیقہ اور حسن کاری کی ضرورت ہے کوئی فعل ایسا سرزد نہو جو ناسب اور ناگوار ہو۔ اس کی رفتار کو گت کہتے ہیں۔ گت تال میں بندھی ہوتی ہے۔ تال طبلہ یا پکھاوج پر بجتی ہے اسکے ہموزن الفاظ جن کو بول کہتے ہیں گھنگرو ؤں کے ذریعہ پاؤں کی حرکت سے نکالے جاتے ہیں۔ یا اعضائے جسم کی حرکت سے ادا کیے جاتے ہیں ناچ کی گت کا ایک ٹکڑا تشبیلاً درج کردیتے ہیں۔

(تِتَ تَدَ اِدِگ دِگ تِگ دَ اِدِگ تھے اِیْ تَتَ تِتَ تا) مغربی رقص میں تال نہیں بجتے۔ باجوں کے آواز اور راگ پر رقص ہوتا ہے جس میں زیادہ تر لے کو دخل ہے۔ ہندکے رقص میں سازکی مطلق دخل نہیں دیتی۔ البتہ وزن قائم رکھنے کیلئے وقت کی راگ میں لہرا ہو بجاتی رہتی ہے۔ جس کا فقط ایک بول ہے۔ اور شمار۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ دَاِیْن۔ دَاِیْن۔ دَاِیْن۔ دَاِیْن (ان کو زیر الف کو زیر پڑھیئے۔ دَ۔ اِیْن۔)۔ مغربی اور مغرب زدہ اصحاب باہم مل کے خود ناچتے ہیں۔ ہمارے مشرق میں۔ باندکا ال الفز استاد گستاک اپنے کمالات سے محو حیرت بنا دیتا ہے۔ یا اداکار رقاصہ اپنے حسن صورت اور حسن کاری سے دل کو مسخر کرلیتی ہے۔ اس رقص سے چند انداز۔ پری گت۔ ناز گت۔ گھونگٹ گت۔ ٹکٹ گت۔ طاؤس گت وغیرہ۔

پری گت۔ دونوں ہاتھوں کو ایک خوشنمائی کے ساتھ دو جانب پروں کی طرح پھیلا دینا اور پر تولتے ہوئے تال پر رقص کرنا۔

ناز گت۔ کسی دلفریب ادا کے ساتھ رقص کرنا۔

مکٹ گت۔ سر پر دونوں ہاتھ لیجاکے مکٹ (تاج) کے انداز سے سر پر رکھ کے ادائے شانہ سے رقص کرنا۔

طاؤس گت۔ پشواز کے دامن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑکے، طاؤس کی دم کے طرح پھیلا دینا، اور رقص کرنا۔

ہر ایک گت ایک خاص نہج اور خاص انداز اسلوب اور کسی خاص خیال (آئیڈیا) کے تحت تال کی پابندی کے ساتھ ہوتی ہے۔

حکماء ہند کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز تال سے خالی نہیں۔ ستاروں کی گردش موسم کا تغیر و تبدل۔ گھوڑے کی دوڑ۔ بیل کی رفتار۔ انسان کی چال، غرض تمام کائنات کا انتظام تال پر بندھا ہوا ہے چال میں آدمی کے قدم تال پر ٹھہرتے ہیں۔ اگر ایک قدم نزدیک، دوسرا اگر اس سے دور پر تیسرا قدم اس سے کم اور جو تھا قدم ذرا اونچا رکھ لیا جائے تو لوگ دیوانہ کہیں گے۔ اس قسم کے حرکات غیر منظم کا صادر ہوں گے تو حکیم صاحب قلب تجویز کردیں گے۔

بے سُرا گانے والا بھنبھنا جاتا ہے۔ بے تالا نہیں بنتا۔ یہ حسن کاروں کا مقولہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷)

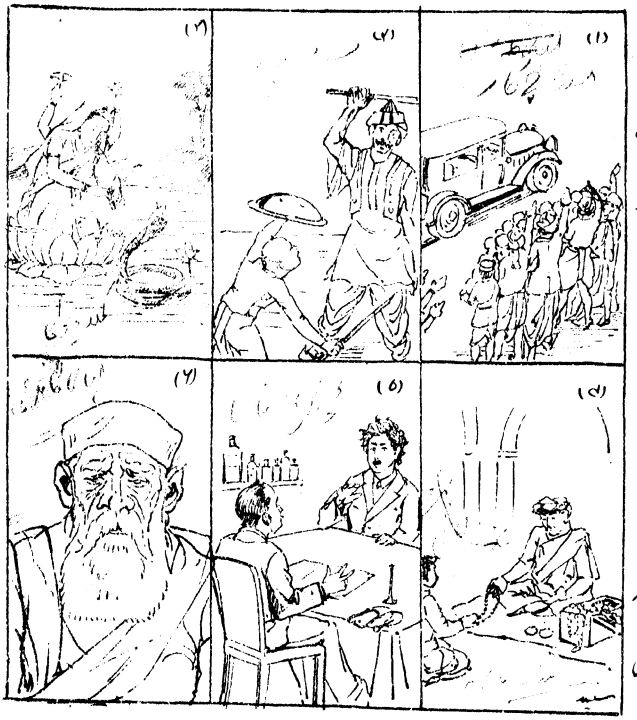
کہا کہ آپ کے دوست واجد اور اصل نواب صاحب کے بھتیجے اور تخت و تاج کے وارث جو ایک زمانہ سے لاپتہ تھے، اس گمشدگی کی وجہ دربار کا ٹھیاوار کی ایک بہت ہی رومان انگیز محبت کی داستان ہے۔ اب تک انکے متعلق صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ یہ مالیات کے فرزند ارجمند علی سے جو ایک شریر النفس شخص تھا کچھ ناچاقی ہوگئی تھی وجہ سے شہزادہ واجد سے نواب صاحب ناخوش ہوگئے جسکی بنا پر اس سال پہلے وہ کاٹھیاوار سے کہیں نکل گئے۔ انکی بہت تلاش کیگئی، جاسوس چھوڑے گئے اور ہندوستان کی تمام شہروں کی پولس ان کو ڈھونڈ رہی ہے۔ انکے جانیکے دو سال بعد شہزادی نجمہ کی جو خاندان کاٹھیاوار کی سب سے حسین شہزادی تھیں شادی ارجمند علی سے ہوئی لیکن چند ہی دنوں میں اس کو دولت سے کاٹھیاوار چھوڑنا پڑا اور شادی کالعدم قرار دیگئی۔ اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد خود شہزادی نجمہ لاپتہ ہوگئیں اور اس وقت میرے لفافے لائے تک ان لوگوں کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔

واقعات دراصل یہ تھے کہ شہزادہ واجد ایک زمانہ سے شہزادی نجمہ سے محبت کرتے تھے لیکن ارجمند اس معاملہ میں انکا رقیب تھا۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر نواب صاحب موخرالذکر کو ترجیح دیتے تھے جسکی بنا پر شہزادہ واجد نواب صاحب سے ناراض ہوکر چلے گئے۔ بالآخر شہزادی نجمہ کا اپنی حقیقی شادی سے پھسلکر راطا تو یہ بھی شہزادہ واجد سے جاکر بمبئی میں ملگئیں۔ ان کی خفیہ شادی ہوگئی لیکن ارجمند انکا دشمن تھا اور جب یکایک ان دونوں کی حیدرآباد میں مٹ بھیڑ ہوئی تو شہزادی نجمہ کو بدنامی سے بچانیکے لیئے شہزادہ واجد نے یہ ایثار کیا ہے۔ فاطمہ شہزادی کی تعلیم لازمہ ہے جو شرمش ماہ ان کو وہ آمدنی لاکر دیتی ہے جو شہزادے کے والدنے ان کے لیئے چھوڑی ہے۔ مجھکو در اصل واقعات کی تصدیق کرنیکے لیئے بحیثیت گواہ رکھا گیا تھا۔ ارجمند نے معلوم ہوتا ہے اس روز ہوٹل تک ہمارا تعاقب کیا اور دوسرے روز واجد سے ملنے گیا۔ آیا تو ان دونوں میں کچھ لڑائی ہوگئی کسی دستاویز پر قبضہ پانیکے لیئے دونوں نے جھگڑا کیا اور واجد نے اس کو نشانہ بنایا۔ غالباً حفاظت خود اختیاری میں۔۔۔ اور غالباً اسکے بعد خودکشی کرلی۔

بیوہ شہزادی نجمہ کاٹھیاوار واپس ہوگئی ہیں۔ ایک دو مرتبہ انھوں نے مجھے لکھا ہے کہ اگر کاٹھیاوار آنا ہو تو ان سے ضرور ملوں۔

لیکن آہ! واجد بڑا اچھا دوست تھا۔ اسکی زندگی پر مایوسی کا غلبہ ضرور تھا لیکن وہ مجبور تھا۔ اس کی زندگی در اصل مایوسی کا مرقع تھی۔ میرے پاس بس ایک تصویر ہے جو خود نواب صاحب نے مجھے بھیجی ہے۔ وہ یہی ایک چیز ہے جو واجد کی یادتازہ رکھتی ہے۔ (ختم)

معمہ لیڈرس



ذیل میں مشہور ہندوستانی لیڈروں کی فہرست دی گئی ہے تصاویر کو دیکھکر یہ معلوم کیجئے کہ کونسی تصویر کس لیڈر کی نام پر موزوں ہوتی ہے۔

(۱) مہاتما گاندی (۲) جواہر لال نہرو
(۳) مولانا شوکت علی (۴) ابوالکلام آزاد
(۵) پنڈت مالویہ (۶) سروجنی نائیڈو
(۷) ولبھ بھائی پٹیل (۸) وٹھل بھائی پٹیل۔
(۹) ظفر علی خاں (۱۰) ڈاکٹر انصاری
(۱۱) سر عبدالرحیم (۱۲) سر جیکر
(۱۳) ڈاکٹر اقبال (۱۴) ڈاکٹر ٹیگور
(۱۵) کملا دیوی (۱۶) کستوری بائی
(۱۷) سر سپرو (۱۸) ڈاکٹر مونجے

اول انعام کو۔ فیانسی دستی گھڑی منجانب حسن کار
سر عبدالقیوم حسن کار
دوم انعام نیسم پیس منجانب حسن کار اور تین ترغیبی انعامات

گذشتہ معمہ کا حل

(۱) سوئیٹی (۲) چاندنی رات (۳) افضل دروازہ
(۴) الوداع (۵) صبح (۶) محراب

ذیل کے ہدایات کی پابندی کیجائے

(۱) تمام حل حسن کار کے مطبوعہ فارم پر نمبروار درج (۲) ایک سے زیادہ کوپن روانہ کئے جاسکتے ہیں۔ کئے جائیں۔ (۴) اس سلسلہ میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط و کتابت نہ ہونی چاہئے۔ ہر لفافہ پر لفظ معمہ (۳) بلدہ کے تمام حل ۷ سرامداد ۴۲ فصلی تک اور اضلاع و بیرون ممالک محروسہ کے حل ۱۰ سرامداد ۴۲ فصلی تک پہنچ جانا چاہئے۔ ہر لفافہ پر لفظ معمہ لکھنا ضروری ہے ورنہ حل کالعدم قرار دئے جائینگے تاکہ دفتر حسن کار پر وصول ہو جانا چاہئے۔ (۵) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

کوپن برائے حل

پہلی کوشش	دوسری کوشش
۱ سر [illegible]	۱
۲ سر سپرو	۲
۳ [illegible]	۳
۴ [illegible]	۴
۵ [illegible]	۵
۶ [illegible]	۶

نام .....
پتہ .....

گذشتہ معمہ کا نتیجہ

اول۔ انعام محمد بشیر الدین صاحب راک لینڈ سیفٹی آباد دوم محمد محسن صاحب دارالشفاء فیانسی دوات قلم
کیمرہ منجانب ابراہیم علی صاحب حیدرآباد فوٹو ورکس کاسٹ منجانب حسن کار۔
سوم۔ سید ذوالفقار علی صاحب گلبرگہ کالج
فیانسی خط و طوطی کاسٹ منجانب حسن کار۔

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بارڈ پوٹریٹ۔ طباعت کی صفائی اور تمام قسم کے کام نہایت ارزاں اور مقابلتاً بہتر ہوتے ہیں:۔

قیوم آرٹ ورکس چھتہ بازار (حیدرآباد دکن)

آپکی کتابیں کہاں چھپتی ہیں

(ایں)

ٹیپ انگریزی، اردو، تیلگو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کیئے سے فراہم کی جاتی ہیں، تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

مقتن پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور رسائل، اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو **کاشانہ بازہ**

(یاد رکھیئے)

"کاشانہ بازہ" بازار گھانی
حیدرآباد دکن

"حسن کار"

کے

مضمون نگاروں سے گزارش

۱۔ براہ کرم مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا جائے۔

۲۔ مضامین مختصر، عام فہم اور جاذب توجہ ہوں جس کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔

۳۔ انشاء اور لب لطیف جدید اصول پر لکھا ہو۔

۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہیئے۔

۵۔ حسن کار ہر ماہ فنی کی تکمیل اور سلجھا کو شائع ہوگا۔ "مدیر"

آر۔ آر

گوپال پرشاد گپتی

بارش شروع ہوگئی

ایسا نہ ہو کہ آپ بھیگ جائیں

واٹر پروف کا

جدید اسٹاک آگیا ہے جو زیادہ ہے اور جدت میں پہلے سے بہتر ہے۔

کہد و خضر سے چشمۂ ظلمات ملگیا
مردہ دلوں کو زندہ طلسمات ملگیا

غریب بھی مجبور پریوں اور امیروں کے محلوں میں ڈنکا بج رہا ہے صبح و شام لندن اور یورپ میں بھی مانگ ہو رہی ہے مجرد ڈاکٹر حکیم ازہار لکھ تحریر کرتے ہیں کہ زندہ طلسمات فی الحقیقت ایک بہترین دوائی ہے۔ علاوہ جگر ڈائجسٹو ٹونک کمزوری اور دق کی مالیخولیا شدہ صورت سے کہیں دور ایسی مجرب اور اطمینان بخش دوا کے خواص نقلی دوا فروشوں کی آمانا جانی غریب جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالنے چاہئے۔ لاکھوں بھکاریوں کی دعائیں ہر قسم کے درد و سانپ کے زہریلے کیڑوں کے زہریلے ٹیکوں میں اپنا اثر دکھاتی ہے غریبوں کیلئے آبحیات ہے۔ اسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔

خط و تار کا پتہ **زندہ طلسمات** حیدرآباد دکن ٹیلیفون نمبر ۶۰۲

جی رگھوناتھ مل بنکر حیدرآباد دکن

کرسٹانڈنٹ۔ ایجنٹ، سرزتھاس کو اینڈ سنس لمیٹیڈ بنکرز برائے حیدرآباد دکن۔

بحری سفر۔ دنیا کے ہر حصہ میں بحری سفر کا اطمینان بخش طریقہ پر انتظام کیا جاتا ہے۔

فان ایکسچینج بروکرز۔ واجبی کمیشن پر بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے علاوہ رات دن کے لئے ڈرافس جاری کئے جاتے ہیں۔

رقومات۔ دنیا کے تمام حصوں میں ذریعہ تار یا ڈرافس رقم بھیجی جاتی ہے۔ ماہانہ رقوم قانونی احکامات کے تحت روانہ کئے جاتے ہیں۔

ضمانتیں۔ اور پرامیری نوٹ۔ تمام قسم کے ضمانت ناموں اور پرامیری نوٹس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کو امانت پر رکھا جاتا ہے اور ان پر خزانہ متعلقہ سے سود حاصل کیا جاتا ہے۔

وظیفہ اور منصب۔ خزانۂ عامرہ سرکار عالی سے حاصل کرکے حسب منشا وصول کئے جاتے ہیں۔ چالو حساب حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور سالانہ تین فیصدی سود دیا جاتا ہے۔

سیونگ بنک۔ حالی و کلدار ہر دو سکہ جات میں بلا فیس کھاتہ کھولا جاتا ہے اور (۲½) فیصدی سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ اور قواعد درخواست کے ذریعہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اور ڈرافس قرضہ دیا جاتا ہے اور چالو حساب میں واجبی شرح سود سے منظور و امانتوں پر ڈرافس کئے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے بنک اور تبادلے کے کاروبار کئے جاتے ہیں۔ کھاتہ داروں کی سہولت کا خاص انتظام رکھا جاتا ہے

ٹیلیفون نمبر ۲۴ تار کا پتہ گمھوری :-



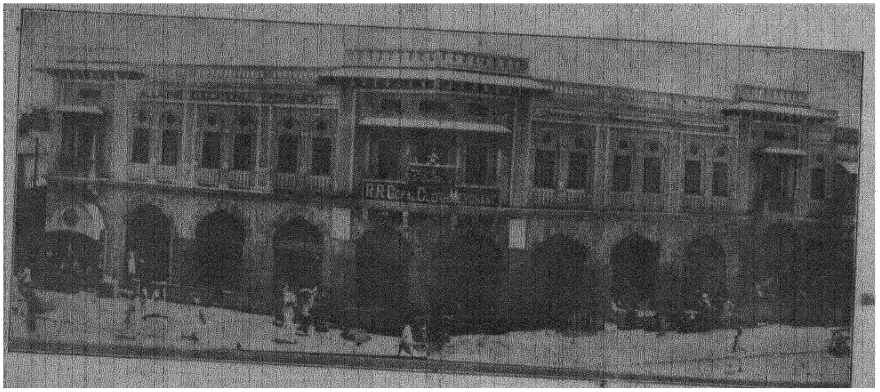
اس کیمرے کو تو آپنے ملاحظہ فرمایا۔ اب ہماری دوکان تشریف لاکر اور مختلف کیمرے اور سامان فوٹوگرافی بھی ملاحظہ فرمایئے

ہر قیمت کی ہے۔ قیمت میں کفایت

حیدرآباد فوٹو ورکس" روبرو گرامر اسکول چادرگھاٹ

ناظرین حسن کار سے

اکثر شکایتیں آرہی ہیں کہ "حسن کار" باوجود پیشہ کے ذریعہ روانہ کرنے کے ایک ہفتے کے پہلے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ہر اس اخبار کساتھ ہے جس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ہو ہم ہزار کوشش کرکے بعد بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ اسلئے ناظرین سے التماس ہے کہ اگر تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر ان کے پاس اخبار نہ پہنچے تو ہم کو اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرا روانہ کرسکیں۔ بلدہ میں بھی دو دفعہ پرچے ہم بذریعہ ڈاک بھیج رہے ہیں (منجانب)



جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا پارچہ فیشن و سیزن کے مطابق
موجود رہتا ہے۔ دام میں فرق ہو تو مال واپس لیا جاتا ہے۔ (تار کا پتہ "کلاتہ")
پتہ **آر۔ آر۔ گوپال** الدین بلڈنگ پتھر گٹی (حیدرآباد دکن) فون نمبر ۵۷۶

LASTING BRILLIANCE

بقعۂ نور۔ روشنی کا معدن قلیلی کا مرکز
یعنی

کرامپٹن لمپس

اپنی اعلیٰ روشنی۔ کفایت۔
ارزانی اور خوشنمائی کی
وجہ سے تمام دنیا میں بلند ترین
مانے جا چکے ہیں باوجود ان
خوبیوں کے برقی طاقت میں کفایت
اسکی خاص خصوصیت ہے۔

Crompton

انٹرنیشنل جنرل اسٹور
۔ وبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ (حیدرآباد دکن)


THE
HUSN KAR
حسن کار
بادارت
A FORTNIGHTLY
URDU JOURNAL
HYDERABAD DECCAN
فرخندہ بنیاد دکن کا نیم ماہی جریدہ حیدرآباد دکن



Bata

وسط یورپ کا خادم آپ کے گھر میں

"باٹا"

پیر کی زینت کا بادشاہ

Bata





جدید ترین طرز آگیا ہے۔ آگیا ہے۔ آگیا ہے بہترین نمونے

براہ راست کارخانے
آپکی خدمت میں





Bata

کفایت، حسن، خوش وضعی، آرام اور پائیداری میں اپنا جواب نہیں رکھتا باٹا۔ وہ جوتے ہیں جو بچے، بوڑھے، جوان کھلاڑی سب کے پسند ہیں۔ تمام دنیا اسکو پہنتی ہے اسلیئے باٹا ارزاں چکت ہے۔

سول ڈسٹریبیوٹرس میسرس حسن اینڈ سنس چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نمبر (۲۲۹) امتحان کردہ دارالتجربہ

زلیخا ہیر آئیل

شوقین طبع معزز حضرات و نفیس طبع محترم بیگمات کے سر میں ڈالنے کیلئے ہمنے زلیخا ہیر آئیل خالص شعنی نارجیل (یعنی کھوپرا) سے تیار کیا ہے اور یہ موسم سرما میں ف میں رکھنے سے جم جاتا ہے! اسکے استعمال سے بال لمبے لمبے سیاہ چمکدار ملائم اور ریشم کے مانند ہو جاتے ہیں قبل از وقت گرتے ہوئے بالوں کی جڑوں کو مضبوط کرتا اور سفید ہونے سے باز رکھتا ہے گرے بالوں کو زیر نو پیدا کرتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور تقویت دیتا ہے خشکی کو دفع کرتا اور درد سر کیلئے بیحد مفید ہے۔ دماغی کام کرنیوالے حضرات اور محترم بیگمات کیلئے یہ ایک درخشندہ ہے ایکدفعہ آزمایش فرما کر امتحان حاصل کیجئے اور پھر ہر قسم کے روغن و ہیر آئیل وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیے قیمت فی شیشی (۴) اونس والی (۸) ہر جنرل مرچنٹ سے طلب فرمائیے۔

دکن کا نایاب تحفہ "برقی قوام عنبری"

رجسٹرڈ شدہ نمبر (۲۲) شوقین معزز حضرات اور نفیس طبع محترم بیگمات کو پان میں کھانیکے لئے ہم نے "برقی قوام عنبری" قیمتی اجزا مثلاً مشک عنبر زعفران ورق طلا نقرہ وغیرہ سے ترتیب دیکر طبی اصول سے تیار کیا ہے خواص میں دل و دماغ کیلئے نہایت درجہ مقوی مفرح ہے۔ قائل نزلہ و زکام اور پرانی کھانسی خراش حلق کو یکایک تازہ کے دفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

مقوی باہ مسک طبیعت میں چستی اعضا میں بدمزگی صفرا کا غلبہ وغیرہ کے لئے پان میں کھانے سے فوحت چستی اور طبیعت میں امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ گندہ دہنی کا دشمن دانتوں کا محافظ ہے۔ پان کیا تھا ملکر ایک لطیف ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے اور دیرپا خوشبو منہ میں باقی رہتی ہے قیمت فی تولہ یکشیشی (۴) نصف تولہ (۸ر)۔

زلیخا ہیر آئیل کمپنی رجسٹرڈ حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نشان سلسلہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	تمدن ہند	مترجمہ مقبول علی صدیقی	۴
۲	شکسپیر کا بچپن	مترجمہ محمد سعید الحق صاحب	۶
۳	نئی پودکی ہر جہتی کونش	مسٹر برگشتہ	۸
۴	لیڈر		۹
۵	حدیث الیوم		۱۰
۶	انگلستان کی ہندوستانی ڈرامہ	از حسن کار	۱۱
۷	معلومات		۱۳
۸	دونوں طرف سے (افسانہ)	منشی پریم چندر	۱۵
۹	ہندوستانی موسیقی اور ہند کے آلات موسیقی	از کیپٹن اعجاز علی شہرت	۲۱
۱۰	نوادجادشین	مترجمہ محمد شرف الدین صاحب	۲۵
۱۱	معمہ		۲۹

یکم شہریور ۱۳۴۲ف م ۲۴ جولائی ۱۹۳۲ء

سیدھا وہی چلتا ہے جو سچا ہے — جھوٹ زہر ہلاہل ہے — سچی بات اکثر کڑوی ہوتی ہے

اگرچہ کہ سچ کی راہیں ٹیڑھی ہیں — مگر اس میں امرت کا مزہ ہے

ہم اس اصول کو پیش نظر رکھکر ۲۴ سال سے آپ کی خدمت میں سرگرم ہیں؛

احمد حسین ولد محمد ابراہیم جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ حیدرآباد دکن

باہتمام مقبول علی صدیقی مہتمم "حسن کار" اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہو کر دفتر حسن کار سٹرکل انصاف گنج حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوا۔ قیمت ۴ر چار آنہ

تمدن ہند مشرق و مغرب

از مقبول علی صدیقی سٹریکٹ یروشلم حسن کار

ہندی تمدن پر بحث کرتے وقت ہمکو تین مختلف طرزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ تین بڑے مذاہب اسلام بدھ مت اور ہندو مت پر مشتمل ہیں جن کا ہندوستان پر عمل دخل رہا۔ اور اس کو اپنی حسن کارانہ یادگاروں سے مالا مال کر دیا۔ گو اس فہرست سے ہندوستان کے ان تمام مذاہب کی جو پہلے یا اب ہندوستان میں موجود ہیں کسی طرح نمائندگی نہیں ہوتی۔ لیکن ان تینوں کا نمایاں حصہ رہا ہے اب بدھ مت کا وجود ہندوستان سے غائب ہو چکا ہے (تاہم برما اور لنکا میں موجود ہے) موجودہ ہند میں تقریباً دو تہائی آبادی ہندوؤں کی اور ایک تہائی مسلمانوں کی ہے۔ ہندو مذہب کی ابتدا کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ لیکن عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ آریائی قوم جو ہندوستان میں آباد ہو گئی تھی وہ بیرونی خانہ بدوش تھے جس کے تمدن کا اثر دیسی آبادی پر پڑا۔ بدھ مت جو ہندو مذہب سے ہی پیدا ہوا تھا اس کی ابتدا پانچسو سال قبل مسیح میں ہوئی۔ اسلام پہلی مرتبہ اٹھوین صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں آیا لیکن گیارہویں صدی عیسوی تک جبکہ دہلی کو پہلی مرتبہ مسلمانوں کے پایۂ تخت بنے کا شرف حاصل ہوا اسلام نے ہندوستان میں کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔

حالیہ شمال مغربی ہندوستان کے علاقے کی اکتشافات سے کم از کم پانچ ہزار سال قبل کی تہذیب کا پتہ چلا ہے لیکن ماہرین آثار قدیمہ اپنی کوئی قطعی رائے نہیں رکھتے کہ وادی سندھ کے یہ بسنے والے دراصل کس نسل کے تھے۔ لیکن یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بابل و مصر اور وادی سندھ کی اقوام میں تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح میں تجارتی اور دائمی تعلقات قائم تھے۔

ہندو اور بدھ مذاہب کے وسیع علوم کا چرچا مغرب میں اٹھارہوین صدی کے اختتام تک نہو سکا اسی لئے ہندوستان کی یادگاروں اور علوم کی تنجیدہ تحقیق و تسلیم کرنے کے لئے اس کے بعد بھی ایک خاصہ عرصہ درکار ہوا۔ موجودہ صدی میں آثاری تحقیق اور کھدائیات کی کھدوائی میں جان مارشل کی عالمانہ اور انتھک کاوشوں کی بدولت بہت کچھ مواد فراہم ہوا ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم کے ہند پر حملہ کرنے سے قبل ہندوستان کی تعمیر کاری اور دیواری رنگ کاری اعلیٰ پیمانے پر پہنچ چکی تھی حسن اتفاق سے چند قدیم مناظر دیواری رنگ کاری کے نمونوں کے ساتھ اب تک محفوظ ہیں جو ایک دو مقامات میں پہاڑوں سے کھود کر تیار کئے گئے ہیں یہ پہاڑی مناظر ہر صورت میں مکمل طور پر میدانی مناظر کے تحقیقی نمونے پر بنائے گئے ہیں گو ان میں سوائے تیر کے کسی دوسری چیز کا استعمال نہیں ہوا ہے تاہم ہر چیز کی نقل بیان موجود ہے حتیٰ کہ لکڑی کی شہتیروں اور سہاروں کی بھی پتھر میں نہایت احتیاط کے ساتھ نقل تراشی گئی ہے۔ پہاڑوں سے برآمد شدہ مندروں میں جنکی ترشوائی تین سو سال قبل مسیح میں شروع ہوئی تھی۔ ہندوی اور بدھ متی دیواری رنگ کاری موجود ہے جو یورپ کی بہترین دیواری رنگ کاری کے مقابلے میں رنگ، نمونہ کاری اور ہم آہنگی میں مسابقت کر سکتی ہے۔

تعمیر کاری

ہندی تعمیر کاری کی تفصیلی بحث موجودہ مقالہ میں ناممکن ہے۔ ہندوستان کا چپہ چپہ خوبصورت مناظر مساجد محلوں اور محلات سے معمور ہے جنوبی ہند کی خاص خصوصیات میں وہ ہندو مناظر شامل ہیں جو متروقی شکل میں تعمیر کئے گئے ہیں جنکی بیرونی سطح کے ایک ایک انچ پر نہایت ہی اعلیٰ طریقہ پر کھود کر نقش و نگار کیا گیا ہے۔

بدھ متی یادگاروں کی صرف کھنڈرات پائے جاتے ہیں لیکن بدھ متی آذری نمونے شمال مغربی سرحد پر کثرت سے ملتے ہیں جس سے صاف طور پر سکندر اعظم اور اسکے جانشینوں کے آور وہ حسن کاروں کا اثر نمایاں ہے۔

جب ہم غور کرتے ہیں کہ یونانیوں کا شمالی ہند پر دو سو سال تک قبضہ رہا ہے تو ہمیں یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ یونانیوں کا کوئی کتبہ یا یونانی حسن کاری کا کوئی خالص نمونہ کبھی پایا نہیں گیا۔ یونانی آذری کے ابتدائی بدھ متی آثار پر خاصے اثرات کے باوجود بھی مشکل اس امر کا پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ آیا ہند وستانی اثر یونان پر ہے۔ یا یونان کا ہندوستان پر مسلمانوں کی وہ عمارات میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اور انکی تعریف عام ہے خاص طور پر دہلی اور آگرہ کی مثل یادگارین ہیں۔ جو سولہویں اور سترہویں صدی کی تعمیریں ہیں ان کو خوش قسمتی سے دوسرے آثار کے مقابل یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ اب تک نہایت محفوظ حالت میں جلی آرہی ہیں جن میں "تاج محل" دنیا کے بہترین تعمیری نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ادب

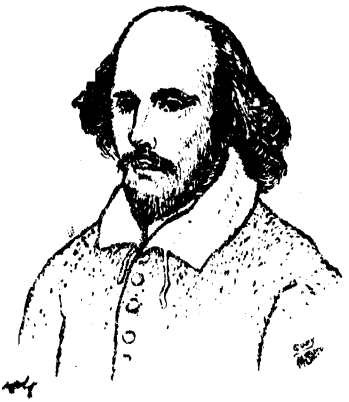
ہندوستان کے علم ادب پر بحث کرتے وقت میں صرف ہندوؤں تک محدود رہونگا۔

ہندوستان کے علم ادب کی قدیم ترین یادگار جو ہم تک پہنچ سکی ہے "رگ وید" ہے جو ان بھجنوں کا مجموعہ ہے جن میں ہندو دیوتاؤں کے مختلف اصنام کی ثنا خوانی اور ان کے کارناموں، عظمت اور فیض بخشی کے تراتنوں پر مشتمل ہیں یا ایسی دعائیں ہیں جس میں قدیم آریائی انہیں مویشیوں اور زندگی فائدے کی پراتھنا ہیں۔ حقیقت میں یہ بھجن مراسم قربانی کے وقت گائے جاتے تھے جبکو "سوما" کہتے ہیں۔

"رگ" "وید" اور ناقابل فہم ہے اسکی شاید یہ وجہ ہے کہ آریادن کے عقیدے میں دیوتا وقت سند تھے تاہم اس میں بعض مقامات پر ایسے حصہ ملتے ہیں جو فطری مشاہدات کے متعلق ہیں۔ یہ مقامات اپنی سادگی گھلاوٹ اور شاعرانہ لطافت کی وجہ سے محسور کن ہیں ان میں سے ایک حصہ کو ہم نمونتاً پیش کرتے ہیں جو رات کی دیوی سے منسوب ہے۔

"رات آرہی ہے اور دیوی نے اپنے لاتعداد آنکھوں سے جھانکنا شروع کر دیا اور اپنے حسن کو اپنے پورے سنگار سے درخشاں کیا ہے"

"لافانی دیوی لامحدود دست رکھتی ہے وہ وادیوں پر محیط بلندیوں پر حاوی اور تاریکی کو نور سے فتح کرتی ہے" (بقیہ صفحہ ۲۸ کالم ۳)



شکسپیر کا بچپن

(ترجمہ)

محمد سعید الحق انصاری

وارک شائر کے ایک تجارتی شہر اسٹریٹ فورڈ آن ایوان نامی مقام کے ایک ستائے بنیوالے کا سب سے بڑا لڑکا ولیم شکسپیر تھا۔ اس کے باپ کا نام جان شکسپیر اور ماں کا نام میری آرڈن تھا۔ جو ایک پڑوسی کسان کی لڑکی تھی۔ اس کی ۲۶ اپریل ۱۵۶۴ء میں بتسمہ کر دیا گیا۔

شکسپیر کی ابتدائی تعلیم اسٹریٹ فورڈ گرامر اسکول میں ہوئی۔ جہاں اس نے کچھ لاطینی اور کسی قدر یونانی زبان سے واقفیت حاصل کی۔ چنانچہ بن جانسن کہتا ہے "شکسپیر تھوڑی بہت لاطینی اور کسی قدر یونانی زبان بھی جانتا تھا"

شکسپیر نے ۱۸ سال کی عمر میں ایک کاشتکار کی لڑکی اینی ہاتھاوی سے شادی کر لی جس کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ چنانچہ قبل اس کے ۲۷ فروری ۱۵۸۵ء میں) پورے اکیس سال کا ہو وہ دو بچوں کا باپ کہلانے لگا۔

۱۵۸۶ء میں اس کا باپ جو اس دیہات میں ایک باوقعت شخصیت تصور کیا جاتا تھا اور کچھ پیسا بھی تھا۔ اپنی منفوضہ خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اسلئے ۱۵۸۶ء میں ہی شکسپیر نے لندن کو ہجرت کی اور وہیں پر ترقی کے مدارج طے کرنا شروع کئے۔ اسی جگہ لارڈ دس لیسٹر لارڈ پمبروک۔ ملکہ الزبتھ اور اس کے بعد بادشاہ جیمس وغیرہ نے اسکی بہت کچھ اعانت کی۔

اس کی آمدنی کو بہت زیادہ نہ تھی لیکن اپنی آمدنی کا ایک حصہ ہمیشہ بچایا کرتا اور اسی سرمایہ سے اسٹریٹ فورڈ میں ایک بہترین نیا مکان خریدا اور دیگر اسباب جمع کیا اور ایک فوجی خدمت کا الاونس حاصل کر کے اپنے بوڑھے باپ کی ابتدائی وقعت و شخصیت پھر سے قائم کی۔

اس کی دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کی شادی کسی تاجر کے ساتھ کر دی اور دوسری کی اسٹریٹ فورڈ کے ایک ڈاکٹر کے ساتھ جس جگہ جا کر اس نے عروج حاصل کیا تھا وہی جگہ اس کا مدفن بنی۔ چنانچہ اسی جگہ ۲۲ اپریل ۱۶۱۶ء کو اس کا انتقال ہوا اور ۲۵ اپریل ۱۶۱۶ء کو اسٹریٹ فورڈ چرچ میں دفن کیا گیا۔ جہاں اب تک اس کی قبر پر ایک کتبہ نصب ہے اور عبادت خانہ میں ایک مجسمہ بطور یادگار رکھا ہوا ہے۔

شکسپیر کو شہرت حاصل کرنے میں گو بہت زیادہ عرصہ لگا لیکن اب وہ علم ادب کا بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے اور [illegible] اہل دماغوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کی انگلستان کے لئے سرمایہ ناز ہے اور شکسپیر کی ایک ایسی ہستی ہے جو انگلستان اور ان اقوام کو جو انگریزی زبان سمجھتی ہیں ایک اتحادی کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہاں تک تو شکسپیر کی زندگی کا مختصر خاکہ ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ شکسپیر یا اسکے ہمعصر لڑکوں کا بچپن کیسا تھا اور وہ کس قسم کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

فرانسز میجر جو اس کا ہمعصر تھا اپنی ایک تصنیف (جس کا نام مدرسہ اور بچوں کو نیک عادات سیکھانے والی کتاب ہے اور جو شکسپیر کی پیدائش سے سات سال قبل ۱۵۵۷ء میں طبع ہوئی تھی اور جس کو ۱۶۱۲ء میں جان برنزل نے اپنے گرامر اسکول کے نصاب کے لئے منتخب کیا تھا) کے صفحہ اٹھارہ پر لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر لڑکا علی الصباح اٹھکر اپنی نماز ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد صاف کپڑے بدل کر مکان کی بالائی منزل سے اتر کر نیچے آتا تھا اور اپنے والدین و دیگر ممبران خاندان کو جو اب سلام کرتا تھا۔ اس کے بعد منہ ہاتھ دھوتا۔ سر میں

ٹوپی کو صاف کر کے پہنتا۔ قمیض کے بٹن لگاتا۔ کمر میں ایک تسمہ کس لیتا اور معمولی پائجامہ پر ایک خاص قسم کا موٹا سا پائجامہ پہن لیتا۔ اور جوتوں کی صفائی کا خیال رکھتا تھا۔ ناک وغیرہ صاف کرنے کے لئے ایک رومال بھی رکھتا تھا۔ اور اگر ضرورت ہوتی تو ناخن بھی کاٹ لیتا۔ اپنے دانتوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتا اور ہوئے میلے کپڑوں کو اکٹھا کر لیتا اور پھٹے پرانے کپڑوں کو خود ہی درست کر لیتا تھا۔

اس قدر فرائض کی انجام دہی کے بعد وہ اپنے بستہ اور کتابوں کی طرف متوجہ ہوتا اور ایک صندوقچہ نما بستہ میں کتابیں۔ قلم دوات اور کاغذ وغیرہ لے کر مدرسہ چلا جاتا تھا۔ راستہ میں جتنے بڑے ملتے سب کو ٹوپی اتار کر سلام کرتا۔ اور مدرسہ پہنچنے کے بعد اپنے استاد کو بھی اسی طرح سلام کرتا۔

اس کے بعد جماعت میں پہنچکر سینے میں سے کتابیں نکالتا اور اپنے اسباق کے یاد کرنے میں کافی محنت کرتا۔ جب مدرسہ برخاست ہوتا تو خوشی خوشی گھر لوٹتا راستہ میں کوئی بیہودہ حرکت نہیں کرتا۔ بلکہ نہایت متانت سے تمام راستہ طے کرتا اور جو کوئی راستہ میں ملتا اس کو ٹوپی کے اشارے سے سلام کرتا۔

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ولیم شیکسپیر جب مدرسے سے اپنے باپ کے گھر واپس آتا تو اپنی نیک عادتوں اور اچھے اطوار کی وجہ سے ایک زندگی پیدا کر دیتا تھا۔

گھر واپس آنے کے بعد اپنے والدین کو نہایت تعظیم سے سلام کرتا۔ اور پھر کھاتے وقت ان کی خدمت بجا لاتا۔ شیکسپیر کے زمانہ میں چھری کانٹے سے کھانے کا رواج نہیں تھا۔ اور تقریباً اس نے اپنی زندگی بھر اس کا استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ انگلیوں سے ہی کھاتا تھا جو قدرتاً انسان کو عطا ہوئی ہیں۔



شیکسپیر کا گھر

اس کے زمانہ میں بجائے مروجہ نفیس نفیس چینی اور شیشہ کی رکابیوں کے لکڑی کے تختہ کی بنی ہوئی رکابی استعمال کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۶۶۹ء میں خود شیکسپیر کے ڈیوک کسمونے انگلستان میں کانٹے اور چمچوں کے استعمال نہ ہونیکی شکایت کی ہے۔

کھاتے وقت لڑکے کے والدین اور دیگر مہمان ایک میز کے گرد بیٹھ جاتے اور کھانا شروع ہونے سے پہلے لڑکا دست بستہ دعا مانگتا کہ خدا میرے والدین اور حاضرین کو ہمیشہ اچھا رکھے۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ کھانا لا لاکر میز پر رکھتا جاتا۔ اور دوران سرپرائی میں اس بات کا خیال رکھتا کہ مہمانوں کے کپڑے وغیرہ خراب نہ ہونے پائیں۔ مزید مہمانوں کے انتظار میں خالی رکابیاں اور ہاتھ پونچھنے کا ایک ٹوکرہ میں ڈالتا جاتا جب نمکین کھانا ختم ہو جاتا تو نمکدان کو بند کر دیتا۔ اور سامنے سے مستعمل رکابیاں ہٹا لیتا اور دوسری صاف رکابیاں رکھ دیتا پورا کھانا ختم ہو جانے کے بعد تمام مستعمل رکابیاں اور ہاتھ پونچھنے کے کپڑے اٹھا کر ایک ٹوکرے میں رکھ لیتا اور صاف کپڑے سے میز کو پونچھکر صاف کر دیتا۔ اور اس کے بعد میوہ۔ شراب۔ مکھن وغیرہ لا کر رکھ دیتا جب ان چیزوں سے فراغت ہو جاتی تو میز پر کا مستعمل کپڑا اٹھا لیتا اور دوسرا صاف کپڑا اچھا دیتا نشست اور لوٹا لاکر کھانے والوں کے ہاتھ دھوتا اور میز اٹھا کر الگ رکھ دیتا اور سب کو سلام کر کے چلا جاتا۔

اپنے بزرگوں اور مہمانوں کے اتنی خدمات انجام دینے کے بعد خود کھانا کھانے بیٹھتا اس وقت بھی وہ اپنی آپ خدمات انجام دے لیتا۔ کھاتے وقت نہ تو ٹوپی اتارتا اور نہ کسی سے گفتگو کرتا۔ شیکسپیر جس وقت کھانا کھاتا تو اس کے ہونٹوں سے نہ تو چیڑ چیڑ کی آواز نکلتی اور نہ کسی قسم کی بدتہذیبی کا اظہار ہوتا۔

کھانے کے دوران میں اگر کئی مرتبہ اپنی انگلیاں اور ہونٹھ رومال سے پونچھتا جاتا ہنستے وقت کبھی اس کے دانت نہیں دکھائی دیئے۔ اور نہ اس میں مسلسل تھوکنے کی عادت تھی۔ بچپن کی ان تمام بری باتوں سے وہ مبرا تھا۔ وہ بہت کم ہنستا اور حتی الامکان نیک خصائل حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔

لڑکوں کے صبح کے ناشتہ یا دوپہر کے کھانے کے متعلق سیجر وغیرہ میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں چائے یا کافی کا رواج نہیں تھا۔ ممکن ہے ہم



شیکسپیر کا تھیٹر

کیڑا لے کر کھڑا رہتا۔ اور کھانے کے دوران میں کئی مرتبہ میز کو صاف کرتا اور بچی ہوئی ہڈیاں وغیرہ

ان وقتوں میں رولی کے ساتھ شراب۔ پانی یا دودھ دیا جاتا ہو۔

اس زمانہ میں مدرسوں میں خوب نرد کوب ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ کا مقولہ ہے کہ "ڈنڈا پیر کا اور ہڈی اپنی" یہاں تک کہ ۱۷۰۰ء میں ایٹن کو ٹرڈ انگلش اسکول کا ہیڈ ماسٹر اپنا ایک نظم میں چار بجے اس کوڑے بازی کا ذکر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:-

"اے طالبعلمو اگر تم نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں یا اسباق کی جانب سے ذرا سی بھی فروگذاشت کی یقین جانو کہ کوڑوں کی بارش تمہاری پیٹھوں پر برسنے لگی"

ڈاکٹر ایف۔ جے۔ فرنس وال ایم۔ اے لکھتا ہے کہ ۱۸۳۳ء میں جب کہ وہ بہت ہی کم عمر تھا اور بمقام سورے ایک خانگی مدرسہ میں تعلیم پا رہا تھا تو اس نے ایک گھنٹہ کے اندر بارہ لڑکوں کی ننگی پیٹھوں پر دو دو تین تین برستے دیکھے جنہوں نے کسی سبب میں صرف دو لفظوں کے معنی نہیں بتائے تھے۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ اسے بھی یہ سزا دی گئی۔ اور اس میں شک نہیں کہ شکسپیر کو مجھ سے بھی کئی گنی زیادہ مار کھانا پڑی ہوگی۔ اس زمانہ میں لڑکیاں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ گو بہت ہی کم زنانہ مدرسہ تھے۔ شکسپیر کے زمانہ میں بجائے زنانہ مدرسوں کے لڑکیوں کی تعلیم خانقاہوں میں ہوتی تھی۔

شکسپیر کو زیادہ تر چڑیا کی آنکھ پھوڑنی شکار کا چلنے۔ تیر نے۔ تیر کمان چلانے۔ اچک بلی سو۔ لو ہاٹ۔ بندوق چلانے۔ ہاکی اور فٹبال کھیلنے سے دلچسپی تھی۔ کرسمس اور نئے سال کے دنوں میں وہ اکثر اپنے شکاری کتوں کے ساتھ جنگل کی سیر کیا کرتا۔ کیونکہ اسے گھوڑے اور شکاری کتے بہت عزیز تھے۔ اور ان کھیلوں کے علاوہ دیہات کی دوسری دلچسپیوں میں بھی حصہ لیتا تھا۔

اس زمانہ میں جس قسم کی بچوں کی شرارتیں ہوتی تھیں ان میں ولیم شکسپیر (جس کے بال کافی کے رنگ کے تھے۔ آنکھیں تیتری تھیں۔ اور گال گلاب کی پتی کی طرح سرخ تھے پوری طرح حصہ لیا کرتا تھا۔ یہ اگر اپنے ہم عمر لڑکوں کو دلچسپ حکایات سنایا کرتا۔ اور یہی اس کا عام کھیل تھا۔

آج کل کے بعض لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ معلوم ہوگا کہ شکسپیر نے اپنے ڈراموں میں بہت کم لڑکے یا لڑکیوں کو پیش کیا ہے۔ صحیح ہے۔ بہت تعداد لڑکے اور لڑکیوں کی پیش ہے اور لڑکوں کو بھی محض اسی خاطر پیش کیا ہے کہ ان سے لڑکی کا کام لیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہر دلعزیز صدی کے لڑکے اس قدر زیادہ مہذب اور ان کے بچے آج کل کے ایسے نہیں تھے۔ اور زمانہ میں وہ نئی پود کی صحیح قدر و منزلت سے واقف نہ تھے۔ اور نہ ان کی معصومانہ خوبیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ شکسپیر کے بہت سے ڈراموں میں بدمعاشوں و گنہگاروں کی ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بچے اور بچیوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر شکسپیر زندہ ہو جائے تو یقیناً وہ اپنے کھیلوں میں لڑکے اور لڑکیوں کا اضافہ کر دے ہم اس زمانہ کی ذہنیت کو موجودہ زمانہ کی ذہنیت کے لحاظ سے نہیں جانچ سکتے۔ اس لئے اس نے جو کچھ کہا اس وقت کے لئے وہی بہتر تھا۔ اور جو کچھ پیش کیا ہے وہ بہتر سے بہتر ہے۔ اس نے اگر اپنے ڈراموں میں لڑکوں کو لڑکی بنانے کی خاطر پیش کیا ہے تو قابل معافی ہے

ختم شد

تبصرہ

رفیق ماہ نامہ چندہ سالانہ (دکھنی) حیدرآباد دکن یہ ماہ نامہ خالص مذہبی خدمت کر رہا ہے اس کا تازہ پرچہ ہمارے پیش نظر ہے جس کے مضامین سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مذہبی پرچہ کا مقصد محض مذہبی اعتقادات کو پیش کر کے صرف ملایانہ موشگافیاں نہیں ہے بلکہ وہ صحیح اسلامی طریقہ کو اس انداز سے پیش کرنا چاہتا ہے کہ اس کامل مہذب کی خوبیوں کو عام کرے اور ایسا مواد پیدا کرے جو مسلمانوں کے لئے نور ایمان اور سلامتی شان حق کے لئے دلیل راہ ثابت ہو اسکے مضامین لکھنے والوں میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو حقیقی معنوں میں مذہبی معاملات میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں ہم جناب مرزا امام بیگ صاحب رفیق کی اس مذہبی کوشش ہر لحاظ سے موجودہ زمانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

رباعی

ہر سمت میں نگاہ شوق پاتی ہے بچ
دوری گویا قرب لاتی ہے بچ
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے بچ
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے

فانی بدایونی

نئی پود کی ہر جہتی کوشش

از

مسٹر برگشتہ

کتب خانہ آصفیہ کی پھاٹک سے گزرتے ہوئے ہمارے ایک دوست نے کہا "بھائی ہم اب آوٹ آف ڈیٹ ہوگئے" یعنے فیشن کی بارگاہ سے راندہ درگاہ ہوگئے انہوں نے یہ خیال چند "نئی پود" کے شاندار نمونوں کو دیکھ کر ظاہر کیا تھا۔ ان کی اس رائے کا جب ہم نے موازنہ کیا تو بالکل ٹھیک پایا۔ ہمارا فیشن یہہ تھا۔ داڑھی صاف کرکے مونچھوں کو دونوجانب سے اس قدر دبائیں کہ وہ چارلی چیپلن بن جائیں سر پر انگریزی بال ہوں جس کی قلم کان کے اوپر بالکل افقی انداز میں رہیں شیروانی کی آستین دراز اور دامن گھٹنوں سے بچے رہے جوتا پیٹرشیپ دوہرا پائجامہ رہے قمیض کے کف ڈبل ہوں جنمیں گنڈیاں لگی ہوئی ہوں اور پان کھاکر سگریٹ پیتے ہوئے اپنی سیکل پر ۴۵ درجہ کا زاویہ بناتے ہوئے شہر کی گلی کوچوں یا میلے ٹھیلوں میں اس انداز سے تفریح کریں کہ ہر ایک کی نظر ہم پر پڑے اور ہم صرف ان کو گھور گھور کر دیکھیں جن کو دیکھنا ہمارا بانکپن سمجھا جائے ہماری نظریں ایسا سر بسیلمانی رہے کہ تیز موٹر کے اندر کی جھلکیاں اسکرین کی دنیا کے ادھیر کا منظر اس خوبی سے دکھا سکے جس طرح اندھیرے میں بلی دیکھا جاتا ہے۔ ہماری قابلیت یہ تھی کہ جہاں کچھ اردو پڑھ سکیں تو خاعری ضرور کریں موقع بے موقع تقریر اور مباحثہ اپنا علمی فرض سمجھیں اور حجت اور تو تو، میں میں، کو ادبی گفتار خیال کریں۔ اور اگر کچھ انگریزی میں دخل ہے تو یہاں سے انگلستان کا جغرافیہ یاد رکھیں عام معلومات فراہم کرکے اس طرح گفتگو کریں کہ ہم حقیقت میں انگلستان پلٹ ہیں اور اگر کہیں کوئی سوٹ ہاتھ لگ جائے تو اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی کو جو چند منتخب جملوں اور محاوروں کا پیرپھیر کے سوائے کچھ نہیں ہے اس انداز سے آلو کی طرح بنا کر بناوٹی انداز میں بولیں جو نہ انگریز سمجھ سکیں نہ ہندوستانی صرف ان کی غایت اتنی ہو کہ ہماری بولی اور تلفظ کے لحاظ سے صاحب لوگوں سے ملی جلی رہے۔

اب ہم اس ذہنیت کا مقابلہ موجودہ پود سے کرتے ہیں اور ان کی ہر جہتی کوشش کو بھی واضح کرتے ہیں جن کو دیکھ کر آپ بھی اندازہ کیجیے کہ ہمارے دوست نے جو رائے ظاہر کی تھی وہ کہاں تک بقول ایک سنگین رقم کے "سرمایہ دار حقیقت ہے"

آصفیہ کتب خانہ کی پھاٹک پر پہرہ دینے والے تو آپ آوٹ ڈیٹ ہی کو دیکھ لیجئے ہم میں ان میں سب سے پہلا فرق یہہ ہوگا کہ ان کی ناک کے نیچے چارلی چیپلن نہیں ہے اور چہرہ بالکل دم کے مرغے کی طرح قتاں اور چمکدار ہے۔ گال دبے ہوئے اور ہونٹ باہر کو نکلے ہوئے ہیں سر پر جو بال ہیں وہ ایک مہینے کی درازی رکھتے ہیں اور تلمیں دونوں طرف ٹوڈرل کی طرح کان تک لٹکتی ہوئی ہیں اگر اس فیشن کو ہم اپنے زمانے میں اختیار کرتے تو یقیناً ہمارے اہل محکمہ ہم پر فکری حجام کا شبہ کرکے آواز لگاتے لیکن چونکہ اب حجام عالیمقام سیالوں کے پر و پر کٹر ہوگئے ہیں اس لیے اب آواز کا ڈر نہیں ہے، اور اس قدیم فیشن کو جدید سینما کے کراکب کی نقل سمجھکر چالو سکہ بنا لیا گیا ہے۔ سر پر ٹوپی ہے لیکن استری سے محض اس لیے بے نیاز ہے کہ علیگڈھ میں استری نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ مجبور ہیں، اور مجبوری کا نام فیشن رکھ لیا ہے۔ شیروانی اونچے کالر اور تنگ بہری دار آستینوں کی، ایک آستین میں ہتیلی برابر دستی لگی ہوتی۔ ڈھیلے پائنچوں کا پتلون نما پائجامہ جو نوکدار جوتوں پر چڑھا ہوا ہے ہاتھ میں دو بالشت کی ایک لکڑی ہیکل پر سہارا دیئے ہوئے کھڑے ہیں۔ گفتگو کے وقت گردن لابنی کرکے ایک طرف جھکتے ہوئے کریں تین چار بل اور چشم دابرو پر گریٹا کاربو کا اتار چڑھاؤ پیدا کرنا ضروری ہے۔ پان نہ یہ لوگ ہرگز نہیں کھاتے، البتہ سیگریٹ دل کھول کر نوش فرماتے ہیں۔ آواز بناوٹی سروں کی کھٹکے دار قہقہہ، اور دوستانی کے ساتھ شاعری کے بجائے مضمون نگاری اور صحافت کا شوق ہے اور شاعری کو "نثر منظوم" یعنی ایسے جملے قرار دینا جنکا مطلب یا وہ سمجھے یا انکی جہات، مثلاً

"اے وہ کہ تو کہاں ہے . . . . . !!
تیرے دم میں دم ہے کیوں ٹک رہا ہے؟
آہ۔ میں تجھ کو دیکھ کر بے قراری کے
ہچکولے کھا رہا ہوں . . . . . ؟"

اسکے بعد ایک دھماکہ اور تمام دنیا کے لیئے سکون اضطراب دریا بے ہوشی پہ شور میں نغمان بے آواز پیدا کر رہی ہے"

انکی انگریزی دانی بھی ہم سے الگ ہے، یعنی یہ ہر مشہور مصنف کا نام یاد رکھتے ہیں ہر بڑے لیڈر کی کمزوریوں کو حفظ کرتے ہیں تاکہ موقع پر کام آئے۔ اور ہر وہ کتاب جسکی شہرت ہو اسکی فہرست مضامین کو یاد رکھکر

بقیہ صفحہ (۲۴)



جلد ۱۲ یکم شہریور ۱۳۴۲ ف م، جولائی ۱۹۶۳ء نمبر ۱

مجوزہ مدرسہ حسن کاری

حکومت آصفیہ ملک کی ایک دیرینہ کمی کو پورہ کرنے کے لئے غور کررہی ہے اور یہ سنا جاتا ہے مستقبل قریب میں سلیم دور کے اس واحد یادگار شہر فرخندہ بنیاد میں مدرسہ حسن کاری کا افتتاح ہوگا۔

اٹھ سال قبل جس وقت موجودہ انجینیرنگ کالج مدرسہ تھا اس وقت بھی ایک غلغلہ اٹھا تھا کہ حکومت ایک مدرسہ حسن کاری کی بنیاد ڈالے گی۔ اور اسی غرض کی تکمیل کے لئے مالی ضائب کے زیر اہتمام طلبۂ کی تعلیم بھی شروع کردی گئی تھی دو تین سال تک ان لوگوں کو آئندہ کی امیدوں پر کام بھی کرنا پڑا تھا اس کے بعد یہ مسئلہ بالکل سرد پڑگیا اور مدرسہ کا قیام خواب و خیال ہوگیا۔

اب اس مدت کے بعد اس تحریک میں پھر سے جنبش ہوئی۔ اور یہ خبریں سننے میں آنے لگیں کہ اب کی بار واقعی ایک مدرسہ کے قیام کی داغ بیل ڈالی جاچکی چنانچہ اس کے لئے ایک صاحب اطالیہ سے فارغ التحصیل موکر آبھی گئے ہیں اور چند طلبہ بمبئی میں زیر تعلیم ہیں جن کی تعلیم قریب الختم ہے۔

ان واقعات کو اگر باور کیا جائے تو امید ہوتی ہے کہ ہماری دیرینہ تمنا اب بر آنے والی ہے۔ اس موقع پر ہم مجوزہ مدرسہ کے متعلق چند باتیں کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ حسن کاری کسی ملک کی تمام تمدنی روایات کی جان ہوتی ہے اور اس کی صحیح ابتدا ہی اس ملک کو اپنے تمدن کے تحفظ اور ترقی میں مدد دیتی ہے ہمارا ملک کوئی ایسی آبادی کا مسکن نہیں ہے جس کے پاس کوئی تمدن پہلے سے موجود نہ تھا اور جو کسی تہذیب سے اب عاری تھی بلکہ اس کے برخلاف ہندوستان کے قدیم اور متوسط ازمنۂ کی تمام علمی جد و جہد کا پنجوڑ ہمارے ورثے میں آیا ہے ہم ان کے محافظ ہیں اور ہمارے ہی ہاتھوں میں ان کی ترقی ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے قدیم روایات کو زندہ اور پائندہ رکھیں ہم جانتے ہیں کہ موجودہ دور نے ہم کو ہر چیز میں مغرب زدہ بنا دیا ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ہم کو اپنی خوبیوں کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔ ایسی حالت میں ہم یہ اندیشہ بجا طور پر کرسکتے ہیں کہ ہمارا مدرسہ حسن کاری بھی اس طوفان سے بچ نہیں سکیگا۔ اس لئے قبل از قبل ہی ہم اس اندیشہ سے آگاہ رہیں اور اپنے مدرسہ کو ایسے اصولوں پر قائم کریں کہ مغرب کی عملی سہولتوں کو افتیار کرتے ہوئے بھی اس مشرقی حسن کاری کو سیکھ کر از سر نو اس میں کمال پیدا کرنا اپنا نصیب العین بنا لیں۔

اس وقت ہندوستان نے خاص پیدا اصولوں پر اپنی حسن کاری پیدا کرلی ہے۔ پنجاب میں چغتائی کی کوشش نے اسلامی ہندی حسن کاری کی راہ ڈال دی۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ حیثیت جانشین تہذیب تعلیہ ہند مسلم حسن کاری کا مرکز اپنے شہر کو بنائیں ہمیں امید ہے کہ ارباب حل و عقد ہماری اس برحق آواز کو قابل شنوائی قرار دینگے۔

ہمارے معاونین کے نام

حسن کار خوش نصیب ہے کہ اس کو اس قدر قلیل مدت میں کافی سے زیادہ معاونین حاصل ہوگئے اور اسکے ساتھ اکثر معاونین نے اپنے ذمے کی رقم ادا کردی۔ اب بہت کم ایسے رہ گئے ہیں جنھوں نے ابھی تک حسن کار کی خدمت کے صلہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ امید ہے جلد اسکی طرف توجہ کی جائے گی اور وی پی وصول کرکے "حسن کار" کو آئندہ خدمت کے قابل بنانے میں مدد دی جائے گی فقط

مہتمم

حدیث الیوم

کالج میں طلبہ کی شرکت ؛ حال ہی میں دکن نیوز نے ایک خبر شائع کی ہے کہ کالجوں میں طلبہ کی تعداد شرکت معین کر دی گئی ہے اس کی رو سے کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ۱۶۰ کلیہ بلدہ میں، ۸۰ کلیہ اورنگ آباد میں ۶۰ اور کلیہ ورنگل و گلبرگہ میں ۳۰، ۳۰ فی کلیہ تعداد شرکت مقرر کی گئی ہے چنانچہ اسی پر عمل شروع ہو گیا ہے

اس خبر کو دیکھ کر ہمیں بہت حیرت ہوئی ہے ہماری حکومت نے جب دیکھا کہ ملک میں اعلیٰ تعلیم کی سخت ضرورت ہے تاکہ حکومت کے ادارے ملک کی دماغی قابلیت کے ذریعہ ملک کے لئے زیادہ مفید ہو جائیں چنانچہ حکومت نے بے دریغ روپیہ خرچ کر کے ایک بہترین جامعہ قائم کیا جو اس قدر قلیل مدت میں نہایت قابل طریقے سے کام کرنے لگا۔ اب ایک مرکزی کالج کے علاوہ طبیہ و انجنیری کالج قائم ہو چکی ہیں جس میں جامعہ کے طالب علم آکر اچھے انجنیر اور قابل ڈاکٹر بن رہے ہیں۔

ایسے زمانہ میں جب کہ ایک طرف جامعہ دن بدن کامیابی کے منازل نہایت سرعت سے طے کر رہا ہے اور دوسری طرف ملک کو ابھی اہل ملک کے قابل دماغوں کی ضرورت اب بھی اسی قدر شدید ہے جیسے جامعہ کے قیام سے پہلے تھی چنانچہ اس کی بین دلیل یہ ہے کہ اب تک اہل ملک کے دماغ تمام بڑی ذمہ دار فرائض کے لئے بتا دئے ہیں اور اسی لئے حکومت آئے دن ملک کے باہر کے دماغی محنت کو حاصل کرنے پر مجبور اپنے کالج میں طلبہ کی تعداد کو محدود کر دینا حیرت انگیز ہے ؛

کلیہ جامعہ عثمانیہ کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ اسی کے پاس موجودہ کرایہ کے مکانات میں اس قدر جگہ نہیں ہے۔ لیکن یہی عذر کلیہ بلدہ کی عالی شان عمارت پر صادق نہیں آسکتا۔ اہل اضلاع کی کالجوں کے کسی طرح یہ شایان شان نہیں ہے کہ اس قدر شاہ خرچی کے بعد بھی صرف ۳۰، چالیس لڑکوں پر اپنی زندگی قائم رکھیں ؛

اگر ہم موجودہ تعلیم کو اس تعداد کے لحاظ سے غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر لحاظ سے یہ بندش قابل غور و فکر ہے۔ اس وقت میٹرک میں جملہ جامعات کی تعداد کو ملا کر آٹھ نو سو طلبا بیٹھتے ہیں ہر سال کامیاب ہوتے ہیں اور شرکت صرف ۳۵۰ کی ہو سکتی ہے ایسی صورت میں ایک بڑی تعداد کا اعلیٰ تعلیم سے محروم ہونا لازمی ہے جو موجودہ قحط الرجال حالت میں ملک کے لئے ایک بڑا نقصان ہے دوسرا یہ کہ جب جامعہ عثمانیہ کے علاوہ فنون کے اعلیٰ جماعتوں کے کلیہ طب اور انجنیری اور مستقبل قریب میں دوسرے کارآمد شعبوں کے کلیات قائم کر رہا ہے تو اس طرح اسی قدر قلیل تعداد تمام شعبوں کو ان کے اخراجات کے تناسب کے لحاظ سے کافی ہو سکے گی ؛

ان حالات کے پیش نظر یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ارباب جامعہ پر ایک بار اسی پہلو نظر ثانی کر کے موجودہ قید و بند کو اٹھا دے اور ملک کی اعلیٰ تعلیم کے درمیان سے اس غیر متوقع سد راہ اٹھا دئے ؛

مغلیہ شہزادی کی تصویر دیکھکر

قصر شاہی پہ نظر ہے مری اے شمس و قمر ؛ گھول دو اپنی شعاعوں میں مرے تار نظر
جوہر خون شفق، سرمہ چشم اختر ؛ دیجو اے صبح مجھے پیر فلک سے لیکر
اپنے دامن میں چھپائے ہوئے مہتاب آیا
دیکھنا بام پہ خورشید جہانتاب آیا

نازنینان حرم کا مہ تاباں نکلا ؛ عشوہ و ناز حسیناں کا گلستاں نکلا
چمن شاہ کا اک سرو خراماں نکلا ؛ جلوۂ ناز سے خورشید گریباں نکلا
شاہزادوں کے دلوں کی جو تمنائی ہے
بیکسی پر آج وہی زلف سیہ آئی ہے

ہے ترا نور جبیں، اختر تصویر عشرت ؛ ہے تری چشم سیہ پردۂ نور عصمت
تیری انگشت حنائی رگ خون الفت ؛ نقش رفتار ترا دامن مخمور دولت
شعلۂ حسن جگر گوشۂ سلطان دیکھو
جلوۂ نور سحر آتش دامان دیکھو

دل کو تھامے ہوئے چل مجھے اے خورجہاں ؛ ہو رہا ہے مجھے ہر ذرے پہ جنت کا گماں
دیکھ لے چشم فلک شوکت و شان انساں ؛ پردۂ خاک میں انوار الٰہی ہیں نہاں
شاہزادی نے کئے دل میں جو طوفان برپا
حسن و الفت ہیں اسی چشمے کے گنگا جمنا

بانی۔ ایم۔ اے



انگلستان کا ہندوستانی ڈرامہ

"کرما"

از "حسن کار"

کرما کے متعلق آجکل اخباروں میں بہت کچھ شور مچا ہوا ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ڈرامہ بالکلیہ ہندوستانیوں کا تیار کردہ ہے، اسکے اداآموز اور اداکار ہندوستانی ہیں اور ان کو ہندوستان کی موجودہ دو زبانوں میں تیار کیا گیا ہے یعنی ہندوستانی اور انگریزی۔ اس ڈرامہ کی ہیروین مشہور آفاق شاعرہ ڈاکٹر بندرناتھ ٹیگور کی بھتیجی شمس دیوی نکارانی ہے اور ہیرو کا نام مسٹر ہیمانسو رائے ہے جو اس ڈرامہ کے اداآموز میں بھی تھے۔ مسٹر رائے اس سے پیشتر شیراز وغیرہ ڈرامے تیار کر چکے ہیں۔ اب یہ پہلا متکلم ڈرامہ تیار کیا ہے۔ اسکے بیرونی مقامات ہندوستان میں تیار ہوئے ہیں اور پتاب گڑھ واقع سندھ کے مناظر حاصل کئے گئے ہیں۔ اندرونی تصاویر اور "گوزاپس" تصویر خانے، اسٹول اسٹوڈیوس کریکل وڈ انگلستان میں لی گئی ہیں۔ کرما کا انگریزی فلم لندن میں دکھایا جا چکا ہے اور چھ ہزار سے خراج تحسین اسکو حاصل ہوا۔ اب گول میز کانفرنس نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ ہندوستانی اپنی اپنی علاقہ زبان کے علاوہ اپنے آقاؤں کی زبان کو اس انداز سے بول سکتے ہیں کہ خود انگریز حیران ہو جائیں۔ کرما کے ہندوستانی اداکاروں میں اکثر وہ ہیں جنھوں نے انگلستان میں تعلیم حاصل کی ہے۔ انکی شاندار فہرست ایجاد وہ ہیرو ہیروین کی بڑی شخصیتوں کے مہاراجہ برودان کی صاحبزادی بھی ہیں جنھوں نے اس ڈرامہ میں رانی کا پارٹ ادا کیا ہے جو انکیلئے بالکل فطری چیز تھی۔

سب سے پہلے ڈرامے کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہوئے ہیں ان کو یہاں درج کر دیتے ہیں بقول مسٹر رائے کہ "یہ پہلا ڈرامہ ہے جس نے مغرب کو مشرق کی موجودہ ذہنیت تہا کر یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ مشرق و مغرب کے بسنے والے انسان اپنے احساسات اور جذبات کے لحاظ سے ایک ہیں۔ ڈرامہ کا حصہ قدامت پسند اور ترقی پسند ی کی کشمکش کی داستان ہے جس میں راجہ قدامت پسند ہے اپنے راجکمار جو ترقی پسند ہے ایک دوسرے کے مد مقابل ہے راجہ قدیم روایات تعصبات کو چھوڑنے کا مخالف ہے۔ راجکمار ان کو توڑنا اپنی ترقی کے لیے ضروری سمجھتا ہے



اسی کے متوازی ہیروین کی ریاست کی رانی ہے جبکی راجکماری اس قصہ کی ہیروین ہے۔ قدیم خیالات اور نئی نسل کی کشمکش آفرینش انسان سے چلی آرہی ہے اس زمانہ کی ترقی پسند آئندہ نسل کے قدامت پرست ہیں۔ اور یہ کشمکش ابدی حیثیت رکھتی ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ قصہ برمحل کہا جاسکتا ہے اور باوجود قدیم ہندوستان کی نشانیوں (دریاستوں) میں اسکا پلاٹ رہنے کہ یہ ڈرامہ عام تاریخی ڈراموں سے ہٹ کر ایک نئی راہ ہندوستانی فلم سازی کے لیئے پیدا کررہا ہے۔ ایک اور خصوصیت اس ڈرامہ کی یہ ہے کہ اس نے انگلستان میں رہ کر یہ سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ اردو ہندی دو الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی زبان ہندوستانی ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے علاوہ تمام ہندوستانی بسنے والوں کی زبان ہے اگر اس ڈرامے کے مکالمے سے بھی یہ قومی کوشش ثابت ہوگئی تو ہم یہ کہہ سکینگے کہ سنسکرت اور ہندی کی لڑائی سے چلنے کیلئے یہ ڈرامہ خضر راہ ہوگا۔

اب ہم اس ڈرامہ کے مختلف کرداروں پر نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے اداآموز مسٹر ہمنسو رائے آتے ہیں جنکی کوششوں کا یہ ثمر ہے۔ انھوں نے اس ڈرامہ کو تیار کرکے خود اداآموزی کا فرض ادا کیا اور ہیرو کا پارٹ بھی کام کیا۔ یہ ایک وقت ان دونوں کاموں کو کامیابی سے پورا کرنا بڑی قابلیت کی دلیل ہے۔ مسٹر رائے اس سے پہلے "شیراز" تیار کرچکے ہیں جس کو پورا کرنیکے لیئے ان کو تمام ہندوستان پھرنا پڑا۔ اب شاہجہاں کے جلوس کو تیار کرنیکے لیئے اُن کو اودھے پور، دیتیا وغیرہ پھرتے ہوئے کولاپور آنا پڑا۔ شاہجہاں کے فلم نواز راجہ نے انھیں اس جلوس کا سامان فراہم کیا۔ مسٹر رائے کی شہرت اور علمی جد وجہد دونوں کرنا میں مفید ثابت ہوں گے۔

دوسرا کردار ہیروین کا ہے۔ مس دیوکا رانی ہندوستانی فلم میں ایک نیا اور کارآمد اضافہ ہے۔ مس رانی کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا سر گنیندر ناتھ ٹیگور کے مدرسہ



کرما کی ہیروین
مس دیوکا رانی

شانتی نکیتن میں ہوئی، جو صحیح معنوں میں موجودہ بنگال کے حسن کاری کا مہد اول ہے یہاں سے وہ انگلستان گئیں، جہاں کئی برس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فلم کا کام سیکھنے کے لیئے اوفا کمپنی (جرمنی) پہنچگئیں سکے بعد ہندوستانی رقص اور موسیقی کا مظاہرہ کرنیکے لیئے انھوں نے ایک جماعت کے ساتھ تمام یورپ کا دورہ کیا۔ اب پہلی مرتبہ کرما میں اسقدر اہم کام کیا ہے۔ انھوں نے ایک مضمون ہندوستانی خاتون اور فلم کاری پر لکھا ہے اور یہ بنانیکی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی تہذیب ابھی تک اسکو قبول کرنے کے لیئے تیار نہیں ہے کہ اچھی لڑکیاں گانے اور ناچنے کا فن اختیار کریں۔ اور انھوں نے اس فن کو اپنے لیئے منتخب کرکے ہندوستان کی فلم صنعت میں تعلیم یافتہ خواتین کے لیئے راہ پیدا کردی ہے۔

مس دیوکا رانی، اپنے فن میں باقاعدہ مہارت پیدا کرچکی ہیں جبکی ابتدا مدر سہ ٹیگور کی شانتی بھری فضا میں ہوئی تھی اور تکمیل اوفا کمپنی میں ہوئی۔ جہانتک اخباری تنقید پر اعتبار کیا جاسکتا ہے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ مس رانی نے اپنی اداکاری سے ایک نئے درخشاں اختر کا ہندوستانی فلم صنعت میں اضافہ کیا ہے۔

اس ڈرامے کے مکالمہ نویس مسٹر دیوان شرر، ہیں، جنھوں نے راجہ کی اداکاری بھی کی ہے۔ دیوان شرر، کافی مشہور ہیں۔ ان کا نام ہندوستانی فلم کے سلسلے میں پہلے ہی سے خاصی آواز رکھتا ہے۔

ان سب کے علاوہ اس ڈرامہ میں مہاراجہ بروڈا کی صاحبزادی نے بھی کام کیا ہے۔ ایک اعلیٰ رئیس کی لڑکی کا اس صنعت میں عملی حصہ لینا ہندوستانی فلم کے لیئے ایک خوشگوار فضا پیدا کریگا۔

اصل فلم کے متعلق اسوقت ہم کوئی رائے قائم نہیں کرسکتے جب تک کہ وہ ہندوستان میں آکر عام نہ ہوجائے فی الحال متکلم میں خاکہ ہی اور خاموش میں شیراز، ایسے ڈرامہ ہمارے سامنے ہیں جنکو دیکھکر محض اخباری تعریف وتوصیف اور بڑے بڑے ناموں کی بھرمار سے کوئی اچھی توقع ہی رکھنا لازمی شئی نہیں سمجھتے۔

معلومات

چوہدتی کا استعمال مضر صحت ہے

جرمنی کے ایک ڈاکٹر نے چوہدتی کے استعمال پر تاریخی فنی اور طبی نقطہ نظر سے نہایت مفصل بحث کی ہے جس میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ چوہدتی کا استعمال مضر صحت ہے۔ جو لوگ کوئلے کے عادی نہیں ہیں ان کے پھیپھڑے اور صحت اچھی رہتی ہے۔ ڈاکٹر ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگر پھیپھڑے میں کالک جمع ہو جائے تو پھیپھڑے کی عادت ہے کہ اسے جمع ہونے دیتا ہے مگر جب اسے چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ عادت صحت کے منافی ہے۔

کتے پر عمل جراحی اور لوزتین کا انقطاع

امریکہ کے شہر ڈینور میں ایک لیڈی ہیں جن کا نام مسز گرائے ہے۔ مسز موصوف نے بچپن سے ایک کتے کو بڑی محبت سے پرورش کیا ہے اور اس پر بیٹی کی طرح شفقت کرتے ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے یہ کتا بیمار ہوا تو کئی ویٹرنری ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا اور تحقیق و جستجو کے بعد معلوم کیا کہ مرض لوزتین کے ماؤف ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ اس کا اطمینان کر کے ایک ڈاکٹر نے عمل جراحی سے کتے کے لوزتین نکال دیئے۔ یہ آپریشن بالکل دریائی تھا جیسا انسان کے لوزتین پر کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے آپریشن کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا کہ چونکہ کتے آدمیوں ہی کے ساتھ بسر کرتے ہیں اور انہیں کے کھانے پینے میں شریک ہیں اس لئے آدمی ہی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کا آپریشن بھی آدمی ہی کی طرح ہونا چاہئے تھا۔

خوابوں کے متعلق عادو شمار بعض خوابوں کی روئداد

(ہوتے ہیں)

فرانس کے ایک عالم نفسیات نے مردوں اور عورتوں کے خوابوں پر تحقیقات کر کے جو اعداد و شمار مرتب کئے ہیں اور علماء کہتے ہیں ۶۰ فیصدی مرد جب سوتے ہیں تو عموماً خواب دیکھتے ہیں ۱۰ فیصدی مرد ہمیشہ تو نہیں مگر اکثر خواب دیکھا کرتے ہیں جو عورتوں کے متعلق ان کا بیان ہے لیکن ۴۰ فیصدی خوابیں بہت زیادہ خواب دیکھتی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ خواب دیکھنے والی عورتوں کی تعداد خواب دیکھنے والے مردوں سے دوچند ہے۔

خواب کے متعلق عالم موصوف کی رائے ہے کہ ہم خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ تقریباً ہم پر روزمرہ گذرنے والے حادثوں کا عکس یا تاثر ہوتا ہے۔ ایک انگلستانی عالم نے بھی بیان کیا ہے کہ ہمارے خوابوں کا (۹۰) فیصدی حصہ موروثی ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے یہ نظریہ جن مشاہدات پر قائم کیا ہے منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک ۱۷ سالہ کے نوجوان کو ٹائیفائڈ بخار میں مبتلا پایا۔ یہ نوجوان بدحواسی کی حالت میں ایک فربہ اور سیاہ رنگ جسم کو دیکھا کرتا تھا جو اس کے پلنگ کے پاس آتا اور اسے نظر میں جما کر دیکھنے لگتا تھا۔ بعد ازاں خاوی عالم نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ نوجوان کا باپ بھی یہی خواب بہت دیکھتا اور اس سے ڈرا کرتا تھا۔

سائبیریا میں سونے کی کانیں

سونے کے لحاظ سے سائبیریا دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ملک ہے۔ اس کے جواہرات زمین میں دفن ہیں ان کا اندازہ ۴۰ ارب ۵۴ کروڑ ٹن (۵۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ کیلوگرام) کیا جاتا ہے۔ مگر دنیا سے سونا برآمد کرنا بہت دشوار ہے۔ اس کی نوع کی زمین دلدار برف کی چٹانوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ سونے کے پتہ لگانے اور کانوں کو کھودنے کے لیے ان چٹانوں کا دور کرنا ناگزیر ہے۔ علاوہ ازیں وہاں کی موسمی حالت بھی بہت سخت ہے اور کھدائی کے آلات خود اور مزدور وغیرہ کے لئے سائل میسر نہیں ہوتے۔ ریل اور موٹر کی سڑکیں بھی نہیں ہیں اور سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ وہاں کا مزدور مفلوک الحال ہے اگر کوئی شخص سونا کانکالنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو وہ اپنی جان کو بالکل غیر مطمئن پاتا ہے کیونکہ فعل، غارت کا خطرہ ہر وقت دامنگیر رہتا ہے۔

سمندروں کی گہرائی

مشہور ہے کہ سمندر کا سب سے زیادہ گہرا حصہ "تسکارورا" ہے جس کی گہرائی (۹۰۰۰) میٹر ہے۔ اب حال ہی میں ایک اور سمندر عمیق حصہ کا پتہ لگایا ہے جو شمالی جاپان کے قریب کوریل کے پاس واقع ہے۔ اس سے واضح ہے کہ سمندر کا عمیق حصہ سطح زمین کے سب سے زیادہ اونچے پہاڑ کی بلندی سے زیادہ ہے کیونکہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ بلند چوٹی کی بلندی (۲۹۰۲) میٹر ہے۔

اغراض حسن کے لئے ایک نئی ایجاد

اہل امریکہ اس کے شائق ہیں۔ ہفتہ میں ایک بار یہاں کے فلمی ستارے دنیا بھر کے فلمی ستاروں سے ملتے رہتے ہیں اسلئے وہ مقابلۂ حسن کے نئے نئے پہلو سوچتے رہتے ہیں اسی سلسلے میں ہالی وڈ میں جسے دنیائے سینما کا سب سے بڑا مرکز کہنا چاہئے ایک مقابلۂ حسین عورتوں کا ہوا

ایک مصری ڈاکٹر کا اہم انکشاف

بچھو کے زہر کا تیکہ

مصر میں بچھو کے کاٹنے سے اکثر اموات ہوتی رہتی ہیں خصوصاً دیہاتی علاقے مصر کے باشندے اس مصیبت سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں۔ گو یہ لازمی نہیں کہ وہاں کے لوگوں کو جیسے بچھو کاٹے وہ مر ہی جائے مگر یہ تو اچھی طرح مشاہدے میں آچکا ہے کہ وہاں کا بچھو نہایت زہریلا ہوتا ہے۔ بچوں کی تو بڑی تعداد بچھو کے ڈنک کا شکار ہو کر دنیا کو خیرباد کہہ دیتی ہے اور بوڑھوں اور کمزور جسم والوں کا بھی یہی انجام ہوتا ہے گویا ان کی طبائع اتنے سخت زہر کی مدافعت سے بالکل قاصر ہو جاتی ہیں۔

ان خوفناک حوادث کو دیکھ کر ڈاکٹر علی توفیق شوشہ بک مدیر معمل ہائے محکمہ صحت نے بچھو کے زہر کی اسکی ماہیت و حقیقت اور اثرات وغیرہ پر تحقیقات شروع کر دی تا کہ اس تحقیقات کے بعد ممکن ہو تو اس سے محفوظ رہنے کا کوئی ایجاد کر لیں۔ ڈاکٹر موصوف اس تحقیقات و تجربے میں پندرہ سال سے مصروف ہیں۔ اس دوران میں انہوں نے دیکھا کہ اکثر اشخاص اپنے آپ کو بچھو سے کٹوانے کی عادت ڈالتے ہیں اور خوفناک عمل کو اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ بچھو کے کاٹنے سے انہیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہو۔ یعنی معالجت کے اصول پر جب ان پر بچھو کا زہر اثر نہیں کرتا اس وقت اس مشغلے کو چھوڑ دیتے ہیں اس عمل کی ابتدا نہایت چھوٹے بچھو سے کٹوا کر ہوتی ہے جس کا اثر قدرے درد اور بخار کی سی کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے اور چند گھنٹوں کے بعد آرام ہو جاتا ہے بعد ازاں اس سے بڑا بچھو لے کر اس سے کٹواتے ہیں۔ اب اس کا زہر اتنا اثر نہیں کرتا جتنا عمر و جسامت کے لحاظ سے ہونا چاہیئے تھا۔ غرض قدرتی قوت مدافعت بڑھتی جاتی ہے اور کچھ مدت کے بعد بڑے سے بڑے بچھو کا ڈنک بھی اثر نہیں کرتا۔ ذہن اس مشاہدہ سے ڈاکٹر صاحب کا

"ایسے سیرم" کی ایجاد کی طرف منتقل ہوا جو انسان کو بچھو کے زہر سے محفوظ رکھنے کو ہو۔ اس موذی کے ڈسنے سے اتفاقیہ مصر میں جو بے تعداد اموات بچوں اور ضعیف لوگوں کی ہوتی رہتی ہیں ان کا انسداد ہو جائے۔

اس رائے کو قائم کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بچھو کے زہر کے اثرات و تاثیر کی آزمایش شروع کی۔ اگر اس سلسلہ میں سب سے بڑی اہم تجربات کی تھی کیونکہ انسان کو اس خطرے کا نشانہ بنانا دشوار تھا۔ جب کوئی تیکہ وغیرہ ایجاد کیا جاتا ہے تو عموماً حیوانات پر تجربہ کیا جاتا ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے خرگوشوں پر تجربات شروع کئے۔ کئی سال کے متواتر محنت و آزمایش کے بعد نتیجے میں کامیاب ہوئے اور ۱۹۲۸ء سنہ میں طبیہ کالج مصر کی صد سالہ جوبلی میں اس کا اعلان کیا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اب تک کی جد و جہد سے خرگوش اور دوسرے حیوانات مثلاً کتے وغیرہ بچھو کا ڈنک بلا تکلیف برداشت کرنے لگے ہیں اور اب ان پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یہ کامیابی بجائے خود اچھی تھی لیکن حصول مقصود کے لئے کافی نہیں تھی کیونکہ اصل مقصد بچھو کے زہر سے انسان اور حیوان کو یکساں طور پر محفوظ رکھنا تھا جو ابھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

اس کے بعد پھر ڈاکٹر صاحب نے اپنے تجربات کو وسیع و کامیاب تر بنانے کی کوشش کی اور آخر بچھو کا مصل Serum تیار کر لیا جب پچکاری کے ذریعہ سے اسے خرگوش کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے تو خرگوش پر بچھو کے ڈنک کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ کامیابی گویا آئندہ کامیابی کی زبردست تمہید ہے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آئندہ جملہ حیوانات کو بچھو کے زہریلے ڈنک سے مامون محفوظ رکھنے کی اچھی صورت پیدا ہو جائیگی۔

ڈاکٹر شوشہ بک کا یہ اکتشاف مصر میں بہت قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ مگر ابھی اسے پوری کامیابی نہیں ہوئی ہے کیونکہ اصولاً کامیابی غیر مشتبہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے ملک سے اپیل کی ہے اگر کچھ حضرات اس اکتشاف میں کام کرنا چاہیں تو وہ بخوشی کریں۔ اس تیکہ کو کامل اطمینان کے بعد بنی نوع انسان کے افادہ کے لئے عام کر دیا جائے گا۔ سانپ کے مصنوعی زہر کا جو طریقہ اقتصائے سنہ کے باشندوں میں رائج ہے اسکی مثال دے کر اطمینان دلایا ہے کہ اس میں جان کا خطرہ نہیں ہے تاہم جو لوگ اپنے آپ کو تجربات کے لئے پیش کریں وہ خالی حوصلہ ہوں اور ایثار و خدمت انسانیت کا مخلصانہ جذبہ رکھتے ہیں۔

مصری اخبارات سے اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے اعلان کے بعد وہاں کے کئی جوانمرد دل نے اپنے نام اس اہم کام کے لئے پیش کئے ہیں۔ توقع ہے کہ سائنس اور طب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جلد ہی اس مفید ایجاد کی کامیابی کا مزید حال معلوم کر سکیں گے۔ (سائنس)

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳) کالم (۳)

چونکہ یہ بات مقبول و پسند سمجھی جاتی ہے اسلئے ایک امریکن نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جو ضد و ختنا میں مصنوعی چہرہ سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ یہ آلہ اس کا چہرہ پر لگا لیا جاتا ہے۔ اس میں سوئیاں لگی ہوتی ہیں جو رخسار و ٹھوڑی دونوں جانب نہایت لطیف جوف پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ جوف بالکل اصلی گڑھے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ سوئیوں کے اس عمل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی نہ زخم ہوتا ہے جس کی یہ مصنوعی ادا پیدا کرنے والیاں جب سو کر اٹھتی ہیں اور مصنوعی چہرہ کا نقاب اتار کر آئینہ دیکھتی ہیں تو اپنے رخسار پر یہ کامیابی کا نشان دیکھ کر مسرور ہوتی ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ مسرت ایک دن اور ایک رات کے کچھ حصہ سے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے صرف مقابلے کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ اگر اس سے زیادہ پائیداری مطلوب ہو تو اس مصنوعی چہرہ کا ہر دات کو استعمال کرنا لازمی ہے جو ظاہر ہے کہ تکلیف و صعوبت سے خالی نہیں۔ آج کل کی مغربی مغربی طرز کی دلدادہ عورت اپنی تزئین و تحسین کیلئے

شیطان بھاگتا ہے۔ اسیطرح حکیم جی کو دیکھتے ہی مرض خواہ کیسا ہی کہنہ اور مزمن ہو۔ راہ فرار اختیار کرتا تھا۔ اور بسا اوقات کے ساتھ مریض بھی چل بستا تھا۔ پنڈت جی حکیم صاحب کو دیکھتے ہی سٹ پٹا گئے۔ اب کونسی چال چلوں۔ بھانڈا پھوٹا چاہتا ان کمبختوں کو یہ کیا سوجھی کہ ان ذات شریف کو لاکر کھڑا کر دیا۔ اور ان مردار نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھے موت سیطرح سر پر آکھڑے ہوئے مگر وقت تنگ تھا۔ زیادہ سوچ بچار کی فرصت نہ تھی۔ اسوقت پنڈت جی کے دل میں باوجود کولیسری کو ہزار جان چاہنے کے یہ خیال آیا کہ کاش ذرا دیر کے لئے اسے کچھ حرارت ہو جاتی۔ کسی طرح بات تو بنتی۔ مگر بلا سے سہی کہیں موت آتی ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا "مجھے یہ سن کر کمال افسوس ہوا کہ جناب کی اہلیہ مکرمہ عرصہ دو ہفتہ سے علیل ہیں۔ اور افسوس سے زیادہ اس کی شکایت ہے کہ جناب نے مجھے ذرا بھی اطلاع نہ دی ورنہ نہ مرض اسقدر طول نہ کھینچتا۔ کیا شکایت ہے؟"

پنڈت جی نے کچھ سر کھجلا کر کھانس کر۔ پہلو بدل کر اور سر جھکا کر فرمایا "جی ہی کچھ نسوانی شکایتیں لاحق ہو گئی تھیں۔ مگر اب تو آپ کے فیض و کرم سے صحبیت رہ براہ ہے فی الحال لیڈی ڈاکٹر صاحب کا علاج ہو رہا ہے آپ جانتے ہیں یہ انگریزی تہذیب کا دور ہے۔ انگریزی علاج سے لوگوں کو زیادہ عقیدت ہوتی جاتی ہے اور مریض کو اس حکیم یا ڈاکٹر سے صحت ہوتی ہے جس پر اسے عقیدہ ہو اس وجہ سے جناب کو تکلیف نہیں دی۔"

حکیم صاحب "جی ہاں آپ بجا فرماتے ہیں کون سی لیڈی ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے؟"

پنڈت جی نے پھر سر کھجلا کر ادھر ادھر تاک کر کہا "انہیں مس بوگن کا" شام سرروپ کو اس موقع پر اپنی ساری قانونی قابلیت صرف کرنی پڑی۔ مگر آج وہ کسی منحوس آدمی کا منہ دیکھکر اٹھے تھے۔ صورت حال بجائے موافق ہونے کے گہرا اور بھی مخالف ہوتی جاتی۔ کیونکہ دوران تقریر ہی میں مکھو چودھری۔ ہرداس بھراور رجگا دھوبی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اور ان کے ساتھ مس بوگن گھوڑے پر سوار تشریف لا رہی تھیں اب تو پنڈت جی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ رنگ فق ہو گیا۔ مس بوگن کو دل میں ہزاروں صلواتیں سنائیں کہ یہ شیطان کی خالہ اسوقت کہاں سے ٹپک پڑی مگر بھاگنے کا موقع نہ تھا۔ فوراً کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے مس بوگن سے ہاتھ ملایا اور اسے بلا کچھ پوچھنے کا موقع دیئے ہوئے ہاتھ پکڑ کر زنانہ نشستگاہ میں لے گئے اور کرسی پر بٹھا دیا۔ بعد ازاں کولیسری سے جا کر کہا۔ "اسوقت عجیب آفت میں جان مبتلا ہے۔ میں نے تو تمہاری بیماری کا بہانہ کیا کہ کسی طرح ان آدمیوں سے پیچھا چھوٹے مگر انہوں نے آج حکیم نادر علیخان اور مس بوگن کو لا کر سر پر سوار کر دیا مس صاحبہ کو بٹھک میں چھوڑ آیا ہوں بتاؤ کیا کروں؟"

کولیسری "تو میں بیمار ہو جاؤں۔ کیوں؟"

پنڈت "ہنسکر" تمہارے دشمنوں کے بیمار ہونے سے اسوقت کام نہ چلے گا۔ تم جا کر مس بوگن کو لاؤ میں لحاف اوڑھکر لیٹی جاتی ہوں۔"

پنڈت جی تو مس بوگن کو لانے کے لئے باہر نکلے۔ کولیسری نے سر سے پیر تک لحاف اوڑھ جھوٹ موٹ کراہنے لگی۔ مس بوگن نے تھرمامیٹر لگایا۔ زبان دیکھی اور منہ بنا کر بولیں "بیماری جڑ پکڑ گیا ہے۔ سیریا ہے۔ بخار نہیں ہے مگر کلیجہ پر ہے کیوں اتھارے سر میں درد ہے؟"

کولیسری "سر تو پھٹا جاتا ہے بھوٹا ہو رہا ہے۔"

مس بوگن "بھوک نہیں لگتی نہ؟"

کولیسری "دانہ کی لیرف دیکھنے کو بھی نہیں چاہتا۔"

مس بوگن مرض کی تشخیص کر چکی تھیں نسخہ لکھا اور رخصت ہوئیں حکیم نادر علیخان نے زیادہ بیٹھنا فضول سمجھا۔ نذرانہ بیشکی لے چکے تھے پنڈت جی باہر آکر اپنے محسنوں سے بولے "تمکو کون نے ناحق تکلیف کی۔ انکی لمبیت تو اب اچھی ہو چلی ہے خیر میں تمہارا بہت مشکور ہوں۔"

جب مہمان رخصت ہوئے پنڈت جی اندر جا کر خوب ہنسے۔ اور جب ہنسی ختم ہو گئی تو سوچنے لگے جو کچھ نہ کرنا چاہئے وہ آج سب کرنا پڑا۔ کیا اب بھی دیوی نہ پسیجیں گی۔

مگر کولیسری کو ہنسی نہیں آئی۔

(۶)

پنڈت شیام سرروپ کھانا کھا کر لیٹے اور سو گئے۔ مگر کولیسری کو نیند نہیں آئی۔ وہ کروٹیں بدلتی رہی کبھی اٹھ بیٹھی اور کمرہ میں ادھر ادھر ٹہلتی رہی کبھی کوئی کتاب کھولکر سامنے جا بیٹھی۔ مگر طبیعت کسی کام میں نہ لگتی تھی ہوا سے ہلتے ہوئے درخت کے نیچے جسطرح چاند کی کرنیں ناچتی ہیں اسیطرح اس کے خیالات پریشان ہو رہے تھے۔

وہ سوچتی تھی کہ میں نے ان کے اوپر کتنا ظلم کیا ہے۔ ہائے ان کے دل پر آج کیا گذرتی ہوگی جنہیں زندگی بھر جھوٹ بات منہ سے نہیں نکالی۔ اسے آج میری بدولت جھوٹ کو اوڑھنا بچھونا بنانا پڑا۔ اگر انہوں نے جھوٹ بولنا گوارا کیا ہوتا تو آج دیوانگنج کی ملیم الشان ریاست ہمارے قبضہ میں ہوتی ایسی سچائی کے نام پر مرمٹنے والے آدمی کی میں نے یہ درگت کی ہے! کیا اسی لئے میں انکی دشمنوں کی شریک ہوں میرا کام ہے ان سے ہمدردی کرنا۔ نیک کاموں میں انکی مدد کرنا۔ نیک صلاح دینا۔ تسکین دینا ان سب فرائض کے بدلے میں انھیں جھوٹ کے جال میں پھنسا رہی ہوں انہوں میرا کیا گناہ معاف کر۔ میرا فرض تھا کہ اس کار خیر میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔ یہ دیوبانی کیسے سچے کیسے بے ریا کیسے محسن پرست ہیں۔ کیسے دل کے فیاض۔ ایسے شریف آدمیوں کی خدمت کرنے سے میں نے اپنے پتی کو روک دیا ہے۔ صرف اسلئے کہ ایک بدزبان عورت نے مجھے لعنت دیا تھا۔ اور اتنے پر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اب میں انھیں زبردستی جھوٹ بولنے کے لئے مجبور کرتی ہوں۔ باوجود میری ان رکیکہ زیادتیوں کے اس نیکی سے بھی زیادہ نیک شرافت سے بھی زیادہ شریف۔ میرے رحمدل۔ میرے پاک نفس پتی کا دل جون کا تون ہے وہ سمجھتا ہے کہ

ایک مصری ڈاکٹر کا اہم انکشاف

بچھو کے زہر کا ٹیکہ

مصر میں بچھو کے کاٹنے سے اکثر اموات ہوتی رہتی ہیں خصوصاً اقصائے مصر کے باشندے اس مصیبت سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں۔ گو یہ لازمی نہیں کہ وہاں کے لوگوں میں جسے بچھو کاٹے وہ مر ہی جائے مگر یہ تو اچھی طرح مشاہدے میں آچکا ہے کہ وہاں کا بچھو نہایت زہریلا ہوتا ہے بچوں کی تو بڑی تعداد بچھو ہی کے ڈنک کا شکار ہو کر دنیا کو خیرباد کہہ دیتی ہے اور بوڑھوں اور کمزور جسم والوں کا بھی یہی انجام ہوتا ہے گویا ان کی طبائع اتنے سخت زہر کی مدافعت سے بالکل قاصر ہو جاتی ہیں۔

ان خوفناک حوادث کو دیکھ کر ڈاکٹر علی توفیق شوشہ بک مدیر معمل ہائے محکمہ صحت نے بچھو کے زہر، اسکی ماہیت وحقیقت اور اثرات وغیرہ پر تحقیقات شروع کر دی تاکہ اس تحقیقات کے بعد ممکن ہو تو اس سے محفوظ رہنے کا کوئی ایجاد کریں۔ ڈاکٹر موصوف اس تحقیقات و تجربے میں پندرہ سال سے مصروف ہیں۔ اس دوران میں انہوں نے دیکھا کہ اقصائے مصر کے اکثر اشخاص اپنے آپ کو بچھو سے کٹوانے کی عادت ڈالتے ہیں اور یہ خوفناک عمل کو اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ بچھو کے کاٹنے سے انہیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہو۔ یعنی معالجت کے اصول پر جب ان بچھو کا زہر اثر نہیں کرتا اس وقت اس مشغلے کو چھوڑ دیتے ہیں اس عمل کی ابتدا نہایت بچھو نے بچھو سے کٹوا کر ہوتی ہے جس کا اثر قدرے درد اور بخار کی سی کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے اور چند گھنٹوں کے بعد آرام ہو جاتا ہے بعد ازاں اس سے بڑا بچھو لے کر اس سے کٹواتے ہیں۔ اب اس کا زہر اتنا اثر نہیں کرتا جتنا خود مبتلا کے لحاظ سے ہونا چاہیے تھا۔ غرض قدر بچا قوت مدافعت بڑھتی جاتی ہے اور کچھ مدت کے بعد بڑے سے بڑے بچھو کا ڈنک بھی اثر نہیں کرتا۔ ذہن اس مشاہدہ سے ڈاکٹر صاحب کا

"ایسے ملیہ" کی ایجاد کی طرف منتقل ہوا جو ان کو بچھو کے زہر سے محفوظ رکھے اور اس موذی کے ڈسنے سے اقصائے مصر میں جو بے تعداد اموات بچوں اور ضعیف لوگوں کی ہوتی رہتی ہیں ان کا انسداد ہو جائے۔

اس رائے کو قائم کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بچھو کے زہر کے اثرات و تاثیر کی آزمایش شروع کی مگر اس سلسلہ میں سب سے بڑی مہم تجربات کی تھی کیونکہ انسان کو اس خطرے کا نشانہ بنانا دشوار تھا۔ جب کوئی ٹیکہ وغیرہ ایجاد کیا جاتا ہے تو عموماً حیوانات پر تجربہ کیا جاتا ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے خرگوشوں پر تجربات شروع کئے۔ کئی سال کے متواتر محلت و آزمایش کے بعد نتیجے میں کامیاب ہوئے اور ۱۹۳۸ء میں طبیہ کالج مصر کی صد سالہ جوبلی میں اس کا اعلان کیا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اب تک کی جد وجہد سے خرگوش اور دوسرے حیوانات مثلاً کتے وغیرہ بچھو کا ڈنک بلا تکلیف برداشت کرنے لگے ہیں اور اب ان پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یہ کامیابی بجائے خود اچھی تھی لیکن حصول مقصود کے لئے کافی نہیں تھی کیونکہ اصل مقصد بچھو کے زہر سے انسان اور حیوان کو کسی طور پر محفوظ رکھنا تھا جو ابھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

اس کے بعد پھر ڈاکٹر صاحب نے اپنے تجربات کو وسیع و کامیاب تر بنانے کی کوشش کی اور آخر بچھو کا مصل Serum تیار کر لیا جب یہ تیاری کے ذریعہ سے اسے خرگوش کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے تو خرگوش پر بچھو کے ڈنک کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ کامیابی گو یا آئندہ کامیابی کی زبردست تمہید ہے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ آئندہ جملہ حیوانات کو بچھو کے زہر سے ڈنک سے مامون محفوظ رکھنے کی اچھی صورت پیدا ہو جائیگی۔

ڈاکٹر شوشہ بک کا یہ اکتشاف مصر میں بہت قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ مگر ابھی اسے پوری کامیابی نہیں ہوئی ہے گو اصولاً کامیابی غیر مشتبہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے وطن سے اپیل کی ہے اگر کوئی صاحب اختیارات اس کام کے کرانے کے لئے آپ کو تجربات کے لئے پیش کریں تو اس ٹیکہ کو کامل الاطمینان کے بعد بنی نوع انسان کے افادہ کے لئے عام کر دیا جائے گا۔ سانپ بھی مصنوعی ہیئت کا جو طریقہ اقصائے مصر کے باشندوں میں رائج ہے اسکی مثال دے کر اطمینان دلایا ہے کہ اس میں جان کا خطرہ نہیں ہے تاہم جو لوگ اپنے آپ کو تجربات کے لئے پیش کریں وہ خالی حوصلہ ہوں اور ایثار و خدمت انسانیت کا مخلصانہ جذبہ رکھتے ہوں۔

مصری اخبارات سے اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے اعلان کے بعد وہاں کے کئی جوانمردوں نے اپنے نام اس اہم کام کے لئے پیش کئے ہیں۔ توقع ہے کہ سائنس اور طب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جلد ہی اس مفید ایجاد کی کامیابی کا مزید حال معلوم کر سکیں گے۔ (سائنس)

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳) کالم (۳)

چونکہ یہ داہنا بہت مقبول و پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسلئے ایک مغربی نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جو وضع و ہیئت میں مصنوعی چہرہ سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ یہ آلہ رات کو چہرہ پر لگا لیا جاتا ہے۔ اس میں سوئیاں لگی ہوئی ہیں جو رخسار و ٹھوڑی دونوں جانب نہایت لطیف جوف پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ جوف بالکل اصلی گڑھے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ سوئیوں کے اس عمل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی نہ زخم ہوتا ہے جس کی یہ مصنوعی ادا پیدا کرنے والیاں جب سو کر اٹھتی ہیں اور مصنوعی چہرہ کا نقاب اتار کر آئینہ دیکھتی ہیں تو اپنے رخسار پر کامیابی کا نشان دیکھ کر مسرور ہوتی ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ مسرت ایک دن اور ایک رات کے کچھ حصہ سے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے صرف مقابلے کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ اگر اس سے زیادہ پائیداری مطلوب ہو تو اس مصنوعی چہرہ کا ہر رات کو استعمال کرنا لازمی ہے جو ظاہر ہے کہ تکلیف و صعوبت سے خالی نہیں۔ آج کل کی مغربی مغربی طرز کی دلدادہ عورت اپنی تزئین و تحسین کیلئے

شیطان بھاگتا ہے۔ اسیطرح حکیم جی کو دیکھتے ہی مرض خواہ کیسا ہی کہنہ اور مزمن ہو۔ راہ فرار اختیار کرتا تھا۔ اور بسا اوقات کے ساتھ مریض بھی چل بستا تھا۔ پنڈت جی حکیم صاحب کو دیکھتے ہی سٹ پٹا گئے۔ اب کونسی چال چلوں۔ بھانڈا پھوٹا چاہتا ان کمبختوں کو یہ کیا سوجھی کہ ان ذات شریف کو لاکر کھڑا کر دیا۔ اور ان مردار نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھے موت کیطرح سر پر آکھڑے ہوئے مگر وقت تنگ تھا۔ زیادہ سوچ بچار کی فرصت نہ تھی۔ اسوقت پنڈت جی کے دل میں بادبود کولیسری کو ہزار جان چاہنے کے یہ خیال آیا کہ کاش ذرا دیر کے لئے اسے کچھ حرارت ہو جاتی۔ کسی طرح بات تو بنتی۔ مگر بلا سے سہی نہیں ہوت آتی ہر۔

حکیم صاحب نے فرمایا "مجھے یہ سن کر کمال افسوس ہوا کہ جناب کی اہلیہ مکرمہ عرصہ دو ہفتہ سے علیل ہیں۔ اور افسوس سے زیادہ اس کی شکایت ہے کہ جناب نے مجھے ذرا بھی اطلاع نہ دی ورنہ نہ مرض اسقدر طول نہ کھینچتا۔ کیا شکایت ہے؟"

پنڈت جی نے کچھ سر کھجلا کر کھانسی کر۔ پہلو بدلکر اور سر جھکا کر فرمایا "جی ہی کچھ نسوانی شکایتیں لاحق ہو گئی تھیں۔ مگر اب تو آپ کے فیض و کرم سے صحبیت راہ براہ ہے فی الحال لیڈی ڈاکٹر صاحب کا علاج ہو رہا ہے آپ جانتے ہیں یہ انگریزی تہذیب کا دور ہے۔ انگریزی علاج سے لوگوں کو زیادہ عقیدت ہوتی جاتی ہے اور مریض کو اس حکیم یا ڈاکٹر سے صحت ہوتی ہے جس پر اسے عقیدہ ہو اس وجہ سے جناب کو تکلیف نہیں دی۔

حکیم صاحب "جی ہاں آپ بجا فرماتے ہیں کون سی لیڈی ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے؟"

پنڈت جی نے پھر سر کھجلا کر ادھر ادھر تاک کر کہا "انھیں مس بوگن کا" شام سرو پ کو اس موقع پر اپنی ساری قانونی قابلیت صرف کرنی پڑی۔ مگر آج وہ کسی منحوس آدمی کا منہ دیکھکر اٹھے تھے۔ صورت حال بجائے موافق ہونے کے اور بھی مخالف ہوتی جاتی۔ کیونکہ دوران تقریر ہی میں مسز کلو چودھری۔ ہر داس بھرا اور رجگا دھوبی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اور ان کے ساتھ مس بوگن گھوڑے پر سوار تشریف لا رہی تھیں اب تو پنڈت جی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ رنگ فق ہو گیا۔ مس بوگن کو دل میں ہزاروں صلواتیں سنائیں کہ یہ شیطان کی خالہ اسوقت کہاں سے پھٹ پڑی مگر جھلانے کا موقع نہ تھا۔ فوراً کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے مس بوگن سے ہاتھ ملایا اور اسے بلا کچھ پوچھنے کا موقع دیئے ہوئے ہاتھ پکڑ کر زنانہ نشستگاہ میں لے گئے اور کرسی پر بیٹھا دیا۔ بعد ازاں کولیسری سے جا کر کہا۔ "اسوقت عجیب آفت میں جان مبتلا ہے۔ میں نے تو تمہاری بیماری کا بہانہ کیا کہ کسی طرح ان آدمیوں سے پیچھا چھوٹے مگر افسوس نے آج حکیم نادر علیخان اور مس بوگن کو لاکر سر پر سوار کر دیا مس صاحبہ کو بیٹھک میں چھوڑ آیا ہوں بتاؤ کیا کروں؟"

کولیسری "تو میں بیمار ہو جاؤں۔ کیوں؟"

پنڈت "(ہنسکر) تمہارے دشمن بیمار ہوں۔"

کولیسری "دشمنوں کے بیمار ہونے سے اسوقت کام نہ چلے گا۔ تم جا کر مس بوگن کو لاؤ میں لحاف اوڑھکر لیٹی جاتی ہوں۔"

پنڈت جی تو مس بوگن کو لانے کے لئے باہر چلے گئے۔ کولیسری نے سر سے پیر تک لحاف اوڑھ کر جھوٹ موٹ کراہنے لگی مس بوگن نے تھرمامیٹر لگایا۔ زبان دیکھی اور منہ بنا کر بولیں "بیماری جڑ پکڑ گیا ہے۔ سیسپٹیا ہے۔ بخار ناپنے سے کیا فائدہ۔ یہ سر میں درد ہے؟"

کولیسری "سر تو پھٹا جاتا ہے۔ بھوکا ہوں۔"

مس بوگن "بھوک نہیں لگتی نہ؟"

کولیسری نے دانت کی لیرپ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ لکھوا اور رخصت ہوئیں حکیم نادر علیخان نے زیادہ مناسب نہ سمجھا۔ نذرانہ پیشگی لے چکے تھے پنڈت جی باہر آکر اپنے مخصوص سے بولے "کولیسری نے ناحق تکلیف کی۔ انکی طبیعت تو اب اچھی ہو چلی ہے۔ خیر میں تمہارا بہت شکور ہوں۔"

جب مہمان رخصت ہوئے پنڈت جی اندر جا کر خوب ہنسے۔ اور جب ہنسی ختم ہو گئی تو سوچنے لگے جو کچھ کرنا چاہیئے وہ آج سب کر ناپڑا۔ کیا اب بھی دوا نہ پئیں گی۔

مگر کولیسری کو ہنسی نہیں آئی۔

(۶)

پنڈت شیام سروپ کھانا کھا کر لیٹے اور سو گئے۔ مگر کولیسری کو نیند نہیں آئی۔ وہ کروٹیں بدلتی رہی۔ کبھی اٹھ بیٹھی اور کمرہ میں ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ کبھی کوئی کتاب کھول لالٹین کے سامنے جا بیٹھی۔ مگر طبیعت کسی کام میں نہ لگتی تھی ہوا سے ہلتے ہوئے درخت کے پتے کیطرح چاند کی کرنیں ناچتی ہیں اسیطرح اس کے خیالات پریشان ہو رہے تھے۔

وہ سوچتی تھی کہ میں نے ان کے اوپر کتنا ظلم کیا ہے۔ ہائے ان کے دل پر آج کیا گذرتی ہوگی جنسے زندگی بھر جھوٹ بات منہ سے نہیں نکالی۔ اسے آج میری بدولت جھوٹ کو اوڑھنا بچھونا بنانا پڑا۔ اگر انھوں نے جھوٹ بولنا گوارا کیا ہوتا تو آج دیوار گنج کی علیم الشان ریاست ہمارے قبضہ میں ہوتی ایسی سچائی کے نام پر مرنیوالے آدمی کی میں نے یہ درگت کی ہے! کیا اسی لئے میں انکی قسمتوں کی شریک ہوں میرا کام ہے اُن سے ہمدردی کرنا۔ نیک کاموں میں انکی مدد کرنا۔ نیک صلاح دینا۔ تسکین دینا ان سب فرائض کے بدلے میں انھیں جھوٹ کے جال میں پھنسا رہی ہوں انیشو میرا گناہ معاف کر۔ میرا فرض تھا کہ اس کار خیر میں اُن کا ہاتھ بٹاتی۔ یہ ریاکاری کیسے سچے کیسے بے ریا کیسے محسن پرست ہیں۔ کیسے دل کے فیاض۔ ایسے شریف آدمیوں کی خدمت کرنیسے میں نے اپنے پتی کو روکا ہے۔ صرف اسلئے کہ ایک بدزبان عورت نے مجھے لعنت دیا تھا۔ اور اتنے پر اسود ہو کر اب میں انھیں زبردستی جھوٹ بولنے کے لئے مجبور کرتی ہوں۔ باوجود میری ان کمینہ زیادتیوں کے اس نیکی سے بھی زیادہ نیک شرافت سے بھی زیادہ شریف۔ میرے رحمدل۔ میرے پاک نفس پتی کا دل جون کا تون ہے وہ مجھ سے

میں بیوقوف ہوں۔ جاہل ہوں۔ کمزور ہوں۔ ضدی ہوں۔ اور میری ان تمام کمزوریوں کو اپنے وسیع محبت کی گود میں چھپا لیتا ہے میں کیسی نگدل ہوں! اس قابل بھی نہیں کہ الکا پیر دھوؤں آج مس بوکن کو رخصت کر کے آئے تو کیسے ہنس رہے تھے کیسی پاک ہنسی تھی اور یہ قہقہہ میرا دل رکھنے کے لئے۔ صرف میرا غم غلط کرنے کیلئے۔ پیارے! میں سر سے پیر تک برائیوں سے بھری ہوں۔ میں اچھی ہوں تم مجھے اپنی پریم میں متواتی داسی سمجھتے رہنا!

یہ سوچتے سوچتے کیا آنے پنڈت شیام سمرو پ کے چہرے کیطرف دیکھا۔ احمت کش خواب نے چہرے کو بہت شگفتہ بنا دیا تھا ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ جھلک رہی تھی اُسے دیکھ کر کیسری کے دل میں پریم کی ایک لہر سی اٹھی جسطرح سمندروں میں جوار اٹھتا ہے اسیطرح کبھی کبھی انسان کے دل میں بھی پریم کا جوار اٹھتا ہے۔ کیسری کی آنکھوں میں اسوقت محبت کا ایک دریا سمایا ہوا تھا۔ وہ محبت سے بیتاب ہو کر اپنے پتی کے سینے سے لپٹ گئی۔ اُس سینے سے جو اسکی محبت کا آرامگاہ تھا سطح ایک سو ئے ہوئے صاحب خانہ کے خزانہ کو آزادی سے لوٹتا ہے۔ اسیطرح کیسری اپنی نیند میں متوالے شوہر کے پریم کے خزانہ کو جی کھول کر لوٹ رہی تھی۔ اور جس طرح چور ڈرتا ہے کہ صاحب خانہ جاگ نہ جائے اسیطرح کیسری کو بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ یہ کہیں نہ جاگ رہے ہوں۔ عورت کی محبت دو بدو آزادی سے آنکھیں نہیں ملا سکتی شرم اور حجاب اُسے آنکھیں اوپر نہیں اٹھانے دیتے۔ یہ خوف کہ میری یہ گرمجوشی ظاہر داری یا تصنع نہ خیال کر لی جائے اسکی محبت کے پیروں میں بیڑیاں ڈالے رہتا ہے۔ کیسری اسوقت ان زنجیروں سے آزاد تھی۔

جب سمندر میں جوار آتا ہے تو شکستہ جہاز بھی کنارے پر آجاتے ہیں کیسری کے دل میں سے پریم کے اس جوار نے وہ پھانس نکال دی جو ابتک کھٹک رہی تھی۔

(۷)

دوسرے دن جب پنڈت جی کچہری سے شام کو لوٹے تو کیسری سے کہا "مجھے دو تین دن کے لئے باہر جانیکا حکم ملیگا۔"

کیسری "کیوں کہاں جاؤ گے؟"

شیام سمرو پ "مقدمہ کا ایک مقدر لیلیا ہے بھاگلپور جانا پڑیگا۔"

کیسری "کیا ابھی؟"

شیام سمرو پ "وکیل ہی تو لایا ہے۔"

مجھے شام کی ڈاک سے پنڈت جی بھاگلپور سدھارے۔ اور چار دن تک مقدمہ کی پیروی میں مصروف رہے تین دن کا وعدہ کر کے آئے تھے۔ چار دن لگ گئے۔ بارے پانچویں دن رخصت ہوئی۔ تین بجے ٹرین پہونچ گئے۔ اور گھر کی طرف چلے۔ اپنے محلہ میں داخل ہوئے تو بانجھ گاؤں کا سینٹ چودھری دکھائی دیا۔ پنڈت جی نے کہا "چودھری جی۔ کہاں کے دھاوے ہیں؟"

چودھری نے چونک کر سر اٹھایا اور بولا "پالاگن۔ آپ کی تو کل اوائی تھی۔ دیکھا ہے سبھی ہوئی؟"

پنڈت جی "کل نہیں آسکا۔ اور تو سب خیریت ہے؟"

چودھری "سب آپ کی کرپا ہے۔ آج تو آپ کے بیان بڑا جلسہ ہے؟"

پنڈت جی "(تعجب سے) ایسے یہاں کیسا جلسہ؟"

چودھری "بہوجی نے بھاکری ہے ہم لوگن کے گھر کی سب عورتن بولتے میں آئی ہیں۔"

پنڈت جی خوش آگئے بڑھے تو صدہا آنتاصور تین ادھر اُدھر آتے جاتے دکھائی دیں گویا دھتانیوں کی بارات آگئی ہو سب کو سلام بندگی کرتے ہوئے اپنے دروازہ پر پہونچے تو میلہ سا لگا ہوا تھا فرش پر سکیڑوں آدمی بیٹھے حقہ پی کو کر رہے تھے کیسری نے عورتوں کو نیو دیا تھا یہ آدمی عورتوں کے ساتھ آئے تھے۔ پنڈت جی سیدھے دیوانخانہ میں گئے۔ کپڑے اتارے نوکروں سے کہہ دیا اندر خبر مت کرنا۔ اور خود دیوانخانہ کی کھڑکی سے اندر کا تماشا دیکھنے لگے۔

آنگن میں سفید فرش بچھا ہوا تھا اور اُس پر تین چار عورتیں دہقانی انداز سے بنی سنوری ہوئی بیٹھی ہوئی تھیں کوئی ہنستی تھی۔ کوئی باتیں کرتی تھی اور کیسری ہاتھ میں طشت لئے سکو پان اور الائچی تقسیم کر رہی تھی۔ بچوں کو کھلونے اور مٹھائیاں دیتی اور پیار کرتی تھی۔ پان تقسیم ہو چکا تو گانا ہونے لگا۔ کیسری نے بھی آج موٹی ساڑی پہنی تھی اور گہنے اُتار دیے تھے۔ وہ ڈھول لیکر بیٹھ گئی اور عورتوں کے ساتھ گانے لگی۔

پنڈت جی مجھے یہ سب کیفیت دیکھ رہے تھے۔ فرطِ مسرت سے دل میں گدگدی ہو رہی تھی جی یہی چاہتا تھا کہ چلکر کیسری کو لاکھ سے لگا لوں گانا ختم ہونے کے بعد کیسری نے پندرہ منٹ تک لیکچر دیا میں عورتوں کو اپدیش کیا۔ اور تب مجلس برخاست ہوئی کیسری عورتوں کو گلے لگا لگا کر رخصت کرتی تھی۔ ان میں ایک عورت بہت سن تھی جب گلے ملنے کو بڑھی تو کیسری نے جھک کر اُس کے پیر دنکو اپنے آنچل سے چھوا اور آنچل کو ماتھے سے لگا لیا اُسکا یہ انکسار اور یہ اخلاق دیکھکر پنڈت جی ہمارے خوشی کے اچھل پڑے۔ اور تین چار چھلانگیں بھریں اُنسے ضبط نہ ہو سکا۔ دیوانخانے سے نکلکر آنگن میں چلے گئے۔ کیسری کو اشارہ سے کمرہ میں بلایا اور گلے سے لگا لیا۔ وہ خیر و عافیت پوچھنے لگی۔ دیکھوں کی۔ کہنے لگی آج تم نہ آتے تو میں خود آتی۔ مگر پنڈت جی کو ان باتوں کے سننے کی کہاں فرصت پھر گلے لگایا۔ اور پھر گلا یا بمصیبت آسودہ ہوئی۔ پھر پیار۔ کو لا نے شرما کر کہا "ہوا تو۔ اب کیا سب محبت آج ہی خرچ کر ڈالو گے؟"

پنڈت جی "کیا کروں جی نہیں بھرتا تبھی پیار کرتا ہوں اتنا ہی پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تم سچ مچ دیوی ہو"

پنڈت جی کو راج تو نہیں لیکن کوئی علاقہ ملگیا ہوتا تو ہر گز اتنے خوش نہ ہوتے جب خوب پیار کر چکے تو آنگن میں کھڑے ہو کر عورتوں سے بولے "بہنو! کو لا بیمار نہیں تھیں۔ انھوں نے مجھے تمسے ملنے جلنے کی ممانعت کی تھی۔ مگر آج انھوں نے تمکو خود بلایا۔

موسیقی اور ہند کے آلات موسیقی

از

کیپٹن محمد اعجاز علی شہرت

۵

ہست ادھیا | باجے یا ساز نوازی کا فن ہست ادھیا ہے۔ کم و زیادہ ہر انسان کے گلے میں سر موجود ہیں۔ کوئی خوش گلو ہے۔ کوئی بد آواز۔ گانا ردی سب کو آتا ہے۔ اگر کوئی بد آواز بلند نہ گائے تو بھی اپنی جگہ پر گنگنا تا ضرور ہے۔ پہلا ساز اور فطرتی ساز انسان کا گلا ہے۔ کنٹھ وینا یعنی گلے کا باجہ۔ اوپچلا ساز تال دینے کے لیئے۔ تھیلیاں، چٹکیاں اور قدم ہیں۔ انسان بجائے خود سرا اور تال کا مجموعی باجہ ہے۔ ترقی نے ساز ایجاد کروا دئے۔ کنٹھ وین کی سنگت کے لیئے سازکی ضرورت ہوئی۔ سازتین قسم کے ہیں:

(۱) سگیت واد نڈ النسٹرومنٹس) وہ ساز جو دم بھرنے سے یا ہوا سے آواز پیدا کریں۔

(۲) تنت (اسٹرنگ النسٹرومنٹس) وہ ساز جن پر آواز پیدا کرنے کے لیئے رودھیا تانت چڑھائی جائے۔

(۳) دھمک (النسٹرومنٹس آن پرکشن) وہ ساز جن پر چمڑہ منڈھا ہوا ہو۔ چوب یا ہاتھ سے بجائے جائیں۔ ہندوستان کے باجوں کی بابے بیان کئے جاتے ہیں۔

سادگی اور آسانی کے اعتبار سے سب سے پہلا باجا بانسری کہی جاتی ہے اور تنت میں اکتارا۔ یہ دونوں باجے ابتک رائج ہیں۔ اگرچہ انھیں کے اصول پر اور بہت سے باجے ایجاد ہو گئے۔ لیکن ان کے اعزاز میں فرق نہ آیا۔ دھمک کے باجے بھی بہت سے ایجاد ہوئے لیکن تال چٹکی اور قدم کے بغیر اب بھی کام نہیں چلتا۔ اکتارے پر اور ایک تار کا اضافہ ہو کے دوتارہ ہوا۔ اسیطرح ہر ایک سر کا ہم آواز ایک تار بعد تغیرات کے حساب سے بڑھتے بڑھتے مختلف طول کے تاروں کا مجموعہ ہو گیا۔ جیسے ایرا اور ہارپ وغیرہ۔ اور ساز قد اور وزن میں گراں ہو گیا۔ تحقیق نے تاروں کے شمار کو کم کر کے دوسرے ساز اختراع کئے، اسلیئے کہ ایک ہی تار کے طول میں اوس کے مختلف مقامات پر (طول کو کم یا زیادہ کرنے سے سکڑ جائے) سر پیدا ہوتے ہیں۔

سکڑ باجے | بانسلی۔ الغوزہ۔ شہنائی۔ توتہی۔ مشک کا باجہ۔ سینگ سیکسو فلگلوفی بیرچیگد نسترن۔

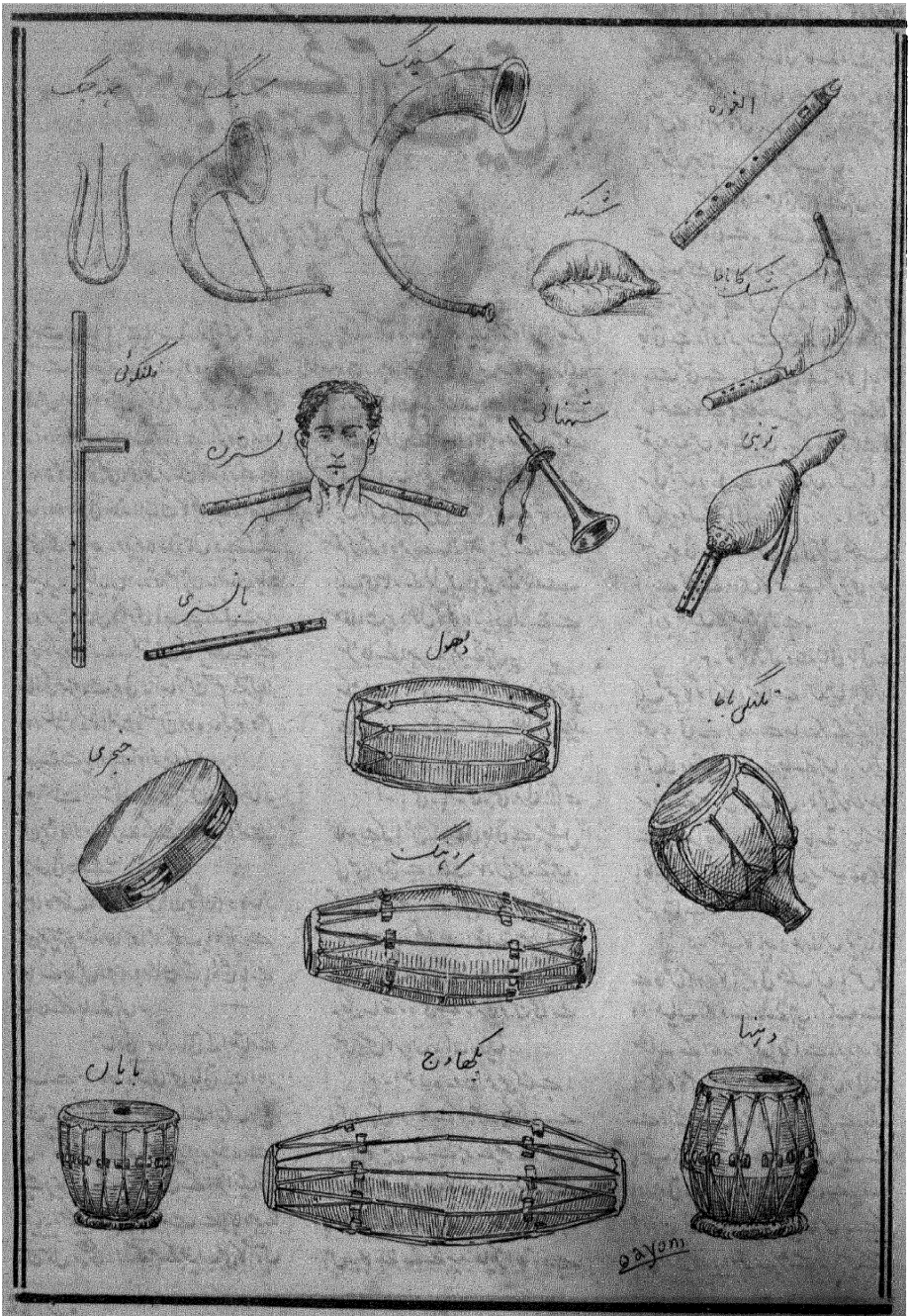
۱۔ بانسلی۔ بانسری بنسی بنسلی: نام سے ظاہر ہے کہ بانس کے بنائی جاتی ہے پیتل کی بھی ہوتی ہے۔ سات سوراخ ہوتے ہیں۔ آڑی پکڑ کے منھ سے دم بھرتے ہیں انگلیاں سوراخوں پر رکھنے اور اٹھانے سے سر نکلتے ہیں۔ نہایت خوش آئند ہے۔ سفر اور حضر ہر جگہ ساتھ رہ سکتی ہے۔ سری کرشن جی کے بنسی پر جن کاریاں زبان زد ہیں۔

۲۔ الغوزہ۔ نوئی انگیرمی کہتا ہے، بانس پیتل اور لوہے کا بھی دیکھا گیا ہے۔ آجکل تو تین کے بنے ہوئے چھوٹے بڑے بازار میں تھرتیا ہر دوکان پر اور بساطے کے پاس ملتے ہیں۔ انگریزی میں فلاجیولٹ کہتے ہیں۔ بجانے کے لیئے سیدھا پکڑا جاتا ہے۔ سوراخ بانسلی کی طرح ہوتے ہیں۔ بانسلی کے مقابلہ میں آسان بھی ہے۔ شہنائی بجانے والے ابتدا میں اسی پر مشق کرتے ہیں۔ بہت ارزاں ہے۔ بانس کا بنا ہوا دس بارہ آنے میں ملتا ہے چھوٹا بڑا سم میں ہوتا ہے اور فراوا کہیں ہیں۔

۳۔ شہنائی۔ سنیائی بھی کہتے ہیں لکڑی سے بنائی جاتی ہے۔ بجانے کے لیئے بانس کے باریک چھلے ہوئے دو ٹکڑے لگائے جاتے ہیں جس کو پتہ کہتے ہیں۔ (ریڈ) سیدھی پکڑی جاتی ہے۔ آواز بہت بلند ہوتی ہے اور دم بھی بہت لیتی ہے۔ دکھن میں ایک قسم کا باجا اسی ساخت کا ہے جو ہندوؤں میں رائج ہے جو مام تقریبوں میں بجاتے ہیں۔ یہ لانبا ہوتا ہے ایک سرکی آس دیتا ہے دوسرے میں راگ بجتا ہے اس کو یہ لوگ شہنائی کہتے ہیں۔ آواز اتنی بلند نہیں ہوتی۔ مندر استھان کی کومل نکھاد (اے فلیٹ) اس کا سر ہے۔ انگریزی باجہ "اوبو" اس کا ہم آواز ہے۔

۴۔ توتہی۔ کدو سے بنائی جاتی ہے۔ ایک قسم کا گول کدو ہوتا ہے اس میں لانبی گردن بھی ہوتی ہے اندر سے صاف کر کے نیچے کی جانب بانس کی دو نلیاں لگائے جاتے ہیں اس میں سروں کے سوراخ ہوتے ہیں۔ لانبی گردن کی طرف سے دم بھرا جاتا ہے۔ سپیرے بجاتے ہیں مست باجا ہے۔ کہتے ہیں سانپ اس پر مست ہو کر جھومتا ہے۔

۵۔ مشک کا باجہ (عرب میں توہی نام ہے خاص نام اور ہوگا) چھوٹی مشک میں بانس کی دو نلیاں لگا دئے جاتے ہیں۔ ایک سے مشک کے اندر دم بھرا جاتا ہے۔ دوسری بانسلی کا کام دیتی ہے۔ مشک بغل میں دبی رہتی ہے، اکثر پھاڑی قوموں میں رائج ہے۔ بیگ پائپ اس سے بہتر ہے اوس میں ایک نے اور ہوتی ہے جو مشک کی آس دیتی رہتی ہے۔ اوس کو ڈرون کہتے ہیں لیکن اس میں خاص یہ ہے کہ کومل اور تیور (اوتر سے چڑھے سر) نہیں بجتے۔


کیچک
سنج
چنگ
الغوزه
سرنا
شنکه
شنکه کاغذ
نقاره
نقاره
نقاره

۶۔ سینگ ۔ کسی زمانے میں سینگ کے بجاتے تھے ۔ پیتل کا بنا ہوا ٹیڑھا نیم دائرے کی شکل میں ہوتا ہے ۔ سینگ نہیں ہے ۔ راگ نہیں بجتا ۔ دو ایک کریہ آوازیں نکلتی ہیں ۔ یہ بھی جنگی باجہ ہے جس طرح قدیم جنگی ساز فیف الڈرڈم تھے ۔ دھپڑے کے ساتھ بجتا ہے ۔ سینگ دھپڑا نیچ اقوام بجاتے ہیں ۔ گاؤں میں جلوس میں ۔ ماتمی جنگی ۔ سب موقعوں پر کام دیتا ہے ۔ بہت عام ہے

۷۔ سنکھ ۔ دریائی گھونگھا ہے ۔ ہندوؤں کے مندروں کا مقدس ساز ہے ۔

۸۔ جلترنگ ۔ بانس کی لانبی نے ہے ۔ بیچ میں ایک منہ نال رہتی ہے اوپر نیچے سر کے سوراخ ہوتے ہیں ۔ باجہ خوش آواز ہے ۔ گاؤں والے خوب بجاتے ہیں ۔ کہتے ہیں اس پر جلگا کی دیوی عاشق ہے ۔ باجہ سن کے مست ہو کے نکل آتی ہے اور سامنے آکے ناچتی ہے ۔

۹۔ منہ جنگ (ہارپ) کی شکل کا چھوٹا سا باجہ ہے ۔ بیچ میں لوہے کی ایک زبان ہوتی ہے ۔ دونوں کنارے منہ میں دبا لیے جاتے ہیں ۔ دم اوپر نیچے لیا جاتا ہے اور اس زبان کو انگلی سے بجاتے ہیں ۔ خوش آئند اچھی آوازیں نکلتی ہیں ۔ فارسی میں بلبان ، انگریزی میں جیوز ہارپ کہتے ہیں ۔ خدا جانے کہاں سے نکلا ہے ۔

۱۰۔ نسترن ۔ جوڑی بجتی ہے ۔ عمدہ اور تیلی نے اندر سے صاف کر کے اس میں سرکے لئے سوراخ کئے جاتے ہیں ۔ اور منہ پر لکڑی کا سفید جالا پانی میں دھو کے پاک صاف کر کے باندھ دیا جاتا ہے ۔ نے کے اندر دم نہیں پھونکا جاتا ۔ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کے گردن کے دونوں جانب دو رگوں پر نسترن کی جوڑ رکھی جاتی ہے ۔ دونوں رگوں کی حرکت سے لکڑی کے جالوں میں (جو بمنزلہ دیافرم ٹوپا فرم کے ہوتے ہیں) ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور یہ ارتعاش نے کے اندر ہوا کو تموج دیتا ہے سوراخوں کو بند کرنے اور کھولنے سے سُر پیدا ہوتے ہیں ۔ نہایت مشکل ہے ۔ بجانیوالے کی گردن پھول جاتی ہے ۔ آنکھیں سرخ ہو کر نکل پڑتی ہیں ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب گر پڑے گی ۔ آواز نہایت ملائم اور دلفریب ہے ۔

باجوں کے ساتھ سیٹی کا ذکر بھی ضرور ہے ۔ یہ بھی اپنا دلی خوش کر لینے کو اچھی ہے ۔ سیٹھ سے بجائی جائے تو چیریں بھی بجتی ہیں ۔

۱۱۔ ٹھسک کے باجے | وہ باجے جو چمڑے سے منڈھے ہوتے ہیں اور ہاتھ یا چوب سے بجائے جاتے ہیں ۔

ہاتھ سے بجائیکے باجے:۔ پکھاوج ۔ مردنگ ۔ ڈھول ۔ خنجری ۔ (کھنجڑی) طبلہ ۔ دف ۔ (دائرہ ۔ گھیرا) ربانہ (ارہانہ) ۔

بعض باجے ایک ہی جانب چمڑے سے منڈھے رہتے ہیں ۔ بعض دونوں طرف ۔ داہنی جانب آواز بلند ہوتی ہے ۔ بائیں جانب آواز پست اور بھاری ۔

داہنی جانب کے آواز بعربی میں جدید اور بائیں جانب کی آواز کو ثقیل کہتے ہیں ۔ فارسی میں ۔ زیر و بم ۔ طنطنہ اور دبدبہ یا دبدبہ کہتے ہیں ۔ ہندی میں گھورا اور زیل ۔ (سائڈ بیس) ۔

پکھاوج ۔ بہت پرانا باجا ہے ، لکڑی کا خول ہوتا ہے ۔ دونوں جانب چمڑا منڈھا ہوا اور تسموں سے ملا رہتا ہے ۔ یہ باجہ اب بہت کم استعمال میں ہے ۔ اول تو بہت مشکل اور بہت زیادہ ہیں ۔ نہایت خوش آئند ہے ۔ میں نے بہت دن ہوئے وامن راؤ سے سنا تھا جو سرکار علی کے سازندوں میں ملازم تھے اور ان کا مکان شاہ علی بنڈہ پر تھا ۔

مردنگ ۔ پکھاوج سے چھوٹا ہے ۔ میر اشنیں بجاتی ہیں ۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر بجتا ہے ۔ اسکی آواز ایک خاص دلکشی ہے ۔

ڈھول ۔ پکھاوج اور مردنگ سے کم مرتبہ ہے ۔ آسان کیا گیا ہے ۔ کوئی گھر اس سے خالی نہ ہوگا ۔ بہت عام باجہ ہے ۔

خنجری ۔ (کھنجری) لکڑی کا ایک گھیرا ہے ۔ ایک جانب منڈھا ہوا ۔ بجانے والوں میں بہت رائج ہے ۔ بھین کاری بہت بجاتے ہیں ۔ دھمک کے باجوں میں ابتدائی اور آسان تر یہی معلوم ہوتا ہے ۔ جس طرح نے ۔ اور اکتارا ۔

دف ۔ دائرہ ۔ گھیرا (خنجری سے بڑا ہوتا ہے ۔ اسکو بھی اکثر بھین کاری بجاتے ہیں ۔

ارہانہ ۔ (ربانہ) دف کی ایک قسم ہے ۔ لکڑی کے گھیرے میں کھنگھرو ہوتا ہے ، اس میں برنجی جھانجھیں لگی ہوتی ہیں ۔ ضرب کے ساتھ یہ بھی بجتی ہیں ۔ خاص پیشہ ور اور فقیر اکثر بجاتے ہیں

ہنڈی میلی کا بنا ہوا ہوتا ہے ۔ ایک جانب منہ بڑا ہوتا ہے اور کھلا رہتا ہے ۔ اس طرف ہاتھ رکھا جاتا ہے ۔ بند کرنے اور کھولنے سے آواز پیدا ہوتی ہے ۔ ہنود کا ایک فرقہ بجاتا ہے ۔ بہت عام ہے ۔

طبلہ ۔ حضرت امیر خسروؒ کی اختراع ہے ۔ ایک طرف منڈھا ہوا باجا جائز ہے ، جیسے دف وغیرہ ۔ دونوں طرف منڈھا ہوا باجا ممنوع ہے ۔ آپ نے پکھاوج کو کاٹ کے دو ٹکڑے کر دئے ۔ داہنا الگ ۔ اور بایاں الگ ۔ دونوں ایک طرف منڈھے ہیں اور یوں ایک صورت جواز کی پیدا کی ہے ۔ طبلہ نے پکھاوج اور مردنگ رواج کو کم کر دیا ۔ اچھے بجانے والے ۔ عمدہ عمدہ تالیں بجاتے ہیں ۔ آجکل کے رواج میں نتھوں کے ٹھیکے کم سننے جاتے ہیں ۔

اس پر اس طرح بحث کرتے ہیں کہ اس کتاب کو ہضم کر چکے ہیں۔ انکی بحث بھی ہماری بحث مباحثوں سے الگ ہے۔ انکے پاس سلیس ترین نسخہ ہے، وہ ہر اس چیز کا مضحکہ اڑانا اپنی قابلیت سمجھتے ہیں جن پر دوسرے اعتقاد یا ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر عام لوگ قدیم اخلاق کی تعریف کرتے ہیں تو یہ مذمت۔ انکی خصوصیات بھی عجیب اختلاف رکھتے ہیں، ہمارے زمانے میں گوشہ نعل حوض اور تمام ایسے میدان جہاں چار لڑکے کھیل سکیں فٹ بال ہی کی آواز آتی تھی، اب حوض تو ویران ہے اور دوسرے مقامات پر فٹ بال کی جگہ بیاڈمنٹن نے لے لی ہے اور ایک مردانی کھیل کھلکر زنانی کھیل عام ہوگیا۔ پہلے فٹ بال میں رنگین لباس پہنکر ہم اکڑتے تھے، اب ہاتھ میں کلی سی ریاکٹ لیکر گلے میں سوئیٹر کی زنجیر لٹاتے ہوئے ہاتھ کی گھڑی دکھانا اور کمر لچکا لچکا کر اپنے ہاکیپن کا مظاہرہ کرنا فیشن ہے۔ رہی تعلیم انہیں بھی ہم بہت کچھ تغیر ذہنی دیکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھیوں میں سے اگر کوئی ناکامیاب ہوتا تو نہیں حیرت اور تکلیف ہوتی تھی اب کامیاب ہونے پر بھی کیفیت ہے۔ چنانچہ اس سال کے نتائج کے وقت ہمیں اس کا تجربہ ہوا۔ ہمارے دوستوں کے دو یا دو ان فرد جو ایک ہی جماعت کے امتحان میں شریک تھے، جب نتیجہ نکلا تو دونوں الحمدللہ ناکام نظر آئے لیکن ان کی کیفیت اگر امتحان ختم ہونیکے بعد کوئی دیکھتا تو اسے یقین ہوتا کہ یقیناً انھوں نے دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور مطلقاً ملال شکر کا سایہ کا معرکہ اپنی آنکھوں کی بدولت سر انجام دیا ہے یا کسی نادل کے ہیرو ہیں جو بدقسمتی سے حیدرآباد کی کند ذہن (خدا نخواستہ) زمین پر چہل قدمی فرما رہے ہیں جسم پر سوٹ ہے سر پر ایونگ کیپ ڈھیلی پتلون کی ایک جیب میں ہاتھ ہے اور منہ میں سگریٹ دبا کر اس انداز سے سڑک پر جھک کے چل رہے ہیں جس سے صاف راجہ اندر سبھا میں ٹہل رہا ہو یہاں تک تو لڑکوں کا حال ہے اب ہم دلی زبان سے دوسری اور بہت نازک صنف کا بھی ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس پودی کی ہر حیثیت کوشش نامکمل نہ رہے۔

ہمارے زنانی بڑے مدارس کی عجیب شان ہے، حیدرآبادی لڑکے تو ہر علم مادری زبان میں سیکھ رہے ہیں لیکن لڑکیاں ابھی تک ہر علم انگریزی ہی میں حاصل کر رہی ہیں۔ چھوٹی جماعتوں میں تاریخ جغرافیہ تک انگریزی ہی میں پڑھائی جاتی ہے۔ انکی ہر حیثیت سے مغربی فضا ملتی ہے۔ اسکی وجہ سے دو چیزوں کا پیدا ہونا لازمی ہے ایک یہ کہ لڑکی ابتدا ہی سے یہ سمجھنے لگتی ہے کہ مشرقی عورتوں کے حق میں کالا دیو ہے۔ دوسرے یہ کہ مغرب کی ہر چیز بہتر پری ہے۔ ستار کے مقابل میں پیانو بہتر۔ ساڑی کے مقابل سایہ اچھی چیز۔ کرن پھول کی جگہ ایر رنگ یلیم شاہی کا رجوبی جوتوں کی جگہ اونچی ایڑی کا جوتا۔ اور گھریلو زندگی کی جگہ پبلک لائف کا شوق اس مٹی ذہنیت کا طغرۂ امتیاز ہے۔

گویا آج کل کی ماؤں کی ہتھیلیاں آئندہ زمانہ کی فینیکل مائیں ہیں۔ تعلیم نسواں میں ترقی ضرور ہوئی ہے لیکن عام تعلیم کی ترقانی کے بعد پہلے ہر گھر کی ماں اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتی تھی اور مذہبی معلومات کی تعلیم دیتی تھی لیکن اب ماں کو اس کا شوق ہے کہ ایسی آیا نوکر رکھے جو بچے کو صرف انگریزی زبان ہی سکھا سکے۔ موجودہ بود جب ماں بنے گی تو خدا جانے کیا ہوگا۔ پھر لطف یہ کہ آئندہ نسل کے شوہروں کی تعلیم مادری زبان میں ہو کر مشرقی ذہنیت کی طرف پلٹ رہی ہے تو آنیوالی بیویوں کو انگریزی زبان کے ذریعہ سے مہیم صاحب بنا رہی ہے، جب یہ دونوں مفی اور شبت [illegible] تو نہ معلوم کیا برق نوازیاں ہماری معاشرتی فرحین پر ہونگی۔

غرض یہ مضمون ہم نے خوکو قدامت پرست بوڑھا مان کر لکھا ہے۔ اور اس لفظ نظر کی وضاحت کی ہے جو ہر قدیم طبقہ جدید کے متعلق رکھتی ہے۔ ہاں ہے بوڑھے ہم کو ناکارہ سمجھتے تھے، ہم کیوں نہ نئی پود کو ناکارہ سمجھیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پر جو گذری ہے اسکا بدلہ کس سے لیں۔

ولیعہد دولت آصفیہ کے مقدس مسعود کی داد یادگار

ہفتہ وار

الاعظم

اضلاع مملکت آصفیہ کا واحد ترجمان ہے جو دکن کے چپہ چپہ کے حالات، خبریں، ضروریات عامہ اور دلچسپ مضامین، افسانے نظمیں تمام اخباروں سے زیادہ شائع کرتا اور اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے ڈھائی سال میں ہی ہمہ گیر شہرت حاصل کر چکا ہے اور دکن کا سب سے ارزاں ترین اخبار یہی ہے۔ اس پر بھی اشتہارات زیادتی کی سرت میں

اسکی قیمت میں خاص رعایت کر دیگئی ہے۔ یکم شہر ربیع ۱۳۴۶ھ تک ہونیوالے خریداروں سے اسکی سالانہ قیمت بجائے (۲۵) کے (للہ) روپے اور ششماہی بجائے (۱۳) کے صرف (فقط) معہ خرچ پیکنگ لیجائیگی۔ آپ بھی فوراً اسکے خریدار ہو جائیے۔

پتہ۔ حکیم انصاری وفتیر ادارت الاعظم بازار نورخاں عقب آباد

نمبر ۲۷۰۴

آرڈر کے وقت خریدار "حسن کار" کا حوالہ فرمائیے

نوایجاد مشین

از

محمد شرف الدین ساحل۔ ایم۔ بی۔ بی ایس کلاں (حیدرآباد)

پروفیسر چیالسبجر بہت غصے میں تھا۔ میں جب اس کے دار المطالعہ کے پاس کھڑا تھا میں نے اس کی خفگی کی وجہ تقریر سنی جو وہ ٹیلیفون پر کہہ رہا تھا "ہاں بیشک یہ دوسری مداخلت ہے... ایک ہی دن میں دو غلطیاں تم جانتے ہو ایک سائنسداں کے لیے وقت کتنا قیمتی ہوتا ہے۔ اچھا میجر کو بلاؤ۔ کیا آپ ہی میجر ہیں جناب، لیکن آپ کو آئندہ سے احتیاط کرنی..... چاہیئے۔ اچھا حافظ..... ٹھیک اسی وقت میں کمرہ میں داخل ہوا۔ وہ مشل ایک پھنسے ہوئے شیر کے غضبناک تھا اور اس کا سیاہ چہرہ غصہ کی وجہ تمتما رہا تھا، اسکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں میرے جسم کا سرتاپا جائزہ لے رہی تھیں..... وہ بڑبڑانے لگا "جیو قوت لوگ" میں انھیں قہقہہ مارتے سنا جبکہ میں اپنے تجربہ میں مصروف تھا۔ یہ انکی شرارت ہے ورنہ کیا معنی ٹھیک اسیوقت جبکہ میں اپنے تجربہ میں منہمک ہوں یہ لوگ" وہ جملہ کو نا تمام چھوڑ کر مجھ سے مخاطب ہوا "اچھا آپ جناب کیا آپ کو بھی اسیوقت ملاقات کی سوجھی لیکن کیا میں آپ سے دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ نے میری بغیر اجازت کمرہ میں داخل ہونیکی جرارت کیسے کی، اچھا خیر آیئے..... تشریف رکھئے... فرمایئے کیسے تکلیف آوری ہوئی"... میں آہستہ آہستہ میز کے قریب پہونچکر کرسی پر بیٹھ گیا اور مسٹر رڈل کا دیا ہوا خط اس کے حوالہ کیا۔

وہ اپنی کہنیاں میز پر ٹیکے ہوئے بیٹھا تھا اور اسکے دونوں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ اسکی ڈاڑھی ہونٹ سے مل رہی تھی اور اسکے متجسانہ نگاہیں میرے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے دریافت کیا کہ آخر خط میں کیا لکھا ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ سے خط لیکر کہا "سنیئے اسمیں لکھا ہے"۔

مہربانی فرماکر آپ پروفیسر چیالسبجر کو اپنے ہمراہ وائٹ فرائرز لیتے جایئے نیو مرنامی ایک شخص اس امر کا مدعی ہے کہ اس نے ایک عجیب الوضع مشین تیار کی ہے جس میں کسی بھی چیز کو داخل کرنے سے وہ نظروں سے غائب ہوسکتی ہے، اس کا دعوی ہے کہ مادہ حل ہونے کے بعد جوہری یا سالمی حالت میں برقرار رہ سکتا ہے اور خاص خاص طریقوں سے ہم پھر اسے دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں بظاہر تو اس کا یہ دعوی غلط معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اپنے دعوی کو بڑے یقین کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اس کا ادعا ہے کہ مشین کو فروخت کرنیکا بھی ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ تم اور پروفیسر چیالسبجر اس کارڈ کے مطبوعہ پر جاکر پورے معلومات حاصل کرو اور اس کی پوری رپورٹ میرے پاس روانہ کرو۔ رڈل"

میں نے خط کو بند کرتے ہوئے کہا "پروفیسر مجھے امید ہے کہ آپ ضرور میرے ہمراہ چلیں گے کیونکہ میں اپنے محدود معلومات سے تنہا کچھ نہیں کرسکتا" بیشک میلون" اس نے جواب دیا "میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا کیونکہ اس معاملہ میں میرا رہنا ضروری ہے، ان مذموم لوگوں نے صبح سے اب تک برابر ٹیلیفون پر گفتگو کرتے ہوئے میرا قیمتی وقت ضائع کر دیا، اگر چیکہ اسوقت مجھے ایک اطالوی سائنسداں کو خط لکھنا ہے لیکن رہنے دو میں اس کام کو پھر انجام دے لونگا اچھا اب ہم کو چلنا چاہیئے"۔

۲

میں اور پروفیسر چیالسبجر صبح کیوقت نی ٹر کے مکان واقع وائٹ فرائرز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہال کا دروازہ کھلا اور نی ٹر داخل ہوا۔ وہ ایک پست قد فربہ اندام آدمی تھا۔ گرچشمہ۔ مونچھ چھوٹے اور گھنے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو مل رہا تھا اور ایک خفیف سی خوفناک مسکراہٹ اسکے چہرہ پر نمودار تھی۔

"اچھا جناب کیا آپ وہی ہیں جنہوں نے کہ ابھی ٹیلیفون پر مجھ سے "نی ٹر نو ایجاد مشین" دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی"۔

"جی ہاں" ہم دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"کیا آپ حکومت برطانیہ کے نمائندے ہیں"

"کبھی نہیں، میں ایک اخبار کا رپورٹر ہوں اور آپ پروفیسر چیالسبجر ہیں"

میں نے اس وجہ سے اس سوال کے پوچھنے کی جرارت کی کہ پہلے میرا خیال تھا کہ یہ مشین حکومت اطالیہ کے اتھ فروخت کردوں لیکن اب حکومت کو خریداری کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ کوئی اور شخص اسکو خرید رہا ہے۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپنے اپنا راز فاش کردیا"

"لیکن صرف ایک ممدود جماعت کے روبرو"

"تو وہ لوگ بھی آخر اس کے اصول سے

ہو گئے ہو گے"۔

"کبھی نہیں۔ یہ چیز اس خزانہ میں مقفل ہے"۔ اس نے اپنے دماغ پر انگلی۔ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا تجربہ سے بھی زیادہ محفوظ جگہ ہے اور ایسی محفوظ جگہ جسے کوئی طاقتور کنجی نہیں کھول سکتی بعض تو تصویر کا ایک رخ جانتے ہیں اور اکثر تصویر کا دوسرا رخ۔ لیکن دنیا میں سوائے میرے اور کسی کو بھی اسکا پورا حال معلوم نہیں"۔

"اچھا کیا ان لوگوں کو بھی نہیں معلوم جنکے روبرو آپنے اپنا راز افشا کر دیا ہے"۔

"وہ نہیں جناب میں اتنا بیوقوف تھوڑا ہوں کہ بغیر کافی صلہ لئے ہوئے اپنے اس پوشیدہ راز کو ظاہر کر دوں"۔

"معاف فرمائیے" پروفیسر چیالنجر نے کہا "لیکن کیا آپ ہمیں اس امر کا موقعہ عطا کر سکتے ہیں کہ ہم پوری طور پر آپ سے معلومات حاصل کر لیں"۔ "ہم نے ابھی اس واقعہ کو نہیں بھولا ہے جبکہ ایک فرانسیسی جو خود کو ایک موجد خیال کرتا تھا بعد میں جاسوس نکلا۔ احتیاط ایک لازمی شئی ہے بحیثیت ایک سائنسداں کے میں اسکو اپنا فرض خیال کرتا ہوں کہ پوری طرح معاملہ کی تہہ کو پہونچوں۔ میرے اعتراض کرنے سے پہلے ہی آپ کو چاہیئے کہ اپنے ثبوت پیش کریں"۔ . . . .

۳

ٹی ٹمر نے پروفیسر پر ایک غضبناک نگاہ ڈالی لیکن چہرہ حسب معمول مسکراہٹ سے لبریز تھا۔ "واقعی آپکا اعتراض ٹھیک ہے میں نے بھی سنا ہے کہ آپ ہی وہ واحد شخص ہیں جن کو دھوکا دینا مشکل ہے۔ میں اس امر کے لئے تیار ہوں کہ آپ کے روبرو اس کے پورے واقعات کو بیان کروں جسکے بعد آپ کو اعتراض کا موقعہ نہیں رہیگا لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اسکے عام اصول پر ایک دو لفظ کہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ تجرباتی شئی جو میرے محل کے کمرے میں رکھی ہے صرف ایک ماڈل ہے اگرچیکہ اندرونی طور پر وہ بہت کارآمد شئی ہے۔ یہ ماڈل ایک سائنٹفک کھلونا ہے" "لیکن کیا ہم اس نمونہ کو دیکھ سکتے ہیں" پروفیسر چیالنجر نے سوال کیا۔

"پروفیسر آپ نہ صرف اسکو دیکھینگے بلکہ حتی الامکان اگر آپ میں جرأت ہو تو آپ کافی طور سے اس پر تجربہ بھی کر سکتے ہیں لیکن آپ تجربہ کرنے سے پہلے میں آپکے روبرو اسی ماڈل کے چند خصوصیات بیان کو دینا چاہتا ہوں۔ جب کبھی کوئی قلمی شئی یا ٹھک مثلاً انگوٹھی شکر پانی میں حل کیجاتی ہے تو وہ کاملاً حل ہونیکے بعد غائب ہو جاتی ہے اور آپ اس امر کا شبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ مادہ اسمیں موجود بھی تھا یا نہیں لیکن پھر عمل کشید اور قلماؤ سے آپ پانی کو بھاپ میں تبدیل کر کے خاص خاص کیمیائی قاعدوں سے اس قلمی شئی کو حاصل کر سکتے ہیں لیکن کیا آپ اس امر کا خیال دل میں لائینگے ہیں کہ آپ جو ایک ذی حیات شئی میں فضا سے کے مادوں میں غائب ہو جائیں اور پھر خاص قاعدوں کے تحت اپنی اصلی حالت میں واپس آسکیں۔

"صولاً تو یہ بات ناممکن نظر آتی ہے اگرچیکہ میں اس امر کو تسلیم بھی کر لوں کہ ہمارے سالمات بعض اثرات کے تحت بکھر سکتے ہیں لیکن ذرا سوچیئے تو کہ ان بکھرے ہوئے سالمات کا پھر دوبارہ یکجا جمع ہونا . . کیا یہ ممکن ہے؟"۔

آپ کا اعتراض تو بیشک قابل غور ہے لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں" ٹی ٹمر نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے کہنے لگا "کہ ہمارے سالمات اگر جواہر میں بھی منقسم ہو جائیں تو پھر بھی وہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں" آپ مسکرا رہے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ خود اس امر کو تسلیم کر لینگے" . . . .

اچھا میں اس تجربہ کے لئے تیار ہوں" پروفیسر چیالنجر نے اپنے شانوں کو حرکت دیتے ہوئے جواب دیا "میرے اس اس امر کے ثابت کرنے کے لیئے ایک اور ثبوت موجود ہے جس سے بہت ممکن ہے کہ آپ کو کافی اطمینان ہو جائے۔ آپ نے عام طور پر رسائل میں پڑھا ہوگا کہ جب کبھی کوئی قسمی ایک دراز فاصلہ سے تار یک مقام پر لائی جاتی ہے . . . .

"لیکن جناب میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ میں فضول بحث میں پڑنا نہیں چاہتا مسٹر نیئر بیچ تو یہ ہے کہ مجھے آپ کے مشین پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے۔ اگر آپ ہم کو تجربہ دکھانا ہی چاہتے ہیں تو میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ بلا پس و پیش اسکو شروع کر دیں" . . . پروفیسر چیالنجر نے قطع کلام کرتے ہوئے جواب دیا۔

مسٹر ٹمر نے جواب دیا "اچھا تو میرے ہمراہ تشریف لائیے" . . . وہ ہمکو لیکر کے پائین حصہ کے قریب ایک کمرہ میں لیگئے اور اس کا قفل کھولا۔ ہم لوگ ہال میں داخل ہوئے میز پر ایک بڑا سا گھڑیال مقناطیس رکھا تھا اور برقی خانہ سے احتراق کئے ہوئے کئی تانبے کے تار علی الترتیب ایک دوسرے سے ملحق تھے اور اسکے روبرو کانچ کا ایک تین فیٹ لمبا اور ایک فیٹ قطر والا دھرا تھا . . . اسکے سیدھے رخ جست کے ایک چبوترے پر ایک کرسی تھی اور اس کرسی کے کنارے پر ایک تانبہ کی تختی تھی۔ تختی اور کرسی دونوں کو وزنی تار سنبھالے ہوئے تھے . . . .

موجد اپنے کا شمار کرکے کہنے لگا "یہی ہے ٹی ٹمر کا نوابجا دشین" "یہ وہی نمونہ ہے جو آگے چلکر بہت مشہور ہوگا اور قوموں اور دلوں کی ترقی اور تنزل کا انحصار اسی پر ہوگا۔ اچھا پروفیسر چیالنجر آپ اس کرسی پر تشریف رکھئے تاکہ میں وہی تجربہ آپ پر انجام دوں جسکی تشریح میں نے ابھی کی ہے . . . .

چیالنجر اس تنزیہ استدعا پر ناراض ہو گیا اور دوڑ کر کرسی پر بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "تم نہ جاؤ تمہاری زندگی بہت قیمتی ہے۔ پہلے مجھے اس پر تجربہ کر لینے دو تاکہ اگر مجھے کسی قسم کا نقصان محسوس نہ ہو تو تم دوبارہ اس پر تجربہ کر سکتے ہو"۔۔۔۔ چیالنجر کو اپنی جان کا بالکل خوف نہ تھا لیکن اس کے اعتراض کرنے سے قبل ہی میں جھپٹ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ٹی ٹرلنے دستہ گھمایا بعد ازاں کا حال مجھے معلوم نہیں البتہ ایک دھواں سا میری آنکھوں کے سامنے آگیا اور مجھے کچھ محسوس نہ ہوا کہ میں کہاں ہوں تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ٹی ٹر اپنی قدیم مسکراہٹ لئے ہوئے میرے سامنے کھڑا ہے اور چیالنجر اس کے بالکل متصل۔

میں کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔ تم بیٹھکر آزما سکتے ہو" اس نے تب جواب دیا "میلون مجھے اس میں عذر نہیں لیکن میں نے دیکھا تمہارے جسم پر ایک ابر سا آگیا اور تم اس میں ایک عرصہ کے لیے غائب ہو گئے، اور دستہ پھرانے کے بعد تم صحیح و سلامت کرسی پر موجود تھے"۔۔۔۔

"اچھا میں کتنی دیر نظروں سے غائب رہا" میں نے سوال کیا۔

"واقعہ یہ ہے کہ تم کوئی دو منٹ ہماری نظروں سے غائب رہے اور مجھے بالکل یقین نہ تھا کہ تم صحیح و سلامت پھر مجھے دکھائی دو گے۔ پھر اس نے اس دستہ کو گھمایا اور تم فوراً ہی کرسی پر نمودار ہو گئے۔ تم کو دیکھتے ہی میں نے شکر ادا کیا"۔۔۔۔

ٹی ٹر نے کہا "پروفیسر کیا آپ اس تجربہ کو آزمانے سے ڈرتے ہیں"۔۔۔۔ چیالنجر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور دوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ دستہ گھمایا اور چیالنجر غائب ہو گیا۔ میں پریشان تھا لیکن ٹی ٹر نے کہا "کیوں دوست کیسی نئی ایجاد ہے۔ دیکھتے ہو پروفیسر چیالنجر تمہاری نظروں سے غائب ہیں اور اس وقت تک تمہیں دکھائی نہ دینگے جب تک کہ میں انہیں ظاہر نہ کروں۔ یہ میرے اختیار میں ہے کہ چاہوں تو انہیں ہمیشہ کے لیے غائب کر دوں اور یہ میرے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ کیا اس واقعہ کو آپ عجیب و غریب سمجھیں گے۔ اچھا ایک چیز اور ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کی اختیاری تفصیل میں اور لطف پیدا ہو جائے گا میں نے معلوم کیا ہے کہ جسم کے بال جس کا تعلق اور اثر زندہ نباتی باتوں سے ہے جسم پر سے غائب بھی کر دے جا سکتے ہیں اور پھر دوبارہ اگائے بھی جا سکتے ہیں، اب دیکھئے"۔۔۔۔ یہ کہکر اس نے بٹن دبایا۔ آن واحد میں پروفیسر چیالنجر کرسی پر بیٹھے دکھائی دئے، لیکن کیسی حالت میں، اس کے سر، داڑھی اور مونچھ کے بال کا صفایا ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس حرکت پر مجھے غصہ آنا چاہئے تھا لیکن میں بے اختیار ہنس پڑا۔ چیالنجر کی صورت واقعی قابل دید تھی۔ اسکی ٹھوڑی اور گال ایک عجوبہ دکھائی دیتے تھے اور وہ مانند ایک شکست خوردہ پہلوان کے دکھائی دیرہا تھا۔۔۔۔ وہ جب اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو بال غائب تھے وہ موجد کا گلا اپنے ہاتھ سے دبانے لگا۔ چیالنجر کی غیر معمولی قوت کو میں جانتا تھا اس لیے میں بیچ میں ہو گیا، اور چیالنجر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔۔۔۔

"خدا کے لیے خاموش رہو۔ اگر تم اسکو قتل کر ڈالو تو یقین جانو کہ ہم حالات کو درست نہیں کر سکتے"۔۔۔۔ اس اعتراض کو سنکر چیالنجر گلے پر سے ہاتھ ہٹا لیا لیکن اس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔ یہ چیالنجر کی فطرت ہے کہ وہ معقول اعتراض کا بہت قائل ہے۔ چیالنجر پھر گویا ہوا۔ "میں۔۔۔ تم۔۔۔ کو۔۔۔ پانچ منٹ کا۔۔۔ وقفہ دیتا ہوں۔۔ اگر اس عرصہ میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں اپنی اصلی شکل میں ظاہر نہ ہو جاؤں تو یاد رکھو کہ مار مار کر الو بنا دوں گا۔

۴

چیالنجر جب کبھی غصہ میں ہوتا ہے ناممکن ہے کہ کوئی اس سے بحث کرے اور دنیا کا بہادر شخص بھی ممکن ہے کہ اس کے روبرو کانپ اٹھے اور فی الحقیقت کوئی بہادر شخص نہ تھا۔ وہ کہنے لگا "بیشک پروفیسر یہ دوست احباب میں ایک غیر تکلیف دہ مذاق ہے۔ اس میں خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا مدعا یہ تھا کہ مشین کا پورا حال آپ کی آنکھوں کے روبرو آپ ہی پر واضح ہو جائے لیکن اگر آپ اتنے بے صبر ہیں تو آئیے کرسی پر تشریف رکھئے"۔۔۔۔ پروفیسر چیالنجر غصہ سے کرسی پر بیٹھ گئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "میلون ذرا اس شخص کے حرکات و سکنات پر نگاہ رکھو"

"میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں" میں نے جواب دیا۔ حواس باختہ موجد اپنے مشین کے قریب پہونچا اور دستہ کو پورا گھما دیا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ چیالنجر اپنی اصلی حالت میں کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آنے لگا۔ وہ یقین کرنے کیلئے اپنا ہاتھ داڑھی اور سر پر پھیرنے لگا اور جب اس کو کامل یقین ہو گیا کہ بال برابر ہیں تو وہ آہستہ سے کرسی سے نیچے اتر گیا اور موجد سے مخاطب ہو کر کہا "میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ نے مشین کی خصوصیات کی تشریح کی خاطر یہ زحمت گوارا کی۔ میں آپ کے مشین کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا سائنٹک آپ کا یہ احسان ہمیشہ کے لئے ناقابل فراموش ہے لیکن کیا آپ نے واقعی اس مشین کا ٹھیکہ ایک انگریز کو دیدیا ہے"۔

"بیشک جناب۔ جب اسکی رقم ادا ہو جائیگی تو ان لوگوں کو ایک ایسا راز ہاتھ آجائیگا جو دنیا کی کسی دوسری قوم کو حاصل نہیں۔ ذرا اس مشین کے اصول اور اسکی خوبی کو تو دیکھئے ممکن ہے کہ کل ہم اسکے ذریعہ دریا کے کو پبلک کی نظروں سے غائب کر سکتے ہیں"۔۔۔۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ خود پروفیسر بھی قہقہہ لگا رہے ہیں، اور وہ اپنا ہاتھ موجد کے ہاتھ سے

کہنے لگے "مسٹر فلر، میں آپ کو اس مشین کی ایجاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ واقعی دنیائے سائنس پر آپ کا یہ احسان عظیم ہے اگر میں اس مشین کے پرزوں کا معائنہ کروں تو آپ کو کوئی عذر تو نہ ہوگا نا"... "ہرگز نہیں" موجد نے جواب دیا "یہ ایک ماڈل ہے جس میں برقی تار اور غیر ضروری دستے لگے ہوئے ہیں ورنہ ممکن ہے کہ آپ اسکے اصول سے واقفیت ہو سکیں۔ آپ شوق سے اسکو دیکھ سکتے ہیں"۔۔۔۔۔

تھوڑی دیر تک وہ چیلنجر اسکے اردگرد پھیرتے رہے اور مختلف زاویوں سے اسکی بناوٹ کو دیکھتے رہے اور پھر جا کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔۔۔۔ "کیا آپ پھر دوبارہ تجربہ کرنا چاہتے ہیں اور خود کو فضا میں کیا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں"۔۔۔۔۔

"نہیں نہیں ایسا نہیں" انہوں نے جواب دیا "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کس وقت آپ پر غنودگی سی طاری ہوتی ہے ایک لطیف سی رو میرے جسم میں سرایت کر رہی تھی"

"یہ ناممکن ہے" موجد نے جواب دیا "کیونکہ میز مشین غیر متحرک ہے"

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسا ہوا ہے" چیلنجر نے زور دیتے ہوئے جواب دیا۔ موجد فوراً گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا "لیکن مجھے تو کسی قسم کی رو محسوس نہیں ہوئی"۔۔۔۔ ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور قریب کے درختوں کے پرندوں سے غائب تھا۔ میں حیران اور پریشان پروفیسر کیبلن دیکھنے لگا "ہے۔ ہے۔ کیا تم نے دھکو حرکت دی"۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے غلطی سے نمبر ۳ کو حرکت دیدی کیونکہ میں نے گھبراہٹ میں اس امر کا بالکل خیال نہ کیا کہ مجھے نمبر ۱ کو پھرانا چاہیئے"۔۔۔۔ پروفیسر نے جواب دیا "مشین کو اسی حالت میں چھوڑ کر میں فرار ہو جانا چاہیئے"۔۔۔۔ لیکن بعد ازاں تمہارا کیا حشر ہوگا"

"مجھے اس کا بالکل خوف نہیں۔ اب صفحۂ ہستی سے فلر کی شخصیت فضا بسیط میں غائب ہو چکی ہے اور شکر ہے کہ اس کا راز بھی دنیا سے معدوم ہو گیا ورنہ کیا یہ بہتر تھا کہ ایک خبیث مخلوق کو اس کا راز معلوم ہو جائے جس سے میں کافی نقصان اٹھاتا۔ لیکن "آج تمہارا رسالہ اخبار کے لیے ایک دلچسپ موضوع ہوگیا۔ وقتی سنسنی کا وقت بڑی دلچسپی میں گذر گیا۔۔۔۔ یہ کہتے ہوئے وہ باہر جانے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دالان میں آ گیا۔ میں نے کرسی پر ایک آخری نظر ڈالی لیکن وہاں سوائے ایک خبیث کہر اور تاریکی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ فقط

(ترجمہ)

بقیہ صفحہ ۲۷

اور نسیم بہار کے کاتا ہوا۔ مجھے اسوقت جتنی خوشی ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اس خوشی میں ایک ایک ہزار روپیہ سے دس گاؤں میں لین دین کی دکانیں کھولونگا۔ اور وہاں تمکو کو نکو ملا سود کے روپیہ دیا جائیگا۔ تمکو مہاجنوں سے روپیہ لینے میں ایک آنہ اور دو آنہ روپیہ سود دینا پڑتا ہے ان کھوٹیوں کے کھلتے ہی تم مہاجنوں کے پنجوں سے چھوٹ جاؤ گے اور ان کوٹھیوں کا انتظام انھیں کے سپرد رہیگا جس نے تمھیں آج خیرات دیا ہے"

سب عورتیں ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں دینے لگیں۔ کولیسبری نے کہا "واہ! یہ زحمت میرے سر ڈالدی"

پنڈت جی۔ (مسکرا کر) پانی میں پیر رکھا ہے تو آپ تیرنا سیکھیں گی"

کولیسبری "مجھے حساب کتاب کچھ آتا بھی ہے"

پنڈت جی "سب خود بخود آجائیگا تمھیں اپنی پوزیشن کرنا کب آتا تھا۔ تم عورتوں سے بولتے لجاتی تھیں ابھی دو ہفتے ہوئے تمھیں نے مجھے ان لوگوں سے

بقیہ صفحہ ۲ تمدن سے

"اب جبکہ رات کی دیوی آرہی ہے تو اُس نے اپنے قدموں کی آہٹ سے سحر کی دیوی کو روپوش کر دیا ہے اور اندھیر اور تنگ چلا جا رہا ہے"

"اس طرح دیوی اب پھر ہماری طرف آ رہی ہے جس کی آمد سے ہم اپنے گھر کا سکھ اسی طرح دھونڈ لیتے ہیں جس طرح پرندے گوشۂ آشیان"

"گاؤں والے آرام کرنے کے لئے رخصت ہو گئے ہیں۔ درندے اپنے بچوں کو اور پرند اپنے پروں کو آرام دے رہے ہیں یہاں تک کہ ہوا کا شکر بھی اس وقت خاموش ہے"

"اے دیوی رات کی ماتا ہم کو بہروپوں سے محفوظ رکھ۔ چوروں سے پناہ دے اور اس اندھیر کو یہ حفاظت گذار دے"

اب ہم زمرد شاعری کو لے کر مہا بھارت اور رامائن جیسے دوسرے کارناموں پر بحث کریں گے جن کے ان دو بلند شاہکاروں کا موزوع صرف قدیم ہندو دیومالا پر مبنی ہے اول الذکر میں کم و بیش ایک لاکھ اشعار میں جو روایاتی سنسکرت انشاء پردازی کردہ رسمان پر مشتمل ہیں۔ اس میں اخلاقی تعلیم کی اس قدر تواتر ہے کہ ہم بالاخر اس کو کسی صحیح زمرہ میں نظم نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ایک اخلاقی قانون ہے رامائن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی شاعر لکھی ہوئی ہے اور حقیقی معنوں میں یہ ایک رومانی زمرہ ہے۔

اگر میں اس قومی زمرہ کے ہیرو اور ہیرائن کا ذکر مفصل بیان کروں تو میں نفس مضمون سے دور جا پڑوں گا اس لئے میں اختصاراً اس قصہ کے ہیرو رامچندر جی کا ذکر کرتا ہوں جو ہندو دیومالا کی سب سے نمایاں ہستی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اودھ کے راجہ دسرتھ جی کی کوئی اولاد نہ تھی تو انہوں نے گھوڑے کی قربانی کی رسم ادا کی جس کے بعد انہیں چار لڑکے پیدا ہوئے ان میں سب سے بڑے کا نام رامچندر جی تھا۔ رامچندر جی اپنی بہادری اور اخلاق کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔

(اس کی دوسری قسط میں پڑھیں گے)

"معمۂ حسابی"

ذیل میں ایک آسان حسابی معمہ دیا گیا ہے۔ اس کے حل کرنے کے لئے اشارے دئے گئے ہیں۔ ہر ایک حل کی تصدیق خود آپ حسابی عمل سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً نمبر (۱) کے لئے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ ایک مشہور پھول ہے۔ مختلف پھولوں کے نام پر حسابی عمل کرنے سے واضح ہوگا کہ اس کا حل "گلاب" ہے کیونکہ اس کی جمع مندرجہ ذیل ابجد کی قیمتوں سے ۶۲ آتی ہے جو نمبر (۱) کے مجاذی درج ہے اگر جمع صحیح نہ ہو تو سمجھ لو کہ حل غلط ہے اور دوسرے نام کی تلاش کرو۔ کوپن میں حسابی عمل دکھلانے کی ضرورت نہیں صرف اس کا نام لکھ دینا کافی ہے۔ مثلاً گلاب ۲۔گ، ۲۰ ل، ۳۰، ا، ۱، ب، ۲ جمع ۶۲۔

حروفِ تہجی کی قیمتیں حسب ذیل لکھی گئی ہیں

ا	۱	ص	۲۰
ب	۲	ض	۲۱
پ	۳	ط	۲۲
ت	۴	ظ	۲۳
ٹ	۵	ع	۲۴
ث	۶	غ	۲۵
ج	۷	ف	۲۶
چ	۸	ق	۲۷
ح	۹	ک	۲۸
خ	۱۰	گ	۲۹
د	۱۱	ل	۳۰
ذ	۱۲	م	۳۱
ڈ	۱۳	ن	۳۲
ر	۱۴	و	۳۳
ز	۱۵	ہ	۳۴
ژ	۱۶	ی	۳۵
س	۱۷		
ش	۱۸		
	۱۹		

معمہ:-

	قیمت
(۱) ایک مشہور پھول	۶۲
(۲) ایک میوہ	۱۱۶
(۳) جسم کا ایک حصہ	۳۰
(۴) ہندوستان کا ایک حکمران	۶۶
(۵) حرف اور مشہور پہاڑ	۵۴
(۶) ہندوستانی شہرۂ آفاق شاعر ...	۶۱
(۷) بادشاہ کی زینت اس سے ہے اور اس کا وطن آگرہ ہے	۱۲
(۸) حیدرآباد دکن کا ایک جریدہ	۱۰۲
(۹) ہندوستان کا ایک شہر	۱۱۰
(۱۰) یہ آسمان پر ہے، تصوف میں ہے اور تاریخ کا رکن ہے	۵۱
(۱۱) یہ بجایا جاتا ہے اور جھگڑوں کا تصفیہ بھی کرتا ہے	۱۲۵

ذیل کے ہدایات کی پوری پابندی کیجائے۔

(۱) تمام حل "حسن کار" کے مطبوعہ کوپن پر درج کئے جائیں۔

(۲) ایک سے زیادہ کوپن روانہ کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) بلدہ کے تمام حل ۱۳ شہریور ۱۳۴۲ف مطابق ۹ ارجولائی تک دفتر حسن کار پر وصول ہوجانا چاہئے۔

(۴) اس سلسلہ میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط وکتابت نہ ہونی چاہئے۔ ہر لفافہ پر لفظ معمہ لکھنا ضروری ہے۔ بیرنگ خطوط وصول نہیں کئے جائینگے۔

(۵) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ نام اور پتہ صاف تحریر کریں۔

موجودہ معمہ کے انعامات

اول انعام۔ ایک فوٹن پن۔

دوم "قمیص کے گھنڈیوں کا سٹ بمنجانب آر۔آر۔ کوپا)

سوم "عمدہ ادبی کتابیں

گذشتہ معمہ کا حل اور نتیجہ

گذشتہ معمہ کا حل

(۱) جیکار (۲) سرسپرو (۳) کملا دیوی (۴) پنڈت مالویہ .. (۵) ڈاکٹر انصاری (۶) ڈاکٹر موبجے۔

دو کوششوں کا موقع دیا گیا تھا اس میں سے وہی قبول کیا گیا جو زیادہ قریب بہ صحت تھا۔

صحیح حل صرف ایک ہی وصول ہوا جو پہلے انعام کا مستحق ہے۔ ایک غلطی کے دس حل وصول ہوئے اور لاٹری کے ذریعہ دوسرا، تیسرا چوتھا، اور پانچواں انعام دیا گیا۔

(۱) پہلا انعام فیانسی رستی گھڑی محمد ذوالفقار حسین صاحب فاروقی یم۔ ایس، سی (۲) دوسرا انعام ٹائم پیس جمیل احمد صاحب فاروقی خورشید منزل کاچیگوڑہ (۳) تیسرا انعام جان جہاں بیگم صاحبہ بنت خان عالم صاحب کنٹونمنٹ حیدرآباد (۴) چوتھا انعام محمد عبداللہ خانصاحب خویشگی طالب علم آل سینٹس اسکول (۵) پانچواں انعام سید فیاض الدین ڈرائنگ ماسٹر مدرسہ وسطانیہ شاہ گنج۔

حیدرآباد

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور نزین حسن کار محمد عبدالقیوم کی رہبری میں نئین بورڈ پورٹریٹ طباعت کی تصاویر اور تمام قسم کے کام نہایت ارزاں اور مقابلتاً بہتر ہوتے ہیں:۔

قیوم آرٹ ورکس روبرو گول بنگلہ (حیدرآباد دکن)

آپکی کتابیں کہاں چھپتی

(ہیں)

ٹیپ لیگرین اردو لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثیر سے فراہم کی گئی ہیں تاہم حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے

ریٹ [illegible] حیدرآباد دکن

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور رسائل اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو

"کاشانہ باز"

یاد رکھئے۔

"کاشانہ باز" بازار گھانسی حیدرآباد دکن

"حسن کار"

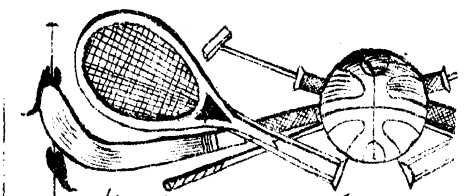
کے مضمون نگاروں سے گذارش

۱۔ براہ کرم مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا جائے۔

۲۔ مضامین مختصر اور عام فہم اور جاذب توجہ ہوں جنکا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔

۳۔ انشا اور الطیف جدید اصول پر مبنی ہو۔ ۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے ایک دن پہلے آنا چاہئے۔ ۵۔

"حسن کار" ہر ہفتہ الہی کی یکم اور سولھا کو شائع ہوگا۔ "مدیر"



عبدالغفور اینڈ سنس — اسپورٹس کا بہترین سامان

ہر جملہ سامان اور اعلیٰ معیار پر صرف

عبدالغفور اینڈ سنس کنگ کوٹھی روڈ یا سکندرآباد سے طلب فرمائیے

کہدو خضر سے چشمۂ ظلمات ملگیا
مردہ دلوں کو زندہ طلسمات ملگیا

عورتوں کی بھوپتیوں، رکھیروں کے طوطوں میں ڈکیاں ہوتے ہوئے اور پکے جھلی ہاتھ ہی ہوتے ہوئے اگر کہ تجربہ کرنا کہ طلسمات کی انگلستان کی ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ہوتے ہوئے ہوئے ہوئ

R.R.GOPAL



CLOTH MERCHANT

جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا پارچہ فیشن و سیزن کے مطابق
موجود رہتا ہے۔ دام میں فرق ہو تو مال واپس لیا جاتا ہے۔ (تار کا پتہ "کلاتھ")
پتہ آر۔ آر۔ گوپال الدین بلڈنگ پتھر گٹی (حیدرآباد دکن) فون نمبر ۵۲۶

HYDERABAD (Deccan.)

LASTING BRILLIANCE



انٹرنیشنل جنرل اسٹور
روبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ (حیدرآباد دکن)

بقصور روشنی کا صحیح تجلی کا مرکز
یعنی

کرامپٹن لیمپس

اپنی اعلیٰ روشنی کیفیت
ارزانی اور خوشنمائی کی
وجہ سے تمام دنیا میں بلند ترین
مانے جا چکے ہیں باوجود ان
خوبیوں کے برقی طاقت میں کفایت
اسکی خاص خصوصیت ہے۔

رجسٹرڈ آفس۔ نمبر (۲۱۲) ۱۶ شہریور ۱۳۲۰ ہجری جلد ۱ شمارہ ۵ (۱۸)



باہتمام ۔ مقبول علی صدیقی مہتمم حسن کار اطبع استقلم پریس میں طبع ہو کر دفتر حسن کار سے بجانب اصل گنج روانہ ہوا۔

قیمت ۴ آنے ایڈیٹر سالہ حسن خاں "معصوم"



وسط یورپ کا خادم آپ کے گھر میں

Bata

"باٹا"

Bata

پیر کی زینت کا بادشاہ





جدید ترین طرز — آگیا ہے۔ آگیا ہے۔ آگیا ہے — بہترین نمونے

بمراہ راسکارخانے
آپکی خدمت میں





Bata

کفایت، حسن خوش وضعی، آرام، دوپائیداری میں اپنا جواب نہیں رکھتا باٹا۔ وہ جوتے ہیں جو بچے، بوڑھے جوان کھلاڑی سب کے پسند ہیں۔ تمام دنیا اسکو پہنتی ہے

اسلئے باٹا ارزاں ہے۔

سول ڈسپنسر پوٹرس میسرس حسن اینڈ سنس چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نمبر ۲۲۹ امتحان کردہ دارالتجربہ

زلیخا ہیر آئیل

شوقین طبع معزز حضرات و معزز طبع محترم بیگمات کی خدمت میں گزارش کیلئے ہم نے زلیخا ہیر آئیل خالص روغن بادام یعنی شہد سے تیار کیا ہے اور یہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بال لمبے لمبے سیاہ چمکدار ریشم کے مانند ہو جاتے ہیں۔ قبل از وقت گرتے ہوئے بالوں کو روکتا اور سفید ہوئے سے باز رکھتا ہے۔ گرے ہوئے بالوں کو از سر نو پیدا کرتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچاتا اور تقویت دیتا ہے اور گرمی کو دفع کرتا اور درد سر کیلئے بھی مفید ہے۔ ماشی کا آزمودہ حضرات و محترم بیگمات کیلئے ایک نادر تحفہ ہے ایک دفعہ آزما کر امتحان حاصل کیجئے اور ہر قسم کے غیر زلیخا آئیل وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیے۔ قیمت فی شیشی چار آنہ (ع ا) ہر جنرل پرچنٹ سے طلب فرمائیے۔

دکن کا بابا بختہ

"برقی قوام عنبری" جریدہ شمارہ نمبر ۳۱ شوقین معزز حضرات اور فصیل طبع محترم بیگمات کو پان میں کھانیکے لیئے ہم نے "برقی قوام عنبری" تیار کیا ہے جسمیں اجزا (مثلاً مشک عنبر زعفران، ورق طلا و نقرہ وغیرہ سے ترتیب دیگر طبی اصول سے تیار کیا ہے خواص یہ ہیں کہ دل و دماغ کیلئے نہایت مقوی و مفرح ہے۔ قوائے زنا و زکام اور بدی پرانی کھانسی ہر قسم حلق تحریک تر کرنے میں کیسر کم نہیں رکھتا ہے مقوی باہ مسک طبیعت میں سستی، اعضا شکنی، بد مزگی، صفرا کا غلبہ وغیرہ کے لیئے پان میں کھانے سے فرحت ہیضی و طبیعت میں امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ گندہ دہنی کا دشمن، دانتوں کا محافظ ہے۔ پان کے ساتھ ملکر ایک لطیف ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دیر پا خوشبو منہ میں باقی رہتی ہے۔ قیمت فی تولہ ایک شیشی (ع) نصف تولہ (۸/)۔

زلیخا ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حسن کاری	مترجمہ سید شاہ محمد صاحب۔ اے	۳
۲	موسیقی اور ہند کے آلات موسیقی	کیپٹن اعجاز علی شہرت	۷
۳	طبابت	از و۔ ب سعید رآبادی	۱۰
۴	بے پر دہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں	از "مدیر"	۱۲
۵	لیڈر		۱۵
۶	گرانڈ ہوٹل"	از حسن کار۔	۱۶
۷	حدیث الیوم		۱۹
۸	نغمہ شیریں	مسٹر جی شنکر راؤ	۲۴
۹	معمہ		۲۹

۱۶ شہریور ۱۳۴۲ سنہ فصلی ۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء

نرخنامہ اشتہارات برائے اخبار "حسن کار"

ایک صفحہ کیلئے پیشگی	۳۰
نصف صفحہ کیلئے	۱۶
ایک کالم کے لیئے	۱۲
نصف کالم کے لیئے	۷
ربع صفحہ کے لیئے	۴
فی سطر کالم	۰/۶

سیدھا وہی چلتا ہے جو سچا ہے
اگرچہ سچ کی راہیں ٹیڑھی ہیں

جھوٹ زہر ہلاہل ہے

سچی بات اکثر کڑوی ہوتی ہے
مگر اس میں امرت کا مزہ ہے

ہم اس اصول کو پیش نظر رکھکر ۲۴ سال سے آپکی خدمت میں سرگرم ہیں

احمد حسین ولد محمد ابراہیم جنرل پرچنٹ سالار جنگ حیدرآباد دکن

حسن کاری

ا۔ ایمرسن
(مترجمہ سید شاہ محمد)

چونکہ روح کا میلان ترقی کیطرف ہے اسلیے وہ ٹکراؤ سے ہمیشہ گریزاں رہتی اور ہر فعل میں ایک انوکھے اور خوب تر کمال کی تکوین کی کوشاں ہوتی ہے۔ یہ خصوصیت فنون انادیہ اور لطیفہ دونوں کے کارناموں میں نمایاں ہے۔ پس ہمارے فنون لطیفہ کی غایت تقلید نہیں بلکہ تخلیق ہے۔ رنگ کار کو چاہیئے کہ خیاباں میں ہمارے معلومہ مناظر سے بڑھکر ایک حسین تر تخلیق کا ایما کرے۔ تفصیلات کو جو فطرت کی شرکے مترادف ہیں وہ حذف کر سکتا ہے۔ اور ہمارے سامنے اسکی روح اور تجلی پیش کر سکتا ہے۔ اسکو معلوم ہے کہ خیاباں اسکی نظر میں اس وجہ سے حسین ہے کہ وہ اسکے نزدیک اچھے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ نیز اسلیئے کہ وہ طاقت جو اسکی آنکھوں کے ذریعہ دیکھتی ہے وہی اس منظر میں نظر آتی ہے اسطرح وہ محض فطرت کا نہیں بلکہ فطرت کی علامت کا قدر داں ہوتا ہے اور اپنے خاکہ میں خوش آئند خط و خال کو ارفع کرتا ہے وہ اندھیرے کی تاریکی اور دھوپ کی چمک پیش کرتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ ایک شبیہ ( ) میں محض ( ) خط و خال نہیں بلکہ کوائف منقوش ( ) کرے اور شخص کی اصلی قدر پیش کرے جو اسکے سامنے اپنے اندرونی بلند فطر اصل کی مثال یا مکمل تصویر کی طرح بیٹھا ہے۔

لیکن حسن کار کو چاہیئے کہ اپنے وسیع مفہوم کو اپنے ہم نوع انسانوں تک پہنچانے کیلیئے اپنے عہد اور قوم میں مستعملہ علامتوں کو کام میں لائے۔ پس حسن کاری کی ہر جدت قدامت سے وجود میں آتی ہے۔ ایک صاحب ذکاوت اپنی انمٹ مہر اس کارنامہ پر لگاتا ہے اور تخیل کیلیئے ایک ناقابل اظہار سحر عطا کرتا ہے۔ جس حد تک زمانہ کا روحانی کردار حسن کار کو بے تابو کرتا اور اسکے کارنامہ میں جگہ پاتا ہے۔ اس حد تک وہ ہمیشہ ایک خاص عظمت کا حامل ہوتا ہے اور مستقبل کے ناظرین کیلیئے نامعلوم۔ ناگزیر اور آسمانی شہ کا نمائندہ ہوتا ہے کوئی شخص خود کو اپنی کاوش سے مشیت ( ) کے اس عنصر کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص خود کو اپنے ملک اور عہد سے آزاد نہیں کر سکتا اور ایسا کارنامہ پیش نہیں کر سکتا جس میں اپنے زمانہ کی تعلیم۔ مذہب۔ سیاست۔ رسوم اور فنون کا شائبہ نہ ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی اچھی (اور جبل) کتنا ہی باعزم اور کتنا ہی خود نما کیوں نہ ہو وہ اپنے کارنامہ سے ان حالات کو دور نہیں کر سکتا جس میں اس کی نشوونما ہوئی۔ اس قسم کا گریز خود اس طریقہ کا پتہ دیگا جس سے وہ گریزاں ہے۔ بالکل غیر شعوری اور نامعلوم طور پر وہ اپنے گرد و پیش اور اپنے معاصر کا طرز فکر کے ذریعہ مجبور رہتا ہے کہ اپنے زمانہ کے رواج میں شرکت کرے (خواہ وہ اس سے بخوبی واقف ہو یا نہ ہو) جو چیز اسکے کارنامہ میں ناگزیر ہے اس چیز کے مقابلہ میں زیادہ سحر آفریں ہوتی ہے جو انفرادی استعداد کی وجہ سے اسمیں جگہ پا سکے کیونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسن کار کے متقیم ( ) اور رہنمائی ( ) کو نسل انسانی کی تاریخ میں ایک خط نقش کرنے میں ایک عظیم ترین ہاتھ کا سہارا اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس واقعہ سے مصری میرو۔ غلیفون ہندی۔ چینی اور سکسونی قوموں کو ایک قدر حاصل ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ کتنے بھدے اور بدنما کیوں نہ ہوں۔ وہ اپنے وقت کے انسانی روح کے ارتفاع کو ظاہر کرتے ہیں اور محض وہمی نہیں۔ اور انکی ابتدا ایسی ضرورت کے تحت ہوئی جو زندگی کی طرح عمیق ہے اور یہ وثوق کیسا تھ کہا جا سکتا ہے کہ فنون لطیفہ ( ) کی تمام معلومہ پیدا وار تاریخ کے طور پر اپنی اعلیٰ ترین قیمت رکھتی ہے۔ یعنی ایک تکمیر کے طور پر۔ جو اس مکمل اور خوبصورت منظر ( ) کی شبیہ میں کھینچا گیا جسکے احکام کی رو سے تمام جاندار اپنے حسن و جمال کیطرف ترقی کرتے ہیں۔

پس تاریخی نقطہ نظر سے حسن کاری کا کام ادراک حسن کی تربیت ہے۔ ہم ہمیشہ حسن و جمال میں مخلوط ہوتے ہیں مگر ہماری آنکھ کوئی واضح نظر نہیں رکھتی۔ انفرادی خط و خال کی نمائش سے وہ خوابیدہ مذاق کی رہبری کی طلبگار ہوتی ہے۔ ہم کندہ ( ) کرتے اور رنگ کاری کرتے ہیں یا شکلی اسرار متعلمین کے طور پر کندہ شدہ اور رنگ کردہ شئے کو دیکھتے ہیں۔ حسن کاری کا اثر تفریق یا علیحدگی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک چیز کو پریشان کن تنوع سے جدا کرتے ہیں۔ جبتک ایک شئی دوسری اشیاء کے علاقہ سے باہر نہیں آتی اسوقت تک اس سے لطف اندوز ہی ( ) اور اس پر خیال آرائی

( ) ہوسکتی ہے لیکن
وہ کسی خاص خیال ( ) کی حامل نہیں ہوتی
بعض لوگوں میں یہ بات پائی جاتی
ہے کہ جس شئے سے خیال یا لفظ تو وہ منقوش کرتے
ہیں اُسے ایک استثنائی کمال ( ) سے
معمور کرتے ہیں اور اسکو اسوقت کے لیئے
کائنات کا قائمقام بنا کر پیش کرتے ہیں یہی لوگ
حسن کار ۔ مقرر اور علمبردار ان معاشرہ ہیں۔
کسی شئے کو اعلیٰ درجہ کرنے نیز اسکو ارفع کرنیکی
قابلیت شاعر اور مقرر کے لیئے نہایت
اہم ہے ۔ یہی بلاغت (یعنی کسی شئے کی
موثر فی عظمت کی تثبیت) جو برک (مقرر)،
بائرن (شاعر) اور کارلائل (فلسفی) میں
اتنی نمایاں ہے اُس کا اظہار رنگ کار اور
آذر ( ) رنگ اور پتھر کے
ذریعہ کرتے ہیں۔ یہ قابلیت حسن کار کے
کسی شئے میں نفوذ کے عمق پر منحصر ہوتی ہے۔
کیونکہ ہر شئے مرکزی فطرت میں اپنی جڑیں
رکھتی ہے اور ہمارے سامنے اس طرح ظاہر
کیجا سکتی ہے کہ گویا غائندہ عالم ہے۔ پس
ذکاوت کا ہر کارنامہ اپنے عہد کا جایزہ ہے
اور تمام توجہ اپنی طرف مرکوز کراتا ہے۔
اُسوقت کے لیئے وہی ایک تذکرہ اور عمل کے
لایق ہوتا ہے ۔ خواہ وہ سانٹ ہو، پیرا۔
خیابان ۔ مجسمہ۔ اور تقریر ہو یا کسی مندر کی
تصویر ۔ میدان جنگ کا خاکہ یا کسی اکتشافی
مہم کی سرگزشت ۔ بعد ازاں ایک دوسری
شئے ہمارے پیش نظر ہوتی ہے جو پہلی شئے
کیطرح ایک مکمل وجود میں متشکل ہوتی ہے۔
مثلاً ایک خوشنما یا عجیبہ کو دیکھنے کے بعد
کوئی کام یا غبانی سے بہتر نہیں معلوم
ہوتا۔ تمام قدرتی اشیاء۔ تمام مخلصانہ
قابلیتوں اور تمام فطری صفات کی
خاصیت اور تقاضہ ہوتا ہے کہ خاص وقت تک
دنیا کی چوٹی پر رہیں۔ ایک بگلا ( ) جو
ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اچھلتا
پھرتا ہے اور تمام جنگل کو اپنی خوشی کا
ایک بڑا آشیانہ سمجھتا ہے کیطرح شیر کے
مقابلہ میں کم جاذب نظر نہیں وہ موجودہ
خود مکتفی اور اسوقت کے لیئے نمائندہ
فطرت ہے ۔ ایک اچھی بیالہ ( ) فلم اکاؤں
اور دل کو اسیطرح بھلی معلوم ہوتی ہے
جسطرح قبل از بیں رزمیہ نظم معلوم ہوا ہی
تھی ۔ اسیطرح کتوں یا خرزہ دں کا گروہ
کافی دل خوش کن ہوتا ہے اور مشکل مجلوکے
کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح صداقت
میں کم نہیں ۔ خوبصورت اشیاء کہ اس
تسلسل سے بالآخر ہمیں دنیا کی بے پایانی
اور فطرت انسانی کی تونگری کا علم ہوتا
ہے جو کسی ایک سمت میں لامتناہی تک
پہنچ سکتی ہے ۔ لیکن اسکے ساتھ یہ نظر انداز
نہیں کیا جاسکتا کہ پہلے کارنامہ میں جو چیز
ہماری حیرت اور تسحوریت کا باعث
ہوئی دوسرے کارنامہ میں وہی اسکی وجہ
تھی اور تمام اشیا کا حسن فی الحقیقت ایک ہے۔
رنگ کاری اور آذری کا کام
بظاہر محض ابتدائی ( )
معلوم ہوتا ہے ۔ بہترین تصویریں بآسانی
اپنا آخری راز کہدیتی ہیں ۔ بہترین تصویریں
بعض عجیبہ و غریب نقاط ۔ خطوط اور
رنگوں کے ناہموار ( ) نقشے
ہیں ۔ رنگ کاری آنکھ کے لیئے ایسی ہی ہے
جیسے رقص اعضاء کیلئے ۔ جب جسم خود
اختیاری ادا سیکھ لیتا ہے تو ہر رقص کے
قدم بسیا ختہ طور پر پڑتے ہیں ۔ رنگ کاری سے
رنگ کی ضیاء ( ) اور شکل
کے اظہار کا سبق ملتا ہے اور جب میں
بہت سی تصویریں اور اعلیٰ حسن کا نمانہ
ذکاوت کو دیکھتا ہوں تو پنسل کی بے
انتہا قوتگری اور حسن کار کی غیر جانبداری کا
علم ہوتا ہے جسکے ذریعہ وہ مخمنہ اشکال
میں سے آزادانہ انتخاب کرتا ہے۔ آذری کی
نمائش گاہ بھی دنیا وہ متانت سے یہی سبق دیتی
ہے ۔ تصویر سے رنگ کا سبق ملتا ہے تو آذری سے
شکلی تشریح کا ۔ جب عمدہ مجسمے دیکھکر ایک
پبلک جلسہ میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے اس
شخص کا عندیہ بخوبی سمجھ میں آتا ہے جس نے
کہا تھا "میں ہومر کا مطالعہ کرتا ہوں تو تمام
انسان، دیو نظر آتے ہیں" مجھے یہ بھی
معلوم ہے کہ رنگ کاری اور آذری انکی
ورزش ہیں اور اسکی تربیت ایسے لطائف
اور عجائب سے باخبر کرتی ہے ۔ جیتے جاگتے
انسان کی طرح کوئی مجسمہ نہیں اور اسے
تمام تصویری آذری پر لانتہا فوقیت حاصل
ہے ۔ کیونکہ اس میں وہ انمی گونا گونی پائی جاتی
ہے ۔ حسن کاری کی یہ نمایش کتنی دلکش ہے ؟
کسی معمولی صنعت کار نے ان مختلف گروہوں
اور مختلف انفرادی اشکال کو نہیں بنایا۔
یہاں خود حسن کار اپنے سانچہ پر ترمیم کرتا
اور نرشت رو اور رشتاواں ہوتا ہے۔
کبھی اسے ایک خیال آتا کبھی دوسرا۔ اور
ہر جنبش کیساتھ وہ اپنی مٹی کی سیج، صحیح،
انداز، ڈھنگ اور طرز ادا کو بدل دیتا
ہے ۔ اگر حسن کار نہ نمود: تمہاری آنکھ کو
وہ انمی حسن کاری کے سحر کیطرف متوجہ نہیں
کرتے تو وہ کاذب اور بیہودہ ہیں۔
تمام حسن کارانہ پیداوار کا ایک
فوق الفطری طاقت کیطرف اشارہ عملی
حسن کارانہ اعمال کی مشترک خصوصیت ہے۔
اور یہی وجہ ہے کہ وہ عالمگیر طور پر قابل فہم
ہوتے ہیں ۔ وہ دل کی سادہ ترین کیفیت کو
تازہ کرتے ہیں اور اسطرح انکی حیثیت
مذہبی ہے ۔ چونکہ حسن کارانہ عمل میں جو
کمال ظاہر کیا جاتا ہے وہ اصل کی دوبارہ
تشکیل پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اسلیئے اسکا اثر وہی
ہونا چاہیئے جو قدرتی شئی کا ہوتا ہے۔
پس اپنے خوش کن پہلو میں حسن کاری اور
فطرت یکساں معلوم ہوتے ہیں یہاں کمال

حسن کاری ہے یعنی اہل ذکاوت کا کارنامہ۔ اور وہ محض حسن کاری کا بہترین ناقد ہے جس میں سادہ مذاق اور عام انسانی اثرات کی پذیرائی مقامی اور مخصوص تہذیبی حالات کو مغلوب کر لیتے ہوں۔ گو ہم تلاش حسن میں تمام دنیا کی سیر کر سکتے ہیں لیکن یہ احساس خود ہم میں ہونا چاہیئے ورنہ ہم اسے ہرگز نہ پا سکیں گے۔ حسن کی روح اس سے بہت طلسم ہے جسے سطوح اور خاکوں کے کمال یا حسن کاری کے اصول سے سیکھا جا سکے یعنی حسن کار کا وش اور انسانی کردار کا ایک شرارہ۔ اور ہماری فطرت کے عمیق ترین اور سادہ اور حاوی موسیقیانہ آواز کا عجب اظہار۔ ان لوگوں کیلئے جن میں یہی صفات پائے جاتے ہیں یہ سب سے زیادہ قابل فہم ہوتا ہے۔ یونانیوں کی آذریوں۔ رومیوں کی معماریوں۔ اور شکنی اور وینسی ماہرین کی تصاویر میں اعلیٰ ترین سحر دہ عالمگیر زبان ہے جس سے وہ گویا ہیں۔ ان سب سے اخلاقی فطرت۔ پاکیزگی محبت اور رجائیت کی بو آتی ہے۔ جو چیز ہم انکے پاس لیجاتے ہیں اسی کو ذہن میں زیادہ خوبی کیساتھ وسیع کر کے ہم واپس لوٹتے ہیں ایک زائر جو دیکھن (قیامگاہ پر) جاتا اور معمولی اور تصاویر کی گیلریوں اور بیش بہا چیزوں سے بنی ہوئی ہر قسم کی حسین اشکال دیکھتا ہے تعجب نہیں کہ وہ ان اصولوں کی سادگی کو نظر انداز کر دے جن سے وہ معرض وجود میں آئے بیشتر ان اصولوں کی جڑیں انہی خیالات اور قوانین میں موجود ہیں جو اسکے سینہ میں پنہاں ہیں وہ ان تعجب خیز ہم شمار کے ذریعہ فنی اصول کا مطالعہ کرتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کارنامے ہمیشہ اسی طرح جمع نہ تھے اور وہ ملکوں کی زائن منت ہیں۔ ان میں سے ہر چیز مختلف حسن کاروں کے کارخانہ سے حاصل ہوئی۔ ہر حسن کار نے غالباً دوسری حسن کاری کے وجود سے بے خبر رہ کر کوشش کی اور اسکے کارنامہ کی تخلیق میں کوئی نمونہ سامنے نہ تھا۔ سوائے زندگی بود و باش اور شخصی تعلقات کے۔ ہنس مکھ اور زندہ دل ساتھیوں۔ خوش آمدید کہنیوالی نگاہوں اور افلاس۔ حاجت۔ امید اور بیم کے۔ یہی اسکے القا کا باعث تھے اور یہی اثرات وہ تمہارے دل و دماغ پر منقوش کرتا ہے۔ حسن کار اپنی قدرت و کمال کی مناسبت سے اپنی کاوش میں اپنے اصلی کردار کا عکس کرتا ہے۔ وہ اپنے مواد سے کسی طرح تنگدل اور پست ہمت نہیں ہوتا بلکہ خود کو اسمیں مشکل کر تنیکی کو شامل کرتا ہے۔ اس کوشش میں پتھر اسکے ہاتھ میں موم بنجاتا ہے اور وہ اپنی پوری جسامت اور تناسب میں خود کو موزوں طور پر اپنے کارنامے میں منتقل کرتا ہے۔ وہ کسی رواجی عادت اور نسبت سے خود کو بوجھل نہیں کرتا اور نہ رومن اور پیرس کے طرز کے متعلق سوال کرتا ہے بلکہ اسکا اپنا مکان ـــ خواہ وہ کتنا تنگ اور تاریک کیوں نہ ہو۔ اسکے لئے شمع راہ بنجاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں مجھے اطالوی رنگ کاری کی اطلاع ملی تو میں نے تصور کیا کہ وہ عظیم الشان تصاویر دیکھنے کا ادارہ ہے۔ جب میں روما پہنچا اور اپنی آنکھوں سے ان تصویروں کا مشاہدہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہل ذکاوت نے مقدیوں کے مکانیں نمود و نمائش سپرد کر دی ہے اور اپنے لئے سادگی اور صداقت رکھی۔ یہ تصویریں بالفعل مانوس اور مخلصانہ تھیں۔ ان میں وہی پرانی حقیقت موجود تھی جس کو میں نے بہت سی تصویروں میں پایا۔ اور جس میں میں نے اپنی زندگی گزاری۔ مجھے یہی تجربہ نیپلز کے گرجا میں ہو چکا تھا۔ وہاں بھی میں نے دیکھا کہ کوئی چیز میرے لیئے نئی نہ تھی۔

مجھے کوئی چیز اتنی متعجب نہیں کرتی جتنی فہم عامہ اور سادہ کاری۔ تمام عظیم کارنامے سادگی سے پُر ہیں اور تمام عظیم تصویریں سادہ۔ رفیل کی تصویر ٹرانسفگریشن اس عجیب و غریب قابلیت کی اعلیٰ مثال ہے۔ اس تصویر میں ایک پُرسکون اور مشفقانہ حسن نمایاں ہے اور دل پر فوراً اثر کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے لطف اور پُرعظمت چہرہ کی تعریف کسی طرح ممکن نہیں۔ اس تصویر سے تمام غیر معمولی توقعات پر پانی پھر جاتا ہے۔ یہ سادہ اور گھریلو چیز گویا ہمارے کسی دوست کا معلوم ہوتا ہے۔

جب ہم نے حسن کاری کے متعلق تمام اچھی باتیں بیان کر دی ہیں تو ہمیں آخر میں بخوشی تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہماری حسن کاریاں محض مبتدیانہ ہیں۔ سب سے بڑی تلاش اسکے مقصد و غائت کے لیئے ہونی چاہیئے نہ کہ محض پیداوار کے لیئے۔ وہ شخص استعداد انسانی کے متعلق نہایت تنگ نظر ہے جس کا خیال ہے کہ حسن کارانہ پیداوار کا بہترین عہد ختم ہو چکا۔ ایلینڈ (مشہور یونانی شاعر ہومر کی نظم) اور ٹرانسفگریشن (اطالوی حسن کار رفیل کی تصویر) حقیقی قدر طاقت کی نشانی کے طور پر ہے۔ وہ میلان انسانی کے عظیم دریا کی امواج ہیں یعنی قوت تخلیق کی علامتیں۔ وہ حسن کاری ابھی کمال اور پختگی سے بہت دور ہے جو دنیا کے طاقتور ترین اثرات کے ساتھ ہم دوش ہو، جو عملی اور اخلاقی ہو۔ جو ضمیر کیساتھ رشتہ نہ رکھے اور جو مفلس اور جاہل کو یہ احساس نہ کرائے کہ وہ ان سے ایک اعلیٰ مسرت آگیں آواز سے مخاطب ہے۔ حسن کاری کے لیئے فنون سے زیادہ

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

موسیقی اور ہندی کے آلات موسیقی

از

کپتان محمد اعجاز علی شہرت

(۶)

دھمک کے باجے تال دینے کے ہیں کھال کے منڈھے ہوئے اُن باجوں کا ذکر ہو چکا جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں۔ ان میں لطف پیدا کرنے کے لئے ہاتھ سے بجانے کے اور بھی دو تین باجے ہیں۔ یہ باجے برنجی (پیتل کے) ہیں ایک لکڑی کا ہے۔

(۱) کرتال۔ (۲) جھانجھ (۳) مجیرا یا منجیرا۔

(۱) کرتال (یعنے ہاتھ کی تال) لکڑی کے دو لانبے لکڑے ہوتے ہیں۔ پشت کی جانب دو آہنی یا برنجی حلقے لگے ہوتے ہیں۔ ایک بیچ کے انگلی میں دوسرا انگوٹھے میں پہنا جاتا ہے۔ دونوں سے ہر قسم کے تال بجتے ہیں فقط بھجن کاری لوگ بجاتے ہیں۔ اور بعض تو اس قدر تیز بجاتے ہیں کہ ان کے ساتھ میں نہیں چل سکتی۔

(۲) جھانجھ۔ مشہور و معروف باجہ ہے۔ پیتل کے دو تشتریاں ہیں۔ بیچ میں اودھری ہوئی۔ اس جگہ سوراخ رہتا ہے۔ اوس میں تسمہ یا رسّی بندھی رہتی ہے اس سے گرفت ہوتی ہے جلجل۔ انگریزی میں تمبل کہتے ہیں ملٹری بینڈ میں رہتا ہے ٹرکش تمبل کہلاتا ہے۔

(۳) مجیرا۔ یا منجیرا۔ پیتل کی دو کٹوریاں ہیں۔ ایک تلی میں بندھی ہوئی۔ ایک بائیں ہاتھ میں رہتی ہے۔ انگلیوں پر رکھی ہوئی حلقہ اوپر کی جانب۔ دوسری فرد داہنے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اوس کا حلقہ ہاتھ سے بالکل جدا رسی ہاتھ میں رہتی ہے۔ پکھاوج اور طبلہ کی طرح اس میں بھی تال بجتی ہے۔ فقط دو بول ہیں۔ ایک بند مجیرے کا اور ایک کھلے مجیرے کا بائیں ہاتھ کے انگلیوں سے داب لیا جائے تو بند مجیرا ہوتا ہے چھوڑ دیا جائے تو کھلا ہے۔ بند کا بول۔ کرٹ۔ اور کھلے کا بول تائین۔۔ ہے۔ ان دو بولوں پر۔ تمام تالیں بجتے ہیں۔ کھلا زیر۔ اور بند بم ہے۔

(طبلہ) تا دھن دھن نا۔ نا دھن دھن نا۔ نا دھن دھن نا۔

(مجیرہ) تائین تائین کٹ تائین۔ تائین تائین۔ کٹ تائین۔ تائین تائین کٹ تائین تائین آئین کٹ تائین۔

پکھاوج یا طبلہ والا جب اپنے لے کو تیز کرتا ہے۔ اور دوگن گگن میں جاتا ہے تو اپنے متعدد بولوں سے کام لیتا ہے مگر یہ چھوٹا سا ساز اپنے دو بولوں میں سب کچھ کر جاتا ہے اور ساتھ نہیں چھوڑتا۔

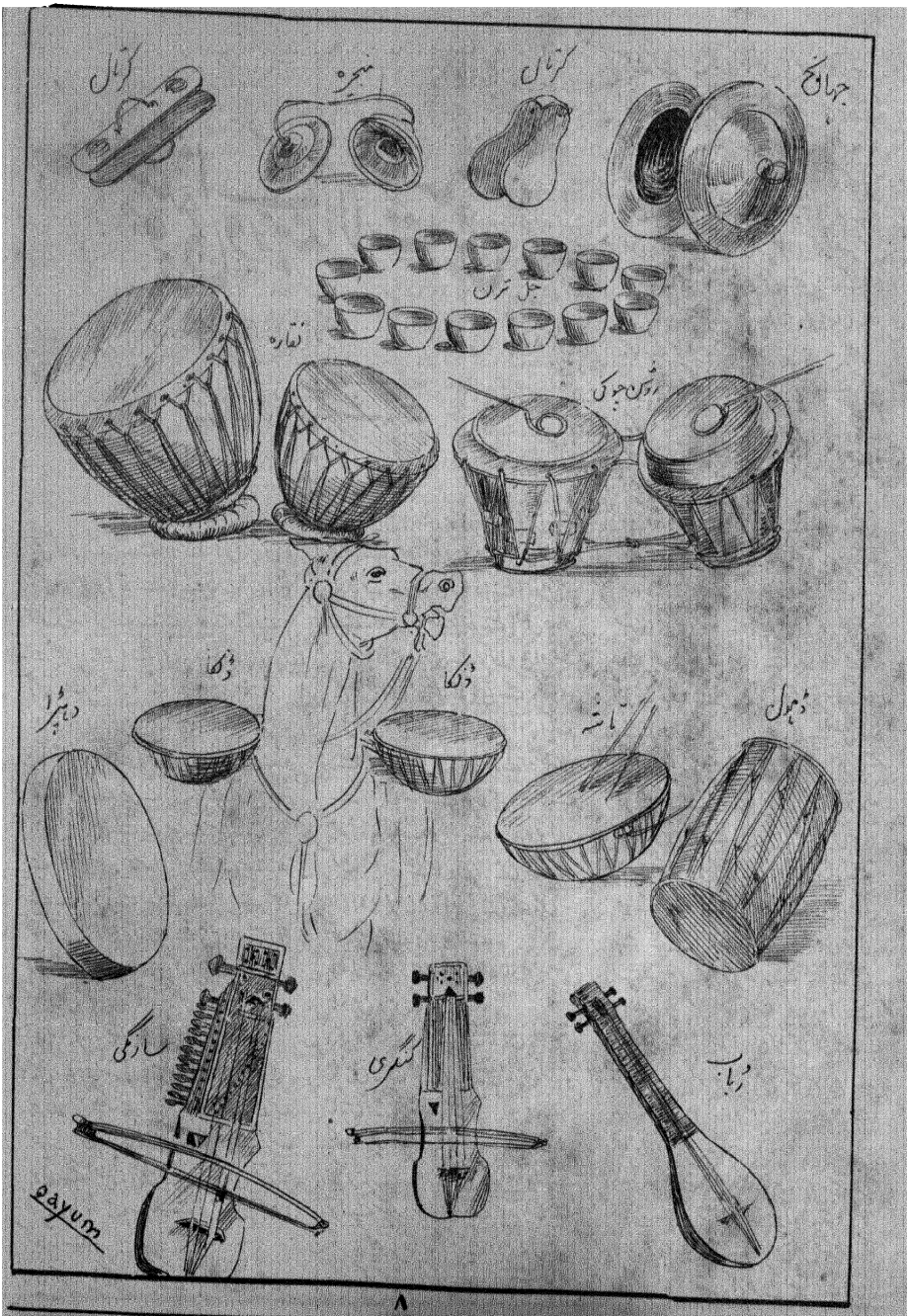
کرٹ کٹ کٹ کٹ تائین تائین لگاتا ہوا نہایت تیزی میں جاتا ہے۔ ہندی میوزک اسٹاروں کے جھرمٹ میں اب تو مجیرہ کا رواج باقی نہیں رہا۔ لیکن پوربیوں کے گھر بیاہ میں ڈھول کے ساتھ مجیر کا ہونا لازم ہے۔ ان برنجی سازوں میں۔ پاؤں کے گھنگرو ان کو شریک کر لینا چاہیے جن سے نرت کے بول خوش آئند ہوتے ہیں۔ یا اس کو پاؤں سے بجانے کا باجہ کہئے۔

دھمک کے باجے جو لکڑی یا چوب سے بجتے ہیں:

نقارہ۔ سنبھل۔ تاشہ۔ ڈھول۔ دھپڑہ۔ ڈنکا۔ جلترن۔

(۱) نقارہ۔ آہنی۔ ۲ دو کا سے ہوتے ہیں۔ جورے تھتی ہے۔ چھوٹا نیل (زیر) بڑا بم کہلاتا ہے۔ بدی۔ دھونسا بھی کہتے ہیں۔ شہنائی کا ساتھ ہے۔ چھوٹی جہانجھ بھی ہوتی ہے مجموعہ نوبت کہلاتا ہے۔ نقارے کے بول چوب سے بجتے ہیں۔ بڑا نقارہ دمامہ کہلاتا ہے (۲) سنبھل۔ یہ بھی جوڑی ہے لیکن نقارہ کی طرح زیر و بم جدا نہیں ہوتے باہم جڑے ہوئے رہتے ہیں شہنائیوں کے ساتھ مجموعہ کو روشن چوکی کہتے ہیں۔ جہانجھ نہیں ہوتی نوبت ٹھکانے پر بجتی ہے روشن چوکی چلتے ہوئے بھی بجتی ہے سنبھل کی جوڑی ہلکی ہوتی ہے گلے میں اُنکا کے کمر میں باندھ لی جاتی ہے۔ سنبھل کے بول نقارے سے جدا ہیں (دھلی۔ گڑ۔ گڑ۔ جھا) مثلاً ایک آواز ہے دھی گڑ گڑ گڑ جھا۔ دھی گڑ گڑ گڑ گڑ جھا۔ دھی گڑ گڑ گڑ جھا۔ نوبت عجمی ہے بجانیوالے سب مسلمان ہیں۔ روشن چوکی ہندی ہے بجانے والے سب ہندو۔

(۳) (۴) تاشہ۔ بہت عام ہے۔ مٹی کا بڑا کٹورہ ہے۔ چمڑا منڈھا ہوا۔ اب پیتل کا کاسہ رواج میں ہے۔ اس میں اسکرو والا سائڈ ڈرم (تنبور) کی طرح ہوتے ہیں۔


کرتال
منجیرہ
کرتال
جھانج
جل ترنگ
نقارہ
رُوس جھوکی
ڈگا
ڈگا
دھپڑا
تاشہ
ڈھول
سارنگی
گنگری
دُرباب
Qayum

ڈھول۔ تاشہ۔ یا تاشہ مرفہ جوڑی ہے یہ باجوں کا قدیم باجہ ہے۔ فوج کے نشان محرم۔ کے علموں۔ نیز رگوں کے ضلعوں میں عام تقریبوں میں بہت بجتا ہے۔ نقارے اور سنبھل کے جوڑے کو ایک ہی شخص بجاتا ہے۔ مگر تاشہ بجانے والا ایک اور ڈھول والا اوس کا ساتھی دوسرا ہوتا ہے تاشہ (زیر) اور ڈھول (بم) بجتا ہے۔

(۵) دھپڑا (دف کی تصغیر ہے م) ایک بڑا گھیر الکڑی کا ہے۔ چمڑا منڈھا ہوا ایک موٹی چوب اور ایک باریک چوب سے بجایا جاتا ہے گویا زمیر و بم کا کام ایک ہی رخ سے لیا جاتا ہے۔ سینگ دھپڑے کا جوڑ ہے پرانا فوجی باجا معلوم ہوتا ہے گاؤں کی تو خاص باجہ ہے۔ نیچ قوم والے بجاتے ہیں

(۶) ڈنکا۔ پیدلوں میں نشان کے ساتھ تاشہ مرفہ ہے تو سواروں میں نشان کے ساتھ ڈنکا ہے جوڑی ہے گھوڑے پر رکھا جاتا ہے۔ کیولری بینڈ میں بھی کٹل ڈرم رہتا ہے۔

طبل و نقارہ کے خاص ضربات ہیں جو ہر موقعہ کے لئے مخصوص ہیں۔ طبل جنگ (جنگ کی خبر دیتا ہے) طبل آسائش (کہ کھولد نے یا قیام کی خبر دیتا ہے) طبل کوچ یا کوس چل کوچ کرنے کی اطلاع دیتا ہے) صدائے طبل کو نظم بھی کیا ہے۔

زنقارہ آمد صدائے برون۔
کہ گردون دون است دون است دون

دوسرا مصرعہ زیر و بم پر مطابق کیا جائے تو گراور است زیر پڑتے ہیں اور دون بم پر۔ اس ڈھول کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ جس کو یہاں ہندو فقیروں کا ایک فرقہ بجاتا ہے مرد تو اپنے جسم کو کوڑوں سے زخمی کرتا ہے اور اس کی عورت ڈھول کے ایک رخ کو ایک خمدار چوب سے رگڑتی ہے اور اس وہ آواز بھبوق پیدا ہوتی ہے کہ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ کے آخر میں بندر کی ڈگڈگی ہی ہو جاتی ہے۔

(۷) جلترن۔ (کپس)۔ بلور یا چینی کے چھوٹے بڑے کٹورے ہوتے ہیں دو باریک لکڑیوں سے بجائے جاتے ہیں۔ برابر کے کٹوروں میں پانی بھی بھر لیا جاتا ہے۔ جس کی مقدار کی کمی زیادتی سے مختلف آواز پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایسا باجہ ہے جس کی جگہ سر اور دھمک کے باجوں کے درمیان میں ہے۔

تنت باجے

تنت وہ باجے ہیں جن پر تانت یا تار چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) جن پر تانت چڑھلی ہو (۲) جن پر تار چڑھا ہو۔ (۳) جن پر تانت ہو اور کمانچہ یا گز سے بجائے جائیں (۴) جن پر تانت چڑھی ہو اور مضراب سے بجائے جائیں (۵) جن پر تار ہوں اور کمانچہ یا گز سے بجائے جائیں۔ (۶) جن پر تار ہو اور مضراب سے بجائے جائیں۔

گز۔ کمانچہ۔ انگریزی بو۔ لکڑی کا ٹکڑا ہے اس پر گھوڑے کے بال بندھے ہوتے ہیں ان بالوں کو تانت پر رگڑنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ مضراب معینے میں تو عام ہے مگر میں اور ستار کے لئے خاص ہو کے رہ گیا ہے تاکہ عجلا ہے انگلی میں پہنا جاتا ہے لوہے کے ٹکڑے سے ساز بجتے ہیں۔ ہندی میں جوا فارسی میں ناخنہ یا زخمہ کہتے ہیں۔ طرب ساز کے ضروری تاروں کے سوا مختلف طول کے اور بھی تار لگا دئے جاتے ہیں۔ جو تار پیتک کہے ایک سر میں ہوتا ہے یہ تار بجائے نہیں جاتے لیکن ساز کے بجنے سے ان میں بھی خفیف سا ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کے ہمام سروں کی لہریں ساز کے سروں میں شامل ہو کے ساز کی آواز کو دلفریب کر دیتے ہیں۔

انسان کا گلا قدرتی ساز ہے انسانی آواز کو موسیقی دانوں نے دو طرح پر تقسیم کیا ہے یہ آواز (سنسکرت ناد) اگر پست اور موٹی ہے تو کہتے ہیں۔ گلا وہر بدانگ ہے۔ اگر بلند اور باریک ہے تو کہتے ہیں گلا تیہ انگ ہے۔ انسانی آواز کی ہم آہنگی کے لئے ساز بنائے گئے ہیں۔ پس ان میں سر جی اوسی حد تک کھنچے گئے ہیں اور ساخت میں قدو قامت کا ہے اتنا ہی خیال رکھا گیا ہے ہر گانے والا اپنا ساز آپ اوٹھا سکے۔

تانت کے باجے۔ ستار۔ سارنگی۔ کنگری۔ بیلا۔ رباب۔

(۱) سارنگی۔ انسان کے گلے کا ساتھ دینے میں اس سے بہتر باجا نہیں ساری تعلیم کا دارومدار اسی پر ہے۔ نہایت دلفریب اور خوش آیند ہے۔ ایک لکڑی میں کھودا جاتا ہے۔ کاسہ پر چمڑا منڈھا ہوتا ہے۔ باجے کے لئے تین رود ے ہوتے ہیں گز سے بجایا جاتا ہے تختہ پر دونوں جانب متعدد طرب ہیں ہوتی ہیں ساز کیا ہے سروں کا دریا ہے ساز اور اس کے طربوں کا ملانا مشکل کام ہے محض واقفیت کام نہیں آتی کان بہت ہونی چاہئیں سروں کے جگہ پردے نہیں بندھے ہوتے ہیں انگلیوں میں آنکھیں ہوتی ہیں۔ (اپنے ہاتھ سے گز فقط تانت پر چلتا رہتا ہے سارا کام بائیں ہاتھ کا ہے تانت کے نیچے دوڑتا رہتا ہے اور (۴۸۴۸۴) راگ راگنیاں ایسے لکڑی میں اپنے جلوے دکھاتی ہیں۔ جب سے ہارمونیم کے منحوس قدم ہند میں آئے اور بلا بلایا ساز لوگوں کو مل گیا۔ سارنگی کا رواج کم ہو گیا (گانا بھی بگڑ گیا) آسانی پسند بھک نکلے۔

(۲) کنگری سارنگی سے چھوٹا اسی وضع قطع کا ساز ہے۔ طرب نہیں ہوتیں۔ گز سے بجتے ہیں تانت کے اوپر انگلیاں کام کرتی ہیں۔

(۳) بیلا۔ کنگری سے بڑا ہوتا ہے۔

واقف کاروں نے کنگری اور بیلے کو ترقی دے کے اوس میں طرب شریک کر دیں اور سر کو اعلیٰ پیمانہ پر پیدا کرنے کے لئے۔ تانت کے نیچے انگلیوں کے



مصورہ: مسز لیتھوگرافی

فن طباعت

یعنی

فن لیتھوگرافی

از۔ و۔ ب۔ حیدرآبادی

اس فن لطیف کو ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے جسقدر کم تعلق ہے۔ اسیقدر ہم یعنی ہندوستان والے خصوصاً اہل دکن اس سے بے تعلقی برتتے ہیں۔ مغربی ممالک میں یہ فن جسقدر عام اور ترقی پذیر حالت میں ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حالانکہ انکی تمام علمی۔ تجارتی اور صنعتی ضروریات ٹائپ اور بلاک سے پوری ہوسکتی ہیں۔ لیکن ہندوستان اور خصوصاً ہمارا ملک یعنی دکن ہر لحاظ سے خواہ وہ تجارتی ہو یا علمی، اس فن کا محتاج ہے۔ اب اگر ہم اس پر غور کریں کہ وہ ممالک جو فن کے محتاج ہی نہیں ہیں پھر بھی کیوں ترقی کر رہے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ تجارت وصنعت کا اصلی دارومدار اس فن پر ہے۔ نیز جو سہولتیں اور خوبیاں اس فن میں وہ ٹائپ میں نہیں۔ کیونکہ ٹائپ یا بلاک کی ایک خاص حد معین ہے اسکے بعد اس سے کام نہیں لیا جاسکتا لیکن لیتھوگرافی کے ذریعہ جو طباعت ہوتی ہے اس کا پتھر کبھی بیکار نہیں ہوتا، بشرطیکہ کوئی فن داں اس پر کام کرتا رہا ہو۔ چنانچہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بلاک یا ٹائپ زیادہ سے زیادہ تیس ہزار داب دینے کے بعد اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا بلکہ اکثر وبیشتر ناکارہ ہوجاتا ہے۔ لیکن لیتھو کے پتھر یا زنک یا المونیم پلیٹ پر ایک لاکھ داب نہایت عمدگی سے نکالے جاسکتے ہیں۔ علاوہ اسکے ٹائپ کی طباعت کے معنی یہ ہیں کہ اول تو ہماری کتابت کی وہ اصل شان باقی نہیں رہتی جو ایک خوشنویس کے قلم میں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ ہم انھیں چند معینہ جلی و خفی حروف کے پابند ہوجاتے ہیں جو ہمارے پاس موجود ہوں، اب اگر یہ ٹائپ جگہ اور گنجائش کے لحاظ سے موزوں ہو تو بہتر ورنہ بدرجہ مجبوری ہماری کتابت کا سارا حسن خاک میں ملجاتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر کسی خوشنویس سے کتابت کرائی جائے تو وہ جگہ اور گنجائش کے لحاظ سے وقتیہ ایسے حروف لکھتا ہے جو اتنی ہی جگہ میں خاص حسن پیدا کردیتے ہیں۔

آجکل بھی جرمنی۔ امریکہ اور لندن جیسے تہذیب یافتہ ممالک میں حسین اور اچھی طباعت (خصوصاً رنگین طباعت) لیتھوگرافی کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ لیتھوگرافی سے مراد صرف اس طباعت سے نہیں ہے جو خاص قسم کے پتھر پر ہوتی ہے بلکہ ہر وہ طباعت جو لیتھوگرافی کے ذریعہ سے کیجائے۔ خواہ وہ زنک پلیٹ پر ہو یا المونیم پر یا پتھر پر۔

میرا ارادہ ہے کہ اس فن کے متعلق میرے معلومات ہدیۂ ناظرین حسن کار کروں، تاکہ ہمارے ملکی بھائیوں کو شوق پیدا ہو اور اس شوق کے ذریعہ اپنی قوم کی ایسی خدمت کرسکیں جسکے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ اور کم از کم اس آسون کے رونے سے نجات ملے کہ "ہمارے پاس کی طباعت باہر کے جیسی نہیں ہوتی"۔

لیتھوگرافی کی ایجاد لیتھوگرافی کے بنیادی پتھر چند قدرتی اصول ہیں جو چونا چربی اور پانی کے ایک جگہ جمع ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس قدرتی اصولوں کو سب سے اول الائس سینیفلڈر" ( ) نے معلوم کیا یہ لڑکا جزیرہ چکوسلوواکیا ( ) کے قصبہ پراک میں پیدا ہوا تھا جو بوہیمیا کا پایۂ تخت تھا۔ اس کا باپ موسیقی ( ) کے رائل تھیٹر میں ایکٹ کرتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کے لیئے یہ پیشہ مناسب نہ سمجھا اور قانونی تعلیم حاصل کرنیکے لیئے انگالشٹاٹ ( ) کی یونیورسٹی میں شریک کرادیا تھا۔ اس ہونہار لڑکے نے ابھی کالج کی تعلیم شروع ہی کی تھی کہ سر پر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اس کا رجحان قدرتی طور پر موسیقی اور ڈرائینگ آرٹ کی طرف تھا۔ باپ کی زندگی تک تو اسکے اس شوق کی چنگاریاں دبی رہیں۔ مگر اس کے مرتے ہی یہ شعلہ بنکر بھڑک اٹھیں مگر حیثیت نے اشارہ کیا اور ہونہار فرزند باپ کے نقش قدم پر چل کھڑا ہوا۔

زندگی کے اس نئے شعبہ میں قدم

رکھنے کے بعد اس نے بہت سی نظمیں لکھیں اور اس لوہ میں رہا کہ ان کو کسی نہ کسی طریقہ سے چھپوائے۔ بہت سے تجربات کرنے کے بعد جب ناکامی ہوئی تو اس نے تانبہ کے تختوں پر ان نظموں اور گانوں کو کندہ کیا اور ان پر سیاہی لگا کر کاغذ پر چھاپا، مگر یہ طریقہ بھی کچھ اس کے دل کو نہیں بھایا کیونکہ اس طرح چھاپنے میں اخراجات زیادہ اور نفع بہت ہی کم تھا۔

اس سلسلے میں اس نے ایک صاف پتھر خریدا جو اس زمانہ میں گلمین ( ) اسٹون کے نام سے ملتا تھا۔ اس پتھر کی کان اس مقام سے بہت نزدیک تھی جہاں وہ رہتا تھا۔ اس پتھر میں ایک خاص وصف یہ ہے کہ اسکے اوپر کا پرت نکالدینے کے بعد اس کی اندرونی سطح نہایت صاف اور ہموار نکل آتی ہے۔ سنیفلڈر نے اس پتھر کو صرف ان سیاہیوں کے ملانے کے لیے خریدا تھا جن کو وہ چھاپنے کے کام میں لایا کرتا تھا۔ مگر تجربہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پتھر نہایت سخت ہے۔ اور اس کی سطح نہایت جلد جلا قبول کرلیتی ہے۔ اب اس نے اپنے نزدیک یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نظموں کو بجائے جست یا تانبہ پر کھودنیکے اس پتھر پر کھودا کرے۔ ایک روز اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا اور اسی پتھر کا ایک ٹکڑا سامنے پڑا ہوا تھا کہ اسکی ماں آئی اور دھوبی کا حساب لکھنے کے لیے اس سے کہا۔ کاغذ اور قلم دوات اس وقت اسکے نزدیک موجود نہیں تھا۔ اس نے بطور یادداشت گلمین ( ) کے پتھر پر ہی اسی سیاہی سے لکھ لیا جو اس نے کندہ کرنے کی غرض سے عمان بیوم۔ اور لیمپ بلاک سے بنائی تھی۔ چند روز کے بعد جب وہ اس تحریر کو مٹانے لگا تو اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اس طرح کھودے کہ پتھر کی سطح سے حروف ابھرے ہوئے ہوں۔ یہ تجربہ کرنے کے لیئے اس نے ایک دوسرے پتھر پر اسی سیاہی سے لکھا اور حروف کے گرد وموم کا کنارہ دیکر پتھر پر نہایت گزور ایسڈ ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسڈ نے ان مقامات کو کھالیا جہاں پر سیاہی اور موم نہ تھا۔ اور اس طرح وہ حروف پتھر کی سطح سے اوپر ابھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

اول وہ تحریر کو پتھر کی سطح سے نیچے کھودا کرتا تھا جس طرح آجکل وزیٹنگ کارڈ یا ڈائیاں ہوتی ہیں۔ جن کے کھودنے اور چھاپنے میں ایسی بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اب اس نے پتھر کو اس طرح کھودنا شروع کیا جس طرح کہ لائن بلاک وغیرہ میں حروف ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ بھی لیتھوگرافی نہ تھا۔ مگر اس نے لیتھوگرافی کا ایک راستہ بتادیا۔

اس طریقہ سے سنیفلڈر نے اپنی بہت سی نظمیں چھاپیں جس سے اس کی امیدیں بڑھ گئیں اور وہ اس کو کامیاب بنانیکے لیے بہت کوشش کرنے لگا۔ اس میں اسے بڑی بڑی دقتیں اٹھانی پڑیں اور پتھر کو پالش کرکے تحریر کو نہایت احتیاط سے الٹا لکھکر نائٹرک ایسڈ سے کھودنے کے علاوہ اس کو چھاپنے کے لیے بھی خاص انتظام کرنا پڑا۔

اول اس نے مختلف سیاہیاں بنائیں۔ اور ایک علیحدہ پریس تیار کیا۔ ان تکالیف اور طرح طرح کی ناکامیوں نے اس کی ہمت تو توڑ دی مگر اس پر بھی وہ نہایت استقلال اور مردانگی سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ایک دن وہ آیا کہ محنت نے کامیابی کا تاج سر پر رکھا۔ اور لیتھوگرافی وطباعت کے راز جو قدرت نے ایک زمانہ سے پوشیدہ رکھا تھا تمام اس پر ظاہر ہوگئے۔

اس نے اپنے تجربات میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ جس پتھر پر وہ کام کرتا تھا اس کو چربی سے خاص لگاؤ تھا۔ اور اس میں مسامات تھے جس میں پانی وغیرہ جذب کرنیکی خاصیت تھی

مختصر یہ کہ پتھر جس جگہ کہ چربی یا اس کے اجزا ہوتے ہیں وہ چھاپ کی سیاہی کو فوراً جذب کرلیتے ہیں۔ وہ سری جانب یہ سہولت ہے کہ روغنی سطح پر پانی نہیں ٹھیرتا۔ بلکہ اس حصہ میں جذب ہوجاتا ہے جہاں چربی نہیں ہوتی اس سے یا آسانی ہوتی ہے کہ چھاپنے کے وقت پتھر کی سطح پر پانی کا پچارا دیکر اس قسم کی سیاہی استعمال کرتے ہیں جس کے اجزا میں چربی ہوتی ہے اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ پتھر پر جہاں چربی ہوتی ہے وہ سیاہی کو جذب کرلیتا ہے اور جو حصہ پانی سے تر ہوتا ہے وہ سیاہی کو جذب نہیں کرتا۔

چند روز کے بعد اس کو یہ تجربہ بھی ہوگیا کہ اگر کسی کاغذ پر گوند یا اسی قسم کے اجزا کی کوٹنگ دیکر چربی یا اسی قسم کے اجزا سے لکھا جائے تو وہ پتھر پر نقل ہوسکتا ہے۔ اور تحریر منتقل کرنے سے پہلے اگر پتھر کو کمزور نائٹرک ایسڈ سے دھوکر صاف کردیا جائے اور تحریر منتقل کرنے کے بعد ایک ہلکی سی کوٹنگ عربی گوند کی دیدی جائے تو پھر چھاپائی نہایت لاجواب ہوگی۔

جب طباعت کی کامیابی اس نوبت پر پہنچی تو سنیفلڈر نے نہایت وضاحت سے اپنے تجربات قلم بند کئے اور ۱۸۰۰ء میں جرمنی، آسٹریلیا۔ اور انگلینڈ میں اپنے حقوق محفوظ کراوئے۔ سنیفلڈر کا انتقال ۱۸۳۴ء میں ہوا مگر اپنی زندگی میں اس نے اپنی اس حیرت انگیز ایجاد کو یورپ کے ہر حصہ میں بچشم خود دیکھ لیا۔

اسکے بعد اس فن میں دن دونی و رات چوگنی ترقی ہونے لگی ۱۸۱۶ء اور ۱۸۱۷ء میں اسٹیم سلنڈر پریٹنگ مشین نے طباعت کی دنیا میں گویا ایک بجلی کی لہر دوڑادی۔ چھاپنے کے مردہ قالب میں ایک نئی روح پھونکدی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ طباعت نے نیا جنم لیا۔ لکھنے کے نت نئے اصول چھاپنے کے نئے نئے طریقے اور نوع بنوع لیتھو وغیرہ نے بیحد سہولتیں پیدا کردیں۔ (ختم)

بی پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں

(پہلی قسط)

علیگڈھ کا ایک دلچسپ واقعہ دو قسط میں [از اکبر وفاقانی بریلی]



"کسی نے سچ کہا ہے لفظ بگڑ دنیا میں بعض لوگ اپنے ذاتی اور بعض مانگے تانگے کے دماغ سے کام کرتے ہیں"۔ ہمارے دوست حامد فضائی دوسری قبیل کے ہیں جہاں کالج کے لکچروں میں پروفیسر نے کوئی نیا خیال ظاہر کیا، انھوں نے اسکو اپنے حافظے کے مطابق محفوظ کر کے اپنی دماغی قابلیت کی حد تک اسکا استعمال بھی شروع کر دیا۔ جہاں انھوں نے کوئی ناول دیکھی فوراً خود کو اسکا ہیرو تصور کر لیا اور اسکے حسین ہیروئن کی تلاش اپنے معمولی روزانہ کاروبار کے اشد ضروری صیغے میں داخل کر دی۔ کبھی منصور بن کر مہناز کی تلاش میں ہیں تو کبھی فلورنڈا کو حالت کفر سے اسلام میں لانیکی فکر کر رہے ہیں۔ تاریخ میں جسقدر بھی دلکش ہستیاں ہیں، سب کی سب بھوت بنکر ایک نہ ایک وقت انپر مسلط رہ چکی ہیں۔ ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ انھوں نے ایبٹ کی کتاب نپولین کا ترجمہ پڑھا، اس روز سے اپنے ہر خط میں "نا محکن" کا لفظ نہ لکھنے کی لعنت میں نہیں ہے" لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن قطع نظر اس کے حامد سمجھدار، معاملہ فہم، دنیا دار انسان تھا مجھ سے اسکو خاص انس تھا، مجھکو دوستی اور آشنائی کے بین بین سمجھنا چاہیئے۔

علیگڈھ میں نمائش ایک خاص چیز ہے، حکومت نے تو اسکا نام "ملکی صنعت کی نمائش" رکھا ہے لیکن در اصل غیر ملکی زرعی آلات اور مانچسٹر اور لیورپول کے کپڑوں کا بازار گھڑا کر دیا ہے۔ یہاں دور دور سے ہندوستانی قوم پرست آکر بدیسی کپڑے کی تجارت کو فروغ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ علیگڈھ کے طلبا کے نزدیک یہ انکے دماغ اور لباس کی نمائش ہے۔ ہر لڑکا تماشہ و خود تماشائی بنا ہوا نہایت اعلیٰ درجے کے سوٹ یا بعض وقت شیروانی میں مصروف گشت نظر آتا ہے۔ طلبا کو یونیفارم یعنی ترکی کوٹ پہننے کا سخت حکم ہے اسلیئے کوئی لڑکا اسکو نہیں پہنتا!! میں اور ہمارے دوست بھی اپنے یونیفارم پہنے "نمائش بازی" میں مصروف ہو گئے۔ نمائش کیا ہے؟ اچھا خاصا غوغہ رنگوں اور عجیب و غریب اذاروں کا بازار۔ مرمل گیٹ کے اندر کا حصہ نہایت آراستہ ہے اور باہر کے حصے نہایت گنجان۔ یوں سمجھئے جیسے رائے سینا اور پرانی دہلی۔ یہاں کا منظر باہر سے کچھ مختلف تھا۔ ہر طرف دکانیں نہایت

"حسن کار" ۱۲ ۔ اس قصے کے اکثر واقعات خیالی ہیں۔

سلیقے اور شان سے آراستہ تھیں جن میں کھلونوں، بوتلموں، فوٹوگرافی کے سامان، چینی کے برتن اور زیادہ تر مغربی چیزیں نظر آتی تھیں۔ بیرونی مجمعے اور اندرونی جمگھٹے میں صرف ایک فرق تھا۔ باہر آوازیں زیادہ تھیں اور اندر لباس کی رنگارنگی نے ایک موثر رباطوفان مچا رکھا تھا۔ ایک طرف صنف نازک کے پرے کے پرے مصروف تفریح تھے تو دوسری طرف طلبا رکے غول کے غول پھر رہے تھے۔ ان لڑکوں کو اگر کوئی دیکھے تو بے ساختہ اس کو یہی خیال گذرے گا کہ غریب اور مفلس مسلمانوں کے یہ متمول سپوت صرف قہقہوں کو زندگی سمجھتے ہیں۔ میں اور حامد



گھومتے گھومتے کبھی کسی دکان کا مطالعہ کرتے تو کبھی کسی جلتی پھرتی گڑیوں کی دکان کے عشوہ و انداز میں محو ہو جاتے۔ ابھی ہم سامنے کے چوراہے تک بھی نہیں پہنچے تھے جہاں پر ایک خوبصورت حوض بنا ہوا ہے اور جس کے اوپر کے منڈیر پر برقی روشنی کا فوارہ نظر آتا ہے کہ دو برقعے نظر آئے، ایک سفید اور دوسرا سیاہ۔ آخر الذکر کو زنانی غبارے کی جوانی اور اٹھلائی ہوئی چال نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ شاید حسن کی پردہ پوشی ہی حسن بیں نگاہوں کے لیئے تازیانہ ہے۔

حامد نے کہا "تم نے کچھ دیکھا بھی؟"

میں نے کہا "دو برقعے ایک سفید اور ایک سیاہ"

"میاں! میں یہ نہیں کہہ رہا، ذرا آنکھ کھولکر دیکھو، تمام نمائش صرف ان دو برقعوں کی نقل و حرکت پر متحرک یا ساکن نظر آئیگی"

پہلے تو یہی خیال گذرا کہ حامد حسب عادت آسکر وائلڈ کے آرٹ اور ڈیکوریشن کے کسی خیال کو دوہرا رہا ہے، جو آج کل اس کے زیر مطالعہ ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بھی نہیں گذری تھی کہ مجھے اس کی یہ بات ایک حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ دونوں برقعے پوش ہستیاں بظاہر "دکان بازی" یعنی شاپنگ میں مصروف تھیں۔ جونہی کسی دکان پر یہ انہی جہاز لنگر انداز ہوئے، تمام کائنات نمائش اپنی جگہ ٹھہر گئی۔ جہاں انھوں نے دوسری دکان کا رخ کیا، فوراً سب لوگ متحرک ہو گئے۔ یوں دیکھنے کو تو ہر شخص کسی نہ کسی طرف دکھاوے کے مشغلے میں مصروف تھا، لیکن اگر مجمعے کی نظروں کا کوئی جائزہ لیگا تو اسے صاف معلوم ہوتا کہ نگاہ کے یہ تمام زاویئے صرف ان دو ہستیوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھکر میں اپنے آپ سے محجوب نظر آنے لگا اور بے باکی سے نظر بچا بچا کر اس طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن میاں حامد برابر ٹکٹکی لگائے انہی کو گھور رہے تھے۔ بیچ بیچ میں مجھ سے بھی کچھ کہہ بیٹھتے تھے۔

میں نے کہا "بھائی اس سے کیا فائدہ؟ ان دو برقعوں میں کیا دھرا ہے، کچھ شکل تو دیکھی نہیں جو ہم اپنا قیمتی وقت ضائع کریں، کچھ جھلکیاں ہوتیں تو ایک بات بھی تھی"

حامد نے جواب دیا "تم عجیب ٹھوس ہو، دیکھتے نہیں کہ ہر دکان پر دونوں اپنے اپنے نقابوں کو الٹ کر گفتگو کرتی ہیں"

"اچھا تو کیا جھانک کر اگے درشن کریگے"۔

"یہ نہیں، اس مہم کو سر کرنے کا پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم کسی آئینے والی دکان پر جا کر ڈٹ جائیں۔ اگر یہ طریقہ آپ کی ثقاہت پر گراں گذرے تو ہم دوسری طرح اس انداز سے دیکھ سکتے ہیں کہ نظارہ بھی کریں اور خود بھی نظر نہ آئیں۔ میرے ساتھ چلو تو سہی"۔

یہ کہکر حامد مجھے کشاں کشاں قریب کی فوٹو کی دکان میں گھسیٹ کر لے گیا۔ اندر جانے کے بعد کوڈک فلم وغیرہ کے بھاؤ تاؤ ہونے لگے۔

حامد نے میرے کان میں کہا "بھائی سامنے کے آئینے پر نگاہ جمائے رکھو" اس گفتگو کو ہوئے ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ مقابل کے آئینے میں دو برقعے ایک سفید اور ایک سیاہ نمودار ہو گئے۔ نقابیں الٹیں

اور قریب کی دکان کے سامنے کار پوچی کا کام کرنا شروع کیا۔ سفید بر تھے میں ایک معمر شکل تھی، لیکن سیاہ برقعہ، کیا کہوں، آہ کیا کہوں!! اگر میں عاشق ہونا شاعرانہ حماقت نہ سمجھتا تو ضرور عاشق ہو جاتا۔ حامد نفاضی بنا بنایا عاشق ہی ٹھیرا، دیکھتے ہی پھسل پڑا اور وارفتگی میں میرے شانے کو اسقدر زور سے جھنجھوڑنا شروع کیا کہ میں باوجود انہماک کے بلبلا اٹھا۔ اور ساتھ ہی مجھے اسوقت کے مزاحیہ پہلو نے ایک فرائشی قہقہا لگانے پر مجبور کیا، قہقہے کی آواز نے آئینے کی متحرک تصویر کو ہماری طرف متوجہ کر لیا یہ انھوں نے پلٹ کر ہمیں دیکھا اور چہروں پر نقاب ڈال لیں۔ سیاہ برقعہ سے آواز آئی "چلو ہونا ہو آگے چلو، ان کالج کے لڑکوں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے"۔

اس چھوٹے سے ڈرامے کے وقفہ میں ہمارے پیر و مرشد حامد کی عجیب کیفیت تھی، انھوں نے اپنی پیرہن پیرہنا پیرہن انگریزی حرف "ایکس" کی شکل میں کھڑکر دونوں ہاتھ مضبوطی سے بائیں پہلو پر رکھ دئے تھے، جیسے کوئی ڈوبتا اپنے بچانے والے کو پکڑ لے، یا رسا کشی کی مشق میں کوئی انتہائی کشمکش میں مبتلا ہو، دونوں آنکھیں آئینے کی طرف اس انداز سے لگی ہوئی تھیں کہ ان کا سیاہ حصہ دو تہائی سے زیادہ اوپر کے گوشے میں غائب ہو گیا تھا۔ منہ کھلا ہوا تھا، اور تمام سینہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کسی ٹوٹی ہوئی مشین کی پسٹن کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ اظہار عشق کے اس انوکھے انداز کو دیکھکر شاید "چارلی چاپلن" بھی لوٹ جاتا اور بلور واد ایک فرائشی قہقہہ ضرور لگاتا۔

ہمارے بے محل یا برمحل قہقہے نے ستم کر دیا۔ حامد صاحب کے غصے کا رقص اپنے انتہائی نقطے پر پہنچ چکا تھا۔ انھوں نے میری طرف کن انکھیوں سے اسطرح دیکھا جیسے کوئی شکاری کتا جس کے کندے پڑی چھین لی گئی ہو، قریب کے شریر لڑکے کو دیکھتا ہے۔ میں اپنے قہقہے کی نصف رفتار میں ایک دم رک گیا اور مسٹر حامد کی کیفیت کچھ ہمدردانہ کچھ تعصب اور کچھ خوف سے دیکھنے لگا۔

"عجیب آدمی ہو، تمہیں عمر بھر کبھی اسکا علم ہوا ہے قہقہے کا بھی ایک محل ہوتا ہے"۔

میں نے کہا "ہوا، طوفان بھونچال اور قہقہہ کا آخر محل ہی کیا ہے؟"

اس پر اور بھی بگڑ گئے "دیکھیے صاحب! آپ میرے مخلص دوست سہی، لیکن آپ کی دل لگی بعض وقت دل آزاری کا کام کرتی ہے۔ میں آپ کو اپنا ہم مذاق خیال کرتا تھا لیکن آپ نے اسوقت قہقہا لگا کر اپنی کوردوقی کا ثبوت دیا۔ آپ کیا جانیں کہ آپ کی اس حرکت نے میرے دل پر کیا اثر کیا ہے"۔

"آخر کیا ہوا؟" میں نے بہادری سے دریافت کیا۔

"کیا ہوا؟ وہ چلی گئیں، وہ جس نے میرے حزن دل پر بجلی گرا دی، آہ پہلی جھلک بھی کیا چیز ہوتی ہے، اف کسقدر بیدرد ہے، ابھی ہم نے دیکھا ہی نہ تھا کہ خواب، عالم بیداری کی کیفیت میں بدل گیا۔ کسقدر بے مروت! آہ:

مجھکو چھوڑا تڑپتا ہوا خاک پر
میری جانب سے دامن بچا کر چلے

غالب کا وہ شعر یاد ہے:-

بے مروت نازکش لگن آفریں صد آفریں

میں نے کہا "جی غالب کا نہیں وہ شعر داغ کا ہے"

بے مروت نازکش لگن آفریں صد آفریں
دل کا دل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں رہ گیا"

"خیر، داغ ہی کا سہی لیکن ہے کسقدر اچھا شعر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے میرے لیئے ہی لکھا ہے" میں نے کہا "چلو، بس بہت ہوا، اب آٹھ بج رہے ہیں۔ ابھی یہیں پر اٹھے کھڑکر جانا ہے، ایسا ہو کسی پر اکٹو ریل، نیٹر کے ہاتھ دھر لیئے جائیں"۔

سرحدی کی دکان سے ہم نے ثقیل پراٹھے اور ادھ کچے کباب من وسلوا سمجھکر اڑائے اور کیوں نہ اڑاتے، آخر ہم پھر کالج کے ڈائننگ ہال کے "ہمہ اوست" کھانوں کے خوگر تھے "جہاں روکھے نہیں وہاں ارڈھی برکش" اور تقریباً پونے نو بجے ریل کی پٹڑیوں والا اڈا تک راستہ لیا، کچھ ہی دور گئے تھے کہ حامد نے کہا۔

"بھائی تم جاؤ، میں آتا ہوں، مجھے کام ہے ذرا ڈیوٹی ٹلٹ تک جانا ہے"

میں سمجھ گیا، لیکن زیادہ وقت کرنا مناسب نہ سمجھکر کچھ اور احباب کے ساتھ راستے کے ہفت خواں کو طے کرنے لگا۔ راستے میں آج کے واقعہ کے تاثرات ابھی نے میرے دماغ کو آگھیرا سچ کہیئے تو آئینے والی صورت نے مجھے بھی کچھ نہ کچھ وارفتہ ضرور کر دیا تھا۔ اب یہ تو مجھ جیسے قلمی فنکار کے سے ممکن نہ تھا کہ اپنی اصلی حالت کا اظہار اپنے ساتھیوں پر کرتا۔ اس لیئے کہ وہ سب کے سب مجھ جیسے ہی تھے۔ ان کے مذہب میں اظہار حقیقت، حماقت اور بیوقوفی کی سب میں بڑی وبیل تھی۔

میں نے نہایت واعظانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں، عورتوں کا پردہ کرنا مردوں کی نفس پرستی کی پردہ پوشی ہے، مرد حقیقت میں اپنے گناہ سے گھبرا کر اسکی عقوبت سے بچنے کی سبیل عورت کی قید کو سمجھتا ہے، ہم کو عورتوں سے پہلے مردوں کو عفت مآب بنانے کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ"۔ اس طرح ٹرخاتے ہوئے ہم نے اس سکرات نما راستے کو طے کیا، اپنے کمرے میں پہنچے اور سردی کے زمانے میں گرم بستر کا لطف اٹھانے لگے۔

۲

دوسرے روز علی الصباح مسٹر حامد میرے کمرے میں آ دھمکے، میں چائے کی دوسری پیالی اڑا رہا تھا۔

"آیئے صاحب! میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا"

(ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰)



جلد (۱) | ۱۶ شہریور ۱۳۴۲ھ ق | ۲۲ جولائی ۱۹۲۳ء | نمبر (۱۸)

حسن کاری قدیم و جدید

جن اقوام کے پاس کوئی تمدن ہے تو وہ اپنی ایک حسن کاری بھی رکھتے ہیں۔ تہذیب کا پیوند حسن کاری بھی ہے۔ ہندوستان کئی تمدنوں کا مجموعہ ہے اور اسی طرح اس کے پاس اعلیٰ ترقی یافتہ کئی مدارس حسن کاری ہی موجود ہیں۔ آذری اور دیواری رنگ کاری میں قدیم ہندو دور تعمیر کاری اور تشبیہ نگاری میں ترکوں اور مغلوں کا دور اور موسیقی میں تمام دوروں کی متحدہ کوشش ہندوستان میں اب بھی زندہ اور پائندہ ہے۔ لیکن جب ہم ان تہذیبی خزاین کے رکھنے کے باوجود موجودہ رجحانات کو دیکھتے ہیں تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔

میکالے کا مرتب کردہ نظام تعلیم ہندوستانی نوجوان دماغوں کو دفتر گرد غلام کا گروہ بنا دیا ہے اور اس اصول پر قائم شدہ جماعتیں نقشی گری کے کارخانے بن گئے اس الٹی تعلیم نے ہمارے ہر اچھی چیز سے متنفر بنا دیا اور اپنے نے کے مقابلے میں دوسرے کا میل طلائی نظر آنے لگا

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی ہم کسی موجودہ تعلیم یافتہ کے سامنے قدیم رنگ کاری اور تعمیر کاری کی خوبیاں بتاتے ہیں تو وہ ہم پر بری طرح ہنس پڑتا ہے گویا وہ ہماری کج فہمی پر رحم کھا رہا ہے۔

ہندوستانی حسن کاری کا موجودہ دور انتہائی جیوپ سے شروع ہوا اور روی ورما نے قدیم ہندو دیومالے کی داستانوں کو جدید مغربی اصول رنگ کاری پر پیش کرنا شروع کیا اور بہت کامیاب ہا اس کے بعد ایک مدت تک مغرب کی نقالی ہی کو ہندوستان میں ہندی حسن کاری مانتے رہے۔

سب سے پہلے بنگال نے اس طلسمی دھوکے کو توڑا اور قدیم ہندی رنگ کاروں کی طرز پر ایک جدید مدرسہ رنگ کاری قائم کیا۔ اس کے بعد بمبئی اور مدراس میں مدارس حسن کاری قائم ہو لیکن انہوں نے بنگال کیطرح اپنی فطرت سے حاصل شدہ طرز پیدا نہیں کیا کہنے کو تو بمبئی اس بات کا دعویدار ہے کہ اس نے ایجنٹا کے اصول پر ایک مدرسہ قائم کر لیا ہے۔

بنگال کے بعد دوسرا حقیقی مشرقی مدرسہ حسن کاری پنجاب میں پیدا ہوا اور اس تخلیق کا سہرا وہاں کے صرف ایک حسن کار عبدالرحمن چغتائی کے سر ہے جس نے مغلیہ رنگ کاری کے اصولوں کو ایرانی اور چینی خصوصیات سے ملا کر ایک اپنی نئی راہ نکال لی۔

تاہم ان کوششوں کے باوجود ابھی ہماری تعلیم یافتہ جماعت نہ تو ان ہندوستانی طرزوں کی خوبیوں کو سمجھ سکتی ہے اور نہ ہندوستان کی حسن کاری کی داد دینے کی قابلیت رکھتی ہے۔ اس معاملے میں سب سے پیچھے ہمارا ملک ہے جہاں اب تک نہ کوئی مکتب حسن کاری ہی قائم ہوا ہے اور نہ کوئی طرز نو پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ آثاری لحاظ سے ہمارا ملک ہندوستان کی تاریخ کے ہر دور کی حسن کاری کا مخزن ہے ہمارا خیال ہے کہ حیدرآباد اب بھی ہندوستان کو اپنی تہذیبی امانتوں کے ذریعہ ایک نیا طرز حسن کاری پیش کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہاں جلد از جلد ایک مدرسہ حسن کاری قائم ہو جائے جو ایسے قابل افراد کی نگرانی میں ہو جن کے ذریعہ مستقبل کے حیدرآبادی حسن کار نہ صرف اپنی قدیم روایتوں کی خوبیوں کو پیش کر سکے بلکہ اس کے ساتھ مغرب کے اصطلاحی اصولوں پر بھی حاوی ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے شہر میں اس چیز کی کمی تمدنی لحاظ سے سب سے بڑی فروگزاشت ہے۔

گرانڈ ہوٹل ہالی وڈ کے تمام مشہور اختر ایک ڈرامہ میں



ہم نے صفحۂ سینما کے لیئے "گرانڈ ہوٹل" اسلیئے منتخب کیا کہ اس میں ہالی وڈ کے اکثر مشہور کردار ی اور مقبول اختر آگئے ہیں اور اسکے ذریعہ ہم ان اختروں کی خصوصیات اداکاری بتا کر یہ واضح کر سکتے ہیں کہ موجودہ دنیائے سینما میں کس قسم کے اداکار کامیاب سمجھے جاتے ہیں۔

گرانڈ ہوٹل ڈرامہ اور ناول کا مقابلہ۔

"گرانڈ ہوٹل" مس وکی بم کا مقبول عام ناول ہے جسکی وجہ سے اس ہوٹل کی خاصی مشہور ناول نویسوں میں شمار کیا جانے لگا۔ اس ناول میں مس بم نے ایک ہوٹل کی دنیا کو پیش کیا ہے جو حقیقی معنوں میں موجودہ زمانے کا کارواں سرا ہے۔ یہاں جس ذہنیت کا مظاہرہ معاشرہ انسانی کرتا ہے اور جس طرح انسان کی عام کمزوریاں یہاں بغیر کسی ریاکاری کے صاف نظر آتی ہیں اور وہ دوسرے مقام پر نہیں ہوسکتیں۔ اس ناول میں عشق و محبت، امارت اور مفلسی، شرافت اور بد معاشی، نیکی اور بدی۔ غرض ہر متضاد کیفیت نفسی کو چلتے پھرتے کردار میں دیکھایا گیا ہے۔ اس ناول کو بغیر نام بدلنے کے۔ مٹرو۔ گولڈون میئر س کمپنی نے ڈرامے کی شکل میں بدل دیا اور اسکے ہر کردار میں ایک بڑے اختر کو منسلک کر دیا۔ ڈرامہ اور ناول میں علاوہ سینما کی ضروریات کے محض اختروں کی بھرمار نے بہت تبدیلی کر دی اور نحو کرداروں نے اسکو اپنی اداکارانہ جدتوں سے اصل ناول سے بالکل الگ بنا دیا۔ ناول کی رقاصہ دنیا طلب تیتری تھی تو ڈرامہ میں ایک دنیا سے تنگ، اہل دنیا کی بیوفائی سے بیزار غم طلب شاعرانہ مزاج روسی رقاصہ ہے جو ایک تباہ شدہ امیر کو سارق دیکھنے کے بعد بھی اس لیئے غنیمت سمجھتی ہے کہ اس میں محبت کی کچھ چنگاریاں موجود ہیں۔ اسی طرح ٹائپسٹ لڑکی ہے جس کو اصل ناول میں ایک عصمت فروش ہرجائی بتایا گیا ہے۔ لیکن ڈرامے نے اسکو بالکل دوسری ہی قالب میں ڈھال دیا۔ دیوالیہ کے قریب ساہوکار کو میٹرو گولڈ وین کے اداکار نے امریکہ کا کامیاب کروڑ پتی بنا دیا ہے۔ اسی طرح تخیل اور کردار دونوں


لوئیس سٹون


جون بیری مور

حیثیتوں سے اصل ناول اور سینما کے ڈرامے میں دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ اور بقول سڈنی ٹیرین یہ ڈرامہ زیادہ سے زیادہ امریکہ کی اختر پسندی کا بہترین مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم اصل ڈرامہ دو حیثیتوں سے بہت مقبول رہا۔ ایک اسکی فنی خوبیاں دوسرے اکثر مقبول اور مشہور اختروں کا اس میں ایک جا ہونا۔



ڈرامے کی خوبیاں۔



دیانا لیس بیری

فوٹوگرافی کے لحاظ سے اس ڈرامے کو شنگھائی ایکسپریس کے مماثل سمجھا جاتا ہے اور اس میں ڈرامے کی جدید خصوصیت یعنی ایک ہی مقام پر پورے ڈرامائی اور کرداری اعمال کا ختم ہو جانا بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ شروع سے اخیر تک تمام ڈرامہ گرانڈ ہوٹل کے برآمدوں اور کمروں میں ختم ہو جاتا ہے اور کوئی ایسی دلچسپی سے اسکو پر نہیں کیا گیا جو عام طور پر ڈرامہ کو مقبول بنانے کیلئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً رقص خانے۔ کیبریٹ سین اور جنسی ترغیب کے سامان۔ تاہم اسکی دلچسپی میں کہیں فرق نہیں آتا۔ عجیب و غریب زاویہ کی فوٹوگرافی کے کئی ایک اعلیٰ نمونے اس میں موجود ہیں۔ اور بجائے ڈرامائی آرائش کے اسمیں کوشش کیگئی ہے کہ صحیح فضا پیدا کیجائے ان تمام باتوں نے اسکو فنی لحاظ سے ایک بہترین نمونہ بنا دیا ہے۔



لیونل بیری مور

اختروں کا مجموعہ۔ اسکی دوسری خوبی ہالی وڈ کے بہترین اختروں کی یکجائی ہے سب سے بڑی سینما اداکارہ گریٹا گاربو اس میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ جان کرافورڈ والاس بیری۔ جان بیری مور اور اسکے بھائی لیونل بیری مور۔ لوئی سٹون۔ جین ہرشالٹ جیسے مشہور اور تجربہ کار اداکار اس میں موجود ہیں۔ اگر اس ڈرامے میں اور کوئی خوبی نہ ہوتی تو صرف اختر پرستی ہی اسکو ہالی لحاظ سے کامیاب ترین ڈرامہ بنا دیتی۔

گریٹا گاربو۔ اب ہم ان اختروں کی اداکاری اور اس ڈرامے میں انکے کردار پر

مختصراً لکھیں گے۔ گریٹا گاربو اسوقت بلاشبہ تر دید دنیائے سینما کی سب سے بڑی اداکارہ مانی جاتی ہے۔ یہ نازک اندام سوئیڈانی لڑکی اپنے اعلیٰ کردار کی خصوصیات کی وجہ سے اسوقت دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اسکے لئے ابتداسے ایسے کردار منتخب ہوتے رہے ہیں جن میں حسن کے کرشمے انسانی گمراہی کے لئے محمد رہے۔ میڈیم یکس اپنا کرشمہ۔ اور دوسرے ڈراموں میں اس نے اسی قسم کے کردار ظاہر کئے ہیں۔ اسکی اداکاری میں خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو ہر ڈرامے میں ڈرامائی کردار سے بلند اور برتر بنا دیتی ہے اور باوجود حسن گمراہ ہونیکے ناظرین کے دل میں ایک چبھن پیدا کردیتی ہے۔ گاربو کے متعلق اب تک جس قدر متضاد مضامین ہماری نظر سے گزرے ہیں اس میں اس کی اس خصوصیت کے سب قائل ہیں۔ گاربو کی اداکاری ایک غم انگیز نظم ہے اسکو جنسی رعب اور عشوہ اندازکی کشش سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ دوسری مشہور سینما اختروں کے مقابلہ میں گاربو کوئی غیر معمولی حسن اور کردار کی مالک نہیں ہے۔ اور نہ خواہش حسن و عشوہ فروشی سے اسکو کوئی لگاؤ ہے، تاہم عورت اور گری ہوئی عورت کو ایک دلکش شہر بنا دینا اسکی اداکاری کا راز ہے۔ دوسرے اختروں میں جان کرافورڈ، نارما شیرر، اور مارلین ڈیٹرچ پر گاربو کی جانشینی کا خیال ظاہر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گاربو اپنی دنیا آپ ہے۔ اسکی اداکاری، اسکی شخصیت میں پنہاں ہے جو اسکے ساتھ رہیگی اور اسکے ساتھ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگی۔

"گرانڈ ہوٹل" میں اسکا کام گو بہت کم ہے لیکن نہایت اہم ہے۔ ایک ایسی روسی رقاصہ جسکے بہار کے دن ختم ہو رہے ہیں اور خزاں کا بھیانک منظر اسکے سامنے ہے اپنی زندگی اور اسکے تجربات کو دیکھتی ہے۔ دنیا اور اسکی ظاہر داریوں سے بیزار ہے اور آخر میں ایک تباہ شدہ امیر کی محبت کے آغوش میں اسی طرح پناہ ڈھونڈ رہی ہے جس طرح ایک ڈوبتا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہو۔ گاربو نے اپنی شخصیت کو اس طرح اس ڈرامے میں اجاگر کر دیا ہے کہ اصل ناول کا کردار اس میں غائب ہوگیا۔

جان کرافورڈ | دوسرا کردار جان کرافورڈ ہے جس نے "ماہسٹ لڑکی" کا کام کیا ہے۔ اسکا کام بہت کم ہے۔ اور جتنا بھی کام اس نے کیا ہے نہایت خوبی سے کیا۔ البتہ ناول سے الگ رہی۔ اسکو دیکھکر کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ ایک ارزاں عصمت فروش کا کام کر رہی ہے، بلکہ اسکے بجائے یہ اثر پڑتا ہے کہ عورت موجودہ معاشرے اور اسکی معاشی کشمکش سے مجبور ہوکر گناہ کا نغمہ بن گئی ہے۔ بیرن (جان بیری مور) سے اسکی محبت روپیہ اور پیٹ کی خاطر تاجر (والدس بیری) سے اسکا تخلیہ اور آخر میں ایک موت کے قریب بیمار سے اس کی ہمدردی ایسی چیزیں ہیں جنکو دیکھکر بجائے اس کردار سے گھن آنیکے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جان کرافورڈ اپنی رس بھری آنکھوں سے ایک خاص حسن کی مالک ہے، اور اسکو استعمال کرنا اسی کا حق ہے۔ گویا فلم میں یہ دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ اب چوٹی کے اختروں میں اس کا شمار ہو رہا ہے۔

ولاس بیری۔ کردار، اداکاری میں ولاس بیری امریکہ کا ایسیل جانگس کہا جاتا ہے۔ اسکو ہر قسم کے کام پر مہارت تامہ حاصل ہے۔ بدکردار، شریف آدمی، تاجر ملاح، فوجی، امیر، غریب، بدمعاش، غرض ہر کام میں یہ فرد ہے۔ "گرانڈ ہوٹل" میں یہ تباہ شدہ تاجر کا کام کرتا ہے۔ اور اپنی خصوصیت کو یہاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

لوئی اسٹون۔ قدیم خاموش فلم کے اداکاروں میں لوئی اسٹون ابھی تک چلا آتا ہے۔ اسکا کام بہت چھوٹا ہے۔ لوئی اسٹون سنجیدہ اداکاری میں لاجواب ہے، اسکا کام جو "پیٹر پاٹ" کے خاموش فلم میں تھا مناسب کو یاد ہوگا۔ اس ڈرامہ میں اور صرف ایک جملہ کو دہرانے کے لئے آتا ہے اور ایک تشکک کے کردار کو محض اپنے چال ڈھال سے ادا کرتا ہے۔

جان بیری مور۔ خاموش سینما میں جان بیری مور بڑے مرتبہ کا سمجھا جاتا تھا "بلو ڈوگ" "ڈان جان" "سی بیسٹ" وغیرہ میں اس نے ناقابل فراموش اداکاری کو پیش کیا تھا۔ اسکا پروفیل (صرف چہرہ کا ایک رخ) بہت مشہور ہے اور اسکی چال ایک خاص بانکپن رکھتی ہے۔ "گرانڈ ہوٹل" کے ہیرو کی حیثیت سے اس نے اپنی پوری قوت صرف کی ہے، لیکن جہاں اسقدر اختروں کی جگمگاہٹ ہو وہاں اسکا چمکنا مشکل ثابت ہوا۔ اسکے علاوہ ایک انکے سے بتاہ شدہ بدمعاش امیر کا کام سہل ہے سکا۔

لیونل بیری مور۔ لیونل، جان بیری مور کا بھائی ہے اور گویا فلم میں کردار، اداکاری میں اپنے مشہور بھائی سے بھی سبقت لے گیا ہے۔ گرانڈ ہوٹل میں شرابی کا کام اس نے نہایت عمدگی سے کیا۔

جین ہرشالٹ۔ ہرشالٹ بھی پرانا اداکار ہے، اسکے کام میں ہمیشہ خاص شان رہی ہے ہوٹل کے دارونہ کا کام اس نے نہایت عمدہ کیا۔

غرض گرانڈ ہوٹل کے انفرادی اداکاری بہترین رہی لیکن مجموعی حیثیت سے اس نے اصل موضوع کے حقائق کو واضح نہیں کیا۔ اس لحاظ سے یہ ڈرامہ موجودہ سینما کے کامیاب ترین اور ناکام ترین کوشش سمجھا جا سکتا ہے۔

حدیث الیوم

رعیت کا خیر مقدم

ہمارا قدیم معاصر اب پھر میدان عمل میں آرہا ہے۔ ہم اس قدیم خادم ملک کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔ مسٹر نرسنگھ راؤ ملک کے ان نوجوانوں میں سے ہیں جن کی جوان ہمتی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے ان کے پہلو میں دردمند دل ہے اور وہ اپنے وطن کی خدمت کا سچا جذبہ رکھتے ہیں۔ رعیت ان کی قیادت میں اس دوسرے جنم میں ایسے کرم کریگا جس کا اثر دیرپا اور جس کا نتیجہ مفید ہوگا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے اس دور میں رعیت علاوہ ہفتہ وار اخبار کے ادبی گنجایش بھی اپنے صفحات میں رکھنے والا ہے۔ اس طرح یہ اخبار ایک حیثیت سے اردو کی خدمت بھی کریگا ملک میں ان کی ضرورت ہے اور اچھے اخباروں کی زیادتی ہو۔ ایسے اخبار جن کی عنان نوجوان حوصلہ مند افراد کے ہاتھوں میں ہو جو علم کے ساتھ عمل میں بھی اپنی زندگی کو غنیمت ثابت کرچکے ہوں۔ ہمارا شہر اس وقت دور عثمانی کی برکات سے معدن علم بن گیا ہے اور ہمارا ملک علمی لحاظ سے نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کررہا ہے لیکن ہماری صحافت ابھی تک ابتدائی حالت میں ہے جب ہم اپنے ملک کا مغرب تو درکنار صرف مصر سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو شرمندگی سے سر جھکا لینا پڑتا ہے ایک قاہرہ میں کم از کم ایک درجن اخبار ایسے نکلتے ہیں جنکی تعداد اشاعت پچاس ہزار سے ایک لاکھ کے اندر ہے ہمارے یہاں یوں بھی گنتی کے اخبار ہیں جن میں سے اکثر ابھی تک سیکڑوں کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے کیا یہ ہمارے لئے عبرت کا مقام نہیں ہے ہمارے ملک میں اچھے اخباروں کی گنجایش کا پتہ اس امر سے چلتا ہے کہ باہر کے اخبارات و رسائل ہزاروں کی تعداد میں یہاں کھپ رہے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ خود ہمارے ملک کے اچھے اخبار و رسائل حقیقی جگہ حاصل نہ کرلیں۔ ان حالات کے تحت ہم رعیت کے اضافہ کو اپنی صحافت میں نہ صرف ضروری ہے بلکہ اس ملک کی کمی کی تکمیل بھی ہے۔ خدا کرے اس دور کا رعیت پہلے سے زیادہ شاندار اور دراز عمر ثابت ہو۔

فلسطین کا علمی وفد

فرخندہ بنیاد میں آج کل فلسطین سے مفتی اعظم اور ان کے ہمراہ کا ایک جمعیت علمی سفیر وارد ہوئے ہیں ان کی آمد پر حیدرآباد نے شایان شان استقبال کیا۔ لیکن ان کی آمد کا اصل مقصد علوم اسلامی کا دور جدید کے لحاظ سے ایک حقیقی مرکز قدس میں قائم کرنے کا ہے جو موجودہ مذہب گریز زمانے میں ایک مبارک کوشش ہے اسلامی علوم کے مرکز یوں اور مقامات پر بھی موجود ہیں لیکن فلسطین وہ انس مقدس جو مسلمانوں کا نہ صرف قبلہ اول ہے بلکہ اس مقام پر مسلمانوں کی شمشاہیت ایک صدی سے زیادہ رہی ہے اور ابھی یہاں اسلام اور علوم اسلام زندہ ہیں ان سب کے علاوہ موجودہ حالت میں اسلام اور اقوام اسلام کی بقا اسی میں ہے کہ ان میں ایک مرکزی پیدا ہو تاکہ عرب ایران افغانستان اور ہند کے مسلمان یہ سمجھ لیں کہ ان کی تخلیق انسانیت کو ایک مرکز میں لانے کے لئے ہوئی ہے اور اہل ایشیا کی قدیم شان اور تہذیب کی طاقت کو از سر نو زندہ کرنا بھی انہی کی متحدہ کوشش پر منحصر ہے ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہم علمی سفیروں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اپنے فیاض شہر سے امید رکھتے ہیں کہ اس عالمی تحریک میں اپنی قدیم روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا حصہ لے گا جو اس کے نام اور عمل دونوں کے لحاظ سے مناسب اور موزوں ہو۔

نرخنامۂ

"حسن کار"

گورنمنٹ سے	موضع	سالانہ
چندہ سالانہ	بلدہ	اضلاع
ششماہی	عہ	ے
سہ ماہی	عہ	عہ
	عہ	عہ

فی پرچہ ۴؍

تصحیح

گذشتہ اشاعت میں **تنقید و تبصرہ** کے عنوان سے خلیق پر ریویو کیا گیا تھا لیکن خلیق کی جگہ رفیق سہو کتابت سے رہ گیا۔ براہ کرم ناظرین اس تبصرہ کو رسالہ خلیق کا سمجھیں ہمیں اس غلطی کا سخت افسوس ہے۔

عمر خطاب صاحب میرے ایک ہم کمرہ نے ان کا نہایت تپاک سے استقبال کیا، سعادت میرے دوست ہم کمرہ نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اس ظاہر داری کے بعد ہمارے بھرا (ملازم) اپنی بخشش لے اپنی چائے پیش کی جس کو انھوں نے کسر تکلف کے بعد پی لیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد نمائش کا ذکر آیا، میرے دوست نے ایک آہ سرد بھر کے کہا "اے تماشا گاہ عالم روئے تو" دیکھ دیر تک گنگنا کر ہی، "وی" کہہ دیا۔

میں نے کہا خیر تو ہے ابھی یا کل شام کا جہاز تک آپ پر سوار ہے؟"

حامد نے کہا "نہ پوچھئے دیکھئے۔ ہمارے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم۔ اجی تم لوگوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔

میں ہوں ورنہ فرنگی کی نظر زد غالب، کہ دل
دیکھ کر طرز تپاک اہل وفا جل گیا"

"جل گیا جل گیا" عمر اور سعادت نے کہا۔ میں نے بھی آواز ملائی اور ساتھ ہی قہقہوں سے تمام کمرہ گونج اٹھا۔

میں نے کہا "یہ غالب بھی عجیب بلا ہے، ہر تعلیم یافتہ بغیر معنی سمجھنے کے کچھ نہ کچھ مہمل شعر یاد رکھتا ہے جس کو محل بے محل استعمال کرنا فیشن سمجھتا ہے۔"

کچھ دیر کے بعد ہمارے دونوں ساتھی اپنی اپنی جماعت کو روانہ ہو گئے اب ہم اور میاں حامد رہ گئے۔ حامد نے کہا "دیکھیں اگر تم سنجیدہ پن چھوڑتے ہو تو تم کو اپنا راز دل بتاتے ہیں ورنہ ہم چلے" میں نے کہا حامد! تم بھی عجیب چیز ہو، بھلا دل کے معاملے میں دل لگی کیسی، آخر ہم آپ کے دوست ہیں آپ کا راز ہمارا راز، آپ کی مصیبت ہماری مصیبت۔"

"اور آپ کا معشوق ....."

حامد نے سوالیہ انداز میں کہا۔

میں نے کہا "یہ میں کیونکر کہوں، اچھا اب دل لگی ہو چکی، فرمائیے آپ نے کچھ کہا تھا" ہاں میں اس شرط پر کہتا ہوں کہ آپ اس کو نہایت راز میں رکھیں، خود اپنے سے بھی اس کو چھپائے رکھنے کا وعدہ کریں۔"

میں نے نہایت زور سے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "میاں تم کیا جانو یہ سینہ ہزاروں رازوں کا قبرستان ہے، تم نے ہم کو کوئی معمولی آدمی سمجھ رکھا ہے۔"

"اب بھی تو میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تم وہ نہیں ہو جو بظاہر لوگوں کو دکھائی دیتے ہو۔ سنو کل تم سے ملنے کے بعد میں پھر اس سیاہ پوش ظالمہ کی تلاش میں نکلا اور بڑی تلاش کے بعد چوراہے کے پاس ان دونوں کو پایا، پھر تعاقب کرتے ہوئے ان کی موٹر تک پہنچا، اعلیٰ درجے کی بیچ کار تھی، نوکر بھی نہایت ہی اچھے لباس میں تھے میں نے خیال کیا چلو پہلے ان نوکروں سے ہی میل ملاپ بڑھاؤ، قریب پہنچکر پہلے تو میں نے بعض ادھر ادھر کی چیزیں دریافت کیں، مثلاً فلاں دکان کہاں ہے، آج سینما میں کھیل کونسا ہے، تھیٹر تو تم نے دیکھا ہی ہوگا۔ اسکے بعد میں نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ جس میں قینچی چھاپ سگریٹ بھرے ہوئے تھے، اتفاق ان دونوں نوکروں میں سے ایک نے بجائے میری طرف اپنے حریص ہاتھوں کو بڑھانے کے اپنی جیب سے نہایت اعلیٰ درجے کا سنہری سگریٹ کیس نکالا اور میری طرف بڑھا دیا، اب جو دیکھتا ہوں تو یہ کمبخت، گولڈ فلاک، رکھتا ہے۔ آپ ہی بتائیے میری کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ میں تو بھائی اپنے آئندہ زندگی سے مایوس ہو گیا ہوں، بھلا ایسی محفل میں مجھ غریب کا کیا گذر، جہاں کے دربان بھی مجھ سے بہتر ہوں۔"

میں نے کہا "بیشک ایسے موقعوں پر چچا غالب نے کہا ہے۔

گو سمجھ کے میں چپ تھا، مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے"

"خیر جو بھی ہوا یہ بتائیے کہ کیا تدبیر کیجائے جو اس آفت روزگار سے ملاقات ہو سکے"۔

میں نے کہا "کچھ نہیں سر منڈاتے ہی اور ایک پشت خار ہاتھ میں لے کر کلکل کھڑے ہو جائیے اور بس۔"

پھر تے ہیں اپنے یار کے کوچے میں اسطرح
اک پشت خار ہاتھ میں اور سر منڈا ہوا"

"دیکھا پھر وہی مسخرا پن، تم سے دل کی بات کہنے والا بیوقوف ہے۔"

بات حد سے بڑھ رہی تھی میں نے کہا کہ اب ذرا سنجیدہ ہونا چاہیئے، ہنستے ہوئے کہا "بھائی ناراض نہ ہو، تم جانتے ہو کہ یہ میری عادت ہے، اچھا اب واقعی عجیب مشکل ہے، تمہارا حال بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ برٹن نے اپنی نظم پیچ بائے میں ظاہر کیا ہے کہ غریب سائیس کا لڑکا اپنی مہارانی پر عاشق ہے، لیکن کوئی تدبیر اظہار عشق کی اس کی سمجھ میں نہیں آئی، عشق میں فرق مدارج ہمیشہ الہیٰ نتائج پیدا کرتا ہے۔"

حامد نے ایک آہ سرد بھری اور سگریٹ کا ایک لمبا کش لیکر گل کو اپنی انگلی سے گراتے ہوئے کہا "واقعی عجیب کشمکش ہے، حسرت، یاس، خانی، یا شاد عظیم آبادی نے شاید ٹھیک کہا ہے۔

غضب ہے آدمی کا ہر طرح مجبور ہو جانا
زمیں کا سخت ہونا آسماں کا دور ہو جانا"

"بھائی تمہیں اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں" تم سے کس طرح کہوں کہ اب میں قائل ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر ہم کو بھی اپنی پوری قوت استعمال کرنی پڑیگی، دنیا کا ہر گتھی کو سلجھانا

کوئی نہ کوئی راہ ضرور ہوتی ہے، پھر اسکی کیوں نہ ہو"۔

میں دل میں آج شام کی نمائش کی تفریح کا پروگرام سوچ رہا تھا کہ آج سنما جانا ہے، وہاں شاید ہندی ڈرامہ "سورڈ اینڈ سورڈ" یا "چیلنج" ہے اور تھیٹر میں "چلتا پرزہ" ہے، تھیٹر جائیں یا سینما۔ حامد خدا جانے کس سوچ میں تھا کہ ہمارے کمرے کے ساتھی معہ چند ہمراہیوں کے دور ہی سے قہقہے لگاتے اور زور زور سے باتیں کرتے اندر داخل ہوئے ہمیں جو اس حال میں دیکھا تو بے ضرورت ایک اور قہقہہ کا کورس شروع کر دیا۔ عمر اور سعادت کے ساتھ ساتھ شہ نواز صاحب تھیٹر کے ہارمونیم ماسٹر اور دو صاحب جو بظاہر تھیٹر کے اداکار (ایکٹر) معلوم ہوتے تھے داخل ہوئے۔ ان کو دیکھکر حامد نہایت تیزی سے رخصت خواہی کے الفاظ دہراتے ہوئے چینٹ ہو گئے پڑوس کے کمرے سے ہارمونیم منگوائی گئی اور کچھ دیر محفل سماع یا موسیقی کا جلسہ رہا۔ ماسٹر دوار کا پرشاد اور رادھے رامن کا کیا کہنا ہندوستان کے نامور موسیقی داں اور ٹیرو وہ میوزک کالج کے فارغ التحصیل دو گھنٹے تک محفل خوب گرم رہی۔ شام کو حسب عادت میں حامد کے کمرے کو گیا، مگر وہاں ان کا پتہ نہ تھا، آخر مجبوراً تنہا نمائش کا راستہ لے لیا۔ دور سے شام کا منظر شفق کی رنگارنگی، اس پر افق کے قریب نمائش گاہ کے برقی قمقمے غضب ڈھا رہے تھے۔ فطرت کے ساتھ انسانی کرشموں کا مقابلہ عجیب سبق آموز چیز ہوتی ہے میں اپنے ارادے کے خلاف ہندی ڈرامہ دیکھنے کے لیے سنما ہی گیا، وہاں "چیلنج" نامی ایک کھیل تھا جس میں تلوار بازی کے فن تھی، یہ ہمارے ہندوستانی فلم ساز بھی عجیب ہیں۔ ہندوستانی تلوار سے انگریزی کرتب کی طرح مقابلہ کرتے ہیں،

جب وہ واپس میں گتھ جاتے ہیں تو ایک دوسرے سے دس گز کے فاصلے پر رہ کر نہایت احتیاط سے ہوا میں تلوار گھماتے ہیں تاکہ کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے، کوئی نو بجے اس جھنجھٹ سے نجات ملی۔ سینما کے دروازہ پر حامد کو اپنا منتظر پایا، ان کی عجیب کیفیت تھی، نہایت پژمردہ اور مضمحل نظر آرہے تھے۔

میں نے کہا "خیر تو ہے"

کہنے لگے "تمہاری کہاں کہاں تلاش کی، مجھ سے عمر نے کہا کہ تم یہاں ہو، کوئی آدھ گھنٹے سے کھیل ختم ہو نیکا منتظر تھا"۔

میں نے کہا "کیا بات ہے آپ کمرے پر بھی نہیں تھے"۔

"کیا بتاؤں جب سے تمہارے کمرے سے نکلا ہوں، نمائش کی راہ پیمائی میں مصروف ہوں، لیکن ان دونوں بزرگ والیوں کا کچھ پتہ نہیں"۔

میں نے کہا "کیا ضرور ہے کہ وہ ہر روز نمائش آئیں، آج کسی اور کام میں لگ گئی ہوں گی" "شاید یہی بات ہو ورنہ ان کو شروع نمائش سے ہر روز میں دیکھ رہا ہوں، آج ہی ان کا نہ آنا مجھے مترددکئے دیتا ہے"۔ "ممکن ہے کہ آپ کی نگاہوں سے محبت کی بو انکے پاس پہنچ گئی ہو"۔

کہا "بھائی! ایسی باتیں رہنے ہی دیجئے، جلے ہوئے دل کو جلانے سے تمہیں کیا مزہ ملیگا"۔

خیر اس ذکر کو چھوڑ دو، اب یہ بتلاؤ کہ تھیٹر چلوگے بھی یا نہیں۔ سنا آج، چلتا پرزہ ہے اس کمپنی کی بہترین کامیڈی ہے۔ سینما سے تو کوفت ہو گئی ہے"

حامد "بھائی! معاف رکھو میں کچھ مرجھا سا گیا ہوں، مجھے تھیٹر میں لطف نہیں آئیگا"۔

میں "یہ کیسے ممکن ہے، میں نے تمہارے لیے بھی ایک ٹکٹ لے لیا ہے۔ اور ایک بات ہم تمہارے کام کی کہتے ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ حسین برقعہ پوش ضرور وہاں نمودار ہوگا جب ہی تو آج انھوں نے اپنے روزانہ تفریح کو ناغہ کیا"۔

حامد "انہہ ہوگا بھی۔ اچھا جب آپ اسقدر مجبور کرتے ہیں تو میں چلے چلتا ہوں"۔

ہم دونوں نے جلد جلد حسب معمول کچھ کباب پراٹھے زہر مار کئے، اسکے بعد تھیٹر میں آ دھمکے۔ تھیٹر کیا کہیے طلسم اور مقامی لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ کھیل شروع ہوا اور ختم بھی ہو گیا، شاید وہ موجودہ تھیٹر ہمارے مذاق سے اسقدر افضل ہے کہ ہمیں کچھ لطف نہیں آیا یا خود ہم موجودہ تھیٹر کے مذاق سے بہت آگے نکل چلے ہیں۔ وہی قافیہ پیمائی "کیوں تو فیق کس حال میں ہے" "شیریں سے کہے جال میں ہے" وہی دو راز کار خرافات، وہی بادتمیزی، وہی سلیمے ستارہ کا فینسی بال والا لباس، وہی آواز کا ہر لفظ پر شور، غرض کوئی چیز پچاس سال قبل سے اب تک نہ بدلنا تھی نہ بدلی۔ دو ڈھائی تین بجے کھیل ختم ہوا، ہم باہر نکلے درمیانی وقفے میں ہارمونیم ماسٹر شاہ نواز سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہمارا تعارف "چلتا پرزہ" کے اصلی اداکار اور — — — اس تھیٹر کے حسن کار (آرٹسٹ) سے ملانے کا وعدہ کیا تھا۔

شاہ نواز صاحب ہمارے منتظر تھے، ہم کو دیکھتے ہی کہا "آپ ذرا تو تف کیجئے، جمشید اور فیروز ابھی آتے ہیں، جمشید وہی بزرگ ہیں جنھوں نے ابھی "چلتا پرزہ" میں آپ کو ہنسایا تھا، فیروز ان کے بھائی ہیں اور ہمارے تھیٹر کے

بقیہ صفحہ (۲۸)

نعمت شیریں

مترجمہ جی شنکر راؤ

"ایسی میٹھی اور لمبی نیند کے بعد کسی کی سریلی تانوں سے بہشت بریں میں بیدار ہوتا ہے!"

بیمار نے بڑبڑایا۔ آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ ڈاکٹر کی سرد اور بے جوش آنکھیں اس پر جمی ہوئی ہیں۔ یہ صحت کا پیشہ وار بائیں ہاتھ میں گھڑی پکڑے دائیں سے مریض کی نبض دیکھ رہا تھا۔

"سرسام ہوگیا ہے" ڈاکٹر نے کہا۔ "ساہم رفتار کچھ امید افزا ہے — مسٹر ڈور ابھی ابھی آپ کچھ بڑبڑا رہے تھے؟" "کیا واقعی؟" مریض کے چہرے پر پھیکا تبسم نمودار ہوا۔ "میں خواب دیکھ رہا تھا — ایک عجیب و غریب — ایک لمحہ خاموش رہ کر اس نے کہا۔" ایک ایسا خواب جس کا تعلق بہشت سے تھا؟"

یہ سنکر ڈاکٹر نے اپنی بھاری گھڑی جیب میں چھوڑ لی۔ اور ٹوپی اور دستانے لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ خواب اکثر دلفریب و دلربا ہوا کرتے ہیں — مسٹر ڈور آپ اسی دوا کو جاری رکھیئے۔ اسکے استعمال سے موجودہ تکلیف کم ہو جائیگی۔ فی الحال میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر جسمانی طاقت بحال ہوگئی تو ہم بہت جلد عمل جراحی کر سکیں گے مگر فی الوقت — یہ عملاً ناممکن ہے!"

ڈور کی سیاہ آنکھیں اس پر ایک متحیر کن انداز سے جمی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر جانیکے لیئے تیار ہوا۔

"ڈاکٹر صاحب ایک لمحہ توقف فرمائیے۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں اسوقت ہذیان نہیں بک رہا تھا۔ میرے ہوش و حواس بالکل بجا ہیں۔ میں اس بات سے بھی بخوبی واقف ہوں کہ میرا مرض لاعلاج ہوگیا ہے۔ مگر اس میں آپ کا کیا قصور؟ آخر آپ بھی تو فانی ہیں — ایک دن ایسا آئیگا کہ آپ کو بھی اس راہ پر گامزن ہونا ہوگا جس پر عنقریب میں چلونگا — میں بہت جلد اس قید حیات سے چھوٹ جاؤنگا۔ میرا رشتۂ حیات ٹوٹ جائیگا میرا منزل مقصود مجھے صاف نظر آرہا ہے۔ اور یہ — گو شربتر ہے! مجھے دھوکا دینے سے فائدہ! میں موت سے خائف نہیں ہوں لیکن میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کیا جواب دوگے؟"

"ہاں!" تو کہو۔ کیا تمہیں بہشت کے وجود پر ایمان ہے؟"

"میرے خدا — نہیں تو" ڈاکٹر نے حیرت سے جواب دیا۔ "آپ کا مطلب بہشت سے کوئی ایسا مقام ہے جہاں حور و فرشتے رہتے سہتے ہیں جہاں انسان عیش و نشاط کی دائمی زندگی بسر کرتا ہے۔ تو مجھے ایسی باتوں پر اعتبار نہیں۔ انسانی کامرانی کے لیئے جس بہشت کا امکان ہے وہ محض توانائے دماغی کا مخصوص حالت میں مخصوص خیالات و تصورات سے لطف اندوز ہونا ہے — پس دانا ؤں نے کہا ہے کہ بہشت کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ دل و دماغ کی ایک مخصوص حالت کا!"

"گویا تمہارے خیال میں بعد موت ہماری انفرادی ہستی کا وجود باقی نہیں رہتا؟"

ڈاکٹر مشہور تھا۔ بہت سے مریض اسکے انتظار میں رہتے تھے۔ بے چین ہو کر بولا۔

"جناب یہ سوال کسی پادری سے پوچھیئے۔ میں اسکا کیا جواب دوں؟ نہ میں اسکا اہل نہ مجھ میں اسکی قابلیت۔ میں ایک ماہر کیمیا کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں کہ موت انسانی زندگی کا قدرتی اور موزوں خاتمہ ہے۔ اور بعد مرگ نیز اپنا یہ خیال ہے کہ انسان صفحۂ وجود سے ہمیشہ کے لیئے مٹ جاتا ہے!"

"شکریہ" چند لمحوں کے بعد مریض نے کہا۔ "آپ عالم ہیں۔ اور ایسی باتوں سے بخوبی واقف میں جاہل۔ لاعلم ہوں لیکن میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی تھا کہ رونق تاروں سے منور آسمان کی جھلک امریکہ کے طلائی کانوں میں سے دیکھکر خدائے پاک کے وجود اور اسکی بے عیب صناعی کا قائل ہو جایا کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ میرے خیالات بیہودہ ہوں۔ اے کاش آج میرا ناپاک گناہ آلود دل پھر ایکبار پاکیزہ خیالات سے مستی ہو جاتا! لاکھوں ایسا ہونا ممکن نہیں مجھ سے گنہگار کے لیئے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے!"

ڈاکٹر کے سرخ چہرے پر اضطراب و سراسیمگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اسکے پاس کوئی دوا ایسی نہ تھی جو روحانی تکلیف کو سکون بخش سکتی۔ اکثر سرجنوں کا یہی حال تھا۔ اگر ڈور بجائے متمول ہونیکے مفلوک الحال ہوتا تو یہ یقیناً ایسی باتوں کا جواب ٹک دینا گوارا نہ کرتا۔ مگر کرتا کیا۔ آخر پیسہ بھی تو کوئی چیز ہے۔ اور پھر روز روز لکچتی مریضوں سے سابقہ نہیں پڑتا۔ اور ڈور مشہور لکچتی تھا!

"میری رائے میں آپ پادری سے ملیئے" ڈاکٹر نے

کہا!"

"پا دری!" مریض نے قطع کلام کرتے ہوئے مغموم لہجہ میں کہا۔" پا دری دنیوی عیش وعشرت میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ دنیوی لذت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ آخری بار جب یہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ تو یہ اصرار کہہ رہا تھا کہ کچھ نقد رقم اپنی وصیت میں چرچ کے نام چھوڑ جاؤں۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ آپکا مرض ناقابل علاج ہوگیا ہے، مجھے قوی امید ہے کہ آپ اپنی لا انتہا دولت کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں لگانے کو ضرور وصیت کریں گے، گویا خدا کسی کی دولت کا محتاج ہے۔ گویا ہم خدا کو جس نے کل کائنات پیدا کی۔ اپنی بے حقیقت ثروت سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ نہیں۔ ہادری کی اعانت میری مشکل کو آسان نہیں کر سکتی۔ میرے سکھ کے سب ساتھی تھے۔ دکھ کا شریک کوئی نہیں ——— خیر، میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا۔ بخیر!"

ڈاکٹر کے حق سے ایک ناقابل فہم بڑبڑاہٹ اسکے جواب میں سنائی دی۔

سخت صدمے اٹھائے ہوئے دل کی شکوہ و شکایت کو ایک اوہام پرست کی بڑ سمجھکر ڈاکٹر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈونر اپنے آپ کو تنہا پاکر ایک انداز نگاہ سے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔

کمرے کی آراستگی میں سادگی برتی گئی تھی۔ تاہم تمول کے آثار بخوبی عیاں تھے۔ نیم کھلی کھڑکی میں سے اسکی نظر میں کھیتوں اور ہرے بھرے مرغزاروں پر پڑی جو اسکی اپنی ملکیت تھے۔ اس منظر نے اسکے دل میں اس انتھک محنت و مشقت کی یاد تازہ کر دی جو اس دولت کے جوڑنے میں صرف ہوئی تھی۔ نوجوانی سے آج تک کے تمام واقعات ایک ایک کرکے یاد آنے لگے۔

ابتدائی زندگی میں رشتۂ حیات کو برقرار رکھنے کی کشمکش میں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔ پھر چاندی کی کان کی دریافت اسکو دنیا کے نکتہ چینوں کی صف اول میں لاکر کھڑا کر دیا۔ نو شادی سماج بھی اس قسمت کی دیوی کے منظور نظر کو پوجنے لگی۔ پھر زلن تلون کیش حسینہ کا خیال آیا جسکی بناوٹ کو محبت۔ تصنع کو حقیقت سمجھکر اپنا شریک زندگی بنایا تھا۔ لیکن بہت جلد معلوم ہوگیا کہ رشتۂ ازدواج کی بنا رحمت یا ایثار نہیں بلکہ دولت کی حرص اور عیش وعشرت کی طمع نے اسکو اپنی خود داری۔ اپنا ضمیر بیچنے پر آمادہ کیا تھا۔ جب ماں کا یہ حال تھا تو اولاد کا کیا کہنا۔ ڈونر لکھتی بیٹا۔ شرابی۔ جواری۔ آوارہ گرد بدمعاشوں کے گروہ میں ایک قابل فخر اضافہ تھا۔ اور اسکی شقی القلبی کو دیکھیئے کہ باپ کو بستر مرگ پر چھوڑ کر خود کسی مفلس و تلاش خاندانی رئیس کی تلاش میں دعوتوں میں پھر رہی تھی۔

زندگی گذر گئی۔ دنیا میں کچھ دنوں کا مہمان تھا۔ مگر اس عرصۂ طویل میں مقصد حیات پورا نہوا یہ اس خیال سے اسکی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ اس نے رقت بھری آواز میں کہا:

"میرے خدا میں نے اس زندگی میں کیا کمایا۔ اگر موت میں زندگی کا انجام ہے تو حیات کا مقصد؟ ——— اسکا مدعا؟"

اتنے میں دروازے پر کسی کے دستک کی آواز اسکے روخیالات کو قطع کرتی ہوئی سنائی دی۔ اور قبل اسکے کہ یہ کچھ کہنا مہمان کمرے میں داخل ہوا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ ابھی آئے تھے"؟ نوکر نے نہایت مدھم لیکن شیریں آواز میں کہا۔

ڈونر نے صورت اثبات میں سر کو خفیف سی حرکت دی۔ چہرے سے تکان و کمزوری ظاہر ہوتی تھی۔ اور اس عجیب و غریب دوست کی موجودگی میں ڈونر گفتگو کرنے پر بہت کم مائل ہوتا تھا۔

عام طور پر یہ ایک شہرۂ آفاق مصور تھا لیکن بعض لوگ اسکو ایک خطرناک جمہوریت پسند روسی خیال کرتے تھے۔

اسکے چہرے کی عام حالت میں کوئی ناقابل فہم بات تھی جو بعض لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے میں مقناطیسی کشش کا اثر رکھتی تھی۔ اور بعض خود بخود دامن سے پرے رہتے تھے۔

یہ متوسط العمر پستہ قد تھا۔ اسکا استخوانی چہرہ زرد تھا۔ لیکن اسکے غالب کا حسین ترین یہ عضو اسکی دو آنکھیں تھیں جو شخص اسکے نورانی دائرہ کی زیر اثر آتا۔ تابع فرمان ہو جاتا۔

ڈونر کو دیکھتے ہوئے اسکی آنکھوں میں چمک نرمی پیدا ہوئی۔ لاحد درد و پیار۔ محبت کے آثار عیاں ہوئے، جنکو مریض نے بھی دیکھا۔ لیکن اسکے بجھے ہوئے دل میں صدائے بازگشت پیدا نہیں ہوئی۔

"تو کہو۔ تمنا سنا دیا گیا۔ اور موت کی گھڑی کا انتظار ہے"! پال (نوکر کا نام ہے) نے کہا۔" اگر غور کرو تو موت زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ انسان مرنیکے بعد جرم وعصیاں کے داغ سے اپنے دامن کو پاک رکھ سکتا ہے"!

ڈونر خاموش تھا۔

"مگر تم میرے ہمخیال نہیں ہو" اس نے ایک لمحہ بعد کہا۔" گو رستان کے دہشتناک کونے میں ہمیشہ کے لیئے مقید ہو جانا کوئی امید افزا مستقبل نہیں ہے۔ تم کچھ مضطرب معلوم ہوتے ہو ——— نہیں موت کا خوف تو نہیں ہے"؟

"نہیں میں موت سے نہیں ڈرتا" ڈونر نے مستقل لیکن درد بھری آواز میں کہا۔" فقط ——— افسوس ہے"!

"افسوس۔ کس لیئے"؟

اس لیئے کہ میں اپنی طویل زندگی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اسکو کسی نیک کام میں نہیں

لگایا۔ میں نے اپنا انمول ـــــ پھر ہاتھ نہ آنیوالا وقت دولت کے کٹھا کرنے میں صرف کیا۔ اور یہ دولت آج میرے کسی کام نہ آئی۔ محض دھوکا۔ سراب ثابت ہوئی۔ میں دولت کو مقصد حیات بنا کر اپنے فرائض سے غافل رہا۔ لیکن اب بہت دیر بعد معلوم ہوا کہ وہ دولت جس کو میں طلسم سمجھے ہوئے تھا۔ نہ میری صحت خرید سکتی ہے۔ نہ بیوی بچوں کی محبت مول سکتی ہے"! ایک لمحہ رک کر اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ پھر کہا۔ "اسی دولت کے باعث میں حقیقی محبت سے محروم رہا۔ اور اب تنہائی موت کا مقابلہ کرنیکو چھوڑ دیا گیا ہوں۔ اسطرح مرتے ہوئے مجھے افسوس ہے۔ لیکن۔ پال۔ وہ عذاب جو مجھے تھوڑی دیر پہلے نظر آیا۔ اگر سچ ہے تو اس خود غرض دنیا کو چھوڑتے ہوئے مجھے مطلق رنج نہ ہوگا"۔

"آخر وہ کیا خواب تھا"؟ پال نے ہمدردانہ لہجہ میں پوچھا۔

"پال۔ جب آنکھ لگی تو ایسا معلوم ہوا کہ میں فردوس میں ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے ڈونر کا چہرہ روحانی خوشی سے منور ہو گیا۔

"لیکن اس بہشت کو اس بہشت سے کوئی مناسبت نہیں جو ہمارے پادریوں کا بنایا ہوا ہے۔ یہ بہشت اس دنیا سے بالکل مشابہ تھا۔ فرق فقط اتنا تھا کہ وہ اس دنیا سے کہیں زیادہ خوبصورت اور زیادہ وسیع تھا۔ میں ابھی غور کر رہا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ یہ کونسا مقام ہے کہ ایک نغمۂ شیریں کی سحر آفریں آواز میرے کانوں میں پہونچی۔ پال۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اس نادیدہ گانیوالے کی خوش الحانی نے مجھے مول لیا۔ صرف چند ہی لمحوں میں میں اس نے اسقدر مانوس ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا برسوں سے سنتا آرہا ہوں"۔

پال۔ اپنی جگہ سے اٹھکر اپنا نازک اور خوبصورت ہاتھ مریض کی کلائی پر رکھدیا۔ اور اپنی منور اور مسحور کن آنکھیں اس پر جما دیں۔ ڈونر۔ میرے دوست۔ تم بڑے خوش قسمت ہو کہ تمھیں دوسرے عالم کے رہنے والے کی آواز سنائی دی ـــ پھر بھی تمھیں شبہ ہے۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ تم بخوبی واقف ہو کہ کبھی کبھی دوسرے جہاں کے پر اسرار بھید مجھ پر منکشف ہو جایا کرتے ہیں۔ دنیا مجھے اوہام پرست۔ دیوانہ کہتی ہے محض اسلئے کہ میری پہونچ وہاں تک ہے جہاں انکی رسائی نہیں۔ میں ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہوں جن کو انکی قوت باصرہ دیکھنے سے قاصر ہے میں ان آوازوں کو سن سکتا ہوں جن کو انکی قوت سامعہ نہیں سکتی ـــ ان باتوں سے قطع نظر میرا یہ ایمان ہے کہ قبر سے اس پار بھی دنیا ہے۔ اور میرا یہ ایمان ہے۔ قبر اور اس دنیا کے درمیان پل کا کام دیگا۔ لیکن دوسرے ـــــ افسوس یہ لوگ اپنے ساتھ ناامیدی۔ خوف و ہراس لیجاتے ہیں"۔ پھر ایک لمحہ رک کر اس نے اضافہ کیا۔ "آخر۔ کیا۔ یہی آواز تھی جو تمھیں خواب میں سنائی دی"؟

پال اپنا دایاں ہاتھ ایک تحکمانہ انداز سے اٹھا دیا۔ دلگداز نغمہ کی آواز دفعتہ اوپر ڈونر کے کانوں میں پہونچی۔ آواز بالکل واضح لیکن بہت دور سے ـــ اتنی دور سے آتی معلوم ہوتی تھی گویا ہوا آسمان سے لا رہی ہے۔

"راحم خدا"! ڈونر فرط جوش سے بستر پر اٹھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہی آ ـــــ وہی آواز! پال۔ پال۔ یہ کیا ہے! میرے خوش قسمت دوست"! پال نے آہستہ سے کہا۔ "اس نغمۂ شیریں کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ تم اب وقت کے ناپیدکنار سمندر کے ساحل پر کھڑے ہو۔ اور وہ ہستی جسکے روح پرور نغمہ نے تمھیں موہ لیا۔ تمہیں حقیقی محبت سے لطف اندوز کرنے کیلئے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ اس انقلاب کے باعث ـــ جسے یہاں کے رہنے والے موت کہتے ہیں ـــ تمہیں وہ سچی شادمانی حاصل ہوگی۔ جسکے تصور سے بشری دماغ قاصر ہے"! ایک لمحہ رک کر اس نے گہری آواز اور نہایت ہی سنجیدہ لہجہ میں اضافہ کیا۔ "ڈونر پھر بھی تمہیں انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس زندہ دوزخ میں اپنی ناشادمانی و ناکامیابی کی زندگی کو طول دے سکتے ہو"! پال کی گفتگو سنکر ڈونر کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ ہاتھوں میں رعشہ پڑ گیا۔ لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "پال ـــ یہ ـــ کیا ـــ اسرار ـــ ہے تم ـــ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا ـــ میں ـــ میری قسمت کا فیصلہ تو ہو چکا"۔ ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ـــ دوست، احباب۔ بیوی بچے سبھی مجھکو مردوں میں شمار کرتے ہیں۔ پال۔ کیا تم ایک کمزور و ناتوان بے کس و بے بس مریض سے مذاق کر رہے ہو! مجھے یقین نہیں آتا کہ تمہاری پر اسرار طاقت مجھے پنجۂ اجل سے محفوظ رکھ سکیگی"!

"اگر ابھی زندہ رہنے کی ہوس باقی ہے تو کہو تم ہمیشہ زندہ رہ سکتے ہو"۔ پال نے مستقل لہجہ میں جواب دیا۔ "یہ مرض یا اور کوئی وبا تمہارے رشتۂ حیات کو قطع نہیں کر سکتی"!

"اگر میں زندگی کو موت پر ترجیح دوں تو کیا تم مجھے اس مرض سے بچا سکتے ہو"؟ ڈونر نے اپنے خشک لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ قدرت ـــــ یہ طاقت ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہونیوالے کو روک سکو"؟

"ہاں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرد و صورت میں تمہاری خواہش پوری ہوگی۔ مگر ٹھیرو۔ انتخاب کرنے سے پہلے سوچ لو ـــ آج تمہارے واسطے کے لئے رحمت الٰہی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر تمہاری مرضی سے یہ دروازہ بند ہو گیا تو اس نغمۂ شیریں کی آواز پھر کبھی تمہیں سنائی نہیں دیگی"!

ڈونر پال کے چہرے کو نظر غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس پر نرمی۔ سچائی کے آثار عیاں تھے۔ آنکھیں سرخ قمقموں کی طرح دھک رہی تھیں۔

ڈاور کے سینہ میں زندگی اور موت کی کشمکش جاری تھی "زندگی حقیقی ہے۔ نجات ممکن ہے فرضی ہو۔ تو پھر جتنا جی سکتا ہوں۔ کیوں نہ جی لوں؟ ایک طرف زندگی و دولت۔ دوست احباب۔ نیلا آسمان اور روشن سورج ہے۔ ان سے لطف اندوز ہونا ممکن ہے۔ دوسری طرف بہشت کا مبہم احساس جسکا اندازہ اس نامعلوم گائیو الے کی نغمہ شیریں کی صدا سے ہوا تھا۔ حقیقت میں گانے کی آواز تھی یا کمزور دماغ کا فتور؟ مگر نہیں۔ یہ آواز دو وقت سنی گئی میں آئی تھی۔ پھر بھی ممکن ہے یہ آسمانی ترغیب نہو بلکہ پال کا کوئی شعبدہ ہو۔ خیر کچھ ہو۔ خیر کچھ ہو۔ ایک طرف ٹھوس چیزیں جن کو وہ ایک زمانے سے دیکھتا ہوا آرہا ہے۔ موجود ہیں۔ دوسری طرف پال کے لہجہ سے بھی یہ متاثر ہو چکا تھا۔ کوئی غیبی احساس کہہ رہا تھا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو مناسب تا مناسب طور پر ماوراء الفطرت طاقتوں سے متصف ہیں۔

انسان اس جہان فساد کو بخوشی ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ دم آخر ہے۔ اسکے نقش و نگار کو دل سے محو نہیں کرتا۔ دکھ سہتا ہے۔ مصیبتیں جھیلتا ہے۔ لیکن یہاں سے رخصت ہونا نہیں چاہتا۔ یہی کیفیت اس بڈھے ڈاور کی تھی۔ یہ وحشیانہ انداز سے چیخ کر بولا۔

"پال میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ دوسرا عالم ممکن ہے خواب ہو۔ وہ شیریں نغمہ جس کو میں نے سنا تھا۔ ممکن ہے سراب ہو۔ لیکن یہ دنیا حقیقی ہے۔ میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اور یہاں کے رہنے والے مجھ سے واقف ہیں۔ اگر یہاں رہنے اور یہاں سے روانہ ہونیکا فیصلہ میری مرضی پر چھوڑا جاتا ہے تو میں یہاں رہنا پسند کرتا ہوں۔ پال اگر تمہیں فی الواقعی وہ طاقت حاصل ہے جس کا تم نے ابھی ذکر کیا تو۔ خدارا۔ اس طاقت کے صدقے مجھے میری زندگی بخش دو۔ میں مبہم بہشت کو نہیں بلکہ ٹھوس دنیا۔ اس دنیا کو رہنے کے لیے منتخب کرتا ہوں ــــ میں ابھی اور زندہ رہنا چاہتا ہوں"!

اتنی لمبی گفتگو ڈاور جیسے ضعیف و ناتوان مریض کو تھکا دینے کے لیے کافی تھی۔ اسکی سانس پھول گئی۔ آنکھیں باہر نکلی پڑتی تھیں قوت جوش کے ساتھ ختم ہوگئی۔ غرض مدعا کے بعد بیٹھنے کی بھی سکت نہ رہی۔ یہ بستر پر پیچھے کی طرف گر گیا۔

آہستہ ــــ بہت ہی آہستہ پال مریض کے پلنگ سے چند قدم پیچھے تھا۔ اور ڈاور کو انتہائی نفرت اور رحم کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ "تمہاری مرضی"! اس نے مدھم لیکن پر جوش آواز میں کہا۔ "زندہ رہو۔ اور اس زندگی میں وہ مسرت و محبت۔ اور امن و چین حاصل کرنیکی کوشش کرو۔ جو ابتک تمہیں نصیب نہیں ہوا ــــ میرے دوست۔ تم نے بہت برا انتخاب کیا۔ تم نے ایک عظیم الشان حقیقت کو ایک بے حقیقت زندگی کے لیئے رد کر دیا۔ یاد رکھو ــــ جب تمہیں اس انتخاب سے پشیمانی۔ ندامت و تاسف ہو تو مجھے اطلاع کرنا ــــ فی الوقت خدا حافظ"!

دروازہ بغیر آواز کئے کھلا اور بند ہوا۔ پال چلا گیا تھا۔

ڈاور گھنٹوں اپنے بستر پر پڑا جاگتا رہا۔ اس کا کمزور دماغ پال کی عجیب و غریب گفتگو پر ایک نظر بازگشت ڈال رہا تھا۔ حیرت میں تھا کہ کیا فی الواقعی پال کا کہنا بجا ثابت ہوگا ــــ یہ پھر دنیا میں زندگی بسر کر سکیگا۔ یا ــــ یا ــــ!

انھیں باتوں پر غور کرتے ہوئے اسکی آنکھ لگ گئی۔ پورے آٹھ گھنٹے بے خبر سوتا رہا۔ ایک عرصے سے اسکو ایسی گہری نیند نصیب نہیں ہوئی تھی

دوسرے روز صبح اٹھا تو درد کا احساس بہت کم ہو چکا تھا۔ اور ایک ہفتے کے عرصہ قلیل میں بہت تک صحت ہوگئی کہ یہ اپنے بستر مرگ سے اٹھکر روزمرہ کے کاروبار انجام دینے لگا۔ وہ مشہور و معروف طبیب جسکے یہ زیر علاج تھا۔ اس کا بایاڈٹ کو دیکھکر سخت متحیر ہوا۔ وہ مہلک مرض جسکے وجود کا یقین تھا۔ اب اسکا نشان تک نہ تھا ــــ وہ ماہر کیمیا جس نے اب تک غلطی نہیں کی تھی۔ اب پہلی بار اپنی تشخیص کو غلط ہوتے ہوئے دیکھا۔

ڈاور جیسا کہ پال نے قسم کھا کر کہا تھا۔ زندہ رہا۔ اس اثناء میں اس نے اپنے بیٹے کو جعلی دستخط بنا کر جیل میں جاتے ہوئے دیکھا۔ اپنی بیٹی کو ایک آوارہ گرد امیر زادے سے شادی کرتے ہوئے دیکھا جسکے دن شراب خانوں میں اور راتیں جوے خانوں میں کٹتی تھیں۔ رقیق اور طامع دوست۔ خوشامدی اور بے ایمان خدمتگار اس کو ہر طرف سے لوٹ رہے تھے حتیٰ کہ یہ اب اہل دنیا کی بے انصافی شکلی۔ بناوٹ اور کینہ پن سے بیزار ہوگیا۔ سات سال کا عرصہ ان ناقابل برداشت مصیبتوں کا لحاظ کرتے ہوئے سات صدیوں کے برابر تھا۔ گذر گیا۔ اس سکون سوز زندگی سے تنگ آکر اسکو سکون قلب کی آرزو امن گیر ہوئی۔ اپنی ناکامی کے احساس نے اسکو اور بھی پست ہمت بنا دیا۔

یہ اسوقت اپنے عظیم الشان کتب خانہ میں بیٹھا تھا۔ اسکی کھڑکی کی راہ چاندنی ٹھنڈی روشنی سے منور باغ کی طرف اٹھ گئیں۔ نہ رکنے والے آنسوں کی دھار اس کے رخساروں پر سے بہنے لگی۔

"اے کاش میں اس خواب کو پھر ایکبار دیکھ سکوں۔ اس آسمانی آواز کو پھر ایکبار سن سکوں"!

کسی غیبی تحریک کے زیر اثر اس نے قلم اٹھا کر پال کو خط لکھنا شروع کیا۔ اس دن کے بعد جب اس نے ڈاور کو زندگی اور موت کے درمیان انتخاب کا موقع دیا تھا۔ اب تک

پھر ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"میرے دوست"۔ اس نے لکھا "تم نے مجھ سے کہا تھا کہ جب اس زندگی سے بیزار ہو جاؤں تو تمہیں اطلاع کروں ــــ اب میں بیزار ہو گیا ہوں۔ زندگی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ میں اس سے کچھ حاصل نہ کر سکا۔ میں نے۔ جیسا کہ تم نے کہا تھا غلط انتخاب کیا۔ اے پال۔ کارخانۂ قدرت کے بہت سے اسرار تجھے عریاں نظر آتے ہیں۔ تو نے اکیلا مجھے زندگی بخشی تھی۔ اب مجھے موت عطا کر۔ پال۔ اب اسی طاقت کے ذریعہ مجھے وہاں لے چل جہاں میں آج سے سات سال پہلے تھا۔ میری کی طرف رہنمائی کر جہاں میں امن و سکون کی زندگی بسر کر سکوں۔ مجھے اس شہر میں داخل کر جسکے طلائی دروازے میرے لیے ایک وقت کھلے ہوئے تھے!"

اس خط کا جواب آنے میں عرصہ لگا۔ اس تاخیر سے بے چینی و بے صبری بڑھنے لگی۔ لیکن جب جواب آیا تو اس کا پیرایہ رعب انداز تحریر اسکا عجیب و غریب اختصار اسکی بے چینی و بے صبری کو امن و سکون سے تبدیل کر دیا۔ اسکا مطلب یہ تھا۔

"میرے غریب دوست۔ بہشت بریں کے نمونے یا محل وقوع میں کوئی فرق نہیں آیا محض اس لیے کہ اندھی دنیا اسکی خوبصورتی۔ اسکے جاہ و جلال کو اپنی کمزور بصارت کے باعث دیکھ نہیں سکتی۔ یہ سات سال کا عرصہ طویل اس معراج پر رہنے والوں کے لیے سات لمحوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ــــ ایک قلیل وقفہ اس گانے کے سلسلے میں جسکو تم نے سنا تھا ــــ اطمینان رکھو ــــ یہ خط پہونچنے کی رات کو وہی نغمۂ شیریں کی آواز دوسری دنیا میں تمہارا استقبال کرے گی!"

ڈنور یہ خط ہاتھ میں لیے کھلی کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ اس پر خواب کی سی حالت طاری تھی۔ صانع قدرت نے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی سُرخ کرنوں سے جو جگہ تک ہر چیز کو قرمزی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ فضا میں پرندوں کی مست کر دینے والی میٹھی بولیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ پرندوں کی خوش الحانی سے اسکے دل میں ایک نامعلوم خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ اب یہ تہنیار و گیا تھا۔ کیونکہ بیٹا جیل میں تھا۔ بیٹی شوہر کے پاس تھی۔ اور بیوی ــــ اسکی سخت جانی سے متنفر ہو کر کسی عاشق کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

آج یہ بہت بشاش تھا۔ دل خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موجودہ ڈنور سابق ڈنور سے کہیں زیادہ فہیم و فریس شخصیت ہے ــــ جو اب تک اس مٹی کے ڈھانچے میں محصور و مقید تھی۔ اور اب اس بیجا قید و بند کو توڑ کر آزادی کے لامحدود میدان میں پرواز کرنا چاہتی ہے۔ یہ آفتاب امید تھوڑی دیر کے لیے یاس و نا امیدی کے بادلوں میں چھپ گیا سچ ہے۔ کسی چیز کو قبضہ میں رکھنے کی خوشی بہت ہی ہوتی ہے۔ جب اسکے ہاتھ سے نکل جانیکا کھٹکا ہو۔ تیقن کی جگہ اس نے لے لی۔ کہا۔ "پال کے کہنے کے مطابق اگر بہشت ہے بھی تو کیا میں اس میں داخل ہونیکا مستحق ہوں؟ میں نے اب تک کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے اس قابل سمجھا جاؤں۔ ہاں۔ اتنا تو ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کوئی برا کام نہیں کیا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کی ــــ پھر بھی میری زندگی اب تک پر خلوص و بے لوث محبت سے ناآشنا رہی ہے ــــ پال کا کہنا ہے کہ کارخانۂ قدرت میں ہر شئی کو مساوات کا درجہ حاصل ہے۔ ہر روح یہاں یا وہاں اپنا ایک ساتھی ضرور رکھتی ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے۔ تو قدرت کے اس ناقابل تبدیل آئین کی رو سے میں اس گانیوالی سے محبت کروں گا"۔

بس اس وقت ایک نغمۂ شیریں کی دلاویز صدا کے خیالات کو اپنی طرف مائل کرتی ہوئی سنائی دی۔ آج آواز میں دلکشی و دلربائی پہلے سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ ڈنور اپنی جگہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ چہرے پر اضطراب عیاں تھا۔ آنکھوں میں کسی کے انتظار کی جھلک تھی۔ بیتابی بڑھ رہی تھی۔ اسکی نگاہ یاس کمرے میں کی بڑھتی ہوئی تاریکی کی دھند کو چیر کر کسی چیز کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"دنیا اور اسکے لوازمات تو سراب ثابت ہو چکے تھے۔ کیا بہشت بھی ــــ!"

"نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ استقدر میٹھی آواز میرے ساتھ دغا نہیں کر سکتی میں اسے معبود حقیقی کا پیام محبت سمجھکر قبول کرتا ہوں!" کمرے میں تاریکی محیط تھی۔ اسکی آنکھیں تاریکی کو قطع کرنیکی کوشش کر رہی تھیں۔ "آمین یہ کیا؟" بیساختہ اسکی زبان سے نکل گیا۔ کیا یہ مخفی تصور تھا۔ یا حقیقت میں کسی فرشتہ کا چہرہ تھا۔ جو ایک ثانیہ کے لیے نظر آیا اور غائب ہو گیا۔ آہ۔ یہ فرشتہ رحمت۔ محبت و مسرت کا پیامبر بنکر مجھے لینے آیا تھا!"

عالم بیخودی میں اس نے اپنے بازوؤں کو پھیلا دیا۔ گویا کسی سے گلے ملنا چاہتا ہے۔ سینہ میں مسرت و شادمانی کا طوفان موجزن تھا۔

"آہ۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں۔ زندگی کا آغاز ہے!" اس نے بڑبڑایا۔ ایکبار لڑکھڑایا۔ سانس پھول گئی۔ کرسی پر پیچھے کی طرف گرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ نامعلوم گانیوالے کی دلاویز صدا جہالت کی تاریکی کو موسیقی کے نور سے دور کر رہی تھی۔

"آہ موت۔ زندگی کا خاتمہ نہیں۔ زندگی کا آغاز ہے" یہ بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔ اسکی آنکھیں بند ہو گئیں۔ چہرے پر تبسم نمودار ہوا۔ یہ دلکش فریب کے مزے لے رہا تھا!

(مشہور انگریزی ناول نویس "میری کرولی" کا ایک پاکیزہ افسانہ)۔

اعلیٰ کام کرنا ہے۔ آخر الذکر ایک غیر مکمل یا بگڑے ہوئے ہیجان کی پیداوار ہیں حسن کاری خود ضرورت تخلیق ہے۔ اور اسکی اصلیت نہایت وسیع اور عالمگیر ہے۔ اسکا مقصد تخلیق انسان اور فطرت سے کم نہیں۔ حسن کار کو اس میں اپنی پوری توانائی (قابلیت) کے استعمال کا موقع ملتا ہے وہ صرف اسی وقت تک رنگ کاری اور کندہ کاری کر سکتا ہے جس کار کو چاہئے ہماری۔ روح کو تازہ کرے اور ماحول کی دیواریں توڑ کر ناظرین میں اس عالمگیر ربط اور طاقت کے احساس کو جگائے جو حسن کار کی اس کاوش کا باعث ہوا۔ اور اسکا اعلیٰ ترین اثر نئے حسن کاروں کا پیدا کرنا ہے۔

حقیقی حسن کاری کبھی ثابت نہیں بلکہ ہمیشہ ترقی پذیر ہوتی ہے۔ سب سے شیریں موسیقی اور الوہیت میں نہیں بلکہ آسمانی آوازیں ہے جبکہ وہ رحمدلی سچائی۔ اور شجاعت کے راگ گائے۔ اور الوہیت صبح۔ سورج اور زمین سے اپنے (قدیم) علاقہ کو چھوڑ دیا ہے لیکن یہ اثر آفریں آواز (انسانی) اپنے ساتھ ابھی تک ہم آہنگ ہے۔ حسن کاری کے تمام کارنامے علیحدہ نہیں بلکہ فی البدیہی اعمال ہیں۔ ایک عظیم شخص اپنی ہر حرکت اور عمل میں ایک نیا آذرہ ہے ایک حسین عورت ایسی تصویر ہے جو اپنے ناظرین کو شریفانہ جنون میں مبتلا کرتی ہے۔ زندگی طربی یا رزمیہ ہو سکتی ہے ایک نظم یا رومانس۔

تخلیق کے کلیہ کا ایک حقیقی اظہار (بشرطیکہ کوئی شخص اس کے اظہار کے قابل ہو) حسن کاری کو فطرت کی مملکت میں لیجاتی اور اسکی جداگانہ اور متقابل ہستی کو برباد کر دیتی ہے۔ معاشرۂ حاضرہ میں اختراع اور حسن کے سرچشمے تقریباً خشک معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہر دلعزیز ناول۔ تماشہ گھر یا رقص گاہ ہمیں اس احساس پر مجبور کرتا ہے کہ اس محتاج خانۂ عالم میں ہم سب بھکاری ہیں۔ بے وقار۔ بے ہنر اور بے کار۔ ہماری حسن کاری بھی مفلس اور ذلیل معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے حسن کار یا دراما ہرین فن حسن کاری میں اپنی قابلیت کی نمائش کے خواہاں یا مصائب زندگی سے پناہ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے تخیل میں پیدا کردہ شکل سے مطمئن اور خوش نہیں ہوتے وہ حسن کاری کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنا بہتر حس اور الوہیٹو۔ آذرہ یا تصویریں منتقل کرتے ہیں۔ حسن کارانہ کاوش گویا ایک لذاتی وقائع کے برابر ہو جاتی ہے ریاں مفید اور کارآمد سے حسین اور جمیل کو جدا کیا جاتا ہے اور اس عمل کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ افادہ سے بالکل متغیر ہو کر وہ ایسا ماکیطرف مائل ہوتے ہیں لیکن قوانین فطرت کی رو سے یہ تسلیاں اور تلافیاں اور یہ تفریق افادیت و جمال کسی طرح جائز نہیں اور مذہب و محبت کے بجائے فطرت اور انبیاء کی خاطر تلاش حسن خود متلاشی کی تذلیل کا باعث ہے۔ اسکو اعلیٰ حسن کبھی نہیں ملتا بلکہ ایک نسوانی اور دائم المریض حسن ملتا ہے جو فی الحقیقت حسن نہیں۔ کیونکہ اس چیز کی تکمیل ناممکن ہے جو کردار کے تو قعات سے بلند و بالا ہو۔

جو حسن کاری اسطرح دوسروں کو علیحدہ کرنا چاہتی ہے خود علیحدہ ہو جاتی ہے۔ حسن کاری محض سطحی استعداد پر موقوف نہیں بلکہ انسانی عمق اور گہرائیوں میں اسکی جڑیں ہوتی ہیں۔ لیکن فطرت میں کوئی حسن نہیں پاتے اور ایسا آذرہ تراشنا چاہتے ہیں جو حسین ہو۔ وہ دوسروں کو بدمذاق۔ کند ذہن اور بے حس قرار دیکر ان سے متنفر ہوتے اور اپنی نسلی رنگ کے تھیلوں اور سنگ مرمر کے ٹکڑوں سے کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو نثری اور بے لطف سمجھکر اس سے گریزاں ہوتے ہیں اور اپنے لئے ایسی سحر تیار کرتے ہیں جیسے وہ شاعرانہ سمجھتے ہیں۔ وہ روز و شب کی درماندگی سے دور رہتے اور تنعمانہ خوابوں میں پناہ لیتے ہیں۔ ان کا اکل شرب ایسے ہے کہ وہ بعد ازاں اس تصور کو توڑ معالیں اسطرح حسن کاری گندہ ہو جاتی ہے اور اسکے نام سے بڑے اجتماعات ذہن میں آجاتے ہیں اور تخیل میں اسکا نقشہ خلاف فطرت اور ہم آغوش مرگ ہوتا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ اعلیٰ طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ اکل و شرب سے پہلے تصور کی خدمت کی جائے اور اکل و شرب سے تصور کی خدمتگزاری ہو؟ فنون افادیہ میں پھر حسن کی تلاش ہونی چاہیئے اور فنون لطیفہ اور افادیہ کی تفریق فراموش کر دیجائے۔ اگر تاریخ کو سچائی سے بیان کیا جائے اور زندگی شریفانہ طور پر گزاری جائے تو یہ کسیطرح آسان اور ممکن نہیں کہ ان دونوں میں فرق و امتیاز کیا جاسکے۔ فطرت میں تمام چیزیں مفید اور تمام حسین ہیں۔ کوئی شئی اسوقت حسین ہے جبکہ وہ زندہ۔ متحرک اور قابل افزائش ہے۔ ایک شئی مفید ہے اسلئے کہ وہ سڈول اور خوشنما ہے۔ حسن مجلس وضع قوانین کے حکم پر نہیں آتا۔ وہ ہمیشہ کیطرح بے بلائے اور بلا اطلاع آموجود ہوگا۔ اور بہادر اور پرجوش لوگوں کے قدموں پر نمودار ہوگا۔ صاحب ذکاوت سے یہ توقع کرنا بے سود ہے کہ وہ قدیم فنون میں معجزات پیش کرے۔ البتہ وہ نئے حالات اور اکتشافات میں حسن و تہذیب

جو یا ہو سکتے ہیں۔ ایک مذہبی دل و دماغ کیسا تھ شروع کر کے وہ ریل کی پٹریوں، انشورنس کے دفتر، شرکتی کمپنی، قانون، اسمبلی، تجارت گھریلو خانہ، برقی مرتبان، مناظری منشور اور کیمیائی آفرینش کو دیکھیں ہم صرف معاشی افادیت کے متلاشی ہیں) ایک مقدس زینہ پر بلند کریگا۔ عظیم کارناموں کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر نہایت خود غرضانہ اور ظالمانہ ہے اور یہ ان مالی ہیجانات کے زیر اثر ہے جو ان پر کارفرما ہیں۔ وہ وہ خیالی جہاز (بشرطیکہ اسکے مقاصد شریفانہ اور مناسب ہوں) جو پرانے اور نئے انگلستان کے مابین بھرا طلانٹک پر ایک پل سا بناتا ہے اور اسکی بندرگاہوں پر سیارتی حرکت کی پابندی کے ساتھ پہنچتا ہے یہی جہاز انسان اور فطرت کی ہم آہنگی اور ربط کا ایک مرحلہ ہے۔ یہ نیٹ پٹرس برگ کے جہاز (جو دریائے نیپا پر مقناطیسی قوت کے ذریعہ متحرک ہے) کے عظیم اور شاندار ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ جب سائنس محبت کا سبق سیکھ جائے اور اس کی قوتیں محبت کے زیر حکم ہوں تو وہ مادی تخلیق (یا حسن کاری) کے نمونے یا تسلسل معلوم ہوں گے۔ ختم

(بقیہ صفحہ ۲۱)

آرٹسٹ ہیں۔ یہ دونوں اپنی بیویوں کو لینے آرجسٹرا میں گئے ہیں۔ جمشید کی بیوی بمبئی کی ایک پارسی مالدار گھرانے کی تعلیمیافتہ خاتون ہیں۔ "آرجسٹرا کے دروازے کی طرف دیکھکر "یہ لو وہ آگئے۔"

ہمارے سامنے دو انسانی جوڑے تھے، ایک نوجوان اور ایک ذرا معمر مسٹر جمشید کو ہم نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ہیٹ کی شکل میں اور آپ میں صرف اسقدر فرق تھا کہ وہاں یہی نوجوان شخص ایک پچپن سالہ پیر فرتوت تھا۔ شاہ نواز نے بڑھکر ملاقات کی اور ہماری طرف بتلا کر کہا "جناب! یہ وہی معزز طالب علم ہیں جن کے کمرے پر ہم آج گئے تھے اور یہ ان کے دوست مسٹر مسٹر (میں نے کہا حامد) ہاں حامد ہیں۔"

اس پر ہم نے بڑھکر مسٹر فیروز و جمشید اینڈ کو سے ملاقات کی تھوڑی دیر کھیل کے متعلق سرسری تعارفی گفتگو رہی۔ یہ بھی تعلیم یافتہ ریاکاری کا تقاضا ہے کہ دل میں تو کسی چیز کے سخت مخالف ہوں لیکن بظاہر اس کی تعریف ضرور کریں۔ اسی سلسلے میں جمشید کی بیوی جو علاوہ شائستہ ہونے کے جاذب نظر بھی تھیں۔ فرمانے لگیں "اچھا جمشید کل ہمارے تھیٹر کی سالگرہ ہے، کیوں نہ ہم اس میں ان دونوں اصحاب کو بھی زحمت دیں۔"

جمشید نے کہا "واہ کیا معقول چیز تم نے یاد دلائی، ہم تو بھول ہی گئے تھے۔ مہربان کل ہماری تھیٹر کی سالگرہ ہے، میری بیگم تم دونوں کی تشریف آوری کی متمنی ہیں، شاید آپ کو بھی اس دعوت کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا"

میں نے کہا "جی یہ آپ نے تکلیف کیوں کی، بہرحال اس کو ہم اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں" اس تمام گفتگو کے دوران میں مسٹر حامد بالکل خاموش تھے، کبھی کبھی نظر بچا بچا کر مسز جمشید اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ لیتے تھے، دوران گفتگو میں ان چاروں کی نظریں زیادہ تر حامد ہی کی طرف تھیں شاید اس کی بے محل خاموشی ان کے لئے نئی چیز تھی۔ بہرحال جب رخصت ہو کر ہم اپنے مقام کو چلنے لگے تو میں نے حامد سے کہا "بھئی یہ تم نے چپ کیوں سادھ لی؟"

"اور کیا میں تمہاری طرح بڑبڑ کرتا، میں تم کو خوب جانتا ہوں، اوروں کو تو نصیحت کرتے کرتے مغز چاٹ جاتے ہو اور جہاں خود کو موقع ملا تو کتے کی طرح چیچ ڈھیلی کر کے گھورنا شروع کر دیتے ہو۔"

میں نے کہا "آپ کی چپ کے بعد یہ خواہ مخواہ کی خفگی کوئی معنی ضرور رکھتی ہے، شاید سیاہ برقعہ آپ کے دل کے اسٹیج سے اگزٹ اور پارسی ملبوس انٹر والا مضمون ہے، ہا تھلا استاد کیوں کیسی کہی؟"

"آپ اس بیہودہ بکواس کو جانے دیں رات زیادہ ہو گئی، جلد جلد چلئے گھر چلکر سو رہیں۔"

ہم عادت کیوجہ سے اپنی تعلیمی کالج کو عموماً گھر ہی کہا کرتے ہیں۔



گلہار ہیر آئل

"معمہ"

ذیل میں ایک آسان معمہ دیا گیا ہے۔ اسکو حل کرنیکے لئے اشارے دئے گئے ہیں ہر ایک نمبر کے محاذی چند خانے بنائے گئے ہیں جو خانے خالی ہیں ان میں حروف رکھکر ایسے موزوں الفاظ بناؤ جن کی طرف اشارے رہنمائی کرتے ہیں۔ مثلاً نمبر (۱) کے لئے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ بلندی کی انتہا ہے اور عورت کی زینت ہے' ظاہر ہے کہ پہلے تیسرے' اور چوتھے خانے میں بالترتیب چ' ٹ' اور ی رکھنے سے لفظ "چوٹی" بنتا ہے اور یہی اس کا حل ہے جو کوپن میں نمبر (۱) کے محاذی لکھدیا گیا ہے بقیہ نمبروں کے حل اسی طرح دریافت کرو

ہدایات

(۱) تمام حل حسن کار کے مطبوعہ کوپن پر نمبروار درج کئے جائیں۔ اگر کوئی حل غلط نمبر پر درج کیا جائیگا تو وہ غلطی سمجھی جائے گی ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے حل کی ایک نقل اپنے پاس رکھ لے تاکہ آئندہ اشاعت میں جب صحیح حل شائع ہوگا تو اس سے مقابلہ کر سکے۔

(۲) ایک سے زیادہ کوپن روانہ کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) بلدہ کے تمام حل ۲۸ شہریور ۱۳۱۲ھ مطابق ۳ جولائی تک اور اضلاع و بیرون ممالک محروسہ کے حل ۲۹ شہریور مطابق یکم اگسٹ تک دفتر حسن کار پر وصول ہو جانا چاہئے۔

(۴) اس سلسلہ میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط و کتابت نہ ہونی چاہیئے۔ ہر لفافہ پر لفظ معمہ لکھنا ضروری ہے۔ بیرنگ خط وصول نہیں کئے جائیں گے۔

(۵) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

نام اور پتہ صاف تحریر کریں

۱	چ	و	ٹ	ی	
۲	ے	م	ن		
۳	ا	ت	گ	و	ر
۴	-	و	-	-	
۵	پ	ٹ	ن	ہ	
۶	-	چ	-	س	-
۷	ش	ھ	ب	ا	ز
۸	-	-	ب	ر	
۹	-	ھ	-	-	
۱۰	-	ا	-	-	ی
۱۱	ا	-	-	-	-

بلندی کی انتہا ہے اور عورت کی زینت اس سے ہے
پھولوں کا مسکن
ایک میوہ
کثرت فعل منحوس ہے اور اس کی قیمت اعلیٰ ہے
ہندوستان کا ایک شہر
جنتیوں کا وارث۔ تاجدار
یہ پرندہ ہے اور اس کا نصف بھی پرندہ ہے
ایک بہادر شہنشاہ
تمنت الوں کا حسن اس سے دوبالا ہے اور بدنصیبوں کے لئے یہ پیام رحلت ہے
ہندوستان کا ایک دریا
یہ آپ کی بڑی مدد کرتے ہیں

گذشتہ معمہ کا حل

(۱) گلاب (۲) کھجور (۳) کمر (۴) بلبن (۵) قاف (۶) اقبال (۷) تاج (۸) خلیق (۹) ڈاکہ (۱۰) قطب (۱۱) قانون۔

ایک غلطی کا صرف ایک حل وصول ہوا جنکو پہلا انعام دیا جاتا ہے اور دو غلطی کے دس حل وصول ہوئے اور ذریعہ قرعہ اندازی دوم سوم انعام کا تصفیہ کیا گیا۔

گذشتہ معمہ کا نتیجہ :-

(۱) اول خواجہ رحمت اللہ صاحب فقیر منزل رنگا ریڈی ملک پیٹھ (۲) دوم محمد رضا حسین صاحب فلاروتی دفتر کلیہ جامعہ عثمانیہ (۳) تیسرا انعام دو عمدہ ادبی کتابیں۔ بڑے خانقاہ متعلم سکنڈ فارم سٹی کالج۔

نمبر	حل
۱	چوٹی
۲	محل
۳	دلور
۴	سر
۵	پٹنہ
۶	پچسقہ
۷	شہباز
۸	اکبر - بابر
۹	عالک
۱۰	کاویری - تاپتی
۱۱	انسان - اشارے
نام	
پتہ	

آئندہ معمہ کے انعامات

اول انعام۔ ایک خوبصورت برقی ٹیبل لیمپ یا اس کے مماثل کوئی چیز

منجانب مالک دوکان انٹرنیشنل جنرل اسٹور روبرو گراند اسکوں جواہر لال

دو ترغیبی انعامات منجانب "حسن کار"

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار محمد عبدالقیوم کی ہمہ ہیں بہترین سین بورڈ، پورٹریٹ، عمارتوں کی تصاویر اور تمام قسم کے کام نہایت ارزاں اور مقابلتاً بہتر ہوتے ہیں۔

قیوم آرٹ ورکس روبرو گول بنگلہ حیدرآباد دکن

آپکی کتابیں کہاں چھپتی ہیں

ٹیپ انگریزی، اردو لیتھو اور ہمہ قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کثیر سے فراہم کی گئی ہیں تاہم حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے۔

مقنن پریس اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

قدیم کتب کا خزانہ

آپ کو قدیم کتب اور رسائل اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو

"کاشانہ باز"

یاد رکھئے۔

"کاشانہ باز" بازار گھاسی حیدرآباد دکن

"حسن کار"

کے مضمون نگاروں سے گذارش

۱۔ براہ کرم مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا جائے۔

۲۔ مضامین مختصر اور عام فہم اور جاذب توجہ ہوں جس کا تعلق ہماری تہذیب و تمدن سے ہو۔

۳۔ انشاء اور اسلوب لطیف جدید اصول پر مبنی ہوں۔

۴۔ مضامین تاریخ اشاعت سے آٹھ دن پہلے آنا چاہئے۔

۵۔ "حسن کار" ہر ماہ الٰہی کی یکم اور سولھا کو شائع ہوگا۔ "مدیر"



بعد خضر سے چشمۂ ظلمات ملگیا مردہ دلو کو زندہ طلسمات ملگیا

مریضوں کی جھونپڑیوں اور امیروں کے محلوں میں یکساں پہنچ رہا ہے مصر و شام بغداد اور یورپ تک جسکی مانگ تھی اب مغرز ڈاکٹر و حکام آزما کر کہہ چکے ہیں کہ "زندہ طلسمات" فی الحقیقت ایک بہترین دوائی ہے۔ علاوہ ہسٹریا اور پیٹنٹ ہونیکے کیل ورڈ کی یاس شدہ و مفرح کو سوں دور سے مجرب و لقمان بخش دوائے خوش ذائقہ دواؤں کو آزمانہ اپنی عزیز جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے بیضہ طاعون بخار چیچک متلی ہر قسم کے درد اور سانپ بچھو کے زہریلے منوں میں اپنا اثر دکھاتی ہے غریبوں کیلئے بجیا ہے اسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے

خط و ترسیل کا پتہ **زندہ طلسمات** حیدرآباد ڈکن ٹیلیفون نمبر ۶۰۲

سفوف جواہر

حیدرآباد کی بہترین صحتی ایجاد

گرمی شانہ۔ پیشاب کی جلن تخمیر معدہ و رحم سوزاک جریان۔ سیلان رحم۔ کمزوری رحم۔ بقاعدگی ایام۔ انتشاج قلب کیلئے یہ بہترین دوا سفوف جواہر ہے ہزاروں فائدہ اٹھا چکے ہیں ہر پھیرنہ کیا ہیں خریدیں۔ یہ دوا سنہو و معروف خاندانی حکیم ابراہیم علیہ کی مجوزہ ہے قیمت فی شیشی (۱۰ عال) علاوہ محصول ڈاک۔

دواخانہ ابراہیمیہ روبرو گڈھ یال چوک حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیے



اس کیمرے کو تو آپ نے ملاحظہ فرمالیا
اب ہماری دوکان تشریف لاکر
اور مختلف کیمرے اور سامان
فوٹوگرافی بھی ملاحظہ فرمائیے
ہر چیز نئی ہے قیمت
میں کفایت

حیدرآباد فوٹو ورکس

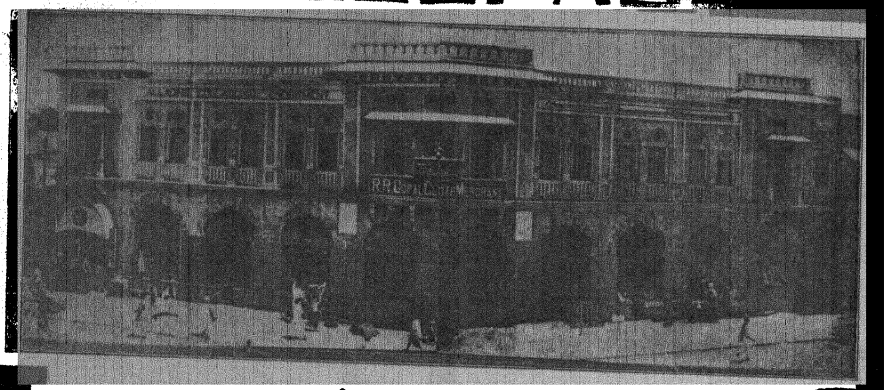
(روبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ)۔

حسن کار کا ختم سال

ادارۂ حسن کار کا ارادہ ہے کہ اپنا سال بجائے دے کے آذر سے شروع ہو، اس مقصد کے حصول کیلئے ہم نے یہ کیا ہے کہ ۱۶ آبان ۱۳۴۲ف کا پرچہ معمول سے زیادہ شاندار ہو۔ اسمیں "قیوم حسن کار" کی بہترین رنگی تصاویر ہونگے، اسکے علاوہ تمام رسالہ اعلیٰ مضامین کا مخزن ہوگا، مشتہرین کیلئے بہترین موقع ہے۔ اس پرچہ کو ہم ہر طرح مزین کرنا چاہتے ہیں، اور بڑی تعداد میں شائع کرینگے:۔

(مہتمم حسن کار)

R.R.GOPAL



جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا پارچہ فیشن و سیزن کے مطابق
موجود رہتا ہے ۔ دام میں فرق ہو تو مال واپس لیا جاتا ہے ۔ (تار کا پتہ "کلاتھ")
مسمی آر۔ آر۔ گوپال الدین بلڈنگ پتھر گٹی (حیدرآباد دکن) فون نمبر ۵۷۶

LASTING BRILLIANCE



انٹرنیشنل جنرل اسٹور
روبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ (حیدر آباد دکن)

نقطہ نور۔ روشنی کا معدن تجلی کا مرکز
یعنے
کرامپٹن لیمپس

اپنی اعلیٰ روشنی ۔ کفایت ۔ ارزانی اور خوشنمائی کی وجہ سے تمام دنیا میں بلند ترین مانے جا چکے ہیں باوجود ان خوبیوں کے برقی طاقت میں کفایت اکی خاص خصوصیت ہے ۔

یکم مہر ۱۳۸ اگست جلد ۱ شمارہ (۱۹۱۵)
رمضان ۱۳۳۳ھ نمبر (۱۱۲)



باہتمام ۔ مقبول علی شروانی مدیر ہفتہ حسن کارخانہ طبع اسٹیم پریس میں طبع ہوکر دفتر حسن کارسٹرک افضل گنج رہبر گول بنگلہ سے شائع ہوا ۔

اس رسالہ میں نیا "معمہ" ہے

قیمت ۴ آنے

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار مسٹر محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بورڈ، پورٹریٹ، طباعت کی تصاویر اور تمام قسم کے نہایت ارزاں

اور

مقابلتہً بہتر ہوتے ہیں

قیوم آرٹ ورکس :۔ روبروئے گول بنگلہ (حیدرآباد دکن) :۔

آپکی کتابیں کہاں چھپتی ہیں؟

نیب، انگریزی اردو، لیتھو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں صرف کیشر سے فراہم کیجئے تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت باقی نہ رہے۔

مقتن پریس اسٹیشن روڈ (حیدرآباد دکن)۔

قدیم کتب خزانہ

آپکو قدیم کتب اور رسائل و اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو "کاشانہ باز" کاشانہ بازار دیکھئے بازار گھانسی (حیدرآباد دکن)



وسط یورپ کا خادم آپکے گھر میں

"باٹا"

پیر کی زینت کا بادشاہ



جدید ترین طرز آگیا ہے۔ آگیا ہے۔ آگیا ہے بہترین نمونے



براہ راست کارخانے آپکی خدمت میں



کفایت، حسن، خوش وضعی، آرام اور پائیداری میں اپنا جواب نہیں رکھتا باٹا۔ وہ جوتے ہیں جو بچے، بوڑھے، جوان، کھلاڑی سب کے پسند ہیں۔ تمام دنیا اسکو چاہتی ہے اسلئے باٹا ارزاں جگہ ہے۔

سول ڈسٹریبیوٹرس **میسرس حسن اینڈ سنس** چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

زلیخا ہیر ائیل

شوقین طبع معزز حضرات و نفیس طبع محترم بیگمات کے سریں ڈالنے کیلئے ہم نے زلیخا ہیر ائیل خاص وطن نا جیل یعنی کھمپے سے تیار کیا ہے، اور یہ ہر موسم سرما میں برف میں رکھنے سے جم جاتا ہے، اسکے استعمال سے لمبے لمبے سیاہ چمکدار لاکھ کے مانند ہو جاتے ہیں۔ قبل از وقت گرتے ہوئے بالوں کی جڑ کو مضبوط کرتا اور سفید ہونے سے باز رکھتا ہے۔ گرے ہوئے بالوں کو زمر نو پیدا کرتا ہے، دماغ اور آنکھ کو ٹھنڈک پہنچاتا اور تقویت دیتا ہے، اونگھنی کو دفع کرتا اور دردسر کیلئے بیحد مفید ہے، دماغی کام کرنیوالے حضرات اور محترم بیگمات کے لیے یہ ایک درخشندہ ہے، ایکدفعہ آزمائش کرکے امتحان حاصل کیجئے اور پھر ہر قسم کے روغن ہیر ائیل وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیے قیمت فی شیشی چار آنہ نش الی عدہ ہر جنرل مرچنٹ سے

طلب فرمائیے

زلیخا ہیر ائیل کمپنی حیدرآباد دکن

ذکری اناریاں تحفہ میں

برتی قوام عنبری عدہ جنرشدہ بمعہ ۳ شوقین معزز حضرات اور نفیس طبع محترم بیگمات کے پان میں کھانیکے لیے ہم نے برتی قوام عنبری تیار کیا اجزاء مثلاً مشک، عنبر، زعفران، ورق طلا، نقرہ وغیرہ سے ترتیب بکر طبی اصول تیار کیا ہے خواص یہ ہیں کہ دل و دماغ کیلئے نہایت درجہ مقوی و مفرح ہے۔ قاقل زکام اور پرانی کھانسی، حلق کی خراش، تحریک لہ کے دفع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ مقوی باہ، ممسک طبیعت میں بستی۔ اعضا لنگی۔ بد مزگی۔ صفرا کا غلبہ وغیرہ کیلئے پان میں کھانے سے فرحت بستی اور طبیعت میں امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ گرمدہ بنی کا شکن، دانتو کا محافظ ہے پان کیساتھ ملکر ایک لطیف ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دہانہ شو مزہ میں کبھی نہیں ہوتی۔ قیمت فی تولہ یکصد شیشی صد رنصف تولہ ۸؎

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نرا مضمون اور ہندوستانی موسیقی۔	از محمد عبدالقیوم خاں باقی ام۔ اے۔	۳
۲	موسیقی اور ہند کے آلات موسیقی۔	از کپتان محمد اعجاز علی شہرت	۷
۳	لیڈر۔		۹
۴	حدیث الیوم		۱۰
۵	علیگڈھ کا ایک دلچسپ واقعہ۔	از "مدیر"	۱۲
۶	گلنار وائی خاتون۔	از جی شنکر راؤ	۱۴
۷	معمہ۔		۲۱

نرخنامہ "حسن کار"

گورنمنٹ سے (رجسٹرڈ) سکۂ عثمانیہ سالانہ :-

چندہ	بلدہ	اضلاع
سالانہ	۸؎	۸؎
ششماہی	عال ۱۲؎	۱۲؎
سہ ماہی	۴؎	۴؎

یکم مہر ۱۳۴۲ف مطابق اگست ۱۹۳۲ء فی پرچہ ۴؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پارۂ عم

معہ

بچوں کی تفسیر

قرآن مجید کے پارۂ عم کی زود فہم اور انوکھے طرز و ترجمہ بیان سے آراستہ تفسیر

مسلمان بچوں کو معرا پارۂ عم کے بجائے یہ دلچسپ باترجمہ پڑھانا چاہیئے جو اپنے رنگ میں یکتا ہے۔ تاکہ قرآنی مطالب بچوں کے ذہن نشین ہوں اور آئندہ نسلیں اپنے علم و عمل سے دنیائے اسلام کے جمود و تعطل کو مٹا دیں

(یہ صرف ۸/ مجلد)

ہر کتب فروش سے دستیاب ہو سکتی ہے

گرامفون اور ہندوستانی موسیقی

از

محمد عبدالقیوم خاں باقی (ام، اے)

زمانہ جدید میں موسیقی کی ترویج اور اشاعت میں گرامفون اور ہندوستانی ناطق فلم کو خاص اہمیت حاصل ہے کچھ دنوں پیشتر گرامفون کی سہیلی آواز میں صرف امرا اور خوشحال اصحاب کے مکانوں سے آویزہ گوش ہوتی ہیں لیکن آج کل مشاہدے میں آرہا ہے کہ ہر معمولی چائے خانہ ہر تفریحی مقام، گلی کوچے میں گرامفون ایک عام شے بنگیا ہے اور اس کا خریدنا تقریباً فیشن ہوگیا ہے۔ ہم دن لاویز ایجاد، اور موسیقی کے اس دلفریب محظ کا ہر طرح خیر مقدم کرتے ہیں کاش یہ ایجاد عہد ہنود عہد تر کان دہلی یا عہد مغلیہ کے زمانے میں ہوتی ہوتی اور آج ہم بیٹھے ہوئے تان سین، امیر خسرو، بیجو باورا، تانک گوپال جیسے سیکڑوں مطربوں کے سحر طراز نغموں کو سنتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے!

ہندوستان میں گرامفون کی دو مشہور کمپنیاں ہیں سب سے مقدم ہز ماسٹرز وائس اور اس کے بعد کولمبیا ہے۔ ہز ماسٹرس وائس کمپنی کی دو شاخیں ہیں ایک کلکتہ اور دوسری بمبئی میں، کولمبیا کمپنی مونٹ روڈ مدراس میں واقع ہے۔ علاوہ ازیں ٹیوفون، زونوفون، ہز ماسٹر وائس کے تقریباً جملہ باجوں کی شاخیں کھلی بھی ملتی ہیں اور حسب خواہش فرمائش میں نصب کیجاتی ہیں، باجے اوسط قیمت سے لے کر نہایت اعلیٰ قیمت پر دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان کی ساخت اور محاسن میں ممکنہ ترقی کیگئی ہے۔ ہز ماسٹر وائس اور کولمبیا دونوں کمپنیوں میں کارڈنگ ہوتی ہے اور اس کا ایک خاص وقت سال میں ایک دفعہ مقرر ہوتا ہے۔ یچ۔ یم۔ وی نے کارڈس کی کئی قسمیں کردی ہیں، سرخ لیبل، سبز لیبل، ٹون وغیرہ جو قیمتوں میں اپنی ساخت اور آواز کی سہولت اور بلندی کے اعتبار سے مختلف ہیں علاوہ جرمنی وغیرہ کے بھی چند خاص کارڈس مل سکتے ہیں جس میں ہندوستانی موسیقی کے نغمات ہوتے ہیں۔

ان مختصر واقعات کے بعد ہم کو نفس مضمون کی طرف لوٹنا ہے متذکرہ بالا کمپنیوں کے کارڈس عموماً چار قسم کے ہیں۔ ایک نسائی گانے کے دوسرے کے تیسرے ڈراما وغیرہ کی نقلیں، تراجم تقریریں وغیرہ، چوتھے ہنسی، مذاق اور جانوروں کی آوازوں وغیرہ سے متعلق ہیں ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ ان کارڈوں کی بدولت ہندوستانی موسیقی کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے اور اسکی کیا اہمیت ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستانی موسیقی فنی اور اصولی لحاظ سے دنیا کے جملہ علوم موسیقی سے فائق اور مستحسن ہے۔ ہندوستان کی تاریخ آرٹ پر نظر ڈالنے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اپنے قومی علوم و فنون کو گم کر دینے کے بعد بھی صرف ہندوستان میں جو چیز مایۂ فخر و ناز رہگئی ہے اس میں سے ایک ہندوستانی موسیقی ہے۔ لیکن ہم کو سخت افسوس ہے کہ غیر اقوام کے ہاتھوں آج کل یہ فن بھی زندہ درگور ہو رہا ہے۔

کچھ دنوں پیشتر جب گرامفون مخصوص طبقوں میں استعمال ہوتا تھا ہم نے ہندوستانی رکارڈس میں ایک سلیقہ اور شان بھی دیکھی تھی۔ گرامفون اشاعت کو عام طور پر موسیقی کا روح افشاں ستارہ سمجھا جاتا تھا اور گرامفون کمپنی کی انتظامی کمیٹی کو موسیقی ہند کا باکمال ماہر شمار کیا جاتا تھا لیکن آج کل رکارڈس کی سوقیانہ دھن، گرامفون کمپنی کے نہایت مضحکہ خیز تجارتی اغراض اور پست مذاق کو دیکھکر جس طرح زوال ہو رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اگلے گرامفون اسٹاف میں پیارے صاحب جان ادا، دھرجان، ملکہ جان، زہرہ بائی، ثریا جان جھجھر والی، تعلیم حسین خاں، شہنائی نواز، امداد خاں ستار نواز جیسے باکمال اساتذہ کو کون نہیں جانتا اور ان کے اعلیٰ ترین فن کاری کی کون داد نہیں دیتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جس وقت ان کے رکارڈس لگائے جاتے تھے، سامعین پر ان کے استادانہ کمال کا ایک رعب طاری ہوجاتا تھا، اور بے اختیار زبان سے داد نکل نکل جاتی تھی۔ ان کے گانوں میں عمدہ عمدہ راگنیاں، اچھی اچھی تال کی چیزیں، ٹھمریاں، خیال وغیرہ شامل تھے، اور ان کے گانے کی طرز ادا نہ صرف اصولی، سنجیدہ اور متین بلکہ نہایت دلکش بھی تھی۔ غزلیں اگرچہ ان کو پرانے اساتذہ کی یاد تھیں۔ لیکن ان کے گانے کا طرز بھی راگنی میں ہوتا تھا اسی لیے میں جس میں فنی کمال و کھلائی کا حصہ گنجائش موجود رہو۔ سازوں کے رکارڈس حقیقت میں موسیقی کے شاہکار ہوتے تھے۔

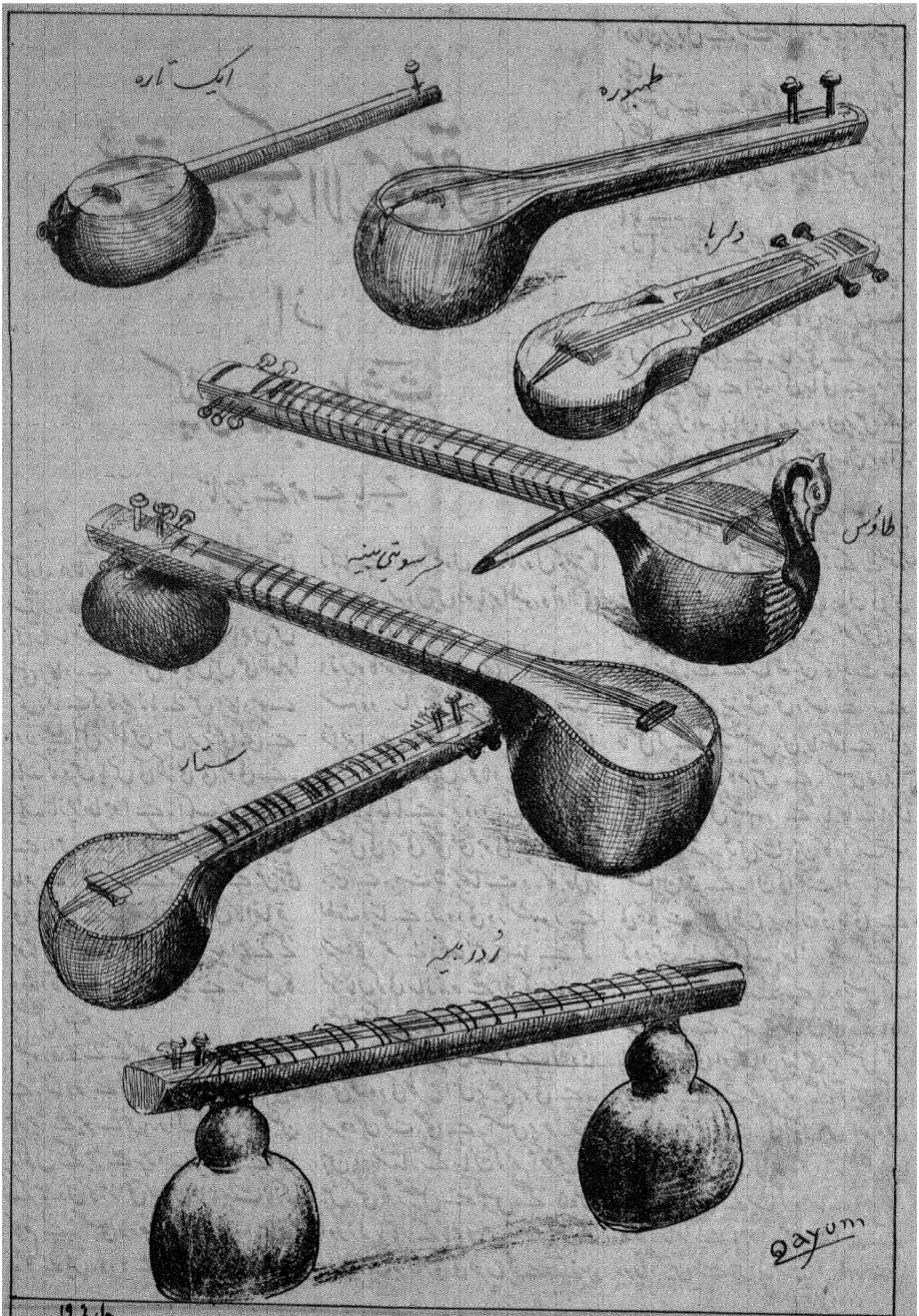
امداد عباس کا سوہنی، فنکار، تعلیم حسین کی بھیرویں اور، ساوری شہنائی میں، اسیلرح بعض رومنٹن چوکیوں کے رکارڈس فن کاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اسکے برخلاف ہم آجکل دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی گانے بجانے کا ہانار ایسے ٹھنڈوں کے ہاتھ میں آگیا ہے جنکو ذرہ برابر بھی موسیقی کا کمال نہیں، ذوق نہیں، سلیقہ نہیں۔ اور گرامفون کمپنیاں بھی جی کھول کر ان کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ جدید گرامفون اختروں میں مس انڈ و بالا، مس انگور بالا، ویسائے، نارائن راؤ دیاس، زہرہ بائی، آگرہ والی، او ساراتی، پیارے صاحب (جو قدیم اختر ہے جیسی ستیاں شتتم میں لیکن الشاذ کالمعدوم کی طرح ان کی تعداد نہایت قلیل ہے، اس کے برعکس، کالو قوال، پیارو قوال، فلاں ابن فلاں ابن فلاں جیسے بیسوں کے اور عام و شوقیانہ طرز میں گانے والوں کی تعداد پلیگ کے جراثیم کی طرح پھیل گئی، اور زمین موسیقی کو متاثر کر رہی ہے۔ گانو نکے رکارڈس میں اعلیٰ درجے کی ٹھمریاں، خیال، ٹپہ، ترانے، وغیرہ اس طرح معدوم ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ اعلیٰ درجے کے گویئے، کھماج، دیس، بھیرویں، اساوری، اور بائیسری جیسی مشہور اور مروج راگنیوں کو اپنا کمال سمجھتے ہیں، انھیں میں اپنا فن دکھاتے ہیں۔ سگھرائی، ہیم کھیم، بڈ ہنٹس، کوکب، جے جیونتی، دہناسری، سوکھل، بلاول، سریر داء، دیسکار، درہ مار، شری راگ، میگھ راگ جیسی ہزاروں نایاب راگنیوں کا خیال تک کرنا ایسا ہے جیسا حاتم طائی اور الف لیلہ کی طلسمی داستان کو ایک واقعہ سمجھنا۔ اکثر اوقات رکارڈس پر راگنیوں اور تالوں کے نام عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے یا خود عدم معلومات کی بنا پر غلط درج کئے جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے جاننے والے استاد مفقود ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کو گرامفون کمپنیوں میں کوئی کوڑی کے مول نہیں پوچھتا اور بازاری موسیقی میں الجھے رکارڈس دو پیسے کو بھی نہیں فروخت ہوتے۔

بعض رکارڈس ایسے ہیں جن میں ہنڈول، مالکوس، درباری، ملہار، بھیرو، شاہانہ، جنگلہ، ہیلو، فلسع، بہار، صبیہ جیسی مشکل اور خوبصورت راگ راگنیاں، گائی گئی ہیں۔ لیکن ان میں نہ تو اصولی تنوع ہوتا ہے نہ فنی وسعت انترہ آستائی کی بار بار تکرار ہے، یا چھوٹی چھوٹی تانیں اور اسی میں رکارڈ ختم ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی موسیقی کی یہ کساد بازاری آرٹ کی حد تک نہایت قابل افسوس ہے۔

ٹھمریوں، خیال وغیرہ سے گزر کر غزلوں کی طرف آئیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی طرزیں نہایت خوبصورت اور جدید پیدا کی گئی ہیں، لیکن ان کو اس کثرت سے گایا جاتا ہے کہ چند دنوں کے بعد محض تواتر اور کثرت کی وجہ سے ان سے قدرتاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اگر کسی رکارڈ میں غزل بلند یا یہ اور معیاری ہے (جو شاذ و نادر ملتا ہے) تو اس کے جواب میں متعدد رکارڈ میں ایسے ہیں جن میں غزل نہایت پست اور بازاری ہے۔ وائے درد دل، رو پوش ہو جانا جس نے دیا ہے درد دل، مجھ غنچہ لب زار سے دامن گل چھڑا دیا، ہم نے کتنے ہزار بار نہیں سنا اور کتنے گلی کوچوں میں ان کو اچھی بری طرح گاتے بجاتے نہیں دیکھا ہے، شاعری کے لحاظ سے ان غزلوں میں مضمون صرف مدک خاطر میں بیٹھکر گپ مارنے والوں کے مذاق کے ہیں اور ان کے گانے کی طرز کثرت استعمال سے اس قدر عامیانہ ہوگئی ہے کہ سوائے بازاری چرکہ فروشوں کے کوئی سنجیدہ مذاق رکھنے والا شخص ان کو سننے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔

سازوں کے رکارڈس میں آجکل بلبل ترنگ اور میاں گل محمد کی حکومت ہی حکومت ہے۔ جدھر دیکھئے جناب گل محمد صاحب کا ذرا بلبل ترنگ تو سنائیے گا" چل رہا ہے اور سینکڑوں گل محمد بیٹھے ہوئے سر دھن رہے ہیں۔

ستار، سارنگی، بین، جلترنگ، دلربا، شہنائی، جیسے قدیم باجے ان کے بجانے والوں کی طرح مفقود اور گرامفون کمپنیوں میں ان کے رکارڈس بطور تبرک کے لیے جاتے ہیں۔ البتہ گھنگرو، بیا نجو، اور طبلے کی بلند آواز انو پیٹ کے ساتھ کسی شوخ اور چلتی ہوئی کھرواکی چیز نو فیصدی رکارڈوں میں بطور خاص سنی جاتی ہے۔ میں نے آج تک سارنگی اور دلربا کا کوئی رکارڈ نہیں سنا، ایک رکارڈ پر دلربا لکھا ہوا تھا، لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ فن کار دن کے وقت گرامفون کمپنی کے مالکوں کی آنکھوں میں خاک ڈالی ہے۔ باجا در اصل یا تو بلبل ترنگ ہے یا اس قسم کا کوئی اور ساز استعمال کیا ہے۔ اسی طرح بعض رکارڈوں میں تالی کے ساتھ کہیں توالی چل رہی ہے، کہیں نفت، یا خواجہ کے شان میں "خواجہ پیا موری رنگ دو چنریا" جیسی عام چیز اور وقفے کے ساتھ درمیان میں ساز ندے اس طرح طبلہ اور بیا نجو تیری کیسا تھ بجا رہے ہیں جس طرح محرم میں علم کے سامنے تاشہ مرثیے اور ڈھول والے صوفیانہ جوش کے ساتھ سر ملا کر اپنا ساز پیٹتے ہیں۔ میاں فضل حسین کے ستار کے رکارڈس میں نے سنے، اس میں شک نہیں ان کا ہاتھ تیار ہے اور لے کاری اچھی ہے، لیکن پھر بھی ان کے بجانے میں کوئی ترتیب، تنوع، جدت، اور رنگینی نہیں


ایک تارہ
طنبورہ
دلربا
طاؤس
سرسوتی بینہ
ستار
رُدر بینہ

ہاتھوں کی خوبصورت، پتلی، مخروطی انگلیوں کو بامعنی انداز سے ملا لیا۔ میرا دل پھر گھبرانے لگا لیکن میں اپنے خوف پر قابو پا کر پوچھی:

"تو بتاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

اس نے اپنی آنکھوں کو میرے چہرے پر جما دیا۔ آہ۔ ان میں کس قدر بیچارگی، التجا اور منت عیاں تھی۔

"میرے لیے دعا کرو۔ روزِ مرگ سے آج تک کسی نے میرے لیے دعا نہیں کی۔ آج سو سال سے کوئی مجھ پر ترس نہیں کھایا!"

"تم کیسے مریں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

میرا سوال سنکر اسکے چہرے پر ملال آمیز تبسم عیاں ہوا۔ اور آہستہ اپنے سینے پر لگے ہوئے گلنار کے گلدستہ کو ہٹا دیا۔ اس کا سفید لباس سینے پر خون کی سیاہی مائل سُرخی سے رنگا ہوا تھا۔ یکبار اس نے داغ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا پھر گلدستہ کو اپنی جگہ پر کر لیا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گئی۔

"تم قتل ہوئیں" میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ "میرے خدا۔ تم قتل ہوئیں؟"

"یہ بھید کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے کوئی میرے لیے دعا نہیں کرتا۔" اس نے مغموم لہجہ میں کہا۔ "موت نصیب ہوئی۔ مگر چین نصیب نہ ہوا!"

اس کا نازک سر ایک انداز سے زمین کی طرف جھک گیا۔ معلوم ہوتا تھا رخصت ہونیکو ہے۔ میں پوچھی:

"تمہیں کس نے قتل کیا؟"

اس کی پُرحسرت آنکھیں پھر اوپر اُٹھ گئیں۔

"اس کی نیت مجھے قتل کرنیکی نہیں تھی، اسے مجھ سے لاانتہا محبت تھی۔ وہاں!" اس نے تصویر گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں اس نے میری تصویر کھینچی تھی۔ اس نے غلطی سے مجھے بے وفا خیال کیا۔ لیکن میں باوفا تھی — اور ہوں — فین بے وفا نہیں نہیں — فین وفا کیش ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ پھر یکبار تصویر گھر کی طرف اشارہ کر کے بولی:

"جا کر دیکھو۔ اطمینان کر لو۔ میں آئندہ تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ وعدہ کرو کہ تم میرے لیے دعا کرتی رہو گی۔ اس نے مجھے یہیں قتل کیا اور میری لاش —!"

"تمہیں کہاں دفن کیا گیا تھا؟" میں پوچھی۔

ضعف اتنا غشک ہو گیا تھا کہ میں خود اپنی آواز کو پہچان نہ سکی۔

"بھر میں!" اس نے رقت بھری آواز میں کہا۔ "میرے جسم فانی کو سرد اور غضبناک موجوں کے حوالے کیا گیا تھا، مگر یہ راز کسی کو معلوم نہیں۔ فین کے متعلق آج تک کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ سو سال آہ سو سال گذر گئے، اور کسی نے آج تک میری مغفرت کیلیے خدا سے دعا نہیں کی۔"

یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ غم و اندوہ کی ایسی موثر تصویر بنگیا کہ بے اختیار میری آنکھیں ہمدردی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ میں بے اختیار گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ میرے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف خود بخود اُٹھ گئے۔ اور صدق دل سے اُس حسرت نصیب کے حق میں دعا پڑھی۔

اُس کی خوشنما آنکھوں میں رنج و غم کی جگہ مسرت و انبساط تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ سے اوداعی اشارہ کیا۔ اور سلگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ آخری بار اس نے اپنا مرمریں سے خنکتہ چہرہ میری طرف پھیر کر کہا:

"بہن۔ باغ میں اُس پتھر پر فین باوفا لکھوا دیجئے!"

رات ختم ہوئی، مگر کس طرح ختم ہوئی مجھے کچھ معلوم نہیں۔ نور صبح سے تاریکی دور ہوئی۔ میری آنکھ بھی کھلی۔ اور چونک کر بستر پر اُٹھ بیٹھی۔

ایک حالت بے خبری میں میرے پاؤں تصویر گھر کی طرف اُٹھ گئے۔ دیکھا کہ دروازہ کھلا تھا۔ جرأت کر کے اندر گئی۔ کمرہ وسیع، شاندار اور اونچی چھت کا تھا۔ اسمیں مصور کے کرم خوردہ اشتاد کے سوا اور کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ میں احترام سے اُس اشتاد کی طرف بڑھی۔ اُس پر ایک جگہ کسی تیز آلہ سے گہرے حرفوں میں فین کھودا گیا تھا۔

میں حیرت و استعجاب سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ بائیں جانب کھڑکی کے پاس ایک چھوٹی سی الماری تھی۔ میں نے اُسکے دستے کو گھمایا۔ تالا کھلا تھا اس لیے پٹ آسانی سے کھل گیا۔ اس میں صرف دو چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک پیلیٹ جس پر رنگ کے دھندلے نشانات تک باقی تھے۔ دوسرا خنجر جس کا پھل زنگ آلود اور سیاہ تھا۔

اُن چیزوں کو دیکھکر فین کے قتل کے واقعات کی تصویر میرے آنکھوں میں پھر گئی۔

مصور اسکے عاشق نے اس قتل کیا — اُس دیوانہ محبت نے رشک و حسد کے جذبے سے مغلوب ہو کر اُسے قتل کر دیا خیال تو کیجئے کس محبت سے اُس نے اپنے محبوب کی تصویر کھینچی ہوگی۔ ابھی اُس کا رنگ سوکھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر صفحۂ وجود سے مٹا دی گئی۔ فین کی روح کے کہنے کے مطابق اسی کمرے میں اس کے رشتۂ حیات کو قطع کیا گیا تھا۔ اور اس خنجر پر کے سیاہ داغ اس وفا کیش حسینہ کے خون جگر کے تھے۔ آہ حسرت نصیب فین تیرے بے جان جسم کو اس چٹان کے پار سے کس بے رحمی کیساتھ بحر میں پھینکا گیا ہوگا۔ اور تیرے بے رحم اور متشکی عاشق کی آتش حسد تجھے قتل کر کے بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس نے اس لافانی پتھر پر "فین بے وفا" کھدوا دیا تھا اس

طرف ہر صفحہ ۱۹ کالم ۲

طلب بین۔ بین سیکھنے والوں کے لئے اس سے ابتدا بکار آمد ہے بین بجانے والے کو۔ فراغت ہو۔ محنتی ہو۔ دل میں ذوق رکھتا ہو۔ سر اور ہوا اور راگ اور ہوا میں اچھی معلومات رکھتا ہو۔ ایسا شخص بین پر حقیقی سحر کاریاں کرے گا۔

عرف بین۔ بین کی دو قسمیں ہیں ایک سرسوتی بین دوسری سوسوتی بین۔ رودر بین ہادولوجی کی ایجاد ہے۔ مثال نہیں رائج ہے۔

سرسوتی بین۔ سرسوتی جی (علم کے دیوی کی ایجاد ہے۔) جنوب میں رائج ہے تصویریں بازار میں کثرت سے ملتی ہیں۔ سرسوتی جی کے ہاتھ میں بین ہے۔ طاؤس پاس کھڑا ہے۔

بین اور ستار کے مختلف ٹکڑے

بین اور ستار کے مختلف اجزا ہیں۔ جن کو باہم ملانے سے ساز بنتا ہے۔ ان کے خاص خاص نام ہیں۔ لوتنبہ۔ یہ خشک کدو ہوتا ہے اندرونی الائش سے پاک کیا ہوا۔

ڈانڈ۔ لکڑی ہے جو اندر سے خالی ہے اور لوتنبہ سے جوڑی ہوئی۔ اس پر تار کھنچے رہتے ہیں کھونٹیاں۔ لکڑی کی ہیں۔ جن پر تار لپیٹا جاتا ہے۔ ڈانڈ میں لگائی جاتی ہیں۔

طبلی لکڑی کا تختہ ہے جو تونبہ پر لگا دیا جاتا ہے (یہ رودر بین پر نہیں ہوتا۔)

لنگوٹ۔ تونبے میں ایک چھوٹی میخ ہوتی ہے جس میں تار پھندا لگا کر اٹکا دیا جاتا ہے۔

جواری۔ (گھڑچ۔ ببل۔) بھی کہتے ہیں۔ ہڈی یا ہاتھی دانت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں تار کے لئے گھر بنا رہتا ہے۔ اور لکڑی کے دو پایوں پر سریش سے جما کر طبلے پر نصب کر دی جاتی ہے۔ لنگوٹ میں ہو کر تار اس پر آتا ہے اور سیدھا کھونٹے میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔

تار گھن۔ (تار پکڑنے والا) کھونٹیوں کے قریب ہڈی کے دو تختیاں جوادی کے جواب میں ڈانڈ پر ہوتی ہیں۔ ایک میں سوراخ ہوتے ہیں تار اس کے اندر نکالا جاتا ہے۔ یہ چھوٹا تار گھن ہے اس کے قریب مخنتی میں تاروں کے لئے گھر ہوتے ہیں۔ سوراخ میں سے نکل کر تار اس پر ٹھہرتا ہے۔ بڑا تار گھن ہے۔ پھر یہ تار کھونٹے میں لپیٹا دیا جاتا ہے۔

پردے فولادی اور برنجی لکڑی ہیں۔ جو ڈانڈ پر سر کے مقامات بتاتے ہیں۔ پردوں کا سلسلہ ٹھاٹھ کہلاتا ہے۔ بین اور ستار بجانے والے کو اپنے ساز کی ضروری مرمت کر لینا آنا چاہئے بجانے والے اپنا ساز دوسرے کے ہاتھ میں جانا پسند نہیں کرتے۔

ذکر بین کی ساخت اور باج

جس طرح اس کا بجانا مشکل ہے۔ ابتدائے شکل میں اب تک باقی ہے۔ سنا ہے بناس میں موسیقی کے ایک عالم و عامل محیش بابو نے اس میں اختراعیں کی ہیں دو تونبے مساوی قد اور وزن کے بالکل ہمشکل (جس طرح نقشہ سے ظاہر ہوگا۔) پہلی اور ضروری چیز ہے۔ دونوں تونبے نیچے کی طرف کاٹے جاتے ہیں۔ آلائش اندر سے صاف کی جاتی ہے اس طرح کے ایک ریشہ بھی باقی نہ رہے اور تونبوں کو صدمہ نہ پہونچے۔ پھر دوسری ضروری چیز عمدہ بانس کی ایک پود ہے جس کے گرہ بیچ میں نہ ہو۔ یہ بھی اندر سے صاف کیجاتی ہے ہر شخص کے قد کی بین الگ ہوتی ہے۔ ایک کی بین دوسرے کو اکثر چھوٹی یا بڑی ہو جاتی ہے اس لئے کہ بجانے میں ایک تونبہ بائیں کندھے پر ہوتا ہے اور دوسرا داہنے جانب گود میں پس بانس کا طول اس کے لئے موزوں اور مناسب ہونا چاہئے تونبہ میں اوپر کی جانب سوراخ کر کے ایک نلی لگا دی جاتی ہے یہ بانس کے سوراخ میں پیوست کر دی جاتی ہے۔ ترازو کی طرح دونوں ہموزن اور بانس میں لٹکے رہتے ہیں۔ پھر کھونٹیاں لگائی جاتی ہیں اور پردے چڑھائے جاتے ہیں۔ پردوں کا سروں کے صحیح مقامات پر نصب کرنا اچھی واقف کاری کا کام ہے اکثر بائیس پردے۔ بائیس سرتوں کے حساب سے ہوتے ہیں۔ بین کا ٹھاٹھ اچل ہے یعنے قائم۔ پردوں کو اتارنے چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر فولادی اور برنجی تار چڑھائے جاتے ہیں۔ بین کا مزاج بہت نازک ہے۔ بہت خبردار کیجاتی ہے۔ جاڑے گرمی برسات۔ ہر موسم میں احتیاط کی جاتی ہے اگر تار پر یا پردوں پر زنگ آگیا تو مصیبت ہے۔ اگر سردی گرمی سے بانس میں شگاف پڑ گیا یا ٹیڑھا ہو گیا تو آفت ہے۔ شگاف کا علاج تو موم لگا دینے سے ہو بھی سکتا ہے۔ لیکن بانس ٹیڑھا ہو اور بین بیکار ہو گئی۔ بین کار ہر وقت خدمت گزاری میں مصروف ہوتا ہے بین پر۔ بول یا گت نہیں بجتی۔ جوڑ بجتا ہے (راگ کے سروں کا باہمی ملاپ کھٹا چاہئے) راگ کا لطف اس کے خصوصیات اس کی آلنکار (ضابطے بدائع) دکھائے جاتے ہیں۔ راگ ادہیا۔ سر ادہیا کا واقف کار۔ راگ کو مختلف مختلف انداز سے تمام ساز پر پھیلا دیتا ہے سروں کا دریا لہریں مارتا ہے۔ قواعد کے تحت مختلف مقامات پر کھرج قائم کر کے لسٹیک بنا لیتا ہے۔ اور راگ کو وہاں جلوہ دیتا ہے۔ پھر دونوں پر تو سر بولتے ہیں لیکن انھیں پر تار کو مضراب مار کے کھینچتا ہے اس کے انگلیوں میں آنکھیں ہیں جس سر کو جس حد پر بولنا چاہے اسی مقام پر انگلی ٹھہر جاتی ہے موڑے تار کو کھینچنا طاقت کا کام ہے اور پھر ہاتھ کا قائم رہنا ضروری ہے۔ خفیف سے لغزش ہوئی اور سر بدل گیا۔ یا بے سر ہو گیا اس سے زیادہ نازک کام۔ ایسے مقام پر پھر سابقہ انگلی کو واپس جانا ہے۔ جو زود قسم کا ہے دشوار اور پختہ درت کو کسی قدر بمقابلہ بلبت کے آسان ہے۔ بہت تیز بجتا ہے لیکن بلبت کے کشمکش بڑی دشواری اور

کا اندازہ ہے۔ پلیٹ جوڑ کے بھی ترانے کی طرح چند مخصوص بول ہیں۔ تے تے۔ نہ رے نار۔ تا۔ نا۔ تو م جس طرح اور سازوں میں۔ یا گانے میں سُر م (یا جائے قرار ہوتی ہے یہیں میں کہا جاتا ہے کہ جوڑ کا منہ ہے۔ درت جوڑ کا سنگھی پکھاوج ہے۔ ساز کیا ہے سروں کا طوفان ہے

سرسوتی بین

دکن میں اس کا رواج ہے۔ ستار سے بہت مشابہ ہے۔ اس کا ٹھاٹھ بھی اچل ہے۔ اس میں کھونٹیوں کی طرف پشت کی جانب ایک چھوٹا سا تونبا اور لگا دیتے ہیں کہ آواز میں گونج پیدا ہو کرنا لک کی بین زمین پر رکھ کر بجائی جاتی ہے۔

ستار سہ تار

حضرت امیر خسرو کی اختراع ہے۔ سرکس سہ بین پر زور نہ چلا۔ سرسوتی بین کو تخفیف کر کے ستار نکالا۔ اوپر کا تونبہ نکال دیا۔ اچل ٹھاٹھ کے پردوں کو کم کر کے فقط سولہ پردے اس حساب سے رکھے کہ پردوں کو ہر وقت سرکانے سے راگ پیدا ہو سکیں تاروں میں تخفیف پیدا کر دی۔ فقط تین تار رکھے۔ دو برنجی اور ایک فولادی جو بجایا جاتا ہے اور اس کو باج کا تار کہتے ہیں۔ اس طرح ساز کو آسان بھی کیا اور ایک صورت جواز کی ہی پیدا کی۔ کیوں کہ اس کی ملتی پر چمڑا نہیں لکڑی ہے۔ تانت نہیں تار ہے۔ طبلے کے جوڑے اور ستار سلطانوں کا مختصر ساز ہے اور جائز بھی ہے۔

ستار اپنی ابتدا میں سہ تار تھا۔ دو تار پیتل کے تھے۔ یہ جوڑے کے تار کہلاتے ہیں اور کھرج بھی۔ یہ دونوں ایک ہے سر میں ملائے جاتے ہیں۔ ان سے سپتک کی بنا قائم ہوتی ہے۔ تیسرا تار فولادی جو بجایا جاتا ہے اس کو اگل کا تار یا باج کا تار کہتے ہیں۔ منا خر بن نے چار تار اور اضافہ کر دیے دو تو لمبی پشتی تاروں کے پیچھے فولادی تار جس کا بعض لوگ سمندر استھان کے مدھم ہیں اور بعض لوگ مندر استھان کے پنچم میں ملانے ہیں۔ اس کے بعد پیتل کا موٹا تار ہوتا ہے جو کھرج کا تار یا لاز کا تار کہلاتا ہے۔ یہ تار جوڑے کے تار میں ملتا ہے اور بھی دو تار فولادی ہوتے ہیں ایک تو تقریباً ڈانڈ کے وسط میں۔ اس کو بڑی چکاری کہتے ہیں یہ مدھم استھان کے پنچم میں ملائی جاتی ہے دوسرا تار تونبہ کے جانب سے اوپر کیطرف تقریباً ڈانڈ کے ایک مربع طول پر اس کو چھوٹی چکاری کہتے ہیں۔ یہ تار ستار استھان کے کھرج میں ملایا جاتا ہے۔ ستار کے تاروں کا ملانا اور صحیح ملانا مشق اور سروں کے شناخت پر منحصر ہے۔ ستار (ہر ساز) کا پورا ملانا آدھ بجانا لکھا جاتا ہے کیونکہ سروں سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

ستار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ چپٹے تونبے کے ان کو کھوجو کہتے ہیں گول تونبہ کے تونبہ دار کہلاتے ہیں۔ چھوٹے ساز کو ستاری یا سندری کہتے ہیں۔ گت کے لئے متوسط اور جوڑ کے لئے بڑا ستار خاص کر جوڑی طاؤس کا بنایا جاتا ہے ستار البتہ ساز ہے جس پر غزلیں گتیں جوڑ سب کچھ بجتا ہے۔ ماہران فن نے بین کا بدل بنا لیا ہے اور جوڑ بجانے لگے۔ لیکن خاص غرض گت ہے۔ بڑا ستار نرم ملا لیا جاتا ہے تو کہتے ہیں جمالے میر میں ملایا گیا ہے۔ چھوٹا ستار خوب کھینچکر ملایا جاتا ہے۔ ستار کے سولہ پردے ہوتے ہیں (کھونٹے کی طرف سے) پہلا پردا کھڑے مدھم۔ پھر اسے سلیلے سے کہتے ہیں پنگ سے بین ملا ہے۔ پنچم۔ دھوست۔ اترے کومل۔ شدھ۔ رکھبت۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھوست۔ لکھنا۔ شدھ۔ دکھبت۔ کندھار۔ مندر اور مدھم استھان یہ دو سپتکیں پوری ہیں۔

تار استھان گندھار تک ہے۔ حساب اس طرح پر ہے جوڑے کا کہلاتا ہوا تار سر اوپر سے دوسرے پردے پر تار کو بجایا یہ رکھب ہے۔ پھر تیسرے پر اسی تار کو بجایا یہ گندھار ہے۔ باج کا تار کہلاتا ہوا مدھم۔ باج کا تار دوسرے پردے پر پنچم ہے۔ باج کا تار تیسرے پردہ پر ہوست ہے (چوتھے پر اوتری کہلاد) پانچویں پر ہری کہلاد۔ چھٹا پردہ مدھم استھان کا سر۔ (اس پردے پر باج کے تار کو جوڑ سے ہم آواز ہونا چاہئے۔ ورنہ یا تو پردے صحیح مقام پر نہیں ہیں۔ یا ستار غلط ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد رکھب۔ گندھار۔ مدھم (خدا۔ کرمی مدھم) آخر تک ستار کا ٹھاٹھ چل ٹھاٹھ ہے۔ ضرورت پر پردے کھونٹے کی جانب سرکائے جاتے ہیں۔ (اس سے تار کا طول زیادہ ہوتا ہے اور سر اترے ہوئے بولتے ہیں (مثلاً گونڈ جا جوسل (دسنبدی)۔ پرکاش راگنی کا سیل یا ٹھاٹھ) بھیرون۔ جوگیا۔ سری راگ۔ گوری رام گلی۔ پھر بھاوتی۔ کالنگڑا۔ بیہاس وغیرہ اس میں اوترے رکھب۔ اور اوتری دھیوت ہے اب ستار میں اوپر کا نمبر (۱۲) وہ اوپر کو سرک جائے گا مدھم استھان میں بھی نمبر (۱) رکھب سرک کر نمبر (۲) کے قریب آجائے گا۔ نمبر (۱۳) سرک کر نمبر (۱۱) کے قریب آجائے گا۔ اسی طرح ہر راگ میں پردہ کھڑا جائے گا۔ لیکن سر کے مقام پر آنا چاہئے ستار کا باج بجانے والے کے پاس مرمت کا ضروری سامان تاروں کا ذخیرہ رہنا چاہئے تاروں کے پہلے میں گہی لگا کر ڈبیا میں محفوظ رکھنا چاہئے۔ اپنے ہاتھ کے مضراب خود بنا لینا ہو پردے خود باندھنا جاننا ہو۔ اس غرض سے دَوَدَہ بھی موجود رہے باج کے تار کی حفاظت اور احتیاط لازم ہے اگر ٹوٹا تو نیا تار تکلیف دیتا ہے۔ جب تک قائم نہیں ہوتا ہمیشہ بڑے کے بے سر ہو جاتا ہے بہت دنوں تک نباہنے سے بھی گھس کے چپٹا ہو جاتا ہے۔ تار فولادی اور اصل فولادی ہونا چاہئے اس کی یہ شناخت ہے کہ تار کو دیا سلائی یا چراغ پر فقط ایک سرا گرم کر و کہ سرخ ہو جائے فوراً ٹھنڈے پانی میں بجھا دو

اگر توڑنے سے خشک تنکے کی طرح چٹ سے ٹوٹ گیا تو مسل فولاد ہے۔ ورنہ کچا ہے اور بیکار۔

میت خانی باجے۔ اور پوربی باجے۔ باجے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو میت خاں کے طرز بندش دوسری پوربی یا غلام رضا خاں کی بندش ان میں ویسا ہی فرق ہے جیسا شاعروں کے طرز سخن گوئی میں میت خانی گت آسان اور سیدھی سادھی ہوتی ہیں۔ مگر پھیلاؤ زیادہ۔ پوربی باجے میں لے مشکل اور آڑی ترچھی ہوتی ہے پیار خاں۔ شعاب خاں۔ زمل شاہ ان کے طرز عمل جداگانہ ہیں یا پٹیالی بنارس والے کا انداز سب سے جدا ہے۔ ان کا انداز خاص پوربی ہے لیکن بندش سب سے نرالی۔ یہ راگ کے دھرم نیز گت باندھتے ہیں اور آرو ہن امرو ہن میں گت کو لے چلتے ہیں کسی کا باج ہو ستار کی گت ہمیشہ مبتلا ٹھیکہ ہیں سولہ ماتروں پر باندھی جاتی ہے یہ ہے موسیقی کے بحر خار اور دریائے ناپیدا کنار کے ایک لہر کا پھیلاؤ۔ روح کو موسیقی سے خاص موالنت ہے۔ ایک عارف کہتا ہے۔

آن وقت کہ روح پاک آدم بہ بدن
گفتند در آنی شد از ترس بہ تن
خواہند ملائکہ بہ لحن داؤد
در تن در تن در آور ای تن در تن

نغمہ روح پرور ہے نغمہ مقدس سے کیفیتوں کا ایک ساغر ہے۔ نغمہ داروئے دل رنجیدہ اور داروئے قلب غمدیدہ ہے دانائے ساز کے نزدیک غمزدوں کی ہائے ہائے میں ہی کیفیت نغمہ ہے نغمہ دلاور ان میں نغمہ ہے۔ نالۂ زمیان میں نغمہ ہے۔ آہ مظلوماں میں نغمہ ہے۔ کونین کی کوئی صدا نغمہ سے خالی نہیں۔ کائنات کے خفیف سے خفیف ذرات کی حرکت تال سے باہر نہیں نغمہ تسکین وحشت ہے گوش شنوا نہیں پیغام محبت ہے۔ ساز مزامیر کی حاجت نہیں دیوانہ ہوئے بس است

خشک تار و خشک چوب خشک پوست — از کجا می آید آواز دوست

(ختم)

"حسن کار"

مظلوم و مقتول حسینہ کے لیئے میرے دل میں ہمدردی کا طوفان امنڈ آیا۔ اُس کے دردناک انجام پر میں آٹھ آٹھ آنسو روتی ہوئی الماری کا دروازہ بند کر کے تصویر گھر کے باہر نکل آئی۔

میں نے مسز فیرلے سے تمام واقعات جو لور کے تصویر گھر سے اُس وقت تک پیش آئے تھے من و عن کہہ سنائے اُس نے تمام واقعات سُنکر بے اعتباری کے انداز سے سر کو حرکت دیتے ہوئے کہا:۔

"میری پیاری میں تم سے بخوبی واقف ہوں۔ تم اکثر دوسری دنیا کے خواب دیکھا کرتی ہو۔ گویا یہ دنیا تمہارے رہنے کیلیے اتنی خوشگوار نہیں ہے ـــــ میرے خیال میں تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا" لیکن تمہیں تو معلوم ہے کہ تصویر گھر کا دروازہ مقفل تھا۔ تو بتاؤ وہ اپنے خود بخود کیسے کھل گیا؟"

"نہیں یہ کھلا نہیں ہے" مسز فیرلے نے تیقن کے ساتھ کہا۔

"تو آؤ۔ چلکر دیکھ لو" میں بولی۔ اور اُس کو اُس کی مرضی کے خلاف اپنے ہمراہ دوسری منزل پر لے گئی۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا۔ دروازہ کھلا تھا ہم اندر داخل ہوئے۔ اُس کو مصور کا کرم خوردہ استاد اور الماری میں کی تمام چیزیں بتائیں۔ اُن ناقابل تردید شہادتوں کو دیکھکر اُس کا رنگ بھی زرد پڑ گیا۔ جسم کپکپا گیا۔

"چلی آؤ" اُس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے خدا۔ بھوت تو تمہارے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے ہیں۔ جدھر جاتی ہو لیجاتی ہو۔ مگر میں اس باتوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ خدارا ان روحوں کو تم اپنے ہی تک رہنے دیا کرو"

میں نے دیکھا کہ وہ خائف اور ناراض ہو گئی ہے ہم اُس سنسان کمرے سے باہر نکلے۔ ابھی دہلیز کے باہر پاؤں رکھے ہی تھے کہ دروازہ ایک پُر زور دھماکے کے ساتھ بند ہوا۔

مسز فیرلے کے منہ سے خوف و دہشت کی چیخ نکل گئی۔ اور بے تحاشہ نیچے بھاگی۔ میں نے دروازہ کو پھر ایکبار کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن کھول نہ سکی۔ نیچے جا کر دیکھا تو مسز فیرلے اپنا سامان باندھ رہی تھی۔

میں بدقت تمام اُس کے خوف کو کم کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوئی۔ اُس نے اس شرط پر وہاں صرف ایک دن اور رہنے کا وعدہ کیا کہ میں بھی اُس کے ساتھ رات کو سو جاؤں۔ کیا کرتی، راضی ہو گئی۔

اُس روز سے فین بادفا کی روح پھر کبھی کسی کو نہیں نظر آئی۔

میری یہ دلی تمنا تھی کہ اُس پتھر پر سے "فین بے وفا" میٹ کر "فین بادفا" گندہ کراؤں۔ لیکن پہلے کی تحریر بہت گہری تھی۔ نہ مٹ سکی۔ اُس روز سے میں ہر روز اُس کے لئے دعا کرتی ہوں۔ سو لئے میرے اب تک کسی کو معلوم نہیں کہ "فین بے وفا" کی تصویر گریوز شہرۂ آفاق مصور کی کھینچی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اُس کے پرستار حسن کے زور قلم کا نتیجہ ہے!

آج میں اُس کا نام اُس کی خواہش کے مطابق یہاں تحریر کرتی ہوں۔

"فین بادفا"

(میری کوریلی کے ایک مختصر افسانہ سے ماخوذ)

عراقی سے آپ کے لئے بھی لباس لے آتا ہوں۔

ٹھیک وقت پر ہم وہاں موجود ہو گئے۔ دروازے پر مسٹر جمشید اور شاہ نواز موجود تھے، ہمارا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ تھیٹر کے تمام اکثر ایک بڑے کمپونڈ میں اپنے ڈیرے جمائے ہوئے تھے، جسکے قریب میں تھیٹر تھی اور یہ تقریب بھی تھیٹر میں منائی جارہی تھی۔ دروازے پر مسز جمشید اور فیروز نہایت خوبصورت پارسی لباس میں مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔ ہمیں جو دیکھا تو مسز جمشید تبسم کناں ہوگئیں۔ مجھ سے کہا "چٹھی پہنچی؟"

کہا "ہاں"

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا"

میں نے اس کے جواب میں حامد کے ہاتھ میں جو اناچی کیس تھا اسکی طرف اشارہ کر دیا، اس پر مسز جمشید نے اطمینان کی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں اندر جانیکے لیئے کہا۔ ہم اندر جاکر چائے پینے والے ہال میں شریک ہو گئے۔ بہت سے شہر کے معزز مہمان دونوں صنف کے وہاں موجود تھے، میں نے حامد سے آہستہ سے کہا "دوست اچھا موقع ہے تمہاری آفت جان بھی شاید یہاں موجود ہو" حامد نے کہا "بفرض اسکی تو کوئی امید نہیں، پھر خدا معلوم"

چائے کے بعد دو تین ایکٹ سیمو ہوئے، جسکو مسٹر شاہ نواز نے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد ایک صاحب کچھ مسمیریزم کے کمال دکھائے، ساتھ ہی کچھ آئینے کے ترکیبیں ہوئے، مثلاً ایک عورت کا سر ایک کرسی پر دو تلواروں کے اوپر رکھا ہوا دکھائی دیا جس نے نہایت ہی دبیز سروں میں ظفر کی ایک دردناک غزل سنائی، اسکے بعد ایک شخص نے ایک تابوت میں کھڑی ہوئی دو شیزہ پر گولی چلائی، آواز کے ساتھ ہی تابوت میں بجائے دوشیزہ کے ایک ڈھانچہ نظر آنے لگا، اس کے بعد ایک وقفہ دیا گیا تاکہ سب لوگ جو ٹینس ڈریس میں شریک ہونا چاہتے ہیں جاکر اپنا اپنا لباس تبدیل کر لیں، ہم بھی وہاں سے چلے گئے، جب سرحدی پٹھان اور ہم بدھی کے لباس میں واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسٹیج پر وہی آئینے والی دونوں مہتیاں کھڑی ہیں، میری حیرت، شرمندگی اور پریشانی کوئی انتہا نہ رہی، میرے ہاتھ میں جو بھالہ تھا وہ تین مرتبہ چھوٹ کر نوکر کے سر پر آرہا، مگر حامد کو بظاہر سوائے شرمندگی کے اور کسی چیز نے پریشان نہیں کیا ہم جب اس ہیئت کذائی سے اسٹیج پر پہنچے تو ہمارے لباس اور کھڑے رہنے کی وحشیانہ ادا نے بے ساختہ دیکھنے والوں کو تالیاں بجانے پر مجبور کیا۔ اب نہ معلوم انھوں نے ہماری اس ادا سے تعریف کی یا ندامت۔ مسز جمشید نے آگے بڑھکر مسٹر حامد سے مصافحہ کیا اور آہستہ آہستہ ہم سب اسٹیج پر سے گذر گئے۔ گرین روم میں پہنچنے کے بعد ہم نے پلٹ کر جو دیکھا تو جمشید اور فیروز کو پایا۔ جمشید امیروں کے غرور کے لباس میں تھا اور فیروز نے امیروں کے نوکروں کی وردی پہنی تھی، ہم کو دیکھکر وہ بھی ہمارے قریب آگئے۔ مسز جمشید نے کہا "کچھ ہمارے لباس سے آپ سمجھے کہ یہ کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس لباس سے اپنی نمائش میں تماشا بنے ہوئے تماشا دیکھتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ میں نے ایک وقت جمشید سے کہا تھا کہ اگر حسن ہمدرد بجائے تو وہ نظروں کو اپنی طرف بہت منوجہ کرتا ہے جمشید اسکے مخالف تھے، اس بات کو ثابت کرنیکی خاطر ہم نے یہ محض تجربہ کیا تھا۔

اب حامد اور میری یہ حالت ہوئی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جب دعوت سے واپس ہونے لگے تو میں نے حامد سے کہا۔

"بھائی! سیاہ پوس مجسمہ تو ٹوٹ گیا۔ اب کوئی اور بت تیار کیجیے"

اس پر حامد نے کیا کہا، آپ کو کیا بتاؤں؟



کے۔ ڈی عبدالغفور اینڈ سنس

اسپورٹس کا بہترین سامان طلب فرمایئے کھیل کے جملہ سامان اور اعلیٰ معیار صرف کے۔ ڈی۔ عبدالغفور اینڈ سنس۔ کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن سے طلب فرمایئے

جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا پارچہ فیشن و سیزن کے مطابق موجود رہتا ہے۔

دام میں فرق ہو تو مال واپس لیا جاتا ہے

تار کا پتہ "کلاتھ"

پتھر آر۔ آر۔ گوپال۔

الدوین بلڈنگ پتھر گٹی (حیدرآباد دکن)

فون نمبر ۵۷۶

ہدایات: ۱۔ تمام حل "حسن کار" کے مطبوعہ کوپن پر نمبروار درج کئے جائیں، اگر کوئی حل غلط نمبر پر درج کیا جائیگا تو وہ غلطی سمجھی جائیگی۔ ۲۔ صرف اس پرچے کے کوپن قابل قبول ہونگے گذشتہ پرچے کے کوپن اس معمہ کے لیے استعمال نہیں کئے جاسکتے۔ ۳۔ اپنے حل کی ایک نقل اپنے پاس رکھنا چاہیئے تاکہ آئندہ اشاعت میں جب صحیح حل شائع ہو تو اس سے آپ مقابلہ کرسکیں۔ ۴۔ ہر ایک کوپن کیساتھ ۲ روہ آنے کے مغلائی ٹکٹس روانہ کئے جائیں۔ مستعملہ ٹکٹ قابل قبول نہ ہوں گے۔ اس معمہ کا حل ایک مہر زدہ لفافہ میں محفوظ ہے تمام حل اسی کے مطابق جانچے جائیں گے۔ ۵۔ ایک سے زیادہ حل روانہ کئے جاسکتے ہیں۔ ۶۔ بلد ۱ کے تمام حل ۲۶ مہر ۱۳۴۲ھ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء اور اطلاع دہیروان ممالک محروسہ کے حل ۲۸ مہر ۳ ستمبر تک دفتر حسن کار پر پہنچ جانا چاہیئے۔ ۷۔ اس سلسلے میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط وکتابت نہ ہونی چاہیئے۔ ۸۔ ہر لفافہ پر معمہ ضرور لکھا جائے۔ ۹۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ ۱۰۔ نام وپتہ صاف تحریر کیا جائے۔

"معمہ حسابی"

ضروری ہدایات: ہر ایک کوپن کیساتھ ۲ روہ آنے کے ٹکٹ مغلائی روانہ کرنا لازمی ہے۔ ورنہ حل جانچے نہ جائیں گے۔ دو یا دو سے زیادہ کوپن کے لیے صرف ۳ ر تین آنے کے ٹکٹ بھیجے جائیں۔

گزشتہ حسابی معمہ سے ناظرین نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا، اسلیے الجھی تشریح طبع کے لیے اس مرتبہ بھی ذیل میں ایک حسابی معمہ دیا گیا ہے۔ اسکو حل کرنے کے لیے "اشارے" دیئے گئے ہیں۔ ایک حل کی تصدیق آپ خود حسابی عمل سے کرسکتے ہیں۔ مثلاً نمبر (۱) کے لیے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ مجلس کا رکن ہے اور مسجد اس کا گھر ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اسکا حل "ممبر" ہے کیونکہ اسکی جمع بندبر ذیل حروف تہجی کی قیمتوں سے ۷۸ آتی ہے جو نمبر ۱ کے محاذی درج ہے۔ اگر جمع صحیح نہ ہو تو سمجھ لو کہ حل غلط ہے اور دوسرے نام کی تلاش کرو جسکی طرف اشارے رہنمائی کرتے ہیں۔ کوپن میں حسابی عمل دکھلانیکی ضرورت نہیں صرف اسکا نام لکھدینا کافی ہے۔

کوپن

حل نمبر		قیمت
ممبر	(۱) مجلس کا رکن ہے اور مسجد اسکا گھر ہے	۷۸
۱	(۲) ایک زیور	۷۳
۲	(۳) کبھی گہرا کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا	۷۸
۳	(۴) ایک ہندوستانی پیرہن۔	۱۱۴
۴	(۵) ایک سواری۔	۹۷
۵	(۶) سردی میں آرام جاں،	۹۰
۶	محفل میں فروزیں گوش	
۷	ضرورت کی تکمیل، (۷) مشہور ہندوستانی سینما اداکارہ۔	۹۸
۸		
۹	(۸) یہ سامع نواز ہے اور رسیلا	۶۴
۱۰	(۹) پیارا ہندوستان کا ایک شہر	۱۳۱
۱۱	(۱۰) یہ پکائی جاتی ہے اور ربڑی بھی جاتی ہے۔	۸۳
۱۲	(۱۱) یہ بجایا جاتا ہے اور چلایا	۶۸
نام	جاتا ہے۔	
پتہ	(۱۲) یہ ایک پرندہ ہے اور اسکا نصف پھول ہے۔	۱۰۱

انعامات: پہلا انعام۔ چاندی کا عطردان۔ دوسرا انعام فونٹن پین۔ تیسرا انعام ٹائیم پیس۔ (۴) انعام ٹائیم پیس۔

گذشتہ معمہ کا حل

صحیح حل

(۱) چوٹی۔ (۲) چمپن۔ (۳) انگور۔ (۴) سونا۔ (۵) پٹنہ۔ (۶) بچہ سقہ۔ (۷) شہباز۔ (۸) بابر۔ (۹) بھاگ۔ (۱۰) تاپتی۔ (۱۱) اشارے۔

ایک غلطی کے صرف دو حل اور دو غلطی کے آٹھ حل۔ ذریعہ قرعہ اندازی اول ودوم وسوم

انعام کے حسب ذیل مستحق قرار دیئے گئے۔

اول۔ مسٹر سید محمد علیخاں (فتحپوران روڈ)۔
دوم۔ سید اختر حسین کلب روڈ)۔
سوم۔ مس عبدالرحیم مذکار ناظم جنگلات

روف تہجی کی قیمتیں حسب ذیل رکھی گئی ہیں

ا ب پ	=	۱	ڈ	=	۱۲	ع	=	۲۴
ت ٹ ث	=	۲	ذ	=	۱۳	غ	=	۲۵
ج چ ح	=	۳	ر	=	۱۴	ف	=	۲۶
خ د	=	۴	ڑ	=	۱۵	ق	=	۲۷
ذ ر	=	۵	ز	=	۱۶	ک	=	۲۸
ڑ ز	=	۶	ژ	=	۱۷	گ	=	
ژ س	=	۷	س	=	۱۸	ل	=	۳۰
ش ص	=	۸	ش	=	۱۹	م	=	۳۱
ض ط	=	۹	ص	=	۲۰	ن	=	۳۲
ظ ع	=	۱۰	ض	=	۲۱	و	=	۳۳
غ ف	=	۱۱	ط	=	۲۲	لا	=	۱۴۱
ق ک	=		ظ	=	۲۳	ی	=	۴۵

کہہ مضر سے چشمۂ ظلمات ملگیا مردہ دلو کو زندہ طلسمات ملگیا

غریبوں کی جھونپڑیوں اور امیروں کے محلوں میں ٹکا لج رہا ہے صبح و شام
بغداد اور یورپ تک جس کی مانگ رہی ہے معزز ڈاکٹر و حکیم آرما لکھ چکے ہیں کہ
"زندہ طلسمات" فی الحقیقت ایک بہترین دوائی ہے۔ علاوہ ضرر دار اور
پیٹنٹ ہونے کے کیل بورڈ کی پاس شدہ مفرح ہے کوسوں دور ایسی محبوب اور
اطمینان بخش دوا کے عوض نقلی دواؤں کو آزمانہ اپنی عزیز جانوں کو خطرہ
میں ڈالنا ہے ہیضہ۔ طاعون۔ بخار۔ پیچش۔ انتڑی اور قسم کے درد اور سب
بچھو کے زہریلے منٹوں میں اپنا اثر دکھاتی ہے غریبوں کیلئے اکسیر ہے
اسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے

خط اور تار کا پتہ زندہ طلسمات حیدرآباد دکن ٹیلیفون نمبر ۶۰۲

سفوف جواہر

حیدرآباد کی بہترین صحتی ایجاد

گرمی بشانہ۔ پیشاب کی جلن۔ تخم۔ معدہ۔ رحم۔ سوزاک۔ جریان۔ سیلان رحم۔
کمزوری رحم۔ بے قاعدگی ایام اختلاج قلب کیلئے اکسیر ہے۔ سفوف جواہر ہے
ہزاروں فائدہ اٹھا چکے ہیں ع پھر کہنا ہیں خوبی۔ یہ دوا مشہور و معروف حاذق
حکیم ابراہیم علیہ کی مجربہ ہے قیمت فی شیشی (۱۰ عدد) علاوہ محصول ڈاک

دواخانہ ابراہیمیہ روبرو گلزار چوک حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیے



اس کیمرے کو تو آپ نے ملاحظہ فرمایا
اب ہماری دوکان تشریف لاکر
اور مختلف کیمرے اور سامان
فوٹو گرافی بھی ملاحظہ فرمائیے
ہر چیز نئی ہے قیمت
میں کفایت

حیدرآباد فوٹو ورکس

(روبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ)۔

ترجمہ جرنل مروجہ آرٹ کا کامیاب ماہوار رسالہ

سائنس

کئی سال سے علم اور سائنس کی خدمت میں سرگرم ہے۔ اپنی طرز کا واحد علمی مجلہ ہے ہر سہ ماہی پر سائنس کی ہر نوع کے سنجیدہ اور شگفتہ مضامین مع ۷۰ تصاویر ۱۵۰ صفحات میں پیش کرتا ہے۔ اپریل نمبر کے چند مضامین حسب ذیل ہیں

۱۔ تخلیق حیات پر مکالمہ۔ ۲۔ آئین سٹائن ۳۔ زمین ساکن ہے
۴۔ راسن اثر چینہ وغیرہ سکہ عثمانیہ۔

طلباء کے لیے لازمی

صنجانہ بنس اینڈ سنس

ناظرین حسن کار سے

اکثر شکایتیں آرہی ہیں کہ حسن کار باوجود ٹپہ کے ذریعے روانہ کرنے کے اس کے پہنچنے کے پہلے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ہر اس اخبار کے ساتھ ہے جس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ہو۔ ہم ہزار کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ اس لئے ناظرین سے التماس ہے کہ اگر تاریخ اشاعت سے ایک ہفتے کے اندر اخبار نہ پہنچے تو ہم کو اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرا روانہ کر سکیں۔ بلدہ میں بھی دو دن کے پرچے ہم بذریعہ ڈاک بھیج رہے ہیں۔ منیجر

نظام

وجیبل ہیر آئیل

عدیم المثال صنعت، ولایتی سے سو فیصدی زیادہ

خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کا اجازت یافتہ بشیمہ مبارک ٹریڈ مارک

ہر جگہ مل سکتا ہے

دکن ہیر آئیل کمپنی حیدرآباد (دکن)



LASTING BRILLIANCE



انٹرنیشنل جنرل اسٹور

روبرو گرام اسکول حادر گھاٹ (حیدرآباد دکن)

قعہ نور۔ روشنی کا معدن تجلی کا مرکز

یعنے

کرامپٹن لمپس

اپنی اعلیٰ روشنی کفایت۔

ارزانی اور خوشنمائی کی

وجہ سے تمام دنیا میں بلند ترین

مانے جا چکے ہیں باوجود ان

خوبیوں کے برقی طاقت میں کفایت

اسکی خاص خصوصیت ہے۔

رجسٹرڈ آصفیہ ۔ نمبر (۱۱۹)　(Registered No. M 2942.)　۱۶ مہر م ۲۴ اگسٹ جلد ۱ شمارہ ۵ (۲۰)



با اهتمام ۔ مقبول علی شریک مدیر و مہتمم حسن کار اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہوکر دفتر حسن کار سڑک افضل گنج روبرو کول بنگلہ سے شائع ہوا ۔　قیمت ۴ آنے

اس رسالہ میں نیا "معمہ" ہے

حیدرآباد میں حسن کاری کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار مسٹر محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بورڈ۔ پورٹریٹ۔ طباعت کی تصاویر اور تمام قسم کے کام نہایت بہتر اور مقابلتہً ارزاں ہوتے ہیں

قیوم آرٹ ورکس

(روبرو گول بنگلہ حیدرآباد دکن)

اچھی کتابیں ٹیپا لگریزی۔ اردو ہیجو اور ہر قسم کی چھپائی کی آسانیاں۔ صرف کیٹر فراہم کی گئی ہیں تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت کہاں **چھپتی ہیں؟** نہ رہے۔ مقفن پریس (اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن)۔

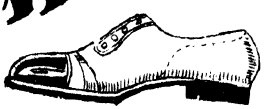
قدیم کتب کا خزانہ پرانی قدیم کتب اور رسائل و اخبارات کی جلدیں درکار ہیں تو کاشانہ باز یاد کیجئے

کاشانہ باز (بازار گھاسی حیدرآباد دکن

وسط یورپ کا خادم آپکے گھر میں

"باٹا"

Bata



بہترین نمونے

پیر کی زینت کا بادشاہ



جدید ترین طرز

آگیا ہے۔ آگیا ہے۔ آگیا ہے

براہ راست کارخانہ سے

آپکی خدمت میں



Bata



کفایت حسن۔ جوش و ضمی۔ آرام۔ اور پائیداری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ باٹا کے جوتے ہیں جو بچے بوڑھے جوان کھلاڑی سبکے پسند ہیں۔ تمام دنیا اسکو جانتی ہے

میر حسن

اسلیے "باٹا" ارزاں بہ حکمت ہے

آینڈ سنس

دسول ڈسٹریبیوٹرس۔ چادر گھاٹ حیدرآباد

زلیخا ہیر آئل

استعمال کردہ واجبہ سرکار عالی۔ رجسٹرشدہ نمبر ۲۲۹ سرکار عالی

کھنچ کے آئے ستدر گاہکاں دکاں دیکھئے
ہو بوبے ایک بیشی میں گلستاں دیکھئے

صرف ہم نے کر دیئے ایسے سب طبی اصول
ہے بعید جاتی وہ اناشا خواں دیکھئے

حاکمہ کہتے کیفیت کیا ہے خوشبو کے گواہ
اور ہے خود رنگ شیشی میں نمایاں دیکھئے

دافع نزلہ ہے دماغ و سر کو ہے پر تیل
اور بالوں کی سیاہی کا فلکیاں دیکھئے

تیل اچھا ہو تو خوشبو سے ہے تازہ دماغ
دل کو راحت ہو تو کیوں فکر پریشاں دیکھئے

ہے کولون مجلسوں کا سچا رفیق
راحت طالب کو کہتے ہیں سخنداں دیکھئے

یوسف دل ہو گئے زلف پریشاں میں اسیر
ہیں۔ زلیخائے ہیر آئل کے خواہاں دیکھئے

کہتے ہیں فاضل رئیس اگر کیا غماں ہے
مصنف مرغ کی قسم کھا کر مسلماں دیکھئے

دم ہے شہرت بیع اللہ شفیع اللہ کی
آئینہ ایجاد سے ان کی ہے حیراں دیکھئے

قیمت فی بیشی چار آنہ (۴ر) روپیہ

ہر جگہ ملتا ہے

زلیخا ہیر آئل کمپنی مسجد فضل گنج حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

نشان سلسلہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	سلامین بہبودیہ کی علمی و فنی سرپرستی	از جناب سید وسیم الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایس	۴
۲	طباعت۔	از ۔ ب (حیدرآبادی)	۸
۳	کھانے۔ دسترخوان۔ میز۔	از کیپٹن اعجاز علی شہرت۔	۱۰
۴	چارلی چاپلن۔	از "حسن کار"	۱۱
۵	لیڈر۔		۱۴
۶	معلومات		۱۵
۷	حاجی صاحب واپس آرہے ہیں۔	از جناب سعید بارانس۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی (علیگ)	۱۷
۸	معمہ		۲۲

۲۲ اگست ۱۹۳۲ء م ۱۶ مہر ۱۳۴۲ف

نرخنامہ "حسن کار"

	چندہ	بلدہ	اضلاع
سالانہ	۴	۴	۵
ششماہی	۲	۲	۳
سہ ماہی	۱	۱	۲

گورنمنٹ سے رجسٹرشدہ سالانہ (اول جنوری ۴۲ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پارۂ عم

بچوں کی تفسیر

قرآن مجید کے پارۂ عم کی زود فہم اور انوکھے طرز و ترجمہ بیان سے آراستہ تفسیر

مسلمان بچوں کو مقرر پارۂ عم کے بجائے یہ دلچسپ با ترجمہ پڑھانا چاہیئے جو اپنے رنگ میں یکتا ہے تاکہ قرآنی مطالب بچے کے ذہن نشین ہوں اور آئندہ نسلیں اپنے علم و عمل سے دنیائے اسلام کے جمود و تعطل کو مٹائیں

ہدیہ صرف ۸ر (مجلد)

ہر کتب فروش سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

سلاطین بہمنیہ کی علمی و فنی سرپرستی

"یہ مضمون مولوی ابو یوسف علاء الدین صاحب بی سی ایس کے علمالعلمی کے زمانہ کا ہے جس پر ان کو انعام حاصل ہوا تھا، اپنے موضوع کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے ہم اسکو بجنسہ شائع کر رہے ہیں۔" (مدیر)

از
سید یوسف علاء الدین۔ بی۔ سی۔ ایس

مشرق میں علوم و فنون کی سرپرستی ہمیشہ سے لوازم بادشاہی میں شمار کیجاتی رہی ہے۔ جہاں کہیں مطلق العنان بادشاہت قائم ہوئی اور اسکو پرامن حملے اور امداد ولی فضا کا خوف نہ رہا تو اس نے علوم و فنون کو اپنے آغوش میں لیکر ان کی پرورش شروع کردی۔ مشرقی مورخین سلاطین کی علمی و فنی سرپرستی کے کارناموں کا ذکر تفصیلی طور پر نہیں کرتے، تاہم ان تحریرات سے سیاسی واقعات کے دوران میں علمی و فنی ترقی کے متعلق مختصر سے لکھے ہوئے ملتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر مشرقی دربار کے ساتھ دو تین مصنفوں اور تین چار شاعروں کے نام وابستہ رہنا لازمات سے تھا۔ ہندوستان میں راجہ چندر گپت، مہاراجہ اشوک، راجہ بکرماجیت اور راجہ ہرش کے دربار علمی سرپرستی کیلئے ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ خلیفہ المامون الرشید اور محمود غزنوی کی علمی سرپرستی تاریخ عالم میں اپنی آپ نظیر ہے۔

مسلمانوں نے جب ہندوستان فتح کیا، اور ان کی سلطنت میں استحکام پیدا ہوا تو انھوں نے علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور میں جو سلطنت دہلی کے استحکام کا زمانہ تھا، دارالسلطنت دہلی علماء فضلا اور مختلف فنون کے ماہرین کا مرکز بنگیا تھا۔ دہلی کی یہی حالت سلطان محمد تغلق کے عہد میں بھی رہی۔ شاہان دہلی کی اس سرپرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرائے سلطنت بھی ان کی تقلید میں اہل علم و ہنر کی قدر دانی کرتے تھے۔

اسی لیے جب حسن گنگو نے گلبرگہ میں سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کے لقب سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا (۱۳۴۷ء) تو سلطنت گلبرگہ جس کو اب حسن آباد کا لقب دیا گیا تھا، اہل علم و ہنر کا مجمع ہونے لگے۔ سلطان علاؤ الدین بہمنی نے گلبرگہ میں جس خاندان کی بنیاد ڈالی، وہ خاندان بہمنیہ کہلاتا ہے۔ اس خاندان کے سلاطین قریباً سب اہل علم تھے۔ اور دوسرے علماء و فضلاء و اہل ہنر کی قدر کرتے تھے۔ ان کی اس علم و فن کی شہرت سنکر عجم کے زبردست علماء و ماہرین فن دکن میں آنے لگے تھے۔ ذیل کے ابیات ایک مابعد زمانہ کے شاعر نے دوسرے شاہی خاندان کی علمی سرپرستی کی مدح میں لکھے ہیں، تاہم خاندان بہمنیہ پر اتنے ہی مکمل طور پر صادق آتے ہیں، جتنا کہ اس خاندان پر جس کی شان میں وہ موزوں کئے گئے ہیں:

سلاطین گر اس سے عارضی ہیں
پر ایسی کہیں خیر عارضی نہیں
مشائخ، فقیر، اہل علم و ہنر
ہزاروں اسی در سے ہیں بہرہ ور

سلاطین بہمنیہ کی ترویج علم میں اس قدر دلچسپی کے دو خاص اسباب تھے:

پہلا سبب یہ تھا کہ اس خاندان کی دفتری زبان فارسی تھی، دکن کے باشندے اس سے بالکل ناواقف تھے۔ حکومت کے کاروبار چلانے کے لیے فارسی داں اعلیٰ عہدہ دار تو نباہتے تھے، لیکن ذیلی صیغہ داروں، اور منشیوں کا ہمدست ہونا مشکل تھا۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے، قاعدے مدارس قائم کئے، جہاں بلا امتیاز قوم و ملت ہندو مسلمان سب تعلیم حاصل کرتے تھے، غریب اور نادار طالبعلموں کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ زمانہ وسطیٰ کے سلاطین میں آج کل کی بنسبت تدینی جوش زیادہ پایا جاتا تھا چونکہ دکن میں غیر مسلموں کی تعداد حکمران جماعت سے کئی گنا زیادہ تھی، اس لیے اسی مذہبی جوش کے زیر اثر ان سلاطین کو ایسے عالموں کی سرپرستی کا شوق پیدا ہوا جو اسلامی تعلیم کو غیر مسلموں تک پہونچانا اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھتے تھے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ سلاطین بہمنیہ غیر مسلموں کی بلا رضامندی قبول اسلام کو مستحسن نظروں سے دیکھتے تھے۔ تاہم ایسا نہ ہوگا اگر ہم ذیل میں ان نیک نفس اور علم دوست کے قدردان بادشاہوں کی فہرست درج کریں جس سے ان کی مدت حکومت اور تاریخ تخت نشینی سے واقفیت ہو جائے، اور ان سلاطین کے نام سے آگاہی ہو جائے جو بہ سبب اپنی قلت مدت حکومت کوئی علمی و فنی سرپرستی کا کارنامہ چھوڑ سکے، اسلیے ان کا ذکر سطور ذیل میں دکھائی نہ دیگا۔

نمبر شمار	نام بادشاہ	تاریخ جلوس	کیفیت
۱	سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی	۱۳۴۷ء	
۲	محمد شاہ اول	۱۳۵۸ء	
۳	مجاہد شاہ	۱۳۷۳ء	قتل کر دیا گیا۔
۴	داؤد شاہ	۱۳۷۸ء	
۵	محمود شاہ	۱۳۷۸ء	
۶	غیاث الدین	۱۳۹۷ء	(مدعا کیا گیا، بینچتے اتار گیا۔ تخت سے اتار گیا۔
۷	شمس الدین	۱۳۹۷ء	
۸	فیروز شاہ	۱۳۹۷ء	
۹	احمد شاہ	۱۴۲۲ء	

۱۰	علاؤالدین بہمنی	۱۴۳۵
۱۱	سلطان ہمایوں	۱۴۵۷
۱۲	نظام شاہ	۱۴۶۱
۱۳	محمد شاہ ثانی	۱۴۶۳
۱۴	محمود شاہ ثانی	۱۴۸۳
۱۵	محمد شاہ بہمنی	
۱۶	علاؤالدین بن احمد شاہ	
۱۷	ولی اللہ	
۱۸	کلیم اللہ	

سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی

جیسا کہ سب جانتے ہیں سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی نے ادبی درجہ سے ترقی کی تھی، اس لیے اس زمانہ کا لحاظ کرتے خیال ہوتا ہے کہ وہ زیور علم سے آراستہ نہ ہوگا لیکن مولینا عین الدین جو سلطان مذکور کے ہمعصر تھے لکھتے ہیں کہ "سلطان حسن گنگو بہمنی علم و ادب کے زیور سے آراستہ اور فضیلت کے پیرایہ سے پیراستہ تھا، وہ علمائے عصر اور فضلائے دہر کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا، علما کی صحبت کو بہت پسند کیا کرتا تھا" چنانچہ اس علمی سرپرستی کا نتیجہ تھا کہ اس زمانہ کے منتخب علما مثلاً مولینا لطف اللہ سبزواری۔ ملا معین الدین ہروی۔ فقی احمد ہروی۔ ملا محمد اسحاق سمرقندی۔ ملا فضل اللہ انجو۔ صدر الشریف سمرقندی۔ رکن الدین غوری۔ سیف الدین غوری۔ سید رضی الدین چکاجوت جیسے زبردست علما دربار میں جمع ہوگئے تھے۔ اور دار السلطنت گلبرگہ ان علما کی موجودگی سے رشک دہلی و بغداد بنا ہوا تھا۔

سلطان نے اپنے شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا شاہانہ طور پر اہتمام کیا تھا۔ اور اپنے تینوں بیٹوں محمد شاہ۔ داؤد شاہ اور محمود شاہ مولینا فضل اللہ انجو کو اتالیق مقرر کیا تھا، نہ صرف شہزادوں بلکہ عوام کی تعلیم کا بھی اچھا انتظام تھا۔ سلطنت کے اہم مقامات میں مدارس سرکاری قائم تھے، جہاں قابل اساتذہ جو اپنے فن کے ماہر کامل ہوتے تھے، درس دیا کرتے تھے۔ ان مدرسوں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

مدرسۂ برار۔ برار میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا، جہاں طلبا و اساتذہ کا رہائش کا انتظام تھا، ان کو کھانا بھی وقت سے ملتا تھا۔ اساتذہ اور دیگر متعلقین مدرسہ کی تنخواہ شاہی خزانہ سے دیجاتی تھی۔ اس کے سالانہ مصارف کا اندازہ تیس ہزار ہون تھا۔

مدرسۂ احمد نگر۔ اسی قسم کا ایک اور مدرسہ احمد نگر میں بھی قائم کیا گیا تھا، سلطان کے زمانہ سے پہلے مدارس خانقاہوں اور مسجدوں سے متعلق ہوا کرتے تھے جس سے ہندو رعایا کو اعتراض کا موقعہ ملتا تھا، پر سلطان کی زبردست رواداری کی دلیل ہے کہ سرکاری مدرسوں کو مسجدوں اور خانقاہوں سے علیحدہ کرکے ان کے لیے نئی عمارتیں تعمیر کیں۔ مدرسہ احمد نگر کے اخراجات کی پابجائی کے لیے بارہ ہزار ہون مالگزاری کے گاؤں وقف کر دئے گئے تھے۔ اس مدرسہ میں معقول منقول فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم دیجاتی تھی۔ ماضی عبدالنبی احمد نگری نے جو اس زمانہ میں اپنی کتاب "جامع العلوم" تصنیف کی ہے اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مدرسہ میں چالیس ایسے اساتذہ ہیں جو اپنے فن کے زبردست ماہر ہیں، مدرسہ کی عمارت کا طول (۸۰) گز اور عرض (۶۰) گز ہے، اس کے احاطہ میں طلبا کے قیام کے لیے (۷۰) کمرے بنے ہوئے ہیں"۔

مدرسۂ حیات نگر۔ اسی قسم کا ایک مدرسہ حیات نگر میں تھا، جس کا ماہانہ خرچ دو سو ہون بتلایا جاتا ہے۔ دولت آباد گلبرگہ میں بھی مدارس قائم تھے، تعلیم و تدریس کا بازار رونق پر تھا۔ زبان فارسی کا رواج عام ہو رہا تھا، اس علمی تعلیم کے ساتھ فوجی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ تیراندازی اور شمشیر زنی کی تعلیم خاصے قائم تھے، انکی بدولت رعایا سپاہ بنجاتی تھی اور ضرورت کے وقت کل رعایا فوج کا کام دیتی تھی۔

سلطان اکثر وقت علما کی صحبت میں رہتا تھا، عیدوں اور تقاریب کے موقعوں پر علما اور اہل کمال کی دعوت کیجاتی تھی۔ چنانچہ عید نوروز کے موقعہ پر سلطان نے سید احمد غزنوی کو جو اس زمانہ میں ملتفی تھے اکو اسمٰعیل خان جو سپہ سالار اور چند دنوں تک بادشاہ رہ چکا تھا، بلند تر مقام پر جگہ دی سلطان اہم معاملات میں علما اور مشائخین سے مشاورت کرتا تھا، جب اسمٰعیل امیر الامرا کی سازش کا حال معلوم ہوا تو سلطان نے اسکے متعلق فتوٰی طلب کیا اور اس فتوے کے مطابق عمل کیا۔

بادشاہ کی علمی قدردانی کی خبر سنکر دور دراز کے اہل کمال گلبرگہ میں آتے تھے۔ ہماری کے ایک شاگرد گلبرگہ میں آئے، بادشاہ نے اپنے حضور میں آنیکی اجازت دی، انکی قرات سنی اور خوشی کا اظہار کیا اور جب انھوں نے ایک قرآن مجید بمعہ قرات میں لکھکر بادشاہ کی نذر کی تو اس نے انہیں گرانبہا عطیے عنایت کیا۔

سلطان کو نجوم کا بہت شوق تھا، اور ہر کام میں نجوم سے امداد لیا کرتا تھا، سلطان کے دو بڑے عہدہ دار صدر الشریف سمرقندی، میر محمد منجم بدخشی زبردست نجومی تھے، جب تخت نشینی کی تو بت آئی تو تاریخ و ساعت کی فکر ہوئی، اس ساعت کے تعین میں سلطان اور ہندو نجومیوں میں اختلاف پیدا ہوا لیکن اس وجہ سے کہ اس فن میں ہندوؤں کی مہارت زیادہ تھی، اسی لیے ہندو منجموں کی بتلائی ہوئی ساعت پر تخت نشینی عمل میں آئی۔

سلطان علم طب کا بھی بڑا قدردان تھا، اس سرپرستی کی خبر سنکر حاذق زمانہ حکماء دکن میں کھنچے چلے آرہے تھے، جن میں سے حکیم علم الدین

تبریزی اور حکیم نصیر الدین شیرازی قابل ذکر ہیں۔

سلطان اس حقیقت سے بھی خوب واقف تھا کہ علماء و مشائخین کو فراغت معاش کی ضرورت ہے تاکہ معاش سے بے فکر ہو کر اپنی زندگی علمی مشاغل اور دینی ہدایت میں بسر کر سکیں۔ اس لیے جب کبھی اسکو کوئی موقع ملتا علماء و مشائخین کی مالی اعانت کرتا تھا۔ جب سلطان کا انتقال کا وقت قریب آیا اور موت کے آثار نمایاں ہونے لگے تو اس نے خزانچی کو بلوا کر کثیر رقم اپنے تینوں بیٹوں کو دلوائی تاکہ وہ اس کو علماء و مشائخین میں تقسیم کر دیں۔ سلطان کی علمی قدردانی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ اس کے عہد میں سلطنت کے بڑے عہدہ انھی لوگوں کو ملتے جو کثیر و مبسوط زبردست عالم ہوا کرتے تھے، چنانچہ صدر الشریف سمرقندی کو صدارت میر محمد منجم بخشی کو منصب قضائے عسکر پر فائز کیا تھا، اور ملک سیف الدین غوری کو جو زبردست عالم تھے، سلطنت کا وکیل مطلق اور حسن آباد گلبرگہ کا طرفدار بنایا تھا۔

سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کے عہد کی عمارتیں

قلعہ عنقا

سلطنت نشیں ہوتے ہی سب سے پہلے جس بات کی ضرورت محسوس ہوئی وہ ایک ناقابل تسخیر قلعہ کی تعمیر تھی، جس کی پناہ میں دہلی کی فوجوں کے حملہ کی مدافعت کیجا سکے۔ خوش قسمتی سے ایسا موزوں مقام ملگیا جہاں راجہ کلچند کی ایک گڑھی بھی موجود تھی، اب یہ قلعہ ویران پڑا ہوا ہے لیکن اس زمانہ میں اس کا شمار دکن کے مستحکم ترین قلعوں میں کیا جاتا تھا، اس قلعہ کی تعمیر ۷۵۸ھ میں ہوئی تھی، فصیل قلعہ کے باہر (۲۵) گز عمیق اور (۵) گز عریض خندق بنائی گئی تھی، جو اب تقریباً منہدم ہو چکی ہے۔

مسجد سنگ سیلو

قلعہ گلبرگہ کے شمالی دروازہ کے غربی جانب ایک مسجد ہے، جس کو سلطان نے ۷۴۸ھ ہجری میں تعمیر کرایا تھا، یہ گلبرگہ کی سب سے ابتدائی مسجد ہے، اس مسجد کا طول (۲۴) فٹ اور عرض (۲۶) فٹ ہے، اونچائی (۹) فٹ ہے، مسجد کی عمارت سنگ سیلو سے تعمیر کی گئی ہے، لیکن چھت پر سنگ سیلو کی چٹانیں پھیلائی گئی ہیں، اس لیے عام طور پر مسجد سنگ سیلو کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کا کتبہ ہے:۔

"ایں مسجد مبارک باللہ تعالیٰ و تبارک
بعہد یافی میمانی خیرات و قبلۂ اتصال
سعادت خداگان سلاطین علاء الدنیا
والدین ابو المظفر بہمنی شاہ عمرہ اللہ دولتہ
امید وار حضرت کبریا سیف اللہ و الشد
ذیاد در شہور اربع خمیس و سبعمائہ ہجرت
کرد، آباد لاباد بحق عامر بیتہ معہ رکعہ
مشہور"

جامع مسجد شاہ بازار

سلطان کی تعمیرات سے ایک اور مسجد یادگار رہ گئی ہے، اس مسجد کا طول (۱۵۰) فٹ اور عرض (۶۰) فٹ ہے، اس مسجد کے چبوترہ کے سامنے کے رخ پر پندرہ محرابدار کمانیں نہایت خوبصورت اور مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ اس مسجد میں یہ عجیب بات پائی جاتی ہے کہ مسجد کے اندر داخل ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو معمار ابھی بنا کر واپس گئے ہیں۔ سلطان علاؤ الدین حسن کے بیشمار تعمیری کارناموں میں سے صرف یہ تین یادگار ہیں باقی رہ گئی ہیں۔

سلطان محمد شاہ

سلطان محمد شاہ نہ مذہب کا بڑا پابند تھا، وہ علماء و مشائخین کی بڑی عزت و توقیر کیا کرتا اور مصیبت کے وقت ان سے دعا کرواتا تھا، وہ مشائخین کی نصیحت مانا کرتا تھا۔ جب حضرت زین الدین بیجاپوری جو حضرت برہان الدین کے خلیفہ تھے سلطان کو شرع کی پابندی کرنے اور ملک میں شراب خانے بند کروانے کی نصیحت کی تو اس نے اس پر عمل کیا، اور اپنی زندگی بھر اس پر کاربند رہا۔

محمد شاہ نے اگرچہ نئے مدارس قائم نہیں کئے تاہم وہ ان مدارس کو جو اسکے والد کے عہد حکومت میں قائم کئے گئے تھے برقرار رکھا اور ان اوقاف کو جو ان مدارس کے تھے بحال رکھا۔

فن تشکیک

زیادہ ترقی ہوئی اس میں ایک فن تشکیک کی بھی ہے۔ سلطان علاؤ الدین حسن نے کوئی سکہ جاری نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ بعض مورخین یہ بتلاتے ہیں کہ سلطان حسن گنگو نے کمال رواداری سے یہ پسند نہ کیا کہ قدیم راجاؤں کے سکوں کو خارج کر کے اپنے نام کا نیا سکہ جاری کرے، اسکو اس نے اپنی ہندو رعایا کی خوشی کرنے کا ایک ذریعہ بنایا، لیکن جدید تحقیقات سے سلطان علاؤ الدین حسن کے نام کے سکے دستیاب ہوئے ہیں جن کو مورخین کا ایک گروہ سلطان محمد شاہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ غرض سلطان علاؤ الدین نے اگر کوئی بالفرض سکہ جاری کیا بھی تھا تو اسکو زیادہ فروغ حاصل نہ ہوا، اور تجارتہ میں اب تک قدیم سکے ہی کام آتے تھے، اس لحاظ سے اولیت کا سہرا محمد شاہ کے ہی سر رہتا ہے۔ محمد شاہ نے اپنے سکہ کو جاری کرنے کے لیے سعی بلیغ کی جو مبذول رہی ہوئی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ محمد شاہی سکہ تمام دکن میں رائج ہو گیا، اور ہون کی جگہ اشرفی نے لی۔ اس اشرفی کے نرخ میں کمی بیشی نہیں ہوتی تھی، یعنی اشرفی کی قدر قانونی اور قدر ذاتی کا برابر ہونا لازمی نہ تھا، بعض اوقات یہ زر معیاری ہو جاتی تھی لیکن اکثر اوقات اس کی حالت زر مستند کی سی رہتی تھی۔ تاہم چونکہ اشرفی کی قیمت سرکاری طور پر معین کر دی گئی تھی، اس لیے خریداروں اور فروشندوں کو اس کی قیمت کے متعلق اطمینان رہتا تھا۔ اور اس میں سہولت بھی حاصل ہو گئی تھی، اسکے علاوہ اس خصوصیت کے سبب اس کا تبادلہ دوسرے سکوں سے بھی بآسانی ہو سکتا تھا، یہ وہ خصوصیات تھیں جنھوں نے اس محمد شاہی سکہ کو

رعایا میں ہر دلعزیز بنا دیا۔

ان سکوں کے ایک طرف کلمۂ شہادت اور اطراف میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نام ہوتے تھے۔ اور سکہ کے دوسرے رُخ پر سلطان کا نام، دارالضرب کا نام اور سنہ تکلیف کندہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کا نام ان سکوں میں "سلطان المعظم قہرمان المکرم ابی المظفر سلطان محمد شاہ بہمنی بن سلطان حسن گنگو" ضرب کیا جاتا تھا۔ محمد شاہ کے بعد یہ روایت قائم ہوگئی کہ ہر بہمنی بادشاہ اپنی تخت نشینی کے بعد اپنے نام کا سکہ جاری کرتا تھا۔

فن اسلحہ سازی۔ محمد شاہ حوصلہ مند سلطان تھا، اس نے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی سلطنت پر قناعت نہ کرکے اس کو وسیع کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے اس نے کئی حملے سلطنت بیجانگر و ورنگل پر کئے۔ یہ سلطنتیں اس زمانہ میں عروج پر تھیں، ان کے پاس کثیر فوج ہوا کرتی تھی، ان ریاستوں کے قلعے بھی مستحکم تھے، ان پر غلبہ پانا بغیر عمدہ اسلحہ مستعد و دلیر فوج کے ناممکن تھا، اس لیے محمد شاہ نے گلبرگہ میں اسلحہ سازی کا عظیم الشان کارخانہ ترکی ماہرین فن کی نگرانی میں قائم کیا، توپوں کا رواج سلطنت بیجانگر میں سلطنت بہمنیہ سے پہلے ہوا، تاہم اس کارخانہ کے قیام کے بعد سے سلطنت بہمنی میں بھی معمولی سے معمولی قلعوں میں توپ قائم کردی گئیں۔ اس کارخانہ میں توپوں کے علاوہ دیگر آلات حرب مثلاً تلوار، خنجر، نیزے بنائے جاتے تھے۔ بارود بنانے کے بھی متعدد کارخانے تھے، توپوں کے گولے اور بندوقوں کی گولیاں سانچوں میں ڈھالی جاتی تھیں۔ دارالسلطنت کے کارخانہ کے علاوہ ہر صوبہ میں اسی قسم کے کارخانے تھے، رعایا میں ہتھیار باندھنے کا استعداد شوق ہوگیا تھا کہ ہر شہر میں صیقل گروں اور آلات ضرب بنانے کے کئی کارخانے ہوا کرتے تھے۔ ان غیر سرکاری کارخانوں کی بھی حکومت اور امراء کی جانب سے سرپرستی کیجاتی تھی۔

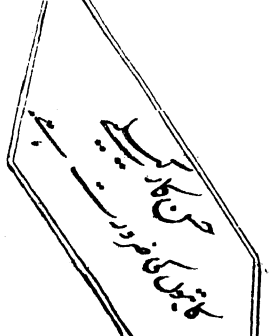
صنعت و حرفت محمد شاہ کے زمانہ میں صنعت و حرفت میں بھی کافی ترقی ہوئی، یہاں کے ریشمی کپڑے، ظروف پیتل کی و ہتھیار و گاؤدی دور دراز ملکوں میں مشہور تھے۔ تجارت کی گرم بازاری تھی، ایران، عرب اور یورپ کے تاجر یہ اشیا خرید لیجاتے تھے۔ قالین کی صنعت بھی فروغ پر تھی، سلطان اور اسکی تقلید میں امراء ان صنعتوں کی سرپرستی کرتے تھے، بعد میں جب صنعت و حرفت اور تجارت کو زوال ہوا تو اس وقت بھی برآمد شدہ ریشمی کپڑوں کی حکومت کو پانچ لاکھ ہون محصول ملتا تھا، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ترقی کے زمانہ میں ان صنعتوں کی کیا حالت تھی۔

فن تعمیر سلطان محمد شاہ کو فن تعمیر سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے قلعہ گلبرگہ میں ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد قرطبہ کے نمونہ پر بنائی گئی تھی، اس کا طول (۲۱۶) اور عرض (۱۷۶) فٹ ہے۔ اس مسجد کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان کی دیگر بڑی مسجدوں کے برعکس ساری مسجد سقف ہے، مسٹر فرگوسن مشہور ماہر فن کی رائے میں یہ مسجد چند قدیم بہترین پٹھان مسجدوں میں سے ایک ہے۔

یہ مسجد ایک زمانہ دراز تک خراب و خستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی، اسکی ترمیم سرکار عالی نے (۱۳۴۵ھ) ہزار کے صرفہ سے ۱۳۴۷ھ ہجری میں کروادی ہے۔

سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کا مقبرہ۔ دوسری قابل دید عمارت جو محمد شاہ کی تعمیر سے ایک زمانہ کا مقابلہ کرتی رہی ہے، وہ سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ فرمان تالاب مغرب میں ایک بلند چبوترہ پر واقع ہے، یہ اس زمانہ کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ خیال کیا خیال کیا جاتا ہے۔ چار دیواری پر گنبد بنایا گیا ہے اس کی ہر دیوار کا طول ۳۷ فٹ ہے۔ اور بلندی بھی ۳۷ فٹ ہے۔ گنبد کی چھت پر اندرونی حصہ میں چینی کا کام کیا گیا ہے سلطان کی قبر سنگ سیاہ کی۔ بہت خوبصورت بنائی گئی ہے۔ اس کی بلندی تقریباً (۴) فٹ ہے مقبرہ کے اندرونی حصہ میں نازک بیل بوٹے اتارے گئے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فن تعمیر ان سلاطین بہمنیہ کے زیر سرپرستی بہت ترقی کر گیا تھا۔

سلطان مجاہد شاہ سلطان مجاہد شاہ کی تعلیم و تربیت اسکے والد نے باضابطہ طور پر کروائی تھی اور اساتذہ لائق و تالیق فائق مقرر کئے تھے۔ انکے اساتذہ میں بعض ترک و ایرانی بھی تھے، انھوں نے اسکو فارسی ترکی میں ماہر کامل کر دیا تھا، وہ ان زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا اور انکو بآسانی لکھ پڑھ سکتا تھا۔ (باقی آئندہ)۔



فن طباعت

یعنی

لیتھوگرافی

از۔ د۔ ب۔ حیدرآبادی

فن طباعت کی ابتدا اور اس کے بنیادی اصول

جزیرہ چکوسلوواکیا ( ) کے قصبہ پراگ کے باشندے نے ۱۷۹۶ء میں اس کی ایجاد کی جس کا نام الائس سنجی فلڈر۔ ( ) تھا۔ چونکہ اس کے موجد نے اس فن کی ایجاد مصفا اور مسطح پتھر سے کی تھی اس لیے اس کا نام لیتھوگرافی رکھا۔ لفظ لیتھوگرافی دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے (لیتھوز بمعنی پتھر اور گرافو بمعنی لکھتا ہوں) اور ابھی تک اسی نام سے موسوم ہے۔ حالانکہ گزشتہ تیس برس کے عرصے میں جو جو تغیرات اور ترقیاں ہوئیں اس لحاظ سے اب اس فن کو اس نام سے یاد کرنا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ پتھر کی قلت اور دیگر سہولتوں کے مدنظر بجائے پتھر کے جست اور ایلومنیم کا استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اگر بجائے لیتھوگرافی کے پلینوگرافی کے نام سے موسوم کیا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔ اس لیے کہ پلینو گرافی لاطینی زبان کا لفظ ہے (پلینس بمعنی مسطح جس کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ ایسی طباعت جو کسی چیز کی مسطح سطح پر سے کیجائے۔

چونکہ لیتھوگرافی کا انحصار ہموار سطح پر ہے اس لیے یہ لیٹھو پریس ( ) ابھری ہوئی طباعت یا کھدی ہوئی (۲) طباعت) کے بین بین ہے۔ فرق اتنا ہے کہ لیٹھو پریس کی طباعت کا انحصار کل پرزوں پر ہے اور لیتھوگرافی کا انحصار کیمیاوی اصول پر ہے۔

اگر چھاپے کی سیاہی کا بیلن ٹائپ پر پھیرا جائے تو صرف ابھرے ہوئے حروف پر سیاہی لگے گی اور کھدی ہوئی سطح یا حروف کی درمیانی سطح محفوظ رہے گی۔ لیکن اگر اسی سیاہی کا بیلن کسی ہموار مگر خشک سطح پر پھیرا جائے جیسے سنگ لیتھو، یا سنگ مرمر، یا سنگ سیلوٹو پوری سطح سیاہ ہو جائے گی۔ اسلیے پلینو گرافی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ صرف اس جگہ سیاہی لگے جہاں ضرورت ہو اور دوسری یہ کہ باقی جگہ سیاہی سے محفوظ رہے ٹائپ پریس میں یہ دونوں چیزیں بذریعہ آلات (کھرائی اور ابھار) اور پلینو گرافی میں بعض کیمیاوی اصول سے پیدا کیجاتی ہیں۔

قبل ازیں کہ ان کیمیاوی تغیرات سے بحث کیجائے جو لیتھوگرافی میں واقع ہوتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ ان کیمیاوی اصطلاحات کا ذکر کر دیا جائے جن سے عام لوگ واقف نہیں ہیں، اور جن کا جاننا اس فن داں کے لیے ضروری ہے۔

کیمیا دانوں کے نزدیک موجودات عالم کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عنصر (ب) آمیزہ۔ (ج) مرکب۔

عنصر سے مراد ایسا مادہ جس سے عمل تشریح کے ذریعہ ایک سے زیادہ مادوں کا حصول ناممکن ہو، جیسے۔ آکسیجن۔ تانبہ۔ سوڈیم وغیرہ۔

آمیزہ اور مرکب سے مراد ایسی چیز جس سے بذریعۂ عمل تشریح دو یا دو سے زائد مادوں یا عناصر کا حصول ممکن ہو جیسے گندک کا تیزاب۔ کھانے کا نمک وغیرہ۔

(۲) آکسائیڈ ــــ ایسا مرکب جو کسی عنصر اور آکسیجن گیس سے بنتا ہو چنانچہ پانی جو آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے ہائیڈروجن آکسائیڈ کہلاتا ہے۔

(۳) سلفائڈ ــــ جو مرکب کسی عنصر اور گندک سے تیار ہوتا ہے اس کو اس عنصر کا سلفائیڈ کہتے ہیں سوڈیم سلفائیڈ۔ ہائیڈروجن سلفائیڈ وغیرہ۔

(۴) کلورائیڈ ــــ جو مرکب کسی عنصر اور کلورین گیس کے تفاعل سے بنتا ہے وہ اس عنصر کا کلورائیڈ کہلاتا ہے۔ جیسے پٹاسیم کلورائیڈ وغیرہ۔

(۵) ہائیڈریٹ یا ہائیڈراکسائیڈ۔ جس مرکب میں کسی عنصر کے ساتھ ہائیڈروجن اور آکسیجن دونوں گیسیں شامل ہوں اس کو ہائیڈریٹ یا ہائیڈراکسائیڈ کہتے ہیں۔ چنانچہ کاسٹک سوڈے کو سوڈیم دھات کا ہائیڈراکسائیڈ کہتے ہیں۔

(۶) نمک ــــ کیمیاوی مرکبات کی ایک بڑی جماعت جو تیزابوں پر مشتمل ہے۔ جو آکسائیڈ یا ہائیڈراکسائیڈ اور ترشوں سے ملکر بنتے ہیں۔

(۷) ترشہ۔ ترشہ سے مراد ہائیڈروجن کا ایسا مرکب جو مزے میں ترش ہو اور نباتاتی نیلے رنگ کو (جیسے نیلا تھوتھا) سرخ کر دیتا ہو اور یہ مرکب

جب کسی عنصر کے اکسائیڈ یا ہائیڈرا کسائیڈ سے تعامل کرتا ہے تو ترشہ میں کی ہائیڈر جن کی جگہ اس اکسائیڈ یا ہائیڈرا کسائیڈ کی دھات لے لیتی ہے اور اس تعامل کے بعد جو شے پیدا ہوتی ہے اس کو کیمیائی اصطلاح میں اس دھات کا نمک کہتے ہیں۔ پنانچہ جب کاسٹک سوڈا (سوڈیم ہائیڈر اکسائیڈ) ہائیڈرکلورک ترسہ (کلورائیڈ آف ہائیڈروجن گیس) سے تعامل کرتا ہے تو سوڈیم ہائیڈرا کسائیڈ میں کی سوڈیم دھات ہائیڈرا کلورک ترشہ میں کی ہائیڈروجن گیس کی جگہ لے لیتی ہے اور اس کیمیائی تعامل کے بعد سوڈیم کلورائیڈ بن جاتا ہے۔ یہ وہی نمک ہے جس کو ہم روزانہ کھانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح جب کیلسیم کسائیڈ سلفیورک ترشہ سے تعامل کرتا ہے تو ایک نمک حاصل ہوتا ہے جس کو کیلسیم سلفیٹ کہتے ہیں۔

(۸) قلی ـــ بعض اکسائیڈز ایسے ہیں جو گیلے نباتاتی سُرخ رنگ کو نیلا کر دیتے ہیں اور سیلے رنگ پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ گویا ترشہ کی ضد ہوتے ہیں ان کو اصطلاح سائنس میں قلی کہتے ہیں۔

(۹) تعدیلی مرکبات۔ بعض ایسے مرکبات ہیں جو نباتاتی رنگ پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ ان کو تعدیلی مرکبات کہتے ہیں۔ اور یہ اکثر نمکوں کی ماہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اصول لیتھوگرافی کو سمجھنے کیلئے چکنے ترشہ (اولک ایسڈ) اور آبی ترشہ (ڈسٹلڈ واٹر) میں فرق بتا دینا ضروری ہے۔ چکنے ترشہ چربی یا تیل پر مشتمل ہوتے ہیں جیسے اسٹیارک ایسڈ) اور اولین (اولک ایسڈ) ذاتی اور تعاملات کے لحاظ سے ترشوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

آبی ترشوں سے مراد ایسے ترشے جو پانی میں حل ہو سکتے ہیں یا پانی کے ساتھ مل جا سکتے ہیں۔ مثلاً نائٹرک ایسڈ، سلفرک ایسڈ وغیرہ۔

اولک اور ایک ترشوں کے تعاملات

فن لیتھوگرافی میں ترشوں کو خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک انھیں ترشوں پر لیتھوگرافی کا انحصار ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ایسے مرکبات پیدا کئے جاتے ہیں جن پر کامیاب طباعت کا دارومدار ہے۔ خاص خاص چربیلے یا روغنی ترشوں سے ایسے مرکبات پیدا کئے جاتے ہیں جو سیاہی کو جذب کرنے اور پانی کو جذب نہیں کرتے اسی طرح معدنی آبی ترشوں سے ایسے مرکبات پیدا کئے جاتے ہیں جو سیاہی کو نہیں جذب کرتے بلکہ پانی کو جذب کر کے ہمیشہ تر رکھتے ہیں۔

اگر کسی اولک ترشہ کا ایک قطرہ تیار کئے ہوئے سنگ لیتھو پر (جس میں زیادہ حصہ کیلسیم کاربونیٹ کا ہوتا ہے) یا جست والیمونیم کی پلیٹ پر گر پڑے تو فوراً کیمیاوی تعامل کے بعد کیلسیم اولیٹ یا زنگ اولیٹ یا المونیم اولیٹ کے مرکبات پیدا ہو جائیں گے۔

اس کے بعد اگر بقیہ حصہ پر کوئی آبی ترشہ (ایک ترشہ جو گوند میں ملا ہوا پایا جاتا ہے) لگا دیا جائے تو کیلسیم آرجینٹ یا زنک آرجینٹ یا المونیم آرجینٹ کے مرکبات بن جائیں گے اس کے بعد اگر پتھر یا پلیٹ کو تھم کر کے سیاہی کا بیلن پھیرا جائے تو صرف اولیٹ ہی سیاہی کو جذب کریں گے اور آرجینٹ جذب نہ کریں گے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جس پر پلینو گرافی یا لیتھوگرافی کا دارومدار ہے۔

لیتھوگرافک پروسیس کا خاکہ۔

قبل اس کے کہ ہم اس فن میں وسیع معلومات حاصل کریں۔ ہمیں چاہئے کہ لیتھوگرافک پروسیس کا ایک سرسری خاکہ ذہن نشین کر لیں۔ کیونکہ اس کے مطالعہ کے بعد ہمارے ذہن میں وہ اہم معلومات جاگزیں ہو سکیں گے جن کا تفصیل وار ذکر آئندہ آئیگا۔ اصل نقشہ یا عبارت جس کو طبع کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو راست پتھر یا زنک یا المونیم پلیٹ یا خاص قسم کے کاغذ پر جسکے ایک طرف خاص مصالحہ لگا دیا جاتا ہے اور جسکو عرف عام میں کاپی کاغذ کہتے ہیں ایسی سیاہی سے جس میں صابن ملا ہوا ہوتا ہے (ہیور ریٹنگ) سے اتارا جاتا ہے۔

پروف سے مراد وہ مطبوعہ فارم جو مکمل طور سے طبع کیا گیا ہو اور چربے سے مراد ایسا فارم جو اصل ڈرائینگ یا لیٹر پریس فارم یا پتھر یا پلیٹ پر سے کاپی کے کاغذ پر طبع کیا جائے۔ چربے خاص قسم کی چربیلی سیاہی سے لیے جاتے ہیں جسکو چربے کی سیاہی کہتے ہیں چربے کا مفہوم ویسی ڈرائینگ سے بھی لیا جاتا ہے۔ جو چربے کے کاغذ پر [illegible] سے اتاری جائے۔ جب چربہ تیار ہو جاتا ہے تو اسکو پتھر یا دھاتی پلیٹ پر منتقل کر دیتے ہیں اسکو ٹرانسفر کرنا کہتے ہیں۔

اسکے بعد اگر منتقل شدہ ڈیزائننگ میں کچھ خامی پیدا ہو جائے تو اسکو معکوس نویس سے درست کرا کے چھاپنے والے پریس یا مشین میں دیدیا جاتا ہے۔ اس وقت تک مختلف قسم کی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ انکی دو جماعتیں تھی۔ ایک فلیٹ بڈ دوسری روٹری۔ فلیٹ بڈ کی دو قسمیں ہیں ایک فلیٹ بڈ ٹو اٹرکٹ پرنٹنگ مشین، دوسری فلیٹ بڈ آفسٹ نشین۔ فلیٹ بڈ ٹو اٹرکٹ پرنٹنگ مشین میں پتھر یا پلیٹ آگے پیچھے حرکت کرتا ہے، اور اس دوران میں سیاہی اور پانی خود بخود دلیتا جاتا ہے۔ دوسری مشین میں پتھر یا

طاحظہ ہو ص ۱۵ کالم ۲

کھانے۔ دسترخوان۔ میز

از

کپتان محمد اعجاز علی شہرت

ناظرین باتمکین! یہ مضمون ہر بھلے مشرقی ہے۔ مشرقی و مغرب کی آب و ہوا بیداوار مذاق خیالات میں جو فرق ہے وہ آپ پر ظاہر ہے۔ لیکن مغرب اس زبردستی سے مشرق پر غالب ہوتا جا رہا ہے کہ مشرقی تہذیب اس کی ہوا کے تند کے آگے غبار راہ کی طرح اوڑتی چلی جاتی ہے۔ میں پیشگوئی نہیں کر رہا ہوں میرا قیاس ہے کہ عجب نہیں ایک زمانے کے بعد مشرق کے آثار تہذیب و تمدن اس طرح زیر خاک پنہاں ہو جائیں گے۔ جس طرح مصر نینوا۔ کے آثار اور پھر کسی وقت جب دنیا پلٹا کھائیگی اور کوئی نئی قوم ترقی کر کے قدیم اشیاء کی تلاشی ہوگی تو ہماری ہڈیاں بھی کھود کر نکالی جائیں گی۔

پھر خدا جانے کیا ہوگا۔

یہ تو عالم کے تغیرات ہیں اور ہمارے قبضہ قدرت سے باہر۔ لیکن اپنی آنکھوں سے اپنی ہاتھوں خود کو مٹے ہوئے نہیں دیکھا جاتا اس لئے کچھ بھولی ہوئی چیزیں یاد دلانے اور کچھ مٹی ہوئی چیزوں کو بچانے کی ایک ضعیف کوشش کرتا ہوں۔ یہ خیال فرمایئے کہ ایک مریض ناتواں کی جنبش دست و پا ہے۔

قدرت نہایت فیاض ہے اور اسی لئے اپنے بلا تمنا ہی فیض و کرم سے دنیا کے عرض طول پر اپنے نعمتوں کو بافراط پھیلا دیا ہے کہیں پھل بکثرت ہیں کہیں غلہ بے حساب کہیں حیوانات بے شمار بر و بحر میں سامان خورد و نوش مہیا ہے حیوانات درندہ پرند چرند سب کی غذا جداگانہ ہے اس کائنات میں سب سے اشرف حضرت انسان ہیں ربع مسکون میں ہر جگہ موجود پایا جاتا ہے شکل صورت عادات خصائل باعتبار آب و ہوا فرق ہے منطقہ بارہ شمالی منطقہ معتدلہ منطقہ بارہ۔ جہاں جہاں آبادی ہے۔ وہاں ان کی طبیعت اور مزاج کے موافق غذا پیدا کی گئی ہے۔ یا یہ کہ ان کے طبیعتیں ان غذاؤں اور پیداوار کے لئے قابل قبول بنائی گئی ہیں اور یہ حکمت بالغہ کا فعل ہے۔ جو یہ امر تو مقتضائے حکمت نہ تھا کہ انسان پیدا ہو منطقہ بارہ میں اور غذا کی تلاش میں اس کو منطقہ بارہ جانا پڑے۔ غرض ہر جگہ بوجب منشا قدرت بے شمار نعمتیں ہیں۔

ادیم زمیں سفرہ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست (سعدی)

یہ نعمتیں بلا امتیاز ہیں۔ لیکن ان نعمتوں سے بہرہ مند ہونے والے قدرت کے اس کرم گستری کے بہت کم شکر گزار ہیں۔ سعدی علیہ الرحمت اس طرح آگاہ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرما انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

ہر سرزمین کے باشندوں کی غذا۔ نبات اور گوشت دونوں ہیں کہیں گوشت خاص خوراک ہے اور محض گوشت ہے۔ کہیں خاص خوراک کے ساتھ ضمناً غذا اور نبات ہی ہے کہیں خاص غذا غلہ ہے اور گوشت ضمنی۔ کسی جگہ گوشت متروک ہے خاص غذا غلہ اور سبزی۔ ایک ایرانی صفتا ہندوستان کے متعلق فرما گئے تھے۔

"مردمان ہند غلہ را باظہ بجوز ندومی گویند دال لوتی (روٹی)"۔

کھانوں کے اقسام کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے ہر ملک میں ایک خاص طریقہ ہے اور خاص ترکیب۔ مزہ الگ جس کے یہاں جو پیداوار ہو اس سے لذت اندوز ہے آدمی آدمی کے معلومات اور تجربے سے فائدہ حاصل کرتا ہے بعض شہروں بعض خاندانوں میں خاص خاص کھانے مخصوص ہیں ذائقہ بھی وہ طرح کا ہے (نیچرل ٹیسٹ) ذوق فطرتی۔ جیسے۔ سوڈے وغیرہ۔ کھانوں کے کثرت اور تصنوع سے بحث نہیں اس وقت چند اور چند امور پیش نظر ہیں۔ ہماری تمیز۔ کفایت غذا کے نوعیت تہذیب۔

اعتدال تو ہر امر میں مسلم ہے۔ تمیز اچھے اچھے برے۔ اپنے پرائے۔ حلال حرام میں فرق کرنا ہے۔ اور مقدار خوراک۔ سعدی علیہ الرحمہ

(۱) خوردن برائے زیستن و ذکر دنست
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردنست
(۲) نہ چنداں بخور کہ ذہانت بر آید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

اس تعین مقدار کو تو ملاحظہ فرمائیے کس قدر حکیمانہ ہے۔ تمیز کے متعلق دو واقعہ سن لیجئے کس قدر ان میں خود فراموشی ہے۔ میں خود ان میں موجود تھا۔

(۱) باغ عامہ میں ایک رزیڈنٹ کا رخصتی ڈنر تھا۔ امرا کے ساتھ ایک ہمراہی کا بھی کارڈ آیا تھا دوسرے میز پر میں تھا اور میرے قریب کرسی پر ایک اور امیر ابن امیر کے ہمراہی تھے

حافظہ ہو صفحہ ۱۵ کالم ۱

استعمال ہوتا، بلکہ جست یا المینیم کی پلیٹ کو لوہے کے ایک اسٹینڈ پر مثلث کی صورت میں جما دیا جاتا ہے اور یہ اسٹینڈ مسلسل ایک ہی سمت میں مدوری حرکت کرتا رہتا ہے۔

والٹر گٹ پر فنکنگ مشین پتھر یا پلیٹ سے راست کاغذ پر چھاپتی ہے اور آفسٹ مشین پتھر یا پلیٹ پر سے پہلے ربر کی چادر پر چھاپتی ہے، اور اس چادر پر سے کاغذ پر منتقل کرتی ہے۔

اگر طبع شدنی ڈرائینگ مختلف رنگوں میں ہو تو مختلف پتھر بھی تیار کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً سرخ رنگوں کی صورت میں جتنے رنگوں میں طبع کرنا مقصود ہو اتنے ہی پتھر تیار کرنا پڑیں گے، لیکن ٹرائی کلر پر فنکنگ (سہ رنگی) کے لیے صرف تین پتھر تیار کرنا پڑتے ہیں۔ جو سرخ زرد اور نیلے رنگ میں طبع کئے جاتے ہیں۔



شروع سے لے کے آخر تک ان صاحب نے مشرقی کھانوں کے ہجو اور مغربی کھانوں کے تعریف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا جناب اس میں شک نہیں کہ ہر جدید چیز لذیز ہوا کرتی ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ دوسری اچھی چیزیں بھی بدمزہ قرار دی جائیں اور قابل نفرت ٹھہرا کر فنا کر دی جائیں انھوں نے کہا آپ کچھ بھی بولو۔ یہ مزہ تو سنگاپوری کھانوں میں نہیں آتا!

اس قسم کی ذہنیتیں میرے خیال میں خود کو مٹانے والی ہیں۔

(۲) ایک امیر کے یہاں ایک موقعہ پر ریفاسٹ تھا جس میں معدودے چند حضرات شریک تھے آپ اس امیر کا اندازہ فرمائیے کہ حیدر آباد کے ایک عالیشان امیر کا معمولی سے معمولی اور سادہ سے سادہ میز بھی کشادہ پر از نعمت نہ ہوگا ان شرکا میں سے ایک صاحب ایسے بھی تھے جن کو مشرقی شان و شوکت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ زمانے نے ان کو ایک اعلیٰ خدمت پر پہنچا دیا تھا اور انھوں نے مغرب کو شاہراہ ترقی پر دیکھ کر خود بھی آنکھیں بند کئے ہوئے اس پر گامزن ہونے کی ہوس کی تھی۔ ابتدا تو چند مغربی ڈشوں سے ہوئی۔ اس کے بعد مشرقی اور امیرانہ طعام خاصہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میز پر شیرمال خاصہ بھی تھے اور نان پاؤ کے ورق بھی۔ انھوں نے نان پاؤ کو اختیار کیا۔ شیرمال خاصہ کو تو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ رنگا رنگ خوش مزہ سالنوں پر توجہ نہ کی چیز۔ کرنی۔ آمرش اسنو کو رغبت سے نوش فرمایا۔ مرغ پلاؤ کا ایک چمچہ لیا۔ میٹھی چیزوں میں جو بن مالی۔ نان باقلا۔ ساتھ عروس کو پسند نہ کیا۔ پڈنگ کا شوق ظاہر کیا۔ نواب صاحب دام اقبالہٗ ان کے حرکات کو دیکھ رہے تھے اور بار بار ان کی تواضع کرتے تھے وہ ہر مرتبہ یہی فرماتے تھے کہ جی نہیں یہ بہت ثقیل ہوتے ہیں۔ ان کا یہ جواب محض از راہ ترقی و تہذیب اور بخیال اظہار دانائی تھا۔ خیر جب خیالات کا یہ حال اور خانگی ترتیب کا حال اس سے مدتبر ہے تو کیا عجب ہے کہ ہم نیوزیلنڈ اور ٹاسمینیا کے وحشیوں کی طرح بالکل مغرب کے شاگرد ہو جائیں اور یہ معلوم ہی نہ ہو کہ ہم بھی کسی زمانے میں کھانے پینے میں بھی تہذیب کا اثر رکھتے تھے ہمارے مشرقی گھرانوں میں اب بھی عمر رسیدہ خواتین عصمت سمات اور مخدرات عفت صفات ایسی ہیں جو۔ مٹی۔ اچار مربے۔ شربت اور خاص کھانے پکانے کے ماہر ہیں۔ لیکن موجودہ روشنی اور روشنی کی متعلمات مدارس ان نعمتوں سے ناواقف نظر آتی ہیں اور یہی روش باقی رہے تو نظر نہ آئیں گی۔ کیوں کہ موجودہ دور مشرق کو ہر طرح تباہ کرنے کی قسم کھاتے آیا ہے۔ اور اب یہ ترقی تنزل کی دوسری صورت ہو رہی ہے۔ یہ تو زمانہ کا ذکر ہے اکثر مشرق پرست اور خود دار مرد بھی کھانا خود پکا لیتے ہیں اور چند خاص کاموں کے لئے استاد ہیں فقط انسان ہی وہ حیوان ہے جو اپنا کھانا پکا کے کھاتا ہے ہر ایک غذا کے پکانے کی ایک ترکیب ہے اور حقیقت میں غلہ گوشت سبزی کے لئے خاص مصالح خاص اوزان ہیں۔ وزن ترکیب آگ۔ یہ تین چیزیں کھانے کے عمدہ اور بامزہ پکنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور ذاتی تجربہ لازم ہے۔ آنچ خوش مزہ کرتی ہے۔ کچا رکھ دیتی ہے۔ جلا کے خاک کر دیتی ہے۔ کھلانے کا تاؤ کیسا کا تاؤ ہے۔ آنچ بگڑی اور کھانا بگڑا۔ نمک مرچ ترشی کا ذائقہ ہر چیز کا الگ الگ ہے پکانے کے ظروف کی صفائی اور احتیاط کو بھی مزے اور فائدہ میں دخل ہے بے قلعی کا برتن تو سخت ضرر رساں ہے۔ المونیم کے برتنوں میں کھانا جلد تیار ہو جاتا ہے اور مصالح پیوست ہونے نہیں پاتا۔ دھیمی آنچ پر پکا ہوا سالن خاص کر مٹی کی ہانڈی میں (بشرطیکہ پکانے والا اچھا ہو) نہایت بامزہ ہوتا ہے ابالنا بھوننا۔ تلنا۔ بگھارنا یہی طریقے ہیں بعض چیزوں کو تلنا تو مغرب جانتا ہے لیکن بگھارنا۔ ابتک نہ آیا۔ باقی آئندہ

(معلومات)

اوساکا رساہی

مشرق کا عظیم ترین روزنامہ

تین سال پہلے یعنی ۱۹۳۰ء میں جریدہ اوساکا رساہی کی پچاس سالہ جوبلی منائی گئی۔ اس کے کارکن اور تمام جاپانی قوم کو اس امر پر ناز کرنا چاہئے کہ پچاس سال کی مسلسل کوششوں کے بعد ان کا یہ اخبار دنیا کے مشہور ترین اور زیادہ سے زیادہ اثر رکھنے والے اخباروں میں شمار کیا جاتا ہے آج اس کی روزآنہ اشاعت تیس لاکھ تک پہنچ گئی ہے خریداروں میں اس کے تقسیم کے لئے مختلف قسم کے قدیم اور جدید طریقے اختیار کئے گئے اور آٹھ ہوائی جہاز اس کام کے لئے مخصوص کر دئے گئے ہیں

اس کام کو انجام دینے میں جاپان کے پہاڑی علاقوں اور ان لاتعداد جزیروں کے مدنظر جو اس کے اطراف واقع ہیں ہاتھ سے ڈھکیلنے والی گاڑی بیل گاڑی، دخانی جہاز اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے سبھی کام لیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اس کے تین ہزار خفیہ ایسے ہیں جن کو ہر روز خبر رساں کبوتروں کے ذریعہ اخبار تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس جریدہ کے نامہ نگاروں کی ایک زبردست جماعت مشرق و مغرب کے مشہور شہروں اور دنیا کی تمام دارالسلطنتوں میں پھیلی ہوئی ہے یہ اپنے اخبار کو خبریں بہم پہنچاتے ہیں ٹیلیفون، اس کی ہوائی جہاز اور دیگر جدید ذرائع سے کام لیتے ہیں اس کے چھاپنے کے لئے سات بڑے مطبع ہیں جو برقی قوت سے چلتے ہیں اخبار کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے تقریباً بیس رسالہ شایع ہوتے ہیں اوساکا ساہی گو جاپانی زبان میں چھپتا ہے اس کے دو ایک خاص نمبر دیگر زبانوں میں بھی نکالے جاتے ہیں، ولیعہد ہوورد ہیتو کی تاج پوشی کے موقع پر یہ اخبار مختلف زبانوں میں بہترین تصاویر کے ساتھ شایع ہوا۔

اپنی پچاس سالا جوبلی کے سلسلے میں اس اخبار کے نمایندے شمالی اور جنوبی امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، نیوزلینڈ جاوا، سیام، چین ترکی اور روس کو روانہ کئے گئے۔ ان نمایندوں کے ذریعہ جاپان کی تجارت کو بھی فروغ ہونے کی امید ہے۔ علاوہ اس کے وہ اپنے اخبار کے مطالعہ کنندوں کو دنیا کے دیگر ممالک اور وہاں کے باشندوں کے متعلق مفید معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

ترکی تعلیمی ترقی

ترکی وزارت تعلیمات نے اعداد و شمار کے ساتھ یہ اعلان شایع کیا ہے کہ مقامی مدارس کے قایم کردہ شبینہ مدرسوں میں دس لاکھ ترکی زیر تعلیم ہیں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد دن بدن حیرت انگیز طریقے پر بڑھتی جا رہی ہے ترکی میں عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ ۵ سال کے اندر ترکی میں جہالت کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا

اعداد و شمار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شبینہ مدارس میں ایک ثلث عورتیں اور دو ثلث مرد تعلیم پا رہے ہیں اس وقت ترکی میں تقریباً پانچ لاکھ آدمی غیر تعلیم یافتہ ہیں۔

ان مدرسوں میں ابتدائی تعلیم سب سے پہلے لکھنے اور پڑھنے پر مشتمل ہوتی ہے اس کے بعد دیگر علوم کی مبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے قابل ذکر بات یہ ہے تحصیل علوم میں چھوٹے اور بڑے سب کے سب نہایت جانفشانی اور محنت سے کام لیتے ہیں کاروباری آدمیوں کو جنھیں اپنی روزی کمانے میں دن بھر محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے تعلیم میں لبتا زیادہ وقت لگتا ہے لیکن ان کے پیچھے تھوڑی ہی مدت میں بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔

حاجی صاحب واپس آرہے ہیں

(از عبدالقادر المازنی)

مترجمہ سعید بارائس (علیگ)

رات پرسکون تھی اور فضا میں بلا کی خاموشی۔ اس خاموشی کے عالم میں ہمارے رفقائے صحبت میں ایک صاحب نہایت اطمینان کے ساتھ سگریٹ پی رہے تھے۔ وہ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھے کہ ہماری گفتگو جو مختلف موضوعوں پر مشتمل تھی ان کو ہماری طرف متوجہ کرنے سے قاصر رہی۔ گویا کہ ہماری قسمت ان کے پاس ان دنوں بہت کچھ زیادہ نہیں تھی، جو سلسلے کے باغ کو خلعت بہار دے رہے تھے۔ ان کے متعلق ہمارے دائرہ احباب میں یہ مشہور تھا کہ انھوں نے عمر میں کبھی کوئی مہمل بات زبان سے نہیں نکالی۔ اور نہ اپنی زندگی میں کوئی قابل ستائش کام سرانجام دیا۔ ہم کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح دیکھنے کی مشق فرما رہے تھے۔ ہم کو چونکہ ان سے صحبت تھی اس لیے ان کی فروگزاشتوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ دوران گفتگو میں ایک صاحب نے ہم میں سے ہر شخص کو ایک عجیب و غریب قصہ دیدہ یا شنیدہ بیان کرنے کی فرمائش کی۔ جب میری باری آئی تو میں نے ایک "بدقسمت" آدمی کا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔

ابھی اپنے قصے کے درمیانی حصہ کو پہونچا اور کچھ مزے لیکر بیان کر رہا تھا کہ ہمارے سگریٹ نوش دوست نے کروٹ لی، جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سگریٹ نکالکر اطمینان کے ساتھ اس کو سلگایا اور ٹھیر ٹھیر کر اس کا دھواں چھوڑنے لگے۔ پھر یکایک بغیر اطلاع ہماری ہمہ تن گوش محفل پر مسلط ہو گئے۔ ان کو نہ میرے قصہ کے ادھورے رہ جانیکی پروا تھی اور نہ قطع کلامی ہی پر کوئی جھجک۔ میں جوان کے پہلے آدھا قصہ سنا چکا تھا وہ گویا ان کے حق میں ایک بلی کی "میاؤں، میاؤں" سے زیادہ کچھ نہیں تھا جس سے ان کی گفتگو پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ بہرحال سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ ہمارے دوست کی گفتگو یوں چلنے لگی:۔

— میں اس کو دیکھکر خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہایت لاغر تھی۔ اس کا رنگ زرد اور چہرہ پر جھریاں پڑگئیں تھیں۔ وہ کمرہ جس میں وہ رہا کرتی تھی دار و رسی اس کا مسکن تھا بہت کشادہ تھا۔ اس میں اس کا بستر و فرش اور کھانے پینے کے برتن تھے۔ اس کی خوابگاہ، دیوان خانہ اور باورچیخانہ گویا یہ کمرہ اس کی کل دنیا تھی۔ میں اس کے پاس غروب آفتاب کے بعد اندھیری راتوں میں جایا کرتا تھا، میری ماں مجھکو ہر رات ایک خوان دیکر روانہ کرتی۔ اس میں مختلف قسم کے کھانے ہوتے، اور اس کے ساتھ ایک یا دو روٹیاں کسی کاغذ یا طوال میں لپیٹ کر مجھے لیجانیکے لیے دیجاتیں۔ اس زمانہ میں نہ راستوں میں روشنی تھی اور نہ کوئی صاحب اپنے مکان کے دروازہ پر قندیل لٹکاتے تھے۔ ہوا کی وجہ سے میری قندیل کبھی یہاں کبھی وہاں بجھ جایا کرتی تھی۔ غرض راستہ کا بیشتر حصہ میں اندھیرا رہتا تھا۔ اس وقت میری عمر گیارہ یا بارہ برس کی تھی۔ اس کام سے مجھے بڑی نفرت تھی، میں دعا کرتا کہ کاش میری والدہ مجھے اس سے نجات دیتیں اور میرے کسی دوسرے بھائی کے سر یہ آفت جیپ دیتی۔ لیکن میرے دوسرے تمام بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ ہر شب میری والدہ مجھ کو اشارہ سے اپنے پاس بلاتیں میں خاموشی سے اٹھ ان کے ساتھ ہو جاتا تو روز کا مقررہ توشہ میرے حوالہ کرکے سیڑھیوں کے پاس چھوڑ کر ایک انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ لیتی تھیں۔ یہ ایک راز تھا جو میرے بھائیوں اور دادی جان پر پوشیدہ تھا۔ اس سے مجھے محسوس ہوتا تھا کہ ایک بھاری بوجھ مجھ پر لادا گیا ہے۔ اس زمانہ میں ہم تنگدست تھے۔ ہماری آمدنی تیس روپے ماہانہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس میں سے گھر کا کرایہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔ والدہ کے اس عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھائی اور دادی جان پر اس راز کے انکشاف سے خوف کرتی تھیں کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ انکی محدود آمدنی کو اس طرح زیادہ کیا جا رہا ہے۔ جب میں اس کے کمرہ میں پہونچتا تو آہستہ اسکا دروازہ کھٹکھٹاتا اور تخت کے قریب جاکر توشہ رکھدیتا اور اس کے مرجھائے ہوئے چہرہ پر نظر ڈالنے کی جرات کرنے سے پہلے باہر نکل جاتا کبھی دھن میں رہتا۔ وہ مجھ کو بہت لیکن نرم اور میٹھی آواز میں پکارتی

"پیارے نزدیک آ کہ تجھکو پیار کروں"۔

یہ سنکر میرے بدن میں ایک لرزہ پڑ جاتا۔ آنکھ نیچے کئے بھاری بھاری قدموں سے اس کے قریب جاتا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر میری طرف دبا دیتی گویا مجھ کو اپنے سینہ سے لگا لینا چاہتی ہے۔ اس وقت میری رگوں میں خون جم جاتا اور میرے سر میں ان خیالات کا ہجوم برپا ہوتا جو اس عورت خطرناک کے متعلق سینے سے مجھے محسوس ہوا تھا جو مرد سے معانقہ کرتی ہے تو اس کے جسم میں بتام کانٹے دھس جاتے ہیں اور وہ مر جاتا ہے۔ میں اس سے ایک قدم دور کھڑا ہو جاتا گویا میرے پاؤں میں لوہے کا بہت بھاری وزن رکھدیا گیا ہے۔ وہ مجھے ایک نہایت ہی پر درد اور محبت بھری آواز میں کہتی:۔

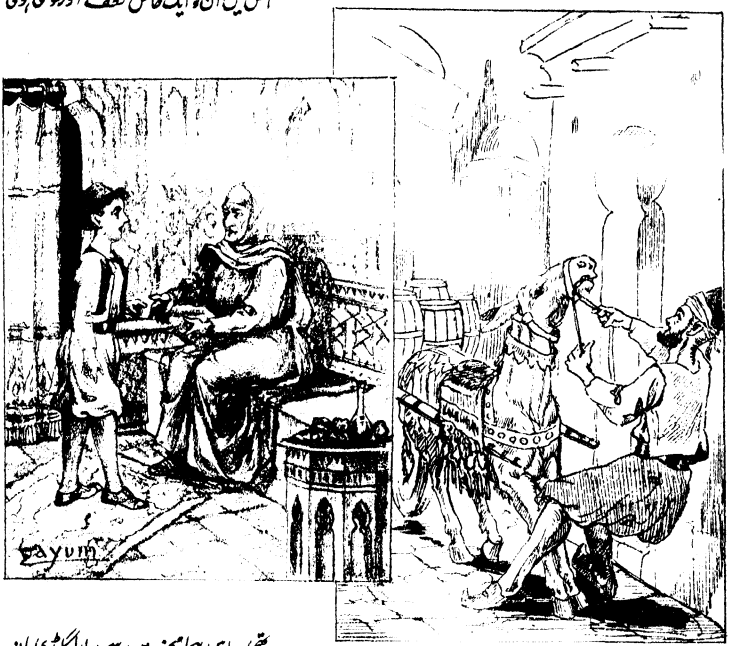
"میرے پیارے بچے میری طرف دیکھو! مجھے اپنا رخسار دو کہ ایک بوسہ دوں، انہیں

ن زبردستی لونگی"

یہ کہکر وہ اپنا ہاتھ بڑھائی اور مجھ کو اپنی طرف اس طرح آہستہ اور نرمی کے ساتھ کھینچ لیتی، گویا میں کاغذ کی ایک عمارت ہوں کہ اس کے منہدم اور برباد نہ ترتیب ہونے کا اس کو خوف ہے۔ میں جھجک کر ایک قدم آگے بڑھتا جیسے کوئی شخص اپنے منہ کے بل گرنے سے ڈرتا ہے۔ وہ دوسرے ہاتھ سے مجھ کو سنبھال لیتی۔ میں یا تو زمین پر اسکے سامنے یا اسکے گود میں گر پڑتا۔ میرا بازو اسکے گود میں اور میرا سر اسکے سینہ پر ہوتا۔ وہ مجھے بوسے دیتی، سر کے بال اور رخسار پر ہاتھ پھیرتی اور مجھ کو دعا دیتی تھی۔ پھر میں ایک گنہگار کی طرح جس نے ابھی توبہ کی ہو۔ ٹھٹکتا ٹھٹکتا ہو جاتا تھا۔"

یہاں پر اس نے ایک ادا سے اپنے سگریٹ کا گل گلدان میں جھٹک دیا اور سر کو کرسی کی پشت پر ٹیکہ دیکر اس طرح خاموش ہو گیا، گویا قصہ ہی ختم ہو گیا یا صرف اپنے ہی نفس سے اتنک وہ مخاطب تھا۔ مجھے یہ دیکھکر بہت غصہ آیا۔ اسکے ہونٹ کچھ اس طرح بند تھے کہ دوبارہ ان کو کھولنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ مگر ہم کو اس کے اس مہر سکوت کو توڑنے کی ترکیب یاد تھی۔ میں نے بلا روک ٹوک اپنے قصہ کو جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے شروع کر دیا۔

"ہاں وہ شخص ایک گاڑی بان ہو گیا۔ اسکی گاڑی کو ایک گدھا کھینچتا تھا جو حسب روایت نہایت ہی کم سمجھ اور عجیب و غریب اطوار کا جانور تھا۔ یہ شخص جیسا کہ میں نے آپ سے کہدیا ہے صرف اپنے ہی کاروبار سے واقف تھا۔ جب کام ختم ہو جاتا تو اپنے مکان کو چلا جاتا اور دوسرے روز صبح تک باہر نہیں نکلتا محفل اور گفتگو کی اسے خواہش ہوتی تو باہر اپنے دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھے رہتے گفتگو کرتا کبھی کبھی محلہ کے تمام مرد عورت اور بچے اسی طرز کے اتنی دیر تک



گپ مارتے کہ نیند انھیں جبراً منتشر کر دیتی۔ اسکا گدھا جیسا کہ میں نے کہا ہے ایک عجیب الخلقت اور نادر الفطرت جانور تھا۔ جب کبھی کسی شراب خانہ پر سے اس کا گذر ہوتا تو وہاں وہ ضرور ٹھیر جاتا۔ اور ایسا ہم کہ اللہ اکبر اسکی ٹانگیں کیلوں سے زمین میں جڑ دی ہیں۔ ایسی حالت میں نہ کھینچی تان سے کام چلتا اور نہ مار پیٹ کا اس پر اثر ہوتا۔ اس گدھے کو پہلا مالک شرابی تھا۔ اس کی عادت تھی کہ شراب خانہ کے دروازہ پر اس کو چھوڑ کر آپ اندر چلا جاتا اور ایک دو گھنٹے وہاں گذار دیتا تھا۔ یہیں سے اس گدھے کو شراب خانوں پر ٹھیرجانیکی عادت ہو گئی تھی، اور اس عادت کا وہ سختی سے پابند ہو گیا تھا جب کبھی اس قسم کا واقعہ پیش آتا اور گدھا اڑ جاتا تو محلہ کے شریر لڑکے اسکو گھیر لیتے۔ وہ اسکی مدد کرتے مار پیٹ اور چبوکے دینے میں اسکا ہاتھ بٹاتے۔ اس میں ان کو ایک خاص لطف اور خوشی ہوتی تھی۔ اس بیجا محنت سے ہمارا گاڑی بان تنگ آ گیا۔ آخر کار اپنے گدھے کو اسکے حال پر چھوڑ کر کسی دوسرے معقول شغل کی تلاش کرنے لگا۔ اب اس کا حال یہ تھا کہ گدھے کو اپنی ضد پر چھوڑ دیتا اور اطمینان سے انتظار کرتا۔ تاکہ اس کا دراز گوش راہ راست پر آ کر پھر اس کا ساتھ دے۔ پہلے تو گاڑی بان اپنی گاڑی پر ہی آرام لیا کرتا تھا مگر اسکے بعد وہ شراب خانہ میں

جاکر سستانے لگا ایک عرصہ میں وہ اپنے گدھے کی بدولت شراب کا عادی ہوگیا۔ اس کا گدھا جو۔۔۔!!

میں ابھی یہانتک پہونچا تھا کہ ہمارے سگریٹ باز دوست نے چینک سے کھلکر پھر اپنا قصہ یوں شروع کیا۔

"جب میری راتوں میں اس کے پاس ٹھیلا زیادہ ہوگیا تو پہلے احساسات کے دباؤ سے مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا جن میں میرا پہلا احساس کراہت اور نفرت آمیز نظروں سے اس پوست و استخوان اور پژمردہ چہرہ دیکھتا تھا۔ اب اسکے متعلق معلومات فراہم کرنے کا مجھے اشتیاق ہوا۔ لیکن کس سے دریافت کرتا؟ اس عجیب بڑھا کا میری والدہ کی طرح خاموش اشاروں سے مجھ کو چلا بازی ہدایت کرنا مجھ کو سوال کرنے سے باز رکھتا تھا۔ اس کے کمرہ میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ اسلیے نہیں کہ پڑوسیوں کی کمی تھی۔ مکان نہایت وسیع تھا۔ اس میں متعدد کمرے تھے۔ ہر کمرہ میں پورا ایک خاندان رہتا تھا۔ تاہم کسی وجہ سے اس خاتون کا کمرہ جب دیکھو خالی نظر آتا تھا۔۔۔!!

ایک روز اچانک ایک واقعہ ہوا جو میری سمجھ میں نہ آسکا۔ واقعہ یہ تھا کہ میری والدہ نے متعدد قسم کے پکوان تیار کئے اور مجھے حکم دیا کہ ایک ایک کرکے اس خاتون کے پاس پہونچادوں۔ مجھے اس امر کی بھی ہدایت کی کہ آج اس کے سامنے نشاشت اور خوشی کا اظہار کروں۔ اس سے مجھے اتنی حیرت ہوئی کہ اس کا راز دریافت کرنیکی بھی مجھے جرات نہ ہوسکی۔ جب میں اس کے مکان پر پہونچا تو میری حیرت وہشت سے بدل گئی۔ مکان کے صحن میں سرخ جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ زرد سرخ اور سبز رنگ کے ربر کے لٹکے جو اکثر شادیوں میں لٹکائے جاتے ہیں، مکان میں جا بجا لگائے گئے تھے۔ مکان والوں کو ان کے بہترین لباس اور زیور سے آراستہ چہل خرامی کرتے ہوئے دیکھا۔ مکان کے ایک گوشہ میں دو عورتیں نظر آئیں۔ ان کے سامنے ایک انگن رکھا ہوا تھا۔ اس میں وہ شکر گھول رہی تھیں۔ ان کے قریب ایک لڑکی بیٹھی بہت سی پیالیاں دھو رہی تھی۔ وہ پر مزہ چہرہ والی نحیف الجثہ خاتون بنفش اٹلس کا کارچوبی پیرہن زیب تن کئے ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ یہ لباس پرانا اور ڈھیلا ڈھالا تھا اور کئی جگہ سے بدرنگ ہوگیا تھا۔ اس بڑھیا کا بناؤ سنگار ایسا تھا گویا وہ عروس نو ہے۔ میں کچھ اپنی جگہ جھجک کر رہ گیا اور خوان کو اس جگہ پر رکھکر جہاں اور بہت سے خوان رکھے ہوئے تھے باہر نکل جانیکا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا اور میری طرف دوڑ ہی چلی آئی۔ مجھے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسکے چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے کہا:۔

"او میرے بچے! تم باہر نہ جانا! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی اور دن بھر تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔

اب تم آگئے ہو تو میرے ساتھ رہو۔ وہ دو گھنٹے کے بعد آئیں گے۔ یہ ان کا خط ہے۔"

یہ کہتے ہوئے ایک ایک خط نکالا جو زرد پڑ گیا تھا۔ اس کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا:۔

"لو اس کو پڑھو تم میرے بچے کے مانند ہو۔ مجھے سناؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اجی تم سب یہاں چلی آؤ۔ یہاں یہاں سنو اس خط کو۔ یہ بچہ اس کو پڑھ سنائیگا۔ لیکن! کیا اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ آج ضرور آئینگے



شیخ محو حساب لگا چکا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ دو گھنٹے کے بعد وہ ہمارے پاس ہوں گے .... یہ ٹھیک ہے نا بہن ؟"

اس عورت نے جو اس سے گفتگو کرنے کیلئے مقرر کیگئی تھی میرے ہاتھ سے وہ خط قبل اس کے کہ اس کو پڑھنا چھین لی اور کہا :-

— ٹھیک دو گھنٹے کے بعد۔ ہم نے سب کچھ تیار کروا لیا ہے اچھنڈیاں لگا دئے اور شربت بھی تیار کر دی گئی۔ شیخ صاحب باجے والوں کو بلوانے گئے ہیں .... آؤ، اس جھروکے میں سے جھانکیں ...."

یہ کہکر اس خاتون کو دریچہ کیطرف لے گئی اور جھانک جھانک کر دیکھنے لگی۔ پھر واپس آکر مجھ کو بھی ساتھ لیا تاکہ نگاہ کی آرائش دکھائیں۔ اب مجھ سے یہ معمہ دیکھکر خاموش نہ رہا جا سکا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور دریافت کیا "کون ہے یہ شخص ؟"

اس نے محبت بھری نظروں سے جس میں کچھ عتاب کی بھی جھلک تھی میری طرف دیکھکر کہا :-

"کیا اس کا نام اس خط میں نہیں ہے ؟ میرے شوہر، میرے شوہر! وہ تین ماہ پہلے حج کو گئے تھے اور آج رات کو واپس آئیں گے۔ قسم ہے خدا کی یہ تین مہینے کتنی بڑی مدت ہے! کئی سال کے برابر ہے! قریب تھا کہ ان کا شوق دیدار مجھے فنا کر دیتا۔ میں ان پر جان دیتی ہوں۔ لیکن وہ آج رات کو واپس آئیں گے۔ آج ہی کی رات کو۔ دو گھنٹے بعد۔ نہیں بلکہ ڈیڑھ گھنٹہ میں۔ بہن کیا آدھا گھنٹہ گذر نہیں چکا ؟"

— تقریباً گذر چکا ہے۔ اب مہمانوں کو کھانا کھلا دینا چاہیئے۔"

تمام مہمان کھانے سے فارغ ہو گئے۔

پھر میزبان بڑھیا نے ایک دوشیزہ کو "بہن بہن" کہکر پکاری۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ چلا گئی اور دوسری دوشیزہ کے ساتھ شربت کے گلاس لیے واپس آئی۔ تمام عورتوں نے شربت کا دور ختم کر کے اس کو سراہا کیا دوہی اور اس سے گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ ایک دوسری لڑکی نے شربت کا گلاس لاکر میزبان کو پلا دیا۔ اس کے بعد تمام کی تمام گفتگو میں مصروف ہو گئیں۔ .... دوسری مرتبہ ہمارے دوست خاموش ہو گئے۔ اور سگریٹ پینا شروع کر دیا۔ میں ان کے بار بار خاموش ہو جانے سے تنگ آگیا اور ان سے بلند آواز میں کہا :-

"یا تو آپ اپنی کہانی ختم کر دیجیے یا میں اپنا قصہ پورا سنا دوں۔ لیکن یہ باری باری کی قصہ گوئی ایک ناقابل برداشت اور مہمل چیز ہے !"

اس نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور اپنے ہونٹوں کو ایک خاص انداز میں دبایا اور دھوئیں کی ایک لمبی دھار فضا میں چھوڑ دی۔ پھر اطمینان کے ساتھ مجھ سے کہا۔

"اگر آپ چاہیں تو اپنا قصہ ختم کر سکتے ہیں"

یہ کہکر اپنا منہ اس طرح ہم سے پھیر لیا کہ گویا ہمارا وجود ہی نہیں ہے۔ پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور اس کے مطالعہ میں اتنا مصروف ہو گیا جیسے کہ ہم کو بالکل ہی بھول گیا ہے۔ میں تو اسکی اس حرکت سے بالکل ہی برہم ہو گیا۔ لیکن اپنے غصہ کو ضبط کر کے اپنے غریب گاڈی بان کا قصہ شروع کر دیا :-

"گاڈی بان اب پکا شرابی ہو گیا تھا۔ بقر عید کے موقع پر اس کے آقا نے ڈیڑھ روپیہ دیکر گوشت کا ٹکڑا اس کو دیا جس کو ایک کاغذ میں لپیٹ کر اس نے شراب کا رخ کیا، اور معمول کے مطابق خوب شراب پی۔ گوشت کا ٹکڑا زمین پر ہی پڑا ہوا تھا۔ باہر جاتے وقت اس کو لینے کی غرض سے جھکا۔ بجائے اس کے اس کا ہاتھ شراب کے ایک مٹکے پر پڑ گیا جو فوراً الٹ گیا۔ گوشت پر بہت کچھ شراب گر گئی۔ اب وہ دوسرے کاغذ کی تلاش کرنے لگا۔ گوشت کو زمین سے اٹھا کر دھو دیا اور اس کو کاغذ میں لپیٹ کر وہاں سے روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کو خیال ہوا کہ جو گوشت شراب آلود اور گندہ ہو گیا ہو وہ غالباً کھانے کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کسی طرح اس سے نجات حاصل کر لیجائے۔ لیکن یہ کسی طرح ہو ؟ کیا گوشت کو زمین پر پھینکدیں ؟ یا کسی دوست یا ہمسایہ کو تحفہ دیدیں ؟ یا اس کو فروخت کر دیں ؟ یہاں اس نے اپنے آپ سے کہا :-

"میں اس کو فروخت کر دوں گا اور اس کی قیمت سے جو چیز میرے پسند کی ہو اسے خرید لوں گا۔ ہر حالت میں میں فائدہ میں رہوں گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کسکو فروخت کروں ؟ یہی تو مشکل چیز ہے۔ تمام لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کے موافق گوشت خرید لیا ہے۔ اب اگر باقی ہیں تو قصاب ہوں گے !"

قصابوں کو یاد کر کے اچھل پڑا کہ بر محل سوجھی۔ لڑکھڑاتے ہوئے وہاں چل نکلا خیال تھا کہ سب سے پہلی جو قصاب کی دوکان نظر آئے وہاں ٹھہر جائے۔ اس معاملہ پر اس نے زیادہ غور و فکر نہیں کی۔ اس لیے پہلی دکان قصاب کی جو نظر آئی وہ بہتر بکری کے گوشت سے لدی ہوئی تھی۔ وہ یہاں ٹھیر گیا اور قصاب کو کاغذ کا پلندا دیکر کہا "کیا اسکو خریدو گے" قصاب نے پلندا کھولا دیکھا اور لانے والے پر نظر ڈالی۔ پھر گوشت کو اس کے منہ پر پھینکدیا۔ گاڈی بان بہت متعجب ہوا۔ اپنے گوشت کو زمین پر پڑا دیکھکر قصاب سے دست و گریبان ہو گیا۔ لوگ ان کو گھیر لیے اور صلح کی غرض سے ان کے درمیان حائل ہو گئے دریافت کرنے پر قصاب نے کہا۔

"دیکھیے یہ اعلیٰ گوشت فروخت کرنے کیلیے میرے پاس آیا ہے۔ کیا یہ اندھا ہوگیا ہے؟ ..."

یہاں پہنچ کر دوست نے بلا کسی اجازت یا معذرت پیش کرنے کے اپنا قصہ شروع کر دیا۔

"اب حاجی صاحب کے وقت جس کا سخت بیچینی سے انتظار کیا جا رہا تھا، قریب آ رہا تھا۔ اس سے اس خاتون کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ بار بار گلگونا اور پوڈر کے اسی طرح مرجھایا ہوا تھا۔ بیچینی اور اضطراب کا اثر اس پر نمایاں ہونے لگا۔ اس کی انگلیاں تھرتھرانے لگیں اور سب جنبش کر رہے تھے۔ وہ کسی جگہ سکون کے ساتھ ایک منٹ بھی بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ ایک جھروکے سے دوسرے جھروکے کی طرف بیچین پھر رہی تھی۔ اپنی گردن کو توڑتی ہوئی زمین پر اچکتی تھی۔ اسکے بعد اس کی آنکھیں پتھر کے مانند بے حس ہوگئیں۔ چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ اس کے بازو ڈھیلے پڑ گئے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے حس و حرکت مردہ کی طرح گر پڑی۔ اسکے اطراف عورتیں جمع تھیں۔ مگر اس کی حرکتوں سے وہ بغیر تاثر نظر آتی تھیں۔ جب اسکے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تو سب نے اسکو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا اور انگلیوں کے بل سب کی سب باہر سے نکل گئیں اور دروازہ بند کر کے اپنے اپنے کمروں کو چلی گئیں۔

مکان کے صحن میں ایک خاتون کے قریب جا کر میں نے دریافت کیا:۔

"آنے والے حاجی صاحب کے استقبال تک آپ انتظار کیوں نہیں کرتیں؟"

وہ اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہنے لگیں:۔

"میرے بچے اسکو انتقال کر کے بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے!"

"انتقال کر گیا۔ اس سے آپ کا کیا مقصد؟"

"وہ مچ کو گیا تھا۔ یہ اس کا آخری خط ہے جو اس خاتون کو ملا ہے۔ اس خط میں اپنی آمد کا وقت بتلایا تھا۔ لیکن ہیضہ میں وہ مبتلا ہوگیا اور مکہ ہی میں مرگیا۔ اس وقت سے یہ دیوانی ہوگئی ہے۔ ہر سال ٹھیک اسی روز جس روز کہ اس کو آنا چاہیئے تھا یہ دورہ اس کو اٹھتا ہے۔ ہم اس کے پاس جمع ہو جاتے اور اس کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کے مکان کو جھنڈیوں سے آراستہ کرتے، شربت بناتے اور پیتے ہیں۔ مگر اس کے گلاس میں خواب آور دوا ڈال دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ابتک اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ جبح کو وہ بیدار ہوتی ہے۔ تمام تکالیف دور ہو جاتے ہیں۔ اور باقی سال تک اسکے قوائے عقلی برابر کام کرنے لگتے ہیں ...."

"بیچاری ...."

"جی ہاں۔ اب تم اپنی ماں کے پاس واپس چلی جاؤ"

ہمارے دوست پھر خاموش ہوگئے۔ سگریٹ کو پھینکدیا اور اس کو اپنے پیر سے رگڑتے ہوئے کہا:۔

"یہ خاتون میری والدہ کی دودھ بہن تھی"

اس کے بعد سر ہلاتے ہوئے بغیر سلام یا کلام کے غائب ہوگئے جاتے ہوئے دروازہ کے قریب یہ بڑبڑا رہے تھے:۔

"اے کاش کہ یہ ماجرا، مجھے اسی زمانہ میں معلوم ہوتا"

اس کے بعد ہم نے کچھ نہیں سنا۔

(ختم شد)



کے۔ ڈی۔ عبدالغفور اینڈ سنس

اسپورٹس کا بہترین سامان طلب فرمایئے

کھیل کے جملہ سامان اور اعلیٰ معیار صرف

کے۔ ڈی عبدالغفور اینڈ سنس کنگ کوٹھی روڈ

حیدرآباد دکن سے طلب فرمایئے

جہاں شادیوں کے قابل ہر قسم کا

پارچہ فیشن و سیزن کے

مطابق موجود رہتا ہے۔

دام میں فرق ہو تو

مال واپس لیا جاتا ہے۔

تار کا پتہ "کلاتھ"

پتہ

آر۔ آر۔ گوپال

الہ الدین بلڈنگ تھوکڑی حیدرآباد دکن (فون نمبر)

ہدایات

۱۔ تمام حل "حسن کار" کے مطبوعہ کوپن پر نمبروار درج کئے جائیں۔ اگر کوئی حل غلط نمبر درج کیا جائے گا تو وہ حل نہیں جانچا جائے گا (۲) صرف اس پرچے کے کوپن قابل قبول ہوں گے گزشتہ پرچے کے کوپن اس معمہ کے لئے استعمال نہیں کئے جاسکتے (۳) اپنے حل کی نقل اپنے پاس رکھنا چاہئے تاکہ آئندہ اشاعت میں جب صحیح حل شائع ہو تو اس سے آپ مقابلہ کرسکیں (۴) ہر ایک کوپن کے ساتھ ہر آنے کے مفلائی ٹکٹ روانہ کئے جائیں مستعمل ٹکٹ قابل قبول نہ ہوں گے۔ اس معمہ کا حل ایک ہمرزدہ لفافہ میں محفوظ ہے اور تمام حل اسی کے مطابق جانچے جائیں گے (۵) ایک سے زیادہ حل روانہ کئے جاسکتے ہیں۔ (۶) بلاوہ کے تمام حل ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء اور اضلاع و بیرون ممالک محروسہ کے حل ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ مطابق ۳ ستمبر تک دفتر حسن کار پر پہنچ جانا چاہئے (۷) اس سلسلہ میں ایڈیٹر کے نام کسی قسم کی خط و کتابت نہ ہونا چاہئے۔ (۸) ہر لفافہ پر معمہ ضرور لکھا جائے (۹) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ (۱۰) نام و پتہ صاف تحریر کیا جائے

(۹۰)

"معمہ حسابی"

ضروری ہدایات! ہر ایک کوپن کے ساتھ ۲ر کے ٹکٹ مفلائی روانہ کرنا لازمی ہے ورنہ حل جانچے نہ جائیں گے دو یا دو سے زیادہ کوپن کے لئے صرف تین آنے کے ٹکٹ بھیجے جائیں۔

گزشتہ حسابی معمے سے ناظرین نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا، اس لئے ان کی تفریح طبع کے لئے اس مرتبہ بھی ذیل میں ایک حسابی معمہ دیا گیا ہے۔ اس کو حل کرنے کے لئے اشارے دے گئے ہیں ایک حل کی تصدیق آپ خود حسابی عمل سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً نمبر ایک (۱) کے لئے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ مجلس کا رکن ہے اور مسجد اس کا گھر ہے صاف ظاہر ہے کہ اس کا حل ممبر ہے کیوں کہ اس کی جمع مندرجہ ذیل حروف تہجی کی قیمتوں سے ۷۸ آتی ہے جو نمبر (۱) کے محاذی درج ہے۔ اگر جمع صحیح نہ ہو تو سمجھ لیجئے حل غلط ہے اور دوسرے نام کی تلاش کرو جس کیطرف اشارے رہنمائی کرتے ہیں کوپن میں حسابی عمل لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اس کا نام لکھ دینا کافی ہے۔

کوپن

نمبر	حل	اشارے	قیمت
۱	ممبر	(۱) مجلس کا رکن اور مسجد اس کا گھر ہے۔	۷۸
۲		(۲) ایک زیور۔	۷۳
۳	بلور	(۳) یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا۔	۷۸
۴		(۴) ایک ہندوستانی پیراہن۔	۱۱۴
۵		(۵) ایک سواری۔	۹۷
۶		(۶) سردی میں آرام جان۔	
۷		محفل میں فردوس گوش	۹۰
۸	بلبل	ضرورت کی تکمیل۔	
۹		(۷) مشہور ہندوستانی مینا۔ (اداکارہ۔	۹۸
۱۰		(۸) یہ سامع نواز ہے اور سب کو پیارا ہے۔	۶۴
۱۱		(۹) ہندوستان کا ایک شہر	۱۳۱
۱۲		(۱۰) یہ پکائی جاتی ہے اور بولی بھی جاتی ہے۔	۸۳
نام	۸۸۴	(۱۱) یہ بجایا جاتا ہے اور جلایا جاتا ہے۔	۶۸
پتہ		(۱۲) یہ ایک پرندہ ہے اور اس کا نصف پھول ہے۔	۱۰۱

انعامات

پہلا انعام۔ چاندی کا عطردان۔ دوسرا انعام فونٹن پین تیسرا انعام ٹائیم پیس۔ (۴) انعام ٹائیم پیس۔

حروف تہجی کی قیمتیں حسب ذیل رکھی گئی ہیں

ا	=	۱	ذ	=	۱۳	ع	= ۲۴
ب	=	۲	ر	=	۱۴	غ	= ۲۵
پ	=	۳	ز	=	۱۵	ف	= ۲۶
ت	=	۴	س	=	۱۶	ق	= ۲۷
ٹ	=	۵	ش	=	۱۷	ک	= ۲۸
ث	=	۶	ص	=	۱۸	گ	= ۲۹
ج	=	۷	ض	=	۱۹	ل	= ۳۰
چ	=	۸	ط	=	۲۰	م	= ۳۱
ح	=	۹	ظ	=	۲۱	ن	= ۳۲
خ	=	۱۰	ع	=	۲۲	و	= ۳۳
د	=	۱۱	غ	=	۲۳	ی	= ۳۴
ڈ	=	۱۲					= ۳۵

(۹۰)

کہہ دو خضر سے چشمۂ ظلمات مل گیا، مردہ دلوں کو زندہ ظلمات مل گیا

تغیر پذیر صحت بخش اور امید بخش محلوں ڈھکا پور رہا ہے صرف شام، بغداد اور یورپ تک جس کی مانگ ہو رہی ہے ہومیوپیتھک ڈاکٹر ولیم آر اکلے چکیں کہ "زندہ ظلمات" فی الحقیقت ایک بہترین دوائی ہے علاوہ ہر جنرل ڈیلرز اینڈ پیٹنٹ ہومیوپیتھک کیمیکل بورڈ کی پاس شدہ مفرد ادویہ کے موسس و مدیر، ایسی مجرب اطمینان بخش و دوا کے خواص نقلی و دوا فروشوں کو آزمانا اپنی طرز جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے ہر ہفتہ طاعون بخار چیچک ہر قسم کے درد و سانپ بچھو کے زہریلے کیڑوں پر اپنا اثر دکھاتی ہے غیر موجودگی کے لیے ایجنٹ ہے، اسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔

خط و کتابت کا پتہ "زندہ ظلمات حیدرآباد دکن ٹیلیفون نمبر ۶۔

سفوف جواہر

حیدرآباد کی بہترین صحتی ایجاد

گرمی، شاخ پیشاب کی جلن، تخمیر معدہ و جگر، سوزاک، جریان، سیلان رحم، کمزوری رحم بیقاعدگی ایام، اسقاط قلب، ہر حادثہ واسقوف جواہر سے ہزاروں فائدہ اٹھا چکے ہیں ع پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

یہ اکسیر شفا دواخانہ نظامی حکیم میر یوسف حسین صاحب تجویز کردہ ہے قیمت بیشی اعلیٰ اعلاء محصول ڈاک

دواخانہ ابراہیمیہ روبرو گڈہ ال چوک حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیے۔



اس کیمرے کو آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اب ہماری دکان تشریف لاکر اور مختلف کیمرے اور سامان فوٹوگرافی بھی ملاحظہ فرمائیے ہر چیز ارزانی ہے قیمت میں کفایت

حیدرآباد فوٹو ورکس

روبرو گورنمنٹ اسکول چادرگھاٹ

انجمن ترقی ریڈیو کا ماہنامہ رسالہ

سائنس

گیارہ سال سے علم اور سائنس کی خدمت میں سرگرم ہے۔ اپنی طرز کا واحد علمی مجلہ ہے ہر ماہ اس پر سائنس کی ہر نوع کے سنجیدہ اور فلکفتہ مضامین کم و بیش ۵۰ صفحات میں پیش کرتا ہے۔ اپریل نمبر کے چند مضامین حسب ذیل ہیں:

انتخابی تحقیق پر مکالمہ، کیسین ہمارے بارے میں، ریڈیو کا چوتھا جشن، چند منٹ کے سکرتھ طلبار کے لئے۔

منجانب ایڈیٹر سائنس

ناظرین حسن کار سے

اکثر شکایتیں آرہی ہیں کہ حسن کار باوجود ٹپہ کے ذریعہ وانگ کے اسکے پہونچنے کے پہلے شائع ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ہر اس اخبار کیساتھ ہے جس میں کوئی نہ کوئی جاذبیت ہو۔ ہم ہزار کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ اسلیے ناظرین سے التماس ہے کہ اگر تاریخ اشاعت سے ایک ہفتے کے اندر اخبار نہ پہونچے ہم کو اطلاع دیں تاکہ ہم دوسرا روانہ کرسکیں۔ بلد میں بھی دور کے پرچے ہم بذریعہ ڈاک بھیجتے ہیں۔



دماغ وچشم دونوں کا تنہا محافظ

نظام ویجٹیبل ہیر آئیل

جو

سلطان العلوم شاہ دکن کی اجازت

سے

سربلند ہے۔ آپ بھی فائدہ اٹھائیے

ہر جنرل مرچنٹ سے ملسکتا ہے

قیمت (عہ) علاوہ محصول ڈاک

تیار کردہ دکن ہیر آئل کمپنی

حیدرآباد دکن

کرامپٹن لیمپس



Crompton LAMPS

FOR LASTING BRILLIANCE

بقعۂ نور۔ روشنی کا مرکز یعنے

کرامپٹن لیمپس

اپنی اعلیٰ روشنی کفایت۔

ارزانی اور خوشنمائی کی

وجہ سے تمام دنیا میں

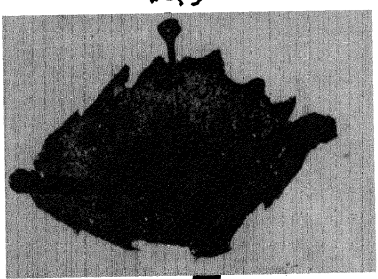
بلند ترین مانے جاچکے ہیں

باوجود ان خوبیوں کے برقی

طاقت میں کفایت

اس کی خاص خصوصیت ہے

کرامپٹن فینانس



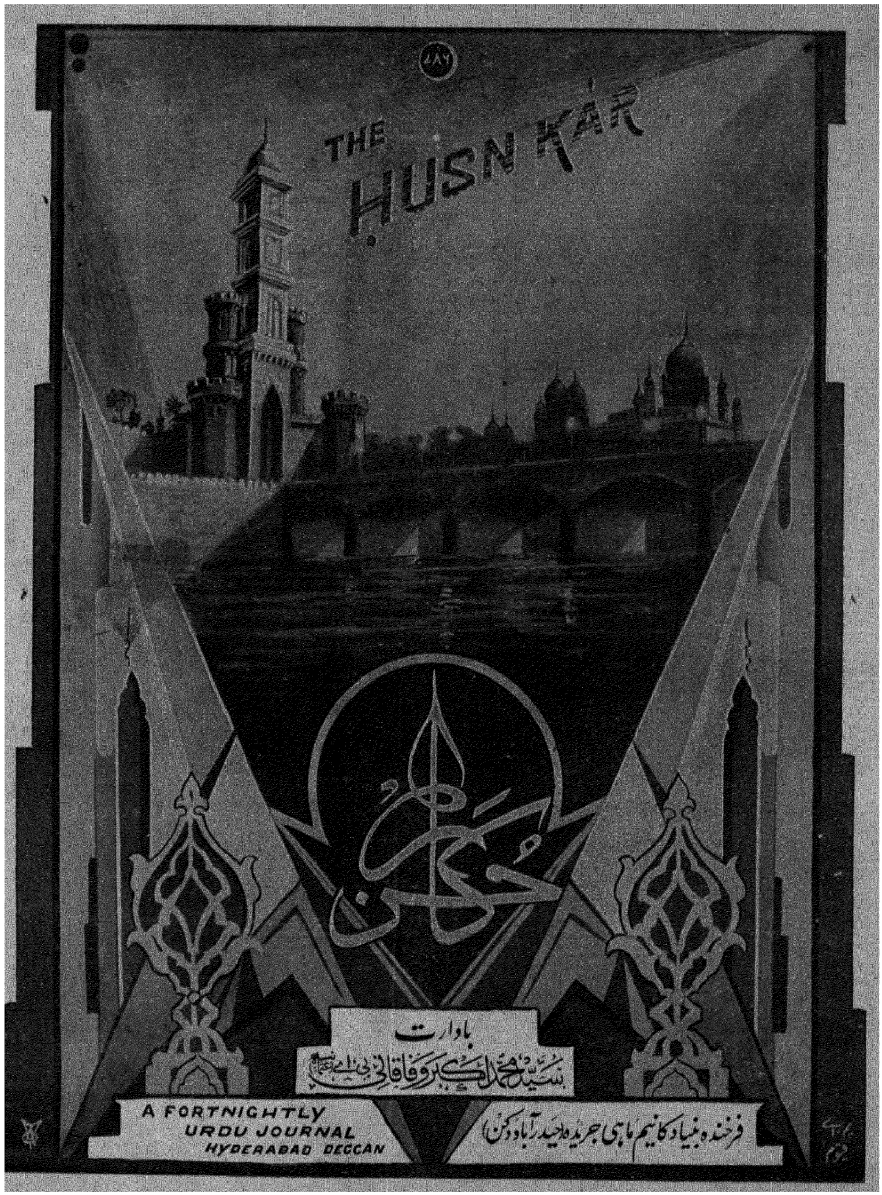
Crompton LAMPS

FOR LASTING BRILLIANCE

انٹرنیشنل جنرل اسٹور

روبرو گرامر اسکول چادر گھاٹ (حیدرآباد دکن)

رجسٹرڈ آصفیہ - نمبر ۱۱۹ (Registered No. M 2942.) یکم اون م ۶ ستمبر جلد ۱ شمارہ ۱



باہتمام - مقبول علی شریک مدیر و مہتمم حسن کار اعظم اسٹیم پریس میں طبع ہوکر دفتر حسن کارسٹرٹ افضل گنج روبرو گول پلہ سے شائع ہوا - اس رسالہ میں نیا "معمہ" ہے قیمت ۴ آنے

حیدرآباد میں حسن کا رمی کا مرکز

دکن کے مشہور ترین حسن کار مسٹر محمد عبدالقیوم کی رہبری میں بہترین سین بورڈ۔ پورٹریٹ۔ طباعت کی تصاویر اور تمام قسم کے کام نہایت بہتر اور مقابلتہً ارزان ہوتے ہیں

قیوم آرٹ ورکس

(روبرو ئے گول بنگلہ) حیدرآباد دکن

اپکی کتابیں کہان چھپتی ہیں ٹیپ انگریزی۔ اردو دیتھوا اور ہمہ قسم کی چھپائی کی آسانیان بہ صرف کثیر فراہم کیگئی ہیں۔ تاکہ حیدرآباد میں چھپائی کے کام کی شکایت نہ رہے **مقتن پریس** (اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن)

قدیم کتب کا خزانہ۔ اپکے قدیم کتب اور رسائل و اخبارات کی جلدین درکار ہیں تو کاشانہ بازیاد رکھیئے۔

کاشانہ بازبازارگھانسی حیدرآباد دکن

وسط یورپ کا خادم اپکے گھر میں





بہترین نمونے

جدید ترین طرز

باٹا

پیر کی زینت کا باشاہ

Bata

آگیا ہے۔ آگیا ہے آگیا ہے۔
براہ راست کارخانہ سے
اپکی خدمت میں





کفایت حسن خوش وضعی۔ آرام۔ اور پائداری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ باٹا جوتے ہی جو بچے بوڑھے جوان کھلاڑی سب کے پسند ہیں تمام دنیا اسکو پہنتی ہے اسلئے باٹا ارزان بکتا ہے

میر حسن ــــــ سول ڈیمیٹر بیوٹرس۔ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن ــــــ **اینڈ سنس**

"حسن کار" جلد نمبر

زلیخا ہیر آئل

استعمال کردہ دارالتجربہ سرکار عالی رجسٹرڈ نمبر ۲۲۹ سرکاری

کھنچ کے آتے کتنے رنگا رنگ خندان دیکھئے — بھر دیا ہے ایک غنچے میں گلستان دیکھئے
صرف ہم نے کردئے ہیں سب طبی امور اول — ہے طبیب حاذق و دانا شناخواں دیکھئے
حکم کہنگی ضرورت کیا ہے خوشبو مہکے گاہ — اور ہے خوش رنگ غنچے میں نمایاں دیکھئے
واضح نرالے ہے نافع دردِ سر کو ہے یہ تیل — اور بالوں کی سیاہی کا نگہباں دیکھئے
تیل اچھا ہو تو خوشبو سے رہے تازہ دماغ — دل کو راحت ہو تو کیوں خواب پریشاں دیکھئے
ہے کیلوں، طالبعلموں کا یہ تیل رفیق — راحت قلب اسکو کہتے ہیں سنحالاں دیکھئے
یوسف داغ گئے زلف پریشاں میں اسیر — ہیں زلیخا ہیر آئل کے یہ خواہاں دیکھئے
کہتے ہیں والیل نفیس مجلس کیا شان ہے — مصنف رنج کی قسم کھا کر مسلماں دیکھئے

دھوم ہے کیسی سمیع اللہ شفیع الاکی
آئیے ایجاد سے ان کی ہیں حیراں دیکھئے

قیمت فی شیشی چار اونس (۴) روپیہ
ہر جگہ ملتا ہے
زلیخا ہیر آئیل کمپنی مسجد افضل گنج حیدرآباد دکن۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	ہندوستانی ناطق فلم اور موسیقی۔	از جناب محمد عبدالقیوم خانصاحب باقی۔ ایم۔ اے (پیرس)	۳
۲	سلاطین بہمنیہ کی علمی و فنی سرپرستی۔	از جناب سید یوسف الدین صاحب بی۔ سی۔ ایس۔	۷
۳	فن طباعت۔	از جناب ا۔ ب (حیدرآبادی)	۹
۴	لیڈر۔	. . . . .	۱۲
۵	حدیث الیوم۔	. . . . .	۱۳
۶	بُزدل (افسانہ)۔	منشی پریم چند صاحب متعلم مدرسہ اسلامیہ	۱۴
۷	حیدرآباد کی مائیں۔	از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ (منشی فاضل)	۱۹
۸	معمہ۔	. . . . .	۳۶

یکم آبان ۱۳۴۲ف م ۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

نرخنامہ — چندہ . بلدہ . اضلاع

"محسن کار" — سالانہ ۸ر ۸ر لے
ششماہی ۴ر ۴ر ۴ر سے
گوزمنٹ سے منظور شدہ سکہ ثمانیہ — لے ہی ۱۲ر ۱۰ر ۸ر
(فی پرچہ ۴ر)

بچوں کا مستقبل

پارۂ عم

(معہ)

بچوں کی تفسیر

کی انقلاب آفریں تعلیم پر منحصر ہے

مجلد ہدیہ (۸/)

ہر کتب فروش سے ملسکتی ہے

ہندوستانی ناطق فلم اور موسیقی

از: محمد عبدالقیوم خاں باقی (ام۔اے)

اس سے قبل گرامفون اور موسیقی پر مضمون لکھتے ہوئے ہم نے بیان کیا تھا کہ ہندوستانی موسیقی کی ترویج اور اشاعت کے دو جدید اور اہم ذرائع گرامفون اور ناطق فلم ہیں۔ ناطق فلم کی اہمیت گرامفون سے زیادہ ہے، کیونکہ اس میں جنت نگاہ اور فردوس گوش دونوں قسم کی دلچسپیاں موجود ہیں جو گرامفون میں نہیں۔ جہاں تک فلمی نقادوں نے غور کیا ہے، ان کو فلم کی تجارت کا مستقبل تجارتی نقطہ نظر سے ہٹ کر تاریخی اور حسن کارانہ نقطہ نظر سے بھی شاندار نظر آرہا ہے۔ ہم انھیں میں سے ایک ہیں جو سینما کو آرٹ اور تاریخ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اگر اس سے زیادہ سلیقے کے ساتھ کام لیا جائے تو یہ دنیا کے محیر العقول کارناموں میں ایک غیر فانی یادگار ثابت ہوگا۔

ہندوستانی ناطق فلم پر آئے دن کوئی نہ کوئی تنقید ہوتی رہتی ہے، اور ناطق فلم کے علمبردار اس پر غور و خوض کر کے فلم میں اصلاحات کرتے جارہے ہیں لیکن موسیقی کی حد تک (جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے) میں نہ کوئی ایسی فنی تنقید نہیں دیکھی جس فلم اور موسیقی پر فن کارانہ روشنی ڈالی گئی ہو۔

موسیقی اور اسکے مواقع

"Music and its Setting"

ابتداً غور طلب امر یہ ہے کہ فلم میں موسیقی بجائے خود کوئی مستقل چیز نہیں جس طرح گرامفون میں ہے، بلکہ وہ موقع محل اور قصے کی تاثیر کے ہم آہنگ ہے، فلم میں جہاں اور جس طرح چاہیں گانا نہیں رکھا جاتا بلکہ ضرورت اور موقع کے اعتبار سے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستانی فلم ساز اکثر اس کا خیال نہیں رکھتے اور موسیقی کو پیش کرنے میں غیر مناسب احول کا ایک بدنما منظر پیش کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد گانا، پولیس کی حراست میں عین کسی قتل کے بعد ہیرو اور ہیروین کا الاپنا یقیناً بے محل ہے لیکن یہی منظر ہم اکثر فلموں میں دیکھتے ہیں۔ موسیقی کے لیے وقت کا تناسب ایک ضروری شئی ہے اور ہندوستانی موسیقی داں اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ ہندوستانی موسیقی میں وقت اور موسم کا تعین بطور خاص کیا گیا ہے، دن کے ۸ گھنٹے تین تین گھنٹوں میں تقسیم کر کے ہر تیسرے گھنٹے کے بعد راگنی بدل کر رکھی گئی ہے۔ رات کی راگنیاں الگ ہیں، دن کی الگ، صبح کی الگ ہیں، شام کی الگ۔ اسی طرح دوپہر شام کی ہیں۔ موسم برسات کی ہیں، سرما اور گرما کی ہیں۔ افسوس ہے کہ فلمی دنیا میں موجدان موسیقی کی اس حسن کارانہ ایجاد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور نہ اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جذبات انسانی کے لحاظ سے بھی راگ راگنیاں بنائی گئی ہیں۔ بعض راگ خوشی کے ہیں، بعض غم کے۔ بعضوں کے سننے سے امن و سکون حاصل ہوتا، بعض سے جوش اور نشاط۔ بعض راگ عشق کی دنیا کے چشم و چراغ ہیں۔ بعض وحی اجل کو لبیک کہتے ہیں۔ بعض کی فضا آسمانی ہے۔ انکے نغموں کی گونج ابر، آفتاب، چاند، ستاروں میں ہے، کہیں دیوتاؤں کے طلسماتی محلوں میں، بعض کشیف زندانوں اور غریبوں کی مفلسانہ زندگی کے کام آتے ہیں۔ اور بعض شادیوں کی محفلوں میں گائے بجائے جاتے ہیں۔ فن کے لحاظ سے ان میں تنوع اور وسعت بھی ہے۔ خیال، ٹپہ، ٹھمری، ترانہ، ترونٹ، چترنگ۔ غزل، کھیوا، دادرا کی چلتی ہوئی چیزیں، ناچ اور بھاؤ کی خوشنما گتیں، سیکڑوں قسم کے خوشنما اور دلفریب ساز، گانے بجانے کا کمال، ساز بجانے کی حسن کاری، ناچ اور بھاؤ کے حیرت انگیز کرشمے، دنیا کے موسیقی کی چند دلفریب ایجادیں اور خوش ادائیاں ہیں۔ اگر ناطق فلم میں ان سب کا استعمال خوبی اور سلیقے کے ساتھ کیا جائے تو اس سے نہ صرف فلم کی تاثیر اور اہمیت میں چار چاند لگیں گے بلکہ اس کے ذریعے ہندوستانی موسیقی کی وہ صحیح خدمت بھی ہوسکیگی جو ہر لحاظ سے اس کے شایان شان ہے۔

موسیقی کے برمحل کہلانے اور اعلیٰ موسیقی کی گنجائش نکالنے کا ذمہ دار بڑی حد تک فلم کا قصہ نویس بھی ہے۔ ہمارے فلمی قصے جدت، اپج، قومی خصائص سے معرا ہوتے ہیں۔ ان میں جدید احول سے عمیق تعلق اور جدید رجحانات کا تطابق نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر تاریخی ہوتے ہیں یا مذہبی۔ ان میں تقلیدی رنگ نمایاں ہوتا ہے، اور تنقیدی نظر رکھنے والی پبلک جو تعلیم کی بدولت روز افزوں ہو رہی ہے، مغربی تاثرات کی کم نظرانہ جھلکیاں صاف ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ سب سے بڑی کمی ایسے قصوں کی ہے جن کا تعلق براہ راست زندگی سے ہو اور ان میں زندگی کے بعض اہم مسائل کا حل پیش کیا گیا ہو۔ قصوں میں عمیق نفسیاتی جذبات نہیں، موجودہ دنیا کی ذہنی بیداری کے مظاہرے نہیں، کشمکش حیات کی تصویریں نہیں، اور جدید انسانی ایجادات اور کمالات کے حیرت انگیز مناظر نہیں۔ جذبات یا تو سطحی ہوتے ہیں یا روحانی، جہاں اخلاقی مسائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں آج سے تین سو برس کا تمدن پایا جاتا ہے، اور جس جگہ مسائل حیات کو منظر عام پر لایا جاتا ہے وہاں ان کا مایانہ رنگ دلوں پر اثر جمانے کی بجائے بے اطمینانی کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عمیق اور

جذباتی موسیقی بھی قصے میں داخل نہیں ہونے پاتی۔ مجبور، امنگ، دردوں کے بھنور، طوائفین کے مجرے یا ہیرو ہیروئن کے بعض مختصر گانوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ اگر قصہ موثر اور جذباتی ہو وہاں موسیقی کے شاہکار بھی پیش کئے جاسکتے ہیں، اور اگر قصے میں مواقع بھی رکھے جائیں تو صحیح موسیقی بھی اپنی جگہ حاصل کرسکتی ہے۔

ہندوستانی ناطق فلموں کی یکسانیت انہیں مظاہرۂ موسیقی کی یکرنگی ایک تکلیف دہ چیز ہے۔ ہمارے فلموں میں موسیقی پیش کرنے کے مواقع عموماً چار ہوتے ہیں ہیرو اور ہیروئن کا خوشی اور غم کے وقت گانا۔ بھجن، طوائفین کا مجرا کسی جماعت کا ملکر گانا مثلاً ڈاکوؤں کی کمین گاہ میں خدام کی خوش فعلیاں یا مُراد کے مکان پر نوکروں یا خانگی ملازم کی تنہا نغمہ سرائی۔ کبھی کبھی کسی فلم میں خاص مواقع پیش کئے جاتے ہیں مثلاً "نیک ابلا" میں دوستوں کا ہوٹل میں گانا، یا مسٹر ہادی کے بعض خوش مذاق نغمے جو ایک جانبک موقع اور محل کے اعتبار سے دل خوش کن ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مثالیں شاذ و نادر ہیں۔ ہر ناطق فلم میں موسیقی کے ان متذکرہ عام مواقع کا آنا، اور انھیں حالات کے تحت موسیقی کا پیش کیا جانا فلمی دنیا میں ایک عدم دلچسپی کی لہر دوڑا رہا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اسکی زیادہ تر ذمہ داری قصہ نویس ہی پر ہے

ہندوستانی فلم سازکمپنیوں کو بعض گانے والے اعلیٰ درجے کے مل گئے ہیں، لیکن بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ اُن سے صحیح کام لینے کا اصول ابھی انکے ہاتھ نہیں آیا ہے۔ اس کی اصل وجہ جیسا کہ ہم نے بیان کی ایک قصہ نویسوں کی کمی ہے دوسری وقت یہ ہے کہ فلمی دنیا میں گانے کے ساتھ اداکاری اور اس کے لیے جسمانی اور ذہنی موزونیت بھی ضروری ہے جو ہر گانے والے میں موجود نہیں ہوتی پڑھ دینا جیسا قوال جس کو گانے میں خاصہ کمال حاصل ہے کے ساتھ ہیرو کا پارٹ ادا کرکے ساری فلم کو بدنما بنا دیتا ہے۔ اگر اس کی خدمات حاصل کرنا ضروری تھا تو خلین غور و خوض کرکے اس کو پیش کرنے کے خاص مواقع پیدا کرسکتے تھے۔ مثلاً اس کو بجائے ہیرو بنانے کے کسی کا کوئی خادم یا دور کا رشتہ دار بنا دیا جاتا اور کسی غم کے موقع پر وہ گوہر کے ہاں آتا، وہ اُس سے فرمائش کرتی کہ دل بہلانے کے لیے وہ کوئی موزوں چیز چھیڑے اور وہ ایک دلسوز راگ گاکر ہیروئن اور ناظرین دونوں کو محظوظ کرتا۔

مختار بیگم حقیقتاً ایک اچھی اور حاوی ہوکر گانے والی اداکارہ ہے، لیکن اس کی بعض فلموں میں ہم نے محسوس کیا کہ اس سے بجائے خود اسکی یادگار دہ چیزیں گوالنے کے ایسے گانے گوائے گئے ہیں جو غالباً ڈرامے کے لیے مخصوص اور مشخص کردئے گئے تھے، اس کا نتیجہ ناظرین پر کوئی اچھا مترتب نہیں ہوا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے دوست احباب کے ساتھ صرف اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ مختار کی ایسی چیز جو دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت" والی غزل یا "پی بدیسی ہوگئے جیا مورا گھبرائے ہے" انداز میں پیش کی گئی ہوسننے میں آئیگی، لیکن مجھے سوائے اس کی "ستارہ تارہ" والی چیز کی جو غالباً ہجر میں ہے دوسرے گانوں میں اسیقدر دلگیر ہونا پڑا جتنا مجھے اشتیاق تھا۔ ایک دن کی بادشاہت" میں "نرگس" کا پارٹ "اُختری" نے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ یہ دلفریب اداکارہ بھی گانے میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ اس کے سُر و صحیح کے علاوہ اس کی آواز، گانے کا انداز اور تلفظ نہایت صاف اور دلکش ہے۔ تعجب ہے کہ اس حسین نغمہ سرا کو ابتک ہیروئن کے پارٹ سے ممتاز نہیں کیا گیا اور نہ اسکی خدمات اطمینان بخش طریقے پر حاصل کی گئی ہیں۔ ہمارے بعض فلموں میں ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ گانے کی تاثیر، ضرورت، اور کمال کی حد تک پبلک کے جذبات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ ہر وقت پبلک یہ چاہتی ہے کہ کسی مطرب خوشنوا کا گانا اور سنیں لیکن ڈرامے میں ایسا موقع آتا ہی نہیں۔ اور دل کی حسرت دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ مثلاً ڈاکو کی دلہن" میں ڈاکو کی کمین گاہ کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے اس میں دو سپاہی دیوار پر بیٹھے کراتنا اعلیٰ درجے کا گانا سُناتے ہیں کہ جی لوٹ جاتا ہے۔ اس گانے میں تانوں کی خوبصورتی اور "سم" پر اتنا دانہ انداز سے واپس آنا حقیقتاً کمال تھا، غالباً یہی وہ گویئے تھے جو "مادھوری" میں لانبی ٹوپیاں پہن کر مکان کے کمپونڈ میں نغمہ سرائی کر رہے تھے:۔ "سو بھاگیہ سندری" میں انھیں میں سے ایک نوجاگیر دار صاحب کا خادم بنایا گیا ہے، یہ بیچارہ اپنا کمال اپنے حلق میں دبائے ہوئے نوکر بن کر پھر رہا ہے۔ لیکن اس کو منھ کھولنے کا ایک موقع بھی نہیں دیا جاتا۔ پبلک اس نغمہ سرا کو دیکھ رہی ہے اور اس کا کوئی گانا نہ ہونے سے دل ہی دل میں رنجیدہ ہوکر خاموش ہو جارہی ہے۔ اسی ڈرامے میں باورچی یکتارے پر بڑی دلچسپ چیزیں گاتا ہے، لیکن ایک آرام کرسی پر دوسرے مکان کی دہلیز پر "بھابی جان" اور "جیٹ" صاحب کے آجانے سے اس بیچارے کا گانا ایک منٹ ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ ان سے ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فلم کمپنیوں میں نفسیاتی تجربے کی کمی ہے اور اس سقم کو بہت جلد فلمی دنیا سے دُور ہونا چاہیئے۔

اس جگہ فلم کے اس اہم مبحث پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم آئندہ قسط میں اس موضوع پر ایک مستقل مضمون ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

ڈرامے میں گانے والے اداکاروں کے مدارج ہوتے ہیں۔ اعلیٰ، متوسط اور کم۔ موسیقانہ نقطۂ نظر سے اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فلم میں ان کے گانے کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اعلیٰ درجے کے گانے کا منظر ختم ہوتے ہی دوسرے منظر میں بیک وقت دوسرے اداکار کا گانا شروع کر دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس بے ربطی سے پہلے اور دوسرے گانے دونوں کے اثرات سے مخلوط اور خراب ہو جاتے ہیں۔ اچھے گانے کے ساتھ ہی دوسرے منظر میں گھسٹا درجے کا گانا کبھی پیش نہ ہونا چاہیئے۔ یہ ایک فن کارانہ عیب ہے۔

اداکار اپنے دکھاؤ اور اداکاری میں کامل ہے۔ قصے میں اس کی شخصیت اہم ہے، لیکن اس کو گانے سے زیادہ تعلق نہیں، ایسی صورت میں اس کو خواہ مخواہ گوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خراب گانے سے اس کی اہمیت اور خوشنمائی پر کلنگ کا ٹیکہ لگ جاتا ہے اور پبلک کے دل میں ایک مرغوب شئی کے خلاف تنفر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ فلم میں محض گانے کی بھرمار یا خواہ مخواہ گانا ٹھونسنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جہاں پلاٹ کا اہم ترین حصہ موثر طریقے پر چل رہا ہو وہاں گانا ٹھونس کر قصے کی تاثیر اور اس کی اندرونی لہروں کو منتشر کر دینا صریح غلطی ہے، اسی طرح جہاں گانے کی ضرورت ہے وہاں گانا نہ پیش کرنا یہ بھی ایک عیب ہے۔ اگر ہر وقت اچھا گانے والا نہ مل سکے تو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ فلم کے منظر ہی میں کوئی اعلیٰ قسم کا گراموفون ریکارڈ لگایا جا سکتا ہے۔ (یہ سین غالباً اب تک کسی ڈرامے میں پیش نہیں کیا گیا)۔ اس ریکارڈ سے گانے والے اداکار نہ ملنے کی تلافی ہو جاتی ہے۔

ہم نے اس سے پیشتر لکھا کہ گانا اور اداکاری فلم کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ اس سماظ سے ہم کو اداکاری پر بھی چند سطور لکھنا ضروری ہے۔ فلم میں اداکار کو گواتے ہوئے اس کی سنجیدگی، متانت، دکھاؤ اور چہرے کی خوب صورتی پر حسن کارانہ نظر رکھنا ضروری ہے۔ خود علم موسیقی میں گانے بجانے کے آداب تفصیل سے مندرج ہیں۔ اگر ان پر عمل ہو تو اداکاری کے سماظ سے اس کا خیال رکھنا لازم ہے۔ عورتیں جب فلم میں گاتی ہیں تو ضرورت سے زیادہ شکتی، ناک بھوں چڑھاتی اور گردن ہلاتی ہیں۔ مرد گاتے ہوئے بے ترکیب سر ہلاتے، منہ گھماتے، ہاتھ بڑھاتے اور غیر طبعی حرکتیں کرتے ہیں خصوصاً ہیرو کیا مرد کی آنکھوں کے لیے یہ منظر کسی طرح دلخوش نہیں، اور نہ پبلک کے لیے مخلوظ کن ہے۔ اسی طرح کسی مجرے والے سین میں سازندوں کو ہدایت دینی چاہیئے کہ وہ "گمت کے بڈھوں" کی طرح چھچھوری حرکتیں نہ کریں اور ضرورت سے زیادہ کندھے اور سر ہلا کر اداکاری پر بدنمائی کا داغ نہ لگائیں۔ اکثر اوقات رقص و سرود کی محفلوں میں سامعین کو "لفاکیوتہ" کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ انتہا درجے غرور و تکبر، طرزنشست میں اکیٹھیں اور بناؤ۔ بانکے شیلے، پڑھی ہوئی مونچھیں، ابھرا ہوا سینہ، خاری آنکھیں وغیرہ۔ اس کے برخلاف اسی محفل میں بعض ارکان قبر کے مردوں کی طرح پوست و استخواں اور مریل ٹٹو کی طرح ٹٹرّوں ٹون ہوتے ہیں۔ (خصوصاً پولس من، پہرہ دار، فوجی سپاہی) جب محفل رقص و سرود شروع ہوتی ہے تو بادشاہ سے لیکر وزیر، مصاحب، خادم تک گھڑیال کی لاٹ کی طرح سر ہلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، باچھیں کھلی ہوئیں، سر ہلتے ہوئے، آنکھوں میں بدنظری، لبوں میں شہوت کا خمار، نمایاں، تالیاں بجا کر، پاؤں ٹپک کر، سر ہلا کر ایسی بک اور سوقیانہ حرکتوں کے ساتھ مظہر بہ کی تعریف کرتے ہیں کہ سنجیدہ مزاج ناظرین کو مجبوراً فلم کی طرف سے منہ پھیر لینا پڑتا ہے۔ رقص و سرود کی اکثر محفلوں میں چھچھورے پن کا منظر پیش کیا جاتا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ جس طرح رقاصہ اور گائن کو آداب موسیقی کے تحت کیا مرو کے سامنے رکھا جا رہا ہے، اسی طرح محفل کی نوعیت کے سماظ سے حاضرین محفل کو بھی اس کے ہم آہنگ پیش کرنا چاہیے۔ جماعت کے اندر حسب موقع ان کی حرکتوں کو پیش کرنا ضروری ہے ورنہ عام طور پر یہی خیال ہوتا ہے کہ ہندوستانی کی ساری آبادی نادیدی، سبک اور سوقیانہ مزاج ہے۔

ابتک ہم نے موسیقی، اس کے موقع محل ترتیب اور تعین سے بحث کی، اب ہم اس کی فنی تنقید کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

موسیقی اور اسکی فنی کمزوریاں

"Music and its Scientific limitations"

ہندوستانی ناطق فلم میں گانے اور گانا۔ | یا تو اعلیٰ ترین ہوتے ہیں یا ادنیٰ ترین ہوتے ہیں۔

ناطق فلم پر اداکاری کی طرح گانے میں بھی اسٹیج اور ناٹک کا اثر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ گانے کی طرز، انداز اور زبان عموماً ناٹک کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجے کی ٹھمریاں، خیال اور ترانے اصولی تنوع اور وسعت کے ساتھ کبھی پیش نہیں کئے جاتے۔ اس کی بڑی وجہ فلم سازوں کے نزدیک یہ ہے کہ عوام اس سے لطف اندوز ہوں اور انھیں کی پسندیدگی کی بدولت فلم کامیاب ہو اور خوب آمدنی بہم پہنچائے۔ لفظ "عوام" کو اہمیت دینا اور اس کو قطعاً غلط مفہوم قرار دینا ہمارے لیے نہایت تکلیف دہ ہے۔ عوام سے مراد بھولا لینا، اور انھیں کے مذاق پر فلم سازی کی صنعت کو ترقی دینا کسی طرح پسند یدہ نہیں

بقیہ ہو صفحہ ۲۷

سلاطین بہمنیہ کی علمی و فنی سرپرستی

(۲)

از یوسف الدین (ایچ۔ سی۔ ایس)

فن سپاہ گری۔ مجاہد شاہ کا عہد حکومت جس فن کی سرپرستی کے لیے خاص طور پر یاد کیا جاتا ہے وہ فن سپاہ گری ہے۔ سلطان بذات خود اس فن کا ماہر کامل تھا۔ تیر اندازی، شمشیر زنی اور چوگان بازی میں آپ اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ مولف بہمنی نامہ نے انکی سپاہ گری کی مہارت کے متعلق لکھا ہے:۔

زگہوارہ و چوں پائے بیروں نہاد
بہ تیر و کماں دست و بازو کشاد

جیسا خود بہادر تھا ویسا ہی دوسرے بہادروں کی قدر کرتا تھا۔ اس دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلاوران بلاد و امصار و بہادران عرب و عجم اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے، اور ہر وقت آلات حرب اور ان کے استعمال کا تذکرہ رہتا تھا۔ سپاہ گری کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام تھا، شہر میں متعدد تعلیم خانے قائم تھے، جہاں رعایا کے بچوں کو فن سپاہ گری کے اصول بتلائے جاتے تھے۔ بادشاہ اس تعلیم یافتہ سپاہ کو اس کی استعداد کے لحاظ سے مناسب عہدوں پر مامور کرتا تھا۔

ایک نرے سپاہی سے علم کی سرپرستی کی تو قع کم کیجا سکتی ہے۔ مگر مجاہد شاہ تعلیم و تکریم کیا کرتا تھا، اہم معاملات میں ان کے مشورہ پر عمل کرتا تھا۔ مشائخین کی عزت کرتا تھا، شیخ زین الدین بیجاپوری کا مرید تھا۔ مجاہد شاہ پانچ سال حکومت کرنے نہ پایا تھا کہ اس کے چچا داؤد خاں نے اسے سوتے میں ۱۷ امرذیحجہ ۷۷۹ھ کو شہید کر ڈالا۔ اسکے بعد وہ خود داؤد شاہ کے لقب سے تخت نشیں ہوا لیکن وہ ہفتہ کے اندر ۲۱ محرم ۷۸۰ھ میں قتل کر دیا گیا۔ مدت حکومت کی کمی کے سبب اپنا کوئی کارنامہ یادگار نہ چھوڑا، اس کے بعد سلطان علاؤ الدین حسن کا چھوٹا لڑکا محمود شاہ تخت نشیں ہوا۔

سلطان محمود شاہ

سلطان محمود شاہ علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے قدیم مدارس میں اضافہ کیا، اور ان جدید مدارس کے مصارف کے لیے چند گاؤں مقرر کر دیئے۔ اس نے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں واعظین و محدثین مقرر کئے کہ اہل اسلام کو دینی مسائل کی تعلیم دیں۔

مشائخین کی تعلیم و تکریم کی کیفیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ حضرت شیخ سراج کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا، حضرت جب بیمار ہوئے تو کئی مرتبہ آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ ان کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو افسوس کا اظہار کیا۔ تین دن تک کچہریوں میں تعطیل کر دی۔ سوم کے روز فاتحہ میں خود شریک ہوا اور فقراء و مساکین میں خیرات تقسیم کی۔

سلطان سخن داں اور سخن فہم تھا، دور دراز ملکوں سے علمائے دہر اور فضلائے دہر اکثر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ محمود شاہ نے میر فضل اللہ انجو کو جس کی قابلیت مسلم تھی ہدیۂ صداقت دیا تھا۔

خواجہ حافظ شیرازی کو دکن آنے کی دعوت۔ محمود شاہ نے خواجہ حافظ کو دکن آنے کی دعوت دی تھی اور ان کو اخراجات سفر کے لیے رقم روانہ کر دی۔ خواجہ حافظ اپنے قرضے کو ادا کر کے اور اپنے متعلقین کو اخراجات خورد و نوش کے لیے کچھ دیکر دکن کے ارادہ سے روانہ ہوئے لاہور تک پہونچے تھے کہ ان کا ایک دوست جس کو چوروں نے لوٹ لیا تھا ملا، ان کے پاس جو کچھ روپیہ تھا اس دوست کے حوالہ کیا، ان کے پاس زاد راہ کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا، لیکن ایک مالدار تاجر نے ان کو بندرگاہ ہرمز تک پہونچا دیا۔ یہاں سے خواجہ حافظ محمد شاہی کشتی میں جو ان کے لینے کے لیے بندرگاہ ہرمز پر آئی ہوئی تھی بیٹھے، سمندر میں تلاطم پیدا ہوا، یہ پہلا موقعہ تھا کہ خواجہ نے کبھی سمندر کی صورت دیکھی اور کشتی میں سفر کیا ہو اس لیے موجوں کے اٹھنے سے وہ خائف ہوتے، اور بہانہ کر کے واپس چلے گئے۔ اور ذیل کی غزل لکھکر سلطان کی خدمت میں روانہ کی۔

دمی با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمی بفروش و خلق انگبیں تلخی نمی ارزد
بجوی میفروشانش بجامی بتیغ کمر بندند
زمی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ نیم جاں در دو عالم ست
کلاہ و دلکشی ست ابا بدو سر نمی ارزد
تعیم منزلش باکرد کہ ایں خاک درگذر
چہ افتادایں سرا را کہ خاک و تلخی ارزد
ترآں بہ کہ نشینم و زمستانان ہوشانی
کہ سودائے جہاندارے غم لشکر نمی ارزد
بشوایں نفس تلخی کہ دریا زار میرنگی
بنعمتہائے گوناگوں شتی احمری ارزد

بس آسماں کہ ہمہ داغم دریا بہوئے زد
غلط گفتم کہ بر تشنش بصد گو ہر نمی ارزد

بر گنج قناعت بچہ رنج عافیت منش
کہ یکدم تنگدل بودن بہ بحر و بر نمی ارزد
چو حافظ در قناعت کوش از دنیائے دوں کانجا
کہ یک جو منت دونان بصد من زر نمی ارزد

اس غزل میں خواجہ صاحب نے لطیف پیرایہ اور موزوں انداز میں اپنے دکن نہ آنیکی وجہ بتلائی ہے، اور اس کے ساتھ ہی حسن طلب کی بھی داد دی ہے جب یہ غزل گلبرگہ پہونچی تو محمود شاہ نے محمد قاسم مشہدی کے ذریعہ ہزار تنکہ طلائی جس کے ساتھ سے چار ہزار روپیے ہوتے ہیں خواجہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اس علم دوست بادشاہ نے یکم رجب ۸۲۵ھ کو بعارضہ تپ دق انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کے دو فرزند غیاث الدین اور شمس الدین تخت نشین کئے گئے۔ لیکن ایک سال کے اندر ہی تخت سے علیحدہ کر دئے گئے۔ ان کا عہد ہمارے مضمون کے موضوع کے لحاظ سے قابل ذکر نہیں۔ شمس الدین کے بعد فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔

سلطان فیروز شاہ

فیروز شاہ داؤد شاہ کا فرزند تھا، اس کے قتل کر دئے جانے کے سبب فیروز شاہ کی تعلیم محمود شاہ کے زیر نگرانی ہوئی، محمود شاہ نے اس کی تعلیم و تربیت میں بڑی توجہ سے کام کیا، فضل اللہ انجو جو علائے نقتازانی کے شاگرد تھے، ان کو اس کا استاد مقرر کیا۔ اسکو فنون سپاہ گری میں بھی باضابطہ تعلیم دلائی گئی تھی۔ سلطان متعدد زبانیں جانتا تھا۔ عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ بعض ملکی زبانوں مثلاً تلنگی، مرہٹی نے بھی کماحقہ واقف تھا۔ علماء و شعراء اس کے صحبت کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ علماء و شعراء اس کے دربار میں ہمیشہ موجود رہا کرتے تھے۔ اس سلطان کو اہل کمال کی ملاقات کی آرزو رہتی تھی۔ دیگر ممالک کے عجائب و غرائب دیکھنے کا اس قدر شوق تھا کہ جہاز بندرگاہ گوا و ایل سے ہر سال روانہ کرتا تھا تاکہ وہ اہل فضل و ہنر کو دکن میں لا پہونچائیں۔ ملا داؤد بیدری نے تاریخ تحفۃ السلاطین اسی سلطان کے نام پر لکھی تھی۔

فیروز شاہ ہر روز علماء و شعراء کی مجلس خاص مقرر کرتا تھا۔ بادشاہ حاضرین مجلس سے مساویانہ برتاؤ کرتا، جب علماء تکلف کو کام میں لائے تو بادشاہ ان سے کہتا "عجب میں ایوان حکومت میں جلوس کرتا تو اس وقت بادشاہی شان میں رہتا ہوں، مجبوراً مجھے رعایا کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کرنا پڑتا ہے کہ انتظام سلطنت میں خلل نہ آنے پائے، لیکن اس خاص مجلس میں اپنے آپ کو سب کے برابر سمجھتا ہوں، یہ مجلس بعض اوقات دو دو بجے رات تک رہتی تھی۔ کسی رات صحبت ایسی چھڑ جاتی کہ صبح ہو جاتی تھی۔ بادشاہ کے اس علم و فن کی سرپرستی کی خبر سنکر علماء و صاحبان کمال دار السلطنت گلبرگہ میں جمع ہو گئے تھے۔

فیروز شاہ کی قابلیت

ملا محمد داؤد بیدری نے اپنی تاریخ تحفۃ السلاطین میں فیروز شاہ کی قابلیت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علوم معقول و منقول میں ماہر تھا۔ فقہ۔ تفسیر۔ اصول حکمت طبعی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ تصوف سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ ہفتہ میں تین روز شنبہ۔ دوشنبہ۔ چہارشنبہ کو طالبعلموں کو رات میں پڑھایا کرتا تھا۔ اگر کوئی طالبعلم کسی مسئلہ پر اعتراض کرتا تو بادشاہ اس کو اس طرح تفہیم کرتا تھا کہ پھر کوئی شبہ اس طالبعلم کو اس مسئلہ کے متعلق باقی نہ رہتا تھا۔ اسی مورخ نے فیروز شاہ کو سلطان محمد تغلق "عجائب روزگار" سے بھی زیادہ قابل و لائق بتلایا ہے۔

کتب کی فراہمی۔

تعلیم اور کتب خانہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کی موجودگی اور دوسرے کا فقدان بقول مرنا غالب "گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا" ہے۔ فیروز شاہ پر یہ حقیقت ظاہر تھی کہ تعلیم کے لیے کتب خانہ کا قیام ضروری ہے۔ اسی لیے سلطان نے دور دراز ملکوں سے نادر کتابیں خرید کر منگوائی تھیں۔ کتب خانہ اگرچہ تعداد کتب کے لحاظ سے زیادہ وسیع نہ تھا، لیکن ندرت کتب کے سبب قابل قدر تھا۔ اس میں ہر علم و فن کے متعلق کتابیں موجود تھیں۔ اس کتب خانہ میں ایک قرآن مجید خاص دست مبارک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا لکھا ہوا موجود تھا۔

تحقیق مذہب اور مجلس مناظرہ۔

بادشاہ کو مذاہب کی تحقیقات کا بڑا شوق تھا، ہر مذہب کے علماء اس کے دربار میں جمع تھے مختلف مذاہب کی مقدس کتابیں مثلاً توریت۔ انجیل۔ زبور استاد اس کے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔ بادشاہ ان مذاہب کے علماء سے مباحثہ کیا کرتا تھا۔

فیروز شاہ علمی مباحثہ کے لیے ایک خاص مجلس پنجشنبہ کی شب کو مقرر کرتا تھا جس میں کسی خاص علم یا فن کے متعلق بحث کیجاتی تھی۔ بادشاہ بھی اس مجلس میں عملی طور پر حصہ لیتا تھا۔ اس تحقیق مذاہب و مجلس مناظرہ کے حالات پڑھکر ہمیں مابعد زمانہ کے ایک شہنشاہ مجالس مناظرہ اور عبادت خانہ کے جلسے یاد آتے ہیں۔ گران دونوں میں اتنا فرق ہے کہ اول الذکر بادشاہ اس میں عملی طور پر حصہ لیا کرتا تھا۔ اسکے برعکس ثانی الذکر شہنشاہ کی نسبت کم و بیش ایک حاضر جلسہ کی سی ہوتی تھی۔ اور بحث و مباحثہ کرنے والے دوسرے ہی اشخاص ہوا کرتے تھے۔

رصدخانہ کی تعمیر۔

فیروز شاہ علم ہیئت سے خاص شغف رکھتا تھا، اس نے دولت آباد میں مولانا لطف اللہ سبزواری۔ مولانا سید محمد گاوزنی حکیم عین گیلانی۔ اور ملا محمد اسحٰق سرہندی، کے زیر نگرانی ۸۰۰ھ میں تعمیر کروانا شروع کیا تھا۔ گرچند ناگزیر اسباب کی بنا پر یہ رصدخانہ تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔

(باقی آئندہ)

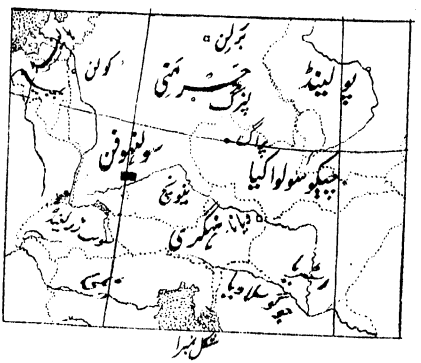
فن طباعت

یعنی

فن لیتھوگرافی

از۔ وب۔ حیدرآبادی

لیتھوگرافی پتھر کی کانیں متعدد جگہوں پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے سولنہوفن کی کانوں کا ذکر سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ لیتھوگرافک پتھر میں زیادہ تر (تقریباً ۷۵ فیصدی) اس کیمیکل کاربونیٹ شامل ہے۔ اسکی چٹان مورق ہوتی ہے۔ اور زیادہ تر یہ پتھر ہر جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ دریا کے ایک چھوٹے سے ضلع میں پایا جاتا ہے۔ اس ضلع میں اس قسم کی پتھر کی چٹانیں اکثر جگہ موجود ہیں۔ اس ضلع کا مرکزی مقام سولنہوفن ہے جو میونخ کے شمال مشرق میں تقریباً (۶۰) میل پر واقع ہے۔ اور وہ دریائے ڈانوبی سے تقریباً ۱۰ میل ہٹ کے



شکل ۱

جس وقت چٹان سے اسکو حاصل کیا جاتا ہے تو اسکی سطح ہموار کرنے کیلئے اسی ندی کی ریت استعمال کیجاتی ہے۔ اس پتھر کی بہت ہی گہری ہوئی اور یکساں بناوٹ ہے یہ سخت ہوتا ہے لیکن آسانی سے رنج جاتا ہے۔ یہ مختلف رنگوں میں پایا جاتا ہے جن میں سے بلو (نیلا)۔ بلوگرے (نیلا سرمئی) پیلو (زرد) اور پیلو لف (ہلکا زرد) قابل ذکر ہیں اگرچہ سخت ہوتا ہے لیکن یہ سہولت سے مختلف سائزوں میں کاٹ لیا جاتا ہے۔

سنگ لیتھوفن کی بناوٹ ـــــ شکل ۱

میں سنٹرل یورپ کا نقشہ بنایا گیا ہے جسمیں جلی حرف میں۔ سولنہوفن کیجائے وقوع بتائی گئی ہے۔

اس امر کا جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کس طرح اسکی حیرت انگیز قیمتی چٹان اس مقام میں پیدا ہو گئی ماہرین طبقات الارض کا خیال ہے کہ اس چٹان کا پتھر کوہ جیورا (جو فرانس اور سوئیٹ زرلینڈ کی سرحد پر واقع ہے) کے قسم کے پتھروں میں سے ہے۔ چنانچہ ماہرین طبقات الارض نے اس زمانہ کا نام جس زمانہ میں یہ چٹان وجود میں آئی ہوگی جیورا زرد کہا ہے۔ اس قسم کا پتھر کوئلہ کے بعد وجود میں آیا لیکن چمارے (انسان کے) وجود سے بہت پہلے موجود تھا۔

شکل ۲ میں ایک سرسری خاکہ طبقہ ارض کا دیا گیا ہے جسمیں اسکی بناوٹ کا مقام بھی بتایا گیا ہے۔

جس طبقہ میں جرمنی کا لیتھوگرافک پتھر اسوقت پایا جاتا ہے وہ انسان سے کروڑوں برس پہلے موجود تھا اور اس پر سمندر۔ بڑی بڑی خلیجیں یا دریا۔ موج زن تھے۔ یہ دریا متعدد نباتات۔ اور جمادات وغیرہ اپنے پانی کے ساتھ بہا لیجا کر ایک جگہ اکٹھا کرتے رہے۔ جو ڈوبن اور کثافت کے لحاظ سے تہ پر تہ جما ہوتے گئے۔ اس طرح جیسے کہ ایک ربڑ بوتل میں پانی بھر کر اسمیں تھوڑی سی مٹی ڈالدیجائے اور خوب ہلا کر کچھ عرصے کیلئے اسکو حالت سکون میں رکھا رہنے دیا جائے تو جو مٹی اسمیں ملائی گئی ہے وہ تہ پر تہ نیچے بیٹھ جائیگی اور تھوڑے عرصے میں پانی بالکل شفاف ہوجائے گا۔

اس طبقہ پر انسان عالم وجود میں آیا جو اسوقت موجود ہے۔	کوارٹرنری
پلائیوسین سسٹم	
اس طبقہ میں کوہ آلپس پیدا ہوا۔	ٹرشیری (کینوزوائک)
مایوسین سسٹم	
اس طبقہ میں لندن کی مٹی تیار ہوئی	
اس زمانہ میں سولنہوفن کا پتھر۔ چونے کا پتھر۔ لیتھواسٹون۔ اور سب سے قدیم پرندہ آرکیوپٹرکس پایا جاتا تھا	سکنڈری (میسوزوائک)
اس زمانہ میں سرخ مٹی پائی جاتی تھی	
اس زمانہ میں کوئلہ پیدا	
اس زمانہ میں سب سے قدیم مچھلی پائی جاتی تھی۔	پرائمری
شمالی ولیز کے اسٹلاگ کی زمین موجود تھی۔	(پیلیوزوائک)
اس زمانہ میں سب سے قدیم برطانیہ کی چٹانیں موجود تھیں لیڈیٹ (میں) جو آبی زیر آب ہیں۔	آرچین

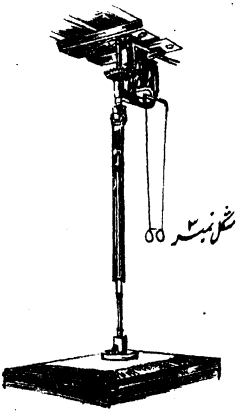
اب اگر مٹی کی ان تہوں کو دیکھا جائے تو سب سے نیچے تہ میں وزنی اور موٹے ذرات پائے جائینگے اور اس کے اوپر کی تہ میں ان ذرات سے چھوٹے اور ہلکے ذرات ملینگے۔ اسی طرح تدریج سب سے اوپر والی سطح پر نہایت ہلکے ذرات موجود ہونگے بالکل اسی طرح اس ارضی طبقہ کا بھی عمل ہوگا

ماہرین طبقات الارض نے اندازہ لگایا ہے کہ ہر ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) پونڈ پانی میں جو معدنیات و مرکبات موجود ہوتے ہیں ان میں سے گیارہ پونڈ لائم کاربونیٹ ہوتا ہے۔ جو تل چھٹ کے طور پر نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ اور ایک طویل عرصے کے بعد اسکی ایک بہت بڑی مقدار تہ بہ تہ جمع ہو جاتی ہے تو سب سے نیچے کی تہ دباؤ اور وزن کی وجہ سے مضبوط اور سخت ہو جاتی ہے اور اسطرح یہی ذرات باہم پیوست ہو کر ایک مستقل حجری طبقہ بن جاتا ہے۔

سنگ لیتھو کی قسمیں - یا دوسرے لفظوں میں یہ پتھر اسپین جرمنی۔ اٹلی۔ امریکہ اور انگلستان (بتہام سمرسٹ شائر) میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اسکی مقدار کہیں زیادہ اور کہیں کم ہے یا دیر یا میں اسکی متعدد کانیں ہیں اور بکثرت دستیاب ہوتا ہے لیکن باوجود اسکے مختلف رنگوں میں پایا جاتا ہے سب سے عمدہ پتھر ہلکے زرد ی مائل رنگ کا ہوتا ہے۔ جو چاک اور دیگر فلزات سے آزاد رہتا ہے۔ اس کے بعد ہلکے سرمئی رنگ کا پتھر ہے۔ جو اس سے سخت ہوتا ہے اس پتھر کو امریکہ کے لیتھوگرافر بہت پسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ اسپر بہت جلد کام کیا جا سکتا ہے اور چونکہ امریکہ میں پتھر کو کھود کر طبع کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ پتھر اپنی سختی کی وجہ سے اسکے کام میں بہت سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ انگلستان میں بھی اکثر اسٹون پر زنکگ کا یہی طریقہ پسند کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قسم کے پتھر کی مقدار بہت کم پائی جاتی ہے اس لئے یہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔

لیتھو کی کان سے اس پتھر کی چھوٹی چھوٹی سلیں یا ٹکڑے نکالے جاتے ہیں جنکی موٹائی زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ انچ ہوتی ہے اس ٹکڑے کے اوپر ایک قسم کی کمزور تہ چڑھی رہتی ہے اس تہ کو چھیل کر نکالدیا جاتا ہے اور جب دلخواہ موٹائی قایم کر لی جاتی ہے۔

پتلے پتھر کو جوڑنا | بعض وقت عمدہ قسم کے پتھر کے ٹکڑے کو بجائے ناقابل کار کر دینے کے کارآمد بنانے کیلئے اس قسم کے معمولی پتھر کے ساتھ تہ بر تہ جوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ دونوں کی مجموعی موٹائی قابل کارآمد ہو سکے۔ اور طباعت کیلئے صرف عمدہ قسم کے پتھر کی سطح خانہ کام میں لی جاتی ہے۔ ان کو جوڑنے کے لئے تختے اوپر رکھکر ریت اور پانی سے گھستے ہیں یہاں تک کہ دونوں کی سطح یکساں ہو جائے۔ اس کے بعد پسی ہوئی ریت کو پانی سے دھوکر ہر ایک پتھر کی سطح کو صاف کر لیتے ہیں۔ اور جب فضل مصالحہ کے ذریعہ ان دونوں کو جوڑ دیتے ہیں۔



شکل نمبر ۲



شکل نمبر ۴

لیتے ہیں اور اس لئی میں (۲ حصہ) روغن السی ملا کر صاف شدہ پتھروں میں سے کسی ایک پتھر کی مسطح مصفا اور خشک سطح پر اس مصالحہ کو لگا کر اسکے اوپر دوسرا پتھر اس طرح رکھتے ہیں کہ خشک سطح مصالحہ سے پیوسطہ رہے۔ گویا دونوں پتھروں کی مسطح مصفا اور خشک سطحوں کے درمیان مصالحہ موجود رہتا ہے۔ جوڑے دونوں یہ مصالحہ بالکل خشک ہوتا جاتا ہے اور پتھر قابل کار ہو جاتا ہے

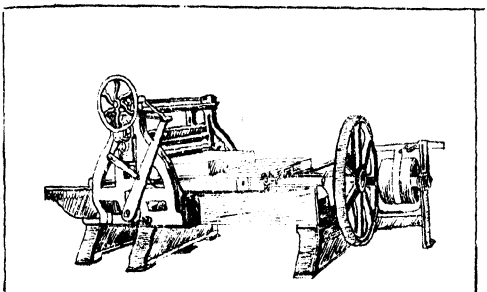
پتھر کو قابل طباعت بنانا | جس وقت کان سے پتھر برآمد کیا جاتا ہے تو اسکی سطح ناہموار ہوتی ہے۔ اسلئے دو مساوی حجم اور پیمائش کے پتھروں کو دریائے ڈنوبی کی ریت اور پانی سے تلے اوپر رکھکر گھسا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پیہم کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ لیکن اجکل برقی مشین کے ذریعہ پتھر کو مسطح کیا جاتا ہے لیکن یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ پتھر کی موٹائی بھی ہموار رہے۔

ہموار موٹائی کے فوائد | اگر پتھر کی موٹائی ہموار نہ ہوگی تو مشین میں کسنے کے بعد دباؤ پڑتے ہی ٹوٹ جائے گا۔ کان سے جسوقت۔ پتھر نکالا جاتا ہے تو کیسقدر۔ اسکی موٹائی ہموار کر لی جاتی ہے لیکن مطبع میں پہنچنے کے بعد اگر پتھر بالکل نیا ہے تو اسکی موٹائی کو بھی ہموار کر لینا چاہئے۔ ورنہ پتھر کے ٹوٹنے سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

(چاک (۱ حصہ)۔ ریت (۲ حصہ) و بایٹ لیڈ (۵ حصہ) لیتھارج (۲ حصہ) ان تمام اجزا کو نہایت تیز اور طاقتور سپیسیٹ آف لیڈ میں ملا کر ابھی سی بنا

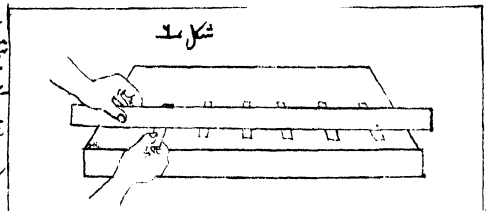
پتھر کو مسطح کرنا

جسوقت کوئی پتھر خریدا جائے اسکی موٹائی کو سب طرف سے کلپر کے ذریعہ دیکھ لینا چاہئے اور جس جگہ وہ موٹا یا اونچا ہو وہاں ریت اور پانی سے گھسکر برابر کر لینا چاہئے۔ موٹائی ہموار کرنے کے لئے پتھروں کو دونو طرف سے گھسنا بہتر ہے لیکن اگر ایک طرف سے گھسا جائے تو بھی مضائقہ نہیں گھسنے کیلئے یا تو دستی لوگیٹر استعمال کیا جاتا ہے۔



شکل ۳

مشکل ۳ یا پتھر گھسنے کی برقی مشین شکل ۴ کے ذریعہ۔ اس مشین کا استعمال بہت آسان ہے۔ اس مشین کو چھٹ کی ناٹ یا دھنی سے لٹکا دیا جاتا ہے اور برقی رو کے ذریعہ حرکت پیدا کیجاتی ہے جس سے لوگیٹر کو مدوری حرکت کرنے لگتا ہے۔ پتھر کی سطح پر ریت اور پانی ڈال کر لوگیٹر کو ہر طرف پھراتے جاتے ہیں۔ ایک ڈوری لٹکتی رہتی ہے جس کے ذریعہ حسب ضرورت لوگیٹر کو نیچے اوپر کر سکتے ہیں۔ اشکل شکل ۵ کی جیبی مشین ایجاد ہوئی ہے جس کے ذریعہ نہایت آسانی اور کم وقت میں پتھر کو مسطح کیا جاسکتا ہے جب پتھر گھسکر ہموار ہو جائے تو مسطح سطح پر لمبان میں چار۔ پانچ کاغذ کی چپٹیں رکھکر ان پر فولاد کی ایک سیدھی اور مسطح پٹی رکھتے ہیں شکل ۶۔ اور کاغذ کی چپٹوں کو آہستہ آہستہ کھینچکر دیکھتے ہیں جس جگہ کی سطح پست ہوتی ہے وہاں کا کاغذ آسانی سے کھنچ آتا ہے اور جس جگہ کی سطح اونچی ہوتی ہے وہاں کا کاغذ سختی سے کھنچتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اونچی جگہ نشان لگا کر اسکو پھر گھسنا چاہئے اور پھر اسی طرح عمل کر کے دیکھنا چاہئے یہاں تک تمام چپٹیں یکساں سختی کے ساتھ کھینچ سکیں جب سطح ہموار ہو جائے تو اسکو چکنا کرنے کیلئے سیاہ سلی کے پتھر سے گھسکر



شکل ۱

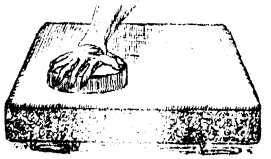
قابل طباعت بنانا

لیتھو پتھر کو کیمیائی طریقہ سے صاف کرنا

پتھر پر سے پرانا کام کیمیاوی ادویات سے نکال کر نیا کام شروع کیا جاسکتا ہے جسکے بہت سے طریقے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ترپن تیل یا گیس کے تیل سے رگڑ کر حروف وغیرہ مٹا دیئے جائیں۔ اسکے بعد تیل کے اثرات زائل کرنے کے لئے کاسٹک سوڈے کے طاقتور محلول سے پتھر کو دھو دیا جائے۔ اگر پہلے پتھر کو ایچنگ دیا گیا ہوگا تو سیاہی مٹانے کے بعد حروف ابھرے ہوئے نظر آئینگے انکو سیاہ سلی کے پتھر سے پانی ڈالکر خوب گھسا جائے تاکہ ابھری ہوئی سطح ہموار ہو جائے اسکے بعد ذرا سا پومک پوڈر ڈالکر غدہ سے گھسیں۔ اور پانی سے دھو کر صاف کر لیں۔

عمدہ کیمیاوی پالش مسب ذیل طریقہ سے کیا جاتا ہے:

½ پونڈ کاسٹک سوڈے کو ۱ پونڈ پانی میں حل کر کے اسمیں ½ پونڈ خالص و رفتہ کا رابک ایسڈ (خالص نہ کہ سنہرے رنگ کا) ملا دیں۔ اس مصالحہ کو استعمال کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ عمدہ صاف اور مسطح پتھر لیکر تھوڑا سا یہ مصالحہ ڈالکر سیاہ



طاحظہ ہو صفحہ ۲۲

جلد (۱) یکم آبان ۱۳۴۲ف مطابق ۲ ستمبر ۱۹۳۳ء جلد نمبر ۲۱

سر اکبر حیدری اور حسن کاری کی سرپرستی

سر حیدر نواز جنگ بہادر اپنی سیاسی نمائندگی کے بعد حیدرآباد واپس تشریف لائے ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاکر ہم اپنی گذشتہ تحریکوں میں سے ایک کو یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم اصلی تحریک پیش کریں یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم ان اسامات کا اعادہ کریں جو حسن کاری کی سرپرستی کے سلسلہ میں سر اکبر نے کئے ہیں۔ آپکے ان کاموں میں سب سے پہلے آثار قدیمہ کا محکمہ آتا ہے جسکو آپنے اپنی خاص توجہ سے زندہ اور کارآمد بنایا۔ حیدرآباد کے اتنی خزانہ جس محفوظ حالت ہوگئے ہیں اور جتنا اچھا سوٹ اسپر تیار ہو رہا ہے۔ وہ ہر حیثیت سے حیدرآباد کی کامیاب ترین تہذیبی اعمال میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ہند و تہذیب کے اعمول کا ہر میں ایلورہ اور اجنٹہ ہمارے ملک کے قابل ناز آثار ہیں۔ انکو جس خوبی سے محفوظ کیا گیا ہے اسکے پاس پہنچنے کے جو وسائل فراہم کئے گئے ہیں وہ سر اکبر کی اُدنی توجہ کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اجنٹہ کی کی تصویروں کی مرمت، انکی درستی، انکے متعلق مواد کی اشاعت یہ سب ایسی چیزیں ہیں جس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح مسلم تہذیبی یادگاروں چیدر، گولکنڈہ، اور دولت آباد کی حفاظت گویا۔ مسلمانوں کی حسن کاری کی حفاظت ہے۔

سر اکبر حیدری خود ایک اچھے ماہر قدیم رنگ کاری کے لحاظ سے شہرت رکھتے ہیں مغلیہ رنگ کاری کے نمونوں کا جو ذخیرہ آپکے پاس ہے۔ وہ تمام ملک میں مشہور ہے اس کے پرکھنے اور جانچنے میں آپکا ہندوستان میں ایک خاص درجہ ہے۔ ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھکر ہم آپ سے توقع کرتے ہیں کہ حیدرآباد میں اس فن کی ترقی آپ ہی کی سرپرستی اور توجہ سے ہوگی تو ہر محیط سے بجا ہوگا۔

حیدرآباد کی اس وقت بڑی ضرورتوں میں سے ایک مدرسہ حسن کاری ہے جسکو ہم سمجھتے ہیں کہ اس ضرورت کی تکمیل کے بغیر حیدرآباد کی تہذیبی ترقی کا ایک بڑا شعبہ نامکمل رہے گا۔ ہم نے اس سے پہلے بھی کئی موقعوں پر مدرسہ حسن کاری کے قیام اور اسکی ترقی پر مفصل اور مدلل لکھا ہے۔ اب یہاں پر مختصراً اتنا عرض کرینگے کہ یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے آج سے کوئی تین چار سال قبل انجمیر رنگ اسکول میں مدرسہ حسن کاری کے قیام کے سلسلہ میں یہ امر سر حیدر نواز جنگ کے پیش نظر ہو چکا ہے۔ اسکی کارروائی بڑی حد تک تکمیل پاکر رک گئی تھی۔ اب اسکی کارروائی کو مکمل کرنا ہے۔ ملک میں سوتی ایک جامعہ ہے کی بناء اور قیام میں بھی سر اکبر پیش پیش ہیں اور اسی عمومی وجہ سے اب اسکی ترقی ہو چکی ہے کہ اس وقت ہماری تہذیب کو زندہ رکھنے کیلئے مدرسہ حسن کاری کا قیام لابد و لازم ہو گیا ہے۔ اس وقت ہندوستان کے ہر بڑے شہر اور ہر بڑے صوبہ میں مدرسہ حسن کاری موجود ہیں۔ اور کافی ترقی کر چکے ہیں۔ ہمارا شہر جو ہندوستان کے بڑے شہروں میں ہے اس سے ابتک محروم ہے۔

ہم سر حیدر نواز جنگ بہادر کی علمی سرپرستی سے امید کرتے ہیں کہ اور حسن کاملہ سرپرستوں کیساتھ اس پر بھی آپ توجہ فرما کے ملک کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل فرمائینگے۔ اور اسطرح ہمارے توقعات جو آپ سے وابستہ ہیں پورے ہوں گے۔

حسن کار کا ختم سال

"مدیر حسن کار" کی بے وقت بیماری کی وجہ سے اس خاص نمبر کو نکالنے سے ہم قاصر ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تلافی ہم کسی دوسرے موقع پر کر دیں گے۔

منیجر حسن کار

حدیث الیوم

نئی روشنی

یہ مسٹر فضل الرحمان بی اے آنرز کا دوسرا اردو ڈرامہ ہے، جو انجمن ترقی ڈرامہ نے پیش کیا ہے۔ یہ ڈرامہ اپنے پیش رو "ظاہر باطن" سے زیادہ کامیاب رہا ڈرامہ میں قدیم و جدید خیالات کے تصادم سے جو کیفیت ہمارے معاشرے کی ہوتی ہے اسکی تصویر کو پیش کیا ہے اسی کشمکش میں جو مختلف معاشرتی تضادات فراز پیدا ہو گئے ہیں انکے بعض پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔ تعلیم نسواں کا اثر لڑکیوں ہی اپنے حقوق کا احساس، نوجوانوں میں خود داری اور اپنی رائے کے اظہار کا جذبہ پیدا ہوا احساس اور وہ طبقہ جو موجودہ نسل اور قدیم نسل کے درمیان۔ گنگا جمنی ذہنیت کا ہے انکی مضحکہ خیز حالت یہ ایسے مسائل ہیں جنکو مختلف کرداروں میں مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ڈرامہ کے پلاٹ کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ اب تک یہ ڈرامہ دو مرتبہ ہو چکا ہے۔ اور قریب ہی اور دو مرتبہ دیکھا جائے گا۔ اور یوں بھی پلاٹ بہت سادہ ہے البتہ ہم چلتے تو ایک عام حیثیت سے اسپر نظر ڈالینگے پھر انفرادی طور پر بعض کرداروں کی اداکاری پر تنقید کرینگے عام حیثیت سے یہ ڈرامہ کامیاب کہا جا سکتا ہے شروع سے آخر تک اس نے بلک سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ اور اسکے اداکاروں نے اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے۔ یہ ثابت کر دیا کہ اگر اردو ڈرامہ تعلیم یافتہ ہاتھوں میں آجائے تو اسکا مستقبل نہایت درخشاں ہے۔ اداکاروں کا لباس، انکا میک اپ، انکی نشست و برخاست اپنی اپنی جگہ پر نہایت موزونیت رکھتی تھی۔ اور باوجود اسکے کہ اسٹیج پس منظر کے پردے انہوں نے مستعار لئے تھے جو کسی طرح اس ڈرامہ کے موزوں نہیں ہو سکتے۔ پوری کوشش اس امر کی گئی تھی کہ اس عیب کو جہاں تک ہو سکے محسوس نہ ہونے دیا جائے۔

اس ڈرامہ کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار اداکاروں کی تربیت اور انکی ذاتی خوبیوں کے اظہار پر تھا۔ ہر اداکار نے اپنے اپنے کام کو نہایت مستعدی

تیتری

(از)

اکبر وفاقانی

رنگ چمن بہار کی روح طرب سے ملگیا | سبزے میں جان پڑگئی غنچہ جو تھا سو کھلگیا
ڈالیاں جھومنے لگیں وجد میں سرو باغ ہے | نور کے ارتعاش سے پھول جو ہے چراغ ہے
برگ شجر ہیں نغمہ ریز بہار چمن ہے عطر بیز | کرنوں سے سطح آب کی موجیں ہوئی ہیں تیز تیز
رگ بھی ہے نیا نیا۔ رنگ بھی ہے جدا جدا | نغمہ رنگ کہہ رہا ساتھ ہو بے مئے دوآتشہ
الہی بہار دیکھکر پھول کا دل مچل گیا | غنچہ تڑپ کے گل بنا گل جو بنا بہل گیا
رنگ و نوا و بو کو اب شوق نمو نے پر لگے | انکا وصال روح سے ہوتے ہی تیز تر لگے
کہتے ہیں جسکو تیتری۔ جان چمن ہے پر فشاں | روح ہے شوق جستجو رنگ بھرا یہ جہاں

شوق اور دیانت سے کیا۔ یہ اور بات ہی کہ ایک آدھ نظر تا کمزور تھا مثلاً ہیرو کا دوست ہر جگہ پر اپنے کردار سے ہٹا ہوا نظر آتا تھا۔ اب ہم اداکاروں کو یکے بعد دیگرے پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے میر صاحب آتے ہیں میر صاحب کا کام ہمیں کئی وجہ سے اس ڈرامہ میں سب سے اچھا معلوم ہوا۔ سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ شروع سے آخر تک کہیں بھی بے ضرورت اداکاری کا اظہار نہ تھا دوسرے یہ کہ میر صاحب کا جو کردار ڈرامہ نویس نے مکالمہ کے ذریعہ سے پیش کرنیکی کوشش کی تھی اس کو میر صاحب نے پوری ہم آہنگی کے ساتھ آخر تک نبھایا۔ بعض بعض مقامات پر تو میر صاحب نے کمال ہی کیا۔ ہم ایک اور وجہ سے بھی میر صاحب کردار کو قابل تعریف سمجھتے ہیں کہ مرزا شکوہ بیگ انہوں نے میر صاحب کا روپ لیا تھا۔ اب تک کئی ایک رنگ میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔ "ظاہر باطن" میں یہ خواہ مخواہ کے شاعر تھے "گاؤ ڈے" نامی ڈرامہ میں انہوں نے ایک پڑھے لکھے طالب علم کا پارٹ کیا تھا اور "فاسٹ" میں شیطان کا کردار پیش کیا تھا۔ ان سب حیثیتوں میں انکا کام نہایت کامیاب رہا۔ اس ہی گوناگوں قابلیت کی وجہ سے ہم نے اور بھی میر صاحب کو قابل ترجیح سمجھا۔ اسکے بعد نواب صاحب کا نمبر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے نواب صاحب کو نواب صاحب بننے ہی کیلئے پیدا کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی "ظاہر باطن" میں انہوں نے نواب صاحب ہی کا کام کیا تھا اور بہت کامیابی کے ساتھ انکی آواز اور طرز ادا غرض ہر بات میں ایک پرانے وضعدار نواب صاحب کی جھلک موجود تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈرامہ کی اغراض کیلئے واقعی نواب صاحب کو مستعار لے لیا گیا تھا۔

جب خانصاحب یعنی کپتان شیر خانصاحب کا کام عام پسند رہا اور انکے کردار کو کامیاب بنانے میں مکالمہ نے بڑی مدد دی۔ تاہم ایک شمالی اجڈ سپاہی کو تاثر میں بعض مقامات پر ضرورت سے زیادہ بناوٹ ہو جاتی تھی اور بعض جگہ پر ہر زبان استعمال ہوتی تھی کہ حیرت ہونے لگتی تھی تاہم خاں صاحب کی ایکٹنگ بڑے مزے کی تھی۔ پھر بات پر انکا تڑپنے

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰ کالم ۳

بزدل

از پریم چند

مترجمہ غلام رسول (حیدرآبادی)

نوجوان کا نام کیشو تھا، وہ شیدہ کا پریما، دونوں ایک ہی کالج کے اور ایک ہی کلاس کے متعلم تھے۔ کیشو جدید خیالات کا آدمی تھا۔ ذات پات کے بندھنوں کا مخالف۔ پریما قدیم تہذیب کے خیال کی تھی۔ قدیم عقائد اور رسم و رواج کی معتقد۔ باوجود اس کے دونوں میں گہری محبت ہوگئی تھی۔ اور یہ بات سارے کالج میں مشہور تھی کہ کیشو برہمن ہوکر بھی بنیئے کی لڑکی پریما سے شادی کرکے اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ اُسے اپنے ماں باپ کی پروا نہ تھی۔ خاندانی عظمت شان کو وہ ایک ڈھکوسلا تصور کرتا تھا۔ اس کے لیے سچی چیز تھی وہ پریما تھی۔ لیکن پریما کے لیے ماں باپ، اور کنبہ خاندان کے خلاف مرضی ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن تھا، شام کا وقت ہے۔ وکٹوریہ پارک کے ایک سنسان جگہ دونوں آمنے سامنے ہریالی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیر کرنے والے ایک ایک کر کے چلتے بنے۔ لیکن یہ دونوں ابھی وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں ایسی گفتگو چھڑی ہوئی ہے، جو کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی۔ کیشو نے جھنجلا کر کہا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تمھیں میری پروا نہیں ہے۔ پریما نے اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر کے کہا۔ تم میرے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو کیشو! لیکن میں اس چیز کو ماں باپ کے روبرو کیسے چھیڑوں، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ لوگ پرانے عقیدے اور خیالات کے معتقد ہیں میری طرف سے کوئی ایسی بات سُن کر ان کے دل میں جو جو شبہات پیدا ہوں گے، ان کا تم تصور کر سکتے ہو؟

کیشو نے گرج کر بولا۔ تو تم بھی انھی پرانے ڈھکوسلے کے غلام ہو؟

پریما نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے نازو ادا کا اظہار کر کے کہا۔ نہیں میں ان کی غلام نہیں ہوں، لیکن ماں باپ کی رضامندی میرے لیے اور سب چیزوں سے قابل احترام ہے۔

"تمہاری شخصیت کچھ نہیں ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو"

"میں تو سمجھتا تھا کہ یہ ڈھکوسلے احمقوں کے لیے ہی ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوا کہ تم جیسی عالم عورتیں بھی ان کی پرستش کرتی ہیں، اچھا میں تمہارے لیے ساری دنیا کو چھوڑنے پر تیار ہوں، تو میں تم سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں"۔

پریما نے دل میں سوچا، میرا اپنے جسم پر کیا اختیار ہے، جس ماں باپ نے اپنے خون سے میری تخلیق کی ہے۔ اور اپنی شفقت سے اسے پالا پوسا ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنا کیا اُسے کوئی حق نہیں۔ اس نے عاجزی سے کیشو کو کہا۔ "کیا محبت عورت اور مرد کی شکل ہی میں رہ سکتی ہے؟ محبت شکل میں نہیں؟ میں تو محبت کو روح کا رشتہ سمجھتی ہوں"۔

کیشو نے کرخت لہجہ میں کہا۔ "ان فلسفیانہ خیالات سے تم مجھے پاگل کر دوگی پریما! بس، اتنا ہی سمجھ لو کہ میں نامید ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں محسوسات کا قائل ہوں اور عالم تصورات میں محسوسات سے لطف اندوز ہونا میرے لیے ناممکن ہے"۔

یہ کہہ کر اس نے پریما کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ پریما نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اور بولی۔ "نہیں، کیشو میں کہہ چکی ہوں کہ میں آزاد و مختار نہیں ہوں۔ تم مجھ سے وہ چیز نہ مانگو جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے"۔

کیشو کو اگر پریما نے سخت سے سخت الفاظ کہے ہوتے تو بھی اُسے اتنا رنج نہ ہوتا۔ ایک لمحہ تک وہ شکستہ خاطر بیٹھا رہا، پھر اُٹھ کر



مایوسانہ لہجہ میں بولا "جیسی تمہاری مرضی" اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پریما اب بھی وہیں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔



۲

رات کو کھانا کھا کر پریما جب اپنی ماں کے ساتھ لیٹی، تو اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ کیشو نے اُسے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جو متحرک پانی میں پڑنے والے سایہ کے مانند اس کے دل پر مسلط تھی، ہر دم اس کا رنگ بدلتا تھا۔ وہ اُسے روک نہیں سکتی تھی۔ ماں سے اس بارے میں کچھ کہے تو کیونکر؟ حیا منہ بند کر دیتی تھی، اس نے سوچا، اگر کیشو کے ساتھ میرا بیاہ نہ ہوا تو اس وقت میرا کیا فرض ہوگا۔ اگر کہیں کیشو نے سچ مچ کچھ اکھڑ پن کر ڈالا تو میرے لیے دنیا میں پھر کیا رہ جائیگا۔ لیکن میرا بس ہی کیا چلتا ہے۔ ان طرح طرح کے خیالات میں ایک بات جو اس کے دل میں جاگزیں ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ کیشو کے سوا وہ اور کسی سے شادی نہ کریگی۔

اس کی ماں نے پوچھا کیا تجھے ابتک نیند نہیں آئی؟ میں نے تجھ سے کتنی دفعہ کہا کہ تھوڑا بہت گھر کا کام کاج کیا کر، لیکن تجھے کتابوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ چار دن میں تو پرائے گھر جائے گی، کون جانے کیسا گھر ملے۔ اگر کچھ کام کرنے کی عادت نہ رہی تو کیسے نباہ ہوگا۔

پریما نے بچپنے سے کہا۔ "میں پرائے گھر جاؤنگی ہی کیوں؟" ماں نے فکر کر کہا "لڑکیوں کے لیے یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے بیٹی! ماں باپ کی گود میں پل کر جونہی سیانی ہوئیں دوسروں کی ہو جاتی ہیں۔ اگر جوڑا اچھا ملے تو زندگی آرام سے گزرے گی، ورنہ رو رو کر دن کاٹنے پڑینگے۔ سب کچھ تقدیر کے ہاتھ ہے۔ اپنی برادری میں تو مجھے کوئی گھر پسند نہیں! کہیں لڑکیوں کی عزت نہیں۔ لیکن کرنا تو برادری ہی میں پڑے گا۔ نہ جانے یہ ذات پات کا بندھن کب ٹوٹے گا۔"

پریما ڈرتے ڈرتے بولی۔ "کہیں کہیں تو برادری کے باہر بھی شادیاں ہونے لگی ہیں۔"

اُس نے کہنے کو کہہ دیا، لیکن اس کا دل کانپ رہا تھا کہ والدہ کچھ بھانپ نہ جائیں۔

ماں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں ایسا ہوا ہے؟ پھر اس نے خود بخود اس سوال کا جواب دیا۔ اگر دو چار جگہ ایسا ہو بھی گیا، تو اس سے کیا ہوتا ہے؟"

پریما نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ خوف ہوا کہ ماں کہیں اس کا منشا سمجھ نہ جائے۔ اس کا مستقبل ایک اندھیری گھاٹی کے مانند اس کے سامنے منہ کھولے کھڑا تھا گویا اُسے نگل جائیگا۔ اُسے نہ جانے کب نیند آگئی۔

۳

علی الصباح پریما سو کر اُٹھی، تو اس کے دل میں ایک عجیب و غریب جرأت پیدا ہوگئی تھی یہی اہم فیصلے ہم بلا وجہ کر لیا کرتے ہیں، گویا کسی دیوتا کی قوت ہمیں ان کی طرف کھینچے لیجاتی ہے۔

بعینہٖ پریما کی حالت تھی، کل تک وہ ماں باپ کے فیصلے کو قابل احترام سمجھتی تھی، لیکن مشکلات کے پیش نظر اس میں اس ہوا کی سی ہمت پیدا ہوگئی تھی، جن کے مقابلہ میں کوئی پہاڑ آگیا ہو۔ وہی سُست ہوا اور زوردار جھونکوں کی بدولت پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتی ہے، اور اُسے کچلتی ہوئی دوسری طرف جا پہنچتی ہے۔ پریما دل میں سوچ رہی تھی۔ "ماں کا جسم ماں باپ کا ہے، لیکن روح تو میری ہے۔ میری روح کو جو کچھ بھگتنا پڑیگا وہ اسی جسم سے تو بھگتنا پڑیگا۔ اب وہ اس بارے میں تامل کرنا مناسب ہی نہیں، مہلک سمجھ رہی تھی۔ اپنی زندگی کو کیوں ایک جھوٹی عزت پر قربان کریں؟ اس نے سوچا بیاہ کا دار و مدار اگر

محبت پر نہ ہو، تو وہ جسم کو فروخت کرنا ہی باہمی میل ملاپ کیا بغیر محبت کے بھی ہو سکتا ہے؟ اس خیال سے کہ نہ جانے کسی اجنبی عورت سے اس کا بیاہ ہو جائے گا۔ اس کا دل سرکشی کر رہا تھا۔ وہ ابھی ناشتہ کر کے کچھ پڑھنے جا رہی تھی کہ اس کے باپ نے پیار سے پکارا۔ "میں کل تمہارے پرنسپل کے پاس گیا تھا، وہ تمہاری بڑی تعریف کر رہے تھے۔"

پریما نے سادگی سے کہا۔ "آپ تو یونہی کہا کرتے ہیں۔"

"نہیں، سچ"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی میز کی دراز کھولی، اور مخملی چوکھٹے میں پڑی ہوئی ایک تصویر نکالکر اُسے دکھاتے ہوئے بولے۔ "یہ لڑکا آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں اول آیا ہے۔ اس کا نام تو تم نے سنا ہوگا؟"

بوڑھے باپ نے ایسی تمہید باندھی کہ پریما اُن کا عندیہ نہ سمجھ سکی لیکن پریما تاڑ گئی۔ اس کا دل تیر کے مانند نشانہ پر جا پہنچا۔ اس نے بغیر تصویر کی طرف دیکھے ہی کہا۔ "نہیں میں نے تو اس کا نام نہیں سُنا۔"

باپ نے مصنوعی تعجب کا اظہار کر کے کہا۔ "کیا؟ تم نے اس کا نام ہی نہیں سُنا؟ آج کے روزنامہ میں اس کی تصویر اور حالات زندگی شائع ہوئے ہیں۔"

پریما نے روکھائی سے جواب دیا۔ "ہوگا، مگر میں تو اس امتحان کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتی۔ میں تو سمجھتی ہوں، جو لوگ اس امتحان میں شریک ہوتے ہیں وہ پرلے درجے کے خود غرض ہوتے ہیں۔ آخر ان کا نصب العین اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ اپنے غریب، بے زر، مفلس بھائیوں پر حکومت کریں، اور خوب روپیہ بٹوریں۔ یہ تو زندگی کا کوئی اعلیٰ مطمح نظر نہیں ہے۔"

اس اعتراض میں حسد تھا، ناانصافی تھی، غلط بیانی تھی۔ باپ نے سمجھا تھا، پریما تعریف سُنکر لٹو ہو جائیگی۔ یہ جواب سُنکر تو غش روئی سے بولے۔

"تو تو ایسی باتیں کر رہی ہے۔ جیسے تیرے ہاں روپیہ پیسہ اور حکومت کی کوئی قیمت ہی نہیں۔"

پریما نے ڈھٹائی سے کہا۔ "ہاں میں تو اسکی قیمت نہیں سمجھتی، میں تو آدمی میں ترک غرور و جاہ دیکھتی ہوں۔ میں ایسے نوجوانوں کو جانتی ہوں، جنھیں یہ اعزاز زبردستی بھی دیا جائے تو قبول نہیں کریں گے۔" باپ نے حمایت کے انداز میں کہا۔ "یہ تو آج میں نے نئی بات سُنی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی لازمتوں کے لیے لوگ مارے مارے پھرتے ہیں۔ میں ذرا اس لڑکے کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں جس میں اتنا استغنا ہو، میں تو اس کی پرستش کروں گا۔"

شاید کسی موقع پر یہ لفظ سُنکر پریما شرم کے مارے سر جھکا لیتی، پر اس وقت اس کی حالت اس سپاہی کی سی تھی، جس کے پیچھے گہری خندق ہو۔ آگے بڑھنے کے سوا اس کے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اپنے جوش کو آپ خود باتی ہوئی، زہر آلود آنکھوں سے وہ اپنے کمرے میں گئی اور کیشو کی کئی تصویروں میں سے وہ ایک تصویر انتخاب کر کے لائی جو اس کی نظر میں سب سے خراب تھی اور باپ کے روبرو رکھدی۔ بوڑھے باپ نے تصویر کو بے اعتنائی سے دیکھنا چاہا، لیکن پہلی ہی نظر میں اس نے انھیں مائل کر لیا۔ دراز قد تھا، دُبلا پتلا ہونے کے باوجود اس کا تناسب اعضا، صحت اور پرہیزگاری کا ثبوت دے رہا تھا، چہرہ رعب دار نہ تھا، پر دانائی کے کچھ ایسے آثار نمایاں تھے، جو اس کی نسبت دل میں یقین پیدا کرتے تھے۔

انھوں نے اس تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کس کی تصویر ہے؟" پریما نے جھینپتے ہوئے سر جھکا کر کہا "یہ میرے ہی کلاس میں پڑھتے ہیں۔"

"اپنی ہی برادری کا ہے؟"

پریما کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اسی سوال کے جواب پر اس کی قسمت کا فیصلہ ہو جائیگا۔ وہ اپنے دل میں پشیمان تھی کہ فضول میں اس تصویر کو یہاں لائی، اسے ایک لمحہ کے لیے جو ڈھٹائی آئی تھی وہ اس کڑے سوال کے آگے دب گئی۔ دبی زبان میں بولی "جی نہیں وہ برہمن ہیں" اور یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ پریشان ہو کر کمرے سے نکل گئی، گویا وہاں کی ہوا میں اس کا گلا گھٹا جا رہا ہو اور دیوار کی آڑ میں کھڑی ہو کر رونے لگی۔

لالہ جی کو تو پہلے ایسا خیال نہ آیا کہ پریما کو بلا کر صاف صاف کہدیں کہ یہ ناممکن ہے۔ وہ اسی غصے میں دروازے تک آئے، لیکن پریما کو روتے دیکھکر نرم پڑ گئے۔ اس نوجوان کی نسبت پریما کے دل میں کیا خیالات تھے، وہ اُن سے پوشیدہ نہ رہے۔ وہ تعلیم نسواں کے بڑے حامی تھے، اس کے ساتھ ہی کنبہ خاندان کی حفاظت بھی کرنی چاہتے تھے۔ اپنے ہی قوم کے لائق لڑکے لیے سب دولت نذر کر سکتے تھے، لیکن اس حلقے سے باہر خاندانی سے خاندانی اور لائق سے لائق لڑکے کے تصورات بھی ان کے لیے قابل برداشت نہ تھے۔ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر ہتک کوئی نہ تھی۔

انھوں نے کڑک کر کہا "آج سے کالج جانا بند کر دو۔ اگر تعلیم کنبہ برادری کو ڈوبا ہی سکھاتی ہے، تو بری تعلیم ہے۔"

پریما نے بزدلانہ لہجہ میں کہا "امتحان تو قریب آگیا ہے۔"

لالہ جی نے دلیری سے کہا "آنے دو۔"

اور پھر اپنے کمرے میں جا کر خیالات میں غرق ہو گئے۔

۴

کچھ مہینے گزر گئے۔ لالہ جی نے گھر میں آکر بیوی کو تنہائی میں بلایا اور بولے "جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے، کیشو بہت ہی نیک روش اور سمجھدار آدمی ہے، میں تو سمجھتا ہوں، پریما اس غم میں گھل گھل کر جان دے دیگی۔ تم نے بھی سمجھایا، میں نے بھی سمجھایا، دوسروں نے بھی سمجھایا، مگر اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے اور کیا تدبیر ہے؟"

ان کی بیوی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "کر تو دوگے لیکن۔ ہوگے کہاں؟ نہ جانے کہاں سے یہ بدچلن مردار میری کوکھ میں آئی۔"

لالہ جی نے چیں بجبیں ہوکر سخت سست لہجہ میں کہا "یہ تو ہزار دفعہ سن چکا، لیکن کنبہ برادری کے نام کو کہاں تک روؤں۔ چڑیا کا پر کھول کر یہ امید کرنا کہ وہ تمہارے صحن ہی میں پھدکتی رہے گی، وہم و گمان ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمیں غیر قوم کو قبول کرلینا ہی چاہیئے۔ کنبہ خاندان کے نام پر ہم پریما کا خون نہیں کرسکتا، دنیا ہنستی ہے، ہنسے۔ گروہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب یہ سبھی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ آج بھی سینکڑوں بیاہ ذات پات کے بندھنوں کو توڑ کر ہو چکے ہیں، اگر بیاہ کا مقصد میاں بیوی کی مسرت آمیز زندگی ہے، تو ہم پریما سے تغافل نہیں کرسکتے۔"

بڈھیا نے بیتاب ہوکر کہا "جب تمہاری یہی مرضی ہے، تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو، لیکن میں کہہ دیتی ہوں کہ میں اس شادی کے نزدیک نہ جاؤنگی، نہ کبھی چھوکرے کی صورت دیکھوں گی، سمجھ لونگی، جیسے اور سب لڑکے مرگئے ویسے یہ بھی مرگئی۔"

"تو پھر آخر تم کیا کرنے کو کہتی ہو؟"

"کیوں نہیں اس لڑکے سے بیاہ کر دیتے، اس میں کیا برائی ہے؟ وہ دو سال میں سیول سروس پاس کرکے آجائیگا۔ کیشو کے پاس کیا رکھا ہے۔ بہت ہوگا، کسی دفتر میں کلارک ہو جائیگا۔"

"اور اگر پریما خودکشی کرلے تو؟"

"تو کرلے، تم تو اسے اور شہ دیتے ہو، جب اسے ہماری پروا نہیں ہے تو ہم اسکے لیے اپنے نام کو کیوں بٹہ لگائیں؟ خودکشی کرنا کوئی کھیل نہیں ہے، یہ سب دھمکی ہے۔ دل گھوڑا ہے، جب تک اسے لگام نہ دو، پیٹھے پر ہاتھ بھی نہ رکھنے دیگا جب اسکے دل کا یہ حال ہے، تو کون کہے، وہ کیشو کے ساتھ ہی عمر بھر نباہ کریگی، جس طرح آج اس سے انس ہے، اسی طرح کل دوسرے سے ہو سکتا ہے۔ تو کیا پتے پر اپنا گوشت پکوانا چاہتے ہو؟"

لالہ جی نے بیوی کو اس مسئلہ پر غور کرتے دیکھکر کہا "اور اگر کل کو وہ خود جاکر کیشو سے بیاہ کرلے تو تم کیا کروگی؟ پھر تمہاری کتنی عزت رہ جائیگی، چاہے وہ کشیدہ ہوکر یا ہم لوگوں کے لحاظ سے، یونہی بیٹھے رہے۔ پر اگر ضد پر کمر باندھ لے، تو ہم تم کچھ نہیں کرسکتے۔"

ممکن ہے اس مسئلہ کا انجام بھی خطرناک ہو۔ یہ اس بڈھیا کے شان و گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ سوال بم کے گولے کی طرح اس کے دماغ پر گرا۔ ایک لمحہ تک وہ خاموش بیٹھی رہگئی۔ گویا اس جملہ نے اس کی عقل کی دھجیاں بکھیر دی ہوں۔ پھر شکست کھاکر بولی۔ "تمہیں تو ہر وقت ایسے خیالات سوجھتے ہیں! میں نے تو آج تک کبھی نہ سنا کہ کسی خاندانی کنواری لڑکی نے اپنی مرضی سے بیاہ کیا ہو۔"

"تم نے نہ سنا ہو، لیکن میں نے سنا ہے، اور دیکھا ہے۔ اور ایسا ہونا بہت ممکن ہے۔"

"جس دن ایسا ہوگا اسی دن تم مجھے زندہ نہ دیکھو گے۔"

"میں یہ نہیں کہتا ایسا ہوگا ہی، لیکن ہونا ممکن ہے۔"

"تو جب ایسا ممکن ہے، تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہمیں اس کا بندوبست کریں۔ جب ناک ہی کٹ رہی ہے، تو تیز چھری سے کیوں نہ کٹے۔ کل کیشو کو بلاکر دیکھو، کیا کہتا ہے۔"

۵

کیشو کے والد سرکاری وظیفہ خوار تھے، مزاج کے چڑچڑے اور کنجوس۔ مذہب کی نمود و نمائش میں ہی ان کے دل کو سکون حاصل ہوتا تھا۔ قوت خیال کی کمی تھی کسی کے دلی جذبات کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ وہ اب بھی اس دنیا میں۔ بستے تھے، جس میں انھوں نے اپنے بچپن اور شباب کا زمانہ گزارا تھا یعنی رشوتی کی بڑھتی ہوئی لہر کو وہ تباہی کہتے تھے اور کم از کم اپنے گھر کو دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا زور لگاکر اسے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے جب ایک دن پریما کے والد ان کے پاس پہنچے اور کیشو سے پریما کے بیاہ کی تجویز پیش کی تو بڑھے پنڈت جی اپنے آپے میں نہ رہ سکے۔ دھونکنی آنکھیں پھاڑکر بولے "آپ بھنگ تو نہیں پی گئے ہیں؟ اس طرح کا رشتہ اور چاہے جو کچھ ہو بیاہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے، آپ کو بھی نئے زمانے کی ہوا لگ گئی۔"

بوڑھے بابو جی نے انکسار سے کہا "میں خود ایسا رشتہ پسند نہیں کرتا۔ اس بارے میں میرے بھی وہی خیالات ہیں، جو آپ کے ہیں، پر بات ایسی آپڑی ہے کہ مجھے مجبور ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔ آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں کتنے خود رائے ہوگئے ہیں، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ ہم بوڑھے لوگوں کیلیے اب اپنے اصول و عقائد کی حفاظت کرنی مشکل ہوگئی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ دونوں، ایوس ہوکر اپنی جان پر نہ کھیل جائیں۔"

بوڑھے پنڈت جی زمین پر پاؤں پٹکتے ہوئے گرج اٹھے۔ "آپ کیا کہتے ہیں صاحب! آپ کو شرم نہیں آتی، ہم برہمن ہیں اور برہمنوں میں بھی خاندانی برہمن کیسے ہی گئی گزری حالت میں ہوں۔ اس قدر

ذلیل وخوار نہیں ہیں کہ بھنے بقالوں کی لڑکی سے شادی بیاہ کرتے پھریں جس دن خاندانی برہمنوں میں لڑکیاں نہ رہیں گی اس دن یہ سوال اٹھ سکتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں تم آپ کو یہ بات کہنے کی جرات کیسے ہوئی؟"

بوڑھے بابو جی اپنی بے عزتی زیادہ نہ برداشت کرسکے اور اپنی تقدیر کو کوستے ہوئے چلے گئے۔

اسی دن کیشو کالج سے آیا۔ پنڈت جی نے فوراً ہی اسے بلا کر کڑک کر کہا "میں نے سنا ہے تم نے کسی بھنے کی لڑکی سے اپنا بیاہ کرلیا ہے۔ یہ خبر کہاں تک صحیح ہے؟"

کیشو نے اچانک بنکر پوچھا "آپ سے کس نے کہا؟"

"کسی نے کہا۔ میں پوچھتا ہوں یہ بات ٹھیک ہے یا نہیں؟ اگر ٹھیک ہے، اور تم نے اپنی عزت ریزی کا تہیہ کرلیا ہے، تو تمہارے لیے ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں تمہیں میری کمائی کا ایک دھیلا بھی نہیں ملیگا۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میری اپنی کمائی ہے۔ مجھے اختیار ہے میں اسے جس کو چاہوں دے دوں۔ تم یہ دھرم کے خلاف حرکت کرکے میرے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتے!"

کیشو والد کی خصلت سے واقف تھا پر یما سے اس کو محبت تھی، وہ پوشیدہ طور پر پریما سے بیاہ کرلینا چاہتا تھا۔ باپ ہمیشہ بیٹھے نہ رہیں گے۔ ماں کی محبت پر اسے اعتماد تھا۔ اس جوش محبت میں وہ مصیبتوں کو جھیلنے کے لیے آمادہ معلوم ہوتا تھا لیکن جیسے کوئی بزدل سپاہی بندوق کے سامنے جاکر ہمت کھو بیٹھتا ہے۔ اور نی دم پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ وہی کیفیت کیشو کی ہوئی۔ وہ معمولی نوجوان کی طرح اصول و عقائد کیلیے بڑے بڑے بحث و مباحثہ کرسکتا تھا۔ زبان سے ان میں اپنے عمل پیرا ہونیکا دعا کرسکتا تھا، لیکن اسکے لیے سختیاں جھیلنے کی ہمت اس میں نہ تھی۔ اگر وہ اپنی ضد پر اڑا اور والد بھی اپنی ہٹ پر رہے تو اسکا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ اس کی زندگی برباد ہو جائیگی۔

اس نے دبی زبان سے کہا "جس نے آپ سے یہ کہا ہے، بالکل جھوٹ ہے"۔ پنڈت جی نے آنکھیں لال کرکے کہا "تو یہ خبر بالکل غلط ہے؟"

"جی ہاں بالکل غلط ہے"۔

"تو تم آج ہی اسی وقت اس بھنے کو خط لکھدو اور یاد رکھو کہ اگر اس طرح پھر کبھی چرچا ہوا، تو میں تمہارا سب سے بڑا دشمن ہو لگا، بس، جاؤ"۔

کیشو اور کچھ نہ کہہ سکا، وہ وہاں سے چلا، تو اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیروں میں دم نہیں ہے۔

۶

دوسرے دن پریما نے کیشو کے نام یہ خط لکھا:۔

"ڈیر کیشو۔ تمہارے والد محترم نے لالہ جی کے ساتھ جو بے عزتی اور تفنگ کا برتاؤ کیا ہے، اس کا حال سنکر میرے دل میں بڑے شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ شاید یا تمھوں نے تمہیں بھی ڈانٹ ڈپٹ بتائی ہوگی۔ ایسی حالت میں تمہارا عندیہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو رہی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی مصیبت جھیلنے کو تیار ہوں۔ مجھے تمہارے والد کی جائداد کی پروا نہیں ہے۔ میں تو فقط تمہاری محبت چاہتی ہوں اور اسی میں مگن ہوں۔ آج شام کو یہیں تشریف لاکر کھانا کھائیے۔ والد اور والدہ دونوں تم سے ملنے کیلیے بہت مشتاق ہیں، میں وہ خواب دیکھنے میں مسرور ہوں۔ جب ہم دونوں اس رشتۂ محبت میں منسلک ہو جائینگے جو ٹوٹ نہیں سکتا جو بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی ثابت رہتا ہے"

تمہاری
پریما

شام ہوگئی اور اس خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ اسکی والدہ بار بار پوچھتی تھی "کیشو آئے نہیں؟" بوڑھے لالہ بھی دروازے کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے تھے مگر رات کے نو بج گئے، پر نہ تو کیشو آیا نہ اسکا خط۔ پریما کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے، شاید انھیں خط لکھنے کی فرصت نہ ملی ہوگی۔ یا آج آنیکی فرصت نہ ملی ہوگی، کل ضرور آجائینگے۔ کیشو نے پہلے اسکے پاس جو محبت نامے لکھے تھے، ان سب کو اس نے دو بار پڑھا۔ انکے ایک ایک لفظ سے کسقدر محبت ٹپک رہی تھی، ان میں کتنی تڑپ تھی، کسقدر اضطراب، کسقدر تیز خواہشات! پھر اسے کیشو کے وہ جملے یاد آئے، جو اس نے سینکڑوں ہی دفعہ کہے تھے کتنی مرتبہ وہ اسکے سامنے رویا تھا۔ اتنے ثبوت موجود ہوتے ہوئے نا امیدی کیلیے کہاں گنجائش تھی، مگر اسپر بھی ساری رات اسکا دل جیسے سولی پر ٹنگا رہا۔

علی الصباح کیشو کا جواب آیا۔ پریما نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط لیکر پڑھا، خط ہاتھ سے گر گیا۔ ایسا معلوم ہوا گویا اسکے بدن کا خون خشک ہوگیا ہو۔ لکھا تھا:۔

"میں بڑی مشکل میں ہوں کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ اپنے یہاں کی سب پوزیشن کو دل سے غور کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ موجودہ حالات میں میرے لیے والد کے حکم کی خلاف ورزی ناقابل برداشت ہے، مجھے بزدل نہ کہنا، میں خود فرض بھی نہیں ہوں لیکن میرے دریا جو ہوا اٹھا حال ہی میں پنچ بھی تو نہیں ہے پرانی باتوں کو بھول جاؤ، ہو سکتا ہے میں نے اپنی شادی کا خیال نہ کیا تھا"

پریما نے ایک سانس گہرا بھرتا ہوا لمبا کھینچا اور اس خط کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جس کیشو کو اس نے اپنے دل سے بدلیا تھا، وہ اسقدر بے مہر ہو جائیگا۔ اسکی اسکو رتی بھر بھی امید نہ تھی ایسا معلوم ہوگیا، اب تک وہ کوئی سہانا خواب دیکھ رہی تھی، یہ آنکھ کھلنے پر سب کچھ غائب ہوگیا۔ زندگی میں جب توقع ہی جاتی رہی، تو اب بجز تاریکی کے اور کیا تھا۔ اپنے دل کا سارا سرمایہ لگا کر اس نے ایک کشتی لدوائی تھی، وہ کشتی غرقاب ہوگئی۔ اب سر پر کشتی وہ کہاں سے لدوائے۔ اگر وہ کشتی ڈوبی ہے، تو اسکے ساتھ ہی وہ بھی ڈوب جائیگی۔

حیدرآباد کی مامائیں

(از)

نصیرالدین ہاشمی

"حیدرآباد کی مامائیں" بھی ایک دلچسپ عنوان ہے۔ اس عنوان پر کچھ لکھنا حسن کار کے ناظرین اور ناظرات کے لئے تفریح طبع کا سامان ہو سکتا ہے۔

ماماؤں کی موجودہ زمانہ میں جو حالت ہے اسکی مراحت سے پہلے ہم ایک صدی پہلے کے تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کی ماماؤں کی حالت آج سے بہت مختلف تھی۔ ان کی تنخواہ انکے اختیارات ان کا لباس اور ان کے بود و باش کی طریقے سب ہی آج سے نرالے تھے۔ ان کی تنخواہ کے متعلق واضح ہو کہ جہاں آجکل سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ کی جاگیریں عطا ہوتی تھیں وہاں انکی ماہوار ایک تنکہ دو روپیہ بھی ہوتی تھی چونکہ اس زمانہ میں روپیہ کی گرانی اور محنت کی ارزانی تھی اس لئے یہ بھی کوئی حقیر تنخواہ نہیں تھی بلکہ اس ماہوار میں وہ خوش و خرم اور فارغ البال رہا کرتی تھیں۔ اور خود کو ضروریات کم اور استیلاء محتاج ارزان تھے اور اکثر وہ دن رات اپنے آقا کے گھر میں ان کے بال بچوں میں رہا کرتی تھیں اور کھانا بھی کھا کرتا تھا اسلئے وہ اپنی ماہوار میں لباس اور زیور بھی تیار کرتی اور نقدی پس انداز کرتیں۔ انکے بڑے بڑے اختیارات ہوتے تھے وہ خود کو ملازم تصور نہیں کرتی تھیں بلکہ مالک کے کنبے کی ایک فرد خیال کرتیں اور اسی طرح رہتی تھیں اور گھر کے لوگ بھی انکو ایسا ہی تصور کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ مائیں مرتے وقت اپنے پس انداز اور اندوختہ کو آقا کی اولاد کے سپرد کر دیتی تھیں ان کے حقیقی ورثاء کو اس میں دخل نہ ہوتا تھا۔ اس طرح جاگیر دار ماماؤں کے بڑے بڑے اختیارات ہوتے تھے کہ کسی کے ذمہ خانگی خرید و فروخت کا پورا کام متعلق ہوتا تھا وہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روپے کا سامان جواہر، مجوسات وغیرہ خرید کرتیں اور ان کا حساب کتاب رکھتیں تھیں۔ کسی کے ذمہ ارباب نشاط کا انتظام ہوتا تھا کوئی دوسرے ملازمین کی نگرانی کرتی تھیں۔ کسی کے متعلق یہ کہ ان کا انتظام ہوتا تو کسی کے ذمہ محلوں کی آراستگی ہوتی کسی کے ذمہ غرض معروض کی خدمت متعلق تھی غرض یہ بڑے بڑے کام انجام دیتی تھیں بلکہ بعض مرتبہ انہوں نے ایسے ایسے کام انجام دیے ہیں جو کسی سلطنت کے وزیر سے انجام نہ پائے ہوں گے۔

ان بڑے بڑے صاحب اقتدار ماماؤں میں سے بعض کے نام یہ ہیں:- ماما جمیلہ۔ ماما رضائی ماما شریفہ۔ ماما دلارم۔ ماما بن بن۔ ماما بدھن۔ ماما حسنو۔ ماما چینا ماما حمیدہ۔ ماما چاند وغیرہ ماما جمیلہ کی دیوڑھی تو آج تک موجود اور مشہور ہے مرحوم اعلیحضرت کی مسند نشینی میں صغیر سنی میں ہوئی تھی اس لئے دربار میں آپ ماما جمیلہ کے گود میں تشریف فرما تھے

ان قدیم ماماؤں کا لباس بھی مخصوص تھا وہ ہمیشہ مشروع یا سوسی کا پائجامہ پہنا کرتی تھیں سفید ململ کی چوٹی اور کرتی ہوتی باریک ململ کا چنا ہوا ڈوپٹہ اوڑھتی تھیں۔ ان کے زیور بھی مخصوص تھے عموماً ڈنڈ کے کڑے کنگنیاں اور چوٹی کے موتی بھی ضرور ہوتے تھے۔ قدیم طرز کا جوتہ پہنا کرتیں جو آج بھی کبھی کبھی حیدرآباد کے دولہنوں کو پہنایا جاتا ہے۔

بڑے بڑے ماما ئیں تو رات میں سوار ہوتی تھیں اور دوسری عام مامائیں برقعہ اوڑھ کر نکلا کرتی تھیں۔ اکثر مامائیں تو رات دن آقا کے مکان میں رہا کرتیں۔ ان کے واسطے علحدہ کمرہ ہوتا تھا۔ اگر صاحب خانہ مالدار نہ ہوا اور مکان چھوٹا ہو تو وہ والان میں سو یا کرتیں۔ اتوار کو یا دسویں دن اپنے مکان کو جاتیں اور وہاں ایک روز رہ کر آتی تھیں۔

ایک عرصہ تک ان کی ماہوار اور لباس وغیرہ میں فرق نہیں ہوا مگر تدریج تنخواہ میں اضافہ ہونے لگا اور اسی طرح ہر تنخواہ کا اسکیل زیادہ ہو گیا تھا وہ تین چار روپیہ ماہوار لیا کرتیں اور ان کی رات رہتی تھیں۔ تنخواہ کے سوا بہشتہ اور دونوں وقت کھانا ملا کرتا۔ البتہ بڑے بڑے امراء کے پاس انکی ماہوار زیادہ ہوتی تھی۔ مگر وہ پہلی صورت جو کہ کروں ہزاروں روپیہ کے جاگیریں ملنے کی تھی وہ موقوف ہو چکی تھی۔ ان کے لباس میں فرق آنے لگا تھا ململ کے ڈوپٹہ کے ساتھ ہمکنڈو کے رومال کے دوپٹے اور ململ کی ساڑی بھی استعمال ہونے لگی تھی۔ مگر قدیم لباس کی جھلک بھی نظر آجاتی تھی۔ اس زمانہ کی ایک تصویر یعنی ماماؤں کے لباس اور زیور وغیرہ کو بخوبی ظاہر کرتی ہے گلمز آف دی نظام ڈوئنسٹی میں شامل ہے یہ تصویر حسن بن عبداللہ المخاطب نواب عماد نواز جنگ کے یہاں کے ماماؤں کی ہے غرض گذشتہ زمانہ کے ماماؤں کی کوئی بات آجکل باقی نہیں ہے۔ اب انکی حیثیت ایک افسانہ کی ہے چند دن کے بعد یہ بھی فسانہ ہو جائے گا۔

آجکل تو ماماؤں کی سخت قلت اور کال ہے۔ دختر کے لئے اہلکاروں کا ملنا سہل ہے۔ عقد کیلئے بی بی کا دستیاب ہونا آسان ہے۔ گانے کے لئے طوائف کا ملنا دشوار نہیں ہے لیکن ماما کا ملازمت کیلئے دستیاب ہونا مشکل تر اور دشوار تر ہے۔ اور پھر ان کی تنخواہ کا اسکیل زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے اب انکی تنخواہ دس بارہ سے پندرہ روپے تک پہنچ چکی ہے۔ مگر پھر بھی خوش نہیں۔ کھانا پہلے کی

طرح اب یہی رہتا ہے مگر اب سرپرستی کی چادر بھی طلب ہونے لگی ہے۔

لباس میں بھی پوری تبدیلی ہو چکی ہے یعنی اور ڈوپٹے نام کو نظر نہیں آتے۔ اسکی جگہ پوری طرح ساڑی نے لے لی ہے۔ اس میں بھی کچھ فرق ہے کچھ تو عمل کے رنگین ساڑیوں کا استعمال کرتی ہیں۔ اور کچھ گاؤں کے موٹے سوتی ساڑیاں پہنا کرتی ہیں کرتی کے ساتھ قمیص بلکہ تنا پیرہن کا رواج ہے۔ زیور اب بہت کم نظر آتے ہیں جو کوئی نہیں پہنا کرتی بر قعہ کی جگہ صرف چادر باقی ہے۔ [illegible]

انکے اختیارات اور ان کی بود و باش کے طریقے بھی اب بالکل بدل چکے ہیں۔ وہ رات دن نہیں رہتی دوپہر اور شام کو چلی جاتی ہیں۔ کہنا ملازمت کی جگہ نہیں کہا نگین بلکہ اپنے مکان کو لے جاتی ہیں۔ البتہ بعض مامائیں تمام دن رہ کر شام کو اپنے مکان چلی جاتی ہیں غالباً ایسی بہت کم ہونگیں جو رات دن رہا کرتی ہیں الا خاص اسباب کے تحت جن کی صراحت آگے آتی ہے

تعلیم یافتہ بی بی کے آگے مامائوں کی اب زیادہ نہیں چلتی مگر گھر کی بوی کی حیثیت ناخواندہ بی بی کی ہو یا اگر "مامائی" صاحب خانہ کی متبنیٰ بڑی ہو تو پھر اسکی خوبیتی ہے۔ اور "مستو طن مسافروں" کی بیان بود و باش سے جہاں انکی تنخواہ میں اضافہ ہو گیا ہے اور دستیابی دشوار ہو گئی ہے وہاں ان کے اختیارات بھی نامحدود اور خدمات میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

موجودہ زمانہ کی تنخواہ اور ان کے لباس وغیرہ کی صراحت تو ہو چکی ہے مگر ان کے سردار کے لحاظ سے ان کی خاص تقسیم ہو سکتی ہے جس کا بیان ضروری ہے۔

ماماؤں کی تقسیم حسب ذیل ہو سکتی ہے:-

(۱) ایک ماما تو وہ ہے جو مولانا نذیر احمد کی "مامائی" کی کردار کو پیش کرتی ہے تاکہ چراتی اور جنا کر لیتی ہے۔

(۲) دوسری ماما وہ ہے جو ماما "دیانت" کے کردار کو پیش کرتی ہے۔ آقا کی خیر خواہ اس کے مال و زر کی نگہبر گر چکا کر سامان خرید کر تی ہے۔ اور بچا کر مال لیتی ہے

(۳) ماما تیسری قسم وہ ہے جو میاں بیوی کی جاسوس ہوتی ہے بی بی کے حکم کی تعمیل میں وہ میاں کی جاسوسی کرتی ہے چہرا سیوں اور شوفر سے میاں کے ملنے والوں اور دور میاں کے جانے کے مقامات کی اطلاع وقت بوقت بی بی کو دیا کرتی ہے۔ یہ ماما بی بی کی مصاحبہ ہوتی ہے میاں کو معلوم ہے کہ ماما ان پر جاسوس ہے مگر مجال نہیں کہ اسکو علیحدہ کرا سکیں یا صرف شکایت زبان پر لا سکیں۔

(۴) چوتھی قسم تیسری قسم کی عکس ہے اس نوع کی وجہ سے اکثر گھر میدان جنگ رہتے ہیں۔

(۵) پانچویں قسم کی ماما وہ ہے جو گھر کے دوسرے ذکور ملازمین کے ساتھ رشتہ اتحاد مستحکم کر کے اس وقت تک رہنمائی چاہتی ہے جب تک کہ ان کے دوست ملازم صاحب شوفر می یا خدمتگاری کے فرائض انجام دیتے رہیں ایسی ماماؤں کا بڑا وقت گھر کے کام کے بجائے باہر اوٹ ہوسٹس میں گزرتا ہے۔

(۶) چھٹی قسم وہ ہے جو نیوفش ماما کہی جا سکتی ہے۔ یہ تیڑی مانگ نکالتی ہے۔ اور سگریٹ پیتی ہے۔ اور قابض ہو جاتی اور دوسرے ملازمین پر حکومت بھی کرتی ہے۔

(۷) ساتویں قسم کی ماما وہ ہے جو بدصورتی میں امتیاز ہوتا ہے یا کبرسنی کے باعث خاص طور پر ملازم رکھی جاتی ہے۔ اور عظیم بیگ چغتائی صاحب والی اندھیر کی نماز کی قائم مقامی نہ کر سکے۔

(۸) آٹھویں قسم کی ماما۔ وہ ہے جو ملازمت کے ساتھ ملازمت کے گھر میں اپنی جوانی کی تشنگی کی جویاں رہتی ہے اور عدم کامیابی پر ملازمت و بال جان ہو جاتی اور خدمت سے سبکدوشی حاصل کر لیتی ہے

(۹) نویں قسم کی ماما وہ ہے جو اپنے کام کاج اور حسن عمل سے میاں بی بی اور بچوں بلکہ گھر بار کو خوش رکھتی ہے۔

ماماؤں کی دشواری اور ان کی ناز برداری سے عاجز ہو کر یا فیشن کی تقلید میں اب بی بی کے پہلے کے ماما کے بجائے "آیا" اور "بہرے" متعین ہونے لگے ہیں۔ "بہرے" کے متعلق ہمارے محترم دوست مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب تفصیل کر چکے ہیں۔ البتہ کبھی فرصت سے "آیا" کو متعارف کرایا جا سکتا ہے فقط

بقایا حدیث دلبراں

پر آمد گی ظاہر کرنا۔ "معشوق" کو چھوڑ کر "ایکٹیب" کی تلاش بڑی دلچسپ تھی۔

چھوٹے مرزا نی کرداروں میں ماہیرو کے نوکر کا کام بہت اچھا رہا ہیرو نے بھی پوری کوشش اپنے کام کو اچھی طرح کرنے کی کی لیکن نہ معلوم کیا بات ہے کہ ان میں سے ابھی "ظاہر باطن" کے شرابی اور اندھے ہیرو کی بو نہیں گئی۔

اس کے بعد زنانی کرداروں میں دو بہت اچھے رہے۔ ایک تو "خالہ جان" کا کردار بہت مدد دے رہا تھا۔ تاہم اگر مکالمہ کے ساتھ اگر خالہ جان کی خود غلط سنجیدگی نہ ہوتی تو یہ کردار اتنا کامیاب نہ ہوتا۔ اسکے بعد مامی آتی ہیں۔ مامی کو اسٹیج پر دیکھکر دھوکا ہوتا تھا کہ آپ کسی دیوٹر ہی سے بھٹک کر اسٹیج پر تشریف نہیں لائی ہیں۔

بہرحال یہ ڈسامہ ہر حیثیت سے ایک کامیاب اور بار آور کوشش تھی جسکے سہرا سر فضل الرحمٰن اور انجمن ترقی ڈرامہ کے سر ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی بات ہے کہ آمدنی تو خوشحال اور ذی عزت طبقے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی بدولت ملک کی صنعتوں کو فروغ ہوتا ہے۔ کسی ترقی پذیر صنعت میں ملک کے رجحان کے مطابق پیسہ خرچ کرنا اور اس کے معیار کو بلند کرنا تجارت کا سب سے پہلا اور کامیاب اصول ہے۔ اگر فلمساز کمپنیوں کا نقطۂ نظر حسن کارانہ نہیں ہے تو کم از کم اس اصول ہی کو پیش نہاد خاطر رکھا جا سکتا ہے۔ ہم نے اپنے گزشتہ مضمون میں بھی یہی لکھا تھا کہ اس وقت ہندوستانی علم و فن کی ترقی روز افزوں ہے، تعلیم یافتہ اور تنقیدی نظر رکھنے والی پبلک کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اس لحاظ سے ضروری ہے کہ فلم سازی میں اس کے مذاق اور معیار کو پیش نظر رکھا جائے۔ اگر ہم فلم میں، کہرواء، وادرا، کی ایک چلتی ہوئی چیز کو پسند کرتے ہیں تو دوسری طرف فن موسیقی کے کسی باکمال گانے کے بھی خواہاں رہتے ہیں۔ ہم اس فلم کو اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے جس میں صرف ناٹک کی طرزوں کے سوائے کوئی اور چیز ہو۔ بعض فلمیں مثلاً "اندر سبھا" "چترا بکاولی" اور "گل بکاولی" وغیرہ میں ہم نے بعض گانے ایسے سنے جس میں الفاظ اور سرگم ریل کے انجن کی طرح تیز ادا کیا جا رہا تھا اور گانے والے اداکار کا فربہ چہرہ کیا مرہ کے اس قدر قریب تھا کہ آواز اور چہرے کی ہیئت سے بعض کم عمر بچے ڈر کر دور ہٹ گئے تھے۔ اس پنجاب میل گانوں کی خوبی ہماری سمجھ میں نہ آئی۔

فلم میں گانا ارکارڈ میں گانے سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ اول الذکر میں فن کار پردے پر ہوتا ہے اور اس کے گانے کے ساتھ ساتھ اسکی حرکات، دکھاؤ اور انداز نغمہ سرائی بھی پیش نظر رہتا ہے۔ "مس دمدو بالا" کے اکثر ارکارڈ مقبول خاص و عام ہے، لیکن جب انھوں نے فلم میں اپنا یہ گانا "اللہ پر رکھو بھروسہ گھر والا نہیں ہمی کی مشکل راگ دغا بنا دا راگ، میں گایا تو کسی نے ان کی گردن کے فربہ حصے کی پھبتیاں اڑائیں۔ کسی نے انداز نشست پر اعتراض کیا، کسی نے نہیں ہمی کی آخری کشش کا مذاق اڑایا۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ جو گانا ارکارڈ میں اچھا معلوم ہوتا تھا وہ پردے پر اتنا کشش نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہماری رائے میں اداکار کو پردے پر گانے کے لیے کافی مشق اور تعلیم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اگر اداکار فن کے ساتھ ساتھ سچ و صحیح بھی رکھتا ہو تو وہ اسٹیج کیلیے ایک نعمت ہے۔

مقبول اور خوش رنگ گانوں میں مسٹر ہادی کو بڑی کامیابی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اولاً اپنی طرز شوخ رکھتے ہیں۔ یہ کہیں کہیں فنی کمال بھی دکھا جاتے ہیں اور اس کے ساتھ موقع کے اعتبار سے چیز چھیڑ کر اپنی فطری ظرافت کے ساتھ اس کو ادا کرنا واقعی ان کا کمال ہے۔ "دام حسن" (Temptress) میں انھوں نے طنبورے پر جو چیزیں سنائی ہیں وہ نہایت خوب اور دلکش ہیں۔ "مس سلوچنا" بھی اپنے گانوں کو سادگی اور خوبی کے ساتھ ادا کر جاتی ہیں۔ "مس کمن" اسٹیج پر شرمیلی ادا سے کھڑی ہوتی ہیں اور اگر ان کو کہنے کا کسی قدر موقع ملتا ہے تو بعض گانوں ہی کے وقت یہ مردانہ گانوں میں ہم سب سے زیادہ "ڈاکو کی بیٹی" والے کو ڈاکوں کو پسند کرتے ہیں جنھوں نے دیوار پر بیٹھ کر اپنا گانا سنایا تھا۔ افسوس ہے کہ ہم کو ان کے ناموں سے واقفیت نہیں، انھی دو گانے والوں نے "مدھوری" میں بھی اپنا دلفریب گانا سنایا تھا۔ پشپا دیوی، مسٹر دیسائی، مہتا اور اختری یہ تو مستند گانے والے ہیں اور انھی کی بدولت فلمی دنیا کے گانے اصولی شہرت حاصل کرتے ہیں۔

ساز۔

فلم کا آرچسٹرا آج کل زیادہ تر شہنائی، دیرلیں اور ہارمونیم پر مشتمل معلوم ہوتا ہے، کبھی کبھی سارنگی کی بھی لہریں سنائی دیتی ہیں۔ اس میں جو جدت اور سلیقہ دکھایا گیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ لیکن جس چیز کی کمی ہم کو محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قصے میں خاص خاص سازوں کو پیش نہیں کیا جاتا اور ان کے لیے مناسب مواقع پیدا نہیں کیے جاتے ہیں۔ "شکنتلا" میں بین اور ستار کا سین ناظرین کے لیے عجیب و غریب کشش رکھتا تھا۔ ہمارے شہر میں سینکڑوں کو محض ستار سننے کی خاطر سینما دو دو تین تین مرتبہ جاتے دیکھا ہے۔ میں نے سنا کہ اس ڈرامے میں حصہ علیحدہ جوڑ دیا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ جب یہ ڈراما حیدرآباد آیا تو اس میں ستار کی گت بجائے کافی کے کچھ اور تھی، اس سے متذکرہ کا ثبوت ملتا ہے، خیر واقعہ جو کچھ بھی ہو اس قسم کے دلچسپ موسیقانہ مناظر ڈرامے میں جان ڈالتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ سوائے "شکنتلا" کے کسی اور ڈرامے میں ایسے دلچسپ مناظر دیکھنے میں نہ آئے۔ "آنسوؤں کے بیٹے" میں ایک مختصر سین زور بین بجانے والے کا پیش کیا گیا ہے۔ لیکن دو چار منٹ جوڑ بجانے کے بعد اس کو ختم کر دیا گیا۔ "مایا مچھندر" میں مردنگ اور طنبورے رکھے ہوئے تھے، طنبورے کو تو ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا۔ مردنگ بجانے والے کا انداز نشست ناظرین پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس وقت لاجواب مردنگ بجائی جائیگی، لیکن سوائے دو چار تھاپوں کے نتیجہ کچھ اور نہ تھا اور علانیہ ظاہر بھی ہو رہا تھا کہ اصل بجانے والا کہیں اور ہے اور گورک ناتھ صرف انگلیاں چلا رہا ہے۔ المختصر ہماری رائے میں ستار، سارنگی، جلترنگ، دلربا، قانون، سرود، شہنائی وغیرہ جیسے ساز جن کا بجانا موسیقی

ہندمیں ایک خاص فن اور کمال سے متعلق ہے ڈرامے میں پیش ہونے چاہئیں تاکہ ایک طرف ڈرامے میں علاوہ گانے کے ساز نوازی کی بدولت تنوع پیدا ہو، دوسری طرف ساز بجانے والا ساز زندہ کے ذریعے (جو تعداد میں بہت ہیں) ہندوستانی موسیقی کی اشاعت ہو، اس کا دلچسپ مظاہرہ ہو اور ناظرین اس سے لطف اندوز بھی ہوں۔ ہندوستانی ڈراموں میں شکنتلا کے ستار والے سین کی طرح متعدد موقعے پیدا کئے جاسکتے ہیں اور سازوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم ایک مشہور انگریزی ناطق فلم کا ایک مختصر قصہ درج ذیل کرتے ہیں جس کی یورپ اور امریکہ میں خاص شہرت ہے۔ اس ڈرامے میں علاوہ پلاٹ کی خوبی کے زندگی کے عمیق جذبات اور مسائل کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ایک جگہ موسیقی اس خوبی سے داخل کی گئی ہے جس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اس ڈرامے کا نام ہے "The man I killed"

"اَرنسٹ لُوبش" کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس باکمال شخص کے ڈرامے نفسیاتی اور جذباتی رنگ رکھتے ہیں، نہایت مشہور ہیں۔ ہم قصہ اور موسیقی دونوں کے موثر ارتباط کو ظاہر کرنے کے لیے اس قصہ کو یہاں درج کرتے ہیں۔

"میدان جنگ کے ایک خار میں دو سپاہی زخمی پڑے ہیں، ایک فرانس اور ایک جرمنی کا۔ فرانس کا سپاہی مردہ ہے اور جرمن سپاہی کو آخری وصیت کر رہا ہے کہ اس وقت جبکہ اس کی آخری سانسیں ختم ہونے کو ہیں، دنیا کے سب اختلافات دور ہو جاتے ہیں، اس کی خواہش ہے کہ اس کا آخری خط اس کی بہن کے نام جرمنی پہنچا دیا جائے۔ اس خط پر وہ اپنے خون سے دستخط کرکے داعی اجل کو لبیک کہتا ہے۔ دور سے فوجی بینڈ کی نرم آوازیں آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہید وطن کی روح روحان نواز نغموں پر سوار ہو کر آسمان کی طرف جا رہی ہے۔ جرمن سپاہی باوجود سپاہی ہونے کے ایک حساس دل رکھتا ہے، اس کو اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ زندگی آخر پائی کا ایک بلبلا ہے، اور انسان کو موت آخر اس طرح اگھیر ہی لیتی ہے، اس تھوڑی سی مدت کے لیے اپنے ہم جنسوں سے قومی، سیاسی اور ملکی خصومت رکھنا انسان کی ایک وحشیانہ حرکت ہے۔ یہی خیال میں اُٹھتا ہے، اپنے ہم جنس کی بے جان لاش پر آنسو جاتا اور اس کو اٹھا کر ایسی جگہ رکھ دیتا ہے جہاں اس کے ہم وطن اس کو اٹھا لیجا سکیں۔ دوسرا سین شہر فرانس کا ہے۔ اس مرحوم سپاہی کے والدین کا گھر ہے جس میں صرف تین ہی فرد ہیں۔ ایک باپ، دوسری ماں، تیسری بہن۔ باپ فرانس کا مشہور ڈاکٹر ہے، لیکن اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کے فراق میں مخبوط الحواس ہو گیا ہے۔ اس کی ماں اور بہن دونوں ہر صبح مرحوم سپاہی کی قبر پر پھول چڑھاتے اور دو آنسو بھا آتے ہیں۔ ایک دن لڑکی اس جگہ دیکھتی ہے کہ نامعلوم شخص اس کے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہا ہے، یہ وہی میدان جنگ والا جرمن سپاہی ہے۔ وہ اس سے گفتگو کرتی ہے لیکن اس کے نام و نشان کا کوئی پتہ نہیں چلا سکتی۔ جرمن سپاہی دلی احساسات کی وجہ سے ایک قلبی کرب اور اندرونی انتشار میں مبتلا رہتا ہے۔ وہ ہر روز گرجا میں جاتا اور خدا سے اپنے گناہوں خصوصاً فرانسیسی سپاہی کے خون کی معافی چاہتا ہے۔ اس اثنا میں وہ بیمار ہو کر اسی ڈاکٹر کے گھر آتا ہے جو مرحوم سپاہی کا باپ ہے۔ باپ رجسٹر میں درج کرنے کے لیے اس کا نام اور وطن دریافت کرتا ہے اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مریض جرمنی کا باشندہ ہے تو اس پر غم اور غصے کی ایک مجنونانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ کانپتے ہوئے کہتا ہے "اے انسان! میں جرمنی کے ایک ایک شخص کو دیکھ معصوم بچے کے خون کا پیاسا اور اس کا قاتل سمجھتا ہوں میں اپنے دل کی دنیا میں اس شہر اور اسکے باشندوں سے اتنی نفرت اور خصومت رکھتا ہوں جس کو بیان کرنا ناممکن ہے" یہ کہکر وہ مریض سے بآواز بلند کہتا ہے کہ وہ گھر سے نکل جائے۔ ڈاکٹر کا غصہ اور شور دیکھکر اس کی بیٹی دوڑی آتی ہے اور جب اس شخص کو دیکھتی ہے تو باپ سے کہتی ہے "لیکن ابا! یہی وہ شخص ہے جو بھائی جان کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہا تھا" ادھر سپاہی سرنگوں خاموش کھڑا ہے۔ اس جملہ کے سنتے ہی ڈاکٹر کی نفرت عجیب و غریب کشمکش کے ساتھ محبت سے بدل جاتی ہے، وہ سپاہی کو گلے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ محض اس شرافت نفسی پر وہ اس کو چند دن اپنے گھر مہمان رکھنا چاہتا ہے۔" اس مہمانی کے سلسلے میں سپاہی کو ڈاکٹر کی لڑکی سے عشق ہو جاتا ہے اور اس کے والدین پر اس کی شرافت کے جوہر نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ ایک دن لڑکی اس کو اپنے بھائی کے خطوط پڑھ کر سناتے ہوئے اس آخری خط کو بھی سناتی ہے، جس پر مرحوم کے خون کی دستخط تھی۔ جرمن سپاہی کا دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، جذبات اور احساسات اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں، خاموشی کی مہر ٹوٹ جاتی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے "تیرے بھائی کا قاتل میں بدنصیب ہوں" اس جملہ کے ساتھ ہی لڑکی پر (جو سپاہی پر دل و جان سے عاشق ہے) عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے، وہ دوڑتی ہوئی اپنے ماں باپ کے کمروں میں چلی جاتی ہے۔ سپاہی اب یقین رکھتا ہے کہ اس شہر میں یا تو اس کی زندگی آخری دن ہے یا اس لڑکی کی ملاقات کا آخری وقت۔" تھوڑی سی دیر کے بعد ڈاکٹر آتا، اس کے گلے میں اپنا ڈالتا اور کہتا ہے "میرے بیٹے" اس کے بعد اس آتی ہے اور کہتی ہے "میرے لال"۔ سپاہی اس عجیب و غریب واقعہ پر مبہوت بنا رہتا ہے۔ باپ کہتا ہے "بیٹا

میں آج جبکہ اپنے مرحوم لڑکے کی سالگرہ کا دن ہے، تجھے اپنا بیٹا بناتا اور اپنی لڑکی کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ اس کی لاج رکھنا۔" اس کے ساتھ ہی لڑکی کہتی ہے "لیکن ابا یہ تو میرے بھائی کا . . ." "یہ کہکر زور" چپ ہو جاتی اور سپاہی کے انتہا درجے شرمیلے، شریف اور خوب صورت چہرے پر غور کرتی اور وہ آنسو بہا دیتی ہے۔ اسی وقت پادری بلایا جاتا ہے، شادی کے جلسہ میں یہاں صرف گھر ہی کے افراد ہیں اور گرجا انھی کے گھر کا عبادت خانہ۔ شادی کے بعد باپ کمرے سے ایک ویولین لاتا ہے اور کہتا ہے "بیٹیا یہ میرے مرحوم فرزند کی ایک یادگار ہے جو میں نے تم کو شادی کے تحفے میں پیش کرنے اٹھا رکھی ہے۔ اسے لو اور اگر ممکن ہو تو کوئی دلسوز گت چھیڑو"۔ سپاہی ویولین اٹھاتا ہے۔ سوغ پر ہاں باپ اور پادری بیٹھ جاتے ہیں۔ اس مختصر محفل کے سامنے سپاہی ایک نرم اور دلسوز چیز چھیڑتا ہے، لڑکی کہتی ہے "مجھے بھی یہ چیز بھاتی ہے"۔ یہ کہکر وہ پیانو بجاتی اور دھیمی لے کے ساتھ اس کی سنگت کرنے لگ جاتی ہے۔ اسی نرم اور سریلے نغموں پر ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔

قصے کا حقیقی اور دلسوز رنگ، اسکا فطری انداز، جذبات کے عمق کے علاوہ غور طلب امر یہ ہے کہ اس قصے میں موسیقی صرف ابتدا اور آخر میں پیش کی گئی اور ایسے برمحل اور فطری انداز میں پیش کی گئی ہے جو موسیقی جیسے فن کے شایان شان ہے۔ میدان جنگ اور شادی والے سین کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کا ہر سُر واقعات اور جذبات کی ایک تصویر کھینچ رہا اور سننے والے کو آسمانی لطیف فضا میں پہنچا رہا ہے۔

ناچ اور آرٹ

سالہا سال کے بعد ہم ناچ اور آرٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے ہندوستانی ناطق فلم میں صرف دو ناچ دیکھے ایک "مس کمل" کا ناچ "چیتر بسکامنی" میں دوسری مس گوہر کا "موت کا ناچ" (Death Dance) "آدھے رانی" میں انھیں دو اداکار حسینوں کے کئی ڈرامے آئے لیکن ان کے بھاؤ رقص کو پیش ہی نہیں کیا گیا۔ ہر ہندوستانی ناطق فلم میں عموماً ناچ کے منظر ضرور ہوا کرتے ہیں لیکن ان میں یا تو عام قسم کا معمولی ناچ دکھایا جاتا ہے، یا مصری اگریزی طرز کا ناچ فنی لحاظ سے یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستانی نچ کے مقابلے میں دنیا کا کوئی ناچ نہیں۔ پھر خود ہماری فنی چیز سے یہ تغافل اور دیگر ممالک کے رقص و سرود سے اتنی دلچسپی باعث حیرت ہے۔

ہندوستانی رقص کے لیے تین چیزیں از حد ضروری ہیں۔ رقاصہ کا حسین ہونا، بے باک، نازک مزاج اور لطیف طبع ہونا۔ دوسرے بے کاری سے واقف ہونا اور مختلف فکڑے لیکر باکپن کے ساتھ اپنا کمال دکھانا تیسرے گھنگرو اور طبلے کی آواز میں کامل ہم آہنگی ہونا۔ رقص میں اصل چیز طبلہ اور گھنگرو ہوتے ہیں، ساز صرف گت رکھنے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ "ہم نے اس کے برخلاف بعض ڈراموں میں دیکھا کہ بہترین رقص اور بھاؤ کو مردوں نے ادا کیا ہے، اور یہ کام ظریفانہ انداز میں بھی دکھایا گیا ہے"۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ اکثر ناچ بغیر گھنگرو کے پیش کئے جاتے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

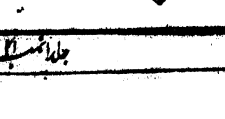
ڈاڑھی مونچھوں کے ساتھ ناچ گویا توے کو طاؤس بنانا گیند کو کبک دری کے بازو لگا کر اڑانا ہے۔ اگر یہی کام کسی حسین اداکارہ سے لیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔ اگر وہ اس سے واقف نہ ہوتی اتنا دو تین ڈاڑھی سی تعلیم کے بعد اس کو تیار کر سکتا ہے۔ "آوارہ شہزادہ" میں شہزادے کے پلنگ کے سامنے باورچی جو بھاؤ بتاتا ہے وہ باکمال ہے۔ لیکن اگر یہی کام عورت کرتی تو جادو اور موہنی ہوتا۔ "پورن بھگت" میں ایک اور باکمال ناچ ایک غریب اور مسخرے اداکار کے سپرد ہے۔ بہرحال آرٹ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام متعلقات اور لوازم کی کامل پابندی کی جائے اور لوازم کی کامل پابندی کی جائے اور اس میں سلیقہ اور شان برتی جائے۔ اس کے خلاف کرنا ایک فن لطیف کو نقصان پہنچانا، اور ایک اچھی چیز کی مٹی پلید کرنا ہے۔

رقص کے لیے لباس، موقع اور محل بھی سخت ضروری ہے۔ بعض تاریخی ڈراموں میں لباس غیر تاریخی اور ناچ اس زمانے کے رواج کے بالکل مختلف تھا۔ اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

"پتت پاون" ایک عجیب و غریب لطیفہ ہے۔ نمونے کے پردے میں ایک عنوان آتا ہے۔

(Perfect rythm of celestial dancing)

"آسمانی ناچ اور لاجواب لے کاری" اس کے بعد ہی لمبی ڈاڑھی والے گرو جی کو تقریر کرتے ہوئے اور ان کے چیلوں کو اپنی اپنی ڈاڑھیاں اور رکنٹوپ ہلاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی ہم کو حیرت ہوئی کہ رقص و سرود کی بجائے کرو آشرم، تقریر اور ڈاڑھی!۔ ہم نے اس عنوان میں تھوڑی سی ترمیم کر دی، اور کہا "Perfect rythm of the celestial beard" "آسمانی ڈاڑھی اور لاجواب لے کاری"۔



پتھر سے گھسیں اور صاف پانی سے دھو ڈالیں اسطرح تقریباً پندرہ منٹ تک عیسل کریں اسکے بعد حسب ذیل مصالحہ لگا کر دو منٹ کے بعد صاف پانی سے دھو دیں پتھر پر نہایت عمدہ پالش ہو جائیگی۔

پھٹکری دو اونس۔ پانی دو (۲) اونس۔ نائٹرک ایسڈ (½) اونس۔

مذکورہ بالا مصالحہ سے دھونا اسلیئے ضروری ہے کہ یہ پتھر کی سطح کو سخت کرتا ہے اور پتھر کے اندر سے پورے مسوف وغیرہ کچھ ہمرات زائل کر دیتا ہے۔ اگر اس سے نہ دھویا جائے تو اثناء طباعت میں پرانے حروف کے ابھرانے کا گمان باقی رہتا ہے جسے عرف عام میں کچا اٹھنا کہتے ہیں۔ اگر کسی پتھر میں کچا اٹھنے لگے تو اس وقت بھی اسی مصالحہ میں تھوڑا سا گوند ملا کر لگا دینا چاہئے اور صاف کر کے طباعت شروع کرنی چاہئے

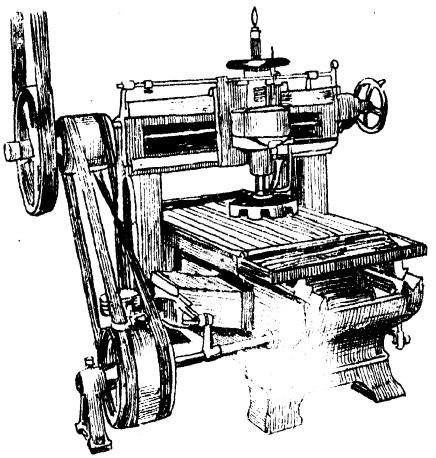
پتھر کو گرینگ کرنا | اگر کریانس (تھو چاک) ایک قسم کی پنسل ہوتی ہے جو کاپی کی سیاہی کے اجزا سے بنائی جاتی ہے سے راست پتھر پر کوئی تصویر۔ وغیرہ بنا کر طبع کرنا ہو۔ تو پہلے پتھر کو گرینگ کر لینا چاہیے گرینگ کرنے سے پتھر کی سطح دانہ دار ہو جاتی ہے۔ اور کریان سے جب اسپر کوئی خط کھینچا جاتا ہے تو وہ ایک مسلسل خط نہیں ہوتا بلکہ وہ باریک باریک نقطوں میں کٹ جاتا ہے اسطرح مصور کو حسن کاری کا پورا موقع مل جاتا ہے کہ وہ اپنی تصویر کے سب خوبیاں ظاہر کر سکے۔

گرینگ کرنے کیلئے پتھر کی ہموار سطح پر باریک ریت یا شیشہ کا باریک مسوف بچھا کر تھوڑا سا پانی چھڑک دیتے ہیں اور ایک دوسرے گول پتھر سے جسکا قطر ۱۵ انچ ہو آہستہ آہستہ گھستے ہیں۔ گھستے وقت اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ گول پتھر کو آگے پیچھے یا دائیں بائیں نہیں حرکت دیتے بلکہ مدوری حرکت دیجاتی ہے شکل ۸ سیر گول پتھر کی سطح بھی ہموار ہونا چاہیے اور اسکے کنارے سوہن سے گھسکر گول کر دینا چاہئے۔ گھستے وقت تھوڑا تھوڑا سا پانی بھی چھڑک لینا چاہئے۔ اسی طرح موٹی باریک ہر طبع کی گرینگ کی جا سکتی ہے۔ اگر موٹے شیشہ کا مسوف استعمال کیا جائے تو موٹی گرینگ ہوگی اور جتنا باریک مسوف یا ریت استعمال کی جائے گی اتنی باریک گرینگ ہوگی۔ اگر کبھی پتھر پر موٹی گرینگ ہو جائے تو اس کو باریک کرنے کیلئے ریت یا شیشہ کا مسوف ڈالے بغیر صرف پانی ڈالکر اسی پتھر کو گھسیں اسطرح حسب دلخواہ گرینگ ہو جائے گی۔

جب حسب دلخواہ گرینگ ہو جائے تو پتھر کو صاف پانی سے دھو کر سخت سخی کے برش سے رگڑ کر خوب خوب صاف کر لیں۔ اور پھر کوئی مصالحہ استعمال کئے اسپر کام کریں۔ اگر کسی قسم کا تیزاب وغیرہ استعمال کیا جائے گا تو اسکی گرینگ میں فرق آجائے گا۔ گرینگ کا صحیح اندازہ کام کرنے والے اور کام کی نوعیت پر منحصر ہے۔

اس طرح ہاتھ سے گرینگ کرنے کا طریقہ قدیم ہے آجکل گرینگ کرنے کی برقی مشین ایجاد ہو گئی ہے یہ مشین عام طور سے بڑے بڑے مطابع میں استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے ذریعہ عمدہ۔ جلد اور کم خرچ طریقہ سے گرینگ ہو جاتی ہے

عام بیچلائق کے پتھروں کی موٹائی اور وزن۔ ذیل کی فہرست میں پتھروں کے ناپ اور انکے وزن اور کاغذ کی پیمائش اور انکے مروجہ نام دیئے گئے ہیں۔



وینائے مژدہ ہدایت میں ایک عظیم الشان اضافہ

قرآنک ورلڈ

سہ ماہی انگریزی مجلہ

زیر نگرانی الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر سی۔ آئی ای (دبی) دنیا کے قابل ترین مسلمانوں کے افکار عالیہ سے آراستہ ہے۔ نمونہ کی کاپی ایک روپیہ چندہ عالیہ چار روپے ملنے کا پتہ۔ دفتر مجلہ انگریزی تحریک قرآن مجید دوال گوڑہ حیدرآباد دکن